وَاِنَّمَا اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (القرآن)

نذیر مبین

حمد بیحد مر رسولِ پاک را   آنکہ ایماں داد مشتِ خاک را

سید شاہد حسین

کتاب کا نام : نذیر مبین
مصنف : سید شاہد حسین
اشاعت اول : ۱۰۰۰
تاریخ : ستمبر ۲۰۰۱ء
ناشر : سید علی حامد
پتہ : سی۔۱۵۴، بلاک۔۲
کلفٹن۔ کراچی۔

فہرست ابواب

بِسمِ اللّٰہ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

نَحمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلیٰ رَسُولِہِ الکَرِیم

"اشہد ان محمد الرسول اللہ۔ اشہد ان محمد الرسول اللہ"
آغاز سحر سے پہلے سفیدی کی باریک لکیر افق پر نمودار ہوتے ہی کرۂ ارض کے گوشے گوشے میں ہزاروں لاکھوں میناروں سے اللہ تعالیٰ کی برتری و وحدت کے اعلان کے بعد یہ جانفزا آواز بلند ہو گی پھر کوئی لمحہ ایسا نہیں آئے گا کہ دنیا میں کہیں نہ کہیں یہ شہادت نہ دی جا رہی ہو 'اشہد ان محمد الرسول اللہ۔ اشہد ان محمد الرسول اللہ'۔

محمد الرسول اللہ ﷺ۔ یہ وہ نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ایسی رفعت بخشی (جیسا کہ فرمایا 'ورفعنا لک ذکرک') کہ کروڑوں زبانیں صبح و شام اسے درود و سلام پیش کرتی ہیں، جس پر سیرت نگاری کے بے شمار صفحے صرف ہو چکے اور صرف ہوتے رہیں گے اور جو رہتی دنیا تک تاریخ انسانی کے اوراق کو روشنی بخشتا رہے گا۔ اگر انسان کی عظمت کو ناپنے کا پیمانہ یہ ہو کہ اس نے کتنے عرصے میں کیا کچھ کیا اور اپنے بعد کیا آثار چھوڑے تو تاریخ کی کوئی شخصیت کتنی ہی قد آور کیوں نہ ہو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلندی کو نہیں چھوتی۔ سوائے آپؐ کی ذات کے تاریخ کی کسی شخصیت میں بہترین اوصاف کا ایسا اجتماع نہیں ملتا جس نے بیک وقت اعلیٰ ترین روحانی، اخلاقی، معاشرتی، سیاسی اور عسکری قیادت و رہنمائی فراہم کی ہو۔ آپ ﷺ نے اہل عالم کو نہ صرف اعلیٰ اخلاقی اور معاشی قدروں سے روشناس فرمایا بلکہ ایک ایسی انقلابی ریاست کی بنیاد رکھی اور اسے ایسے راستے پر ڈال دیا کہ چند ہی سال میں دنیا کی عظیم ترین طاقت بن گئی۔ آپؐ کا برپا کیا ہوا انقلاب کسی ریگستانی آندھی کی طرح عارضی نہ تھا کہ اٹھے اور اٹھ کر گزر جائے بلکہ ایک ایسا دیرپا نظام تھا جو صدیوں مستحکم رہا اور پندرہ سو سال کے بعد آج بھی اپنے قدم جمائے عظمت رفتہ کی بازیافت کے لئے مصر ہے۔

چھٹی صدی عیسوی کے قطعی غیر متمدن عرب میں ایک شخص پیدا ہوتا ہے ماں باپ کی شفقت و

تربیت سے محروم، تعلیم و تدریس کی نعمت سے بے بہرہ، ظلمت و جہالت کے ماحول میں زندگی کے چالیس سال گزارتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشنی اس کے ذہن پر نازل ہوتی ہے۔ انتہائی نامساعد اور حوصلہ شکن حالات میں تیرہ سال تک کوشش کرتا ہے کہ اس شمع ہدایت سے اپنا ماحول روشن کرے لیکن اس کوشش میں ساری قوم کو جو کل تک اسے 'الامین' کے لقب سے پکارتی تھی اپنا جانی دشمن بنالیتا ہے۔ مجبوراً اپنے شہر اور قوم کو چھوڑ کر گنے چنے ساتھیوں کو لئے کہیں اور پناہ گزین ہوتا ہے اور ایک محدود علاقے میں ایک نیا چھوٹا سا معاشرہ قائم کرتا ہے۔ باد مخالف کے تیز و تند جھونکوں میں بھی اس کی جلائی ہوئی توحید کی شمع روشن سے روشن تر ہوتی جاتی ہے اور اس دور کے ست رو ذرائع کے باوجود دس سال کی قلیل مدت میں سارا عرب اس سے منور ہو جاتا ہے۔ اس کی تربیت سے ایسی ہستیاں اٹھتی ہیں اور آنے والی نسلوں میں وہ جوش اور ولولہ ابھرتا ہے کہ سو سال کے اندر اندر ایک دنیا اس کا پیغام قبول کر لیتی ہے لاالہ الااللہ کی ایک مشعل سے علم و عرفان، نظم و ضبط اور تہذیب و تمدن کی ایسی شمعیں فروزاں ہوتی ہیں کہ ایک عالم چراغاں ہو جاتا ہے۔ انسان کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

یہ شخصیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی۔ جس نے آدمی کی ارتقا کا رخ ضلالت سے ہدایت کی طرف موڑ دیا۔ سارے عالم پر رحمت بن کر چھائی اور دنیا کی تاریخ پر ہمیشہ کے لئے ایک "احسان عظیم" بن گئی۔ یہ ذات اپنی جگہ ایسا عظیم الشان معجزہ ہے کہ جس کے بعد اسلام کی صداقت کسی اور معجزے کی محتاج نہیں۔ جب کہ دوسرے بانیانِ مذہب کے حالات زندگی وقت کی گرد سے مدھم یا معدوم ہو چکے ہیں یہ شخصیت دیومالا کی آمیزش سے محفوظ تاریخ کی روشنی میں صاف نظر آتی ہے۔

(اس تحریر کا مقصد مؤلف کی اپنی روحانی تسکین اور اللہ تعالیٰ سے اپنے اور اپنے والدین مرحومین کے لئے حصول ثواب و مغفرت ہے۔ ورنہ سیرت پاک پر بہت سے بہتر تصانیف پہلے سے موجود ہیں اور یہ سلسلہ انشاء اللہ تاقیامت جاری رہے گا)۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

شاہد حسین

۲۷ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

(۱۵ جنوری ۱۹۹۹ء)

(۱) دُعائے خلیلؑ

تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح کا زمانہ ہے کہ تین مسافر جن میں ایک معمر مرد، ایک جوان خاتون اور ایک نوعمر بچہ ہے کنعان (ارض فلسطین و شام) سے چلتے ہیں۔ شمالی عرب کے صحراؤں سے گزرتے ہوئے حجاز کی ایک وادی میں ایک درخت کے سائے میں ٹھہرتے ہیں۔ یہ ایک غیر آباد، بے آب و گیاہ سنسان علاقہ ہے۔ خاتون اور بچے کے لئے ایک تھیلے میں کچھ کھجوریں اور ایک مشکیزے میں پانی چھوڑ کر یہ بزرگ واپس ہونے لگتے ہیں۔ خاتون ان کے پیچھے پیچھے چلتی ہیں اور پوچھتی ہیں ''آپ ہمیں تنہا چھوڑ کر کہاں چلے؟''۔ بار بار اپنا سوال دہراتی ہیں لیکن یہ بزرگ مڑ کر نہیں دیکھتے۔ آخر میں کہتی ہیں ''کیا اللہ نے آپ کو ایسا حکم دیا ہے؟''۔ جواب ملتا ہے ''ہاں''۔ اس پر یہ خاتون فرماتی ہیں ''ایسا ہے تو اللہ ہمیں ضائع نہ کرے گا'' اور بچے کے پاس واپس آجاتی ہیں۔ جب یہ بزرگ کسی ٹیلے کی آڑ میں خاتون اور بچے کی نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں تو اسی مقام کی طرف رخ کر کے اپنے رب سے دعا کرتے ہیں

> اے پروردگار میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں (۱) تیرے عزت (و ادب) والے گھر کے پاس لابسائی ہے۔ اے پروردگار تاکہ یہ نماز پڑھیں تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں اور ان کو میووں سے روزی دے تاکہ (تیرا) شکر ادا کریں۔ (ابراھیمؑ ۳۸)

یہ بزرگ اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراھیمؑ تھے۔ خاتون ان کی شریک حیات حضرت حاجرہؓ اور بچہ ان کے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ تھے۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں حضرت

عبد اللہ بن عباسؓ سے منقول ہے (۲)۔ حضرت ابراہیمؑ نے یہ قدم یقیناً اللہ کے حکم سے اور اللہ پر پورا بھروسہ کر کے اٹھایا تھا اور اس مقام کی نشاندہی بھی اللہ تعالیٰ نے فرمائی تھی جہاں خدا کا گھر تعمیر ہونا تھا اور جہاں اس کے آخری رسول ﷺ کا ظہور مقدر تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

''اور (ایک وقت تھا) جب ہم نے ابراہیمؑ کے لئے خانہ کعبہ کو مقام مقرر کیا۔ (اور ارشاد فرمایا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیجو اور طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں (اور) سجدہ کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو صاف رکھا کرو'' (الحج ۲٦)

حضرت ابراہیمؑ کی پہلی شریک حیات حضرت سارہؓ تھیں جن سے مدت تک کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ حضرت حاجرہؓ ان کی دوسری زوجہ تھیں۔ یہ شاہ مصر کی صاحبزادی تھیں۔ جب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہؓ مصر میں تھے تو شاہ مصر نے دونوں کی عظمت سے متاثر ہو کر اپنی دختر انہیں ہبہ کر دی تھی۔ اپنے مہمان نواز بادشاہ کی خوش آئند آرزو پوری کرنے کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے حضرت ہاجرہؓ سے نکاح کر لیا۔ یہ سلمان منصور پوری اور سید سلیمان ندوی کی تحقیق ہے۔ (۳)

اس کے علاوہ یہودی مقدس کتاب 'اگادہ (Agadah)' کے مطابق بھی حضرت ہاجرہؓ شاہ مصر کی دختر تھیں۔ 'اگادہ' کی عبارت ہے: ''جب فرعون (شاہ مصر) نے اپنے محل میں (حضرت) سارہ کے کارنامے دیکھے تو انہیں اپنی دختر ہبہ کر دی اور کہا اس گھر میں مالکہ ہونے سے تیرے گھر میں خادمہ ہونا اس کے لئے بہتر ہے'' (۴)۔ سر سید احمد خان اپنے زمانے کے ایک مباحثے کا ذکر کرتے ہیں کہ ''۱۸۵۰ء میں بمقام کلکتہ اسی بات کا مباحثہ ہوا تھا اور اکثر یہودیوں نے اس بات کو تسلیم کیا تھا کہ حضرت ہاجرہؓ لونڈی نہیں تھیں شاہ مصر کی صاحبزادی تھیں'' (۵)۔ بعض مسلم مورخین نے ان غلط یہودی روایات پر اعتماد کر لیا ہے جن میں حضرت ہاجرہؓ کو اس غرض سے ایک کنیز بتایا گیا ہے کہ حضرت اسحاقؑ کو حضرت اسمٰعیلؑ پر ترجیح دے سکیں اور انہیں کو ذبیح اللہ

ثابت کر سکیں۔ (یہودی افترا پردازی کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظ ہو ابو الاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالم' جلد دوم صفحہ ۵۲ تا ۵۴۔ شبلی نعمانی 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۸۷، ۸۸)

حضرت ہاجرہؓ کے نکاح کے ایک سال بعد حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے۔ یہ نکاح حضرت سارہؓ کی مرضی سے ہوا تھا جن کے خود اس وقت تک کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کی عمر ۷۲ سال کی تھی اور وہ اولاد سے مایوس ہو چکی تھیں۔ یہ اللہ کی قدرت تھی کی چودہ سال کے بعد ۹۰ سال کی عمر میں ان کے بچہ پیدا ہوا۔ یہ حضرت اسحاقؑ تھے جو بنی اسرائیل اور ان کے انبیاء کے مورث اعلیٰ تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت بتاتی ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ اپنی زوجہ اور بچے کو چھوڑ کر رخصت ہو گئے تو کچھ عرصے تک ان کے چھوڑے ہوئے کھجوروں اور پانی پر دونوں نے گزارہ کیا۔ جب پانی ختم ہو گیا اور پیاس نے شدت اختیار کی تو بچے کی حالت دیکھ کر حضرت ہاجرہؓ بے چین ہو گئیں۔ قریب کی پہاڑیوں پر (جو بعد میں صفا اور مروہ کہلائیں) بار بار جاتیں کہ شاید کوئی شخص نظر آئے۔ مگر کوئی نہ دکھائی دیا۔ اس موقع پر ایک فرشتہ آیا اور اس نے ایک چشمہ جاری کر دیا (یہی بعد میں زم زم کہلایا جو آج بھی جاری ہے۔ حیرت ہے کہ اس قدر پانی اس میں کہاں سے آتا ہے) فرشتے نے حضرت ہاجرہؓ کو یہ پیغام بھی دیا ''ضائع ہونے کا اندیشہ نہ کرو۔ یہاں یہ بچہ اور اس کا باپ اللہ کا گھر تعمیر کریں گے اور اس گھر والوں کو اللہ ضائع نہ کرے گا'' (۶)۔ پھر قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ اس طرف سے گزرے۔ ایک پرندے کو ادھر اڑتے دیکھا تو اندازہ کیا کہ یہاں پانی ہوگا۔ چنانچہ زم زم تک پہنچے۔ یہاں حضرت ہاجرہؓ کو پایا اور ان کی اجازت سے وہاں مقیم ہو گئے۔ حضرت ہاجرہؓ نے اجازت اس شرط پر دی تھی کہ زم زم پر ان لوگوں کا مالکانہ حق نہ ہوگا (۷)۔ رفتہ رفتہ بنی جرہم کے کئی خاندان وہاں بس گئے۔ حضرت اسمٰعیلؑ ان لوگوں میں پلے بڑھے اور ان سے عربی زبان سیکھی۔

توریت کی کتاب پیدائش حضرت اسحاقؑ اور ان کی اولاد سے متعلق ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کی بابت صرف اتنا اور بتاتی ہے:

''خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیاباں میں رہنے لگا اور

تیر انداز بنا۔۔۔ اور وہ فاران کے بیاباں میں رہتا تھا۔ اور اس کی ماں نے ملک مصر سے اس کیلئے بیوی لی۔" (پرانا عہد نامہ کتاب پیدائش، ۲۱/۲۰،۲۱)

فاران حجاز کے پہاڑ کا نام ہے جیسا کہ معجم بلدان میں مذکور ہے اور جس پر عرب کے جغرافیہ داں متفق ہیں۔ عیسائی مورخ (جن میں سر ولیم میور وغیرہ شامل ہیں جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا حجاز تک پہنچنا ہی تسلیم نہیں کرتے) تعصب کی بنا پر فاران کو فلسطین کے جنوب میں بتاتے ہیں جس کا کوئی معقول ثبوت نہیں۔ حالانکہ انجیل تک میں یہ عبارت موجود ہے:

"ابراہام کے دو بیٹے تھے ایک لونڈی سے دوسرا آزاد سے۔ مگر لونڈی کا بیٹا جسمانی طور اور آزاد کا بیٹا وعدہ کے سبب سے پیدا ہوا۔ ان باتوں میں تمثیل پائی جاتی ہے۔ اس لئے کہ یہ عورتیں گویا دو عہد ہیں۔ ایک کوہ سینا کا جس سے غلام ہی پیدا ہوئے ہیں اور وہ ہاجرہ ہے۔ اور ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے اور موجودہ یروشلم اس کا جواب ہے کیونکہ وہ اپنے لڑکوں سمیت غلامی میں ہے"۔ (پرانا عہد نامہ، گلتیوں کے نام پولس کا خط ۲۳/۴ تا ۲۵)

عبارت کے ابہام کے باوجود یہاں حضرت ہاجرہؑ کو عرب کا کوہ سینا کہنا قابل غور ہے۔ اگر وہ اور حضرت اسمٰعیلؑ فلسطین کے قرب وجوار میں بسے ہوئے ہوتے تو حضرت ہاجرہؑ کو عرب کا کوہ سینا کہنا کوئی معنی نہ رکھتا۔ اسلام دشمن مسٹر فارسٹر جنکی موافقانہ شہادت بمشکل سے میسر آسکتی ہے خود تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہیں کہ "اشعیاہ نبی نے قیدار کے جس ملک کا ذکر کیا ہے۔۔۔۔ وہ عرب کے صوبہ حجاز کا صحیح نقشہ ہے" (۸)۔

توریت یہ بھی بتاتی ہے کہ دونوں بھائیوں (حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ) نے اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کو جبرون میں دفن کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد میں تعلق برابر جاری رہا۔ زبور میں حضرت اسمٰعیلؑ کی تعریف بالواسطہ ان الفاظ میں آئی ہے:

''مبارک ہے وہ آدمی جس کی قدرت تجھ سے ہے۔ جس کے دل میں
رصیون کی شاہراہیں ہیں وہ وادی بکا سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے
ہیں''۔ (پرانا عہد نامہ 'کتاب زبور' ۸۴/۵،۶)

اس ترجمے میں کچھ ابہام ہے۔ شبلی نعمانی نے عربی زبور باب ۸۴ کے ابتدائی حصے کا اردو
ترجمہ اس طرح کیا ہے: حضرت داؤدؑ خدا سے کہتے ہیں:

''اے فوجوں کے خدا تیرے مسکن کس قدر شیریں ہیں میرا نفس خدا کے
گھر کا مشتاق بلکہ عاشق ہے----- مبارکی ہو ان لوگوں کو جو تیرے گھر
میں ہمیشہ رہتے ہیں اور تیری تسبیح پڑھتے ہیں۔ بکہ سے گزرتے ہوئے
اسے ایک کنواں بناتے برکتوں سے مورہ کو ڈھانک لیتے قوت سے قوت
تک ترقی کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں''۔

سرسید کی طرح شبلی نعمانی نے بڑے قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہودی اور عیسائی علماء
(جن میں ڈاکٹر ہیسٹنگز، پروفیسر مارگولیوتھ اور سر ولیم میور جیسے حضرات شامل ہیں) کا یہ خیال
کہ بکا کی وادی کہیں فلسطین میں ہے قطعی غلط ہے۔ ان کے قیاس شدہ علاقوں کو 'بکہ' کے لفظ
اور جائے وقوع سے کوئی واسطہ نہیں (۹)۔ مکہ کا قدیم نام بکہ ہے قرآن مجید میں سورۃ آل عمران
کی آیت ۹۶ میں بھی یہ نام مکے کے لئے آیا ہے۔ بکہ اور مورہ کے نام یقیناً مکہ اور مروہ کے نام
ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ جن کی ساری عمر توحید کی تبلیغ اور سفر میں گزری کبھی کبھی اپنی پیاری بیوی اور
بیٹے سے ملنے آتے رہتے تھے اور کچھ عرصے ان کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ ایک بار ایسے ہی کسی
قیام کے دوران حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ وہ عظیم واقعہ پیش آیا جو قرآن مجید میں یوں مذکور ہے:

''جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا کہ بیٹا
میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ گویا تم کو ذبح کر رہا ہوں تو تم سوچو کہ تمہارا

کیا خیال ہے۔ انہوں نے کہا کہ ابا جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کیجئے خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیں گے۔ جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا'' (الصفت ۱۰۲ تا ۱۰۷)

اس قربانی کی یادگار کے طور پر آج تک حج کے موقع پر منیٰ میں قربانی کی رسم جاری ہے صدیوں کے تسلسل سے ثابت ہے کہ یہ واقعہ حضرت اسمٰعیلؑ کا ہے اور مکہ کے قریب ہی واقع ہوا تھا۔

اس واقعہ کا ذکر توریت کی 'کتاب پیدائش' (۲۲/ ۱ تا ۱۵) میں بھی ہے۔ لیکن کچھ مختلف تفصیلات اور اس تحریف کے ساتھ کہ ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ کی بجائے حضرت اسحاقؑ تھے۔ یہ تحریف 'کتاب پیدائش' ۲/۲۲ سے خود ظاہر ہے جس میں ذبیح کو اکلوتا بیٹا کہا ہے جو صرف حضرت اسمٰعیلؑ پر صادق آسکتا ہے جو ۱۴ سال تک حضرت اسحاقؑ کی پیدائش سے پہلے اکلوتے رہے (شبلی نعمانی اور ابو الاعلیٰ مودودی نے بڑے قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیلؑ ہی تھے (۱۰)۔ مولانا مودودی نے اس کی بھی بڑی تسلی بخش وضاحت فرمائی ہے کہ بعض مسلم صحابہ کس طرح افتراء سے متاثر ہو گئے) (۱۱)

توریت کی کتاب پیدائش کے باب ۲۲ کے پہلے دو فقرے یہ ہیں:

''ان باتوں کے بعد یہ ہوا کہ خدا نے ابراہام کو آزمایا اور اس سے کہا 'اے ابراہام' اس نے کہا 'میں حاضر ہوں'۔ تب اس نے کہا 'تو اپنے بیٹے اضحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا'۔''

ظاہر ہے کہ یہاں اسحاق کا لفظ بعد میں شامل کیا گیا ہے کیونکہ حضرت اسحاقؑ کبھی اکلوتے نہ تھے

(حضرت ابراہیمؑ کا جواب ''میں حاضر ہوں'' لفظ ''لبیک'' کا ترجمہ ہے جو قابل غور ہے یہی وہ لفظ ہے جو آج تک حج کے موقع پر حجاج بار بار دہراتے ہیں)

حضرت اسمٰعیلؑ جوان ہوئے تو اپنی خاندانی شرافت اور ذاتی اوصاف کی وجہ سے قبیلہ جرہم کے لوگوں میں بہت مقبول تھے۔ جرہمی چاہتے تھے کہ ان کی شادی کسی جرہمی لڑکی سے ہو۔ بہرحال حضرت ہاجرہؓ نے ایک لڑکی سے ان کی شادی کردی۔ ممکن ہے یہ لڑکی مصری نسل سے ہو جیسا کہ توریت بتاتی ہے۔ اس کے بعد حضرت ہاجرہؓ کا انتقال ہوگیا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کو اپنی یہ بہو اپنی شکوہ سرائی اور ناشکر گزاری کے سبب پسند نہ آئی۔ محترم باپ کی خواہش کے بنا پر حضرت اسمٰعیلؑ نے اسے چھوڑ کر ایک دوسری خاتون سے شادی کی۔ انہیں حضرت ابراہیمؑ نے ان کی شکر گزاری کی وجہ سے پسند فرمایا۔ یہ قبیلہ جرہم کے سردار مضاض بن عمرو کی صاحبزادی تھیں جو اپنے علاقے کا واحد فرمانروا تھا (۱۲) ان سے حضرت اسمٰعیلؑ کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے۔

حضرت ابراہیمؑ ایک بار پھر اپنے بڑے بیٹے سے ملنے مکہ آئے۔ اس وقت حضرت ہاجرہؓ انتقال فرما چکی تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیلؑ ایک روز زم زم کے قریب بیٹھے تیر بنا رہے تھے کہ ان کے والدؑ آپہنچے۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے دیکھتے ہی سلام عرض کیا اور باپ کی دعاؤں سے سرفراز ہوئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے انہیں اپنی آمد کا مقصد بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس جگہ اپنی عبادت گاہ بنانے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ باپ اور بیٹے نے ایک نہایت سادہ چوکور عمارت کی بنیاد رکھی۔ بیٹا پتھر اٹھا اٹھا کر لاتا اور باپ ان پتھروں کو نصب کرتے۔ جب دیواریں قدرے بلند ہوئیں تو حضرت ابراہیمؑ نے ایک بڑے پتھر پر کھڑے ہوکر تعمیر جاری رکھی۔ یہ پتھر ''مقام ابراہیمؑ'' کے نام سے آج بھی حرم میں موجود ہے۔ اس تعمیر کے وقت خلیل اللہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے:

''اور جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے
(تو دعا کئے جاتے تھے کہ) اے پروردگار ہم سے یہ خدمت قبول

فرما۔ بیشک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھیو اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہیو اور (پروردگار) ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما۔ بے شک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔ اے پروردگار ان (لوگوں) میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیجیو جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے۔ بے شک تو غالب اور صاحب حکمت ہے''۔ (البقرہ ۱۲۷ تا ۱۲۹)

جب پیغمبر دعا کرتا ہے تو اجابت خود استقبال کے لئے آگے بڑھتی ہے۔ اگلے تمام صفحات خلیل اللہ کی اس دعا کی مقبولیت کے روداد ہیں۔

☆ ☆

Add ~~~~

(۱) قرآن مجید میں اس مقام کے لئے 'بواد غیر ذرع' (یعنی ناقابل کاشت وادی) کے الفاظ آئے ہیں جو لفظ ''عرب'' کا بعینہ لفظی ترجمہ ہیں۔ اس زمانے میں اس غیر آباد ملک کا کوئی نام نہ تھا اس لئے خود لفظ ''غیر آباد ملک'' اس کا نام پڑ گیا۔ لفظ عرب سب سے پہلے ۱۰۰۰ قبل مسیح میں حضرت سلیمانؑ کے عہد میں سننے میں آتا ہے (سید سلیمان ندوی 'تاریخ ارض القرآن' صفحہ ۶۸)

(۲) صحیح بخاری۔ جلد دوم صفحہ ۳۱۴ تا ۳۱۹ (کتاب الانبیاء۔ باب یزفون النسلان فی المشی)

(۳) سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلد اول صفحہ ۲۶۔ نیز سید سلیمان ندوی 'تاریخ ارض القرآن' صفحہ ۱۵۵

(۴) انسائیکلو پیڈیا جوڈیکا (Encyclopedia Judaica) جلد ہفتم صفحہ ۱۰۷۵

(۵) سر سید احمد خاں خطبات سیرۃ النبیؐ صفحہ ۱۱۱

(۶) یہ واقعہ توریت کی کتاب 'پیدائش' باب ۲۱/ ۱۷، ۱۸ میں اس طرح مذکور ہے۔ ''خدا کے فرشتے نے آسمان سے (حضرت) ہاجرہؑ کو پکارا اور اس سے کہا اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال۔

کیونکہ میں اسے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک چشمہ دیکھا اور جا کر مشک کو پانی سے بھرا اور لڑکے کو پلایا۔'' سید سلیمان ندوی اس بارے میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کو غیر مرفوع بتاتے ہیں (یعنی اس کا سلسلہ آنحضرت ﷺ تک نہیں پہنچتا) اور سمجھتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے غالباً ''یہ واقعہ اسرائیلیات سے اخذ کیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی عمر اس وقت زیادہ ہو''۔ (سید سلیمان ندوی 'تاریخ ارض القرآن' صفحہ ۳۵۱)

(۷) صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۱۰۵۵ (کتاب المساقات باب من رای ان صاحب الحوض)

(۸) سید سلیمان ندوی 'تاریخ ارض القرآن' صفحہ ۳۹۴

(۹) سرسید احمد خاں 'خطبات سیرۃ النبیؐ' صفحہ ۴۷۵،۷۷۔ نیز شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۹۷

(۱۰) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۸۸ تا ۹۴

(۱۱) ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۶۱ تا ۶۵

(۱۲) سلمان منصورپوری 'رحمۃ للعالمینؐ' جلد اول صفحہ ۴۷

(۲) کعبۃ اللہ

یہ سادہ سی عمارت جو حضرت ابراھیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے مکمل کی روئے زمین پر خدائے واحد کی پہلی عبادت گاہ تھی۔ جیساکہ قرآن مجید میں ہے:

''پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لئے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو مکہ میں ہے بابرکت اور جہان کے لئے موجب ہدایت۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔ جو شخص اس (مبارک) گھر میں داخل ہوا اس نے امن پالیا اور لوگوں پر خدا کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے وہ اس کا حج کرے اور جو اس حکم کی تعمیل نہ کرے گا تو خدا بھی اہل عالم سے بے نیاز ہے'' (آل عمران ۹۶،۹۷)

پچاس برس قبل مسیح کا ایک رومن مورخ سیسلس کعبہ کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ دنیا کے تمام عبادت خانوں سے قدیم اور اشرف ہے(۱)۔ بیت المقدس کی عبادت گاہ اس کے ایک ہزار سال کے بعد حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں تعمیر ہوئی۔ کعبے کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ نہ چھت تھی نہ چوکھٹ اور کواڑ۔ اب اس مستطیل نما عمارت کی لمبائی ۱۲ میٹر ، چوڑائی ۱۰ میٹر اور بلندی ۱۵ میٹر ہے۔ شبلی نعمانی نے علامہ ارزقی کے حوالے سے کچھ زیادہ لکھی ہے (۲)۔ بعد میں قصی بن کلاب نے اسے ازسرنو تعمیر کرنے کی کوشش کی۔

حضرت ابراھیمؑ جب یہ گھر بنا چکے تو اللہ کا حکم آیا:

"۔۔۔۔۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیجیو اور طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں (اور) سجدہ کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو صاف رکھا کرو اور لوگوں میں حج کے لئے ندا کردو تاکہ تمہاری طرف پیدل اور دبلے پتلے اونٹوں پر دور (دراز) راستوں سے (سوار ہوکر) چلے آئیں۔ (الحج ' ٢٦ تا ٢٨)

باپ بیٹے نے تعمیل کی۔ ان کی تبلیغ سے لوگ کھنچ کھنچ کر آنے لگے جگہ آباد ہونے لگی اور اس طرح حضرت ابراھیمؑ کی وہ دعا قبول ہوئی جو انہوں نے حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو ایک بے آب وگیاہ وادی میں تنہا چھوڑتے وقت اللہ تعالیٰ سے مانگی تھی۔

حج کی رسم عام کر کے حضرت ابراھیمؑ واپس فلسطین چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ عرب میں حضرت اسمٰعیلؑ نبوت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ان کی تبلیغ سے قبیلہ جرھم کے علاوہ دور دراز کے لوگ بھی ایمان لے آئے۔ کعبۃ اللہ عرب کی مرکزی عبادت گاہ بن گیا ساتھ ہی شہر مکہ کو بھی بڑی عظمت حاصل ہوئی۔ یہ اپنے تقدس کے ساتھ ساتھ تجارت کا مرکز بھی بن گیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے ١٣٧ سال کی عمر میں وفات پائی اور اپنی والدہ کے قریب کعبہ کے برابر مقام حجر میں دفن ہوئے۔

ان کی دوسری زوجہ رعلہ بنت مضاض بن عمرو جرھمی سے ١٢ بیٹے ہوئے جن سے ١٢ قبیلے وجود میں آئے جو عرب میں پھیل گئے۔ پہلے دو بیٹے نابت اور قیدار مشہور ہیں جو یکے بعد دیگرے مکہ کے والی اور بیت اللہ کے متولی رہے۔ سارا حجاز ان کے زیر اقتدار تھا (ان کا زمانہ تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح ہے) پورے عرب کے حجازی قبائل انہی دو کی نسل سے ہیں (٣)۔ ان کے بعد ان کے نانا مضاض بن عمرو نے یہ اختیارات حاصل کر لئے مگر اولاد ابراھیمؑ کا احترام ووقار باقی رہا۔ ان کی نسل بڑھتی رہی اور کچھ لوگ مکہ کے باہر بھی جا کر آباد ہونے لگے۔ کچھ یمن تک پہنچ گئے۔

حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں ایک نامور شخص عدنان پیدا ہوئے (٤) بخت نصر نے ٥٨٧ قبل مسیح میں عرب پر حملہ کیا تو بنی اسرائیل کے نبی حضرت یرمیاہ عدنان کے ایک بیٹے معد کو اپنے ساتھ شام لے گئے۔ دوسرے بیٹے عک نے یمن میں اپنی ریاست قائم کرلی۔ بعد میں معد مکہ میں

واپس آگئے یہاں قبیلہ جرہم کی ایک خاتون معانہ سے شادی کی جن سے نزار پیدا ہوئے۔ ان کے چار بیٹے ایاد، انمار، ربیعہ اور مضر تھے۔ مضر کے دو بیٹوں قیس عیلان بن مضر اور الیاس بن مضر سے دو بڑے قبیلے شروع ہوئے۔ پہلے سے بنی سلیم، بنی ہوازن اور بنی غطفان اور دوسرے بیٹے الیاس سے بنی تمیم، بنی ہذیل، بنی اسد اور بنی کنانہ۔ کنانہ سے قریش کا قبیلہ وجود میں آیا جسے یہ شرف حاصل ہوا کہ اللہ کے آخری رسول ﷺ اسی میں پیدا ہوئے۔

سر ولیم میور کا یہ قیاس کہ آنحضرت ﷺ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد نہیں ہیں اور آپؐ کو حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد ثابت کرنے کی کوشش آپؐ کی زندگی میں کی گئی اور یہودیوں کی مدد سے ایسا سلسلہ نسب گڑھا (۵) محض ایک انتہائی متعصب ذہنیت کا وہم ہے جس کی لغویت سر سید نے بڑی خوبصورتی سے ثابت کی ہے (۶) پروفیسر مارگولیوتھ اپنے تعصب کے باوجود آپؐ کو حضرت ابراھیمؑ کی اولاد تسلیم کرتے ہیں۔ مشہور مورخ گبن کا قول ہے: ''محمد ﷺ کو حقیر اور متبذل نسل سے کہنا عیسائیوں کی ایک احمقانہ افترا ہے اس طرح وہ اپنے مخالف کی خوبیوں کو گھٹانے کی بجائے بڑھاتے ہیں۔ انؐ کا اسمٰعیلؑ کی نسل سے ہونا ایک قومی تسلیم کی ہوئی بات اور ملکی روایات سے ثابت شدہ امر ہے۔ بالفرض اگر کرسی نامہ کی پہلی نسلیں بخوبی معلوم نہ ہوں اور ابہام میں ہوں تو اور بہت سی پشتیں ایسی ہیں جو صاف صاف شریف و نجیب ہیں۔ وہ قریش اور بنی ہاشم ہیں جو اہل عرب میں نہایت نامی، مکہ کے فرمانروا اور کعبہ کے موروثی محافظ تھے'' (۷)۔

☆ ☆

(۱) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۹۸، ۹۹
(۲) ایضاً صفحہ ۱۰۰
(۳) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۶۳
(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلہ نسب اکیسویں پشت میں ان ہی سے جا ملتا ہے اور یہاں تک عدنانی سلسلہ نسب قطعی محفوظ ہے۔ یہ بھی طے ہے کہ عدنان بنی اسمٰعیلؑ میں تھے۔ اس میں اختلاف ہے کہ دونوں کے درمیان کتنی پشتوں کا فاصلہ ہے۔ مشہور چالیس پشتیں بتائی جاتی ہیں۔ (شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۰۳)۔ دو نسب نامے اگلے صفحات پر ملاحظہ ہوں۔
(۵) ولیم میور 'دی لائف آف محمدؐ' (The Life of Mohammad) صفحہ ۱۲ (مقدمہ)
(۶) سر سید احمد خان 'خطبات سیرۃ النبیؐ' صفحہ ۳۵۰، ۳۵۱
(۷) ایڈورڈ گبن 'دی ڈکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر' (The Decline and Fall of the Roman Empire) صفحہ ۷۵

نسب نامے

صحیح بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلہ نسب عدنان تک درج ہے جو قطعی ثابت ہے۔ عدنان کا سلسلہ حضرت اسمٰعیلؑ تک پہنچتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ سے عدنان ثانی تک پچاس پشتیں شمار کی گئی ہیں۔ سر سید احمد خان نے تمام نام دیئے ہیں (خطبات 'سیرۃ النبیؐ' صفحہ ۳۵۲) یہاں دو نسب نامے پیش کئے جاتے ہیں۔ پہلا عدنان بن اد (عدنان ثانی) سے فہر تک (فہر ہی کی اولاد قریش کہلائی) اور دوسرا فہر سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک۔

عدنان بن اُد (عدنان ثانی)

- معد ثانی
  - ایاد
  - قنص
  - قضاعہ
  - نزار
    - ربیعہ
    - مضر
      - عیلان
      - الیاس
        - قمعہ
          - لحی
            - عمرو
              - خزاعہ
        - مدرکہ (اصلی نام عامر)
          - ہذیل
          - خزیمہ
            - ہون
            - کنانہ
              - ملکان
              - نضر
                - مخلد
                - مالک
                  - فہر (قریش)
              - مالک
              - عبد مناۃ
            - اسد
            - اسدۃ
        - طابخہ
    - انمار
- عک

- فہر (قریش)
  - حارث (خاندان حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ)
  - غالب
    - لوئی
      - کعب
        - عدی
        - مرہ
          - یقظہ
            - مخزوم (خاندان حضرت خالد بن ولید)
          - کلاب
            - زہرہ (حضرت آمنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا خاندان)
            - قصی
              - عبدالعزیٰ
                - اسد
                  - خویلد
                    - عوام
                      - حضرت زبیر
                    - ربیع = ہالہ
                      - حضرت ابوالعاصؓ
                    - حضرت خدیجہ (ام المومنین)
              - عبد
              - عبد مناف
                - نوفل (خاندان مطعم)
                - مطلب
                - ہاشم
                  - عبدالمطلب
                    - چھ بیٹیاں
                    - ابولہب
                      - عتیبہ
                      - عتبہ
                    - حضرت عباس
                    - عبداللہ
                      - حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ
                    - حضرت حمزہ
                    - ابوطالب
                      - حضرت علیؓ
                      - حضرت جعفرؓ
                    - زبیر
                    - حارث
                      - حضرت ابوسفیان بن حارث
                - عبد شمس
                  - امیہ (بنی امیہ خاندان حضرت عثمان بن عفانؓ)
              - عبدالدار
          - تیم (خاندان حضرت ابوبکرؓ)
        - ہصیص
          - عمرو
            - جمح (خاندان حضرت عثمان بن مظعون)
            - سہم (خاندان عمرو بن العاص)
      - عامر (خاندان حضرت سہیل بن عمرو)

(۳) کفر از کعبہ برخیزد

مکہ میں جرہمی اقتدار کئی صدیوں تک رہا۔ اس دور میں حضرت ابراہیمؑ کا دین حنیف رفتہ رفتہ بدعتوں کا شکار ہونے لگا۔ یہاں تک کہ شرک سے آلودہ ہو گیا۔ ہوا یہ کہ جو لوگ مکے سے باہر جا کر آباد ہوئے وہ حرم مکہ سے کچھ پتھر تبرک کے طور پر اپنے ساتھ لے گئے۔ دیکھا دیکھی باہر سے آنے والے بھی اپنے کچھ پتھر جو ان کی نظر میں مقدس تھے مکہ لے آئے اور بت پرستی کے تصور نے مکے میں جگہ پائی۔ اقتدار کے نشے میں بنی جرہم اخلاقی پستی کا شکار ہونے لگے اور انہوں نے ظلم و تعدی کا رویہ اختیار کر لیا۔ مکے میں باہر سے داخل ہونے والوں سے عشرہ وصول کیا جاتا۔ کعبے میں جو کچھ ہدیہ وصول ہوتا وہ متولی ناجائز طور پر کھا جاتے۔ حد یہ ہے کہ لوگ حرم میں زنا تک کا ارتکاب کرنے لگے ایک روایت ہے کہ اساف نامی ایک شخص نے نائلہ نامی ایک عورت کے ساتھ حرام کاری کی۔ سزا میں اللہ تعالٰی نے انہیں مسخ کر دیا۔ پھر ان دونوں کے نام کے پتھر صفا اور مروہ کے درمیان رکھ دیئے گئے۔ کچھ دن بعد ان کی بھی پرستش ہونے لگی۔

جب اخلاقی تنزل اور ظلم حد سے بڑھ گیا تو کئی قبائل جرہمیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ بنی خزاعہ اور بنی کنانہ نے مل کر انہیں شکست دی اور مکہ پر قابض ہو گئے۔ بنو جرہم کو مکہ چھوڑنا پڑا۔ اپنے قدیم وطن یمن کو جاتے وقت انہوں نے ایک آخری ظلم یہ کیا کہ زم زم کا منہ بند کر کے اس طرح پاٹ دیا کہ کوئی نشان نہ چھوڑا۔ یہ حرکت عمرو بن حرب اور اس کے ساتھیوں نے کی (۱)۔ ساتھ ہی اس امید خام پر کہ شاید کبھی پھر واپس ہو سکیں کعبے کا خزانہ بھی وہیں دفن کر دیا جس میں سونے کے ہرن اور دوسری قیمتی اشیا شامل تھیں۔ اس طرح اہل مکہ زم زم کی نعمت سے محروم ہو گئے۔

اب بنی خزاعہ مکے کے وارث ہوگئے یہ اسمٰعیلی نسل کی اس شاخ سے تعلق رکھتے تھے جو کبھی یمن کی طرف ہجرت کر گئی تھی بنی خزاعہ نے زم زم کی بازیابی کے لئے کوشش نہ کی۔ مکے میں دوسرے کنویں کھود لئے گئے اور لوگ زم زم کو بھول گئے۔

زم زم کی گمشدگی کے کچھ ہی عرصے بعد کعبے کے اندر پہلا بت داخل ہوا۔ بنو خزاعہ کا ایک سردار عمرو لحی ایک مرتبہ شام کے سفر پر گیا۔ وہاں بت پرستی کا رواج دیکھا جو اسے پسند آیا۔ وہاں سے ایک 'ہبل' نامی بت حاصل کیا اور لا کر مکہ کے اندر نصب کیا (۲)۔ کہتے ہیں کہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی بدعتیں بھی جن کی مذمت قرآن مجید (سورۃ مائدہ) میں آئی ہے اسی شخص نے رائج کی تھیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ایک شخص خزیمہ بن مدرکہ نے سب سے پہلا بت 'ہبل' کعبے کے اندر نصب کیا (۳)۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت مریمؑ کی تصویریں بھی بنا کر کعبے میں آویزاں کر دی گئیں۔ دوسرے بت بھی جمع ہونے لگے۔ ہوتے ہوتے ایک وقت آیا کہ خانہ کعبہ میں بتوں کی تعداد ۳۶۰ ہوگئی۔ حق پر جہالت کے پردے پڑ گئے اور بیت اللہ بت کدہ بن گیا۔

حج ابراہیمی میں بہت سی بدعتیں شامل ہوگئیں۔ قریش خود کو 'حمس' کہتے تھے اور اس اعزاز کے باعث اوروں کی طرح حج کے موقع پر عرفات جا کر قیام نہ کرتے تھے۔ جو لوگ باہر سے حج یا عمرے کے لئے آتے ان پر پابندی تھی کہ قریش کا کھانا کپڑا استعمال کریں ورنہ سب برہنہ طواف کریں۔ کوئی اپنے لباس میں طواف کرتا تو اس پر لازم تھا کہ طواف کے بعد اسے اتار پھینکے اور اس اترے ہوئے لباس کا استعمال کسی کو روا نہ تھا۔ یہ تمام رسوم بعد میں اسلام نے قطع کیں۔ رسول اللہ ﷺ قبل اسلام بھی بتوفیق الٰہی انہیں غلط سمجھتے تھے اور حج کے موقع پر عرفات جا کر واپس ہوتے تھے (۴)۔

☆ ☆

(۱) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۸۳
(۲) ایضاً صفحہ ۲۳
(۳) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۹۳
(۴) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۹۰

(۴) قریش

مکہ میں بنو خزاعہ کا اقتدار تقریباً ۳۰۰ سال تک رہا۔ اس دوران حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل میں سے عدنانی قبائل حجاز سے نکل کر عرب کے دوسرے علاقوں میں پھیل گئے۔ صرف چند شاخیں مکہ کے اطراف میں باقی رہ گئیں۔ بنو خزاعہ کا آخری جانشیں حلیل بن حبشہ بن سلول بن کعب بن عمرو الخزاعی تھا۔ اس کے دور میں ایک نمایاں شخصیت تاریخ عرب کے افق پر نمودار ہوئی۔ یہ قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر تھے۔ فہر ہی کا لقب قریش تھا اور انہی سے قبیلہ قریش منسوب ہوا۔ ابن ہشام نے قریش کو نضر بن کنانہ یا اس کے پوتے فہر بن مالک سے منسوب کیا ہے اور قریش کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ وہ تقرش سے ماخوذ ہے جس کے معنی تجارت کے ہیں۔ ابن اسحاق کے نزدیک تقرش کے معنی جمع ہونے کے ہیں اور قریش متفرق ہونے کے بعد جمع ہوئے۔ اس لئے قریش کہلائے (۱)۔ قصی ابھی کمسن ہی تھے کہ ان کے والد کلاب کا انتقال ہوگیا۔ والدہ بنت سعد نے دوسری شادی ربیعہ بن حرام سے کرلی اور شوہر کے ساتھ شام میں منتقل ہوگئیں اور قصی کو ساتھ لے گئیں۔ قصی جوان ہوئے اور اپنی ددھیال کے شرف سے واقف ہوئے تو اپنے اصلی وطن مکہ آگئے۔ یہاں والی مکہ یعنی حلیل کی دختر حبی سے نکاح کرنا چاہا۔ حلیل ان کی نسبی عظمت اور شخصی وجاہت کی بنا پر راضی ہوگیا اور شادی ہوگئی۔ حلیل نے قصی کی اعلیٰ شخصیت سے متاثر ہوکر انہی کو اپنا جانشیں مقرر کیا۔ (ایک روایت کے مطابق حلیل نے اپنی دختر کو کعبہ کی تولیت سونپی تھی اور ابو غبشان کو وکیل بنایا تھا۔ قصی نے چند اونٹوں یا ایک مشک شراب کے عوض یہ منصب ابو غبشان سے خرید لیا) (۲)۔ لیکن بنو خزاعہ اور بنو بکر اس پر راضی نہ ہوئے۔ قصی نے اپنی ماں جائے بھائی رزاح اور بنو کنانہ کو مدد کے لئے

بلا لیا۔ مکے کے اطراف میں آباد قریش بھی ان کی مدد کو آگئے۔ دونوں فریقوں میں جنگ کی نوبت آگئی۔ آخر کار دونوں فریق نبی عبد مناۃ بن کنانہ کے ایک معزز شخص یعمر بن عوف کو حکم بنانے پر راضی ہو گئے اس کا فیصلہ قصی کے حق میں تھا چونکہ صریحاً "آل اسمٰعیل" ہونے کی وجہ سے وہ ولایت کعبہ کے زیادہ حقدار تھے۔

اس کے بعد قصی نے نبی الغوث بن مر کو جو صوفہ کہلاتے تھے جنگ میں مغلوب کر کے ان کے وہ مناصب چھین لئے جو یہ مدت سے سنبھالے ہوئے تھے۔ حج کے دوران انہوں نے عرفات میں داخل ہونے اور وہاں سے واپس جانے پر ایسی پابندیاں عائد کر رکھی تھیں جن سے دوسرے حاجیوں کو بڑی زحمت ہوتی تھی۔ حجاج اس وقت تک واپس نہ ہو سکتے تھے جب تک پہلے صوفہ رمی جمار نہ کر لیتے۔

یعمر بن عوف کے فیصلے اور صوفہ کی پسپائی کے بعد مکہ پر قصی اور قریش کا مکمل تسلط ہو گیا۔ بیت اللہ کے متولی کی حیثیت سے قصی کو دینی سربراہی بھی حاصل ہو گئی اور تمام عرب میں ان کی توقیر و عزت بڑھ گئی۔ انہوں نے بادشاہ کی سی حیثیت حاصل کر کے ایک شہری حکومت قائم کر لی جو حرم کے گرد تقریباً سوا سو مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی۔ یہ پانچویں صدی عیسویں کا وسطی دور تھا۔ انہیں فیروز بن یزدگرد اور بہرام گور کا ہم عصر ٹھہرایا گیا ہے۔ لیکن مرتے وقت انہوں نے اپنے سیاسی فرائض اولاد میں اس طرح تقسیم کر دیئے کہ پھر کسی ایک فرد میں جمع نہ ہو سکے بلکہ منتشر تر ہوتے چلے گئے۔

قصی کا سب سے اہم کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے تمام قریش کو دور دراز علاقوں سے مکہ بلا لیا اور شہر کو کئی حصوں میں بانٹ کر ایک ایک خاندان کو ایک ایک حصے میں آباد کر دیا۔ حرم کے آس پاس نبی کعب بن لوی کی مختلف شاخوں کو بسایا جن میں قصی کے بھائی زہرہ، چچا اور چچازاد بھائی بھی شامل تھے۔ انہیں قریش البطاح کہا جاتا تھا۔ کعب سے اوپر فہر کی اولاد کے خاندان جن میں بنو محارب نبی الحارث بنو عامر وغیرہ شامل تھے مکہ کے بیرونی حصے میں آباد کئے گئے اور قریش الظواہر کہلائے۔ اپنے اس کارنامے کے باعث قصی کو مجمع کا لقب ملا (یعنی جمع کرنے والا) تمام قریش نے انہیں اپنا سردار مان لیا اور حرم کے تمام مناصب ان کے ہاتھ میں رہے۔ ابن سعد نے

پانچ خاص مناصب بتائے ہیں:

۱- حجابت (خانہ کعبہ کی کلید برداری یا دربانی- جسے چاہیں اندر جانے دیں یا نہ جانے دیں)

۲- سقایہ (حاجیوں کے لئے پانی کا انتظام)

۳- رفادہ (حاجیوں کو کھانا کھلوانے اور اس کے لئے چندہ جمع کرنے کا انتظام)

۴- لواء (علم جنگ بلند کرنا)

۵- ندوۃ (مجلس شوریٰ) یا ایوان حکومت- قصیٰ نے اپنے لئے حرم سے متصل مکان تعمیر کیا-

اس کا نام دار الندوۃ تھا- یہیں مجلس شوریٰ منعقد ہوتی اور دوسرے انتظامی امور انجام پاتے- (۴) انگریزی میں دار الندوۃ کا لفظی ترجمہ ہاؤس آف پارلیمنٹ ہوگا (۵)

سید سلیمان ندوی نے زیادہ تفصیل دی ہے- کہتے ہیں کہ اس چھوٹی سی ریاست کی حیثیت ایک شہری جمہوریت کی تھی- یونان کی شہر ایتھنز اور اسپارٹا کا ایک خاکہ نظر آتا ہے- حکومت کے ۱۴ عہدے تھے جو دس عہدیداروں پر منقسم تھے- مکہ میں سب سے پہلے مکان تعمیر کرنے کی رسم بھی قصی نے ڈالی- اس سے پہلے لوگ حرم کے گرد صرف خیموں میں رہتے تھے- قصی نے اپنے لئے دار الندوۃ تعمیر کیا اور دوسروں کو بھی تعمیر کی اجازت دی- جب لوگ اطراف حرم میں درخت کاٹنے سے ڈرتے تھے تو قصی نے خود سب سے پہلے درخت کاٹنا شروع کیا کہ تعمیرات کے لئے زمین صاف کی جاسکے- یہاں یورپ کے مستشرقین کی تنگ نظری کے متعلق شبلی نعمانی کا یہ بیان دلچسپی سے خالی نہیں- لکھتے ہیں ''مارگولیوس نے جس بنا پر مکہ معظمہ کی قدامت کا انکار کیا ہے وہ یہ ہے کہ 'اصابہ' میں تصریح ہے کہ مکہ میں سب سے پہلے عمارت جو تعمیر ہوئی سعید یا سعد بن عمرو نے تعمیر کی- لیکن مارگولیوس کو یہ معلوم نہیں کہ مورخین نے جابجا یہ بھی تصریح کی ہے کہ چونکہ اہل عرب کعبہ کے مقابل یا آس پاس عمارت بنانے کو کعبہ کی بے ادبی سمجھتے تھے اس لئے عمارتیں نہیں بنوائیں بلکہ خیموں اور شامیانوں میں رہتے تھے اور اس طرح مکہ ہمیشہ سے خیموں کا ایک وسیع شہر تھا'' (۷)-

(۱) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ'، جلد اول صفحہ ۷۳، ۷۴۔ قریش کے ایک معنی اکتساب و تحصیل ہیں۔ ممکن ہے کہ تجارت پیشہ ہونے کے باعث ان کا یہ نام ہو۔ یہ ایک دریائی جانور (شارک مچھلی) کا بھی نام ہے جو چھوٹے دریائی جانوروں کا شکار کرتا ہے شاید فہر نے اپنے استیلاء و قوت کے اظہار کے لئے یہ لقب اختیار کیا ہو۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہی تاویل بتائی ہے (سید سلیمان ندوی 'تاریخ ارض القرآن' صفحہ ۴۰۰)

(۲) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۹۰

(۳) ابطح، بطحا، بطاح: وہ فراخ وادی جس میں ریت اور کنکریاں ہوں

(۴) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۹۴

(۵) محمد حمید اللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۱۹۱

(۶) سید سلیمان ندوی بتاتے ہیں کہ ظہور اسلام کے وقت ان عہدوں کی حسب ذیل تقسیم تھی ('تاریخ ارض القرآن' صفحہ ۴۰۸، ۴۰۹):

مذہبی

شمار	عہدہ	توضیح خدمات	نام قبیلہ	عہدیدار
۱	سقایہ	حاجیوں کے کھانے پینے کا سامان	بنو ہاشم	عباس بن عبدالمطلبؓ
۲	عمارہ	خانہ کعبہ کا انتظام	"	"
۳	رفادہ	حاجیوں کی مالی اعانت کا انتظام	بنو نوفل	حارث بن عامر
۴	سدانہ	خانہ کعبہ کی دربانی و کلید برداری	بنو عبدالدار	عثمان بن طلحہ
۵	ایسار	بتوں سے استخارہ کی خدمت	بنو جمح	صفوان
۶	اموال محجرہ	بتوں کے نذرانوں اور جائدادوں کا انتظام	بنو سہم	حارث بن قیس

		عدالتی		
۷	ندوہ	عدالت اور مشورہ گاہ کا انتظام	بنو عبدالدار	عثمان بن طلحہ
۸	مشورہ	امور مہمہ میں مشورہ لینا	بنو اسد	یزید بن زمعہ
۹	اشناق	خوں بہا، جرمانہ اور مالی تاوان کا انتظام	بنو تیم	ابو بکر صدیقؓ
۱۰	حکومت	مقدمات کا فیصلہ	بنو سہم	حارث بن قیس
		جنگی		
۱۱	عقاب	نشان قومی کی علمبرداری	بنو امیہ	ابو سفیانؓ
۱۲	قبہ	فوجی معسکر (کیمپ) کا نظم	بنو مخزوم	خالد بن ولید
۱۳	اعنہ	سواروں کے رسالہ کی سپہ سالاری	"	" "
۱۴	سفارت	سفارت	بنو عدی	عمر بن خطاب

(۷) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۹۹

(۵) امن کا شہر

اس طرح وہ بے آب وگیاہ وادی جس کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا کی تھی:

"_____ میرے پروردگار اس شہر کو (لوگوں کے لئے) امن کی جگہ بنادے" (ابراھیم ۳۵)

پہلے ایک خیموں کی آبادی ہوئی اور پھر ایک آباد بارونق شہر بن گئی۔ قصی کے چار بیٹے عبدالدار، عبد مناف، عبدالعزیٰ اور عبد بن قصی تھے۔ دو بیٹیاں تخمر اور برہ تھیں۔ ان سب کی والدہ حبٰی تھیں۔ عبد مناف سب سے زیادہ قابل اور مقبول تھے لیکن قصی جب قریب المرگ ہوئے تو انہوں نے حرم کے تمام مناصب اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کو دیئے تاکہ اپنے باقی بھائیوں سے بڑھ کر رہیں۔ دارالندوۃ بھی انہی کو دیا اور کہا "قریش کو جو معاملہ درپیش ہوگا اس کا فیصلہ تیرے ہی گھر میں ہوگا "(۱)

ان کی وفات کے بعد چاروں بیٹوں نے ان کی وصیت کا احترام کیا اور باپ کے عطاکردہ مناصب عبدالدار کے پاس رہے۔ لیکن محمد بن السائب کی روایت کے مطابق باقی تمام امور عبد مناف کے ہاتھ میں تھے اور وہی قصی کے جانشیں ہوئے (۲)۔ اور قصی کی طرح انہوں نے نئی تعمیرات کا سلسلہ جاری رکھا۔ عبد مناف نہایت ہی حسین و جمیل تھے لوگ انہیں "قمر البطحا" کہتے تھے ان کے چھ بیٹے ہوئے۔ مطلب، ہاشم اور عبد شمس کی والدہ عاتکہ کبریٰ تھیں۔ نوفل، ابو عمرو اور عبید کی ماں واقدہ تھیں۔ ان بیٹوں کے علاوہ چھ بیٹیاں بھی تھیں۔

کچھ عرصہ حرم کے مناصب یعنی حجابت، سقایہ، رفادہ، لواء اور ندوۃ عبدالدار کی اولاد کے پاس رہے لیکن بعد میں عبد مناف کے فرزندوں مطلب، عبد شمس، ہاشم اور نوفل نے خود کو

زیادہ مستحق سمجھ کر یہ چاہا کہ یہ عہدے خود حاصل کرلیں۔ اس معاملے کے ''مدبر اور کار پرداز ہاشم بن عبد مناف تھے'' (۳)۔ عبدالدار کی اولاد اس پر راضی نہ ہوئی اور اختلاف بڑھا۔ زیادہ تر لوگ فرزندان عبد مناف کے حامی تھے۔ ان میں بنو اسد، بنو زہرہ، بنو تیم اور بنو حارث شامل تھے۔ عبدالدار کی اولاد کی طرف بنو مخزوم، بنو سہم، بنو جمح اور بنو عدی تھے۔ دونوں جماعتوں نے بڑی بڑی قسمیں کھائیں۔ بنی عبد مناف کے ساتھیوں نے ایک عطر سے لبریز بڑے پیالے میں ہاتھ ڈبو کر کعبہ کا مسح کیا اور قسم کھائی چنانچہ مطیبین (خوشبو والے) کہلائے۔ اسی طرح بنی عبدالدار کے حامیوں نے خون سے لبریز پیالے میں ہاتھ ڈبوئے اور حلف اٹھاتے ہوئے انہی ہاتھوں سے کعبہ کا مسح کیا۔ انہوں نے دو نام پائے۔ ''احلاف'' (حلف اٹھانے والے) اور ''لعقۃ الدم'' (خون چاٹنے والے) اس سے پہلے کہ جنگ چھڑ جائے مصالحت کی صورت نکل آئی اور یہ طے پایا کہ بنی عبد مناف سقایہ اور رفادہ کے حامل ہوں اور حجابہ اور لواء بنی عبدالدار کے پاس رہیں اور وہی دارالندوۃ کے مالک رہیں (۴)۔ اس کے بعد عبد مناف کے فرزندوں نے اپنی خوشی سے سقایہ اور رفادہ کے مناصب اپنے بھائی ہاشم کے سپرد کر دیئے۔

ہاشم نے اپنے فرائض بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیئے۔ نہایت ہی فراخدست تھے۔ ایک بار سخت قحط کے زمانے میں شام سے روٹیاں اونٹوں پر لاد کر لائے اور ان کا چورہ شوربے میں ملا کر قحط زدہ لوگوں کو کھلایا۔ اس بنا پر ان کا نام ہاشم (چورہ یا ٹکڑے کرنے والا) مشہور ہوگیا۔ اصل نام عمرو تھا۔ حج کے موقع پر بڑی دل آویز تقریر کرتے تھے اور اہل مکہ کو ترغیب دیتے تھے کہ زائرین حرم کی خوب مہمان نوازی کریں۔ لوگ اس کے لئے چندہ دیتے۔ یہ خود بھی کافی رقم حاجیوں کی خاطر مدارات پر خرچ کرتے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ ہاشم کی مقبولیت پر امیہ بن عبد شمس کو ان سے حسد پیدا ہو گیا۔ کوشش کے باوجود ہاشم کی برابری نہ کر سکے۔ آخر ہاشم کو ''منافرہ'' (جس میں دو مخالف فریق اپنی اپنی فوقیت کا اظہار کرتے ہیں اور پھر کوئی ثالث فیصلہ کرتا ہے کہ کون برتر ہے) کے لئے مجبور کیا۔ منافرہ کی شرط یہ تھی کہ ہارنے والا مخالف کو پچاس اونٹ دے اور خود دس سال کے لئے مکہ شہر سے شہر بدر ہو جائے۔ فیصلہ ہاشم کے حق میں ہوا۔ جس کے بعد امیہ مکہ چھوڑ کر شام چلا گیا اور دس برس تک وہیں رہا۔ جو پچاس اونٹ ہاشم کو

ملے انہیں ذبح کر کے ہاشم نے سارے شہر کی دعوت کی۔ یہ اس کشمکش کی ابتدا تھی جو بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان واقع ہو کر آئندہ تاریخ اسلام پر اثر انداز ہوئی۔

ہاشم نے اہل قریش کی تجارت کی ترقی کے لئے بھی بڑا کام کیا۔ اپنے بھائیوں کی مدد سے بین الاقوامی تجارت کے لئے مراعات حاصل کیں۔ خود قیصر روم اور شام اور غسان کے حکمرانوں سے، عبد شمس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی سے ، مطلب نے یمن کے امراء سے ، اور نوفل نے شاہان عراق و فارس سے تجارتی سہولتیں اور حفاظت کے پروانے حاصل کئے (۵)۔ اس طرح قریشی تاجر بھاری محصولوں سے بچ گئے اور ان کے قافلے ہر جگہ محفوظ رہتے۔ لوگ ان سے التفات و احترام سے پیش آتے۔ ہاشم نے یہ نظام قائم کیا کہ موسم سرما میں تجارتی قافلے جنوب میں یمن کی جانب جاتے اور موسم گرما میں شمال کی طرف عراق و شام کو۔ یہ قریش پر اللہ تعالیٰ کا بڑا اکرم تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے:

> "قریش کے مانوس کرنے کے سبب۔ (یعنی) ان کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب۔ (لوگوں کو) چاہئے کہ (اس نعمت کے شکر میں) اس گھر کے مالک کی عبادت کریں۔ جس نے انہیں بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا"۔ (قریش ۱ تا ٤)

اب مکہ عرب کا سب سے بڑا تجارتی مرکز تھا۔ یہ چاروں "مجبرین" کے نام سے مشہور ہو گئے اور جو روابط گرد و پیش کے علاقوں سے قائم کئے تھے ان کی بدولت 'اصحاب الایلاف' کہلائے جانے لگے۔ (ایلاف کے لفظی معنی الفت پیدا کرنے والوں کے ہیں لیکن اصطلاحاً مراد ایسا دوستانہ تعلق تھا جس سے قبیلوں کے علاقوں سے گزرنے اور وہاں منزل کرنے کا حق حاصل ہو) (٦)۔ ہر تجارتی سفر میں قریش کو دوسرے ممالک کی تہذیب و ثقافت کا براہ راست تجربہ حاصل ہوتا۔ وہ صرف دولت کے اعتبار سے نہیں بلکہ عقل و دانش کے اعتبار سے بھی عرب میں سب سے زیادہ ممتاز ہو گئے۔ (مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد منقول ہے "قریش قادة الناس" یعنی قریش لوگوں کے قائد ہیں)۔ ہاشم کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ ان کے پیدا کئے ہوئے مراسم کی بدولت عراق سے وہ رسم الخط حاصل ہوا جس میں قرآن مجید لکھا گیا (۷)۔

موسم گرما میں شام کی طرف جاتے ہوئے قریشی قافلوں کا پہلا بڑا قیام یثرب کے نخلستان میں ہوتا تھا جو مکہ سے ۱۱ دن کی مسافت پر واقع تھا ایک بار ہاشم کو یہاں ٹھہرنے کا اتفاق ایسے موقع پر ہوا کہ یہاں مقام سوق النبط پر ایک بڑا سالانہ بازار لگا ہوا تھا۔ ایک بلند مقام پر ان کی نظر اک حسین و جمیل خاتون پر پڑی جو اپنے آدمیوں کو خرید و فروخت کے متعلق کچھ احکام دے رہی تھیں۔

یہ ان کے حسن و جمال کے علاوہ ان کی عقل و فراست سے بھی متاثر ہوئے۔ معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ خاتون کا تعلق خزرج کے ایک ذیلی قبیلے نجار سے ہے۔ نام سلمٰی بنت عمرو بن زید ہے۔ پہلے شوہر احیحہ بن الجلال کو چھوڑ چکی ہیں جس سے دو بیٹے بھی تھے۔ ہاشم نے شادی کا پیغام دیا۔ سلمٰی ان کے شرف اور مرتبے کو دیکھ کر اس شرط پر راضی ہو گئیں کہ ان کی تجارت کی باگ ڈور ان کے اپنے ہی ہاتھ میں رہے گی اور قیام یثرب میں رہے گا۔ ہاشم نے یہ سوچ کر کہ یثرب سے ان کا گزر ہوتا ہی رہتا ہے یہ شرطیں قبول کر لیں۔ شادی ہو گئی۔ ہاشم نے شاندار دعوت ولیمہ دی۔ کچھ دن یثرب میں قیام کیا۔ پھر شام کی طرف سفر جاری کیا۔ غزہ میں پہنچے تو بیمار پڑ گئے۔ یہیں انتقال ہوا اور دفن ہوئے (۸)۔

سلمٰی حاملہ ہو گئی تھیں۔ کچھ دن بعد ایک فرزند کی ماں بنیں۔ فرزند کا نام اس مناسبت سے شیبہ رکھا کہ سر کے کچھ بال سفید تھے۔ یہی بعد کو عبد المطلب کے نامؑ سے مشہور ہوئے۔ پیدائش کا سال ۴۹۷ء تھا۔

☆☆

(۱) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۹۹

(۲) ایضاً صفحہ ۱۰۰

(۳) ایضاً صفحہ ۱۰۵

(۴) دار الندوۃ کی ملکیت بنی عبد الدار کے ہاتھ میں رہی۔ حضرت معاویہؓ کے دور میں خلیفہ نے اسے خرید کر 'دار الامارہ' بنالیا۔

(۵) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیق ہے کہ یہ پروانے عبد مناف نے اپنے چار بیٹوں کے ذریعے سے حاصل کئے تھے (محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۲۲۹)

(۶) ابو الاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۸۴)

(۷) ایضاً صفحہ ۸۴

(۸) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۱۰۹۔ شبلی اور مودودی کا بھی یہی کہنا ہے۔ لیکن ابن ہشام کہتے ہیں کہ ہاشم ایک عرصہ تک یثرب میں رہے۔ پھر بیوی اور بچے کو چھوڑ کر مکہ آگئے۔ (ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۹۷)۔ابن کثیر کے یہاں کچھ مختلف روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ ہاشم نے بغرض تجارت شام جاتے ہوئے مدینہ میں عمرو بن لبید (خزرجی نجاری) رئیس قوم کے ہاں قیام کیا۔ ان کی دختر سلمیٰ بھلی لگی تو عمرو نے رشتہ طلب کیا۔ اس نے اس شرط پر شادی کردی کہ لڑکی کا قیام اس کے ہاں رہے گا۔ شام سے واپسی پر ہاشم زوجہ کو اپنے ہمراہ مکہ لے آئے۔ دوبارہ شام جاتے ہوئے سلمیٰ کو جو حاملہ تھیں ان کے والد کے پاس چھوڑ گئے خود شام چلے گئے اور وہاں غزہ میں وفات پائی۔ (ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۳۳، ۱۳۴)

خط کوفی میں
مُحَمَّدٌ ﷺ
بقلم محمد عبدالقادر عبداللہ
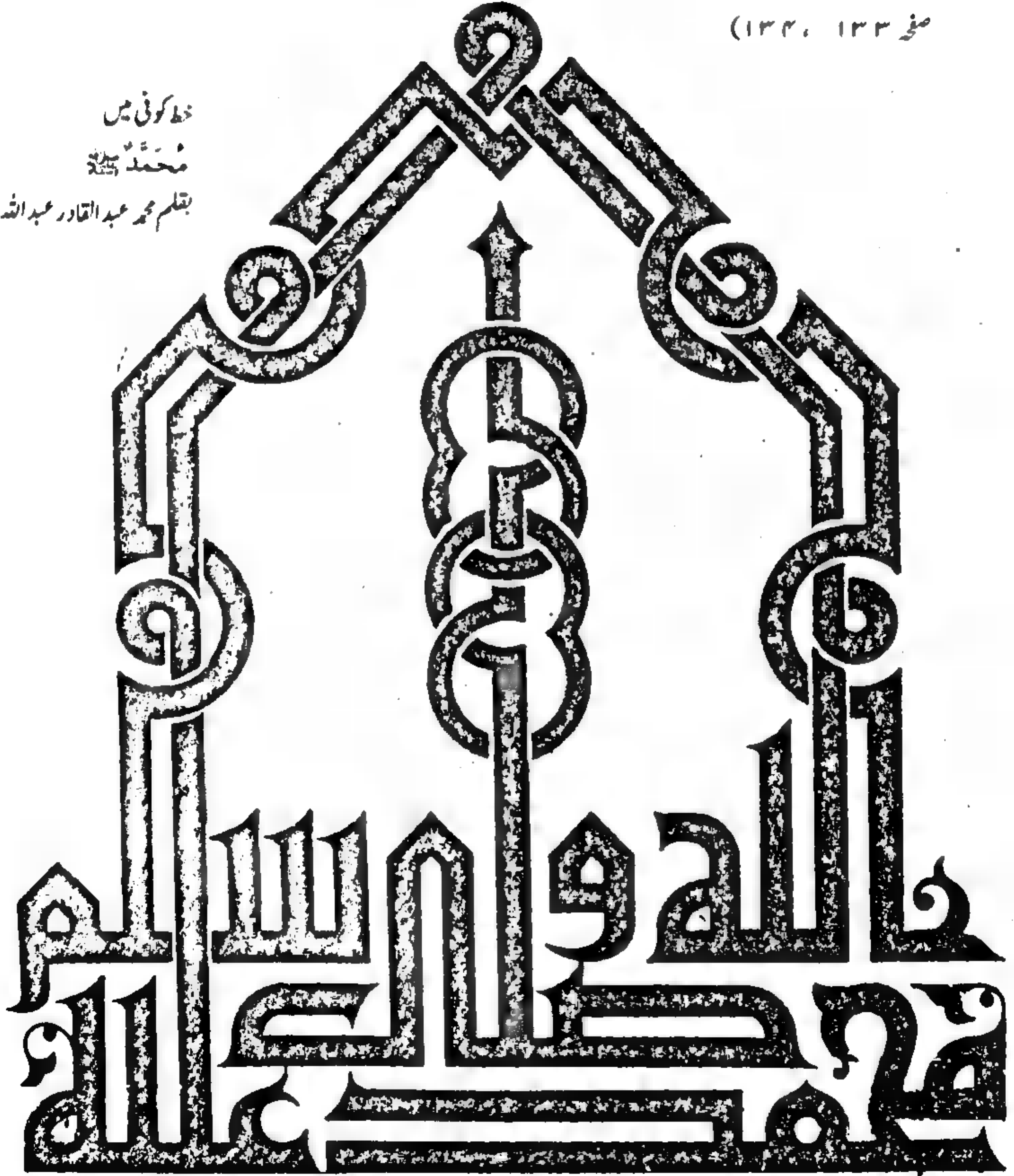
(۶) عبد المطلب

ہاشم کی وفات کے بعد ان کے چھوٹے بھائی مطلب کعبہ کے متولی ہوئے۔ دوسرے دو بھائی عبد شمس اور نوفل شام اور عراق کی تجارت میں بہت مشغول تھے۔ اکثر مکہ سے باہر ہی رہتے۔ مطلب نے اپنے بھائی ہاشم کی روایت کو قائم رکھا اور متولی حرم کے فرائض بخوبی ادا کرتے رہے۔ اپنے جود و کرم کی وجہ سے ''فیض'' کے لقب سے مشہور تھے اور قریش میں بہت محبوب و معزز تھے۔ جب بڑی عمر کو پہنچے تو اپنے وارث کے متعلق سوچنے لگے۔ خود اپنے بیٹوں میں کوئی نہ جچتا تھا۔ سلمٰی کے علاوہ دوسری ازواج سے ہاشم کے تین بیٹے اور تھے۔ وہ نااہل نظر آئے۔ ایک روز اسی فکر میں تھے کہ ان کے ایک دوست ثابت المنذر بن حرام (شاعر اسلام حضرت حسانؓ بن ثابت کے والد) یثرب سے آکر ان سے ملے۔ باتوں باتوں میں کہنے لگے۔ ''اگر تو اپنے بھتیجے شیبہ کو ہمارے قبیلے میں دیکھتا تو اس کے شکل و شمائل میں تجھے خوبی و خوبروئی، ہیبت و شرافت نظر آتی۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنے ماموں زاد بھائیوں میں تیر اندازی کر رہا ہے۔ نشانہ اموزی کے دونوں تیر (تیر اندازی کی مشق کے لئے جو کمزور تیر استعمال ہوتے تھے) میرے کف دست جیسے مقدار کے ہدف میں داخل ہو جاتے ہیں جب تیر نشانہ پر بیٹھتا ہے تو کہتا ہے 'انا ابن عمرو العلی' (''میں بلند مرتبہ عمرو کا فرزند ہوں'')(۱)

غالباً اوروں سے بھی مطلب نے شیبہ کی تعریف سنی ہوگی۔ طے کیا کہ اپنے اس بھتیجے کو مکہ لے آئیں۔ یثرب پہنچے تو انہیں بنی نجار کے لڑکوں کے ساتھ تیر اندازی کرتے ہوئے دیکھا۔ شکل و شباہت سے پہچان لیا کہ یہی شیبہ ہے۔ بغل گیر ہوئے۔ آنکھوں میں آنسو جھلک آئے۔ سلمٰی کو معلوم ہوا تو ان کو اپنے یہاں ٹھہرایا۔ لیکن شیبہ کی جدائی گوارا نہ تھی۔ مطلب نے بہت ضد کی

اور اس اعلیٰ مرتبے کا ذکر کیا جو کعبہ کے متولی کو حاصل تھا اور جس پر آئندہ شیبہ فائز ہو سکتا تھا۔ بڑی مشکل سے سلمیٰ راضی ہوئیں۔ مطلب نے بھتیجے کو اونٹ پر اپنے پیچھے بٹھایا اور مکہ کی راہ لی۔

اہل مکہ نے دیکھا کہ ان کے عالی وقار سردار اپنے اونٹ پر کسی لڑکے کو لئے چلے آرہے ہیں۔ سمجھے کہ ان کا غلام ہے اور شیبہ کو عبدالمطلب کہہ کر پکارنے لگے۔ مطلب نے سمجھایا کہ "نہیں نہیں۔ یہ میرا بھتیجا ہاشم کا بیٹا ہے"۔ لیکن یہ لطیفہ شہر میں ایسا مشہور ہوا کہ لوگ شیبہ کو پیار میں عبدالمطلب ہی کہنے لگے۔ اپنے چچا کی محبت اور شفقت کے پیش نظر شیبہ نے بھی اس نئے نام کو بخوشی فخر کے ساتھ قبول کر لیا اور اپنے چچا کے زیر سایہ جوان ہوئے۔ نہایت حسین و جمیل تھے۔ جیسا کہ ایک شاعر نے کہا:

علی شیبته الحمد الذی کان وجه

یضئی ظلام الیل کا لقمر البدری

(شیبۃ الحمد کا چہرہ رات کی تاریکی کو چودھویں کے چاند کی طرح روشن کر دیتا ہے) (۲)

مطلب کے سگے بھائی عبد شمس کا انتقال ہو چکا تھا۔ پھر مطلب نے یمن کے ایک مقام رومان میں وفات پائی۔ چچا کے بعد عبدالمطلب بغیر کسی نزاع کے مکہ کے سردار ہو گئے۔ صرف اتنا ہوا کہ ان کے دوسرے چچا نوفل نے ہاشم کی ملکیت کے کچھ حصے پر قبضہ کر لیا۔ عبدالمطلب نے اس کا مطالبہ کیا اور اشراف مکہ سے شکایت کی مگر کوئی چچا بھتیجے کے جھگڑے میں مخل نہ ہوا۔ عبدالمطلب نے اپنے ماموں ابو سعید بن عدس سے مدد چاہی۔ وہ یثرب سے ۸۰ ساتھیوں کے ہمراہ مکہ پہنچے اور نوفل سے اپنے بھانجے کا حق دلوایا۔ اس واقعے کے بعد نوفل نے بنی ہاشم کے خلاف بنی عبد شمس سے معاہدہ کیا کہ ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ ادھر بنی خزاعہ نے عبدالمطلب سے پیمان کیا کہ ہمیشہ ان کے دوست رہیں گے۔ (عبد مناف کی والدہ قبیلہ خزاعہ سے تعلق رکھتی تھیں)۔ یہ مستقل نوعیت کا معاہدہ تھا جسے تحریری شکل دے کر کعبہ میں آویزاں کر دیا گیا۔ اس کے مطابق عبدالمطلب نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ بنی خزاعہ کے ساتھ ہمیشہ دوستی نبھانا۔ (بعد میں جب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں صلح حدیبیہ ہوئی اور یہ طے پایا کہ قبائل عرب میں جو جس فریق کے ساتھ چاہے شریک ہو جائے تو بنی خزاعہ نے اپنے پیمان کی بنا پر آپ ﷺ کی شرکت اختیار کی اور ایک دن ان کا یہی فیصلہ فتح مکہ کا ایک سبب بنا جس کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا)۔

عبد المطلب نے شوکت و وجاہت ترکہ میں اپنے محترم والد ہاشم سے پائی تھی اور فراست و استقلال اپنی والدہ سلمیٰ سے۔ ان اعلیٰ اوصاف کی وجہ سے قریش میں نہایت مقبول اور عزیز تھے اور آگے چل کر تمام عرب میں اپنے وقت کی عظیم ترین شخصیت بنے۔ وہ شرف اور مقام حاصل کیا جو ان کے بزرگوں میں سے کسی کو نہ ملا تھا۔ جب سیف بن ذی یزن حبشیوں کو ہلاک کر کے یمن کا حکمران ہوا تو اس کی تخت نشینی کی مبارکباد دینے کے لئے مکہ سے ایک وفد یمن گیا جس کی قیادت عبد المطلب نے کی۔ بادشاہ نے ان کی عزت افزائی کی (۳) ان کے متعلق اٹھارویں صدی کا ایک فرانسیسی محقق لکھتا ہے کہ جب فارس کے بادشاہ نوشیرواں یمن کے دورے پر آیا تو اس نے ان کی بزرگی کی شہرت سن کر ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ عبد المطلب اس سے ملنے یمن پہنچے۔ انہیں بھی وقت کے سب سے بڑے فرمانروا سے ملنے کا شوق ہوگا۔ چند اعلیٰ نسل کے گھوڑے تحفے میں دیئے۔ نوشیرواں نے قیمت کے طور پر کافی سونا پیش کیا مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ ان کے کچھ بیٹے نوشیرواں کے دربار کا طمطراق دیکھ کر اس کے ساتھ رہنا چاہتے تھے مگر عبد المطلب نے یہ کہہ کر اجازت نہ دی کہ ''درباری بندشوں سے صحرا کی آزادی بہت بہتر ہے'' (۴)

قدرت کا عجیب کرشمہ ہے کہ جب فارس کا شہنشاہ اور عرب کا معزز سن رسیدہ سردار محو گفتگو تھے تو دونوں اس چیز سے بے خبر تھے کہ مستقبل قریب میں اسی عرب کی اولاد کے پیرو ایرانی تخت و تاج کے وارث ہونے والے ہیں۔ کہیں کتاب تقدیر کے اوراق اس وقت ان کے سامنے ہوتے تو نہ معلوم دل میں کیا سوچتے اور ایک دوسرے سے کیا کہتے۔

☆ ☆

(۱) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۱۱۳

(۲) محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۲۹ (بحوالہ زرقانی "شرح مواہب")

(۳) ابن جوزی 'الوفا باحوال المصطفیٰ' ۱۵۷، ۱۵۸۔

(۴) کونٹ آف بولین ویلیرز 'دی لائف آف محمد' (The Life of Mahomet) صفحہ ۱۸۴

(۷) آثار رحمت

(آفتاب رسالت کا طلوع اب قریب تھا۔ مکہ پر پھر سے رحمت کی شعاعیں قصی کے عہد میں پڑنے لگی تھیں۔ ہاشم کا زمانہ روشن تر تھا۔ اب مزید رحمتوں کی راہیں ہموار ہوئیں کہ ایک ''رحمۃ للعالمینؐ'' آنے والا تھا) حضرت اسمٰعیلؑ کی ایک عظیم یادگار جو اہل مکہ کے لئے بڑی نعمت تھی مدت دراز سے گم ہو چکی تھی لوگ اپنے مورث اعلیٰ کی اس میراث کو بھول چکے تھے۔ قدرت نے اس کی معجزانہ بازیابی کی سبیل پیدا کی۔

خانہ کعبہ سے متصل ایک قطعہ نصف دائرے کی شکل میں ہے جسے حطیم کہتے ہیں۔ ایک رات عبدالمطلب یہاں محو خواب تھے۔ عالم رویا میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے ''طیبہ کو کھودو'' انہوں نے پوچھا ''طیبہ کیا ہے'' مگر کوئی جواب نہ ملا۔ دوسری شب پھر دیکھا کہ وہی شخص کہہ رہا ہے ''برہ کو کھودو''۔ انہوں نے پوچھا ''برہ کیا ہے'' لیکن جواب نہ پایا۔ تیسری رات خواب میں وہی شخص کہتا نظر آیا کہ ''مضنونہ کو کھودو''۔ انہوں نے مضنونہ کے متعلق پوچھا مگر کوئی جواب نہ ملا۔ چوتھی رات کیا دیکھتے ہیں کہ وہی شخص کہہ رہا ہے کہ ''زم زم کو کھودو'' پوچھنے پر جواب ملتا ہے ''زم زم وہ ہے کہ نہ اس کا پانی ختم ہوگا نہ اس کی مذمت کی جاسکے گی۔ اس سے حاجی خاطر خواہ سیراب ہوں گے۔ یہ غلاظت اور خون کے درمیان اس جگہ واقع ہے جہاں غراب اعصم (ایک قسم کا کوا) چونچ سے زمین کرید تا رہتا ہے'' (۱)

علی الصبح پو پھٹتے ہی عبدالمطلب نے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ پھر سنگ اسود کے سامنے کھڑے ہو کر دعا کی ''یا اللہ ہمیں بہتا ہوا صاف پانی عطا فرما جس سے تیرے حاجی سیراب ہوں'' (روایت ہے کہ عبدالمطلب ہمیشہ اللہ سے دعا مانگتے تھے اور ''ہبل'' کی عبادت نہیں کرتے

تھے)(۲) پھر اپنے بیٹے حارث کو ساتھ لیا (اس وقت یہی ان کے تنہا بیٹے تھے) اور زمین کھودنے کا سامان لے کر اس مقام پر آئے جس کی نشاندہی خواب میں کی گئی تھی۔ یہ جگہ اساف اور نائلہ کے بتوں کے درمیان تھی جہاں جانور قربان کئے جاتے تھے۔ حارث نے کھدائی شروع کی تو کچھ قریش جمع ہو گئے اور مزاحم ہوئے کہ اس متبرک مقام پر کھدائی نہ کی جائے۔ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے سے کدال اپنے ہاتھ میں لیا اور یہ کہہ کر کہ ''ایسا حکم مجھے عالم بالا سے ہوا ہے'' خود کھدائی شروع کر دی۔ قریش کو خاموش رہنا پڑا۔

ریتلی زمین کھودتے کھودتے آخر کدال اس پتھر پر پڑا جس سے بنی جرہم نے چشمۂ زم زم کو پاٹا تھا۔ عبدالمطلب نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور کہا ''یہی حضرت اسمٰعیلؑ کا کنواں ہے''۔ اہل قریش کو جو یہ منظر دیکھ رہے تھے اندازہ ہو گیا کہ عبدالمطلب اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ پتھر ہٹا تو زم زم کے ساتھ دو سونے کے ہرن چند اعلیٰ قسم کی تلواریں (قلعی تلواریں جو عرب کے ایک مقام ''مرج العلعة'' میں بنائی جاتی تھیں اور کچھ زرہیں برامد ہوئیں۔ اہل قریش نے چاہا کہ زم زم کی ملکیت میں انہیں بھی شامل کیا جائے کہ وہ بھی حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں تھے۔ عبدالمطلب راضی نہ ہوئے۔ جھگڑا بڑھا تو طے پایا کہ بنی سعد کی ایک کاہنہ ہذیم کو حکم مقرر کر لیں جس کا فیصلہ سب کو قبول کرنا ہوگا۔ یہ کاہنہ شام کے نواح میں ''معان'' نامی مقام پر رہتی تھی۔ عبدالمطلب نے عبد مناف کی اولاد میں سے چند عزیز ساتھ لئے۔ باقی قریش نے دوسرے قبائل کے لوگوں کو لیا اور معان کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں اتفاقاً پانی ختم ہو گیا اور سب کی جان پر بن آئی سب موت کے انتظار میں بیٹھ گئے کہ عبدالمطلب نے مشورہ دیا کہ اس طرح بیٹھ رہنا مناسب نہیں۔ آگے بڑھیں شاید کہیں پانی مل جائے۔ جب اٹھنے لگے اور عبدالمطلب کا اونٹ کھڑا ہوا اس کے بالکل قریب چشمے کے آثار دکھائی دیئے۔ عبدالمطلب نے ''اللہ اکبر'' کا نعرہ بلند کیا۔ پانی دستیاب ہو گیا تھا۔ سب نے اس کو عبدالمطلب کی برکت پر محمول کیا خوشی راضی ہو گئے کہ زم زم پر عبدالمطلب ہی کا حق ہے اور واپس مکہ چلے آئے۔ عبدالمطلب نے زم زم کا انتظام سنبھالا۔ حاجیوں کی سہولت کے لئے حوض بنوائے جس میں اب زم زم جمع رہتا (۳)۔ ایک روایت کے مطابق جو اشیا زم زم کے ساتھ برآمد ہوئی تھیں ان کے لئے تیروں سے قرعہ اندازی کی

گئی۔ سونے کی ہرنوں کا قرعہ کعبہ کے نام نکلا اور تلواروں کا عبد المطلب کے نام باقی قریش کے لئے کچھ نہ نکلا۔ سونے کے ہرن کعبہ کے دروازے پر آویزاں کر دیئے گئے۔

زم زم کے گم ہونے کے بعد کئی کنویں کھود لئے گئے تھے۔ اب زم زم دوبارہ بر آمد ہوا تو باقی کنویں اس کے سامنے گرد ہو گئے۔ زم زم کی بازیابی پر نبی عبد مناف کو بڑا فخر تھا۔ عبد المطلب کی قدر و منزلت میں چار چاند لگ گئے۔ اقتدار کے ساتھ ساتھ عبد المطلب کی اولاد میں بھی اضافہ ہوا۔ امیہ کے بیٹے حرب کے دل میں حسد پیدا ہوا تو پھر ایک بار اپنے والد کی طرح (جس نے ہاشم سے منافرہ کیا تھا) عبد المطلب سے منافرہ کرنا چاہا۔ شاہ حبشہ سے ثالث بننے کی درخواست کی مگر بادشاہ راضی نہ ہوا۔ ایک قریش بزرگ کو ثالث بنایا جس نے فیصلہ عبد المطلب کے حق میں دیا جو ہر حیثیت سے حرب بن امیہ پر فوقیت رکھتے تھے۔ اس طرح پچھلی رقابت میں مزید اضافہ ہوا۔

☆☆

(۱) یہ روایت ابن اسحاق نے ابی حبیب مصری سے سنی جنہوں نے سند کے ساتھ اسے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے (ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۹۸)۔ ابن سعد نے بھی ان خوابوں کا ذکر کیا ہے۔ ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۱۱۶، ۱۱۷

(۲) مارٹن لنگز (ابو بکر سراج الدین) 'محمدؐ' (Muhammad) صفحہ ۱۵

(۳) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول۔ صفحہ ۹۸ تا ۱۰۰۔

(۸) ذبیح ثانی

جلال الدین سیوطی نے 'خصائص کبریٰ' میں حضرت امیر معاویہؓ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ''ہم ایک بار رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک اعرابی آیا اور آپؐ کو خطاب کیا 'یا ابن الذبیحین' آپؐ نے اس پر تبسم فرمایا''۔ حضرت معاویہؓ یہ حدیث سنا چکے تو حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ ''دو ذبیحین کون ہیں''۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت عبداللہ (رسول اللہؐ کے والد ماجد) کا واقعہ بیان کیا اور فرمایا ''ایک عبداللہ اور دوسرے (حضرت) اسمٰعیلؑ'' (۱)

حضرت عبداللہ کا واقعہ یہ ہے کہ ہر چند زم زم کا مسئلہ عبدالمطلب کے حق میں طے پا چکا تھا لیکن اس چشمے کی کھدائی کے وقت ایک خیال نے ان کے دل پر بڑا گہرا نقش چھوڑا۔ ان کی مدد کے لئے صرف ایک بیٹا حارث تھا۔ کوئی اور بیٹا اس وقت تک پیدا نہ ہوا تھا۔ یہی کھدائی اگر ان کا چچا زاد امیہ یا بنی مخزوم کا مغیرہ کر رہا ہوتا تو دونوں کی مدد کے لئے سات آٹھ بیٹے موجود ہوتے اور قریش کی مزاحمت کے وقت ان سے بڑی تقویت رہتی۔ اسی خیال میں انہوں نے اللہ سے دعا کی اور یہ نذر مانی کہ اگر اللہ نے انہیں دس بیٹے عنایت فرمائے تو ایک کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ ایسی قربانی ان کے نزدیک شاید اس لئے جائز تھی کہ ان کے ذہن میں حضرت ابراہیمؑ کا وہ واقعہ تھا کہ وہ کس طرح اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

اللہ نے یہ مراد پوری کی۔ دس بیٹے ہو گئے اور سن رشد کو پہنچے۔ عبدالمطلب اپنی نذر بھولے نہ تھے۔ ایک روز سب بیٹوں کو جمع کیا اور اپنی نذر کی بابت بتایا۔ شاید ڈرتے ہوں کہ بیٹے ہچکچائیں۔ لیکن اولاد اسمٰعیلؑ نے ایک بار پھر بے چون و چرا سر تسلیم خم کر دیئے۔ یہ سب بیٹوں کو حرم میں لے گئے اور حسب دستور فال نکلوائی کہ کسے قربان کریں۔ قرعہ فال سب سے حسین اور

پیارے بیٹے عبد اللہ کے نام نکلا۔ عبد المطلب بغیر پس و پیش عبد اللہ کو لے کر اساف اور نائلہ کے درمیان قربان گاہ کی طرف چلے۔ ایک ہاتھ میں چھری تھی اور دوسرے میں بیٹے کا بازو۔ جو لوگ کعبہ میں موجود تھے انہوں نے یہ منظر دیکھا تو دوڑ پڑے کہ ''یہ کیا کر رہے ہو''۔ حضرت عبد اللہ کی والدہ فاطمہ اور بہنیں بھی موجود تھیں۔ سب نے مزاحمت کی۔ فاطمہ بنی مخزوم کے قبیلے سے تھیں۔ بنی مخزوم کے سردار مغیرہ نے مشورہ دیا کہ بیٹے کی جان کے بدلے کوئی فدیہ دے دیا جائے۔ حضرت عبد اللہ کے بھائیوں اور بہنوں نے بھی یہی اصرار کیا۔ آخر یہ طے ہوا کہ اس بارے میں یثرب کی ایک کاہنہ سے رجوع کیا جائے۔ کافی تگ و دو کے بعد کاہنہ تک رسائی ہوئی جو اس وقت خیبر میں تھی۔ کاہنہ نے سارا ماجرہ سنا تو ایک روز کی مہلت چاہی۔ دوسرے دن اس نے پوچھا کہ قریش میں ایک جان کا کیا خوں بہا ہے۔ بتایا گیا کہ ''دس اونٹ''۔ کاہنہ نے فیصلہ کیا کہ ''تم لوگ وطن واپس جاؤ۔ عبد اللہ اور دس اونٹوں کے درمیان تیروں سے قرعہ اندازی کرو اور اس وقت تک اونٹوں کی تعداد دس دس کر کے بڑھاتے رہو جب تک قرعہ اونٹوں کے نام نہ نکلے''۔ یہ لوگ واپس مکہ آئے اور کاہنہ کی ہدایت پر عمل کیا۔ ہر بار قرعہ حضرت عبدُ اللہ کے نام نکلتا رہا یہاں تک کہ اونٹوں کی تعداد ایک سو ہو گئی۔ تب کہیں جا کر قرعہ اونٹوں کے نام نکلا (۲)۔ عبد المطلب نے مزید اطمینان کے لئے آخری قرعہ تین بار ڈلوایا۔ جب تینوں بار اونٹوں کے نام نکلا تو سو اونٹ قربان کئے گئے اور حضرت عبد اللہ کی بہنیں انہیں خوشی خوشی گھر لے آئیں۔ انہیں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر آخر الزماںؐ کے والد ہونے کا شرف بخشا۔

کہتے ہیں کہ اس وقت سے ایک جان کی دیت سو اونٹ مقرر ہو گئی جو اسلامی دور میں جاری رہی۔ آل ابراہیمؑ میں ایسی قربانی کا یہ دوسرا واقعہ تھا۔ پہلی بار بیٹے کے بدلے ایک مینڈھا ذبح ہوا۔ دوسری بار سو اونٹ۔ وہ ابتدا تھی یہ انتہا۔ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا بھی یہ ارشاد مروی ہے کہ ''میں ابن الذبیحین (دو ذبیحوں کی اولاد) ہوں۔ ایک (حضرت) اسمٰعیلؑ اور دوسرے عبد اللہ''(۳)۔

☆☆

(۱) محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۳۴
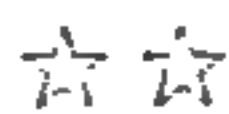
(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو 'سیرۃ ابن اسحاق' مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد یازدھم صفحہ ۲۰ تا ۳۲۔ ہر فال کے موقع پر جو دعائیں عبدالمطلب نے اللہ سے کیں وہ درج ہیں۔ ابن سعد کے یہاں کاہنہ کا ذکر نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت عبداللہ کی بہنوں کے اصرار پر اونٹوں کا فدیہ دیا گیا۔ (ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۱۲۶)

(۳) صفی الرحمٰن مبارکپوری 'الرحیق المختوم' صفحہ ۸۱۔

الجنۃ تحت اقدام الامہات
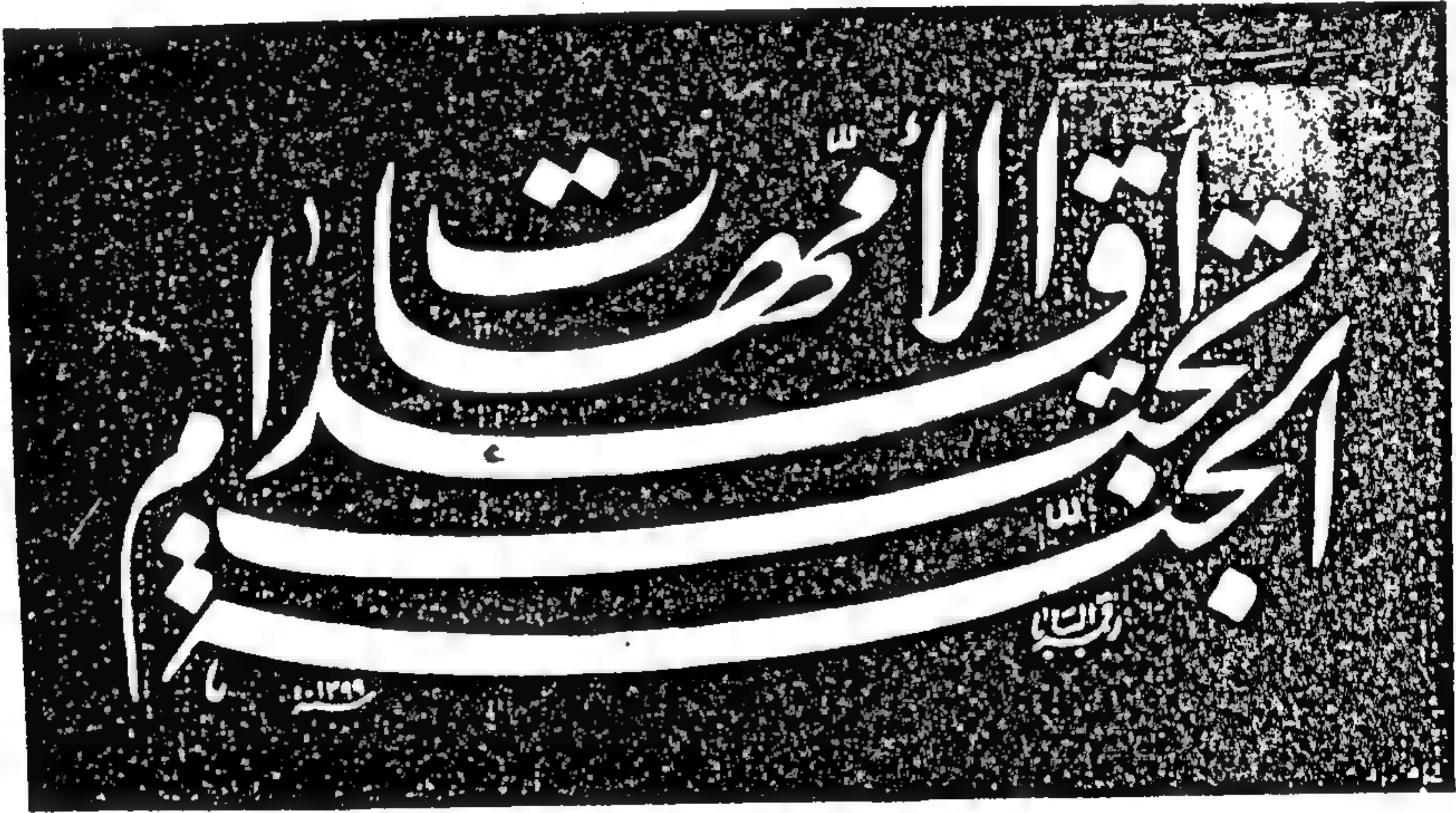
□ حدیث مبارک خط نستعلیق میں «اَلجَنّۃُ تحتَ اَقدامِ الاُمّھاتِ» بہ خط کامل البابا

(۹) انتظار

عرب کا سب سے محترم بُت "ہبل" خانہ کعبہ میں نصب تھا۔ جس کی تمام عرب عزت کرتے تھے۔ مگر عبدالمطلب اپنی دعا ہمیشہ اللہ سے مانگتے تھے۔ عرب کے بت پرست بھی اللہ کے قائل تھے اور اللہ ہی کو قادر مطلق اور خالق ارض و سما مانتے تھے۔ پروفیسر مارگولیوتھ کا یہ قول کہ اللہ ''اصل میں قریش کے خاندانی دیوتا کا نام تھا۔ چنانچہ محمد (ﷺ) کی توحید پرستی کے یہ معنی ہیں کہ انہوںؐ نے دوسرے قبائل کے دیوتاؤں کو مٹا کر اپنے خاندانی دیوتا کو منوایا'' مضحکہ انگیز حد تک لغو ہے اور بقول سید سلیمان ندوی '' یورپ کے مشرقی تبحر علمی کی شرمناک مثال ہے۔۔۔۔ قریش اپنے دیوتاؤں کے مجسمے بنا کر پوجتے تھے۔ کیا اس سب سے بڑے قریشی دیوتا کا بھی کوئی مجسمہ تھا؟"(۱)۔

ولہاسن نے قدیم عرب کی تحریروں سے کئی عبارتیں نقل کی ہیں جن میں ''اللہ'' کا لفظ ایک معبود اعظم کے طور پر آیا ہے (۲) اہل عرب دوسرے بتوں اور دیوتاؤں کو اللہ کا شریک اور اس کے ہاں سفارش کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ مکہ میں گھر گھر بت تھا۔ خود کعبہ میں ۳۶۰ بت تھے۔ دوسرے شہروں میں اپنے اپنے علاقوں کے خاص بت تھے۔ عبدالمطلب اپنے لڑکپن میں یثرب کے بت 'مناۃ' سے مانوس تھے۔ جس کی عبادت گاہ بحر احمر کے ساحل کے قریب قدید میں واقع تھی۔ حجاز میں ایک دیوی عزیٰ تھی۔ اس کا بت مکہ سے ایک دن کی مسافت پر وادی نخلہ میں تھا۔ وہاں سے اسی سمت آگے چل کر طائف میں اہل ثقیف کی دیوی 'لاۃ' کی عبادت گاہ تھی ان کے علاوہ عرب کے دوسرے مقبول بت وَد، سُواع، یغوث اور یعوق تھے۔ ابن اسحاق کے یہاں اور بتوں کی تفصیل ہے جن میں نسر، عم انس، سعد، اساف، نائلہ ذوالکعبات، ذوالخلصہ، رئام

رضا کے نام شامل ہیں (۳)۔ان کے علاوہ تاریخ عرب میں اور بھی بہت سے بتوں کے نام ملتے ہیں۔

بت پرستی کے سوا عرب میں نصرانیت ، یہودیت اور مجوسیت کے مذہب بھی تھے۔ غسان اور ربیعہ کے قبیلے نصرانی تھے۔ نبی طے میں بھی نصرانیت پھیل گئی تھی۔ مکہ میں بھی ورقہ بن نوفل نصرانی تھے جو عبرانی زبان میں انجیل پڑھ سکتے تھے۔ نجران کے علاقے میں نصرانیت عروج پر تھی۔ کبھی کبھی عیسائی حضرت ابراھیمؑ کی یادگار کعبہ کی زیارت کے لئے مکہ آتے تو اوروں کی طرح ان کا بھی خیر مقدم ہوتا۔اہل مکہ کی رواداری نے ایک عیسائی کو یہ موقع بھی دیا کہ دیوار کعبہ پر حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کی تصویریں بنالے۔ کچھ قبائل یہودی بھی تھے۔ یثرب میں یہودیت کا کافی اثر تھا اور توریت کی تعلیم باقاعدہ رائج تھی۔ نبی قینقاع، نبی نضیر اور نبی قریظہ کے یہودی قبیلے یثرب کے اطراف میں آباد تھے۔ قبیلہ تمیم مجوسی تھا۔ اس مذہب میں دختر سے شادی جائز تھی۔ مشہور ہے کہ اس قبیلے کے ایک سردار زرارہ تمیمی نے اپنی دختر سے شادی کرلی تھی جس پر بعد میں نادم ہوا۔

ان تمام باتوں کے باوجود دین ابراھیمی (خالص توحید) کے نقوش بالکل فنا نہیں ہوئے تھے۔ہر چند کہ اس میں بہت سی بدعات شامل ہو گئی تھیں۔ کچھ لوگ تھے جو بت پرستی سے متنفر تھے اور خود کو "حنفی" کہتے تھے عبد المطلب بھی ایسے کچھ حنفا سے واقف تھے۔ عبد المطلب کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان برائیوں سے دور تھے جو لوگوں کو بگاڑنے والی ہوتی تھیں۔ شراب کو خود پر حرام کرلیا تھا۔ طواف کعبہ کے وقت برہنگی ناپسند کرتے تھے۔ماہ رمضان میں غار حرا میں جاکر تحنث (خدائے واحد کی عبادت) کرتے اور پورے مہینے غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ زرقانی کا قول ہے کہ غار حرا میں سب سے پہلے خلوت و عزلت عبد المطلب نے ہی کی (۴)۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے کچھ پہلے کا واقعہ ہے کہ کسی بت کے استھان پر ایک سالانہ میلہ لگا ہوا تھا۔وہاں چار قریشی ورقہ بن نوفل (حضرت خدیجہؓ کے عمزاد) عبید اللہ بن جحش (حضرت حمزہؓ کا بھانجا)، عثمان بن حویرث (عبد العزیٰ کا پوتا) اور زید بن عمرو (حضرت عمرؓ کے چچا) موجود تھے۔چاروں کے دل میں خیال آیا کہ یہ بت پرستی بھی کسقدر لغو چیز ہے اور یہ طے کیا کہ

حضرت ابراھیمؑ کے دین حنیف کو تلاش کریں۔ چنانچہ ورقہ نصرانی ہو گئے۔ عبید اللہ شک میں رہا۔ اسلام ظاہر ہوا تو مسلمان ہو گیا۔ مہاجرین حبشہ میں شامل ہوا۔ حبشہ میں مرتد ہو کر عیسائی بن گیا (۵)۔ عثمان بن حویرث قیصر روم تک پہنچا اور نصرانیت اختیار کر لی۔ زید کا قول تھا کہ وہ اپنے باپ ابراھیمؑ کے مذہب پر ہیں اور اسی حالت میں وفات پائی (۶)۔

تاریخ کے اعتبار سے یہ امر یقینی ہے کہ عہد نبوی سے پہلے تمام اہل کتاب اور مختلف مذاہب کے ماننے والے ایک آخری نبی اور تسلی دہندہ کے منتظر تھے۔ توریت اور انجیل میں تو متعدد پیشین گوئیاں ایک نبی آخر الزماں کی موجود تھیں۔ بعض عربوں نے عیسائیوں سے یہ سن کر کہ نبی موعود کا نام "قابل حمد و ستائش" ہو گا اپنے نوزائیدہ بچوں کا نام "محمد" رکھا تھا۔ ایسے پانچ سات لوگوں کا حال تاریخ میں محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ زردشت کی پیشنگوئی اویستا (یشت ۱۳، باب ۲۸ فقرہ ۱۱۹) میں ہے کہ "ایک بت شکن آئے گا جس کا نام 'حمد و ستائش والا' اور سارے لوگوں کے لئے 'رحمت' ہو گا جو میرے مذہب کی تکمیل کرے گا" (۷)۔ گوتم بدھ نے مرتے دم بتایا کہ "ایک اور نبی آنے والا ہے جس کا نام 'متایا' (یا میتریا) یعنی رحمتہ للعالمین ہو گا اور وہی میرے کام کی تکمیل کرے گا" (۸)۔ یہ روایت اس طرح ہے کہ مہاتما گوتم بدھ کا آخری وقت تھا اور ان کے خادم نندا نے جو ان کے پیر دھو رہا تھا ان سے پوچھا "آقا آپ کے بعد دنیا کو کون تعلیم دے گا" تو مہاتما بدھ نے جواب دیا "نندا میں پہلا بدھ نہیں ہوں اور نہ آخری بدھ ہوں۔ اپنے وقت پر دنیا میں ایک اور بدھ آئے گا۔ مقدس' منور القلب' عمل میں دانائی سے لبریز، مبارک، عالم کائنات، انسانوں کا عدیم النظیر سردار، جو غیر فانی عقائد میں ظاہر کرتا رہا ہوں وہ بھی وہی ظاہر کرے گا، وہ ایک مکمل اور خالص مذہبی نظام زندگی کی میری طرح تبلیغ کرے گا"۔ نندا نے کہا "ہم اس کو کس طرح پہچانیں گے" مہاتما نے فرمایا "وہ میتریا (رحمت) کے نام سے موسوم ہو گا" (۹)

ہندوؤں کے کلکی پران میں ہے کہ خدا کا آخری اوتار سپاہی کی شکل میں جنم لے گا (۱۰)۔

پران کے معنی ہیں "قدیم" ("پرانا" کی طرح)۔ قران مجید کی آیت:

"وانه لفی زبر الاولین"۔

"اور اسکی خبر پہلے پیغمبروں کی کتابوں میں (لکھی ہوئی) ہے"۔

(الشعراء ۱۹۶)

میں "زبرالاولین" جن مقدس کتابوں کے لئے آیا ہے ان میں پران بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اس آیت کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں "میں نہیں جانتا کہ اس کا 'پران' سے کوئی تعلق ہے کہ نہیں۔ بہر حال دس "پران" ہیں۔ ان میں سے ایک میں یہ ذکر آیا ہے کہ "آخری زمانے میں ایک شخص ریگستان کے علاقے میں پیدا ہوگا۔ اس کی ماں کا نام "قابل اعتماد" اور باپ کا نام "اللہ کا غلام" ہوگا۔ وہ اپنے وطن سے شمال کی طرف جاکر بسنے پر مجبور ہوگا اور پھر وہ اپنے وطن کو متعدد بار دس ہزار (یہ ایک عدد ہے جس کا اردو میں مترادف نہیں۔ بہر حال "متعدد بار دس ہزار" کا اشارہ شاید حجتہ الوداع کی طرف ہے نہ کہ فتح مکہ کی طرف) آدمیوں کی مدد سے فتح کریگا۔ جنگ میں اس کی رتھ کو اونٹ کھینچیں گے اور وہ اونٹ اس قدر ہونگے کہ آسمان تک پہنچ جائیں گے' (یہ شاید معراج مبارک کی طرف اشارہ ہے) اس کتاب میں جو مذکورہ الفاظ ہمیں ملتے ہیں ان سے ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ مستنبط کیا جاسکے" (۱۱) الہ آباد یونیورسٹی (بھارت) کے محترم پروفیسر ڈاکٹر وید پرکاش اپادھیائے بھی اپنی کتاب 'کالکی اوتار' میں لکھتے ہیں "گیتا، وید اور پرانوں کی تحقیق کے مطابق جس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مسلمانوں کے آخری نبی ہیں اسی طرح ہندوؤں کے آخری اوتار بھی تھے"۔ آخری اوتار کی جو نشانیاں اہل ہنود کی مقدس کتابوں میں بتائی گئی ہیں وہ سب صرف انہیں پر صادق آتی ہیں۔ پران میں یہ بھی ہے کہ "آخری اوتار کی پیدائش 'شمبھل' کے وشنوئش یعنی 'وشنو بھگت' کے ہاں ہوگی اور والدہ کا نام 'سومتی' ہوگا (شمبھل کے معنی ہیں "امن کا گھر" جو مکہ مکرمہ ہے'۔ 'وشنوئش' یا 'وشنو بھگت' کے معنی اللہ کا بندہ یعنی عبداللہ اور 'سومتی' کے معنی 'امن والی' کے ہیں اور یہی معنی 'آمنہ' کے ہیں)" ڈاکٹر وید پرکاش کا کہنا ہے کہ ہندو جس کالکی اوتار کے منتظر ہیں وہ آکر گزر بھی گیا اور یہ اب تک اس کی راہ دیکھ رہے ہیں (۱۲)۔

ہندوؤں کی مقدس کتاب "اتھروید" میں جنگ احزاب کے بارے میں یہ دلچسپ اشارہ ملتا ہے:

''اے صادقوں کے رب تجھے ان سرور دینے والوں نے اپنے بہادرانہ کارناموں اور مستانہ ترانوں سے دشمن کی جنگ میں مسرور کیا کہ جب حمد کرنے والے، نیز عبادت کرنے والے کے لئے تو نے دس ہزار دشمنوں کو بغیر مقابلہ شکست خوردہ کر دیا''۔ (اتھرویدکانڈ ۲۰۔ سوکت ۲۱ منتر ۶) (۱۳)

مکہ میں ورقہ بن نوفل نے نصرانی ہو کر توریت اور انجیل کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ وہ ان کتابوں کے ان وعدوں کی گہرائی کو سمجھتے تھے جن میں ایک نئے رسول کی آمد کی پیشین گوئی موجود تھی۔ توریت کی متعدد پیشینگوئیوں کے علاوہ (جن کا ذکر آئندہ ابواب میں آئے گا) جو ان کے ذہن میں تھیں وہ انجیل کی بشارتوں سے بھی واقف تھے۔ جانتے تھے کہ ابھی "وہ نبی" بھی نہیں آیا تھا جسے اپنی عظمت اور شہرت کی وجہ سے ''وہ نبی'' (۱۴) ہی کہنا کافی تھا اور جس کی آمد کے سب منتظر تھے جیسے کہ انجیل میں حضرت یحیٰؑ کی گواہی ان الفاظ میں موجود تھی:

''اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کے لئے اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے۔ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا۔ بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے۔ کیا تو ایلیاہ ہے۔ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو ''وہ نبی'' ہے اس نے جواب دیا کہ نہیں ---- یہ فریسیوں کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ نہ ''وہ نبی'' تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟'' (نیا عہد نامہ، کتاب یوحنا ۱۹/۱ تا ۲۱، ۲۴، ۲۵)

حضرت عیسیٰؑ کے یہ اقوال بھی ورقہ کی نظر میں تھے:

''میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار (فارقلیط) بھیجے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے'' (نیا عہد نامہ 'کتاب یوحنا' ۱۶/۱۴)

''میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں۔ لیکن مددگار (فارقلیط) یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا''۔ (نیا عہد نامہ 'کتاب یوحنا' ۱۴/ ۲۵، ۲۶)

اور یہ بھی کہ :

''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا . . . وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا ____ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کرنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا'' - (نیا عہد نامہ 'کتاب یوحنا' ۱۶/ ۷، ۸، ۱۲، ۱۳)

یقیناً اس میں ایک نئے رسول کی آمد کی خبر تھی جس کا انتظار تھا۔ یہ چیز بڑی اہم اور قابل غور ہے کہ ہر بڑے مذہب کے بانی نے ایک آئندہ آنے والے نبی کی پیشین گوئی کی سوائے حضور اکرم ﷺ کے کیونکہ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے آپ خاتم النبیین ہیں۔ آپ ﷺ کے ساتھ دین مکمل ہو گیا۔

☆☆

(۱) سید سلیمان ندوی 'تاریخ ارض القرآن' صفحہ ۵۲۲

(۲) شبلی نعمانی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۸۲۔ اس کے علاوہ ملاحظہ ہو گبز اور کریمر کی 'شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام' (Gibbs & Kramers Shorter Encyclopedia of Islam) صفحہ ۳۳

(۳) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۶۵ تا ۶۹

(۴) محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۳۰

(۵) عبید اللہ بن جحش کا انتقال حبشہ میں ہوا۔ اس کی بیوہ حضرت ام حبیبہؓ تھیں۔ جو بعد میں ام المومنین ہوئیں

(۶) زید کے بیٹے سعید اور بھتیجے حضرت عمرؓ نے رسول اللہؐ سے درخواست کی کہ زید کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا "ہاں - وہ تنہا قبر سے اٹھایا جائے گا" (ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۴۹)

(۷) محمد حمید اللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۴۲

(۸) ایضاً صفحہ ۴۳

(۹) مناظر احسن گیلانی 'النبی الخاتم محمد ﷺ' صفحہ ۳۰، ۳۱

(۱۰) محمد حمید اللہ 'رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۴۳

(۱۱) محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۳

(۱۲) محمد ثانی 'تجلیات سیرت' صفحہ ۲۵۷، ۲۵۸

(۱۳) بشیر الدین پنڈت 'ہندوؤں کی کتب مقدسہ میں بشارت آنحضرت ﷺ' مطبوعہ نقوش رسول نمبر، جلد چہارم صفحہ ۵۵۸

(۱۴) جیسے کہ مسلمان رسول اللہ ﷺ کے لئے 'آنحضرت' کہنا کافی سمجھتے ہیں۔

(۱۰) دو شادیاں

(عبداللہ اب سن بلوغ کو پہنچ چکے تھے۔) اللہ نے انہیں قربان ہونے سے بچا لیا تھا۔ (عبدالمطلب نے سوچا کہ جلد ان کی شادی کر دیں۔) حسن و جمال میں کوئی ان کا مقابل نہ تھا۔ یقیناً بہت سی دوشیزاؤں کے منظور نظر رہے ہوں گے۔ یورپ کا ایک مستشرق عبدالمطلب کی شہرت و عظمت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ قبیلہ غسان کی ایک شہزادی نے عبدالمطلب کی خدمت میں قیمتی تحائف ارسال کئے اور یہ خواہش ظاہر کی کہ اسے اپنے بیٹے عبداللہ کی زوجیت میں قبول کر لیں مگر عبدالمطلب راضی نہ ہوئے (۱) عبدالمطلب کی عظمت کے ساتھ شاید اس معزز خاتون کو عبداللہ کے حسن و جمال کی خبر بھی پہنچی ہو۔

(اپنے عزیز بیٹے کی دلہن کے لئے عبدالمطلب کی نظر انتخاب قبیلہ زہرہ کے وہب بن عبد مناف کی محترم صاحبزادی آمنہ پر پڑی جن کی والدہ برہ عبدالدار کی پڑپوتی تھیں) وہب کا شمار بھی قریش کے بڑے معززین میں تھا۔ ان کا انتقال ہو چکا تھا اور سیدہ آمنہ اپنے چچا وہیب بن عبد مناف کے زیر تربیت تھیں۔ عبدالمطلب عبداللہ کو لے کر وہیب کے یہاں گئے اور شادی کا پیغام دیا جو بخوشی قبول کیا گیا۔ اس موقع پر عبدالمطلب نے خود اپنی شادی وہیب کی دختر ہالہ سے کرنا چاہی۔ دونوں نکاح ایک ہی دن منعقد ہوئے۔ (انہی ہالہ سے حضرت حمزہؓ پیدا ہوئے جو رسول اللہ ﷺ کے چچا بھی ہوئے اور خالہ زاد بھائی بھی)۔

ابن اسحاق سے روایت ہے کہ جب عبدالمطلب عبداللہ کو لیکر وہیب بن عبد مناف کے یہاں جا رہے تھے تو راستے میں قتیلہ نے ان کو دیکھا۔ وہی قتیلہ جو اپنے عالم بھائی ورقہ بن نوفل سے آنے والے نبی کی خبریں سنتی رہتی تھی اور شاید کبھی سوچتی ہو کہ وہ نبی یہیں عنقریب پیدا ہونے والا

ہو۔ قتیلہ نے عبداللہ کے چہرے پر عجیب نور دیکھ کر ان سے شادی کی خواہش ظاہر کی اور اتنے ہی اونٹ نذر کرنے کی پیش کش کی جتنے ان کے فدیہ میں ذبح کئے گئے تھے۔ لیکن عبداللہ نے کہا کہ وہ اپنے والد کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔

شادی کے بعد جیساکہ قاعدہ تھا عبداللہ تین روز اپنی سسرال میں رہے۔ واپس ہوئے تو قتیلہ سے پھر ملے۔ قتیلہ خاموش تھی۔ عبداللہ نے پوچھا ''اب وہ باتیں کیوں نہیں کہتی جو پہلے کہہ رہی تھی''۔ جواب ملا کہ ''جو نور تمہاری پیشانی میں پہلے جلوہ گر تھا آج نہیں ہے''(۲)۔ قتیلہ جانتی تھی کہ وہ نور اب سیدہ آمنہ کو منتقل ہو چکا ہے جن کے ساتھ عبداللہ تین راتیں گزار چکے تھے۔

شادی کے کچھ ہی دن بعد عبداللہ کو تجارت کے سلسلے میں شام کی طرف جانا ہوا۔ واپسی میں والد محترم کی ہدایت کے مطابق یثرب میں خشک کھجوروں کا سودا کرنے کے لئے ٹھہرے وہاں بیمار پڑ گئے۔ ان کے ساتھیوں نے مکہ آکر عبدالمطلب کو ان کی بیماری سے مطلع کیا عبدالمطلب نے حارث کو اپنے چھوٹے بھائی کی خیریت معلوم کرنے کے لئے یثرب بھیجا۔ وہ یثرب پہنچے تو معلوم ہوا کہ عبداللہ اللہ کو پیارے ہو چکے اور اپنی ننھیال میں نابغی جعدی کے مکان میں دفن ہیں۔ حارث یہ جانکاہ خبر لے کر واپس مکہ آئے۔ گھر والوں نے سنا تو صف ماتم بچھ گئی۔ جناب آمنہ نے جو شادی کے پہلے ہی ہفتے میں حامل نور نبوی بن چکی تھیں پر درد مرثیہ لکھا جس کا ایک مصرعہ کچھ اس طرح تھا:

''وہ مر گیا تو کیا ہوا____اس کے اثار خیر تو نہیں مرے''(۳)

وفات کے وقت عمر ۲۴، ۲۵ کے سال کے درمیان تھی۔ (بعض روایات میں ۱۷، ۱۸ سال ہے) ترکے میں ایک کنیز ام ایمن (اصلی نام برکتہ) (۴) پانچ اونٹ اور چند بھیڑیں چھوڑیں۔ ہونے والا فرزند ابھی شکم مادر ہی میں تھا۔

جیساکہ پہلے بیان ہوا ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ویدوں اور پرانوں میں ایک عبداللہ اور آمنہ کے بیٹے کی بشارت کی نشاندہی کی ہے۔(۵)

☆ ☆

(۱) کاؤنٹ آف بولین ولیرز۔ 'لائف آف محمدؐ' (The Life of Mohamet) صفحہ ۱۸۳

(۲) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶۔ شبلی نعمانی (سیرت النبیؐ) اور ابو الاعلیٰ مودودی (سیرت سرور عالمؐ) کے یہاں یہ روایت مذکور نہیں۔ محمد حسین ہیکل نے اسکی صحت میں تامل کا اظہار کیا ہے (محمد حسین ہیکل 'حیات محمدؐ' صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰)۔ ابن سعدؒ کے یہاں دو روایات ہیں۔ دوسری روایت میں قتیلہ کی جگہ ایک یہودی خاتون فاطمہ بنت مرؐ مذکور ہے۔ (ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۱۲۷) محمد ادریس کاندھلوی اس بنا پر اس واقعے کی صحت کے قائل ہیں کہ یہ مختلف حضرات سے مروی ہے ہر چند کہ بعض راوی ضعیف ہیں مگر ان کی تعداد واقعے کی صحت کو تقویت دیتی ہے۔ انہوں نے ■ روایت اختیار کی ہے جس میں خاتون کا نام قتیلہ کی بجائے فاطمہ بنت مرؐ بتایا گیا ہے اور اسکے اشعار بھی درج کئے ہیں (محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۴۰، ۴۱)

(۳) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۱۴۳

(۴) اُم ایمن نے رسول اللہ ﷺ کے بچپن میں آپ کی خدمت کی اور بعد میں بھی حضورؐ ان کی بڑی عزت کرتے تھے اور فرماتے تھے "اُمّی بعد اُمّی" ان کا پہلا نکاح عبید الحبشی سے ہوا جن سے ایمنؓ پیدا ہوئے۔ اور دوسرا نکاح زید بن حارثہؓ سے ہوا جن سے اسامہؓ پیدا ہوئے۔

(۵) ملاحظہ ہو گزشتہ باب ۹

(۱۱) "کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ"

ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی نبی کے ظہور سے پہلے ہی اسکی برکت سے معجزے رونما ہونے لگتے ہیں۔ ایسا معجزہ ارہاص کہلاتا ہے۔ ایک ارہاص کی مثال زم زم کی بازیابی تھی۔ اب ایک دوسرا ارہاص رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے پچاس یا پچپن روز قبل واقع ہوا۔

ان دنوں یمن حبشہ کے زیرِ نگیں تھا اور نجاشی کی طرف سے وہاں کا عیسائی حاکم اَبرہہ اَشرم تھا۔ اس نے کعبہ کی عظمت کا تذکرہ سنا تو چاہا کہ صَنعا (یمن کا دارالخلافہ) میں ایک عظیم الشان کلیسا تعمیر کرکے مکہ کے حاجیوں کو اور ان کی وجہ سے جو آمدنی اور وقار مکہ کو حاصل تھا اس طرف منتقل کرلے۔ مشہور ہے کہ اس تعمیر کے لئے ملکہ سبا کے خستہ محلات سے سنگ مرمر حاصل کیا گیا سونے چاندی کی صلیبیں تیار ہوئیں اور آبنوس اور ہاتھی دانت کے ممبر بنائے گئے۔ یہ "سفید و سرخ و زرد و سیاہ پتھروں کا گھر سونے چاندی سے مجلّٰی اورجواہر سے مرصع" (۱) ہر وقت معطر رہتا۔ تعمیر کے مکمل ہونے پر نجاشی کو اطلاع دی کہ " اے آقائے نامدار میں نے آپ کی خاطر ایک ایسا کلیسا تعمیر کیا ہے کہ اب سے پہلے کسی بادشاہ نے نہیں تعمیر کیا تھا۔ اور میرا ارادہ ہے کہ لوگوں کو حج مکہ سے باز رکھ کر اس طرف منتقل کیا جائے۔"

بعض قریشیوں کو یہ بات ناگوار گذری۔ قبیلہ کِنَانہ کے ایک شخص نے موقع پاکر کلیسا کے اندر رفع حاجت کردی اور بھاگ کر اپنی قوم میں آگیا۔ ابرہہ نے سنا تو غضبناک ہوگیا اور انتقاماً کعبۃ اللہ کو مسمار کرنے کی قسم کھائی۔ ساٹھ ہزار کا لشکر جرار لیکر مکہ کا رخ کیا جس میں کئی ہاتھی بھی تھے۔ ایک نہایت قوی ہیکل ہاتھی بھی تھا جسے اہل عرب نے 'محمود' نام دیا ہے (شاید یہ انگریزی لفظ مَمتھ سے ماخوذ ہو)۔ راستے میں جن دو ایک قبائل نے مزاحمت کی وہ ناکام ہوئے۔ لشکر طائف کے قریب پہنچا۔ یہاں بنی ثقیف نے خود میں مقابلے کی تاب نہ پاکر اپنے

ایک وفد کے ذریعے ابرہہ کی اطاعت کا اظہار کیا اور اپنے اس معبد کو بچانے کے لئے جہاں 'لاۃ' کا بت نصب تھا یہ عرض کیا کہ جس گھر کو وہ برباد کرنا چاہتا تھا وہ طائف میں نہیں بلکہ مکہ میں تھا۔ اور اسکی نشاندہی کے لئے ابو غال نامی ایک شخص کو بدرقہ کے طور پیش کیا۔ ابرہہ نے یہ پیش کش قبول کی اور آگے بڑھ کر مغمس نامی ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ (کہتے ہیں کہ ابو غال یہیں مرگیا اور اہل عرب مدتوں اسکی قبر پر سنگ باری کرتے رہے) (۲)

مغمس پہنچ کر ابرہہ نے اسود نامی حبشی کے ماتحت سواروں کا ایک دستہ مکہ کے قرب و جوار کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا جو کافی لوٹ مار کر کے قریش کے بہت سے مویشی گھیر لایا۔ ان میں عبدالمطلب کے دو سو اونٹ بھی تھے۔ پھر ابرہہ نے ایک قاصد حناطہ حمیری کو مکہ کے سردار کے پاس یہ پیام دے کر روانہ کیا کہ بادشاہ کا ارادہ جنگ کا نہیں۔ صرف خانۂ کعبہ کا انہدام مقصود ہے۔ اگر لوگ اس میں مزاحم نہ ہونگے تو خونریزی سے بچ جائینگے اور مکہ کا سردار بے شک بادشاہ سے آکر مل لے۔ عبدالمطلب ہی مکہ کے سردار سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے قاصد کو بتا دیا کہ انہیں مزاحمت کی ضرورت نہیں۔ گھر اللہ کا تھا اسے بچانا مقصود ہوگا تو خود بچائے گا۔ اپنے چند بیٹوں کو ساتھ لیکر قاصد کے ہمراہ ہولئے کہ ابرہہ سے ملاقات کریں۔

ابرہہ عبدالمطلب کی شخصیت سے بہت مرعوب ہوا۔ ان کی تعظیم کی خاطر تخت سے اتر کر ان کے قریب فرش پر بیٹھا۔ ترجمان کے ذریعے گفتگو شروع ہوئی۔ اثنائے گفتگو عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کا مطالبہ کیا۔ ابرہہ نے تعجب سے کہا "تمہیں اپنے اونٹوں کی فکر ہے اور اپنے اس معبد کے لئے کچھ نہیں کہتے جو کل میرے ہاتھوں تباہ ہونے والا ہے" عبدالمطلب نے بڑے اعتماد سے جواب دیا "میں اونٹوں کا مالک ہوں اس لئے اپنے اونٹوں کی واپسی چاہتا ہوں۔ اس گھر کا مالک کوئی اور ہے۔ وہ خود اسکی حفاظت کریگا"۔ ابرہہ بولا "مجھ سے اسے کوئی نہیں بچا سکتا"۔ عبدالمطلب نے کہا "اب آپ جانیں اور آپ کا کام"۔ (ابن عباسؓ سے ایک دوسری روایت بھی مروی ہے جس میں اونٹوں کی واپسی کا ذکر نہیں۔ بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ عبدالمطلب خود ابرہہ کے پاس گئے۔ اس سے مصالحت کی گفتگو کی مگر وہ اپنے ارادے سے باز نہ آیا)(۳) ابرہہ نے کچھ توقف کے بعد اونٹوں کی واپسی کا حکم دیدیا۔ عبدالمطلب اونٹ واپس لیکر مکہ آگئے اورانہیں حرم کعبہ پر قربانی کے لئے نامزد کر کے حرم میں چھوڑ دیا۔ اہل مکہ کو مشورہ دیا کہ آس پاس کی پہاڑیوں میں پناہ گزیں ہوجائیں خود درِ کعبہ کے حلقے کو پکڑ کر اللہ سے دعا کی" یا اللہ لوگ اپنے گھروں کی

حفاظت کرتے ہیں تو بھی اپنے گھر کی حفاظت کر"۔ پھر اپنے ساتھیوں کو لیکر قریب کی پہاڑیوں میں چلے گئے۔

ادھر صبح ہوتے ہی ابرہہ نے اپنے لشکر کو حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ 'محمود' ہاتھی کو سب سے آگے کیا مگر جب چلنے کا حکم ہوا تو ہاتھی بیٹھ گیا۔ فیل بان نے بہت کوشش کی کہ چلے اور انکس مار مار کر ہاتھی کو زخمی کردیا مگر ہاتھی آگے بڑھنے کو تیار نہ ہوا۔ رخ یمن کی طرف کرتے تو چلنے لگتا مگر مکہ کی طرف مڑتے تو ٹھہر جاتا۔ ہاتھی کی اس حرکت سے ابرہہ پریشان تھا کہ اتنے میں بحر احمر کی سمت سے ایک سیاہی سی نمودار ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے کچھ پرندوں کے غول کے غول سارے لشکر پر چھا گئے۔ ان کے پنجوں اور چونچوں میں سنگریزے تھے جو لشکر پر برسنے لگے۔ ان سنگریزوں نے فوجیوں کو بری طرح زخمی کردیا۔ بہت سے وہیں مرگئے۔ باقی بھاگ کھڑے ہوئے اور راستے میں مرے۔ تھوڑے بچے ان میں سے کچھ حجاز ہی میں بس گئے۔ تقریباً ساری فوج تباہ ہوگئی ابرہہ کا بھی سارا جسم سڑنے لگا۔ یمن پہنچتے پہنچتے راہی ملک عدم ہوا(۴)۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر سورہ الفیل میں ہے جو اس واقعہ کے تقریباً پچاس سال بعد نازل ہوئی۔ اسوقت یہ واقعہ مکہ میں مشہور تھا اور اسکے چند چشم دید گواہ حیات تھے۔

اپنی اہمیت اور ہاتھیوں کے حملے کی بنا پر یہ سال عرب میں 'عام الفیل' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس واقعے کے بعد کعبۃ اللہ کی عظمت اور ساتھ ہی قریش کی عزت میں مزید اضافہ ہوگیا کعبہ عرب کا مقدس ترین مقام تھا اور قریش معزز ترین قوم۔

اسی سال اس قوم کو ایک عظیم ترین اعزاز ملنے والا تھا۔ جس پر قریش کی اولاد آج بھی فخر کرتی ہے اور تا قیامت کرتی رہیگی۔

☆ ☆

(۱) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۱۲۹

(۲) ابن ہشام 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۴۸، ۴۹

(۳) ابو الاعلی مودودی 'تفہیم القرآن' جلد ششم صفحہ ۴۶۵

(۴) ابن سعد کہتے ہیں کہ لوگوں کے جسم پر جہاں سنگریزے گرتے وہاں "دانے نکل آتے۔ یہ پہلی بیماری

چیچک تھی جو ظہور پذیر ہوئی" (ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۱۳۲) مغربی مورخین نے اس معجزے کو چیچک کی وبا پر محمول کیا ہے۔ محمد حسین ہیکل کا بھی یہی خیال ہے (محمد حسین ہیکل 'حیات محمد' صفحہ ۱۱۳)۔ مولانا محمد علی قادیانی نے سورۂ فیل کے انگریزی ترجمے میں یہی لکھا ہے۔ اور یہی سر سید احمد کا خیال ہے (سر سید احمد خان 'خطبات سیرت النبی' صفحہ ۳۴۰)۔ بعض متعصب مستشرقین نے ابرہہ کے بارے میں عرب مورخین کو قطعی نظر انداز کر دیا ہے اور اس ڈر سے کہ یہ معجزہ کعبہ کی طرف منسوب نہ ہو یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ یہ حملہ مکہ پر نہیں بلکہ ایران پر کیا گیا تھا کہ راستے میں اتفاقاً لشکر چیچک کا شکار ہو گیا۔ (انسائیکلو پیڈیا اف اسلام جلد اول صفحہ ۱۰۲، ۱۰۳) بریں عقل دانش بباید گریست۔

(۱۲) "محمد یتیم"

بعض ارباب سیر لکھتے ہیں کہ عام الفیل میں ربیع الاول کی ایک شب ایران میں ایسا زلزلہ آیا کہ ایوانِ کسریٰ کے چودہ کنگورے گر پڑے۔ مجوسی آتش کدے کی اگ جو ہزاروں سال سے روشن تھی یکایک بجھ گئی اور حیرۂ سادہ (فارس کا ایک دریا) خشک ہوگیا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ سب مادی طور سے واقع ہوا یا نہیں(۱)۔ لیکن معنوی اعتبار سے یہ حقیقت ہے کہ اس شب کی صبح ایک ایسی انقلاب آفریں شخصیت وجود میں آئی جسکے اثر سے کچھ ہی عرصے میں عظمت کسریٰ کے سارے محل سرنگوں اور ایران کے تمام آتش کدے ہمیشہ کے لئے سرد ہوگئے۔

سیدہ آمنہ جو حامل نور نبوت تھیں شعب بنی ہاشم میں مقیم تھیں۔ ربیع الاول عام الفیل کی ۹ تاریخ (۲) (مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء) کی علی الصبح یہ سرورِ کائنات پیدا ہوئے۔ حضرت آمنہ کو کچھ ایسا محسوس ہوا کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا جس سے مشرق و مغرب روشن ہوگئے۔ اس سے پہلے ایسا ہی کچھ خواب میں نظر آیا تھا۔ خواب میں یہ بھی دیکھا تھا کہ فرزند کا نام 'احمد' (۳) رکھیں۔

'احمد' نام کی پیشین گوئی انجیل (کتاب یوحنا باب ۱۴، ۱۵) میں موجود ہے جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ کی زبانی فرمایا گیا:

"بِرَسُولٍ یَاْتِی مِن بَعدِی اِسمُهُ اَحمَدُ"

'احمد' کا ہم معنی لفظ عبرانی میں 'فارقلیط' (Parklit) استعمال ہوا ہے۔ یونانی میں اسکا ترجمہ 'پیریکلوطاس' (Periclytos or Periklutus) تھا جو لفظی اور صوتی مشابہت کے سبب دانستہ یا نادانستہ 'پیراکلیطاس' (Paraclytos) کی شکل میں تبدیل ہوگیا جسکے لئے انگریزی ترجموں میں 'کمفرٹر' (Comforter) یا 'ہیلپر' (Helper) یعنی 'مددگار' کا لفظ استعمال کر لیا گیا۔ یہ سب ترجمہ اور

ترجمے سے ترجمہ کرنے والوں کی غلطی ہے۔ سرسید احمد خان نے اس بارے میں بڑی مفصل بحث کی ہے اور مغربی مصنفین کا بھی حوالہ دیکر ثابت کیا ہے کہ اصل عبرانی انجیل میں جسکے نسخے اب معدوم ہیں 'فار قلیط' یعنی 'احمد' (محمود وستودہ صفات) کا لفظ تھا(۴)۔ ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی تفہیم القرآن میں آیتِ مذکور کی تفسیر میں یہی ثابت کیا ہے۔ اور اسی طرح تفسیر حقانی کے مولف نے۔

دائی کی خدمات شفاء بنت عوف زہری نے انجام دیں۔ یہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی والدہ تھیں جو سابقین اولین میں سے تھے۔ ممکن ہے اپنی والدہ سے رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے وقت کے کچھ عجائب سنے ہوں اور اسی لئے دونوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی۔

عبدالمطلب کو خبر ہوئی تو فوراً آئے پوتے کو گود میں لیا۔ خانۂ کعبہ پہنچے اوراللہ کا شکر ادا کر کے دعا کی۔ نام 'محمد' تجویز کیا۔ پھر گھر جاکر اہلِ خاندان سے بچے کو متعارف کیا۔ ان کے ایک چھوٹے بیٹے عباسؓ دروازے پر ملے۔ یہ اسوقت تین سال کے تھے۔ عبدالمطلب نے نو مولود کو دکھا کر کہا "یہ تمہارا ننھا سا بھائی ہے۔ اسے پیار کرو"۔ عباسؓ نے بوسہ لیا اور اس پیار کو تا حیات نباہا۔ ساتویں روز عقیقہ کیا۔ سب اہل قریش مدعو تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ غیر معروف نام کیوں رکھا تو بتایا کہ " میں چاہتا ہوں کہ آسمان میں خدا اور زمین پر خلق خدا اسکی تعریف کرے"۔ اسوقت یہ نام بے شک غیر معروف اور کمیاب تھا۔ مگر آئندہ اسقدر مقبول ہوا کہ آج تمام دنیا میں سب سے زیادہ عام ہے(۵)۔ جو نام رسول اللہ ﷺ سے پہلے سنا نہ جاتا تھا آج لاکھوں انسانوں کے ناموں کا جزو اور زینت ہے۔ اسے بھی " رفعنالك ذكرك" کی ایک تعبیر سمجھنا چاہئے۔

عبدالمطلب غالباً اس سے بے خبر تھے کہ آنے والے نبی اخر زماں کا یہ نام حضرت سلیمانؑ پہلے ہی بتا چکے تھے۔ عبرانی توریت میں یہ نام 'محمدیم' کی شکل میں بالکل صاف موجود تھا۔ بقول سر سید احمد خان 'محمدیم' 'محمد' کی جمع ہے اور قدیم زمانے میں اکثر واحد نام اپنی عزت و عظمت کے باعث جمع کی شکل میں استعمال کئے جاتے تھے۔ توریت میں حضرت سلیمان اپنے اس محبوب کے لئے کہتے ہیں:

"میرا محبوب سرخ و سفید ہے۔ وہ دس ہزار میں ممتاز ہے۔ اسکا سر

خالص سونا ہے۔ اسکی زلفیں پیچ درپیچ اور کوے سے کالی ہیں۔اسکی
آنکھیں ان کبوتروں کی مانند ہیں جو دودھ میں نہا کر لب دریا تمکنت سے
بیٹھے ہوں۔اُسکے رخسار پھولوں کے چمن اور بلسان کی بھری ہوئی کیاریاں
ہیں۔ اسکے ہونٹ سوسن ہیں جن میں رقیق مُر ٹپکتا ہے۔ اسکے ہاتھ زبر
جدسے مرصع سونے کے حلقے ہیں۔ اسکا پیٹ ہاتھی دانت کے کام کا ہے
جس پر نیلم کے پھول بنے ہوں۔ اسکی ٹانگیں کندن کے پایوں پر سنگ
مرمر کے ستون ہیں۔ وہ دیکھنے میں لبنان اور خوبی میں رشک سرو
ہے۔اسکا منہ ازبس شیریں ہے۔ ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے۔ اے
یروشلم کی دخترو! یہ ہے میرا محبوب، یہ ہے میرا پیارا۔'(پرانا عہد نامہ
'سلیمان کی غزل الغزلات ۵/ ۱۰تا۱۶)

زیر نظر بائبل کے اردو ترجمے میں عبرانی نام 'محمدیم' کا ترجمہ 'سراپا عشق انگیز' کیا ہے
شاہ جیمس کے مشہور، انگریزی ترجمے میں Altogether Lovely کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔
لیکن ایک دوسری انگریزی بائبل (۶) میں محمدیم کا ترجمہ اسطرح ہے:

"EVERYTHING ABOUT HIM IS ALTOGETHER DESIRABLE"

جو معنوی اعتبار سے نسبتاً 'محمد' سے قریب تر ہے۔نومولود نے چند دن اپنی والدہ کا دودھ پیا۔ پھر
اپنے چچا کی ایک کنیز ثُوَیبہ کا جو حضرت حمزہؓ (رسول اللہ ﷺ کے چچا) کو بھی دودھ پلا چکی تھیں۔
(اور بعد میں انہوں ہی نے ابوسَلَمہ اُمّ المومنین حضرت اُم سَلَمہ کے پہلے شوہر کو بھی دودھ پلایا)۔
ثُوَیبہ کے اپنے بیٹے مسروح بھی ان دنوں شیر خوار تھے۔ ایک روایت کے مطابق ابولہب نے اپنے
بھتیجے کی پیدائش کی خوشی میں اور اس خدمت کے صلے کے طور پر ثُوَیبہ کوآزاد کردیا(۷)۔ ثُوَیبہ کو
رسول اللہ ﷺ بہت عزیز تھے۔ آپؐ جب تک مکہ میں رہے یہ برابر آپؐ سے ملتی رہیں۔ رسول
اللہ ﷺ بھی ان پر ہمیشہ مہربان رہے۔ ہجرت کے بعد بھی ان کو تحائف بھجواتے رہے۔ فتح مکہ کے
وقت ان کا انتقال ہوچکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رضاعی بھائی مسروح کے متعلق پوچھا تو
معلوم ہوا کہ پہلے ہی وفات پاچکے تھے۔

ایک سیرت نگار ضیاء الدین کرمانی نے اس عجیب اتفاق کی طرف توجہ دلائی ہے کہ

آپؐ کے نام 'محمدؐ' اور 'احمدؐ' حمد سے ماخوذ ہیں جو چالیس سال کے بعد آپؐ کی زندگی کا مقصد بنی جیسا کہ قرآن مجید کے ابتدائی الفاظ 'الحمد للہ رب العالمین' سے ظاہر ہے۔ آپؐ کے والد کا نام عبداللہ تھا حالانکہ عبد عزیٰ یا عبد مناف بھی ہو سکتا تھا۔ آپؐ کی والدہ آمنہ تھیں۔ جن کا نام 'امن' سے تعلق رکھتا ہے۔ اور لسانی اعتبار سے 'ایمان' کے قریب ہے۔ آپؐ کو دودھ پلانی والیاں ثُوَیبہ (یعنی خوش اخلاق یا عالی صفات) بَرَکۃ (یعنی برکت) اور حلیمہ سعدیہ (یعنی حلم والی اور مبارک) تھیں۔ اس حسنِ اتفاق کو معجزہ سمجھنا غلط نہ ہوگا(۸)۔

☆ ☆

(۱) اکثر مورخین نے اس روایت کو موضوع سمجھ کر قابل ذکر نہیں سمجھا ہے۔ ابو الکلام آزاد کے نزدیک یہ روایت قطعاً قابل اعتنا ہے۔ اسکا راوی اول غورم ابن ہانی ہے جو اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ خود حافظ سیوطی اس روایت کو نقل کرکے اسے حدیث غریب بتاتے ہیں (ابو الکلام آزاد 'رسول رحمت' صفحہ ۵۱، ۵۲)۔ نئے سیرت نگاروں میں محمد ادریس کاندھلوی نے یہ روایت صحیح تسلیم کی ہے اور مفصل دلائل دیے ہیں (محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۵۴ تا ۵۶)

(۲) ابن اسحاق، ابن ہشام وغیرہ نے تاریخ پیدائش ۱۲ ربیع الاول بتائی ہے۔ یہی مشہور ہے۔ لیکن مصر کے ہیئت داں محمود پاشافلکی نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ تاریخ ولادت ۹ ربیع الاول ہے (مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء) سلمان منصور پوری اور شبلی نعمانی بھی یہی کہتے ہیں۔ دو شنبہ کے دن پر سب متفق ہیں۔

(۳) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کہتے ہیں کہ "بی بی آمنہ نے بچے کا نام محمدؐ رکھا تھا جیسا کہ ابتدائے حمل میں انہیں خواب میں حکم دیا گیا تھا۔ یہ بچے کے دادا تھے جنھوں نے ازراہِ شفقت احمدؐ کہنا شروع کیا (ڈاکٹر محمد حمید اللہ 'محمد رسول اللہ' مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلددوم صفحہ ۵۱۸)۔ ابو الاعلیٰ مودودی کے نزدیک ممکن ہے کہ دونوں نام مختلف خوابوں میں بتائے گئے ہوں کیونکہ دونوں نام احادیث سے ثابت ہیں (ابو الاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۹۴، ۹۵)

(۴) سر سید احمد خان، 'خطبات سیر النبیؐ' صفحہ ۳۸۷ تا ۳۹۵۔ انجیل کی کتاب یوحنا کی یہ پیشین گوئیاں گذشتہ باب ۹ میں ملاحظہ ہوں۔

(۵) ملاحظہ ہو فلپ حتّی 'دی عربس' (The Arabs) صفحہ ۳۰ اسکا کوئی ثبوت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے کسی کا نام 'احمدؐ' ہو۔ 'محمدؐ' نام کے لوگ شاذونادر ہوئے۔ حافظ ابن حجر نے بڑی جستجو

کے بعد ۱۵ ایسے اشخاص کا پتہ لگایا جنکا نام 'محمد' تھا۔ اہل کتاب سے بعض عرب کبھی کبھی سنتے تھے کہ نبی اسمٰعیل میں ایک نبی پیدا ہوگا جسکا نام 'محمدؐ' ہوگا۔ اس امید پر بعض نے اپنے بچوں کا یہ نام رکھا ابن حجر کہتے ہیں کہ محمد بن عدی سے پوچھا "جاہلیت میں آپ کے والد نے آپ کا نام 'محمد' کیسے رکھا تو انہوں نے بتایا کہ "شام کے سفر کے دوران کسی عیسائی راہب نے بتایا تھا کہ عرب میں ایک آخری نبی آنے والا ہے جسکا نام 'محمد' ہوگا۔ اسلئے اہل خاندان بیٹوں کا نام 'محمد' رکھنے لگے (ابو الا علی مودودی 'سیرت سرور عالم' جلد دوم صفحہ ۹۴)۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ رسول اکرمﷺ کی پیدائش سے کچھ عرصہ قبل مشہور ہو گیا تھا کہ 'محمد' نامی نبی مبعوث ہوگا نبوت کی امید میں بعض عرب نے اپنے بیٹوں کا یہ نام تجویز کیا۔ ابن کثیر نے چھ اشخاص کے یہ نام پیش بھی کئے ہیں۔ (ابن کثیر 'سیرت النبی' جلد اول صفحہ ۱۴۱)

(۶) بائبل کا یہ انگریزی ترجمہ واچ ٹاور بائبل اینڈ ٹریکٹ سوسائٹی اف نیویارک انکارپوریشن (Watch Tower Bible & Tract Society of New York Inc.) نے شائع کیا ہے۔ عبرانی بائبل کے الفاظ یہ ہیں "خلّو محمّد یم زہ دودی وزہ ریعی بلوث یروشلا یم" وہ تو ٹھیک محمدؐ۔ میرا خلیل میرا حبیب یہی ہے۔ اے دخترانِ یروشلم) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سرسید احمد خان 'خطبات سیرت النبی' صفحہ ۳۸۳۔

(۷) ثُویبہ نے ابو لہب کو بھتیجے کی پیدائش کی خوشخبری دی تو اس نے انہیں ازاد کردیا (ابن کثیر 'سیرت النبی' جلد اول صفحہ ۱۵۷)

(۸) ضیاء الدین احمد کرمانی، دی لاسٹ میسنجر ود اے لاسٹنگ میسج (The Last Messenger with a Lasting Message) صفحہ ۱۹۔

(۱۳) صحرا

قریش کو شہری زندگی سے مانوس ہوئے صرف چند نسلیں گزری تھیں قصیؐ سے پہلے ان کے اجداد خیموں میں زندگی گزارتے تھے۔ان کا خیال تھا کی اصلی آزادی صحرا نورد بدّو ہی کا حصہ ہے جو بڑی حد تک زمان و مکان کی قید سے آزاد تھا۔ اور حقیقی شرافت بغیر حقیقی آزادی کے ممکن نہیں ۔ شہر کی چار دیواری میں مقید ہر چیز فرسودگی کا شکار تھی۔ یہاں تک کہ زبان کی فصاحت بھی آلودگی سے محفوظ نہ تھی ۔ اسی لئے عرب میں دستور تھا کہ شہر کے شرفا اپنے بچوں کو صحت مند ماحول میں پرورش کی خاطر بدوی قبائل کے ساتھ رہنے کے لئے بھیج دیتے تھے۔ ہر سال بدوی قبائل کی عورتیں نومولود بچوں کے لئے دو ایک بار مکہ آتی تھیں۔ اس خدمت کی انہیں اچھی اجرت بھی مل جاتی تھی۔

سیدہ آمنہ کو بار آور ہوئے چند ہی دن ہوئے تھے کہ قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ بنی سعد کی کچھ بدو خواتین اسی غرض سے مکہ آئیں۔ ان میں ایک حلیمہ سعدیہ بنتِ ذُوَیب بھی تھیں ۔ ان کے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ ساتھ تھے۔

ان بدوی عورتوں میں سے کوئی حضرت آمنہ کے بچےؐ کو لینے لئے تیار نہ ہوئی ۔ ایک یتیم کی والدہ سے کچھ زیادہ معاوضے اور انعام کی توقع نہ تھی۔ حلیمہ نے بھی پہلے انکار کردیا۔ لیکن حسن اتفاق سے نہ انہیں کوئی اور بچہ ملا اور نہ حضرت آمنہ کو کوئی اور دایہ۔ باقی عورتوں نے دوسرے بچے حاصل کرلئے اور واپس ہونے لگیں۔ اب حلیمہ کو احساس ہوا کہ خالی ہاتھ جانا باعث ندامت ہے۔ شوہر سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ "اس یتیم ہی کو لے لو۔ ممکن ہے اللہ اسی میں برکت دے"۔ چنانچہ وہ اس دُرِ یتیم کو لے آئیں۔ حضرت آمنہ نے انہیں اپنے بچہؐ سپرد کرتے وقت کچھ اشعار کہے جن کا ترجمہ ہے:

"میں اللہ ذوالجلال سے پناہ مانگتی ہوں۔اس برائی سے جو پہاڑوں کے اوپر سے گذرتی ہے تاکہ میں اس (بچے) کو حلال روزی کا حامل دیکھوں ۔اور اپنے قرابت داروں کے ساتھ بھی نیکی کرتا پاؤں اور دوسرے عوام الناس کے ساتھ بھی"(۱)

حلیمہ خود کہتی ہیں "جب میں اپنے پڑاؤ پر واپس آئی اور اس یتیم کو چھاتی سے لگایا تو محسوس ہوا کہ میرے پستان دودھ سے پر ہیں۔ بچے نے پیٹ بھر کر دودھ پیا پھر اسکے رضائی بھائی (عبداللہ) نے بھی اور دونوں چین سے سوگئے۔میرے شوہر اونٹنی کو دوہنے گئے تو اسکے تھن بھی لبریز پائے۔ ہم دونوں نے بھی سیر ہو کر دودھ پیا۔ ہمارے سفر کی یہ پہلی رات تھی جو آرام سے گذری ۔ صبح واپسی کے لئے روانہ ہوئے۔ میری وہ گدھی جسے آتے وقت چلنا دشوار تھا اب واپس ہوتے وقت سب سے آگے تھی۔ میرے ساتھی حیران تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے"۔

حلیمہ اور حارث اپنے علاقے میں پہنچے تو خشک سالی سے چراگاہوں کا برا حال تھا۔ لیکن خدا کی قدرت کہ جب ان کی بکریوں کا گلہ شام کو چراگاہ سے واپس آتا تو سب بکریاں سیر ہوتیں اور ان کے تھن دودھ سے لبریز۔ دوسرے لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے کہ وہ بھی اپنی بکریاں وہیں چرائیں جہاں حلیمہ کی بکریاں جاتی تھیں پھر بھی ان کی بکریاں بھوکی اور حلیمہ کی بکریاں سیر ہو کر آتیں۔ دن بدن حلیمہ اور حارث کے حالات بہتر ہونے لگے۔ حلیمہ بڑی شفقت سے مبارک بچے کی پرورش کرتی رہیں۔ ان کی ایک لوری جو بچے کو دیا کرتیں مشہور ہے۔ اسکا ترجمہ ہے:

"یارب جب تونے یہ (بچہ مجھے) عطا کیا ہے تو اسکو چاہتا رہ اسے بلندی پر پہنچا اور ترقی دے۔ اور اسکے متعلق دشمنوں کی باطل (تدبیروں) کو پاش پاش کر"۔(۲)

اسطرح دو سال گذر گئے۔

محمد ﷺ کی نشونما نہایت اچھی تھی۔ آپؐ کا دودھ چھڑا دیا گیا۔ اسی دوران آپؐ کے

رضائی بھائی عبداللہ اور رضائی بہنیں انیسہ اور حذافہ آپؐ کے ساتھ رہے۔ حذافہ جو شیما کے نام سے مشہور ہیں آپؐ کو گود میں کھلاتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپؐ نے ان کے شانے پر دندان مبارک سے کاٹ لیا جس سے مستقل نشان پڑ گیا۔ ہم آگے چل کر دیکھیے کس طرح یہ نشان موجب برکت ثابت ہوا۔ دوسال بعد حلیمہ حضرت آمنہ کو ان کی امانت واپس کرنے کے لئے مکہ آئیں۔ مگر چاہتی یہ تھیں کہ مبارک بچہؐ کچھ دن اور ان کے ساتھ رہے۔ حضرت آمنہ کو اس پر راضی کرلیا اور انحضرت ﷺ کو پھر واپس لے آئیں۔ یہاں کچھ عرصے بعد ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔

حلیمہ کا بیان ہے کہ "ایک روز بچہؐ اور رضائی بھائی عبداللہ ہمارے خیموں کے عقب میں کچھ دور بکریوں کے گلے کے پاس تھے کہ عبداللہ دوڑتا ہوا پریشان حال ہمارے پاس آیا اور بولا کہ 'دیکھو میرے قریشی بھائی کو کیا ہوا ہے۔ دو سفید پوش آدمیوں نے اسؐ کا سینہ چیر ڈالا اور اسے کرید رہے ہیں'۔ یہ سنتے ہی میں اور میرا شوہر اس جگہ پہنچے۔ دیکھا کہ بچہؐ کھڑا ہوا آسمان کو تک رہا ہے اور چہرہ زرد ہے۔ میں نے فوراً گلے سے لگالیا اور پوچھا کہ 'کیا ہوا' بچےؐ نے بتایا کہ 'دو آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے۔ مجھے لٹا کر میرا سینہ چاک کیا اور اس میں کچھ ڈھونڈنے لگے۔ نہ معلوم کیا'۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر کچھ نظر نہ آیا۔ کہیں خون کا نشان نہ تھا نہ کسی زخم کا۔ ہم نے بار بار بچوں سے پوچھا مگر دونوں کابیان ایک تھا"۔

شقِ صدر کا یہ واقعہ ابن اسحاق، ابن ہشام، ابن سعد وغیرہ کے یہاں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ محمد ادریس کاندھلوی نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔ ان کے نزدیک یہ روایت اتنے مختلف ذرائع سے پہنچی ہے کہ اسکی صحت میں شک کی گنجائش نہیں۔ کہتے ہیں کہ بعض صحابہ نے حضور ﷺ کے سینۂ مبارک پر اسکا نشان بھی دیکھا(۳)۔ مولانا مودودی اور ڈاکٹر حمید اللہ نے اس واقعے کو درج کیا ہے۔ 'سیرت سرور عالمؐ' کے مولف لکھتے ہیں "شقِ صدر کا واقعہ اسرارِ الٰہی میں سے ہے جسکی تہ کو انسان نہیں پہنچ سکتا۔ انبیاء کے ساتھ ایسے عجیب واقعات بے شمار پیش آئے ہیں جن کی کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی لیکن توجیہ کا نہ ہونا اسکے لئے کوئی معقول وجہ نہیں کہ ان کا انکار کردیا جائے"(۴)۔ محمد حسین ہیکل نے یہ واقعہ بیان کیا ہے مگر اسکی سند مشکوک بتائی ہے(۵)۔ شبلی نعمانی نے شقِ صدر کو 'شرح صدر' کی طرح ایک روحانی حقیقت سے تعبیر کیا ہے۔ روایات صرف جسمانی تمثیل کے طور پر ہیں۔ انہوں نے ان روایات کو ضعیف بھی قرار دیا ہے(۶)۔ سر سید کہتے ہیں کہ "شقِ صدر کی نسبت صرف ایک روایت جس میں شبِ معراج کے

موقع پر اسکا ہونا بیان ہوا ہے۔ اعتبار کے لائق ہوسکتی ہے۔ مگر معراج کے تمام واقعات ...... بطور رویاء کے تھے.....جو بیان شق صدر کا اس روایت میں ہے وہ بھی رویاسے متعلق ہے(۷)۔

حقیقت کچھ بھی ہو اتنا بہر حال ضرور ہے کہ اس واقعے پر غور کریں تو ذہن حضرت داؤد کی اس دعا کی طرف جاتا ہے:

" اے خدا میرے اندر پاک دل پیدا کر اور میرے باطن میں ازسر نو مستقیم روح ڈال"(پرانا عہد نام 'کتاب زبور' ۵۱/۱۰)

پیغمبروں کا دل خاص طور سے پاک کیا جانا دور از قیاس نہیں۔

اس واقعے سے حلیمہ اور ان کے شوہر خوفزدہ سے ہوگئے اور طے کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اب واپس کردینا ہی بہتر ہے۔ مبادا کہ آپؐ کی ذات کو کوئی نقصان پہنچ جائے اور ذمہ داری رضائی والدین پر عائد ہو۔ حلیمہ آپؐ کو لیکر حضرت آمنہ کے پاس آئیں۔ سوچا تھا کہ اس واقعے کا ذکر نہ کرینگی مگر حضرت آمنہ کو تعجب تھا کہ یہ ضد کر کے دوبارہ بچے کو لے گئیں تھیں اب خود ہی واپس لے آئیں آخر اس میں کیاراز تھا۔ ان کے اصرار پر حلیمہ کو سارا ماجرا بتانا پڑا۔ حضرت آمنہ نے اطمینان دلایا کہ "فکر کی کوئی بات نہیں بچے کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اسؐ کا مستقبل بہت درخشاں ہے"۔ دوران حمل کے عجائب بھی بتائے کہ حلیمہ کو مزید اطمینان ہو۔ بہر حال طے یہی ہوا کہ آنحضرت ﷺاب والدہ کے پاس ہی رہیں۔ حلیمہ تنہا واپس ہوئیں۔

اکثر سیرت نگار اس پر متفق ہیں کہ حضور ﷺ حلیمہ کے پاس تقریباً پانچ سال کی عمر تک رہے۔ ابن سعد تو یہاں تک کہتے ہیں کہ شقِ صدر کے بعد جب حلیمہ آپؐ کو واپس حضرت آمنہ کی خدمت میں لائیں تو ان کے سمجھانے بجھانے سے ایک سال کے لئے پھر اپنے ساتھ صحرا لے گئیں(۸)۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنا ارشاد ہے کہ " میں تم سب سے زیادہ فصیح ہوں۔ میں قریشی ہوں اور بنی سعد میں میری رضاعت کا زمانہ گزرا ہے"۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ تقریباً پانچ سال کی عمر تک ضرور بنی سعد کے ساتھ رہے ہونگے تاکہ ان کی خالص عربی سے مستفید ہوسکیں۔

بعد میں اس چند سالہ رضاعت کے صلے میں رسول اللہ ﷺ حلیمہ کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آتے رہے۔ آپؐ کی شادی کے بعد وہ ایک مرتبہ آپؐ کے یہاں آئیں اور قحط سالی کی شکایت کی تو آپؐ نے چالیس بکریوں کا ایک گلہ اور سامان سے لدا ہوا ایک اونٹ مرحمت فرمایا۔

ایک صحابی محمد بن المنذرؓ کہتے ہیں کہ ایک بار یہ خاتون حضور ﷺ سے ملنے آئیں تو آپؐ "میری ماں۔ میری ماں" کہتے ہوئے اٹھے اور ان کے لئے اپنی چادر بچھائی(۹)۔ ایک روایت کے مطابق حلیمہ اور ان کے شوہر اسلام سے بھی مشرف ہوئے(۱۰)۔ فتح مکہ کے موقع پر حلیمہ کی بہن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور حلیمہ کے انتقال کی بابت بتایا تو آپؐ آبدیدہ ہوگئے۔ ان کو کچھ کپڑے اور رقم عنایت کی اور ایک اونٹ کجاوے کے ساتھ عطا فرمایا(۱۱)۔

☆ ☆

(۱) محمد حمید اللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۴۸

(۲) ایضاً صفحہ ۵۳

(۳) محمد ادریس کاندھلوی 'سیرت المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۷۰ تا ۸۰

(۴) ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرت سرورِ عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۹۵

(۵) محمد حسین ہیکل 'حیات محمدؐ' صفحہ ۱۳۲، ۱۳۳

(۶) شبلی نعمانی ' سیرۃ النبیؐ' جلد سوم صفحہ ۲۶۹ تا ۲۷۹

(۷) سر سید احمد خان 'خطبات سیرۃ النبیؐ' صفحہ ۴۰۲

(۸) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۱۵۸

(۹) ایضاً صفحہ ۱۶۱

(۱۰) ابن جوزی 'الوفا باحوال المصطفیٰ' صفحہ ۱۳۶۔

(۱۱) ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرت سرورِ عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۹۸

(۱۴) داغہائے مفارقت

اپنی والدہ کے سایہ شفقت میں آئے تو محمد ﷺ ایک نئی زندگی سے آشنا ہوئے۔ آپؐ کی دیکھ بھال اور پرورش میں ام ایمنؓ (بارکتہ) حضرت آمنہ کی مددگار تھیں آپؐ کے ہجولی آپؐ کے دو کم عمر چچا تھے۔ ایک حضرت عباسؓ جو آپؐ سے تین سال بڑے تھے اور دوسرے حضرت حمزہؓ جو آپؐ کے ہم عمر تھے۔ نو عمری کی یہ دوستیاں اور رفاقتیں تاحیات قائم رہیں۔

مکہ میں آپؐ کو سال سوا سال ہوا تھا کہ حضرت آمنہ نے چاہا کہ کچھ دن کے لئے یثرب ہوآئیں۔ اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کرلیں اور عبدالمطلب کے ننھیال سے اپنے فرزندؐ کو متعارف بھی کرالیں۔ اپنے محترم خسر سے اجازت لیکر ام ایمنؓ کو ساتھ لیا اور مع اپنے فرزندؐ کے دو اونٹوں پر سوار ہو کر یثرب جانے والے قافلے کے ہمراہ ہوگئیں۔ یثرب میں بنی عدی ابن النجار کے یہاں قیام کیا یہاں محمد ﷺ نے نابغہ کے مکان میں اپنے والدِ مرحوم کی قبر کو دیکھا۔ پہلے ماں سے انکی بابت بہت کچھ سن رکھا ہوگا۔ آج دیکھ رہے تھے کہ ماں انکی قبر کے سامنے آبدیدہ ہیں تو اپنی یتیمی کا احساس ہوا۔ یہ قیام آپؐ کو ہمیشہ یادرہا۔ بعد کو جب ہجرت فرماکر مدینہ تشریف لائے تو اس گھر کو پہچان لیا جہاں ٹھہرے تھے اور جہاں آپؐ کے والد کی قبر تھی۔ آپ بتاتے تھے کہ یہاں بنی نجار کے بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ ایک لڑکی انیسہ بھی ساتھ کھیلتی تھی۔ اسی محلے کی ایک باؤلی یا بڑے حوض میں آپؐ نے تیرنا بھی سیکھامہینہ بھر قیام کے بعد حضرت آمنہ نے واپسی کا ارادہ کیا۔ راستے میں ابوا کے مقام پر بیمار ہوگئیں اور چند ہی دن میں یہیں انتقال فرمایا۔ شش سالہ محمد ﷺ نے اپنی پیاری ماں کو سپردِ خاک ہوتے دیکھا۔ یتیمی کا دہرا احساس ہوا۔ آنسو تھے کہ تھمتے نہ تھے۔ سفر میں سوائے ام ایمنؓ کے کوئی اور تسلی دینے والا نہ تھا۔ وہی آپؐ کو لیکر مکہ پہنچیں اور دادا کے سپرد کیا۔

عبدالمطلب پہلے ہی اپنے کمسن پوتے سے بڑی محبت کرتے تھے۔ آپؐ ان کے جوانمرگ بیٹے کی واحد یادگار تھے۔ اب آپؐ کو اپنی ماں کی جدائی کے صدمے سے دوچار دیکھا تو شفقت میں اور اضافہ ہوا۔ حتی الوسع اپنے قریب ہی رکھتے۔ عبدالمطلب خوابگاہ میں تنہا ہوتے یا سوئے ہوتے تو کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کے پاس جائے لیکن آپؐ پھر بھی ان کے پاس چلے جاتے۔ اور ان کے بستر پر بیٹھ جاتے۔ کھانے کا وقت ہوتا تو عبدالمطلب کہتے کہ "میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ" اور آپ کے بغیر کھانا نہ کھاتے۔ خانہ کعبہ کے قریب عبدالمطلب کے لئے ایک فرش بچھادیا جاتا تھا جس پر وہ فروکش ہوتے تھے کوئی اور اس فرش پر نہ بیٹھتا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دادا کے پاس جاکر بیٹھ جاتے۔ چچا صاحبان منع کرتے تو عبدالمطلب کہتے کہ "میرے بیٹے کو چھوڑ دو۔ واللہ اسکی شان ہی کچھ اور ہے۔ یہ بڑے بلند مرتبے تک پہنچے گا"۔ پھر آپؐ کو بہت پیار کرتے۔

ایک بار قبیلہ مدلج کے کچھ لوگ آئے جو قدموں کے نقوش دیکھنے کے ماہر تھے۔ آپؐ کے پیر دیکھے تو عبد المطلب کو بتایا کہ "اس لڑکے کی حفاظت کیجئے کیونکہ مقام ابراھیم میں حضرت ابراہیم کے جو نقوش قدم ہیں ان سے مشابہ اس لڑکے کے قدموں سے زیادہ ہم نے کسی کے قدم نہیں دیکھے"۔ یہ سنکر عبدالمطلب نے اپنے بیٹے ابوطالب سے کہا کہ "سن لو یہ لوگ کیا کہتے ہیں"(۱)۔

ایک مرتبہ جب آنحضرت ﷺ کی عمر سات سال کے قریب تھی تو آپؐ کو آشوب چشم کی شکایت ہوئی۔ عبدالمطلب آپؐ کو ایک راہب کے پاس عکاظ لے گئے۔ یہ آنکھوں کا طبیب بھی تھا۔ آپؐ کو اچھی طرح دیکھاتو پہچان لیا کہ یہ وہی ہے جسے حضرت سلیمانؑ "خلومحمد یم" کا لقب دے چکے ہیں۔ عبد المطلب کو بتایا کہ "اس بچے کا خاص خیال رکھنا۔ خدا نے اسے ایک عظیم کام کے لئے پیدا کیا ہے جو سابق انبیاء انجام دیتے تھے"(۲)۔ ایسی پیشین گوئیوں نے عبدالمطلب کو اور بھی متاثر کیا تھا اور وہ آنحضرت ﷺ کے عظیم مستقبل پر یقین رکھتے تھے۔ اکثر آپؐ کو دارالندوہ کی مجلسوں میں ساتھ لے جاتے جہاں صرف معزز اور معمر حضرات ہی شہری مسائل کے متعلق فیصلے کرنے جاسکتے تھے۔ یہاں اسی سالہ عبدالمطلب کبھی کبھی اپنے سات سالہ پوتے سے بھی کچھ پوچھتے۔ لوگ اعتراض کرتے تو یہی کہتے کہ "میرے بچے کا نہایت تابناک مستقبل ہے"(۳)۔

نو عمری ہی میں آپؐ بہت ذہین تھے۔ گھر میں دادا یا کسی اور بزرگ کی کوئی چیز گم ہوجاتی تو آپ اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہوجاتے تھے۔ ایک بار عبدالمطلب کے کچھ اونٹ لاپتہ ہوگئے۔ ملازم تلاش کرنے میں ناکام ہوئے تو عبدالمطلب نے آپؐ کو ان کی تلاش میں بھیج دیا۔ آپؐ کو دیر ہوئی تو خود کو بڑی ملامت کرنے لگے کہ ایک سات آٹھ سال کے بچے کو ایسے کام کے لئے مکہ کی پہاڑیوں میں ناحق بھیج دیا۔ پشیمانی میں کعبہ کا طواف شروع کیا اور پوتے کی سلامتی کی دعائیں مانگنے لگے۔ اتنے میں آپؐ تشریف لے آئے اور اونٹوں کے ملنے کی اطلاع دی۔ دادا بعد خوش ہوئے۔ آئندہ کے لئے عہد کیا کہ ایسے کاموں کے لئے آپ کو نہ جانے دینگے۔(۴)

آنحضرت ﷺ مشکل سے آٹھ سال کے ہوئے تھے کہ شفیق دادا نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔ سال وفات ۵۷۹ء تھا(۵)۔ والدہ کی جدائی کے بعد آپؐ کے لئے دوسرا داغ مفارقت تھا۔ ام ایمنؓ کہتی ہیں "میں نے اس دن دیکھا کہ رسول ﷺ عبد المطلب کے تابوت کے پیچھے پیچھے تھے اور رو رہے تھے"(۶)۔

عبدالمطلب کی وفات کے بعد مکہ کی قیادت بنی ہاشم کے ہاتھ سے نکل کر بنی امیہ کے پاس آگئی۔ حرب بن امیہ صاحب اقتدار ہوگیا۔ صرف سقایہ کا منصب حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے ہاتھ میں رہ گیا (۷)۔ اور یہ منصب ظہور اسلام کے بعد بھی انہی کے پاس رہا۔

☆ ☆

(۱) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۱۶۵، ۱۶۶
(۲) ابوالجلال ندوی 'فخر موجودات' مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد دوم صفحہ ۴۷۱
(۳) مارٹن لنگز 'محمد ﷺ' (Muhammed) صفحہ ۲۸
(۴) محمد حمید اللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۵۴
(۵) سلمان منصور پوری 'رحمۃ للعالمین' جلد دوم صفحہ ۷۲
(۶) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۱۶۷
(۷) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۱۱

(۱۵)ابو طالب کا سایۂ عاطفت

عبدالمطلب جب قریب الرگ ہوئے تو انہوں نے اپنے عزیز پوتے کو ابوطالب کے سپرد کیا۔ غالباً اس لئے کی یہ جناب عبد اللہ کے ماں جائے سگے بھائی تھے اور اسطرح آپؐ کے حقیقی چچا تھے۔ اپنی دادودہش کی وجہ سے عبدالمطلب نے کوئی بڑی میراث نہ چھوڑی تھی جو بیٹوں کے زیادہ کام آتی ۔ چند بیٹے پہلے ہی مالدار تھے خصوصاً عبدالعزیٰ جو ابو لہب کے نام سے مشہور ہوا۔ ابو طالب کی مالی حالت بے شک اچھی نہ تھی لیکن انہوں نے اپنے یتیم بھتیجےؐ کا حق کفالت نہایت خوبی سے انجام دیا۔ ان کی اہلیہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہمیشہ کوشاں رہیں کہ آپؐ کو ماں کی محبت اور داداؒ کی شفقت کی کمی محسوس نہ ہو۔ عبدالمطلب کی طرح ابوطالب بھی ہمیشہ آپؐ کو اپنے قریب رکھتے اور خاص طور پر اپنے ساتھ کھانا کھلاتے کہتےؒ تھے کہ "اَنْتَ لَمُبَارَک" (تم حقیقت میں بابرکت ہو) یہ اس لئے کہ جب بھی کھانا کھاتے وقت آپؐ شریک ہوتے تو سب اہل خاندان اسودہ ہوجاتے اور کھانا بچ رہتا آپؐ شریک نہ ہوتے تو کوئی سیر نہ ہوتا(۱)۔

اس کم عمری میں بھی آپؐ کو اپنے چچا کی تنگدستی کا احساس تھا اور چاہتے تھے کہ ان کی کچھ مالی مدد کر سکیں، نبی سعد کے ساتھ صحرا کے دوران قیام آپؐ اپنے رضائی بھائی بہنوں کے ساتھ خوشی خوشی بکریاں چراتے تھے۔ اب وہی کام آپؐ نے اجرت پر شروع کردیا آپؐ کا ارشاد منقول ہے کہ "میں مکہ والوں کی بکریاں چند قیراط کی اجرت پر چرایا کرتا تھا"(۲)۔ ابو مسلمہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ایک بار لوگ رسول اللہ علیہ کے ساتھ تھے اور پیلو کے پھل توڑ کر کھارہے تھے تو آپؐ نے فرمایا "جو سیاہ ہوگیا ہو اسے لو۔ بھیڑ بکریاں چراتا تھا تو میں بھی ان کو چنا کرتا تھا"(۳)۔

اس طرح کم عمری ہی میں آپؐ کو یہ موقع فراہم ہوا کہ صحرا کی تنہائیوں میں کشادہ

فضا میں پھیلے ہوئے قدرت کے مظاہر کا مشاہدہ کرتے رہیں اور انفس و افاق پر غور کر سکیں۔ بچپن ہی سے آپؐ دوسرے بچوں سے بہت مختلف تھے۔ ان برکات سے قطع نظر جو آپؐ کی ذات سے وابستہ تھیں آپؐ کی غیر معمولی شخصیت سے ہر جاننے والا متاثر ہوتا تھا۔ ایک مشہور قیافہ شناس کبھی کبھی مکہ آتا تھا لوگ اپنے بچوں کو اسکے پاس لیجاتے تھے کہ ان کے مستقبل کا حال معلوم کریں۔ ایک مرتبہ ابو طالب بھی اپنے بھتیجے کو اس کے پاس لے گئے۔ اس نے آپؐ کو دیکھا پھر کسی اور کام میں مصروف ہوگیا۔ تھوڑی دیر میں اپنے کام سے فارغ ہوا تو آپؐ کے متعلق پوچھنے لگا کہ کہاں ہیں۔ ابو طالب نے اسکا ضرورت سے زیادہ اشتیاق دیکھا تو آپؐ کو اسکے سامنے پیش کرنے سے گریز کیا اور وہاں سے چلے آئے ۔وہ قیافہ شناس کہتا رہا "اس بچے کو میرے پاس لاؤ واللہ وہ بڑا آدمی بننے والا ہے"۔

قریش بوانہ نامی ایک بت کی بڑی تعظیم کرتے تھے ۔ہر سال اسکے استھان پر میلہ لگتا تھا جہاں لوگ قربانی وغیرہ کرتے تھے۔ جب ابوطالب اور دوسرے اعزا ایسے مقامات پر جاتے تو آنحضرت ﷺ جانے سے انکار کردیا کرتے۔ ایک مرتبہ ابو طالب اور آپ کی پھوپھیاں کچھ زیادہ مصر ہوئیں تو آپؐ بوانہ کے میلے کے لئے ان کے ساتھ ہولئے۔ وہاں کچھ دیر کے لئے آپ سب سے جدا ہوگئے۔ واپس آئے تو نہایت دہشت زدہ تھے۔ پھوپیوں نے پوچھا "کیا ہوا" تو فرمایا میں کسی بت کے قریب جاتا تو ایک سفید رنگ کا بلند بالا شخص دکھائی دیتا جو مجھے للکارتا کہ 'اے محمد (ﷺ) پیچھے ہٹ جاؤ اور اسے مت چھوؤ' مجھے ڈر ہے کہ مجھے جنون نہ ہو"۔ پھوپیوں نے تسلی دی کہ "تمہاری نیکیوں کے باعث اللہ تمہیں شیطان سے محفوظ رکھے گا"۔ (یہ واقعہ ابن عباسؓ نے ام ایمنؓ سے روایت کیا ہے)(۴) اسکے بعد آپؐ کبھی اس میلے میں شریک نہ ہوئے۔ واقدہ

شہر میں جو برائیاں عام تھیں اللہ نے آپؐ کو ان سے محفوظ رکھا۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے خود فرمایا "مجھے لڑکپن میں صرف دو مرتبہ ان چیزوں سے دلچسپی ہوئی جو اہل جاہلیت کرتے تھے۔ مگر دونوں بار اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا"۔ ایک شام آپؐ نے اپنی بکریاں اپنے ایک ساتھی لڑکے کے سپرد کیں اور چاہا کہ دوسرے لڑکوں کی طرح رات کی کچھ دلچسپیوں میں حصہ لیں چنانچہ شہر کی طرف چلے وہاں ایک گھر کے قریب جہاں شادی ہورہی تھی گانے جانے کی آواز سنی ۔ آپؐ وہاں بیٹھ گئے لیکن فوراً نیند آگئی اور دن چڑھے تک سوتے رہے ۔ دوسری شام بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور اسکے بعد کبھی آپؐ کو ایسی خواہش نہیں ہوئی(۵)۔

ایک مرتبہ آپ اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ سب نے اپنے تہبند گلوں میں باندھ رکھے تھے اور ان میں کھیلنے کے پتھر جمع کر رہے تھے۔ یکایک آپ نے محسوس کیا کہ کسی نے آپ کے زور سے گھونسہ مارا اور کہا کہ "اپنا تہبند باندھ لو"۔ ایک ایسا ہی واقعہ عبداللہ بن عباسؓ سے اس طرح مروی ہے۔ "میرے باپ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا بیان ہے کہ جب قریش نے کعبہ کی تعمیر نو شروع کی تو ہم پتھر ڈھو کر لاتے تھے۔ قریش نے دو دو آدمیوں کی ٹولیاں بنا دی تھیں۔ عورتیں چونا اور مٹی وغیرہ لاتی تھیں اور مرد پتھر۔ میں اپنے بھتیجے (محمد ﷺ) کا ساتھی تھا۔ ہم اپنی اپنی ازاریں گلے میں باندھے ہوئے تھے اور ان میں پتھر ڈھو کر لا رہے تھے۔ جب ہم لوگوں کے پاس آتے تو ازار باندھ لیتے۔ میں پتھر لئے جا رہا تھا اور میرے آگے آگے محمد ﷺ تھے۔ آپؐ نے ازار نہیں باندھی تھی یکایک منہ کے بل گر پڑے۔ میں نے اپنا پتھر پھینک دیا اور جلد آپؐ کے پاس پہنچا۔ آپ اس وقت آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے پوچھا 'کیا حال ہے' آپ نے اپنی ازار باندھی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ مجھے بھی برہنہ چلنے سے منع کیا۔ میں نے اس واقعے کو اس ڈر سے چھپائے رکھا کہ کہیں لوگ آپ کو مجنوں نہ کہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی نبوت کو ظاہر فرمایا"۔ (۶)

☆ -- ☆

(۱) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۱۶۸

(۲) صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۱۰۰۱ (کتاب الاجارۃ۔ باب رعی الغنم علی قراریط)

(۳) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۱۷۷

(۴) ایضاً صفحہ ۲۲۲، ۲۲۳

(۵) ابن اسحاق 'سیرت محمد رسول اللہ' مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد یازدہم صفحہ ۷۴، ۷۵۔

(۶) دونوں واقعے ابن اسحاق کے یہاں ہیں۔ ایضاً صفحہ ۷۴۔ 'الہدایہ والنہایہ' میں بھی دونوں روایات ہیں۔ دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا "انی نھیت ان امشی عریانا" یعنی مجھے برہنہ چلنے سے منع فرمادیا گیا ہے۔ (ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۷۳)

(۱۶)راہب

قدیم سیرت نگاروں ابن اسحاق ابن ہشام ابن سعد طبری وغیرہ نے ایک خاص واقعے کا ذکر کیا ہے جو انہی دنوں پیش آیا۔ محمد ﷺ کی عمر اس وقت ۱۲ سال کے قریب تھی (طبری اور ڈاکٹر محمد حمیداللہ کے مطابق ۹ سال)۔ گرمیوں کے دن تھے۔ شام کی طرف جانے والے تجارتی قافلے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ابو طالب اور ان کے بڑے بھائی حارث بھی اس قافلے میں جانے والے تھے۔ اپنے بھتیجے کو لے جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ لیکن جب روانگی کا وقت آیا تو محمد ﷺ اپنے چچا ابو طالب سے چمٹ گئے اور ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ کی پر اثر التجا سے چچا کا دل بھر آیا اور نہایت شفقت سے آپ کو اپنے ساتھ اونٹ پر سوار کر لیا۔

بَیتُ المَقدِس اور دمشق کے درمیاں بصریٰ شام کا خاص شہر اور تجارتی مرکز تھا۔ ساتھ ہی عیسائیوں نے اسے اپنے تبلیغی کام کا مرکز بھی بنا لیا تھا۔ عرب میں رومی مقبوضات کی نگرانی بھی یہیں سے ہوتی تھی۔ یہاں جس مقام پر ایک درخت کے سائے میں مکہ کے قافلے ٹھہرا کرتے تھے وہیں قریب میں ایک عیسائی راہب کا صومعہ تھا۔ پشتوں سے کوئی نہ کوئی یہاں رہتا تھا جو عبادت اور مذہبی کتابوں کے مطالعے میں مصروف رہتا۔ صومعہ کی کتابوں میں ایک قلمی نسخہ ایسا بھی تھا جس میں عرب میں ظاہر ہونے والے ایک نبی کی پیشین گوئی تھی۔ یہاں ان دنوں جرجیس نامی ایک راہب مقیم تھا جسکا لقب بحیرا (یعنی بڑے عہدے کے لئے منتخب شدہ) تھا۔ یہ اس پیشین گوئی سے اچھی طرح واقف تھا اور بعض دوسرے نصرانی اور یہودی علماء کی طرح اسکے وقوع کا منتظر بھی تھا۔ سوچتا تھا کہ شاید اپنی زندگی میں اس نبی کو دیکھ سکے۔

قافلے اس جگہ ٹھہرتے اور گزر جاتے۔ راہب کبھی ان کی طرف توجہ نہیں دیتا تھا۔ لیکن اس بار جب مکہ کا یہ قافلہ جس میں محمد ﷺ بھی اپنے چچاؤں کے ہمراہ تھے یہاں پہنچا تو

راہب کو ایک عجیب تجربہ ہوا۔ دیکھا کہ ایک ابر کا ٹکڑا برابر اس قافلے کے چند لوگوں پر سایہ فگن ہے۔ قافلہ ٹھہرا تو یہ ابر کا ٹکڑا بھی ٹھہر گیا۔ اور جہاں یہ لوگ بیٹھے درخت کی شاخیں بھی اس طرف مزید سایہ فراہم کرنے کے لئے جھکنے لگیں۔ راہب کو اندازہ ہوگیا کہ ان لوگوں میں ضرور کوئی غیر معمولی اہم شخصیت موجود ہے۔ ممکن ہے آنے والا نبی ہی ہو۔ اس نے تمام قافلے والوں کو کھانے پر مدعو کیا اور تاکید کی کہ چھوٹے بڑے سبھی آئیں کوئی رہ نہ جائے۔ قریش مکہ دعوت میں پہنچے تو محمد ﷺ کو کمسن سمجھ کر سامان کی نگہداشت کے لئے قیام گاہ پر ہی چھوڑ دیا۔ راہب کو جس کی تلاش تھی وہ ان مہمانوں میں نظر نہ آیا۔ پوچھا کہ کوئی رہ تو نہیں گیا۔ لوگوں نے بتایا کہ "سب آگئے ہیں صرف ایک نو عمر لڑکے کو سامان کے پاس چھوڑ دیا ہے"۔ راہب نے اصرار کیا کہ اسے بھی بلا لیا جائے۔ چنانچہ حارث گئے اور اپنے کمسن بھتیجے کو ساتھ لے آئے۔ راہب آپؐ کو غور سے دیکھتا رہا اور آپؐ کا جائزہ لیتا رہا۔ کھانے کے بعد۔ آپؐ کے پاس آیا اور متعدد سوالات کئے۔ یقین ہوگیا کہ یہی وہ بزرگ ہستی ہے جس کا انتظار تھا۔ مزید اطمینان کے لئے آپؐ کی پشت پر مہر نبوت بھی دیکھ لی۔ ابو طالب سے پوچھا کہ "صاحبزادے سے تمھارا کیا رشتہ ہے"۔ ابو طالب نے بتایا "میرا بیٹا ہے" راہب نے کہا "یہ غیر ممکن ہے اس صاحبزادے کے والد کو تو زندہ نہیں ہونا چاہئے" تب ابو طالب نے بتایا کہ آپؐ ان کے بھتیجے تھے اور آپؐ کے والد کا انتقال آپ کی پیدائش سے قبل ہو چکا تھا۔ اس پر راہب نے کہا "اب تم نے حقیقت بیان کی ہے۔ اپنے بھتیجے کو جلد واپس لے جاؤ اور یہودیوں سے ان کی حفاظت کرو۔ یہودیوں کو وہ بات معلوم ہوگئی جو میں جانتا ہوں تو ان کے درپے آزار ہو جائینگے۔ انھیںؐ تو ایک عظیم شخصیت بننا ہے"۔ بعض راویوں کا بیان ہے کہ ابو طالب نے یہ سنکر آپ کو واپس بھیج دیا۔ لیکن اکثر یہی صحیح سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنا کاروباری سفر بھتیجے کے ساتھ جاری رکھا اور سفر مکمل کرکے بخیریت مکہ واپس آئے۔

دور اول کے سیرت نگار اس واقعے کو مستند سمجھتے ہیں۔ ابن سعد نے اس بارے میں نہایت اختصار سے کام لیاہے۔ داؤد بن الحصین نے صرف اسقدر روایت کی ہے کہ "اہل قافلہ بحیرا راہب کے پاس جاکر اترے۔ محمد ﷺ کے متعلق بحیرا نے ابو طالب سے جو کہنا تھا کہا اور انھیں حکم دیا کہ آنحضرتؐ کی حفاظت کریں۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ کو لے کر ابو طالب واپس آئے"(۱)۔ بعد کے سیرت نگاروں میں شبلی نعمانی اس واقعے کو غلط بتاتے ہیں(۲)۔ سلمان منصور

پوری کے نزدیک بھی "راہب کی داستان ناقابل اعتبار ہے"۔(۳)

یورپ کے مستشرقین نے اس واقعے کو بہت اچھالا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی ہے کہ نعوذباللہ محمد ﷺ نے بتوں سے نفرت اور اللہ کی وحدانیت کی تعلیم اسی راہب سے حاصل کی۔ اور یہ مختصر ملاقات وہ بنیاد تھی جس پر بعد میں اسلام کی ساری عمارت تعمیر ہوئی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں"ایک فرانسیسی مستشرق کی پرواز خیال ملاحظہ ہو کہ اس نے ایک پوری کتاب 'بحیرہ۔قرآن کا مصنف' کے عنوان سے سپرد قلم کی ہے۔ کیا یہ معجزہ رونما ہو سکتا ہے کہ ایک نو سال کی عمر کا بچہ قرآن پاک کی ۱۱۴ سورتیں چند منٹ میں حفظ کرلے اور ایک نسل کے بعد ان قرآنی سورتوں کو یہ کہہ کر اپنی امت کے روبرو پیش کرے کہ یہ اللہ کا کلام ہے"؟(۴)

مولانا مودودی کا خیال ہے کہ ممکن ہے کہ ایک راہب "کچھ غیر معمولی برکات کے آثار دیکھ کر محسوس کرلے کہ قافلے میں کوئی عظیم شخصیت موجود ہے اور آپ کو دیکھ کر اسے اپنے اندازے کی تصدیق ہوگئی ہو۔ نیز اس نے اس خیال سے کہ یہودی ایک حاسد قوم ہیں اور وہ عرب امیوں میں کسی عظیم شخصیت کا ظہور اپنے لئے خطرہ سمجھ کر اسکے درپے آزار ہوسکتے ہیں ابو طالب کو ان سے بچانے کا مشورہ دیا ہو۔ لیکن یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے کہ اس نے یہ سمجھ لیا ہو کہ آپؐ وہ ہونے والے نبی ہیں جن کے آنے کی خبر پچھلی کتابوں میں دی گئی ہے۔............"مولانا نے اس سلسلے میں دوسری روایات بھی نقل کی ہیں جن میں چند سال بعد بحیرا کا آپ کی بعثت سے پہلے آپؐ پر ایمان لانا اور ایک دوسرے راہب نسطورا کا آپ کی نبوت کی شہادت دینا مذکور ہے۔ مگر ان کے نزدیک "یہ ساری باتیں اگرچہ اکابر اہل علم و درایت سے منقول ہیں مگر کئی وجوہ سے ناقابل قبول ہیں"۔(۵)

بے شک اس طویل سفر میں آپؐ عرب کے لق و دق صحراؤں سے گزرے۔ پھر سر زمین شام کی سر سبز وادیاں بھی دیکھیں۔ دوسرے مذاہب عیسائیت اور مجوسیت کے رسم و رواج بھی کہیں نظر آئے۔ قوم ثمود کی تباہ شدہ بستیوں کا منظر بھی سامنے آیا اور اس طرح کم عمری میں اچھا تجربہ حاصل ہوا۔

سرولیم میور نے راہب بحیرا کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ مگر اس سفر کو اس بنا پر بڑی اہمیت دی ہے کہ اس کے دوران آنحضرت محمد ﷺ کو عیسائی عقائد اور رسم و رواج سے

واقفیت حاصل ہوئی جسکا اثر ایک نو عمر ذہن نے ضرور قبول کیا ہوگا(۶)۔ ولیم میور صاحب نے بڑے افسوس کا اظہار کیا ہے کہ آپ کو شام کے گمراہ کیتھولک فرقوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا جن کی عیسائیت مسخ شدہ تھی۔ فرماتے ہیں کہ آپؐ خالص عیسائیت کو اسکے اصلی سادہ روپ میں دیکھتے تو حق کے سچے متلاشی کی حیثیت سے نجوشی عیسائیت قبول کر لیتے اور مشرق کے بڑے حصے کی شکل بڑی مختلف ہوتی(۷)۔ اس مستشرق کی عقل پر تعجب ہے کہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا ماننے کو تیار ہے۔ حضرت مریم کا بغیر شوہر کے ماں بننا قبول کرتی ہے۔ لیکن ایک عرب کا نبی ہونا ممکن نہیں سمجھتی جسے میور صاحب خود اپنے دور کا اعلیٰ ترین دماغ تسلیم کرتے ہیں

ایڈور ڈگبن غالباً واحد قابل ذکر مغربی مصنف ہے جس نے ان تجارتی سفروں کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔ اسکا خیال ہے کہ محمد ﷺ اسوقت نو عمر تھے۔ شامی زبان سے نا اشنا تھے اور ایسے کاروباری سفر میں کسی قسم کی مذہبی تعلیم حاصل کرنا آپ کے لئے ممکن نہ تھا(۸)۔

☆ ☆

(۱) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۱۷۰

(۲) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۱۱۲ تا ۱۱۴

(۳) سلمان منصورپوری 'رحمتہ للعالمین' جلد اول صفحہ ۴۲

(۴) محمد حمید اللہ 'محمد رسول اللہ' مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد دوم صفحہ ۵۲۰

(۵) ابو الا علی مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۱۰۶ تا ۱۰۸

(۶) سر ولیم میور (دی لائف آف محمد) (The Life of Mohammad) صفحہ ۱۱، ۱۲

(۷) ایضاً صفحہ ۲۱، ۲۲

(۸) ایڈورڈ گبن 'دی ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن امپائر' (The Decline & Fall of the Roman Empire) جلد سوم صفحہ ۸۰

(۱۷) عنفوان شباب

لڑکپن میں محمد ﷺ کے ساتھی آپ کے چچا زاد بھائی طالب تھے جو آپ کے ہم عمر تھے۔ ان کے علاوہ آپ کے چچا حضرت عباسؓ (آپ سے تین سال بڑے) اور حضرت حمزہؓ (آپ کے ہم عمر) آپ کے بہت قریب تھے۔ شام کے سفر سے واپسی کے بعد آپ کے دن پھر مکہ کی چراگاہوں میں گزرنے لگے۔ کبھی کبھی عرب کے میلوں میں بھی جانے کا اتفاق ہوتا۔ عکاظ میں جو طائف اور نخلہ کے درمیان واقع تھا مشہور سالانہ میلہ اور بازار لگتا جو ۱۵ ذیقعدہ سے شروع اور ذوالحجہ کا چاند نکلنے پر ختم ہوتا۔ پھر دوسرا میلہ مکہ کے قریب ذوالمجاز میں شروع ہوتا جو ۹ ذوالحجہ تک رہتا۔ ان میلوں میں تجارت کے ساتھ ساتھ دنگل اور قصیدہ خوانی کے مقابلے بھی ہوتے۔ یہاں آپ مختلف قسم کے اجتماع دیکھتے۔ تقریریں اور قصیدے سنتے۔ یہودی اور نصرانی راہبوں کے مکالمے سننے کا بھی اتفاق ہوتا۔ بعد میں ایک دفعہ آپ نے فرمایا "میں قس ایادی (نجران کا ایک عیسائی پادری) کو سرخ اونٹ پر سوار خطبہ دیتے ہوئے کبھی نہیں بھول سکتا"۔ (۱)

انہی دنوں کا ایک واقعہ ہے کہ ابو طالب اور ان کے بڑے بھائی ابولہب میں کسی بات پر جھگڑا ہوگیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں گتھم گتھا ہوگئے۔ ابولہب نے چھوٹے بھائی کو گرالیا اور ان کے سینے پر چڑھ کر مارنے لگا۔ رسول اللہ محمد ﷺ بھی موجود تھے۔ اپنے شفیق چچا ابو طالب کو اس حال میں دیکھا تو ابو لہب کو ایسا دھکا دیا کہ وہ گر پڑا۔ ابو طالب کو کھڑے ہونے کا موقع مل گیا اور اس بار انہوں نے ابو لہب کو پچھاڑ دیا اور اسکے دو چار تھپڑ مارے۔ ابو لہب کو بہت غصہ آیا اور رسول اللہ ﷺ کو پکار کر کہنے لگا "محمد (ﷺ) میں بھی تمہارا چچا ہوں۔ تم نے ابو طالب کی مدد کی اور میری نہ کی۔ واللہ اب میرے دل میں تمہارے لئے کبھی نرم گوشہ پیدا نہ ہوگا۔ کبھی نہیں"۔ بظاہر یہ ایک معمولی سا واقعہ تھا لیکن جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا بڑے

دوررس نتائج کا حامل بنا۔ ابولہب ہمیشہ اپنے اس قول پر قائم رہا (۲)

آپؐ کے لڑکپن کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن جدعان (حضرت ابو بکرؓ کے والد ابو قحافہؓ کے چچا زاد بھائی) کے یہاں ایک جلسے میں ابوالحکم (جو بعد میں جہل کے نام سے مشہور ہوا) کسی بات پر آپؐ سے الجھ پڑا۔ یہ آپؐ کا تقریباً ہم عمر تھا۔ آپؐ نے اسے اٹھا کر پٹخ دیا اس کے گھٹنے میں شدید زخم آیا اور اسکا نشان تا حیات قائم رہا(۳)۔ عجیب اتفاق ہے کہ آئندہ اسکی دشمنی بھی اسی طرح قائم رہی۔

ابو طالب کی خواہش تھی کہ آپؐ اور آپؐ کے دو تقریباً ہم عمر چچا جنگی ہتھیاروں کا استعمال بھی سیکھیں۔ حضرت حمزہ نے جو بڑے قد آور اور مضبوط جوان تھے کشتی اور شمشیرزنی میں مہارت حاصل کی۔ رسول اللہ ﷺ اوسط قدوقامت کے تھے۔ آپ کو تیر اندازی کا شوق تھا جو آپؐ کے اجداد حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا ورثہ تھا۔ اس فن کے مظاہرے کا موقع آپؐ کو حرب الفجار میں ملا۔ یہ کئی جنگوں کا سلسلہ تھا جو انتقامی لڑائیوں کے دستور کے مطابق چار سال تک جاری رہا۔ گو جنگ صرف چار پانچ موقعوں پر ہوئی۔ امن کے مہینوں میں شروع ہوئی اسلئے 'حرب الفجار' کہلائی۔ جنگ کی بنا یہ ہوئی کہ حیرہ کا فرمانروا نعمان بن منذر ہر سال تجارتی مال جس میں مشک وغیرہ ہوتا عکاظ کے سالانہ بازار میں بھیجتا تھا اور اسکا قافلہ واپسی میں چمڑا خرید کر لایا کرتا تھا۔ بنی کنانہ کے براض بن قیس کی خواہش تھی کہ اس قافلے کی حفاظت کی ذمہ داری اسے سونپ دی جائے اور اسکا معاوضہ اسے ملے۔ لیکن نعمان نے یہ کام بنی ہوازن کے ایک سردار عروۃ الرحّال بن عتبہ کے سپرد کردیا۔ براض طیش میں آگیا۔ موقع پاکر دھوکے سے عروہ کو قتل کردیا۔ ساتھ ہی قریش کو بھڑکایا کہ بنی ہوازن مقتول کا بدلہ لینے کے لئے قریش پر حملہ کرنے والے ہیں۔ قریش بنی ہوزان کے خلاف لڑنے کھڑے ہوگئے اور اس طرح جنگ کا سلسلہ شروع ہوگیا جس میں ایک فریق بنی ہوزان اور بنی ثقیف تھے دوسرے طرف بنی کنانہ اور قریش۔ قریش کا سپہ سالار اعظم ابو سفیان کا باپ حرب بن اُمیّہ تھا جسکے ماتحت ذیلی قبائل کے علیحدہ علیحدہ علم بردار تھے۔ بنی ہاشم کے علم بردار آنحضرت محمد ﷺ کے تایا زُبیر تھے۔ لڑائی سال میں صرف چار پانچ دن کے لئے ہوتی۔ لیکن چار سال کی طویل کشمکش اور خونریزی سے دونوں فریق آخر کار تنگ آگئے اور اس شرط پر صلح ہوگئی کہ فریقین کے مقتولین شمار کئے جائیں۔ جس فریق کے زیادہ لوگ مارے گئے اسکے زائد مقتولین کی دیت دوسرا فریق ادا کرے۔ بنی ہوازن کے

بیس آدمی زیادہ قتل ہوئے تھا۔ ان کا خون بہا بنی کنانہ اور قریش نے ادا کردیا۔

ابن ہشام کا کہنا ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کی عمر ۱۴، ۱۵ سال تھی اور آپؐ نے جنگ میں صرف اس حد تک حصہ لیا کہ دشمن کے تیر اٹھا اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دیتے تھے(۴)۔ ابن اسحاق اور ابن سعد آپؐ کی عمر ۲۰ سال بتاتے ہیں۔ ابن سعد نے آپؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "میں اپنے چچاؤں کے ساتھ اس جنگ میں موجود تھا۔ میں نے اس میں شرکت کی اور تیر چلائے"۔ اور آپؐ اس شرکت پر پشیمان نہ تھے(۵)۔ ممکن ہے کہ دونوں بیان صحیح ہوں کیونکہ جنگ چار سال تک وقتاً فوقتاً جاری رہی۔ محمد حسن ہیکل اور مارٹن لنگز (ابو بکر سراج الدین) کا یہی خیال ہے(۶)۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس جنگ میں آپؐ نے دشمن قبیلے کے سپہ سالار ملاعب الاسنۃ کو نیزے سے زخمی کردیا تھا اور بعد میں یہ قبیلہ مدت تک اسلام کا دشمن رہا(۷)۔

اس جنگ کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ کے لوگ بے راہ روی اور بدامنی سے بیزار ہوکر سوچنے لگے کہ کچھ ایسے اصول وضع کریں کہ ناانصافی اور ظلم کا انسداد ہوسکے۔ قریش اپنی تجارتی سفر میں دیکھتے تھے کہ شام اور حبشہ کے علاقوں میں قانون کی حکمرانی کس طرح ظلم و تعدی کو روکے ہوئے تھی اور ایسا نظام غالباً اپنے یہاں بھی چاہتے ہوں۔ اتفاقاً حرب الفجار ختم ہونے کے چند ہفتے بعد ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ وہ ایک عملی قدم اٹھانے میں کامیاب ہوگئے۔ ہوا یہ کہ یمن کے قبیلہ سہم کا ایک تاجر کچھ قیمتی سامان لے کر مکہ آیا۔ یہاں ایک معزز سردار عاص بن وائل کے ہاتھ فروخت کیا۔ عاص نے مال پر قبضہ کرلیا مگر پوری قیمت ادا کرنے میں پس وپیش کرنے لگا۔ یمنی تاجر نے مکہ کے کئی سرداروں سے فرداً فرداً شکایت کی مگر کوئی مدد کے لئے راضی نہ ہوا۔ ناامید ہوکر وہ ایک صبح کوہ ابوقبیس پر پہنچا اور بلند آواز سے اپنی مظلومیت کی داستان سنانے لگا۔ لوگ متاثر ہوئے خصوصاً رسول اللہ ﷺ کے تایا زبیر بن عبدالمطلب۔ انہوں نے طے کیا کہ اس غریب الوطن کی مدد کرنا ضروری ہے۔ سب سرداروں کو عبداللہ بن جدعان کے یہاں مدعو کیا۔ ان میں بنی ہاشم بنی مطلب، بنی اسد، بنی العزیٰ، بنی زہرہ اور بنی تیم شامل تھے۔ سب لوگ سنگ اسود کے قریب گئے اس پر پانی بہا کر ایک برتن میں جمع کیا۔ سب نے پیا اور سیدھا ہاتھ بلند کرکے قسم کھائی کہ ہر ظالم کے خلاف مظلوم کی حمایت کی جائیگی۔ خواہ وہ مکہ کا ہو یا باہر کا۔ اور اسکا حق دلایا جائیگا۔ عاص بن وائل کو یمنی تاجر کے مال کی

طے شدہ قیمت ادا کرنا پڑی۔ ابن سعد نے اس حلف کے یہ الفاظ دیئے ہیں: "جب تک دریا میں صوف (اون) کو بھگونے کی شان باقی ہے ہم مظلوم کا ساتھ دینگے تاکہ اسکا حق ادا کیا جائے"(۸)۔

یہ معاہدہ "حلف الفضول" کے نام سے مشہور ہوا۔ وجہ تسمیہ ابن اثیر نے یہ بیان کی ہے کہ نبی جرہم کے زمانے میں ایسا ہی ایک معاہدہ ہوا تھا جسے طے کرنے والے سب لوگوں کے نام لفظ 'فضل' سے ماخوذ تھے۔ لیکن ابن کثیر بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ کی تشریح یہ فرمائی "انہوں نے باہم اس بات پر معاہدہ کیا کہ 'فضول' کو اسکے حقداروں کی طرف پلٹائینگے اور ظالم مظلوم پر زیادتی نہ کر پائیگا"۔ مطلب یہ ہے کہ جو فضل کسی ظالم نے زبردستی صاحب حق سے چھینا ہے وہ اسے واپس دلوایا جائے(۹)۔

رسول اللہ ﷺ اپنے تایا زبیر کے ہمراہ حلف اٹھانے والوں میں شامل تھے اسوقت آپ کی عمر ۲۰ سال تھی (ابن سعد کے مطابق حلف الفضول کی تاریخ ذیقعدہ ۲۰ عام الفیل تھی) قومی زندگی میں آپ کی شرکت کا غالباً یہ پہلا واقعہ تھا۔ آپ اس معاہدے میں ایک فعال اور خاص رکن کی حیثیت سے شامل رہے۔ کافی عرصے تک مکہ میں اسکا نفاذ رہا۔ بعد میں کسی موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا " میں عبداللہ بن جدعان کے یہاں ایک ایسے معاہدے میں شریک ہوا کہ اگر مجھے سرخ اونٹ بھی اسکے بدلے میں ملتے تو میں اسے چھوڑ کر انہیں قبول نہ کرتا۔ اور اگر آج دور اسلام میں بھی ایسے کسی معاہدے کی طرف دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کرونگا"(۱۰)۔

حلف الفضول کے چند سال بعد کا واقعہ ہے کہ عثمان بن حویرث نے بزنطینی حکومت سے رشوت لیکر سازش کی کہ مکہ رومی حکومت کی تحویل میں آجائے۔ لیکن یہ سازش خصوصاً رسول اللہ ﷺ کی مداخلت کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکی۔ عثمان شام کی طرف بھاگ گیا جہاں غسانی حکمران نے اسے زہر دے کر ہلاک کروادیا(۱۱)۔ عثمان حضرت خدیجہ کا چچا زاد بھائی تھا۔ قسطنطنیہ جاکر عیسائیت قبول کرلی تھی اور بزنطینی حکومت سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

☆ ☆

(۱) ابن کثیر 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۱۱۳

(۲) محمد حمید اللہ 'محمد رسول اللہ' مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد دوم صفحہ ۵۲۰

(۳) ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالم' جلد دوم صفحہ ۱۲۶ ، ابن ہشام 'سیرت النبی' جلد دوم صفحہ ۴۴۲۔

(۴) ابن ہشام 'سیرت النبی' جلد اول صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰۔ محمد ادریس کاندھلوی نے روضۃ الانف سے سہیلی کا قول نقل کیا ہے کہ آپؐ اس معرکہ میں چچاؤں کو صرف تیر اٹھا کر دیتے تھے حالانکہ لڑائی کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ خود قتال میں شریک نہ ہوئے کیونکہ یہ حرب فجار تھی کافروں کے درمیان تھی اور مومن کو جنگ کا حکم صرف کلمۃ اللہ بلند کرنے کے لئے دیا گیا ہے۔ (محمد ادریس کاندھلوی 'سیرت المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۸۸)

(۵) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۱۸۲

(۶) محمد حسین ہیکل 'حیات محمد' صفحہ ۱۳۰۔ و مارٹن لنگز 'محمد' (Muhammad) صفحہ ۳۱

(۷) محمد حمید اللہ 'محمد رسول اللہ' مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد دوم صفحہ ۵۲۰

(۸) ابن سعد 'طبقات' جلد اول صفحہ ۱۸۳

(۹) ابو الاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالم' جلد دوم صفحہ ۱۱۰

(۱۰) ایضاً صفحہ ۱۱۱ و ابن کثیر 'سیرت النبی' جلد اول صفحہ ۱۷۷

(۱۱) سید امیر علی 'دی اسپرٹ آف اسلام' (The Spirit of Islam) صفحہ ۱۳، ۱۴

(۱۸)صادق وامین

مقدس ہونے کے علاوہ مکہ ایک بڑا ترقی یافتہ تجارتی شہر تھا۔ دولت کی فروانی تھی اور ساتھ ہی ان برائیوں کی جو دولت کی فروانی سے منسلک ہیں۔ اوارگی وقمار بازی عام تھی۔ رقص و سرود کی محفلیں جمتیں شراب و کباب کے دور چلتے۔قوم کے اس مذاق کی عکاسی شعراء کے اجتماعوں میں ہوتی جہاں بد مستی و آوارگی کے ترانے فخر سے سنائے جاتے اور داد پاتے۔ اس ماحول میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی جوانی بے داغ گزاری ۔ یہ ایک معجزہ تھا۔ پچھلے صفحات میں ایسے واقعات بیان ہوچکے ہیں کہ کسطرح قدرت نے آپ کو شہر کی رنگ رلیوں میں شریک ہونے سے بچائے رکھا۔ شراب کو آپؐ نے کبھی ہاتھ نہ لگایا اور ان خبائث سے ہمیشہ محفوظ رہے شراب جن کی ماں کہلاتی ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آپؐ سے کسی نے پوچھا "کیا آپؐ نے کبھی بت کو پوجا؟" آپ نے فرمایا "نہیں"۔ پوچھا "آپؐ نے کبھی شراب پی؟" پھر فرمایا "نہیں" اور یہ بھی بتایا کہ "میں ہمیشہ سے ان چیزوں کو کفر سمجھتا ہوں اگرچہ مجھے کتاب اور ایمان کا علم نہ تھا"(۱)۔ بتوں سے آپؐ کو شروع ہی سے نفرت تھی۔ بحیرا راہب کے واقعے کا جز یہ بھی ہے کہ جب اس نے آپؐ کو لات و عزیٰ کی قسم دلانا چاہی تو آپؐ نے ان بتوں سے نفرت کا اظہار فرمایا۔ قبل نبوت بھی بتوں کے نام کا ذبیحہ کھانے سے آپ کا انکار ثابت ہے(۲)۔

لڑکپن میں تقریباً ۱۵ سال کی عمر تک آپؐ کا مشغلہ اور ایک حد تک ذریعہ معاش گلہ بانی رہا آپ کا زیادہ تر وقت کھلے میدانوں پہاڑیوں اور وادیوں میں گزرتا جہاں قدرت کے مناظر آپ کو احسن الخالقین کی طرف رجوع کی دعوت دیتے اور تنہائی میں غوروفکر کا موقع ملتا۔ ۱۶ سال کی عمر میں آپؐ نے تجارت میں حصہ لینا شروع کیا۔ آپؐ کے چچا کی ایک دوکان شہر میں تھی۔ ممکن ہے کچھ وقت وہاں دیتے ہوں۔ پہلا تجارتی سفر آپؐ نے اپنے تایا زبیر بن عبدالمطلب کے

ساتھ کیا۔ یہ سفر یمن کی طرف ہوا تھا جس میں قریش تاجروں کو کافی نفع ہوا اسکے بعد اور بھی چند سفر آپؐ نے کئے شام یمن اور بحرین کے سفر ثابت ہیں۔ بعض مغربی مصنفین کہتے ہیں کہ آپؐ مصر بھی تشریف لے گئے اور آپؐ نے بحری سفر بھی کئے جسکا ثبوت ان کے نزدیک یہ ہے کہ قرآن مجید کے چند آیات میں جہازوں اور بحری طوفانوں کی جو تصویر کشی ہے اس میں (نعوذباللہ) ذاتی تجربے کی بو آتی ہے۔ لیکن تاریخ کا دفتر ان واقعات سے خالی ہے(۳)۔ صرف بحرین کے کنارے سے خلیج فارس اور شام کے سفر میں بحرمیت (ڈیڈسی) کا مشاہدہ ممکن ہے۔ بحرین کے قبیلہ عبدالقیس کا وفد آپؐ سے مدینہ میں ملا۔ آپؐ کی گفتگو سے ظاہر ہوا کہ آپؐ بحرین کے علاقے سے واقف ہیں۔ لوگ حیران ہوئے تو آپؐ نے بتایا کہ آپؐ نے اس علاقے کی کافی سیر کی ہے۔ ممکن ہے آپؐ شادی سے قبل یا شادی کے بعد حضرت خدیجہ کا سامان لیکر وہاں تجارت کی غرض سے گئے ہوں۔

مکہ والے تجارت کے لئے اپنا سرمایہ قابل اعتبار شخص کے سپرد کر کے اسے منافع میں شریک کر لیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ بھی کبھی کبھی اس قسم کی شرکت اختیار کر لیتے تھے۔ اس طرح کے کاروبار میں لوگ آپؐ کے محاسنِ اخلاق سے بہت متاثر تھے۔ ایک صحابی عبد اللہؓ ابن ابی الحمساء آپؐ کے ایفائے عہد کی مثال بیان کرتے ہیں کہ نبوت سے قبل انہوں نے آپؐ سے کسی مقام پر کوئی خرید و فروخت کا معاملہ کیا اور دوبارہ جلد واپس آنے کا وعدہ کر کے کہیں چلے گئے۔ اتفاقاً اپنا وعدہ بھول گئے۔ تیسرے دن یاد آیا تو اس مقام پر پہنچے وہاں آنحضرت رسول اللہ ﷺ کو منتظر پایا۔ آپؐ نے زیادہ شکایت نہ کی۔ صرف اسقدر فرمایا "تم نے مجھے زحمت دی میں تین دن سے تمہارا منتظر ہوں"۔ ایک صحابی سائب بنؓ ابی سائب مسلمان ہو کر آپؐ کی خدمت آئے تو لوگ ان کی بابت آپؐ کو بتانے لگے آپؐ نے فرمایا "میں انہیں تم سے بہتر جانتا ہوں" اس پر سائب نے بتایا کہ آپؐ ان کے شریک تجارت رہ چکے تھے اور آپؐ ہمیشہ معاملہ صاف رکھتے تھے۔ سائب کا یہ قول بھی مروی ہے کہ جب فتح مکہ کے بعد حاضرِ خدمت ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "خوش آمدید اس بھائی اور حصہ دار کے لئے جو نہ جھگڑتا تھا اور نہ خصومت رکھتا تھا"(۴)۔ دورانِ تجارت اپنی صداقت اور امانت کی بنا پر قریش آپؐ کو صادق اور امین کے لقب سے پکارنے لگے۔

آپؐ کے اس لقب 'صادق و امین' کا حوالہ آنے والے نبی کی بابت بائبل کی کتاب 'یوحنا

کا مکاشفہ' میں بھی ان الفاظ میں ملتا ہے: ۔

"پھر میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید گھوڑا ہے اور اس پر ایک سوار ہے (حضور رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک نقرئی گھوڑا تھا جسکا نام بحر تھا)۔ جو سچا اور بر حق کہلاتا ہے (انگریزی بائبل کے الفاظ Faithful اور True ہیں جنکا صحیح ترجمہ 'امین و صادق' ہوگا)۔ اور وہ راستی کے ساتھ انصاف اور لڑائی کرتا ہے۔ اور اسکی آنکھیں آگ کے شعلے ہیں (حضور رسول ﷺ کے حلیہ شریف کے متعلق جتنی روایات ہیں ان میں آپؐ کی آنکھوں کی سرخی مذکور ہے) اور اسکے سر پر بہت سے تاج ہیں اور اسکا ایک نام لکھاہوا ہے جسے اسکے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور وہ خون کی چھڑکی ہوئی پوشاک پہنے ہوئے ہے اور اسکا نام کلام خدا کہلاتا ہے۔ آسمان کی فوجیں سفید گھوڑوں پر سوار اور سفید اور صاف مہین کتانی کپڑے پہنے ہوئے اسکے پیچھے پیچھے ہیں (آپؐ کے لئے فرشتوں کی امداد قرآن مجید میں مذکور ہے)۔ اور قوموں کو مارنے کے لئے اسکے منہ سے ایک تیز تلوار نکلتی ہے اور وہ لوہے کے عصا سے ان پر حکومت کریگا۔ اور قادر مطلق خدا کے سخت غضب کی مے کے حوض میں انگور روندے گا۔ اوراسکی پوشاک اور ران پر نام لکھا ہوا ہے۔ "بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند"۔ (آپؐ کو امام الانبیاء اور سید المرسلین کہا گیا ہے) نیا عہد نامہ 'کتاب یوحنا کا مکاشفہ ۱۹-۱۱ تا ۱۶) (۵)

آپؐ کے صدق و امانت کا یہ عالم تھا کہ قریش اپنی قیمتی امانتیں آپ کے پاس رکھ دیا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ نبوت کے بعد بھی جاری رہا جب مشرکین آپؐ کے دشمن ہوگئے تھے مگر اس دشمنی کے باوجود آپؐ کی ذات پر ان کا اعتماد قائم رہا۔ چنانچہ ہجرت کے وقت آپؐ نے حضرت علیؓ کو صرف اس لئے کچھ دن کے لئے مکہ میں چھوڑ دیا کہ جو امانتیں اس وقت آپؐ کے پاس تھیں وہ ان کے مشرک مالکوں کو پہنچادیں۔ آپؐ کی ذاتی عفت اور پاکیزگی ہمیشہ مشہور رہی ۔ سر

ولیم میور لکھتے ہیں کہ "ہمارے تمام مستند ماخذ محمد (رسول اللہ ﷺ) کے بارے میں ان کے چال چلن کی عصمت اور عادات و اطوار کی پاکیزگی پر متفق ہیں۔ حالانکہ یہ خصوصیات (اس وقت) اہل مکہ میں نایاب تھیں"۔ (۶)

بقول نعیم صدیقی یہ تھی "اس شاخ گل کی اُٹھان جسکی تواضع کانٹوں سے کی گئی"۔ (۷)

☆ ☆

(۱) محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۱۱۰ (بحوالہ ابو نعیم عساکر)

(۲) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۱۱۹

(۳) ایضاً صفحہ ۱۱۹

(۴) ابن جوزی 'الوفا باحوال المصطفیٰ' صفحہ ۱۸۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے قیسؓ بن سائب کی روایت بیان کی ہے کہ "زمانہ جاہلیت میں میں نے محمد (ﷺ) سے بہتر ساجھی کوئی نہ پایا اگر ہم انؐ کا سامان لیکر جاتے تو واپسی پر ہمارا استقبال کرکے صرف ہماری خیروعافیت پوچھتے اور چلے جاتے۔ اور بعد میں حساب دینے پر قطعاً تکرار اور حجت نہ کرتے...... اسکے بر خلاف اگر خود ہمارا سامان لیکر جاتے تو واپسی پر جب تک پائی پائی بیباق نہ کر لیتے گھر تک نہ جاتے اور اسی لیے ہم میں وہ 'امین' کے لقب سے معروف تھے" (محمد حمید اللہ 'رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۶۱)۔

(۵) مزید تفصیل و تشریح کے لیئے ملاحظہ ہو سلمان منصور پوری 'رحمۃ للعالمین' جلد اول صفحہ ۴۴، ۴۵۔

(۶) سر ولیم میور 'دی لائف اف محمد' (The Life of Mohammad) صفحہ ۱۹

(۷) نعیم صدیقی 'محسن انسانیت' صفحہ ۱۴۴۔

(۱۹) حضرت خدیجہؓ

رسول اللہ ﷺ کی عمر اب ۲۰ سال سے تجاوز کرچکی تھی۔ دوسروں کا سامانِ تجارت باہر لیجاتے تو اسکا معاوضہ ملتا تھا۔ اسطرح ایک حد تک خود کفیل بھی تھے۔ اسکا امکان ہوگیا تھا کہ آپؐ شادی کرسکیں۔ آپؐ کو قدرتا اپنے چچا زاد بھائی بہنوں سے بڑا انس تھا۔ انہی کے ساتھ آپؐ رہ رہے تھے۔ آپؐ کی ایک چچازاد بہن فاختہ بنت ابو طالب (بعد میں ام ہانی کے نام سے مشہور ہوئیں) سنِ بلوغت کو پہنچ چکی تھیں۔ ان سے شادی کی خواہش کا اظہار آپؐ نے اپنے چچا سے کیا۔ لیکن انہی دنوں بنی مخزوم کے ہبیرہ بن ابی وہب نے بھی فاختہ کے لئے پیغام دیا۔ یہ رشتے میں ابوطالب کا ماموں زاد بھائی تھا۔ اچھا شاعر تھا اور مالدار بھی۔ ابو طالب نے اسکا پیام منظور کیا اور دختر کی شادی اس سے کر دی(۱)۔ رسول اللہ ﷺ نے شکایت کی تو یہ عذر پیش کیا کہ "محسن محسن کے ساتھ برابر کا احسان کرتا ہے"۔ مطلب یہ تھا کہ بنی مخزوم کی صاحبزادیاں ان کے خاندان میں بیاہی ہوئی تھیں جسکا بدلا واجب تھا۔ آپؐ نے شاید محسوس کیا ہو کہ آپؐ کی مالی حیثیت غالبًا ایسی نہیں کہ شادی کریں۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ حالات نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔

قبیلہ بنی اسد کی ایک خاتون حضرت خدیجہؓ بنت خُویلدِ مکہ کی مالدار تاجر تھیں۔ ان کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں رسول اللہ ﷺ سے ملتا تھا۔ اسطرح کچھ دور کے رشتے سے آپؐ کی چچازاد بہن بھی ہوتی تھیں ان کے والد خُویلد حرب الفجار کے بڑے سپہ سالار وں میں تھے۔ مکہ میں اپنی دولت و ثروت کے باعث نہایت معزز تھیں اپنی شرافت اور خوبیوں کی وجہ سے طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔ ان کا پہلا شوہر ابو ہالہ بن زُرارہ تمیمی تھا جس سے دو بیٹے ہالہ اور ہند تھے۔ اسکے انتقال کے بعد ان کی دوسری شادی عَتِیق بن عابد المخزومی سے ہوئی۔ اس سے ایک

دختر پیدا ہوئیں جنکا نام بھی ہند تھا۔ (دورِ رسالت میں دونوں بیٹے اور صاحبزادی مسلمان ہوئے) دوسرے شوہر کا بھی انتقال ہوگیا اور یہ پھر بیوہ ہوگئیں۔ اسکے بعد مکہ کے کئی سرداروں نے شادی کے پیغام بھیجے مگر انہوں نے منظور نہ کیا۔ (ابن سعد نے ایک تیسری شادی کا بھی ذکر کیا ہے جو ان کے چچا زاد صَیفی بن امیہ سے ہوئی جو حرب الفجار میں قتل ہوا)(۲)۔ اپنے مرحوم شوہروں سے کافی دولت ترکے میں ملی تھی جو کاروبار میں لگائی۔ تجارتی قافلوں میں اپنا مال کسی کارکن کے حوالے کردیتیں اور منافع میں سے اسے مقررہ حصہ دے دیتیں۔ ان کی تجارت کافی بڑے پیمانے پر تھی۔ کبھی کبھی ان کا مال تجارت باقی تمام قافلے کے مال کے برابر ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ کے صداقت و امانت، حسنِ اخلاق اور اعلی کارکردگی کی شہرت پاکر حضرت خدیجہؓ نے چاہا کہ آپؐ کو اپنا کارکن بناکر اپنا مال تجارت شام روانہ کریں ۔ دوسروں کے مقابلے میں آپؐ کو زیادہ معاوضہ دینے کی پیش کش کی جو آپؐ نے منظور فرمائی۔ ایک روایت ہے کہ ابو طالب نے رسول اللہؐ سے اپنی کمزورمالی حالت کا تذکرہ کیا اور مشورہ دیا کہ مناسب ہوتو حضرت خدیجہؓ سے کہا جائے کہ عنقریب جو تجارتی قافلہ شام کی طرف جارہا ہے اس میں آپؐ کو اپنا کارکن بناکر بھیج دیں۔ رسول اللہؐ راضی ہوگئے تو ابوطالب نے حضرت خدیجہؓ سے اپنی خواہش ظاہر کی جو انھوں نے بڑے شوق سے قبول کرلی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابو طالب اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان جو گفتگو ہوئی اسکی اطلاع کسی طرح حضرت خدیجہؓ کو مل گئی اور انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ کا اپنا کارکن بنانے کی پیش کش کی (یہ دونوں روایتیں ابن سعد کے یہاں ہیں)(۳)۔

یہ قافلہ مکہ سے ذی الحجہ ۲۵ عام الفیل میں شام کے لئے روانہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کے چچاؤں نے آپؐ کو رخصت کیا۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنے ایک معتبر غلام مَیسرہ اور ایک رشتہ دار خُزیمہ کو بھی آپ کے ہمراہ کیا۔ کہتے ہیں کہ دوران سفر انسان کے عیب و ہنر اور عادات و خصائل کھل کر ہم سفروں کے سامنے آجاتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ آپؐ کے اعلی کردار و فضائل نے ہر شریک سفر کو متاثر کیا کاروباری معاملات میں آپؐ کا حسنِ اخلاق نمایاں تھا۔ اور ساتھ ہی آپؐ کی دیانت اور راست گفتاری مثالی تھی۔ اس سفر میں آپؐ کی شخصیت سے سب سے زیادہ وہی شخص متاثر ہوا جو آپؐ سے سب سے زیادہ قریب تھا یعنی میسرہ۔ آپ کے اخلاق و کردار نے اسے اپنا گرویدہ بنالیا(۴)۔

تجارتی لحاظ سے یہ سفر نہایت کامیاب رہا۔ اپنا مال تجارت فروخت کر کے آپؐ نے دوسرا مناسب سامان ساتھ واپس لیجانے کے لئے خریدا۔ مکہ میں اِس سامان کی قیمت اُس سامان کی قیمت سے دوگنی ثابت ہوئی جو آپؐ مکہ سے شام لے گئے تھے۔ عام طور پر جو نفع حضرت خدیجہ کو ہوتا تھا اس بار اس سے دوگنا نفع ہوا۔ واپسی میں مَرّ الظہران کے مقام پر پہنچے تو میسرہ نے رسول اللہ ﷺ کو مشورہ دیا کہ قافلے کے پہنچنے سے پہلے ہی آگے جاکر حضرت خدیجہ کو سفر کی روداد اور خرید و فروخت کا حال بتائیں کہ وہ منتظر ہونگی۔ آپؐ نے یہی کیا۔ ظہر کے وقت مکہ پہنچے اور حضرت خدیجہ کو منتظر پایا۔

سفر کی روداد حضرت خدیجہ کو سنائی اور منافع کی خوشخبری دی۔ وہ سب کچھ سن رہی تھیں مگر ذہن غالباً کسی اور طرف تھا۔ بہت ممکن ہے کہ توجہ آپؐ کی گفتگو سے زیادہ آپ کی شخصیت کی طرف ہو۔ اس وقت آپؐ کی عمر ۲۵ سال تھی۔ شباب اپنے نقطۂ عروج پر تھا۔ قد میانہ جسم چھریرا تمام اعضا نہایت متناسب دور سے دیکھو تو خوب، قریب سے دیکھو تو خوب تر، جلد کارنگ سفید، سفر کی کچھ سرخی لئے ہوئے، سیاہ اور گھنے بال، قدرے گھنگر یالے، شانوں تک بکھرے ہوئے۔ سرگیں آنکھیں جن میں ایک چمک اور سرخ ڈورے نمایاں باریک اور پیوستہ ابرو، دہن مبارک اور ناک نہایت خوشنما۔ دانت موتیوں کی طرح چمکدار چہرے پر ایک غیر معمولی نور، اس سے بھی بڑھکر جو والدِ مرحوم کے چہرے پر تھا۔ شیریں کلام گفتگو میں اعتدال، الفاظ کم نہ زیادہ، موتیوں کی طرح لڑی میں پروئے ہوئے۔ معلوم ہوتا تھا کہ سیرت و صورت کی تمام خوبیاں آپؐ کی ذات میں مجسم ہوگئی ہوں:

حسن پر حسن کے انداز جھکے پڑتے ہیں
جو صفت ہے وہ تری ذات ہوئی جاتی ہے (۵)

گفتگو کے بعد جب رسول اللہ ﷺ رخصت ہوگئے تو حضرت خدیجہؓ گہری سوچ میں پڑگئیں۔ جب میسرہ ایا تو اس سے بھی حالات سفر سنے جو رسول اللہ ﷺ کے محاسن کے تذکرے سے معمور تھے۔ یوں تو آپؐ سے پہلے ہی سے ملتی رہتی تھیں لیکن آج کچھ زیادہ ہی متاثر ہوئیں۔ دل میں آپ کے لئے محبت کے پاکیزہ جذبات ابھرنے لگے۔ ساتھ ہی شاید یہ بھی سوچتی ہوں کہ یہ ۲۵ سال کا تمام خوبیوں سے مرصع جوان کہیں ایسی بیوہ کو قبول کرنے میں پس و پیش نہ کرے جو تین بچوں کی ماں بھی بن چکی تھی۔ آخر دل کے جذبات شعور پر غالب آئے۔

اور انہوں نے دل میں ایک فیصلہ کرلیا لیکن تین ماہ تک لب پر نہ لائیں۔

☆☆ ☆☆

(۱) ابن سعد کا بیان ہے کہ ہُبیرہ سے اُم ہانیؓ کے چار بیٹے تھے۔ بعد میں جب وہ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور ہبیرہ کے نکاح میں نہ رہیں تو رسول اللہ ﷺ نے پھر انہیں شادی کا پیغام دیا مگر انہوں نے یہ کہہ کر معذوری ظاہر کی کہ "اللہ کی قسم مجھے آپ (رسول اللہ ﷺ) سے جاہلیت کے زمانے میں بھی محبت تھی۔ اسلام کے زمانے کے تو کہنے ہی کیا ہیں۔ لیکن میں بچوں والی عورت ہوں اور ان سے آپ (ﷺ) کو تکلیف ہوگی جو مجھے گوارا نہیں"۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ معذرت قبول فرمائی (ابن سعد 'طبقات' حصہ ہشتم صفحہ ۲۱۱)

(۲) ایضاً صفحہ ۳۰

(۳) ایضاً حصہ اول صفحہ ۱۸۳، ۱۸۴

(۴) دور اول کے سیرت نگاروں کے یہاں یہ روایت ہے کہ دوران سفر رسول اللہ ﷺ کہیں ایک درخت کے سائے میں فروکش تھے تو نسطورا نامی ایک راہب نے آپ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر میسرہ سے پوچھا کہ "اس درخت کے سائے میں کون صاحب تشریف فرما ہیں" میسرہ نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق بتایا تو نسطورا نے کہا کہ "اس درخت کے سائے میں پیغمبر کے سوا کوئی نہیں اترا"۔ پھر پوچھا "کیا ان کی آنکھوں میں سرخی ہے؟" میسرہ نے کہا "ہاں۔ اور یہ سرخی کبھی جدا نہیں ہوتی"۔ اس پر نسطورا بولا "وہ پیغمبر ہیں اور سب سے پچھلے پیغمبر"۔ یہ روایت بھی ہے کہ کڑی دھوپ ہوتی تو میسرہ دیکھتا کہ دو فرشتے آپ رسول اللہ ﷺ پر سایہ فگن ہیں۔ (ابن ہشام 'سیرۃ النبی' حصہ اول صفحہ ۱۲۱۔ ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۱۸۴، ۱۸۵۔ طبری 'تاریخ طبری' صفحہ ۶۱، ۶۲)۔ شبلی نعمانی، ابوالاعلیٰ مودودی وغیرہ نے ان روایات کو غلط بتایا ہے (شبلی نعمانی سیرۃ النبی، جلد سوم صفحہ ۴۲۲، ۴۲۳ ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرۃ سرور عالم' جلد دوم صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸)۔ احادیث کی معتبر کتابوں صحاح ستہ میں یہ روایتیں نہیں ملتیں۔

(۵) مولانا عبدالباری آسی لکھنوی۔ رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک مختلف صحابہ سے مروی ہے۔ نعیم صدیقی نے نہایت اچھی تفصیل دی ہے۔ (نعیم صدیقی 'محسن انسانیت' صفحہ ۸۳ تا ۸۸) مولف نے ام معبد کے مشہور بیان سے بھی استفادہ کیا ہے جو آپؐ سے اس وقت ملی تھیں جب آپ سفر ہجرت میں ان کے خیموں کی طرف سے گزرے تھے۔ اس ملاقات کا ذکر آگے آئے گا۔ حسن کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو جسمانی توانائی سے بھی نوازا تھا۔ مکہ میں رکانہ نامی ایک پہلوان تھا۔ کہیں رسول اللہ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے صداقت کا ثبوت چاہا تو آپؐ نے اس سے کشتی لڑنے

پر آمادگی ظاہر کی اور تین بار پچھاڑا۔ بعد میں رکانہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ روایت انہی کے بیٹے ابو جعفر محمد کی ہے۔

يُطعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ

□ استاد حسن چلبی کے قلم سے خط ثلث جلی میں بہ شکل متناظرہ قرآنی آیت

٢ چلبی
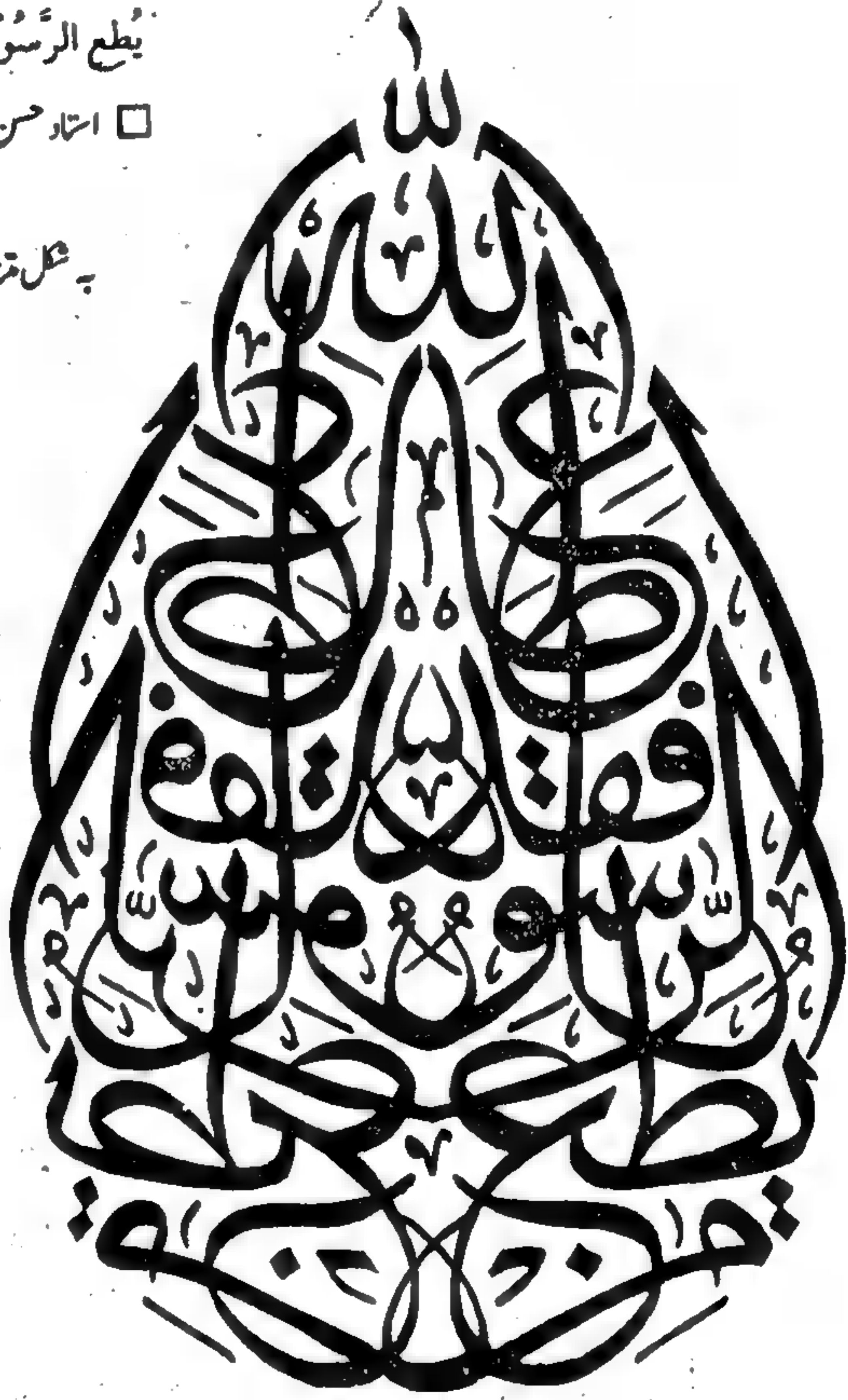
(۲۰) شادی

نفیسہ بنت منیہ (۱) حضرت خدیجہؓ کی ایک عزیز سہیلی تھیں۔ جنہیں انھوں نے اپنا ہمراز بنایا اور چاہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا عندیہ معلوم کریں آیا آپؐ ان سے شادی کے لیئے امادہ ہیں۔ نفیسہ نے حامی بھری کہ وہ یہ کام بخوشی انجام دینگی۔ انہیں جلد ہی آپؐ سے گفتگو کا موقع مل گیا۔ گفتگو کچھ اس طرح ہوئی:

نفیسہ : اے محمد (ﷺ) آپؐ ایک خوبصورت اور خوب سیرت جوان ہیں شادی کیوں نہیں کر لیتے۔

آنحضرتؐ : تنگ دستی کی وجہ سے بیوی بچوں کا بار نہیں اٹھا سکتا۔

نفیسہ : لیکن آپؐ ایک محنت کش شخص ہیں۔اسقدر تو کما سکتے ہیں کہ بال بچوں کا خرچ برداشت کرلیں۔

آنحضرتؐ : میرے ایک ضعیف چچا ہیں۔ ان کی مالی حالت اچھی نہیں ۔ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔ اب میرا فرض ہے کہ انہیں سہارا دوں۔

نفیسہ : اگر آپؐ کو ایک ایسی شریک۔ حیات مل جائے جو حسین و جمیل ہو، شریف ہو، اور اپنے اخراجات کی خود کفیل بھی ہو۔

آنحضرتؐ : وہ کون۔

نفیسہ : خدیجہؓ

آنحضرتؐ : وہ مجھ سے کیونکر شادی کرنے لگیں

نفیسہ : یہ میرا ذمہ ہے ۔ ان کے دل میں آپؐ کے لئے نیک جذبات ہیں۔ ان کی طرف سے میں اس بات کی ذمہ داری لیتی ہوں

آنحضرتؐ : (کچھ سوچ کر) میں اس بارے میں خود ان سے ملنا چاہتا ہوں۔

دوسرے دن رسول اللہ ﷺ حضرت خدیجہؓ سے خود ملے ۔ نفیسہ کی گفتگو کا ذکر کیا ۔ حضرت خدیجہؓ نے تصدیق کی اور کہا "آپؐ میرے رشتہ دار ہیں صادق اور امین ہیں ، پاکیزہ اخلاق کے حامل ہیں اور حق گو ہیں۔ اس لئے میں آپؐ سے شادی کی خواہشمند ہوں"۔ اسکے بعد آپؐ نے اپنے چچاؤں سے مشورہ کر کے یہ رشتہ قبول فرمایا۔

ابن اسحاق کا کہنا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے براہ راست آپؐ سے بات کی اور آپؐ سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ شبلی نعمانی بھی یہی لکھتے ہیں اور بتاتے ہیں اس زمانے میں عرب خواتین خود اپنا رشتہ طے کرنے میں آزاد تھیں اور حضرت خدیجہ نے چچا کے ہوتے ہوئے براہِ راست تمام مراتب طے کئے (۲)۔

حضرت خدیجہ کے والد خویلد کا انتقال ہوچکا تھا۔ ضعیف چچا عمرو بن اسد ان کے سرپرست تھے ۔ ابو طالب ان کے یہاں گئے ۔حضرت حمزہ کو بھی ساتھ لیا گو یہ عمر میں چھوٹے تھے مگر اس گفتگو میں انہیں اسلئے شریک کرلیا کہ بنی اسد سے ان کا قریبی رشتہ قائم ہوگیا تھا۔ ان کی حقیقی بہن صفیہؓ کی شادی حال ہی میں حضرت خدیجہؓ کے بھائی عوام بن خویلد سے انجام پائی تھی۔ دونوں نے عمرو کو اس رشتے کے لئے راضی کرلیا۔

اسطرح سفر شام کے تقریباً تین ماہ بعد یہ شادی ہوگئی۔ نکاح میں آپؐ کے سب چچا ، اعزا اور احباب مع حضرت ابوبکرؓ کے شامل ہوئے۔ دوسری طرف حضرت خدیجہؓ کے تمام اعزا مع ورقہ بن نوفل کے شریک تھے۔ نکاح کا خطبہ ابوطالب نے پڑھا جسکا کچھ مضمون سیرت کی کتابوں میں اس طرح محفوظ ہے :

"(قریش کے فضائل کا بیان۔ امابعد) محمد (ﷺ) وہ ہیں کہ قریش کا کوئی جوان بھی شرف و رفعت، فضیلت و عقل میں آپؐ کے ساتھ تولا جائے تو آپؐ ہی بھاری ہونگے۔ مال میں اگرچہ آپؐ کم ہیں لیکن مال ایک ضائع ہونے والا سایہ ہے اور ایک عاریت ہے جو واپس کی جانے والی ہے۔ یہ خدیجہؓ بنت خویلد کی طرف مائل ہیں اور اسی طرح خدیجہؓ ان کی طرف" (۳) ۔

جواب میں حضرت خدیجہؓ کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل نے تقریر کی جسمیں رسول اللہ ﷺ کی تعریف شامل تھی۔ چند کلمات عمروبن اسد نے بھی آپؐ کی شان میں کہے۔ مہر ۲۰ اونٹ (بقول ابن ہشام) یا پانچ سو درہم (بقول شبلی نعمانی) مقرر ہوا۔ شادی کی تاریخ ربیع الاول

۲۷ قبل ہجرت (مطابق ستمبر ۵۹۵ء) ہے رسول اللہ ﷺ کی عمر ۲۵ سال تھی اور حضرت خدیجہؓ کی ۴۰ سال(۴)۔

ابن سعد نے رسول اللہ ﷺ کی شادی کی بابت کچھ جھوٹی روایتوں کا ذکر کیا ہے جنکا لب لباب یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد کو اتنی شراب پلائی کہ وہ مدہوش ہوگئے۔ انہیں نیا حلّہ پہنایا، خوشبو لگائی اور گائے ذبح کی۔اسی دوران نکاح ہوگیا۔وہ ہوش میں آئے تو پوچھا "یہ سب کیا ہے؟" معلوم ہوا کہ صاجزادی کی شادی انہی کی اجازت سے ہوئی ہے۔ بہت ناراض ہوئے مگر جو ہونا تھا ہوچکا۔ ابن سعد، واقدی طبری وغیرہ سب کے نزدیک یہ روایات قطعی غلط ہیں خویلد کا انتقال پہلے ہی حرب الفجار میں ہوچکا تھا(۵)۔ ابن ہشام کے یہاں کوئی روایت مذکور نہیں مغربی مصنفین سرولیم میور۔مسٹر بوڈلے وغیرہ نے اسے بڑی دلچسپی کے ساتھ قبول کیا ہے۔

☆ ☆

(۱) یہ فتح مکہ کے بعد اسلام سے مشرف ہوئیں۔ ابن سعد نے ان کا نام نفیسہ بنت امیہ لکھا ہے۔

(۲) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۱۱۸

(۳) محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۱۰۵ (بحوالہ سہیلی 'روض الانف')

(۴) شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر کی بابت کچھ اختلاف ہے۔ مشہور چالیس سال ہے۔ کچھ سیرت نگاروں نے ۲۸ سال بتائی ہے۔ اس رائے کی کچھ توثیق اس حیاتاتی حقیقت سے ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے شادی کے بعد حضرت خدیجہؓ کے چھ یا سات بچے پیدا ہوئے (محمد حمید اللہ 'محمد رسول اللہ' مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد دوم صفحہ ۵۲۲) سلمان منصور پوری الاستیعاب کے حوالے سے کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کی ولادت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک کے اکتالیسویں سال ہوئی (سلمان منصور پوری 'رحمت للعالمین' جلد دوم صفحہ ۱۰۸) اگر حضرت خدیجہؓ کی عمر آپ کی عمر سے ۱۵ سال زیادہ تھی تو مطلب یہ ہوگا کہ حضرت فاطمہؓ کی ولادت کے وقت ان کی عمر ۵۵ سال سے تجاوز کرچکی تھی۔ یہ بظاہر خلافِ عادت معلوم ہوتا ہے۔ ہر چند کہ مولانا مودودی نے ایک ماہر طب النسا ڈاکٹر اسٹیلے کلیٹن کی مستند کتاب کا یہ اقتباس پیش کیاہے۔ "...... بعض اوقات سِن یاس ۵۵ سال کی عمر بلکہ اس سے بھی زیادہ دیر تک موخر ہوجاتاہے۔" (ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۱۲۸)

(۵) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۱۸۸، ۱۸۹

(۲۱) نیا گھر

شادی کے بعد جلد ہی رسول اللہ ﷺ حضرت خدیجہؓ کے اصرار پر ان کے یہاں منتقل ہوگئے۔ اور ابوطالب کے گھر کو خیر باد کہا۔ لیکن چچا سے نہایت قریبی تعلق ہمیشہ قائم رہا۔ اور چچا کی انتہائی شفقت میں بھی کوئی فرق نہ آیا۔

عمروں کے فرق کے باوجود سچی محبت پر مبنی ہونے کہ وجہ سے شادی نہایت کامیاب تھی۔ حضرتؓ خدیجہؓ نے نہ صرف ایک چاہنے والی شریک حیات کا کردار ادا کیا بلکہ ایک نہایت مخلص دوست کی طرح رسول اللہ ﷺ کے رجحان اور مطمحِ نظر کو بھی اپنایا رسول اللہ ﷺ نے بھی محبت کا جواب محبت سے دیا۔

حضرت خدیجہ کے پہلے شوہر ابوہالہ بن زرارہ تمیمی سے ان کے دو بیٹے تھے۔ ہالہ اور ہند ایک روایت تیسرے فرزند کے متعلق بھی ہے جنکا نام طاہر تھا۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو یمن کا حاکم مقرر کیا تھا۔ آنحضرت رسول اللہ ﷺ کے بعد جب عکّ اور اشعری قبائل مرتد ہوئے تو حضرت ابو بکرؓ کے حکم سے طاہرؓ نے ان قبائل سے جنگ کی اور فتح حاصل کر کے فتنہ دبا دیا(۱)۔ ہندؓ بچپن ہی سے رسول اللہ ﷺ سے بہت مانوس تھے۔ بعد میں وصاف النبی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ نہایت فصیح و بلیغ تھے۔ آنحضرت ﷺ کا حلیہ مبارک نہایت خوبی سے بیان کرتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ کے دوسرے شوہر عتیق بن عابد المخزومی سے ایک بیٹی تھیں۔ ان کا نام بھی ہندؓ تھا۔ یہ تمام اولاد بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئی۔ یہ سب بچے اپنی ددھیال کے ساتھ رہتے تھے مگر اکثر ماں سے آکر ملتے رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان سے نہایت محبت اور شفقت سے پیش آتے۔

شادی کے روز رسول اللہ ﷺ نے اپنی کنیز برکتہ کو آزاد کردیا۔ ان کی شادی یثرب

کے ایک نوجوان عبید بن زید حارثی سے ہوگئی ۔ ایک بچہ ہوا ایمنؓ چنانچہ ام ایمنؓ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اپنے شوہر عبید کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کے یہاں آگئیں اورآپؐ کی حیات تک آپ کی خدمت میں رہیں۔ آپؐ اکثر انہیں اپنی ماں کہہ کرپکارتے اور فرماتے "میرے گھر والوں میں یہی زندہ ہیں"(۲)۔ بعثت کے بعد آپؐ نے انکی شادی حضرت زید بن حارثہؓ سے کردی۔

رسول اللہ ﷺ نے برکتہ کو ازاد کیا تو حضرت خدیجہؓ نے ایک غلام آپؐ کے نذر کیا ۔ یہ زید بن حارثہؓ تھے۔ (انہی سے بعد میں برکتہ کی شادی ہوئی)۔ ان کا تعلق قبیلہ کلب کے نہایت شریف خاندان سے تھا جو شام و عراق کے درمیان آباد تھا۔ والد کا نام حارثہ بن شرحبیل تھا۔ والدہ سعدیٰ بنت ثعلبہ قبیلہ طے سے تھیں جو حاتم طائی کی وجہ سے عرب میں مشہور تھا۔ جب یہ سات آٹھ سال کے تھے تو ان کی والدہ انہیں اپنے میکے لیکر گئیں ۔ وہاں نبی قیس کے چند لٹیروں نے ان کے گاؤں پر حملہ کردیا۔ کچھ لوگوں کو پکڑ کر لے گئے۔ ان میں زیدؓ بھی تھے انہیں غلام بناکر عکاظ کے میلے میں برائے فروخت لے گئے ۔ وہاں حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد نے چار سو درہم میں انہیں خرید لیا اور بعد میں اپنی پھوپی کو عطا کردیا ۔ یہ کئی سال حضرت خدیجہؓ کی خدمت میں رہے۔ اب ان کی عمرپندرہ سال تھی۔

حضرت خدیجہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے دو فرزند پیدا ہوئے، قاسم اور عبداللہ (جنکالقب طاہر اور طیب تھا)(۳) ابن ہشام نے ابن اسحاق کی یہ روایت اختیار کی کہ آپؐ کے تین فرزند ہوئے قاسم، طاہر، اور طیب جن کا کم عمری میں ہی انتقال ہوگیا(۴)۔ پہلے فرزند کی وجہ سے آپؐ کی کنیت ابوالقاسم ہوئی۔ ان کے علاوہ چار صاحبزادیاں تھیں سب سے بڑی حضرت زینبؓ ان کے بعد حضرت رقیہؓ پھر ام کلثومؓ سب سے چھوٹی حضرت فاطمہؓ۔ آپؐ کی آخری اولاد کعبہ کی تعمیر نو سے پہلے ہوئی۔ اسکے بعد حضرت خدیجہؓ سے کوئی بچہ پیدا نہ ہوا ۔ اس گھرانے میں ایک بڑا اہم اضافہ اور بھی ہوا۔

قحط سالی کا زمانہ تھا کثیر الاولاد ہونے کی وجہ سے ابو طالب کو کافی پریشانی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو اسکا احساس تھا۔ آپؐ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے جو کافی خوشحال تاجر تھے اسکا تذکرہ کیا اور اپنے مہربان چچا ابوطالب کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے یہ تجویز پیش کی کہ ابو طالب کی اولاد میں سے ایک ایک کی پرورش دونوں اپنے ذمہ لے لیں حضرت عباسؓ راضی ہوگئے۔ دونوں نے ابو طالب سے اپنی خواہش ظاہر کی انہوں نے اجازت دیدی کہ طالب اور عقیل کے علاوہ

جنہیں چاہیں لے لیں۔ حضرت عباسؓ نے حضرت جعفرؓ کو لے لیا ان کی عمر تقریباً پندرہ برس ہوگی ۔ رسول اللہ ﷺ حضرت علیؓ کو لے آئے جو اسوقت تقریباً پانچ سال کے تھے اور اپنی اولاد کی طرح اپنے نئے گھر میں ان کی پرورش کی۔

ان گھروالوں کے سوا قریبی اعزا اکثر ملنے کے لئے آتے رہتے تھے ۔ کبھی کبھی حلیمہ بھی آتی تھیں ۔ شادی کے چند ہی دن کے بعد آئیں تو خدیجہؓ نے انہیں چند بکریاں وغیرہ تحفے میں دیں۔ ایک بار قحط سالی میں ان کی بہت سی بھیڑیں تلف ہوگئیں۔ تو پھر انہیں چالیس بھیڑیں اور ایک اونٹ عنایت فرمایا۔ ملنے والوں میں سر فہرست رسول اللہ ﷺ کی سب سے چھوٹی پھوپی حضرت صفیہؓ تھیں ۔ یہ حضرت خدیجہؓ کی بھاوج بھی تھیں۔ ان کے ساتھ ان کے بیٹے زبیرؓ بھی ہوتے جو رسول اللہ ﷺ کے بیٹوں سے بہت مانوس تھے۔ آپؐ کی ایک اور پھوپی حضرت امیمہ تھیں۔ ان کی شادی قبیلہ اسد کے جحش بن رباب سے ہوئی تھی۔ ان کے بیٹے عبداللہ بن جحش آپؐ سے تقریباً دس بارہ سال چھوٹے تھے۔ امیمہ کی دختر حضرت زینبؓ بنت جحش بھائی سے کئی سال چھوٹی تھیں۔ نہایت خوبصورت تھیں۔ دونو ں بھائی بہن رسول اللہ ﷺ کو بہت عزیز تھے اور دونوں کو آپؐ۔ دوسری پھوپی حضرت برہؓ کے بیٹے ابو سلمہ سے بھی اپ نہایت شفقت سے پیش آتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ کی بہن ہالہ بھی اپنی بہن سے ملنے آتی رہتی تھیں۔ ان کے بیٹے ابوالعاص ان کے ساتھ آتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ دونو ں کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ ہالہ نے ایک بار حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ ان کے بیٹے کے لئے مناسب رشتہ تلاش کریں۔ حضرت خدیجہ نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تو آپؐ انے اپنی بڑی دختر زینبؓ کو تجویز فرمایا۔ کچھ دن کے بعد دونوں کی شادی ہوگئی۔

آپؐ کے سب سے بڑے تاؤ حارث کا انتقال ہوچکا تھا۔ ان کے ایک بیٹے ابو سفیانؓ بن حارث بھی آپؐ کے بہت قریب تھے ۔ انہوں نے بھی حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا اور اسطرح آپؐ کے رضائی بھائی بھی تھے۔ بڑے اچھے شاعر تھے۔ آپؐ کی بعثت کے بعد کچھ دن آپؐ کے مخالف رہے ۔ فتح مکہ کے وقت اسلام لے آئے تو پھر دیرینہ قربت قائم ہوگئی۔

شادی کے بعد آپؐ کی تنگدستی کا دور ختم ہوگیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بتایا ہے۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ (الضحیٰ)

آپؐ اپنی زوجہ کی تجارت کی دیکھ بھال خود فرماتے ۔ تجارت کو مزید فروغ ہوا۔ آپؐ کی صداقت و امانت مشہور تھی۔ آپؐ کی اور حضرت خدیجہؓ کی داد ودہش سے لوگ بڑے متاثر ہوئے ۔ اچھی تجارت اور اس شہرت کی بنا پر آپؐ کو قریش میں بڑا وقار حاصل ہوگیا۔ آپؐ کے چچا ابو لہب نے بھی آپؐ سے قریب تر ہونا چاہا اور اپنے دوبیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے لئے آپؐ کی صاحبزادیوں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کا رشتہ مانگا جو آپؐ نے منظور کر لیا ۔ دونوں کے نکاح ہوگئے رخصتی ابھی نہ ہوئی تھی۔

رشتہ داروں کے علاوہ آپؐ کے ملنے والوں میں سب سے پہلا نام حضرت ابوبکرؓ (اصل نام عبد اللہ بن عثمان ابی قحافہ) کا ہے ۔ یہ عمر میں آپؐ سے دو سال چھوٹے تھے۔ ابتدائی تجارتی سفروں میں بھی کبھی کبھی آپؐ کے ساتھ رہے اور دوستی نے فروغ پایا۔ یہ دوستی تا حیات اس حدتک قائم رہی کہ 'یار غار' کا محاورہ انہی سے منسوب ہوگیا۔ دور جاہلیت میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ہم خیال اور ہم مزاج تھے شراب کو ہاتھ نہ لگاتے اور اپنے اخلاق کی وجہ سے لوگوں میں بہت مقبول تھے۔ کامیاب تاجر تھے اور رؤسائے مکہ میں شمار تھا۔ قریش میں دیت کے معاملات انہی کے سپرد تھے۔ انساب کے بارے میں سب کو ان کے علم پر اعتماد تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے ایک اور ملنے والے صہیب بن سنان رومی تھے۔ ایران و روم کی ایک جنگ میں بچپن ہی میں رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے۔ غلام کی حیثیت سے فروخت ہوتے ہوتے مکہ پہنچ گئے ۔ یہاں عبداللہ بن جدعان نے انہیں خرید لیا ۔ حضرت ابو بکرؓ نے انہیں رسول اللہ ﷺ سے متعارف کیا ۔ کچھ دن میں آپؐ سے بہت مانوس ہوگئے اسلام کے دور میں انہوں نے اعلیٰ خدمات انجام دیں اور یہ مرتبہ حاصل کیا کہ حضرت عمرؓ کی وفات ہونے لگی تو انہوں نے یہ وصیت فرمائی کہ جب تک شوریٰ کسی ایک خلیفہ پر متفق نہ ہوجائے حضرت صہیبؓ مسجد نبوی میں امامت کرتے رہیں (۵)۔

تیسرے ملنے والے عمار بن یاسر تھے۔ بعد میں حضرت صہیبؓ کے ساتھ ہی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حکیم بن حزام جو حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے تھے رسول اللہ ﷺ سے بہت مانوس تھے۔ عمر میں آپؐ سے پانچ سال بڑے تھے قریش کے معزز رئیس تھے اور رفادہ کے منصب پر فائز تھے۔ نبوت کے بعد رسول اللہ ﷺ کے لئے ان کی محبت قائم رہی گو ایمان فتح مکہ کے بعد لائے۔ کہتے ہیں کہ ضماد بن ثعلبہ بھی دور جاہلیت میں آپؐ کے دوستوں میں سے تھے۔ حضرت

ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ دورِ نبوت میں یہ مکہ آئے تو لوگوں سے سنا کہ حضور ﷺ (نعوذ باللہ) مجنون ہوگئے ہیں۔ یہ آپؐ سے جاکر ملے چونکہ طبیب تھے علاج کے لئے اپنی خدمات پیش کیں ۔ جواب میں رسول اللہ ﷺ نے چند ایسے موثر کلمات سنائے کہ مسلمان ہوگئے۔

چند دوسرے رشتے دار بھی آپؐ سے کافی مانوس تھے اور قریب سے جانتے تھے ان میں حضرت عثمانؓ بن عفان (آپؐ کی پھوپی ام حکیم البیضا کے نواسے)، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، عمیر بن ابی وقاص اور جعفر بن ابوطالب (حضرت علیؓ کی سگے بھائی) شامل تھے۔ بعثت کے بعد آپؐ پر ایمان لانے والوں میں انہی حضرات نے سبقت کی۔ جو جسقدر قریب تھا اسی قدر پہلے آپؐ پر ایمان لایا۔ انہوں نے آپؐ کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور جانتے تھے کہ آپؐ کی کوئی بات ۔۔ وہ دعوئ نبوت ہی کیوں نہ ہو۔۔ جھوٹ نہیں ہوسکتی۔

☆ ☆

(۱) سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلد دوم صفحہ ۱۴۶

(۲) ابن سعد 'طبقات' حصہ ہشتم صفحہ ۳۰۶

(۳) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۱۸۹

(۴) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۴۲ ۔ طبری کا بھی یہی بیان ہے 'تاریخ طبری' جلد اول صفحہ ۶۲

(۵) ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرت سرورِ عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۱۲۴

(۲۲)زید بن حارثہؓ

رسول اللہ ﷺ کی شادی کو کئی ماہ گذر گئے اور حج کا موسم آگیا۔ باہر سے زائرین مکہ میں آنا شروع ہوگئے ۔ ایک دن زید نے دیکھا کہ ان کے قبیلہ کعب کے چند لوگ کعبہ کی زیارت کررہے ہیں۔ یہ انہیں پہچان گئے اور اپنی بابت بتایا۔ ان لوگوں نے بھی ان کو پہچان لیا پھر جب یہ لوگ واپس ہونے لگے تو زیدؓ نے چند اشعار کی صورت میں ایک پیغام دیا کہ ان کے گھر والوں کو پہنچادیں کیونکہ وہ ان کی جدائی میں یقیناً پریشان ہونگے۔ اشعار کا مفہوم یہ تھا:

"میری قوم کو خبر پہنچادو اگرچہ میں دور ہوں کہ میں بیت اللہ میں مشعر حرام کے پاس مقیم ہوں اس غم سے باز آجاؤ جس نے تمہیں حزیں کردیاہے۔ اور آخری اونٹوں کو زمین میں کام میں نہ لاؤ کیونکہ الحمداللہ ایسے شریف خاندان میں ہوں جو نسلاً بعد نسلاً بزرگ ہی رہتا چلا آیا ہے"۔(۱)

اسطرح زید کے والدین کو ان کا پتہ چل گیا یہ مدت سے ان کی جدائی کا صدمہ سہہ رہے تھے۔

ایک روز رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرماتھے کہ دو مسافر آپؐ کو پوچھتے ہوئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں ایک حارثہ بن شرحبیل اور دوسرا ان کا بھائی کعب بن شرحبیل تھا۔ دونوں نے اپنا مقصد بیان کیا کہ اپنے بیٹے کا فدیہ لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں مہربانی فرمائیں اور فدیہ قبول کرکے ان کا بیٹا ان کے حوالے کردیں۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا وہ کون ہے۔ تو بتایا "زید" آپؐ نے فرمایا "بہتر صورت یہ ہوگی کہ زیدؓ کو اختیار دے دیا جائے وہ آپ حضرات کے ساتھ جانا چاہیں تو میری طرف سے بغیر کسی فدیہ کے آزاد ہیں اور آپؐ انہیں لے جائیں۔ لیکن اگر وہ میرے ساتھ ہی رہنا پسند کریں تو میں انہیں

مجبور نہیں کرونگا کہ مجھے چھوڑ دیں" حارثہ اور کعب یہ سنکر بہت خوش ہوئے۔ آپؐ کے نہایت ممنون ہوئے اور بولے "اسطرح تو ہم پر بڑا احسان ہوگا"۔

رسول اللہ ﷺ نے زیدؓ کو بلوایا اور ان سے پوچھا "ان دونوں حضرات کو جانتے ہو۔ زیدؓ نے کہا " ہاں یہ میرے والد اور چچا ہیں" آپؐ نے فرمایا "تم انہیں بھی جانتے ہو اور مجھے بھی دیکھ چکے ہو۔ اب تمہیں اختیار ہے چاہو تو ان کے ساتھ جاسکتے ہو اور چاہو تو میرے ہی ساتھ رہو"۔ زیدؓ کو جواب دینے میں ذرا بھی تامل نہ ہوا۔ بلا جھجک عرض کیا "میں آپؐ کی ذات پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ آپؐ میرے ماں باپ کی طرح ہیں"۔ حارث اور کعب حیران رہ گئے بولے "زید تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے ہو اور اپنے گھر والوں کو چھوڑے دے رہے ہو"۔ زیدؓ نے جواب دیا "ہاں ۔ ایسا ہی ہے۔ میں نے ان صاحبؐ میں وہ خوبیاں دیکھی ہیں کہ میں ان کو چھوڑ کر کسی اور کا نہیں ہوسکتا"۔ رسول اللہ ﷺ اس جواب سے خوش ہوئے۔ زید کا ہاتھ پکڑا اور سنگ اسود کے پاس جاکر اعلان فرمایا "لوگو۔ گواہ رہو کہ میں نے زید کو آزاد کیا۔ آج سے یہ میرا بیٹا ہے۔ میں اسکا وارث ہوں اور یہ میرا"۔ یہ اعلان سنکر زیدؓ کے والد اور چچا ایک حد تک مطمئن ہوگئے۔ مقصد تو حاصل نہ ہوا مگر واپسی کے وقت کچھ ایسی مایوسی بھی نہ تھی۔ اسکے بعد زیدؓ بن حارثہ زیدؓ بن محمد کے نام سے پکارے جانے لگے(۲)۔ آپؐ نے انہیں باپ کی محبت سے نوازا۔ ادھر ان کی سعادتمندی اور وفاداری بھی عمر بھر قائم رہی۔ جسکے تذکرے آئندہ صفحات میں آتے رہینگے۔

حضرت زیدؓ کا اپنے والدین پر رسول اللہ ﷺ کو ترجیح دینا اور ماں باپ کے ساتھ آزاد رہنے کے بجائے حضور ﷺ کی غلامی اختیار کرنا ایک ایسا واقعہ تھا جسکی نظیر نایاب ہے۔ سوچیں تو یہ آنحضرت ﷺ کی عظمت اور حسنِ اخلاق کا ایک ایسا عکس ہے جو معجزے سے کم نہیں۔

☆ ☆

(۱) ابن سعد 'طبقات' حصہ سوم صفحہ ۲۰۸، ۲۰۹

(۲) ہجرت کے بعد سورۃ احزاب میں حقیقت واضح کی گئی ......ماکان محمد اباآحد من رجالکم...... (محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ۔ احزاب ۴۰) اور یہ حکم نازل ہوا:.... ادعوھم لآبائھم ھو

قسط عند الله ...... (لے پالکوں کو ان کے اصلی باپوں کے نام سے پکارا کرو۔ خدا کے نزدیک یہی بات درست ہے۔ احزاب ۵) تب سے حضرت زیدؓ پھر سے زیدؓ بن حارثہ کہلائے جانے لگے اور اسی نام سے مشہور ہوئے۔

درود شریف ابراہیمی

بسم الله الرحمن الرحیم

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

کتبہ الفقیر نفیس الحسینی اللاہوری غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ فی رمضان المبارک سنۃ ۱۴۱۲

☐ سید نفیس الحسینی کے قلم سے درود شریف ابراہیمی جس میں علی الترتیب نستعلیق، ثلث، نسخ، کوفی اور جلی دیوانی خوبصورت انداز سے لکھا ہے۔

(۲۳) نئی تعمیر

کعبہ کی عمارت بہت پرانی اور خستہ ہوگئی تھی۔ یہ چوکور قدیم تعمیر صرف چار دیواروں پر مشتمل تھی جن کی بلندی تقریباً قد آدم کے برابر تھی۔ کوئی چھت نہ تھی۔ جائے وقوع کچھ ایسی تھی کہ بارش ہوتی تو آس پاس کی پہاڑیوں سے بہتا ہوا پانی اسی طرف سے گزرتا اور دیواروں کو نقصان پہنچاتا۔ چھت نہ ہونے کی وجہ سے اندر خانے میں رکھی ہوئی قیمتی اشیا محفوظ نہ تھیں۔ ایک مرتبہ کچھ چیزیں چوری بھی ہوگئیں جو بنی ملیح بن عمرو کے ایک غلام دویک کے یہاں سے برامد ہوئیں اور اس جرم میں اسکا ہاتھ کاٹا گیا۔ کہتے ہیں کہ چوری میں حارث بن عامر اور ابولہب بن عبد المطلب وغیرہ شامل تھے جنھوں نے چوری کا مال غریب غلام کے پاس رکھوادیا تھا۔ اس بنا پر حارث کو دس سال کے لئے مکہ سے جلاوطن بھی کیا گیا(۱)۔ مگر دوسروں پر جرم ثابت نہ ہوسکا۔

ان حالات میں قریش نے ارادہ کیا کہ کعبہ کی تعمیر از سر نو کی جائے۔ لیکن مقدس گھر کی دیواریں گرانے سے سب خوفزدہ تھے۔ اسکے علاوہ ایک خوفناک بڑے سانپ کو اکثر دیوارِ کعبہ پر بیٹھا دیکھتے تھے۔ اور اسکے قریب جانے سے گھبراتے تھے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ سانپ حسب معمول دیوار پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک بڑا پرندہ (غالباً باز) اڑتا ہوا آیا اور اسے پنجوں میں دبا کر لے گیا قریش کے لئے یہ امر حوصلہ افزا ثابت ہوا۔ انہی دنوں ایک تباہ شدہ رومی جہاز جدہ(۲) کے ساحل کے قریب آلگا۔ ولید بن مغیرہ کو معلوم ہوا تو چند قریشیوں کو لیکر ساحل پر پہنچا اور جہاز کی لکڑی خریدی کہ کعبہ کی تعمیر نو میں کام آئے۔ یہاں باقوم نامی ایک رومی معمار بھی مل گیا جسکو راضی کر کے یہ لوگ اپنے ساتھ لے آئے۔ ایک قبطی بڑھئی مکہ میں پہلے ہی سے موجود تھا۔ ان تمام سہولتوں کو دیکھتے ہوئے قریش کعبہ کے انہدام اور نئی تعمیر کے لئے تیار

ہو گئے۔

بنی مخزوم کے ایک شخص ابو ذہب بن عمرو (۳) نے سب سے پہلے کعبہ کا ایک پتھر نکالا جو اسکے ہاتھ سے چھوٹ کر پھر اپنی جگہ جا لگا اس پر ابوذہب نے اعلان کیا کہ اس تعمیر میں صرف حلال کی کمائی لگائی جائے۔ زناکاری، سود، یا غصب شدہ مال استعمال نہ ہو(۴)۔ قریش اب بھی انہدام کعبہ شروع کرنے سے ڈر رہے تھے۔ آخر ولید بن مغیرہ نے ہمت کر کے کدال ہاتھ میں لیا اور ربِّ کعبہ کو مخاطب کیا " اے اللہ ہمارا ارادہ بہتر اور خیر کے لئے ہے"(۵)۔ یہ کہہ کر چند ضربیں لگائیں اور دیوار کا کچھ حصہ گرا کر ٹھہر گیا۔ دوسرے لوگ شریک نہ ہوئے۔ یہ سوچا کہ دیکھیں ولید کا کیا انجام ہوتا ہے۔ اگر اس کی رات خیریت سے گذر جاتی ہے تو دوسرے دن کام شروع کرینگے۔ صبح ہوئی تو ولید کو صحیح و سالم پایا۔ اب سب کی ہمت بندھ گئی اور باقاعدہ کام شروع ہوا۔

جب کھدائی اساسِ ابراہیمؑ تک پہنچ گئی تو سبز رنگ کے پتھر ایک دوسرے میں پیوست نظر آئے۔ ان پتھروں کو ہٹانے کی کوشش کی تو ایسا محسوس ہوا کہ مکہ کی زمین کانپ اٹھی ۔ آگے کھودنا مناسب نہ سمجھا۔ ایک گوشے میں سریانی زبان کی ایک تحریر دستیاب ہوئی۔ قریش نہ پڑھ سکے تو ایک یہودی عالم کی خدمات حاصل کیں ۔ لکھا تھا:

> " میں اللہ ہوں ۔ خدائے مکہ۔ میں نے اسے اس روز پیدا کیا جس روز آسمان اور زمین تخلیق کئے اور شمس و قمر بنائے اسکے گرد سات مقدس فرشتے مامور ہیں جب تک اسکی دو پہاڑیاں ہیں یہ جگہ بھی قائم رہے گی۔ اور یہاں لوگوں کو آب و شیر کی برکتیں میسر ہونگی"۔ (۶)

ابن اسحاق کے یہاں چند اور کتبوں کا بھی ذکر ہے۔(۷)

چاروں دیواروں کی تعمیر کا کام بذریعہ قرعہ اندازی مختلف قبائل میں اس طرح تقسیم ہوا:

رکن اسود سے پہلے رکن حجر تک	بنی عبد مناف اور بنی زہرہ
پہلے رکن حجر سے دوسرے رکن حجر تک (یعنی حطیم کی سمت)	بنی عبدالدار اور بنی اسد
دوسرے رکن حجر سے رکنِ یمانی تک	بنی تیم اور بنی مخزوم

رکن یمانی سے رکن اسود تک　　　　　　بنی سہم، بنی جمح، بنی عدی، بنی عامر(۸)

سب نے اپنے اپنے حصے کے پتھر جمع کر کے دیواروں کی چنائی شروع کردی۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس کام میں شریک تھے۔ سامان کی کمی کی وجہ سے اور اس خیال سے کے کچھ حصہ لوگوں کے لئے ہر وقت کھلا رہے حطیم کا حصہ کھلا چھوڑ دیا گیا۔ جسے حجر بھی کہتے ہیں۔ یہیں حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہؓ مدفون ہیں(۹)۔

جب دیواریں اتنی اونچی ہوگئیں (تقریباً ایک میٹر) کہ سنگ اسود کی تنصیب کا موقع آگیا تو ہر قبیلہ نے چاہا کہ اس مقدس پتھر کو اٹھا کر نصب کرنے کا شرف اسے حاصل ہو۔ اس نزاع نے بڑی تلخ صورت اختیار کرلی۔ یہاں تک کہ بنی عبد الدار نے خون سے بھرے پیالے میں ہاتھ ڈبو کر قسم کھائی کہ اس حق سے ہرگز دستبردار نہیں ہونگے۔ چار پانچ روز یہ جھگڑا جاری رہا نوبت جنگ تک پہنچ گئی۔ آخر بنی مخزوم کے ایک سن رسیدہ شخص امیہ بن مغیرہ (ولید بن مغیرہ کا بھائی جو اس وقت عمر میں سب سے بڑا تھا) نے یہ تجویز پیش کی کہ "ہم سب اس پر متفق ہو جائیں کہ اب جو شخص باب شیبہ سے سب سے پہلے حرم میں داخل ہو اس پر اس امر کا فیصلہ چھوڑ دیا جائے (یا وہی سنگ اسود اٹھاکر اسکی جگہ رکھ دے)(۱۰) خوش قسمتی سے سب نے اس رائے کو مان لیا۔

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اب سب سے پہلے جو شخص اسؐ دروازے سے حرم میں داخل ہوا وہ آنحضرت ﷺ تھے۔ لوگوں نے دیکھا تو پکار اٹھے "ھذا الامین۔ رضینا۔ ھذا محمدؐ"(۱۱) (یہ امین ہیں ہم راضی ہوگئے ہیں۔ یہ محمد (ﷺ) ہیں) معاملہ آپؐ کے سامنے پیش ہوا۔ آپؐ نے ایک چادر منگواکر بچھائی اس پر سنگ اسود خود اپنے مبارک ہاتھوں سے اٹھاکر رکھا۔ پھر ہر قبیلے کو دعوت دی کہ اپنا ایک ایک نمائندہ منتخب کرلے یہ نمائندے(۱۲) مل کر چادر اٹھائیں اور اس مقام تک لے چلیں جہاں مقدس پتھر کو نصب کرنا ہے۔ اسطرح جب سنگ اسود صحیح مقام پر پہنچ گیا تو آپؐ نے بنفس نفیس خود اسے پنی جگہ نصب فرمادیا۔

یہ واقعہ ۳۵ عام الفیل کا ہے۔ اسوقت آپ کی عمر ۳۵ سال تھی۔ کون کہہ سکتا تھا کہ آج جس قوم نے ایک شخص کو امین و صادق سمجھ کر یہ عزت دی ہے پانچ سال کے بعد وہی قوم اس کی جانی دشمن ہوجائیگی۔

☆ ☆

(۱) طبری 'تاریخ طبری' جلد اول صفحہ ۶۶، ۶۷

(۲) ابن سعد نے اس جگہ کا نام شعیبہ بتایا ہے جو جدہ سے پہلے قریب ہی حجاز کا بندگاہ تھا (ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۲۰۳)

(۳) ابو ذہب رسول اللہ ﷺ کے والد جناب عبداللہ کا ماموں تھا۔

(۴) یہ ابن اسحاق کا بیان ہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے 'مغازی' میں اسے ولید بن مغیرہ کا قول لکھا ہے (ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۱۲۱)

(۵) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۲۷

(۶) ایضاً نیز الفرید غیوم 'دی لائف اف محمدؐ' (The Life of Muhammad) صفحہ ۸۵، ۸۶

(۷) ابن اسحاق 'سیرت رسول اللہ' مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد یازوہم صفحہ ۱۰۳، ۱۰۴ ابن اسحاق نے لیث بن سلیم سے روایت کیا ہے کہ بعثت نبوی سے چالیس سال قبل (یعنی رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے سال) کعبہ میں پتھر ملا تھا جس پر کندہ تھا "جو نیکی کا بیج بوئے گا وہ خوشی پائے گا، جو بدی بوئے گا اسے غم ملے گا۔ کیا تم بدی کر کے نیک انعام پاسکتے ہو؟ ہر گز نہیں کیونکہ خاردار جھاڑیوں سے انگور نہیں ملتے" (الفرید غیوم 'دی لائف اف محمدؐ' صفحہ ۸۶)۔ یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ اس کتبے کا آخری فقرہ انجیل کی کتاب متی کے باب ۷ کی اس ایت ۱۶ سے بڑا مشابہ ہے "کیا (خاردار) جھاڑیوں سے انگور توڑتے ہیں"۔

(۸) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۲۰۵

(۹) ابن ہشام 'سیرت النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۵

(۱۰) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۲۰۵

(۱۱) مسند احمد میں ہے آپؐ کو دیکھتے ہی لوگوں نے کہا "اتاکم الامین" یعنی تمہارے پاس امین آگیا۔ (ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۱۲۳)

(۱۲) ان نمائندوں میں بنی عبد مناف اور بنی زہرہ کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ ، بنی اسد اور بنی عبدالدار کی طرف سے ابو زمعہ، بنی تیم اور بنی مخزوم کے طرف سے ابو حذیفہ بن المغیرہ اور بنی سہم اور بنی عدی وغیرہ کی طرف سے قیس بن عدی شامل تھے (ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۲۰۶)

(۲۴) غار حرا

رسول اللہ ﷺ کی متاہل زندگی سکون واطمینان سے گزررہی تھی۔ اپنے دو (بعض روایات کے مطابق تین) شیرخوار بیٹوں کی دائمی جدائی کا صدمہ ضرور سہنا پڑا اس کی کمی کو ایک حد تک حضرت علیؓ اور حضرت زیدبن حارثہ کی موجودگی نے پورا کردیا تھا۔ سکون و اطمینان کے ساتھ فراغت بھی نصیب تھی کاروبار کے سلسلے میں کبھی کبھی باہر جانا ہوتا تھا۔ زیادہ تر بیرونی تجارت وکیلوں کے ذریعے ہوتی اور آپؐ کا وقت اکثر مکہ میں ہی گزرتا۔ اچھے مالی حالات کے باوجود عیش پرستی سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ حالانکہ مکہ کے اس ماحول میں یہ صفت بڑی کمیاب تھی۔ لڑکپن ہی سے طبیعت غوروفکر کے طرف مائل تھی۔ وقت کے ساتھ اس میں اضافہ ہو ا تھا۔ اکثر آپؐ تنہا رہنا پسند فرماتے۔

مکہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر جبل نور پر ایک غار تھا جسے حرا کہتے تھے(۱)۔ یہ اب زیارت گاہِ خلائق ہے۔ چار گز لمبا اور پونے دوگز چوڑا ہے۔ اوپر کی دوچٹانوں کے مل جانے سے غار کی شکل بن گئی ہے۔ رُخ کعبہ کی طرف ہے ۔ یہاں آدمی کھڑے ہوکر نماز پڑھ سکتا ہے۔ فرش صاف اور مسطح ہے جس پر آسانی سے لیٹ یا بیٹھ سکتے ہیں ۔ رسول اللہ ﷺ رمضان کا مہینہ اکثر یہاں غوروفکر میں گزارتے تھے۔ (آپ کے دادا عبدالمطلب بھی کبھی یہی کرتے تھے) تنہائی کے اس غور وفکر کو 'تحنث' کا نام دیاگیا ہے۔ امام زہری نے تحنث کی تشریح تعبد سے کی ہے۔ یہ ایک قسم کی عبادت تھی جس میں غوروفکر شامل تھا ۔ یہ کیا عبادت تھی احادیث سے اسکا پتہ نہیں چلتا۔ عینی شرح بخاری میں ہے "یہ سوال کیا گیا ہے کہ آپؐ کی عبادت کیا تھی؟ جواب یہ ہے 'غوروفکر اور عبرت پذیری"(۲)۔

بہت ممکن ہے آپ انفس و افاق میں بکھری ہوئی ان نشانیوں پر غور کرتے ہوں جو

کسی حکیم و رحیم خالق کی حکمت و رحمت کا پتا دیتی ہیں ۔ ارض و سما کی تخلیق، لیل و نہار کا اختلاف، شمس و قمر کی گردش، بادوباراں کی تقسیم اور اس سے مردہ زمیں میں دوبارہ زندگی کی لہر کسی ہبل یا کسی لاۃ و ملوۃ وعزیٰ کا کارفرمائی تو نہیں ہوسکتی تھی۔ نیکی اور بدی کی سزا و جزا تو ہونا چاہیئے۔ اگر دنیا میں نہیں ملتی تو کہاں ملے گی۔ اسکا حساب کب اور کیسے ہوگا؟ موجودہ مذاہب ایسی آلائشوں سے ملوث ہوگئے تھے کہ کوئی آپؐ کی نظر میں نہ جچتا تھا۔ دل میں ایک گھٹن سی تھی۔ ذہن کسی صحیح راستے کی جستجو میں سرگرداں تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

"اور راستے سے ناواقف دیکھا تو سیدھا راستہ دکھایا" (الضحیٰ ۷)

کبھی قوم کی گمراہیوں کا خیال آتا ہوگا کہ معاشرے کی خرابیوں سے کیسے نجات حاصل ہو ۔ غریب طبقے پر مظالم، عورتوں کی زبوں حالی، یتیموں کی کس مپرسی، نوزائیدہ بچوں کا زندہ درگور ہونا۔ یہ سب کچھ ذہن پر ایک بار گراں تھا جس سے بعد میں اسلام کی راہ بتا کر آپؐ کو سبکدوش کیا گیا۔ جیسا کہ قرآن مجید بتاتا ہے:

کیا ہم نے تمہارا سینہ کھول نہیں دیا اور تم سے بوجھ بھی اتار دیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑ رکھی تھی" (الم نشرح ۱ تا ۳)

حرا میں آپ کا تحنث رمضان کے مہینوں میں ہوتا ۔ کچھ خوردونوش کا سامان ساتھ لے جاتے ۔ جب ختم ہوجاتا تو گھرآ کر پھر کچھ لے جاتے۔ کبھی کبھی حضرت خدیجہؓ بھی آپؐ کے ساتھ کچھ دیر کے لئے ہو آتیں۔ یہ سلسلہ کم از کم پانچ سال جاری رہا اور اسطرح روحانیت کی منزلیں طے ہوتی رہیں ۔ کبھی کبھی آپؐ تنہا راستے میں آواز سی محسوس کرتے کہ کوئی آپؐ کو خوش آمدید کہہ رہا ہے۔ مڑ کر دیکھتے تو شجرو حجر کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ ایسا ہوا کہ آپؐ کو سچے خواب نظر آنے لگے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "سب سے پہلے رسول ﷺ کو سچے خواب دکھائی دینا شروع ہوئے تھے اور وہ جو خواب دیکھتے وہ صبح کی سپیدی کی طرح ظاہر ہوتا تھا۔ اور خلوت اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی پسند خاطر کردی تھی۔ آپؐ کو اس سے بہتر کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ تنہا بیٹھے رہیں"(۳)۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذہن کو ایک حقیقت مستور کی تلاش تھی۔ دل بار بار پکارتا ہوگا کہ "تو کہاں ہے؟"۔

آخر اس دعا کی قبولیت کی ساعت آپہنچی جو حضرت ابراھیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے اسطرح کی تھی

"اے پروردگار ان لوگوں میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیجو جو کہ ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب و دانائی سکھایا کرے"
(البقرۃ ۱۲۹)

رسول اللہ ﷺ کی عمر تقریباً ۴۰ سال ۶ ماہ تھی ۔ ماہ رمضان کے آخری عشرہ کی ایک رات(۴) آپ غار حرا میں محو استراحت تھے کہ جبرئیلؑ آپ کی خدمت میں آئے ۔ ہاتھ میں ایک نوشتہ تھا کہا کہ "پڑھیے" آپؐ نے فرمایا "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں"(۵)۔ جبرئیلؑ نے آپؐ کو اس زور سے بھینچا کہ آپؐ کی قوت برداشت جواب دینے لگی اور پھر کہا "پڑھیے" آپؐ نے اپنا وہی جواب دہرایا۔ اسی طرح تیسری بار ہوا (۶) تو جبرئیلؑ نے کہا :

"(اے محمدؐ) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا"۔ (علق ۱ تا ۵)

آپؐ گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ جو الفاظ آپؐ نے جبرئیلؑ کے ساتھ دہرائے دل پر نقش تھے۔ سب سے پہلے یہ تعلیم دی گئی تھی کہ اللہ کا کلام پڑھو تو اسی کا نام لے کر شروع کر ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نبی آخر زمان کی یہ پہچان توریت میں بھی مذکور ہے کہ وہ خدا کی باتیں خدا کا نام لے کر کہے گا۔ "کتاب استثنا" میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اسطرح دی ہے:

"میں ان کے لئے ان ہی (یعنی نبی اسرائیل) کے بھائیوں (یعنی نبی اسمٰعیل) میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کرونگا۔ اور اپنا کلام اسکے منہ میں ڈالونگا (برخلاف انجیل کے جو حواریوں نے اپنے الفاظ میں ترتیب دی ہے۔ قرآن مجید خالص اللہ کا کلام ہے) اور میں جو کچھ اسے حکم

دونگا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا
نام لے کر کہے گا۔ نہ مانے گا تو میں ان کا حساب اس سے لونگا" (پرانا
عہد نامہ "کتاب استثنا" ۱۸/۱۹، ۲۰)

ہر باب یعنی سورۃ کا اللہ کے نام سے شروع ہونا تمام الہامی کتابوں میں صرف قرآن مجید کی خصوصیت ہے جسکی صراحت مندرجہ بالا عبارت کے خط کشیدہ الفاظ میں ملتی ہے ۔

اس ہدایت کے بعد تخلیق کائنات اور خود انسان کی تخلیق کا ذکر ہے جسے آنے والی کتاب کا موضوع ہونا تھا اور اس علم (۷) کی اہمیت بتائی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے بذریعہ قلم ناواقف انسان کو بخشا۔

یہ اس وحی کے الفاظ تھے جسکی بابت قرآن مجید گواہ ہے :

"اگر یہ قرآن ہم کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اسکو دیکھتے کہ خدا کے
خوف سے دبا اور پھٹا جاتاہے" (الحشر ۲۱)

سورۃ مزمل میں بھی اسے "قولاً ثقیلا" (بھاری فرمان) بتایا گیا ہے اسکے اثر سے جو کیفیت آپؐ پر طاری ہوئی اسکا اندازہ ممکن نہیں(۸) آپؐ لرزتے ہوئے نہایت بوجھل قدموں سے کسی نہ کسی طرح گھر تک پہنچے اور حضرت خدیجہؓ سے فرمایا" مجھے اڑھادو۔ مجھے اڑھادو" کچھ دیر بعد طبیعت کو قدرے سکون ہو ا تو سارا ماجرا سنایا اور کہا کہ "مجھے اپنی جان کا خوف ہے" یہ شریک حیات کی حیثیت سے آپؐ کی شخصیت سے پوری طرح واقف تھیں۔ پندرہ سال کی معیت کی بنا پر آپؐ کی عصمت و صداقت کا پورا یقین تھا۔ کسی پس وپیش کے بغیر آپؐ کو تسلی دی "ہر گز نہیں ۔ بخدا اللہ کبھی آپؐ کو رسوا نہ کریگا۔ آپؐ تو کنبہ پرور ہیں۔ بے کسوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں ۔ مفلسوں کے لیئے کماتے ہیں مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصائب میں حق کی مدد کرتے ہیں"(۹)۔

اسکے بعد حضرت خدیجہ آپؐ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں (۱۰)۔ ورقہ عیسائی ہوگئے تھے۔ توریت و انجیل کے عالم تھے اور عبرانی زبان جانتے تھے اب بہت ضعیف تھے اور نابینا بھی ۔ رسول اللہ ﷺ کی عادات اطوار کو آپؐ کے بچپن ہی سے دیکھتے آئے تھے۔ آپؐ کا بیان سنا تو بے ساختہ بول اٹھے "قدوس ، قدوس یہ تووہی ناموس (فرشتہ) ہے (۱۱)جو

اللہ نے موسیٰؑ پر نازل کیا تھا۔ کاش میں اس عہد (نبوت) میں جوان ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جبکہ آپؐ کی قوم آپؐ کو نکال دیگی"۔

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا "کیا وہ لوگ مجھے نکال دینگے ؟" ورقہ نے کہا "ہاں جو شخص بھی اسطرح کی چیز لے کر آیا جیسی آپؐ لائے ہیں تو لوگ اسکے دشمن ہوگئے۔ اگر مجھے آپؐ کا زمانہ ملا تو میں آپؐ کی پوری مدد کرونگا"۔ لیکن کچھ ہی دن بعد ورقہ کا انتقال ہوگیا(۱۲)۔

وحی کا نزول آپ کے لئے قطعی غیر متوقع تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید شاہد ہے :

" اور تمہیں امید نہ تھی کہ تم پر یہ کتاب نازل کی جائے گی......"

(القصص ۸۶)

احادیث کے دفتر میں کہیں اس چیز کا نشان نہیں ملتا کہ کبھی آپؐ کے دل میں نبوت کی خواہش یا امید پیدا ہوئی ہو۔ "اس امر سے قطعی بے خبری کہ آپؐ نبوت کے اعلی منصب پر سرفراز ہونے والے ہیں آپؐ کے خلوص و دیانت کا سب سے بڑا ثبوت ہے"۔(۱۳)

یہاں سے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا وہ ۲۳ سالہ دورِ نبوت شروع ہوتا ہے جس میں تاریخِ انسانی کے ان نوادر کا اجتماع نظر آتا ہے جو نہ آپؐ سے پہلے کبھی کسی ایک زندگی میں جمع ہوئے نہ آپؐ کے بعد۔ یہ تھے مظلومی میں صبر واستقامت، مقابلے میں عزم و ہمت اور غلبے میں عفوودرگزر زندگی کے ان تینوں مراحل میں حق و صداقت کا دامن کبھی آپ کے ہاتھ سے نہ چھوٹا اور (قرآن مجید کے الفاظ میں) رحمتہ للعالمین (۱۴) کے لقب سے سرفراز ہوئے۔

☆ ☆

(۱) عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ حرا کے معنی تحقیقات کے ہیں (محمد حمید اللہ 'محمد رسول اللہ' مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد دوم صفحہ ۵۲۹)۔ جبل نور اور غار حرا پرانے نام تھے۔ جبل نور (روشنی کا پہاڑ) فاران سے بڑی مناسبت رکھتا ہے۔ جسکے معنی روشنی کے ہیں اور جسکا ذکر ان پیشین گوئیوں میں ہے جو بائبل میں نبی موعود کے لیئے آئی ہیں (محمد حمید اللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۷۴)

(۲) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۲۵

(۳) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۵۵، ۱۵۶

(۴) پہلی وحی کے نزول کے تاریخ میں کچھ اختلافات ہیں۔ اس پر عموماً سب متفق ہیں کہ رمضان کے آخری ایام تھے اور دو شنبہ کا دن تھا۔ ستائیسویں شب مشہور ہے۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری نے اس خیال سے کہ رسول اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق 'شب قدر' رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں واقع ہے ۲۱ رمضان کو ترجیح دی ہے کیونکہ دو شنبہ طاق راتوں میں اس شب کو پڑ سکتا تھا۔ (صفی الرحمٰن مبارکپوری 'الرحیق المختوم' صفحہ ۹۸) ایک روایت ہے کہ اس نزول وحی سے تقریباً چھ ماہ قبل جبرئیلؑ اپنے تعارف کے لئے رسول اللہ علیہ کی خدمت میں آئے تھے اور کہا تھا "محمد۔ بشارت قبول فرمایئے آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرئیلؑ ہوں"۔ یہ واقعہ ۹ ربیع الاول ۴۱ میلادالنبی کا ہے۔ اس وقت بھی آپؐ غار حرا میں تھے۔ (سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلد اول صفحہ ۴۷)۔

(۵) توریت کی کتاب یسعیاہ میں ہے "اور پھر وہ کتاب کسی ناخواندہ کو دیں اور کہیں اسکو پڑھ اور وہ کہے میں تو پڑھنا نہیں جانتا" (پرانا عہد نامہ 'کتاب یسعیاہ ۲۹/۱۲) بہت ممکن ہے کہ اس میں رسول اللہ علیہ کے اس جواب کی طرف اشارہ ہو جو آپ نے جبرئیلؑ کو بار بار دیا۔

(۶) شاہ عبدالعزیز محدث دھلویؒ نے جبرئیلؑ کا تین مرتبہ اسطرح رسول اللہ علیہ کو دبانے کا سبب روحانی اتحاد کی تاثیر پیدا کرنا بتایا ہے۔ "وبالجملہ دریں افشردن تاثیر اتحادی بود کہ روح لطیف خود را ازراہ مسام درون بدن آنحضرتؐ داخل فرمودہ باروح مبارک متحد ساختند و چوں شیر و شکر باہم آمیختند و حالتے عجیب درمیان ملکیت و بشریت پیدا شد کہ در بیان نمی اید" (ابن جوزی 'الوفا باحوال المصطفیٰ' صفحہ ۲۰۳)۔

(۷) رومانیہ کا ایک معزز سیرت نگار لکھتا ہے "دنیا کا کوئی بھی دین حصول علم کے لیئے اتنی اہمیت کا قائل نہیں اور آپ کو اسلام کے سوا کوئی ایسا دین نہیں ملے گا جسکی ابتدا ہی میں علم و معرفت کو اتنی اہمیت اور فوقیت حاصل ہوئی ہو" (کونسٹن ورژیل جورجیو 'عکس سیرت' صفحہ ۴۷)۔

(۸) احادیث میں ہے کہ آپؐ اونٹنی پر سوار ہوتے اور وحی آتی تو اونٹنی سے آپؐ رسول اللہ علیہ کا وزن برداشت نہ ہوتا اور بیٹھ جاتی۔ حضرت اسماءبنت یزید سے مروی ہے کہ وہ ایک مرتبہ رسول اللہ علیہ کے اونٹ کی مہار تھامے ہوئے تھیں کہ سورۃ مائدہ نازل ہوئی۔ وحی کے ثقل کی وجہ سے اونٹ کی حالت یہ ہوئی کہ گویا اس کے اگلے پاؤں ٹوٹنے کو ہیں (ابن جوزی 'الوفا باحوال المصطفیٰ علیہ' صفحہ ۲۱۰) زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ "ایک مرتبہ رسول اللہ علیہ کی ران میری ران پر تھی کہ وحی کا نزول شروع ہوا۔ اس وقت رسول اللہ علیہ کی ران اس قدر بھاری معلوم ہوئی کہ مجھے اپنی ران کے چور چور ہونے کا اندیشہ ہوگیا"۔ نزول وحی کے وقت رسول اللہ علیہ کو تکلیف ہوتی، چہرے کا رنگ بدل جاتا، اور بڑ مردہ ہوجاتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سخت سردی کے موسم میں بھی وحی کے اختتام پر

آپؐ رسول اللہ ﷺ کی پیشانی سے پسینہ ٹپکتا ہوتا تھا۔ (صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۳۵ کتاب الوحی)۔ وحی اخذ کرنے کی مشق میں بھی رسول اللہ ﷺ کو کچھ عرصہ لگا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اس ڈر سے کہ وحی کا کوئی حصہ بھول نہ جائیں رسول اللہؐ وحی کے دوران ہی اسے دہرانے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ سورۃ قیامہ میں ہدایت نازل ہوئی " لا تحرك بهه لسانك " (اور اے محمد رسول اللہ ﷺ وحی کے پڑھنے کے لئے اپنی زبان نہ چلایا کرو کہ اسکو جلد یاد کرلو)۔ سورۃ اعلیٰ میں بھی اطمینان دلایا گیا "سنقرئك فلا تنسیٰ الا ما شاء الله (ہم تمکو پڑھادینگے کہ تم فراموش نہ کرو گے۔ مگر جو خدا چاہے)

(۹) صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۳۶ (کتاب الوحی باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ)

(۱۰) دوسری ایک روایت ہے کہ صبح کو رسول اللہ ﷺ سے ملنے حضرت ابو بکرؓ آئے تو حضرت خدیجہؓ نے انہیں سارا واقعہ سنایا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے ساتھ لیجا کر ورقہ سے ملائیں۔(محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۱۰،۱۱)

(۱۱) اسلامی ادب میں 'ناموس' سے حضرت جبرئیلؑ مراد لئے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ بتاتے ہیں کہ یہ لفظ 'نو موس' (nomos) کا معرب ہے اور یونانی میں لفظ 'توریت' کو 'نوموس' یعنی 'قانون' کہتے ہیں (محمد عبداللہ 'خطبات بہاولپور صفحہ ۱۱)

(۱۲) صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۲۶، ۲۷

(۱۳) عبد الحمید صدیقی 'دی لائف آف محمد' (The Life of Muhammad) صفحہ ۵۷۔

(۱۴) سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۰۷ کے الفاظ "رحمت للعالمینؐ' بطور 'خطاب' نہیں بلکہ بطور 'نقل حکایت' ہیں (محمد حمید اللہ 'رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۲۴۱) یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ گوتم بدھ اور زردشت نے بھی اپنی تعلیم مکمل کرنے والے جس آئندہ نبی کی بشارت دی اسکے نام کے معنی بھی 'رحمت للعالمین' ہی ہیں۔ ملاحظہ ہو گذشتہ باب ۹۔

(۲۵)نماز فرضِ اولیں

کہا گیاہے کہ رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی کا نزول انسان کی طویل تاریخ میں اہم ترین واقعہ تھا(۱)۔ حقیقتاً یہ تاریخ عالم کی ایسی حد فاصل ہے جسکی ایک طرف ظلمت ہے اور دوسرے طرف نور۔ یا ایسا فصل آب ہے جسکے ایک سمت تاریکی کے غلیظ نالے بہہ رہے ہوں اور دوسرے سمت روشنی کے شفاف آبشار موجزن ہوں۔

اب نبوت کا وہ دور شروع ہوا جس میں قدم قدم پر براہ راست اللہ کی طرف سے انسان کی رہنمائی کی گئی ۔ اور ہدایت کا ایک ایسا جامع نقشہ مرتب کردیا گیا جسے سامنے رکھیں تو راہِ حیات میں کہیں بھٹکنے کا امکان نہیں۔ پیغمبر پہلے بھی گزرے تھے جنہیں اللہ کے پیغام براہ راست پہنچے۔ لیکن منصوبۂ خداوندی کے مطابق وقت اور مقام کے اعتبار سے ان پیغامات کی حدیں معین تھیں۔ اب ایک ایسے آخری پیغام کی ابتدا ہوئی جو زمان و مکان کی قید سے آزاد رہتی دنیا کے لئے ایک ابدی پکار تھی اور جسکے بعد ترسیل پیام الٰہی کے تمام در ہمیشہ کے لئے بند ہوگئے۔

ابھی کلام الٰہی کا ثقیل بوجھ اٹھانے کی ابتدا تھی لہذا کچھ ایسی آیات نازل ہوئیں کہ نبی آخر زماں ﷺ کو اطمینان اور تسکین ہو اور آپؐ جان لیں کہ جو کچھ نازل ہورہا ہے وہ اللہ کا پیغام ہے کسی جنونی کیفیت کی پیداوار نہیں ۔ سورۃ القلم کی ابتدائی ایات میں اسطرح آپ کی ہمت افزائی کی گئی :

"ن۔ قلم کی اور جو(اہل قلم) لکھتے ہیں اسکی قسم کہ (اے محمدؐ) تم اپنے پروردگار کے فضل سے دیوانے نہیں ہو۔ اور تمہارے لئے بے انتہا اجر

ہے۔ اور تمہارے اخلاق بڑے عالی ہیں" (القلم ۱ تا ٤) (۲)

کچھ اطمینان ہوا اور ہمت بڑھی تو اپنے رب کریم سے دوبارہ رابطے کا اشتیاق پیدا ہوا شوق نے اضطراب کی شکل اختیار کر لی۔ حدیثوں میں ہے کہ کچھ مدت کے لئے وحی بند ہوگئی(۳) تو اضطراب اس حد تک بڑھ گیا کہ آپؐ نے کبھی کبھی یہ چاہا کہ پہاڑ کی کسی چوٹی سے گر کر جان دیدیں۔ لیکن اس وقت جبرئیلؑ کی آواز آئی کہ "اے محمدؐ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرئیلؑ ہوں" اس سے آپؐ کو تسکین ملتی(۴) ایک بار ایسے موقع پر آپؐ نے نظر اٹھائی تو جبرئیلؑ کو دیکھا کہ فضا میں معلق ایک کرسی پر بیٹھے ہیں اور سارا افق ان سے معمور ہے۔ ہیبت زدہ ہو کر جلد گھر آئے اور حضرت خدیجہؓ سے فرمایا 'مجھے کچھ اڑھادو مجھے کچھ اڑھادو' آپؐ اوڑھ کر لیٹ گئے تو یہ آیات نازل ہوئیں :(۵)

"(اے محمدؐ) جو کپڑے لپیٹے پڑے ہو۔ اٹھو اور ہدایت کرو۔ اور اپنے پروردگار کی بڑائی کرو۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔ اور ناپاکی سے دور رہو اور اس نیت سے احسان نہ کرو کہ اس سے زیادہ کے طالب ہو۔ اور اپنے پروردگار کے لئے صبر کرو" (المدثر ۱ تا ۷)

وحی کا سلسلہ پھر سے شروع ہوگیا تھا۔ سب سے پہلے "قم فانذر" کہہ کر رسالت کے نہایت اہم فرض کی نشاندہی کی گئی جس کی بنا پر آئندہ آپؐ کو بار بار "نذیر" کے لقب سے یاد فرمایا گیا اور یہ بھی سمجھا دیا کہ فرض رسالت کی ادائیگی میں صبر درکار ہوگا۔ پہلی مکمل سورۃ جو نازل ہوئی وہ سورۃ فاتحہ تھی۔ اسے پانچویں وحی بتایا گیا۔ اسی سے قرآن شریف کو شروع کیا گیا۔ اس سے بہتر اور جامع دعا کا تصور نہیں کیا جاسکتا (٦) انہی دنوں رسول اللہ ﷺ کو اسلام کے پہلے فرض نماز کی تعلیم دی گئی۔ آپؐ مکہ کی پہاڑیوں میں تھے کہ جبرئیلؑ آئے۔ ایک چشمہ جاری کیا اور اس سے وضو کیا۔ اسی طرح آپؐ نے بھی وضو کیا۔ پھر جبرئیلؑ نے نماز پڑھی اور آپؐ بھی ان کے ساتھ شریک ہوئے۔ گھر تشریف لائے تو حضرت خدیجہؓ کو بھی وضو اور نماز کا

طریقہ بتایا(۷) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ پہلے صرف دو رکعت نماز فرض ہوئی۔ بعد میں مزید رکعات کے بھی احکام آئے لیکن سفر میں دو رکعات رہیں(۸) شروع میں صرف دو نمازیں فرض تھیں۔ دو رکعات نماز فجر اور دو رکعات بعد زوال ۔ پانچ نمازیں معراج کے موقع پر فرض کی گئیں(۹) یہ معراج النبی کا ایک تحفہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو عطا فرمایا کہ وہ دن میں بار بار اپنے رب سے ملاقات کا شرف حاصل کر سکیں آداب عبادت میں وہ تمام صفات مجتمع فرمادیں کہ بندہ یہ محسوس کرے کہ وہ اپنے رب کو دیکھ رہا ہے اور اسکا رب اسے ۔

☆ ☆

(۱) سید قطب شہید 'تفسیر فی ظلال القران' جلد دہم صفحہ ۲۰۳

(۲) اکثر اہل علم نے ترتیب نزول کے اعتبار سے ان آیات کو سورۃ العلق کے بعد دوسرے نمبر پر رکھا ہے لیکن مولانا مودودی اور سید قطب شہید اس سے متفق نہیں۔ موخر الذکر لکھتے ہیں۔ "اس مضمون کی بہت سی روایات موجود ہیں جو اس سورۃ کا نزول سورۃ علق کے بعد ظاہر کرتی ہیں ۔ مختلف مصاحف کی ترتیب میں بھی یہ بات متفق علیہ ہے کہ اس سورۃ کو دوسرا نمبر دیا گیا مگر سورۃ کا سیاق اسکا موضوع اور اسلوب دوسرے خیال کی ترجیح کا تقاضا کرتے ہیں...... کہ یہ ابتدائی سورتوں میں سے نہیں بلکہ دعوت عام کے حکم کے بعد اسکا نزول ہوا ہے(سید قطب شہید 'تفسیر فی ظلال القران' جلد دہم صفحہ ۲۱۸، ۲۱۹) اکثر سیرت نگاروں نے بعض احادیث کی بنا پر سورۃ مدثر کو دوسری وحی بتایا ہے۔ طبری کے یہاں دونوں روایتیں ہیں (تاریخ طبری جلد اول صفحہ ۷۳، ۷۴)

(۳) وحی کی اس بندش کو فترۃ الوحی کہا گیا ہے ۔ اسکی مدت کے متعلق اختلاف ہے ۱۰ دن سے ڈھائی تین سال تک کی روایات ہیں ۔ بظاہر اتنی طویل مدت درست نہیں معلوم ہوتی۔

(۴) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۲۶۵، ۲۶۶

(۵) مشکوۃ شریف جلد سوم صفحہ ۱۴۸(باب المبعث و بدالوحی)

(۶) سورۃ فاتحہ کی مفصل ترین تفسیر کے لئے ملاحظہ ہو ابوالکلام آزاد 'ترجمان القران' جلد اول صفحہ ۲۵ تا ۲۲۴نیز 'سورۃ الحمد کی تفسیر ربانی' ازمولانا محمد یسین ندوی۔ مطبوعہ نقوش۔ قرآن نمبر جلد اول صفحہ ۴۵۶ تا ۶۱۹

(۷) ابن ہشام 'سیرت النبیؐ' جلد اول ۱۶۲

(۸) ابن اسحاق 'سیرت رسول اللہؐ' مطبوعہ 'نقوش رسول نمبر جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۹

(۹) ابن جوزی، "الوفا باحوال المصطفیٰ" صفحہ ۲۰۴۔

(۲۶) سابقین اولین

امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ سب سے پہلے کون مسلمان ہوا۔ فرمایا کہ "آزاد مردوں میں حضرت ابوبکرؓ، خواتین میں حضرت خدیجہؓ، غلاموں میں حضرت زیدؓ بن حارثہ اور لڑکوں میں حضرت علیؓ" ان چار کے سابقین اولین ہونے میں کوئی شک نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے سب سے پہلے اسلام کا پیغام اپنی شریک حیات کو پہنچایا اور سب سے پہلے وہی مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ حضرت علیؓ نے دوسرے دن دونوں کو مصروف عبادت دیکھاتو اسکے متعلق پوچھا۔ آپؐ نے اسلام کی بابت بتایا کہ بتوں کو چھوڑ کر خدائے واحد کی عبادت ہی اللہ کا اصل دین ہے۔ اور اپنے دس سالہ چچا زاد بھائی کو جو آپؐ کے زیر کفالت تھے دعوت دی کہ وہ بھی اس دین کو قبول کرلیں۔ لیکن حضرت علیؓ کے لئے یہ بالکل نئی چیز تھی چاہا کہ اپنے والد سے بھی مشورہ کرلیں ۔ لیکن رسول اللہ ﷺ اپنی نبوت کی خبر ابھی عام کرنا نہیں چاہتے تھے۔ فرمایاکہ "اسلام قبول کرو یا نہ کرو تمہاری مرضی۔ مگر اسکا ذکر کسی اور سے نہ کرو"۔ حضرت علیؓ اس وقت خاموش ہوگئے۔ لیکن صبح اٹھتے ہی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان لائے۔ حضرت زیدؓ کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی لیکن ظاہر ہے آپؐ کے منہ بولے بیٹے ہونے کی حیثیت سے اسی موقع پر اسلام سے مشرف ہوئے۔ اسطرح سب سے پہلے گھروالوں کی یہ جماعت مسلمان ہوئی۔

قاضی سلمان منصورپوری کا کہنا ہے کہ یہ چاروں (حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓاور حضرت زیدؓبن حارثہ) پہلے ہی دن مسلمان ہوئے(۱) محمد ادریس کاندھلوی نے ورقہ بن نوفل کو حضرت خدیجہؓ کے بعد دوسرا مسلمان تصور کیا ہے چونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا بیان سنتے ہی یقین کیا تھا کہ آپؐ خدا کے آخری رسول ہیں جن کا انتظار تھا(۲) آپؐ کی صاحبزادیاں، حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ ہوشمندی کی عمر کو پہنچ چکی تھیں۔ ان تین

کا شمار بھی ابتدائی مسلمانوں میں ہونا چاہیے(۳) ابن سعد کا قول ہے کہ حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ اپنی والدہ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ہی مسلمان ہوئیں(۴) سورۃ مدثر میں رسالت کا فرض ادا کرنے کا حکم تھا:

"قُمْ فَاَنذِرْ" (اٹھو اور ہدایت کرو)

اسکی تعمیل رسول اکرم ﷺ نے اپنے گھر والوں سے شروع کی ۔

باہر والوں میں سب سے پہلے مسلمان حضرت ابوبکرؓ تھے اصل نام عبداللہ تھا خوبصورتی اور آزادی طبع کی وجہ سے لقب عتیق تھا(۵)۔ان کے والد بنی تیم کے عثمان بن عامر تھے جنکی کنیت ابو قحافہؓ تھی زرقانی شرح مواہب میں کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام کے یہاں تھے کہ ایک کنیز نے بتایا "(حضرت)خدیجہؓ نے آج کہا کہ ان کے شوہر حضرت موسیٰؑ کی طرح نبی ہیں" یہ سنکر حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کے یہاں گئے اور حقیقت معلوم کرنا چاہی جب معلوم ہوا کہ جوکچھ سنا صحیح تھا تو اسی وقت بغیر کسی پس و پیش کے آپؐ پر ایمان لائے حضور اکرمؐ کا یہ ارشاد ہے کہ آپؐ نے جس کو بھی اسلام پیش کیا وہ کچھ نہ کچھ سوچ میں پڑا لیکن حضرت ابوبکرؓ واحد شخص تھے جنہوں نے بغیر کسی تردد کے آپؐ کا پیغام سنتے ہی قبول کرلیا چنانچہ صدیقؓ کے لقب سے سرفراز ہوئے

"چشم احمدؐ بر ابوبکرؓ ے زدہ
وزیکے تصدیق صدیقؓ امدہ"

سر ولیم میور لکھتے ہیں "میں اسپرینگر (Sprenger) کے اس خیال سے اتفاق کرتا ہوں کہ (حضرت) ابوبکرؓ کا ایمان لانا محمد(ﷺ) کے ابتدائی دور اور بے شک ایک حد تک تمام زندگی کے خلوص و دیانت کی سب سی بڑی ضمانت فراہم کرتا ہے"(۶)۔

اسلام کی جو خدمات حضرت ابوبکرؓ نے کیں وہ کسی اور کے حصے میں نہ آئیں یہ اپنے اعلیٰ اخلاق کی بنا پر مکہ میں نہایت معزز اور مقبول تھے۔ بڑے ملنسار تھے۔ کاروبار کی وجہ سے حلقہ احباب بھی وسیع تھا۔ جن ملنے والوں پر اعتماد تھا ان سے اسلام کا ذکر کیا اور ان کی تبلیغ سے شروع شروع میں حضرت عثمانؓ بن عفان(۷) (یہ بنی امیہ میں تھے لیکن اپنی والدہ اروی بنت کریز کی طرف سے عبد المطلب کی اولاد میں شامل تھے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۰، ۴۰ سال کے درمیان تھی)۔ حضرت زبیر بن عوامؓ (رسول اللہ ﷺ کی پھوپی حضرت صفیہؓ کے بیٹے اور حضرت

خدیجہؓ کے بھتیجے۔ ان کی عمر تقریباً ۱۶، ۱۷ سال تھی) عبد الرحمٰن بن عوفؓ (خوش اخلاق اور دولتمند تاجر عمر تقریباً ۳۰ سال) سعد بن ابی وقاصؓ (والد کا اصل نام مالک بن وھیب تھا۔ حضرت آمنہ کے بھتیجے تھے عمر ۱۷ سال تھی) اور طلحہ بن عبید اللہؓ (حضرت ابو بکر کے نوجوان رشتہ دار) مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان کے بعد جلد ہی مسلمان ہونے والوں میں حضرت ابو عبیدہ عامر بن جراح ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد، حضرت عثمان بن مظعونؓ ان کے بیٹے حضرت سائب بن عثمان حضرت عامر بن فہیرہؓ (حضرت ابو بکرؓ کے ازاد کردہ غلام) حضرت ابو حذیفہ بن عتبہؓ، حضرت بلال بن رباحؓ، اورارقم بن ابی ارقمؓ کے نام آتے ہیں۔ خواتین میں حضرت عباسؓ کی زوجہ ام الفضل اسماء بنت ابو بکرؓاور فاطمہ بنت الخطاب (حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ) نے جلد اسلام قبول کرلیا۔

تبلیغ کا یہ سلسلے انفرادی طور سے ایک حد تک خفیہ تھا۔ نئے مسلمان نماز بھی پہاڑیوں میں چھپ کر ادا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت علیؓ نماز میں مصروف تھے اتفاقاً ابوطالب کا گزر ہوا پوچھا بھتیجے یہ کیا دین ہے۔ آپؐ نے اپنی نبوت اور اسلام کی بابت بتایا اور بصد شوق اسلام کی دعوت دی۔ ابوطالب نے اپنا ابائی دین ترک کرنے سے معذرت ظاہر کی مگر اطمینان دلایا کہ مخالفوں سے کوئی گزند نہ پہنچنے دینگے۔ پھر حضرت علیؓ سے پوچھا آیا انہوں نے بھی یہ دین اختیار کرلیا تھا۔ حضرت علیؓ نے اثبات میں جواب دیا تو ابو طالب نے کہا "بے شک یہ تجھ کو بھلائی کی طرف بلاتے ہیں اور تو ان کے ساتھ رہ"(۸)۔ روایت ہے کہ اس طرح ایک بار ابو طالب نے دونوں کو نماز ادا کرتے دیکھا۔ اسوقت ان کے بیٹے جعفرؓ بھی ابو طالب کے ساتھ تھے۔ اپنے بیٹے جعفرؓ سے کہا "بیٹا تم بھی علیؓ کی طرح اپنے چچا زاد بھائی کی قوتِ بازو بن جاؤ" اس طرح حضرت جعفرؓ بن ابو طالب بھی مسلمان ہوگئے(۹)۔ ان کی زوجہ اسماءؓ بنت عمیس بھی ایمان لائیں۔

رسول اللہ ﷺ کے قریبی اعزا میں آپؐ کی پھوپی حضرت امیمہ کے بیٹے عبداللہ بن جحش، عبید اللہ بن جحش اور دوسری پھوپی حضرت برہ کے بیٹے ابو سلمہؓ مسلمان ہوئے۔ ماموں زاد بھائیوں میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص پہلے ہی اسلام لاچکے تھے۔ اب ان کے بھائی حضرت عمیرؓ نے بھی اسلام قبول کیا۔ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ اور حضرت حمزہؓ ابھی مسلمان تو نہ ہوئے لیکن ذاتی محبت کے سبب اپنے بھتیجے کی حمایت پر قائم رہے۔ اسی طرح ابو طالب نے اپنا دین تو نہ چھوڑا لیکن اپنے بیٹوں حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ کے اسلام پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ بلکہ حوصلہ

افزائی کی۔

رسول اللہ ﷺ کی چچی حضرت ام الفضل پہلی خاتون تھیں جو حضرت خدیجہؓ اور ان کی بیٹیوں کے بعد اسلام سے مشرف ہوئیں۔ بعد میں وہ اپنی بہنوں حضرت میمونہؓ، حضرت سلمیٰؓ اور حضرت اسماءؓ کو مسلمان بنانے میں کامیاب ہوئیں۔ حضرت ام ایمنؓ اولیں مسلم خواتین میں سے تھیں۔ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جسے کسی جنتی خاتون سے نکاح کرنا ہو وہ ام ایمنؓ سے نکاح کرے۔ آپؐ کے اس ارشاد پر حضرت زیدؓ بن حارثہ نے چاہا کہ ان سے شادی کرلیں حالانکہ وہ عمر میں ان سے کافی بڑی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ شادی کرادی۔ ان سے حضرت اسامہ پیدا ہوئے جو رسول اللہ ﷺ کو بہت عزیز تھے۔ آپؐ نے ان کی پرورش اپنے پوتے کی طرح کی۔

اسطرح مکہ میں مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت ہوگئی۔ مگر اکثر نے اپنا اسلام ظاہر نہ کیا تھا۔ اور ابھی چھپ چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ تقریباً ڈھائی سال گزرے تھے کہ ایک روز نئے مسلمانوں کی ایک جماعت مکہ کی کسی گھاٹی میں نماز ادا کررہی تھی۔ چند غیر مسلم قریش اتفاقاً ادھر سے گزرے۔ اس جماعت کو دیکھا تو طعنہ زنی کرنے لگے اور کچھ برا بھلا کہا۔ نوبت مارپیٹ تک پہنچی تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اونٹ کے جبڑے کی ایک ہڈی اٹھا کر ایک مشرک عبداللہ بن خطال کے سر پر ماری جس سے وہ لہولہان ہوگیا۔ یہ پہلا کافر خون تھا جو مسلمان کے ہاتھ سے بہا۔ اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ مسلمانوں کا اجتماع کسی مکان میں ہوا کرے۔ حضرت ارقمؓ نے اپنا ایک مکان جو کوہ صفا کے قریب تھا اس مقصد کے لئے پیش کردیا۔ اب مسلمان اسی مکان (دارالارقم) میں جمع ہونے لگے۔ یہ مرکز ۵ نبوی میں قائم ہوا۔ یہیں بہت سے اصحاب نے رسول اللہ ﷺ سے اسلام کی تربیت پائی اور آپؐ پر ایمان لائے۔ ان میں حضرت مصعب بن عمیر، طلیب بن عمیر، ابو فکیہہ (اصل نام یسار) عمار بن یاسر، صہیب بن سنان(۱۰)وغیرہ شامل تھے۔

ویسے تو رسول اللہ ﷺ سارے شہر میں امین و صادق کی حیثیت سے مشہور تھے۔ لیکن یہ سابقین اولین جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے آپؐ سے نہایت قریب تھے۔ آپؐ کی ذات سے بڑی اچھی طرح واقف تھے اور آپ کی شخصیت کا کوئی پہلو ان سے چھپا ہوا نہ تھا۔ سر ولیم میور اپنے مخالف رویہ کے باوجود لکھنے پر مجبور ہیں کہ "یہ امر محمد(ﷺ) کے خلوص و دیانت کی

زبردست توثیق کرتا ہے کہ اولیں مسلمان نہ صرف اعلیٰ و پاکیزہ اخلاق کے حامل تھے بلکہ آپؐ کے ایسے قریبی اعزا اور احباب میں سے تھے جو آپؐ کی ذاتی زندگی سے اچھی طرح واقف ہونے کے باعث اس تضاد سے بے خبر نہ رہ سکتے تھے جو ایک ریاکار کی اندرون خانہ زندگی اور بیرون خانہ طرز عمل میں پایا جاتا ہے"(۱۱)۔اس امر کی تصدیق تقریباً انہی الفاظ میں اسٹینلے لین پول نے بھی کی ہے اور اسے آپؐ کی دیانت کا ناقابل تردید ثبوت بتایا ہے(۱۲)۔

☆ ☆

(۱) سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلد اول صفحہ ۴۹

(۲) محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۱۴۶

(۳) ابو الاعلیٰ مودودی 'سیرۃ سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۱۴۴ (حاشیہ)

(۴) ابن سعد 'طبقات' حصہ ہشتم صفحہ ۵۵، ۵۷

(۵) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۶۵

(۶) سر ولیم میور 'دی لائف آف محمدؐ' (The Life of Mohammad) صفحہ ۵۸

(۷) ایک روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ کے اسلام لانے میں ان کی خالہ سعدیٰ بنت کریز کی کوشش بھی شامل تھی (محمد حمید اللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۹۶)

(۸) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۶۴

(۹) محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۱۵۱ (بحوالہ ابن اثیر)

(۱۰) صہیبؓ رومی کے نام سے مشہور ہوئے۔اصل میں عراق (موصل) کے باشندے تھے وہاں ان کے والد یا چچا حکومت فارس کی طرف سے حاکم تھے۔ چند یونانی ڈاکوؤں نے انہیں اغوا کرلیا۔ رومی علاقے میں غلام بنا کر بیچ دیا چند عرب انہیں خرید کر مکہ لے آئے اور عبداللہ بن جدعان کے ہاتھ فروخت کردیا۔ ابن جدعان نے انہیں آزادی دی۔ ان کے اور یاسر وغیرہ کے متعلق مشرکین مکہ کہتے ہیں کہ نعوذباللہ قرآن کی 'تصنیف' میں رسول اللہ ﷺ کی مدد کرتے ہیں تعجب ہے ان کافروں کہ سمجھ میں اتنا نہ آتا تھا کہ ایسا ہوتا تو یہ خود کیوں آپؐ پر ایمان لاتے اور اسی ایمان کی خاطر اتنے مصائب برداشت کرتے۔

(۱۱) سر ولیم میور 'دی لائف اف محمدؐ' (The Life of Mohammad) صفحہ ۵۵

(۱۲) عبد الحمید صدیقی 'دی لائف اف محمدؐ' (The Life of Mohammad) صفحہ ۶۵ (بحوالہ اسٹینلے لین پول)

(۲۷) وانذر عشیرتک الاقربین

اسلام کی یہ محدود ایک حد تک خفیہ تبلیغ تقریباً تین سال تک جاری رہی اس دوران اچھی خاصی جماعت اسلام سے مشرف ہوئی۔ ابن اسحاق نے پہلے آٹھ مسلمانوں کے علاوہ مزید چالیس ناموں کی فہرست دی ہے(۱)۔ جبکہ ابوالاعلی مودودی نے بڑی تحقیق کے بعد ۱۳۳ افراد کی قبیلہ وارفہرست مرتب کی ہے (۲)۔ اب وہ وقت آگیا تھا کہ نئے دین کی دعوت عام اور علی الاعلان کی جائے۔ اللہ کی سنت یہی ہے کہ اس قسم کے کاموں میں ایک تدریج ہو۔ چنانچہ پہلے صرف اقربا تک پیغام رسانی کا حکم ہوا:

"اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈر سناؤ"(الشعرا ۲۱۴)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو ہدایت کی کہ تمام اعزا کی ضیافت کا انتظام کریں۔ تقریباً ۴۵ اعزا شریک ہوئے۔ ان میں بنی عبدالمطلب اور بنی ہاشم کے علاوہ کچھ بنی مطلب اور بنی عبد مناف کے لوگ بھی تھے۔ طعام کے بعد اس سے قبل کہ رسول اللہ ﷺ کچھ فرمائیں ابولہب (اصلی نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا کنیت ابو عتبہ تھی۔ چہرے کے سرخ و سفید رنگ کی وجہ سے باپ ابو لہب کہنے لگے۔ اسی نام سے مشہور ہوگیا) جو ان میں کافی معمر تھا بولا یہاں تمہارے اعزا موجود ہیں جو چاہو کہو مگر دین سے پھرنے کی بات نہ کرنا۔ تمہاری قوم تمام عرب سے نہیں لڑسکتی۔ تمہیں روکنے کا زیادہ حق تمہارے ہی خاندان کو ہے۔ بہتر ہے کہ تمہارا خاندان ہی تمہیں روکے بجائے اسکے کہ دوسرے خاندان تم پر ٹوٹ پڑیں۔ تم اپنے خاندان پر بری آفت لائے ہو"۔ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے اور مجلس درہم برہم ہوگئی۔

دوسرے دن آپؐ نے پھر اسی طرح سب کو مدعو کیا اور اس سے پہلے کہ کوئی مداخلت کرے آپؐ نے اپنی تقریر شروع کردی فرمایا" اے حاضرین میں تم سب کے لئے دنیا اور

آخرت کی بہبود لے کر آیا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ عرب بھر میں کوئی بھی شخص اس سے بہتر اور افضل کوئی شے لایا ہو۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو اسکی دعوت دوں"(۳)۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے سب کو اسطرح مخاطب کیا "اے اولاد عبدالمطلب، اے عباس، اے صفیہ، اے فاطمہ محمد کی دختر تم لوگ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ کیونکہ میں تمہیں اللہ کی پکڑ سے بچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا"(۴)۔

اس پر ابو طالب نے کہا" میں دین عبد المطلب کو تو نہیں چھوڑ سکتا مگر جسکا تمہیں حکم دیا گیا ہے اسے کرو۔ میں تمہاری حمایت و حفاظت کرونگا "۔ابو لہب بولا "خدا کی قسم یہ بہت بری بات ہے اس کا ہاتھ پکڑو قبل اسکے کے دوسرے اسکو پکڑیں"۔ ابو طالب نے بھی قسم کھائی کہ ہم اس کی حفاظت کرینگے جب تک ہماری جان میں جان ہے"(۵)۔

اللہ کی طرف سے یہ ہدایت بھی ہوئی:

"پس جو حکم تمکو (خدا کی طرف سے) ملا ہے وہ (لوگوں کو) سنادو اور مشرکوں کا (ذرا) خیال نہ کرو" (الحجر ۹۴)

ایک دن علی الصبح رسول اللہ ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر باواز بلند پکارا "یا صباحا یا صباحا" یہ ایک خطرے کی پکار تھی۔ قریش کے مختلف لوگ جمع ہوگئے۔ اور پوچھا کہ کیا بات تھی۔ آپؐ نے فرمایا"اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ ایک لشکر اس پہاڑ کے پیچھے ہے تو کیا تم لوگ میری تصدیق کروگے ؟" لوگوں نے کہا "ہاں ہمیں کبھی آپؐ کی طرف سے جھوٹ کا تجربہ نہیں ہوا"۔ آپؐ نے فرمایا "میں ایک عذاب شدید سے تمہیں ڈرانے والا ہوں۔ اے بنی عبدالمطلب، اے بنی عبد مناف، اے بنی زہرہ (یہاں تک کہ آپؐ نے قریش کی تمام شاخوں کو گن ڈالا) اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں رشتہ داروں کی ڈراؤں، اور میں نہ تو تمہاری کسی دنیوی منفعت پر قادر ہوں اور نہ آخرت کے کسی حصے پر۔ سوائے اسکے کہ تم کہو "لا الٰہ الا اللہ"۔ اس پر ابو لہب بول اٹھا "دن بھر تمہاری بربادی ہو ۔ کیا اس لئے ہمیں جمع کیا تھا"(۶)۔

☆ ☆

(۱) ابن اسحاق 'سیرت رسول اللہؐ' مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۷، ۱۴۸

(۲) ابو الا علی مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلددوم صفحہ ۱۵۵تا۱۶۱

(۳) سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلد اول صفحہ ۵۲

(۴) ابوالا علی مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلددوم صفحہ ۴۹۵ (رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کا نام بھی لیا حالانکہ وہ صرف دو ڈھائی سال کی تھیں۔ مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ دین میں نبیؐ کے خاندان کے لئے کوئی امتیازی مراعات نہیں)۔طبری نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا" تم میں سے کون اس معاملے میں میرابوجھ اٹھانے کے لئے آمادہ ہوتا ہے تاکہ وہ میرا بھائی بنے، میرا وصی ہو اور تم میں میرا جانشین ہو"۔ اس دعوت میں سب ساکت و صامت رہے۔ کسی نے حامی نہیں لی البتہ میں نے کہا حالانکہ میں اس جماعت میں سب سے کم عمر تھا سب سے زیادہ چھوٹی آنکھیں تھیں۔ پیٹ بڑا اور پنڈلیاں پتلی پتلی تھیں "اے اللہ کے نبیؐ میں تمہارا وزیر بنتا ہوں"۔ رسول اللہ ﷺ نے میری گردن تھام کر کہا کہ "یہ میرا بھائی ہے میرا وصی ہے اور تم میں میرا خلیفہ ہے۔ تم اس کی بات کو سنو اور جو کہے اسے بجالاؤ" اس پر ساری جماعت ہنسنے لگی اور انہوں نے ابو طالب سے کہا "سنو تم کو حکم ہوا ہے کہ تم اپنے لڑکے کی اطاعت و فرمانبرداری کرو" (طبری 'تاریخ طبری' جلد اول صفحہ ۸۹) ۔ ابن جوزی(الوفا باحوال المصطفیٰ صفحہ ۱۲۹)شبلی نعمانی (سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ ۱۳۰) اور محمد حسین ہیکل (حیات محمدؐ صفحہ ۱۶۱)نے یہ روایت مختلف الفاظ میں بیان کی ہے۔ لیکن بعض دوسرے سیرت نگاروں نے اسے غلط بتایا ہے۔ خودسید سلمان ندوی کا اس روایت پر نوٹ ہے "طبری نے عبدالغفار بن قاسم اور منہال بن عمرو کے واسطہ سے اسکو روایت کیا ہے۔ پہلا شیعی اور متروک ہے۔ دوسرا مذہب بد۔ اس روایت میں اور بھی وجوہ ضعف بلکہ وضع ہیں" (شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۳۰) ابن ہشام اور ابن سعد کے یہاں ایسی کوئی روایت نہیں ۔ ابن سعد نے صرف اسقدر حضرت عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب ایت "وانذر عشیر تک الاقربین" نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے کوہ صفا پر جاکر اہل قریش کو مخاطب کیا جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ (ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۲۶۸) ابن کثیر نے بھی 'البدایہ و النہایہ' میں اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے (ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۹۰، ۲۹۱)

(۵) یہ بلاذری اور ابن کثیر کی روایت ہے (ابوالا علی مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۴۹۵)

(۶) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۲۶۸۔ اسی پر سورۃ 'اللھب' نازل ہوئی :تبت یدا ابی لھب و تب ... الخ(ہاتھ ٹوٹیں ابولہب کے اور وہ ہلاک ہو)

(۲۸) قریش اور اشاعت اسلام

قرآن مجید کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر زمان و مکان کی لئے ہدایت کے ساتھ ہی اسلامی تحریک کے سفر میں مقامی اور وقتی حالات کے پیش نظر قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اعلانیہ پیغام رسانی پر ابو لہب اور دوسرے مشرکین کا جو رد عمل ہوا اس پر سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو صبر کی تلقین کی گئی:

"اور جو جو (دل ازار) باتیں یہ لوگ کہتے ہیں انکو سہتے رہو اور اچھے طریق سے ان سے کنارہ کش رہو" (المزمل ۱۰)

صبر کے مفہوم میں ثابت قدمی اور استقامت شامل ہیں۔ آپؐ نے اپنی تبلیغ برابر جاری رکھی کبھی ایسے حالات سامنے آئے کہ آپؐ کے مایوس ہونے کا امکان ہو اتو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمت افزائی فرمائی گئی:

"ہاں (ہاں) مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔ بے شک مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے" (الم نشرح ۶،۵)

تسلی دی گئی۔ تبلیغ کے طریقے بتائے گئے اور یہ بھی بتایا گیا کہ اگر غریب طالب حق ہے تو اسکا درجہ رئیسوں سے بڑھکر ہے۔ نئے مسلمان اکثر غریب طبقے سے تھے ان کی قدر افزائی لازم تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی بڑی خواہش تھی کہ قریش کے بڑے سردار کسی طرح مسلمان ہوجائیں

تو اسلام کو بڑی تقویت پہنچے۔ ایک مرتبہ آپؐ چند قریشی سرداروں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ ان میں ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، ابو جہل وغیرہ شامل تھے۔ اتفاقاً اسی وقت عبداللہ ابن ام مکتومؓ (ان کا نام عمرو بن ام مکتومؓ بھی بتایا گیا ہے۔ ان کا والد قیس بن زائدہ تھا۔ والدہ عاتکہ ام مکتوم تھیں ۔ حضرت خدیجہؓ کے ماموں زاد بھائی تھے) ایک نابینا مسلمان آگئے اور آپؐ سے اسلام کے متعلق کچھ دریافت کرنے لگے (نابینا ہونے کہ وجہ سے آپؐ کی مصروفیت کا اندازہ نہ کرسکتے تھے) آپؐ کو اس وقت یہ مداخلت ناگوار گذری اور ناگواری کے آثار چہرے سے ظاہر ہونے تو سورۃ عبس نازل ہوئی :

"(محمد مصطفیٰؐ) ترش رو ہوئے اور منہ پھیر بیٹھے کہ انکے پاس ایک نابینا آیا۔ اور تم کو کیا خبر شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا۔ یا سوچتا تو سمجھانا اسے فائدہ دیتا۔ جو پرواہ نہیں کرتا۔ اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو۔ حالانکہ اگر وہ نہ سنورے تو تم پر کوئی الزام نہیں۔ اور جو تمہارے پاس ڈرتا ہوا آیا۔ اور خدا سے ڈرتا ہے ۔ اس سے تم بے رخی کرتے ہو"
(عبس ۱ تا ۱۰)

(آپؐ دل میں بڑے نادم ہوئے اور اسکے بعد ابن ام مکتوم کو ہمیشہ بڑی شفقت اور عزت سے نوازا)

ایک بار وحی میں کچھ توقف ہوا (یہ دوسرا فترۃ الوحی تھا۔ مختلف روایات کے مطابق ۱۲، ۱۵، ۲۵ تا ۴۰ روز تک رہا) (۱) آپؐ پریشان ہوئے تو آپؐ کے ساتھ ساتھ حضرت خدیجہؓ کو بھی تشویش ہوئی۔ کہنے لگیں کہ "آپؐ کے صاحب (جبرئیلؑ) آپؐ کے پاس آنے میں دیر کرتے ہیں" اس پر سورۃ الضحیٰ نازل ہوئی :(۲)

"آفتاب کی روشنی کی قسم۔ اور رات (کی تاریکی) کی جب چھا جائے۔
(اے محمدؐ) تمہارے پروردگار نے نہ تو تم کو چھوڑا ہے اور نہ (تم سے)

ناراض ہوا ہے۔ اور آخرت تمہارے لئے پہلی (حالت یعنی دنیا) سے کہیں بہتر ہے۔ اور عنقریب تمہیں پروردگار وہ کچھ عطا فرمائے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے (الضحیٰ ۱ تا ۵)

ابولہب کی زوجہ کے متعلق بھی روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ کچھ بیمار ہوگئے اور دو تین رات تہجد کے لئے اٹھ نہ سکے تو آپؐ کے پاس آئی (دونوں کے گھر قریب قریب تھے) اور کہا " میرا خیال ہے تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے۔ دو تین راتوں سے میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ تمہارے پاس نہیں آیا" اس پر اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا ایات نازل فرمائیں(۳)۔

اس ابتدائی دور میں زور بنیادی عقائد پر دیا گیا۔ توحید و رسالت کی تعلیم کے بعد قیامت بعث بعدالموت اور انصاف کے دن پر ایمان ضروری تھا۔ کہ بغیر اس عقیدے کے اکثر ذہنوں کو برائی سے بچنے کی توفیق نہیں ہوتی اور اس لئے ایک نذیرالمبین کی ضرورت تھی۔ چھوٹی چھوٹی سورتوں میں بڑے پر زور الفاظ میں قیامت کہ ہولناکیاں، انصاف کے دن (یوم الدین) کے احوال ، جہنم کے عذاب اور جنت کی خوبیاں یہ سب کچھ بار بار بیان کیا گیا کہ ذہن نشین ہوجائے ۔اہل عرب کے نزدیک موت کے بعد دوسری زندگی غیر ممکن تھی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

"اور کہتے ہیں کہ ہماری جو دنیا کی زندگی ہے بس یہی (زندگی) ہے اور ہم (مرنے کے بعد) پھر زندہ نہیں کئے جائینگے"۔ (الانعام ۲۹)

لیکن اللہ تعالیٰ کا جواب تھا:

"اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے کھیلتے ہوئے نہیں بنایا ۔ ان کو ہم نے تدبیر سے پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کچھ شک نہیں کہ فیصلے کا دن ان سب (کے اٹھنے) کا وقت ہے"

(دخان ۳۸، ۴۰)

ایک مشرک ابی بن خلف نے ایک دن ایک بوسیدہ ہڈی ہاتھ میں لی۔ اسے چورا چورا کیا اور رسول اللہ ﷺ کے چہرے کی طرف ہوا میں پھونک مار کر اڑادیا پھر آپؐ سے پوچھنے لگا" کیا یہ پھر زندہ ہوگی؟" آپؐ نے فرمایا" بے شک اللہ تعالیٰ اسکو زندہ کریگا اور اسی طرح نیست و نابود کر کے تجھکو بھی۔ پھر دوزخ میں داخل کریگا" اسی کے متعلق فرمایا گیا:

"اور ہمارے بارے میں مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا۔ کہنے لگا (جب) ہڈیاں بوسیدہ ہوجائینگی تو ان کو کون زندہ کریگا۔ کہہ دو کہ ان کو وہی زندہ کریگا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اور وہ سب قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے" (یٰس ۷۸،۷۹)

اللہ کا پیام اور محمد ﷺ جیسا پیامبر! پیام کے مضامین وہ کہ ذہن کانپ اٹھے زور بیان ایسا کہ دل دہل جائیں۔ سزاو عذاب کا ذکر ہوتو رونگٹے کھڑے ہوں ۔ جزاو ثواب کی بات آئے تو مشام جاں معطر، سننے والے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ خصوصاً وہ لوگ جن کی ذاتی اغراض پر اسلام کی ضرب نہ پڑتی تھی۔ اور ایسے لوگوں میں اسلام پھیلنے لگا۔ ویسے تو سب سوچتے ہونگے کہ نہ تو ایسا صادق و امین جھوٹ بول سکتا تھا اور نہ ایسا ذکی و فہیم کس خود فریبی کا شکار ہوسکتا تھا۔ لیکن جن کی سرداری اور امارت کی چمک اسلام کی تابناکی سے ماند ہورہی تھی وہ اپنی ذاتی غرض کی خاطر اپنے ساتھ اپنے لواحقین اور دوسرے عوام کو بھی اس روشنی سے محروم رکھنا چاہتے تھے۔

شروع میں رؤسائے قریش نے اس نئی تحریک کو زیادہ قابل اعتنا نہ سمجھا۔ لیکن جلد ہی اس میں وہ آثار نظر آنے لگے جن سے ان کی سیادت کے مجروح ہونے کا قطعی امکان تھا چند رؤسا کا ایک وفد جس میں عمرو بن ہشام(۳) (ابو جہل)(۴) ولید بن مغیرہ(۵)، عاص بن وائل ابوالبختری عاص بن ہاشم، اسود بن مطلب، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب اور حجاج بن عامر کے بیٹے نبیہ اور منبہ وغیرہ شامل تھے ابوطالب کے پاس آیا اور رسول اللہ ﷺ کی شکایت کی " ہمارے اجداد کو جاہل اور ہمارے بتوں کو برا کہتے ہیں۔ یا تو آپؐ انہیں روکئے یا پھر اجازت دیجئے کہ ہم ان سے خودنمٹ لیں"۔ ابو طالب نے نہایت نرمی سے ان لوگوں کو سمجھا

بجھا کر واپس کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اسکا علم تو ہوا لیکن نہ ابو طالب نے فی الحال آپؐ پر کوئی زور ڈالا نہ آپؐ نے کوئی پرواہ کی اور اپنا کام بدستور جاری رکھا۔

آپ کا طریقہ تھا کہ مکہ شہر کے علاوہ قرب و جوار میں جہاں بڑے بڑے میلے لگتے اور اجتماع ہوتا اسلام کی تبلیغ فرماتے۔ عکاظ، مجنہ اور ذی المجاز کے میلے مشہور تھے جہاں مختلف قبائل کے لوگ جمع ہوتے۔ آپ ہر قبیلے کو توحید کا پیغام پہنچاتے۔ اکثر ناکامی ہوتی پھر بھی مکہ کے بہت سے نوجوانوں اور غریب طبقے کے لوگوں نے آپ کی پکار پر لبیک کہا۔ بعض کا اسلام ظاہر تھا بعض کا پوشیدہ۔رفتہ رفتہ ایسا ہوا کہ قریش کے اکثر کنبوں میں کوئی نہ کوئی اسلام کا نمائندہ داخل ہوگیا اور خاندان کے اندر ہی اندر اختلاف پیدا ہونے لگے۔

ابولہب اسلام کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا۔ اسکی زوجہ ام جمیل بھی رسول اللہ ﷺ سے سخت برہم تھی۔ اسکے دو بیٹے عتبہ اور عتیبہ حضور اکرم ﷺ کی صاجزادیوں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثوم سے منسوب تھے (نکاح ہوگیا تھا مگر رخصتی نہ ہوئی تھی)ابو لہب نے دونوں کو طلاق دلوادی(٦)۔ لیکن اسی ابو لہب کی ہمشیرہ حضرت اروئیؓ (رسول اللہ ﷺ کی پھوپی) اپنے نوجوان فرزند طلیب کے کہنے پر مسلمان ہوگئیں (جبکہ ان کی دو بہنیں ابھی مسلمان نہ ہوئی تھیں) یہ اکثر اپنے بھائی ابو لہب کو سختی سے ملامت کرتی رہتی تھیں۔

حضرت خدیجہؓ کے عزیزوں میں ان کا سوتیلا بھائی نوفل رسول اللہ ﷺ کا مخالف تھا۔ لیکن اسکے فرزند اسود مسلمان ہوگئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ کو اس کا بڑا افسوس تھا کہ ان کے عزیز بھتیجے ابوالعاص جو ان کے داماد بھی تھے ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ حالانکہ ان کی زوجہ حضرت زینبؓ (رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑی صاجزادی) اسلام قبول کرچکی تھیں۔ روسائے قریش کی انتہائی کوشش اور ترغیب کے باوجود ابوالعاص حضرت زینب کو طلاق دینے پر راضی نہ ہوئے۔ دونوں میں بڑی محبت تھی۔ حضرت زینب ہمیشہ دعا کرتی تھیں کہ ان کے شوہر مسلمان ہوجائیں یہ دعا ہجرت کے کچھ عرصے بعد قبول ہوئی (تفصیل آگے آئیگی)۔ حضرت خدیجہؓ کے دوسرے بھتیجے حکیم بن حزام نے ابھی اپنا پرانا عقیدہ نہ چھوڑا لیکن ان کے سگے بھائی خالد بن حزام اسلام لے آئے۔

حضرت ابو بکرؓ کی زوجہ حضرت ام رومانؓ اور ان کے ایک بیٹے عبداللہ اور دختر اسماء مسلمان ہوگئے۔ دوسری دختر حضرت عائشہ پیدائشی مسلمان تھیں حضرت ابو بکرؓ کی ترغیب سے

بہت سے دوسرے لوگ مسلمان ہوئے لیکن خود انؓ کا ایک بیٹا عبدالکعبہ خلاف امید اسلام سے محروم رہا ابھی انؓ کے والد ابو قحافہ بھی مسلمان نہ ہوئے تھے (یہ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے)

رسول اللہ علیہ کے دو پھوپی زاد بھائی عبداللہ مخزومی اور زہیر مخزومی (دونوں حضرت عاتکہؓ کے بیٹے تھے جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئی تھیں) مسلمان نہ ہوئے۔ مگر ان کی ۱۹ سال نہایت خوبصورت سوتیلی بہن ہند کی شادی بنی مخزوم کی دوسری شاخ کے ایک فرد ابو سلمہ (عبداللہ بن عبد الاسد سے ہوئی تھی)۔ یہ مسلمان ہوئے تو بنی مخزوم کو بڑی مایوسی ہوئی خصوصاً جب یہ دیکھا کہ ہند (جو ام سلمہ کہلاتی تھیں) بجائے شوہر کو چھوڑنے کے خود مسلمان ہوگئیں یہ دونوں میاں بیوی ابو جہل کے قریبی رشتہ دار تھے۔

بنی عامر کا سردار سہیل بن عمرو قریش میں بڑی قدر و منزلت رکھتا تھا اسکی ایک دختر ام کلثوم کی شادی ابوسبرہ بن ابو رُھم سے ہوئی تھی جو رسول اللہ علیہ کی پھوپی حضرت برۃؓ کے بیٹے تھے (حضرت برہؓ بعد میں ابوسبرہ کی ترغیب ہی پر مسلمان ہوئیں) یہ مسلمان ہوئے تو ان کی زوجہ ام کلثومؓ بھی مسلمان ہوگئیں ۔ سہیل کی دوسری دختر سہلہ کی شادی بنی عبد شمس کے سردار عُتبہ کے بیٹے ابو حُذیفہ سے ہوئی تھی۔ یہ بھی مع اپنی زوجہ کے اسلام لے آئے۔ اسطرح سہیل کو دہرے صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ اسکے بھائی حاطبؓ بن عمرو ،سلیط بن عمرو اور سکران بن عمرو بھی مسلمان ہوگئے تھے سہیل کو سب سے بڑی مایوسی اس وقت ہوئی جب اسکے فرزند عبداللہ دائرہ اسلام میں آگئے۔ عبداللہ کو اپنے والد کی فراست و دانائی سے امید تھی کہ ایک دن وہ بھی اسلام قبول کرلینگے لیکن اسلام سے سہیل کی مخالفت نہ صرف اپنی جگہ قائم رہی بلکہ اولاد کی نافرمانی کی وجہ سے اور بھی سخت ہوگئی۔

عتبہ اور سعید اپنے بیٹوں ابوحذیفہ اور خالدؓ کے مسلمان ہونے سے بڑے ناخوش تھے ۔ عتبہ نے تو اپنے بیٹے پر زیادہ سختی نہ کی اور ابوحذیفہ بھی اس امید پر اپنے والد کے ساتھ ساتھ ہی رہے کہ وہ شاید کبھی ایمان لے آئے۔ لیکن خالدؓ کے باپ سعید نے ان پر بڑا ظلم توڑا مارا پیٹا بھوکا پیاسا قید میں رکھا۔ مگر خالدؓ کو موت قبول تھی مگر ترک اسلام منظور نہ تھا آخر وہ کسی نہ کسی طرح باپ کی قید سے نکل گئے۔ باپ نے بھی انھیں عاق کر کے ان کا پیچھا چھوڑ دیا۔

بنی امیہ کے سردار ابو سفیان بن حرب کو بھی اپنی دختر ام حبیبہؓ سے جدا ہونا پڑا ۔ ان کی شادی عبد اللہ بن جحش (۷) کے چھوٹے بھائی عبیداللہ بن جحش سے ہوئی تھی یہ دونوں بھائی

بھی حلقہ اسلام میں آگئے اور ان کے ساتھ ساتھ حضرت ام حبیبہؓ بھی۔

اس قسم کے حالات گھر گھر رونما ہو رہے تھے۔ اب قریش کی تشویش بہت بڑھ گئی۔ اسلام سے ان کی مخالفت نے بھی شدت اختیار کرلی۔ بڑے بڑے سردار سب مخالف تھے چونکہ انکی قیادت اور وقار اب واقعی بڑے خطرے میں تھے۔ ابن سعد نے ایسے بیس سرداروں کی فہرست مرتب کی ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے بدترین دشمن عمرو بن ہشام (ابو جہل جسکی کنیت ابوالحکم تھی) ابولہب بن عبدالمطلب، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، عاص بن وائل، نضر بن حارث عُقبہ بن ابی معیط وغیرہ شامل تھے۔ کچھ ایسے مخالفین تھے جو دشمن تو تھے مگر ان کی دشمنی کمینگی کی حد تک نہ پہنچی تھی۔ ابو سفیان بن حرب، عتبہ بن ربیعہ اور اسکے سگے بھائی شیبہ بن ربیعہ کا شمار ایسوں ہی میں تھا(۸)۔

اب یہ لوگ ایک دوسرے وفد کی شکل میں ابوطالب کے پاس آئے اور کچھ اسطرح مخاطب ہوئے " اے ابو طالب۔ آپ ایک بزرگ اور ذی عزت ہستی ہیں ۔ ہم نے آپ سے گزارش کی تھی کہ اپنے بھتیجے کو ہمارے بزرگوں اور بتوں کی برائی سے روکیں۔ لیکن آپ نے کچھ نہ کیا۔ اب ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ آپ ان کو روکیں ورنہ سمجھ لیں کہ ہم دونوں فریقوں میں سے ایک ہلاک ہوگا"۔ایک روایت کے مطابق اتنا کہہ کر یہ وفد واپس ہوگیا(۹)۔ دوسری روایت ہے (۱۰)کہ وفد کی موجودگی میں ابوطالب نے اپنے بیٹے عقیل کو بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ کو بلالائیں ۔ عقیل سخت دھوپ میں آپؐ کو بلا کر لائے ۔ ابو طالب نے آپؐ سے کہا کہ "یہ اصحاب تمہاری شکایت لے کر آئے ہیں۔ بہتر ہے کہ تم ان کو اذیت دینا بند کردو"۔ حضور اکرم ﷺ نے قریش کے سرداروں کو مخاطب کر کے فرمایا "آپ لوگ یہ آفتاب دیکھ رہے ہیں۔ جسطرح یہ آفتاب اپنی تمازت کو آپ تک پہنچانے سے نہیں روک سکتا اسی طرح میں اپنا فرض ترک کر دینے پر قادر نہیں "۔ یہ فرما کر آپؐ چلے گئے۔ ابوطالب نے وفد سے کہا کہ میرے بھتیجے نے کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں کہی " وفد رخصت ہوگیا۔

ابن ہشام کا کہنا ہے کہ وفد کے رخصت ہونے کے بعد ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کو بلوایا اور سمجھانے کی کوشش کی کہ "قوم ہماری مخالفت پر کمربستہ ہوگئی ہے۔ مناسب ہے کہ اپنی اور میری جان کو ہلاکت کی دعوت نہ دو اور مجھ پر وہ بوجھ نہ ڈالو جو اٹھا نہ سکوں"۔ آپؐ یہ سنکر بہت ملول ہوئے۔ سمجھے کہ چچا آپؐ کی حمایت سے قاصر ہیں اور آبدیدہ ہو کر یہ عدیم

المثال جواب دیا جو ہر کتاب سیرت میں محفوظ ہے "اے چچا جان۔ اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب لاکر رکھ دیں تب بھی میں اپنا کام نہیں چھوڑ سکتا۔ یہاں تک کہ اللہ اسکو پورا کردے یا میں اپنی جان دے دوں"۔

اس جواب میں جس خلوص و استقامت کا اظہار تھا اسکے متعلق ایک انیسویں صدی کا انگریز مورخ کہتا ہے کہ "یہ الفاظ نہ تو کسی فریب کار کی زبان سے نکل سکتے ہیں نہ کوئی ریاکار ایسا رویہ اختیار کرسکتا ہے"(۱۱)۔ ابو طالب بھی متاثر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ جانے لگے تو آپؐ کو اپنے پاس بلایا اور کہا "بے شک اپنا کام جاری رکھو۔ جو چاہتے ہو کرو۔ واللہ میں تمہیں دشمنوں کے حوالے نہ کرونگا"۔

☆ ☆

(۱) ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرۃ سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۵۵۲

(۲) صحیح بخاری ۔ جلد دوم صفحہ ۱۰۹۹ (کتاب التفسیر باب سورۃ الضحیٰ)

(۳) ایضاً

(۴) ابوجہل اپنی قابلیت کی وجہ سے 'ابوالحکم' کہلاتا تھا۔ اور تیس سال کی عمر میں دارالندوہ کا رکن ہوگیا تھا جب کہ عام طور سے ۴۰ سال کی عمر اس رکنیت کے لئے لازم تھی۔

(۵) ولید ریحانۃ قریش (قریش کا پھول) کہلاتا تھا ۔ رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ فرمایا تو قریش نے کہا "ولید اسکا زیادہ مستحق ہے"۔

(۶) ابولہب کو بڑی مایوسی ہوئی جب حضرت رقیہ کی شادی حضرت عثمان سے ہوگئی جو حسن و جمال اور دولت و ثروت دونوں سے بہرہ مند تھے۔ حضرت رقیہ بھی حسن میں یکتا تھیں ۔ عبدالرحمن ابن عبداللہ سہیلی نے روض الانف میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت رقیہؓ اور حضرت عثمانؓ مکے سے باہر گئے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے کسی ضرورت سے ایک قاصد ان کے پاس بھیجا جو خلاف توقع دیر سے لوٹا ۔ وہ اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ آپؐ نے فرمایا "میں جانتا ہوں تمہیں دیر اسلئے ہوئی کہ تم رقیہؓ اور عثمانؓ کے حسین نظارے میں منہمک ہوگئے" (مارٹن لنگز 'محمدؐ' (Muhammad) صفحہ ۷۰)

(۷) عبیداللہ بعد میں مرتد ہوکر حبشہ میں مرگیا۔ حضرت ام حبیبہؓ مسلمان رہیں اور بعد میں رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کے شرف سے مشرف ہوئیں۔

(۸) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۲۶۹، ۲۷۰

(۹) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۷۱

(۱۰) ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرۃ سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۵۲۲

(۱۱) بوسورتھ اسمتھ 'محمد اینڈ محمد نزم' (Mohammad and Mohammedanism) صفحہ ۱۰۱

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ﴾
(سورۃ الصف آیت ٦)

□ بہ خط سامی آفندی قرآنی آیت

(۲۹) رعب رسالت

قریش کے بڑے بڑے سردار رسول اللہ ﷺ کے مخالف تھے۔ لیکن قبائلی معاشرے میں یہ مشکل تھا کہ دوسرے قبیلے کے لوگ بنی ہاشم کے کسی فرد پر ہاتھ اٹھائیں۔ خصوصاً جبکہ آپ کو ابو طالب کی حمایت و حفاظت حاصل تھی بنی ہاشم کا شمار طاقتور قبائل میں تھا اور ان کے عم زاد بنو مطلب سے ان کا دفاعی معاہدہ تھا۔ بنو خزاعہ سے بھی اتحاد تھا۔ اسکے علاوہ آپؐ کی ذاتی شرافت و وجاہت کی بنا پر اہل قریش آپؐ کے بڑے قدردان رہ چکے تھے۔ اور اب تک آپؐ کی ذات سے متاثر تھے۔ اسی لئے آپؐ بڑی حد تک ان کی شرارت سے محفوظ رہے۔ آپؐ کے بچپن ہی سے کچھ ایسی باتیں مشاہدے میں آئی تھیں کہ لوگ آپ کی غیر معمولی شخصیت کے قائل تھے۔ پھر آپؐ کی صداقت اور بے داغ کردار اور حسنِ سلوک سے بھی واقف تھے اور ایک حد تک آپؐ کے احترام کے لیئے مجبور تھے۔

ابو جہل جیسا دشمن بھی آپؐ سے کافی مرعوب تھا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ قبیلہ اراش کے ایک شخص نے مکہ آکر چند اونٹ ابو جہل کو فروخت کئے۔ ابو جہل نے طے شدہ قیمت ادا کرنے میں حیل و حجت کی۔ اراشی تاجر نے حرم میں جاکر قریش کے سرداروں سے فریاد کی۔ رسول اللہ ﷺ بھی کچھ دور ایک طرف بیٹھے تھے۔ قریش کے ایک سردار نے شرارتاً اراشی کو آپؐ کی طرف اشارہ کر کے مشورہ دیا کہ "ان حضرت سے کہو وہ تمہاری مدد کرینگے"۔ غریب اراشی نے ایسا ہی کیا آپؐ نے اسکی شکایت سنکر اسے اپنے ساتھ لیا اور ابو جہل کے گھر جاکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ابو جہل نے اندر سے پوچھا "کون ہے"۔ آپ نے بتایا "محمد (ﷺ)" ابو جہل حیران ہو کر باہر آیا۔ آپؐ نے مطالبہ کیا کہ "اس شخص کے اونٹوں کی قیمت ادا کرو"۔ ابو جہل پر ایسا رعب طاری ہوا کہ بے چوں و چرا آپؐ کے ارشاد کی تعمیل کی۔

ارباب سیر نے ابو جہل کے چند اور واقعات بھی نقل کئے ہیں ۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک بار ابو جہل نے رسول اللہ ﷺ سے خود کہا کہ "ہم تمہیں جھوٹا نہیں کہتے مگر جو چیز تم پیش کر رہے ہو اسے ماننے کے لئے تیار نہیں" بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دل میں آپؐ کی نبوت کا قائل تھا مگر قبائلی بغض کے باعث اسلام قبول کرنے سے قاصر رہا۔ ایک دن ایک شخص نے ابو جہل کو دیکھا کہ آپؐ سے مصافحہ کررہا ہے۔ شکایتاً اس سے کہا "یہ کیا بات ہے تم اس صابی (مراد رسول اللہ ﷺ) سے ہاتھ ملارہے تھے"۔ ابو جہل نے علیحدگی میں اسے بتایا "خدا میں جانتا ہوں کہ واقعی یہ نبی ہیں مگر ہم کب سے نبی عبد مناف کے تابع ہوئے"(۱) ۔

ابن اسحاق نے یہ دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے ایک شب ابو جہل ، ابوسفیان بن حرب اور اخنس بن شریق الگ الگ نکلے کہ رسول اللہ ﷺ کو نماز میں قرآن مجید پڑھتے ہوئے سنیں۔ صبح ہوئی تو تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا نادم ہوئے اور عہد کیا کہ آئندہ ایسا نہ کرینگے ورنہ دوسرے لوگ نہ معلوم کیا سمجھ بیٹھیں۔ دوسری تیسری رات پھر ایسا ہوا ۔ چنانچہ تیسرے دن اخنس ابو سفیان کے پاس گیا اور پوچھا "سچ سچ بتاؤ" جو کچھ تم نے محمد(ﷺ) سے سنا اسکے متعلق تمہاری کیا رائے ہے "۔ ابو سفیان نے بتایا کہ کچھ باتیں تو اسکی سمجھ میں آئیں اور کچھ نہ آئیں۔ پھر اخنس ابوجہل کے پاس گیا اور یہی سوال کیا تو ابو جہل نے دل کی بات اسطرح کہی کہ "نبی عبد مناف ہمیشہ ہم سے شرف و عزت کے لئے جھگڑتے رہے ہیں وہ حاجیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم بھی کھلاتے ہیں۔ وہ مفلس مسافروں کو خرچ دیتے ہیں ہم بھی دیتے ہیں ۔ وہ مساکین کی خدمت کرتے ہیں ہم بھی کرتے ہیں ۔ یہاں تک کہ ہر بات میں ہم اور وہ برابر ہیں اب وہ کہنے لگے کہ ہم میں ایک نبی ہے جسکے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔ اب ہم اس میں ان کی برابری کسطرح کریں۔ خدا ہم کبھی ان پر ایمان نہ لائینگے اور نہ ان کی تصدیق کرینگے"(۲) ۔ اخنس یہ جواب سنکر واپس چلاگیا۔ وہ خود بھی رسول اللہ ﷺ کو حق پر سمجھتا تھا۔ رات میں چھپ کر آپؐ کی تلاوت قرآن مجید سنکر جب اس نے ابوسفیان کی رائے طلب کی تو ابو سفیان نے بھی اسکی رائے پوچھی۔ اخنس کا جواب تھا "میں تو اسے حق سمجھتا ہوں"(۳)۔ اس واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمیداللہ لکھتے ہیں "یہ قریش کی ادب نوازی تھی کہ نہ ان کو یدبیضا کے معجزے کی ضرورت تھی نہ دم عیسیٰؑ کی۔ بلکہ تھی تو ایک ادبی شہپارے کی جسے سن کر وہ

جھومنے لگتے اور جسکی تلاوت کو سننے کے لئے وہ باوجود اپنی ضرب المثل مخالفت کے چھپ چھپ کر آتے"(۴)۔

حضرت معاویہؓ سے طبرانی نے یہ روایت نقل کی ہے کی ایک مرتبہ ان کے والدین (ابو سفیان بن حرب اور ہند بنت عتبہ) اپنے صحرائی علاقے کی طرف جارہے تھے۔ حضرت معاویہ خود بھی ایک گدھی پر سوار ان کے ساتھ تھے۔ راستے میں رسول اللہ ﷺ مل گئے۔ ابو سفیان نے اپنے بیٹے (حضرت معاویہؓ) سے کہا کہ وہ گدھی سے اتر جائیں کہ رسول اللہ ﷺ اس پر سوار ہوسکیں حضرت معاویہؓ اتر گئے اور حضور اکرم ﷺ سوار ہوگئے۔ آپ نے سوار ہو کر ابوسفیان اور ہند سے فرمایا"ایک وقت تم سب مروگے۔ پھر دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔ جو نیک ہے وہ جنت میں جائیگا۔ اور جو برا ہے وہ جہنم میں"۔ اسکے بعد آپ نے سورۃ حٰم سجدہ کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔ کچھ دور کے بعد گدھی سے اتر کر ان لوگوں سے علیحدہ ہوگئے۔ راستے میں ابوسفیان سے ہند نے شکایت کی کہ "تم نے اس (نعوذ باللہ) ساحر کذاب کے لئے میرے بیٹے کو سواری سے اتارا"۔ ابو سفیان نے جواب دیا"بخدا یہ شخص نہ ساحر ہے نہ کذاب"(۵)۔

ابو سفیان بن حرب کا ایک واقعہ ہے کہ ایک بار حضرت فاطمہؓ جو بہت کم سن تھیں ابوجہل کی کسی زیادتی پر اسے کوسنے لگیں۔ ابو جہل نے ان کے منہ پر تماچہ ماردیا۔ ابو سفیان نے انہیں روتا دیکھا تو سبب پوچھا۔ حضرت فاطمہؓ نے ماجرا بیان کیا۔ ابو سفیان انہیں لیکر ابوجہل کے پاس پہنچے۔ اسکے دونوں ہاتھ پکڑے اور حضرت فاطمہؓ سے کہا "اپنا بدلہ لے لو"۔ انہوں نے ابو جہل کے تھپڑ مارکر بدلا لے لیا اور مطمئن ہوگئیں۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو ابوسفیان کے لئے اظہار تشکر کئے بغیر نہ رہ سکے(۶)۔

☆ ☆

(۱) یہ واقع ابن حاتم نے ابو یزید مدنی کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ (ابو الا علی مودودی 'سیرت سرور عالم' جلد دوم صفحہ ۵۱۰)

(۲) ابن ہشام 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۲۰۱، ۲۰۲۔ تقریباً ایسی ہی بات ابو جہل نے بعد میں جنگ بدر شروع ہونے سے پہلے کہی جب اخنس نے اس سے تنہائی میں پوچھا "اس وقت ہم دونوں کے سوا کوئی

تیسرا نہیں ۔ مجھے سچ سچ بتاؤ کہ محمد (ﷺ) صادق ہیں یا کاذب؟" ابو جہل نے جواب دیا " خدا وہ صادق ہیں کبھی جھوٹ نہیں بولے۔ مگر جب بنی قصی لواء، حجابت،اور سقایت کے ساتھ نبوت بھی لے جائیں تو باقی قریش کے لئے کیا رہا ۔ (ابو الا علی مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۵۱۱)

(۳) ابو الا علی مودودی 'سیرت سرورؐ عالم' جلد دوم صفحہ ۵۱۱

(۴) محمد حمید اللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۳۸

(۵) ابو الا علی مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۵۱۱

(۶) محمد حمید اللہ 'محمد رسول اللہؐ' مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد دوم صفحہ ۵۵۵ ۔ (کچھ ایسی باتیں تھیں کہ اللہ تعالی نے ابو سفیانؓ کو اخر کار ایمان کی نعمت سے سرفراز فرمایا)

اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله

۱۲ ۸۶ حامد

☐ یہ خط حامد الآمدی کلمہ شہادت خط ثلث جلی میں بہ شکل دائرہ

(۳۰) قریش کا طرز عمل

رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پر بہر حال تمام سرداران قریش متفق تھے۔ آپ کے بڑے بیٹے قاسمؓ کا انتقال نہایت کم عمری میں پہلے ہی ہوچکا تھا۔ اب آپؐ کے دوسرے شیر خوار فرزند عبداللہؓ بھی اللہ کو پیارے ہوئے ۔ ابو لہب آپؐ کا پڑوسی تھا۔ اسے اس سانحے کا اطلاع پہلے ہی ملی تو جلد لوگوں کو یہ 'خوشخبری' دینے کے لئے پہنچ گیا کہ آپؐ نرینہ اولاد سے محروم ہوگئے(۱)۔ عاص بن وائل نے سنا تو خوش ہو کر کہا کہ آپؐ ابتر ہوگئے (یعنی جڑ کٹے) اور آپؐ کی وفات کے بعد کوئی آپؐ کا نام لیوا نہ رہے گا۔ اس پر سورۃ کوثر نازل ہوئی جس میں انحضرت ﷺ کو کوثر کی بشارت دیکر تسلی دی گئی کہ آپؐ کے دشمن ہی ابتر ہونگے جنکا کوئی نام لیوا نہ ہوگا۔ آج لاکھوں انسان ایسے موجود ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ کی نسل سے ہونے کا شرف اور فخر حاصل ہے جبکہ کوئی نہیں جانتا کہ عاص بن وائل کی اولاد کون ہے اور کہاں ہے۔

مشرکین نے اشاعت اسلام کو روکنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے۔ قرآن شریف پڑھا جاتا تو شور مچاتے کہ نہ خود سنیں نہ دوسروں کو سننے دیں چونکہ اسکی تاثیر سے واقف تھے اور خوفزدہ تھے۔ قرآن مجید میں اسکا ذکر ہے :

"اور کافر کہنے لگے کہ اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو اور (جب پڑھنے لگیں تو) شور مچایا کرو تاکہ تم غالب رہو" (حٰم سجدہ ۲۶)

ہر جگہ نئے مسلمانوں کا مذاق اڑایا جاتا اور انہیں پریشان کیا جاتا۔ اسی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا:

"جو گنہگار (یعنی کفار) ہیں وہ مومنوں سے ہنسی کیا کرتے تھے۔ اور جب ان کے پاس سے گذرتے تو حقارت سے اشارے کرتے" (المطففین ۲۹،۳۰)

ان کو فضول بحثوں میں الجھایا جاتا اور حقیر سمجھا جاتا۔ کبھی مسجد حرام میں عمار بن یاسرؓ، خباب بن الارتؓ بلال بن رباحؓ، عامر بن فہیرہؓ، ابو فکیہہؓ، صہیب بن سنانؓ وغیرہ غریب و مفلس حضرات رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف فرما ہوتے تو سردارن قریش طعنہ زن ہوتے کہ "کیا ہم میں یہی لوگ صاحب فضل ہیں؟"۔

لوگوں کو بہکانے کے لئے قرآن مجید کے متعلق مشرکین کہا کرتے کہ "یہ تو محض 'اساطیر الاولین' اگلے وقتوں کی کہانیاں ہیں "(۲)۔ نضر بن حارث نے فارس سے رستم واسفندیار کے قصے حاصل کئے اور داستاں گوئی شروع کی۔ کہتا تھا "میرے قصے ان قصوں سے زیادہ دلچسپ ہیں جو محمد (ﷺ) سناتے ہیں" اس نے کچھ گانے والی کنیزیں بھی خریدیں کہ کوئی اسلام سے متاثر ہو تو اسے دعوت عیش دے کر نئے دین سے برگشتہ کرسکے۔

قریش اس قسم کے تدابیر سے اسلام کی اشاعت روک رہے تھے۔ ابو لہب کے متعلق مشہور ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مختلف قبائل میں تبلیغ کرتے اور فرماتے کہ "لوگو لا الٰہ الا اللہ کہو تو فلاح پاؤگے" تو وہ آپؐ کے پیچھے پیچھے جاتا اور کہتا " انؐ کی اطاعت نہ کرنا۔ یہ صابی اور کاذب ہیں" لوگ دیکھتے کہ چچا ہی مخالف ہے تو آپؐ کے پیغام کو اہمیت نہ دیتے۔

جب حج کے دن قریب آئے تو قریش کو فکر ہوئی کہ باہر کے بہت سے قبائل آئینگے اور آپؐ کی باتیں سنینگے۔ یہ بھی دیکھینگے کہ ایک قریشی ہی ان بتوں کی تذلیل کررہا ہے جنکی عبادت کے لئے وہ آئے ہیں تو ان پر یقیناً برااثر پڑیگا۔ یہ طے کرنے کے لئے ان حالات میں کیا طرز عمل اختیار کیا جائے قریشی سرداروں نے ایک مجلس مشاورت منعقد کی۔ ولید بن مغیرہ قریش میں عمر رسیدہ اور بااثر شخص تھا۔ سب اس کے یہاں جمع ہوئے۔ اسی نے یہ مسئلہ پیش کیا اور سب کی رائے معلوم کرنا چاہی تاکہ سب ایک ہی بات پر قائم ہوجائیں۔ کچھ لوگوں نے رائے دی باہر سے آنے والے حاجیوں کو بتایا جائے کہ "محمد (ﷺ) کاہن ہیں"۔ ولید نے اسے مناسب نہ سمجھا کیونکہ آپؐ کا کلام کاہنوں جیسا قطعی نہ تھا۔ اور ایسے الزام کا جھوٹ لوگوں پر فوراً ظاہر ہوجاتا۔ بعض نے مشورہ دیا کہ آپؐ کو دیوانہ بتایا جائے۔ ولید نے یہ رائے بھی نہ مانی کیونکہ آپؐ میں

دیوانگی کی علامات نہ تھیں ۔ شاعر ہونے کا الزام بھی معقول نہ سمجھا گیا۔ آپؐ کے کلام کو شعر سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ آخر میں رائے ہوئی کہ سب آپؐ کو ساحر کہیں ولید کی نظر میں یہ بات بھی نہ جچی۔ اس پر لوگوں نے ولید سے کہا کہ وہ خود ہی کوئی تجویز پیش کرے۔ ولید بولا "سچ تو یہ ہے کہ محمد(ﷺ) کے کلام (قرآن مجید) میں عجیب شیرینی ہے ۔ تم نے جو باتیں بتائیں ان سے تمہارا جھوٹ فوراً کھل جائے گا۔ ہاں سب سے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیںؐ ساحر کہو کیونکہ انؐ کے قول کے باعث باپ بیٹے سے اور بھائی بھائی سے علیحدہ ہوگئے ہیں ۔ ایک ایک کنبے میں جدائی ہورہی ہے۔ گویا لوگوں پر ان کا جادو چل رہا ہو"۔ سب ولید کے مشورے پر متفق ہوگئے۔ یہ طے پایا کہ جن راہوں سے حجاج آتے ہیں وہاں راستے ہی میں یہ بات ان کے ذہن نشین کرادی جائے کہ آنحضرتؐ ﷺ کے ساحرانہ کلام پر توجہ دینا خطرے سے خالی نہیں۔لیکن یہ تدبیر الٹی پڑی۔

☆ ☆

(۱) ابو الا علی مودودی 'سیرت سرورِ عالم' جلد دوم صفحہ ۵۰۱

(۲) سورۃ المطففین : ۱۳

(۳۱) اُلٹا اثر

رسول اللہ ﷺ کے خلاف اس قسم کی باتیں پھیلانے کی کوشش کچھ کارگر نہ ہوئی بلکہ بیرونی قبائل میں آپؐ کی شہرت کا باعث بن گئی۔ بعض لوگوں کے ذہن میں آپؐ کی بابت مزید معلومات کے لئے تجسس پیدا ہوا۔ اس بارے میں طفیل بن عمرو دوسی کا واقعہ مشہور ہے۔

یہ قبیلہ دوس کے بااثر سردار تھے اچھے شاعر تھے مکہ کی زیارت کے لئے آئے تو قریشیوں نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق بتایا کہ "ایسے جادوگر ہیں کہ لوگوں میں تفرقہ ڈال دیتے ہیں ۔ انؐ کی باتیں ہرگز نہ سننا"۔ طفیل کا اپنا بیان ہے " ان لوگوں نے اسقدر ضد کی اور مجھے اتنا ہراساں کردیا کہ میں مسجد حرام مین جاتا تو کانوں میں روئی ٹھونس لیتا کہ مبادا رسول اللہ ﷺ مجھے مل جائیں اور میں آپؐ کا جادو بھرا کلام سن لوں۔ اتفاقاً میں نے آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھا اور آپؐ کے کچھ کلمات میرے کانوں میں پڑگئے۔ اچھے معلوم ہوئے سوچا کہ آخر میں بھی سمجھدار انسان ہوں شعر و ادب سے واقف ہوں۔ اچھا برا سمجھتا ہوں۔ ایسا ناسمجھ نہیں کہ بلا سبب کسی کی باتوں سے متاثر ہو جاؤں۔ کیوں نہ اچھی طرح آپؐ کا پیغام سنوں۔ آپؐ نماز پڑھ چکے تو آپؐ کے پیچھے پیچھے آپؐ کے گھر تک گیا اور سارا ماجرا آپؐ کے گوش گزار کیا کہ کسطرح اہل قریش نے آپؐ کی باتیں سننے سے ہراساں کردیا تھا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی بابت بتایا اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔ آپؐ کی باتیں اسقدر حق پر مبنی تھیں اوراللہ کا کلام اتنا دلنشین تھا کہ میں نے فوراً اسلام قبول کرلیا"۔ طفیل اپنے قبیلے میں واپس گئے تو اپنے والدین اور اہل خانہ کو مسلمان کیا۔ قبیلے والوں کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے تامل کیا ۔ یہ مکہ واپس آئے اور رسول اللہ ﷺ سے چاہا کہ قبیلے والوں کے لئے دعا فرمائیں۔ آپؐ نے دعا فرمائی اور مشورہ دیا کہ واپس جاکر قوم میں نرمی سے تبلیغ جاری رکھیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیااور آخر کار کامیاب ہوئے یہاں تک کہ

ہجرت کے کئی سال بعد اپنے قبیلے کی ستر اسّی مسلمان گھرانوں کو لیکر مدینہ پہنچے۔ اسوقت رسول اللہ ﷺ خیبر میں تھے۔ یہ وہاں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے خیبر کے مال غنیمت میں ان خاندانوں کو حصہ دلوایا۔ پھر یہ مدینہ میں بس گئے۔ جنگ یمامہ میں شہادت پائی۔ (ایک روایت میں ہے کہ طفیل نے بددعا کے لئے درخواست کی تھی مگر حضور ﷺ نے دعا فرمائی)(۱)۔

ان سے بھی دلچسپ واقعہ حضرت ابو ذر غفاری کے اسلام کا ہے۔ ان کا نام جندب بن جناوہ اور پیشہ اکثر بنی غفار کی طرح رہزنی تھا۔ شجاعت کا یہ عالم تھا اکثر تنہا جاکر رہزنی کرتے تھے۔ علی الصبح کی تاریکی میں اپنے گھوڑے کی پشت پر یا پا پیادہ اسطرح اونٹوں کو لوٹتے تھے گویا وہ درندے ہیں"(۲)۔ دور جاہلیت میں بھی بت پرستی سے بدظن تھے۔ مکہ میں ایک نبی کے ظہور کی خبر سنی تو اپنے بھائی انیس کو حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملے۔ آپؐ کا کلام سنا اور واپس آئے بھائی کو بتایا کہ ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں اخلاق حمیدہ کی ہدایت اور بدی کی مخالفت فرماتے ہیں ۔ کلام شعر نہیں بلکہ شعر سے بہتر ہے۔ ابو ذرؓ نے اس اطلاع کو ناکافی سمجھا، خود جاکر تفصیلات معلوم کرنا چاہیں اور مکہ پہنچے ۔ حضرت علیؓ نے انہیں دوون برابر حرم میں دیکھا تو اجنبی مسافر سمجھ کر پوچھا کہ کس لئے آئے ہیں ۔ کچھ تامل کے بعد انہوں نے اپنا مقصد بتایا تو حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ کے برحق ہونے کی شہادت دی۔ اور انہیں آپؐ تک پہنچادیا۔ یہ آپؐ کا کلام و پیام سنتے ہی ایمان لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے مشورہ دیا کہ فی الحال اپنی قوم میں واپس جائیں اور وہاں اسلام کی تبلیغ کرتے رہیں یہاں تک کہ آئندہ آپؐ کے حال کی خبر ملے ۔ ابوذرؓ نے ضد کی کہ مکہ میں اظہار حق کا اعلان کئے بغیر واپس نہ ہونگے۔ حرم میں پکار کر کلمہ شہادت پڑھا۔ اس پر قریش برہم ہوئے اور مارنے پیٹنے لگے کہ حضرت عباسؓ ادھر آنکلے اور انہیں یہ کہہ کر بچایا کہ ان کے قبیلے کا قیام شام کی تجارتی شاہراہ پر ہے۔ اور ان کا قبیلہ قریش کے تجارتی قافلوں کا راستہ بند کر سکتا ہے(۳)۔ پھر یہ واپس اپنے اہل خانہ میں آئے۔ اپنے بھائی اور والدہ کو مسلمان کیا اور قوم میں تبلیغ شروع کی ۔ تقریباً نصف قبیلہ مسلمان ہوگیا۔ جب رسول ﷺ ہجرت فرماکر مدینہ آگئے تو باقی بنی غفار بھی اسلام سے مشرف ہوئے۔ حضرت ابوذرؓ نے اپنی حق گوئی اور زہد میں بڑا نام پایا۔

عمرو بن عبسہ سلیمی کے متعلق بھی ابن سعد نے دو روایتیں پیش کی ہیں ۔ ان کا تعلق بنی سلیم سے تھا ۔ قبل اسلام بھی بتوں سے نفرت کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی شہرت سنی تو

مکہ آئے اورآپؐ سے پیام توحید سنا۔ عرض کیا "آپؐ کے ساتھ اور کون ہے" آپ نے فرمایا "ایک آزاد اور ایک غلام"۔ اس وقت آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ تھے۔ عمر نے اسلام قبول کیا اور چاہا کہ آپؐ کے ساتھ رہیں۔ لیکن آپؐ نے انہیں واپس بھیج دیا اور فرمایا کہ جب اسلام کو غلبہ ہو تو آکر ملیں ۔ یہ ہجرت کے بعد مدینہ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "آپؐ نے مجھے پہچانا؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہاں تم وہی عمرو ہو جو مجھے مکہ میں ملے تھے" دوسری روایت یہ بھی ہے کہ عمرؓ و عکاظ کے میلے میں حضور ﷺ سے ملے تھے اور وہیں اسلام قبول کیا تھا(۴)۔

ضِمادُ الازدیؓ کے متعلق حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان کا تعلق قبیلہ ازدشنوا سے تھا ۔ عمرے یا حج کے لئے مکہ آئے تو رسول اللہ ﷺ کی بابت کفار قریش سے سنا کہ آپؐ (نعوذباللہ) مجنوں ہیں۔ یہ جھاڑ پھونک کرتے تھے۔سوچا کہ اس سے آپؐ کے جنون کا علاج کریں آپؐ کی خدمت میں آئے اور علاج کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسکی ضرورت نہیں ۔ کلمہ شہادت پڑھا ۔ اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور کچھ کلمات ارشاد فرمائے کہ ضماد حیرت میں پڑگئے۔ بار بار آپؐ کا کلام سنا اور ایمان لائے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ کا ہنوں، شاعروں اور ساحروں کا کلام بارہا سن چکے تھے لیکن قرآن مجید جیسا کلام کبھی نہ سنا تھا" جو دریا کی گہرائی تک پہنچا ہواہے"(۵)۔

ابو موسیٰ اشعری (اصلی نام عبداللہ بن قیس) کا نام بھی ان حضرات میں ہے جو رسول ﷺ کی بابت خبریں سن کر یمن سے مکہ آئے اور اسلام قبول کیا۔ واپس جاکر اپنی قوم کو اسلام سے متعارف کیا۔ نہایت خوش اخلاق قاری تھے۔ ان کے قبیلے کے تقریباً پچاس حضرات مسلمان ہوئے۔ جن میں ان کے بھائی ابوبردہ اور ابو رہم بھی شامل تھے۔ ان کی والدہ طبیہ بنت وھب بھی مسلمان ہوئیں۔ ہجرت کے بعد جب یہ مع اپنے تقریباً پچاس مسلمان ساتھیوں کے یمن سے کشتی میں سوار ہورہے تھے تو ہواؤں نے کشتی کا رخ حبشہ کی طرف کردیا ۔ وہاں حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کی کشتی ساتھ ہوگئی۔ پھر ساحل عرب پر اترے اور خیبر جاکر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علیحدہ علیحدہ دو کشتیوں پر ہونے کہ وجہ سے اہل سفینتین کہلائے۔

شام کے ایک عیسائی جہازراں کا ذکر بھی 'صحیح مسلم' میں آیاہے۔ یہ بہت سے بحری

سفر کر چکے تھے۔ مکہ میں آکر اسلام قبول کیا۔ ان کا یہ حیرت انگیز واقعہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ "مجھے یقین ہے کہ آپؐ کی فوج بہت جلد میرے وطن شام کو فتح کریگی۔ یہ ہو تو مجھے فلاں فلاں گاؤں بطور جاگیر عطافرمائیں"۔ آپؐ نے ایک پروانہ لکھواکر انہیں دیا جسکے الفاظ یہ ہیں: "اگر مرطوم، حبرون (چند اور نام بھی ہیں) وغیرہ فتح ہو جائیں تو تمیم داری کو دے جائیں"۔ (۶)

دوسرے حضرات جنکا تعلق مکہ سے نہ تھا اور رسول اللہ ﷺ کی خبر پاکر مکہ آئے اور مسلمان ہوئے جعال بن سراقہ، معیقیب بن ابی فاطمۃ الدوسی، اور دو بھائی عبداللہ بن لھیب کنانی اور عبدالرحمٰن بن لھیب کنانی تھے۔ جعالؓ شکل و صورت کے اچھے نہ تھے ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام بدل کر عمرو رکھ دیا تھا جسکا ذکر آگے آئے گا۔

محمد بن حبیب بغدادی (فوت ۲۴۵ھ) لکھتے ہیں کہ ام شریک غزیہ ایک بدوی خاتون تھیں مکہ میں مقیم تھیں۔ اسلام لائیں تو عورتوں میں تبلیغ کی اور کئی خواتین کو مسلمان کیا۔ قریشیوں نے ناراض ہو کر انہیں شہر بدر کر کے کسی قافلے کے ساتھ ان کے وطن کی طرف روانہ کردیا۔ اس قافلے کے بہت سے لوگ ان کی کرامت سے مسلمان ہوئے۔ (۷)

اسطرح اسلام کی شعاعیں بیرونی علاقوں میں پہنچنے لگیں۔

☆ ☆

(۱) ابن جوزی 'الوفا باحوال المصطفیٰ' صفحہ ۲۶۹

(۲) ابن سعد 'طبقات' حصہ چہارم صفحہ ۳۵۲

(۳) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۳۹۲ تا ۳۹۴ (کتاب الانبیاء۔ باب قصہ زمزم)۔ اکثر ارباب سیرت نے یہ روایت اختیار کی ہے ابن سعد کے یہاں بھی یہ روایت ہے لیکن انہوں نے کچھ دوسری روایات بھی دی ہیں جو قدرے مختلف ہیں (ابن سعد 'طبقات' حصہ چہارم صفحہ ۳۴۴)

(۴) ابن سعد 'طبقات' حصہ چہارم صفحہ ۳۴۴

(۵) ایضاً صفحہ ۲۷۳۔ ایک روایت کے مطابق ضمادؓ نے اپنی قوم کی طرف سے حضور ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ بہت بعد میں ایک اسلامی فوجی دستہ اس قوم کی طرف سے گزرا تو امیر جیش نے مجاہدوں سے پوچھا کہ کسی مجاہد نے یہاں سے کوئی چیز تو نہ لی تھی۔ ایک صاحب نے بتایا کہ

انہوں نے سواری کے لئے اونٹ لیا تھا۔امیر جیش نے یہ کہکر اونٹ واپس کردیا کہ یہ ضماد کی قوم تھی۔

(۶) محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۴۸، ۴۹

(۷) محمد حمید اللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۹۵

سید القوم خادمهم
۱۴۱۷
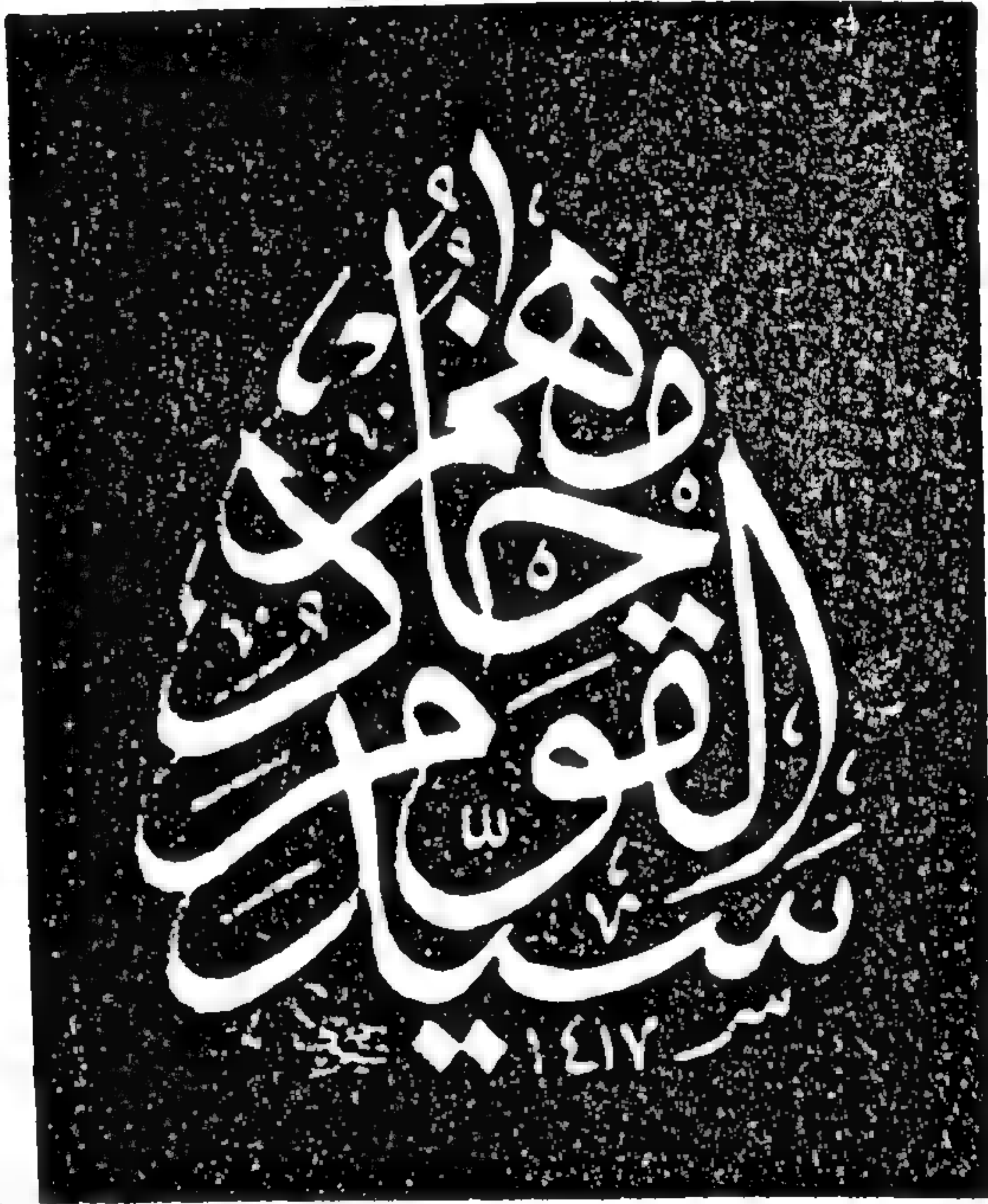
☐ حدیث مبارکہ
«سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ»
بہ خط حسن چلبی

(۳۲) یہودیوں سے مشورہ

ابن اسحاق اور ابن ہشام کے یہاں روایت ہے کہ اسی دوران قریش نے طے کیا کہ یثرب کے یہودی علما سے رسول اللہ ﷺ کی بابت دریافت کریں اس مقصد کے لئے عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث یثرب پہنچے اور یہودی علماء سے بات چیت کی۔ ان علما نے رسول اللہ ﷺ کے امتحان کے غرض سے تین سوال تجویز کئے کہ صحیح جواب دے سکیں تو رسالت کے دعوے میں سچے ہیں ۔ سوال یہ تھے۔

۱۔ ان نوجوانوں کا ماجرا بتایئے جن کے سفر میں عجیب واقعہ پیش آیا۔

۲۔ اس شخص کا کیا حال ہے جس نے مشارق و مغارب کی سیر کی۔

۳۔ روح کیا شے ہے(۱)۔

عقبہ اور نضر یہ سوالات لے کر مکہ واپس آئے اور ساتھیوں کو بتایا کہ یہ سوال رسول اللہ ﷺ سے کئے جائیں۔ جب یہ سوالات آپؐ کے سامنے رکھے گئے تو آپؐ نے دوسرے دن جواب دینے کا وعدہ فرمایا ۔ لیکن انشاء اللہ کہنا بھول گئے۔ آپؐ کو امید تھی کہ وحی کے ذریعے جوابات حاصل ہوجائینگے لیکن دوہفتے گذرگئے اور وحی نازل نہ ہوئی۔ قریش خوش تھے کہ آپؐ ان سوالوں کا جواب نہ دے سکے ۔ آپؐ کو بھی ملال تھا۔آخر پندرہ روز کے بعد وحی نازل ہوئی جسمیں تینوں سوالوں کا جواب تھا اور تاخیر کا سبب اس تاکید میں پنہاں تھا:

> "اور کسی کام کی نسبت نہ کہنا کہ میں اسے کل کردونگا۔ مگر انشاء اللہ کہکر (یعنی اگر خدا چاہے تو کردونگا) اور جب خدا کا نام لینا بھول جاؤ تو یاد آنے پر لے لو اور کہہ دو کہ امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے اس سے زیادہ ہدایت کی باتیں بتائے" (کہف ۲۳، ۲٤)

پہلا سوال اصحاب کہف کے بارے میں تھا جن کی پوری کیفیت سورۃ کہف میں بتائی گئی ۔ نوجوان اصحاب کہف کے واقعے میں جو اپنا دین توحید محفوظ رکھنے کے لئے قوم کو چھوڑ کر غار میں جا چھپے تھے مسلمانوں کے لئے ایک اچھی مثال تھی۔ یہ تیسری صدی عیسوی کا ایسا واقعہ تھا جسکا علم مکہ میں کسی کو نہ تھا۔ اور وحی کے سوا کوئی ذریعہ ایسا نہ تھا جس سے رسول اللہ ﷺ تک اسکا علم پہنچ سکے ۔ دوسرا سوال ذوالقرنین کی بابت تھا جس نے تین بڑے سفر مشرق مغرب کی طرف کئے تھے۔ جنکا مفصل حال بھی اس سورۃ میں دیا گیا ۔ تیسرا سوال روح کے متعلق تھا جسکی حقیقت کو انسان کی محدود عقل نہیں پاسکتی تھی۔ لہٰذا صرف اسقدر کہا گیا:

"اور تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہدو کہ وہ میرے پروردگار کی ایک شان ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے"

(بنی اسرائیل ۸۵)

جواب میں پندرہ دن کی تاخیر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے لئے وقتی طور پر کچھ تکلیف دہ تھی۔ لیکن غور کریں تو اسلام کی صداقت کا ایک بڑا ثبوت تھی۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کے اس قول کی سچائی ظاہر ہوگئی کہ آپؐ صرف وہی پیغام پہنچاتے تھے جو بذریعہ وحی ملتا تھا۔ وحی پر آپؐ کا کوئی اختیار نہ تھا اور نہ آپؐ اس میں کچھ اپنی طرف سے شامل کرسکتے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان سوالوں کا جواب حسب وعدہ جلد دینے میں کوئی چیز مانع نہ ہوسکتی تھی۔ خصوصاً جبکہ اس تاخیر سے دوسروں کی نظر میں آپؐ کی پیغمبرانہ حیثیت کے مجروح ہونے کا امکان تھا۔

تینوں سوالات کے جواب مل گئے تھے۔ پھر بھی رسول اللہ ﷺ کی نبوت تسلیم کرنے کے لئے نہ سرداران مکہ تیار ہوئے نہ علمائے یہود۔ بعض دوسرے لوگ ضرور متاثر ہوئے کیونکہ یہودی علما نے بتادیا تھا کہ اگر سچے نبی ہونگے تو پہلے دو سوالوں کا جواب دینگے اور تیسرے پر سکوت اختیار کرینگے(۲)۔ اور ایسا ہی ہوا۔

☆ ☆

(۱) ابن ہشام 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۱۸۸

(۲) محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۱۸۷

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو

آنکہ از خاکش بروید آرزو

یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست

یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

یوسف

□ علامہ اقبال کا فارسی کلام
بہ خط یوسف دہلوی

6141823

(۳۴) ظلم اور صبر

اِدھر مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی تھی اُدھر قریش کی مخالفت کی شدت۔ قریش کو یہ غلط فہمی تھی کہ اسلام کا نشہ ظلم و تشدد کی ترشی سے اتر جائیگا۔جب بھی کوئی نیا مسلمان ہوتا تو اسکے اہلِ خاندان اسے طرح طرح کی ایذا دیتے کہ نئے مذہب سے برگشتہ کر سکیں۔ تاریخ میں کسی ایسے شخص کا نام نہیں ملتا جس نے ان تکالیف کی وجہ سے اسلام ترک کردیا ہو۔ یہ ضرور تھا کہ لوگ ان اذیتوں سے بچنے کے لئے ایسے کلماتِ کفر دہرادیتے۔ جن کے لئے انہیں مجبور کیا جاتا۔ مثلاً لاۃ و عزیٰ کو خدا کہو، وغیرہ۔

بے یارومددگار مسلمان جو اکثر غلام تھے اس ظلم وتشدد کا پہلا شکار ہوئے۔ ان مظلوموں میں سرفہرست حضرت بلال بن رباحؓ کا نام آتا ہے۔ انہیں رسول اللہ ﷺ نے 'سابق الحبشہ' یعنی حبشیوں میں سب سے پہلامسلمان بتایا ہے۔ یہ اُمیہ بن خَلَف کے غلام تھے جو انہیں سخت اذیت دیتا تھاکہ اسلام ترک کردیں ۔ تپتی ہوئی ریت پر لٹاکر سینے پر پتھر رکھ دیتا اور کہتا کہ "تمہارے رب لاۃ و عزیٰ ہیں" مگر ان کی زبان پر "احد احد" کے الفاظ جاری رہتے۔ کبھی گردن میں رسی باندھ کر لڑکوں سے کہتا کہ انہیں گھسیٹتے پھریں۔ ایک دن حضرت ابو بکرؓ نے انہیں اس حال میں دیکھا تو پانچ یا سات اوقیہ (تقریباً تین چار تولے) سونے کے بعوض خرید کر آزاد کردیا(۱)۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق حضرت ابو بکرؓ نے ایک دوسرے نہایت توانا غلام کے بدلے میں انہیں امیہ بن خلف سے حاصل کرلیا اور آزادی دلائی(۲) ۔ ان کی والدہ حمامہؓ بھی مسلمان تھیں۔ مشرکین کے ہاتھوں عذاب سہتی تھیں۔ انہیں بھی حضرت ابو بکرؓ نے آزاد کروایا۔ اس کی بابت ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "ابو بکرؓ صرف ہمارے سردار نہ تھے بلکہ ہمارے سردار (اشارہ حضرت بلالؓ کی طرف تھا) کے رستگار بھی تھے"۔

حضرت بلالؓ ہی جیسا حال یاسر بن عامر، ان کی زوجہ سمیّہ اور ان کے بیٹوں عمّار اور عبداللہ کا تھا۔ یاسرؓ یمن سے آکر مکہ میں ابو حذیفہؓ کے حلیف کی حیثیت سے آباد ہوگئے تھے۔ ابو حذیفہؓ نے اپنی باندی سمیہؓ سے ان کی شادی کرادی تھی۔ یہ سارا کنبہ انتہائی ظلم کا شکار ہوا لیکن اسلام نہ چھوڑا۔ رسول اللہ ﷺ کبھی ان کے پاس سے گذرتے تو جنت کی بشارت دیتے۔ یاسرؓ ضعیف تھے جانبر نہ ہوسکے۔ جلد ہی دستِ قضا نے انہیں قریش کے مظالم سے نجات دلائی۔ ان کی زوجہ سمیہؓ ابو جہل کے نیزے کا شکار ہوئیں۔ یہ پہلی مسلمان خاتون تھیں جنہیں شہادت کا مرتبہ ملا۔ یہ بعثت سے تقریباً پانچ سال بعد کے واقعات ہیں۔ عبداللہ قتل کردیئے گئے۔ عمارؓ کو مدت تک ظلم سہنا پڑا۔ ان کی پشت کو انگاروں سے داغا جاتا تھا تو رسول اللہ ﷺ فرماتے کہ "آگ عمارؓ پر اسی طرح ٹھنڈی ہوجائے جیسے حضرت ابراہیمؑ پر ہوئی تھی"(۳)۔ ہجرت کے بعد لوگ ان کی پشت کو دیکھتے تو داغوں سے بھری نظر آتی تھی۔ ایک بار انہیں پانی میں ڈبو ڈبو کر اس حد تک مجبور کیا کہ کلماتِ کفر زبان سے ادا کرکے جان چھڑائی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر ماجرا سنایا اور پشیمانی کا اظہار کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ "دل کی کیا کیفیت ہے" تو بتایا کہ "دل اسلام پر پوری طرح مطمئن ہے" آپ رسول اللہ ﷺ نے اطمینان دلایا اور فرمایا "ایسی صورت پیش آئے تو پھر ایسے کلمات کہہ دینا" مفسرین کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ارتداد کے متعلق استثنا کے یہ الفاظ حضرت عمارؓ کے لئے نازل ہوئے(۴):

"وہ نہیں جو (کفر پر زبردستی) مجبور کیا جائے اور اسکا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو" (نحل ۱۰۶)

اسی طرح کے ایک مظلوم حضرت خبّاب بن الارتؓ تھے۔ یہ عراقی النسل تھے۔ غلام کی طرح فروخت ہوئے۔ پھر لوہار کا پیشہ اختیار کیا۔ سابقین اولین میں سے تھے۔ دارالارقم میں داخل ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہوگئے تھے۔ ان کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ عاص بن وائل نے ان سے کچھ تلواریں بنوائیں۔ انہوں نے اجرت طلب کی تو جواب ملا کہ "جب تک محمد (رسول اللہ ﷺ) کو نہ چھوڑو گے قیمت نہ ملے گی" انہوں نے کہا "ایسا نہ کرونگا جب تک تو مرے اور مر کر پھر زندہ کیا جائے (یعنی قیامت تک)" عاص بن وائل بولا "مر کر پھر زندہ ہونگا تو اپنے

مال اور اولاد کے پاس آونگا۔ اس وقت تیرا قرض ادا کرونگا"(۵)۔ ان پر دوسرے ظلم بھی ہوئے۔ ایک دن مظالم کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی کہ "اب ظلم کی حد ہوگئی ہے آپ ﷺ ہمارے لئے دعا نہیں فرماتے؟" یہ سن کر آپؐ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ فرمایا "تم سے پہلے اہلِ ایمان نے اس سے بڑھ کر مصائب جھیلے ہیں۔ ان کے سروں پر آرے چلے، جسم لوہے کے کنگھوں سے چھیلے گئے۔ مگر وہ ایمان پر قائم رہے۔ یقیناً اللہ اس کام کو پورا کرے گا۔ ایک وقت آئے گا کہ ایک شخص صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہ ہوگا۔ مگر تم لوگ جلد بازی کرتے ہو"(۶)۔

اَبُوفُکیہہؓ (اصلی نام یسار) بنی عبد الدار کے غلام تھے۔ مالک صفوان بن امیہ تھا۔ امیہ بن خلف اور صفوان انہیں سخت عذاب دیتے تھے۔ دوپہر کی سخت گرمی میں لوہے کی بیڑیوں میں جکڑ کر گرم ریت پر اوندھا لٹا دیتے اور پیٹھ پر پتھر رکھ دیتے۔ یہ غریب بے ہوش ہوجاتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایک روز دیکھا کہ صفوان ان کا گلا گھونٹ رہا ہے تو انہوں نے انہیں خرید کر آزاد کیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے جن مسلم غلاموں کو خرید کر آزاد کیا ان میں عامر بن فُہیرہ (طفیل بن عبداللہ کے غلام) بھی شامل تھے۔ یہ بھی مومنین سابقین میں تھے۔ عروہ بن زبیرؓ کی روایت ہے کہ کفار انہیں بھی سخت عذاب دیتے تھے کہ اسلام سے برگشتہ ہوجائیں۔ آزاد ہوکر یہ حضرت ابوبکرؓ کی بکریاں اجرت پر چرایا کرتے تھے۔ ہجرت کے سفر میں یہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ خادم کی حیثیت سے تھے۔ چالیس سال کی عمر میں بئر معونہ میں شہید ہوئے شہادت کے بعد ان کا جسم نہ مل سکا۔

کئی مظلوم کنیزوں کو بھی حضرت ابوبکرؓ نے آزادی دلائی۔ لُبینہ (ان کا نام لُبیبہ بھی بتایا گیا) حضرت عمرؓ کی لونڈی تھیں۔ وہ دورِ جاہلیت میں انہیں مارتے مارتے تھک جاتے تھے اور کہتے تھے کہ "تھک گیا ہوں اسلئے تجھے چھوڑتا ہوں"۔ حضرت ابوبکرؓ نے دیکھا تو خرید کر آزاد کیا۔ بنی عبدالدار کی ایک کنیز نہدیہ اور ان کی دختر بھی ظلم کا شکار تھیں۔ دونوں کو حضرت ابوبکرؓ نے آزادی دلائی۔ اسی طرح زنیرہ بنی عدی کے یہاں ایک کنیز تھیں انہیں اسقدر عذاب دیا گیا کہ بینائی جاتی رہی۔ ابو جہل کہتا تھا کہ "تجھے لات وعزیٰ نے اندھا کردیا" یہ جواب دیتی تھیں کہ "لات وعزیٰ کی تو خبر بھی نہیں کہ کون ان کو پوجتا ہے۔ اللہ چاہے گا تو میری بینائی واپس کریگا"۔ اور ایسا ہی ہوا

کہ ان کی بینائی اللہ کی قدرت سے واپس آگئی۔ انہیں بھی حضرت ابوبکرؓ نے خرید کر آزاد کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آزادی کے بعد ان کی بینائی جاتی رہی ۔ مشرکوں نے طعنہ دیا کہ "لات وعزیٰ نے تیر بینائی ضائع کردی" انہوں نے جواب دیا "بیت اللہ کی قسم لات وعزیٰ کسی کو نفع نقصان نہیں پہنچا سکتیں" اسکے بعد ان کی بینائی واپس آگئی(۷)۔ بنی زہرہ کی ایک کنیز ام عنیس کو بھی حضرت ابوبکرؓ نے آزادی دلائی۔ یہ اسعد بن یغوث کے شدید ظلم کا شکار تھیں۔

اسطرح حضرت ابوبکرؓ نے کافی رقم خرچ کر کے نو مسلمان غلاموں اور کنیزوں کو آزادی سے نوازا۔ ان کے والد ابوقحافہ (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے اعتراض کیا کہ " تم کمزوروں کو آزاد کرارہے ہو۔ اگر مضبوط جوانوں کو آزادی دلاتے تو وہ تمہارے زیادہ کام آتے۔ تمہارا ساتھ دیتے اور تمہیں دشمنوں سے بچاتے"۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا "ابا جان میں یہ کام اللہ کے لئے کرتا ہوں نہ کہ کسی نفع کے خیال سے" (۸)۔ مفسرین کہتے ہیں کہ انہیؓ کی شان میں یہ آیات نازل ہوئیں:

> "اور جو بڑا پرہیزگار ہے وہ بچالیا جائیگا جو مال دیتا ہے تاکہ پاک ہو۔ اور اسلئے نہیں دیتا کہ اس پر کسی کا احسان ہے جسکا وہ بدلا اتارتا ہے۔ بلکہ اپنے خداوندا علی کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے۔ اور وہ عنقریب خوش ہو جائے گا"۔(واللیل ۱۷ تا ۲۱)

یہ مظالم صرف غریب طبقے تک محدود نہ تھے۔ باحیثیت مسلمان بھی مشرکین کے تشدد کا شکار ہوئے۔ ابوجہل کا طریقہ تھا کہ مسلمانوں کو بزرگوں کا دین چھوڑنے پر طعنے دیتا۔ انہیں ڈراتا کہ ان کو بدنام کرکے ان کی تجارت کو نقصان پہنچائے گا۔ نئے مسلمانوں کو ان کے خاندان والے اذیت دیتے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان مسلمان ہوئے تو خود ان کے چچا حکم بن ابی العاص نے انہیں رسی سے باندھ دیا اور کہا جب تک نیا دین چھوڑ کر اپنے آباؤ اجداد کے دین پر نہ آؤ گے نہیں چھوڑونگا۔ حضرت عثمانؓ اسلام ترک کرنے پر کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ ان کی استقامت دیکھ کر مجبوراً حکم نے انہیں چھوڑدیا۔ حضرت زبیر بن عوامؓ کا بھی یہی حال ان کے چچا نے کیا انہیں بورے میں لپیٹ کر دھونی دی جاتی تھی کہ اسلام سے باز آجائیں مگر وہ یہی کہتے کہ "میں

اب کفر نہ کرونگا"۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کے چچا زاد بھائی عثمان بن طلحہ اور دوسرے اہل خاندان نے بڑی اذیت دی اور قید تک کردیا۔ یہ بمشکل جان چھڑا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ بعد میں مہاجرین حبشہ میں شامل ہوئے۔ پہلے بڑے صاحب ثروت اور خوش پوشاک تھے حبشہ سے واپسی کے بعد مدینہ ہجرت کی۔ وہاں سے ایک بار والدہ سے ملنے آئے تو نہایت مفلوک الحال تھے ماں کو اسلام کی دعوت دی۔ ماں نے ہر گز قبول نہ کی اور انہیں ان کی مفلوک الحالی کا طعنہ دیا۔

حضرت خالد بن سعیدؓ خفیہ طور سے مسلمان ہوئے تھے۔ آخر ان کے والد ابواُحیحہ کو پتا چل گیا تو یہ بھاگ کر چھپ گئے لیکن پکڑے گئے۔ باپ نے کہا "تونے ایسے شخص کی پیروی اختیار کی ہے جو ساری قوم کا مخالف ہے۔ ہمارے بزرگوں کو گمراہ کہتا ہے اور ہمارے دین کی برائی کرتا ہے"۔ انہوں نے جواب دیا "بخدا وہ سچے ہیں اور میں انکا پیرو ہوں" باپ نے گالیاں دیں، مارا پیٹا اور گھر سے نکال دیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے یہاں آگئے۔ ایک دن کہیں نماز پڑھ رہے تھے۔ باپ کو معلوم ہوا تو بلوالیا۔ پھر اسلام چھوڑنے پر مجبور کیا۔ یہ نہ مانے تو اتنا مارا کہ لکڑی ان کے سر پر ٹوٹ گئی۔ پھر قید کردیا۔ یہ موقع پاکر بھاگ نکلے اور حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور انکے بھائی عامر بن ابی وقاص پر ان کی والدہ حمنہ بنت سفیان نے بہت زور ڈالا کہ اسلام ترک کردیں دھمکی دی کہ "جب تک تم محمد (ﷺ) کو نہ چھوڑو گے میں نہ کھاؤنگی نہ پیونگی"۔ ماں کا حق بھی جتایا اور نافرمانی کے گناہ کا احساس دلایا۔ سعدؓ نے پریشان ہوکر رسول اللہ ﷺ سے اپنا حال عرض کیا تو یہ آیت نازل ہوئی(۹) :

> "اور ہم نے انسانوں کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے (اے مخاطب) اگر تیرے ماں باپ درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک بنائے جسکی حقیقت کی تجھے واقفیت نہیں تو انکا کہنا نہ مانیو۔ تم سب کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ پھر جو کچھ تم کرتے تھے تمکو جتادونگا" (عنکبوت ۸)

عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ واقعہ عروہ بن زبیر سے منقول ہے کہ ایک بار مسلمان آپس میں

گفتگو کر رہے تھے کہ مشرکین قریش کو اچھی طرح قرآن سننے کا موقع نہیں ملا۔ مسلمانوں میں کون تھا جو انہیں قرآن سنا سکتا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے خود کو پیش کیا کہ وہ یہ کام کرینگے۔ ساتھیوں نے یہ مناسب نہیں سمجھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی ایسا شخص ہو جسکے خاندان والے اسکی حمایت کر سکیں۔ عبداللہ نے کہا "خدا میری حفاظت کریگا"۔ دوسری صبح کعبہ پہنچے اور بلند آواز سے سورۃ رحمٰن کی تلاوت شروع کردی۔ مشرکین نے سنا تو بولے "یہ لونڈی بچہ کیا کہہ رہا ہے"(۱۰)۔ جب احساس ہوا کہ قرآن مجید ہے تو انہیں بے تحاشہ تھپڑ مارنے لگے۔ مگر انہوں نے تلاوت جاری رکھی۔ آخر اپنا سوجا ہوا چہرہ لے کر ساتھیوں میں واپس آئے۔ ساتھیوں نے بتایا کہ انہیں اسی بات کا خدشہ تھا۔ عبداللہ بن مسعود نے جواب دیا" اللہ کے دشمن آج سے زیادہ کبھی میری نظر میں اسقدر حقیر نہ ہوئے۔ کہو تو میں کل پھر ان کے سامنے تلاوت قرآن کروں"۔ لیکن سب نے کہا "نہیں بس اسقدر کافی ہے"۔

نوفل بن خویلد (حضرت خدیجہؓ کے سوتیلے بھائی) نے جو قریش کا شیر کہلاتا تھا ایک بار حضرت ابوبکرؓ اور حضرت طلحہؓ کو پکڑ کر ایک ہی رسی سے باندھ دیا اور سر راہ لا کر ڈال دیا۔ پھر لوگوں نے جاکر دونوں کو کھولا۔ ایک دن حضرت ابوبکرؓ دارالارقم سے نکل کر حرم میں داخل ہوئے اور علی الاعلان اسلام کی دعوت دینے لگے۔ مشرکوں نے گراکر مارنا پیٹنا شروع کردیا۔ عتبہ بن ربیعہ نے ایسی چوٹیں ماریں کہ چہرہ سوج گیا۔ ان کے قبیلے بنی تیم والوں نے آکر بچایا اور گھر لے گئے وہاں ڈر ہوا کہ کہیں مر نہ جائیں تو اہل قبیلہ نے واپس حرم میں آکر اعلان کیا کہ "اگر ابوبکرؓ مرگئے تو ہم عتبہ کو بغیر انتقام لئے نہ چھوڑینگے۔ شام کو حضرت ابوبکرؓ ہوش میں آئے تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی خیریت پوچھی ان کی والدہ اُم الخیر نے لاعلمی ظاہر کی تو کہا کہ "ام جمیل (فاطمہؓ بنت خطاب ، حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ جو خفیہ طور سے اسلام لاچکی تھیں) سے جاکر معلوم کرو"۔ ام الخیر گئیں تو فاطمہؓ نے کچھ بتایا تو نہیں مگر ان کے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئیں۔ ان کے حالت دیکھی تو بہت افسردہ ہوئیں اور کہنے لگیں" اللہ ان کافروں کو سمجھے جنھوں نے تمہارا یہ حال کیا"۔ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خیریت دریافت کی تو ام الخیر (جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئی تھیں) کی موجودگی کی وجہ سے کچھ جھجکیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کی طرف سے اطمینان دلایا تو بتایا کہ آپ خیر تھے اور اس وقت دارالارقم میں موجود تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کی خدمت میں جانے کے لئے ضد کی تو دونوں خواتین سہارا دیکر

انہیں دارالارقم لے گئیں۔ حضور ﷺ نے انہیں دیکھا تو آبدیدہ ہوگئے اور ان کی پیشانی چوم لی۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا "میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے خاص تکلیف نہیں سوائے اسکے جو اس فاسق نے میرے منہ پر جوتے برساکر پہنچائی۔ یہ میری والدہ اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر ہیں۔ ان کے لئے دعا فرمایئے"۔ رسول اللہ ﷺ نے ام الخیر کے لئے دعا کی اور اسلام کی دعوت دی۔ توفیق الٰہی سے اسی وقت ایمان سے مشرف ہوئیں(۱۱)۔

☆ ☆

(۱) ابن سعد 'طبقات' حصہ سوم صفحہ ۲۹۴
(۲) ابن ہشام 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۲۰۵
(۳) ابن سعد 'طبقات' حصہ سوم صفحہ ۳۰۷
(۴) حضرت عمار بن یاسر نے ۹۳ سال کی عمر پائی۔ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ حضرت علیؓ نے انکی نماز جنازہ پڑھائی (ابن سعد 'طبقات' حصہ سوم صفحہ ۳۱۰)
(۵) ابن سعد 'طبقات' حصہ سوم صفحہ ۲۷۷
(۶) ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۵۴۹
(۷) ابن ہشام 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۲۰۵
(۸) ایضاً
(۹) ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۵۴۳
(۱۰) خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ لڑکپن میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ ان کی طرف سے گزرے اور دودھ کی فرمائش کی۔ انہوں نے کہا "میں امانت دار ہوں نہیں پلا سکتا" حضور ﷺ نے فرمایا "تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جو ابھی گابھن نہ ہوئی ہو"۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک چھوٹی بکری پیش کی۔ آپ نے اس کے تھن چھوکر دعا فرمائی تو تھن دودھ سے بھر گئے۔ حضرت ابوبکرؓ ایک پتھر لائے جس میں گڑھا تھا۔ اس میں دودھ دوہا اور تینوں نے پیا۔ (ابن سعد 'طبقات' حصہ سوم صفحہ ۲۶۷)
(۱۱) ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۵۴۴، ۵۴۵

(۳۴) حبشہ

رسول اللہ ﷺ بذات خود ابو طالب جیسے سردار کی سرپرستی اور حمایت کے باعث ایک حد تک قریش کے مظالم سے محفوظ تھے۔ مگر دوسرے بہت سے مسلمانوں پر جو ظلم ہورہے تھے وہ آپ کے لئے بڑے تکلیف دہ تھے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی کی گئی:

"اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو میری زمین فراخ ہے تو میری ہی عبادت کرو۔ ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے پھر تم ہماری طرف لوٹ کر آؤ گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو ہم بہشت کے اونچے اونچے محلوں میں جگہ دینگے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ۔ ہمیشہ ان میں رہینگے (نیک) عمل کرنے والوں کا (یہ) خوب بدلا ہے ۔ جو صبر کرتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں اور بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے خدا ہی ان کو رزق دیتاہے اور تمکو بھی ۔ اور وہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے"
(العنکبوت ٥٦ تا ٦٠)

پھر کہا گیا:

"کہدو کہ اے مرے بندو جوایمان لائے ہو اپنے پروردگار سے ڈرو۔ جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کے لئے بھلائی ہے۔ اور خدا کی زمین کشادہ ہے۔ جو صبر کرنے والے ہیں ان کو بے شمار ثواب ملے گا"
(الزمر ١٠)

سورۃ کہف میں بھی اشارہ موجود تھا کہ کس طرح اصحاب کہف نے اپنا دین بچانے کے لیئے ایک غار میں پناہ لی تھی۔

ان آیات کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں ۔ وہاں کا بادشاہ ظالم نہ تھا۔ اور وہ صدق کی سرزمین تھی۔ وہیں رہیں جب تک کہ اللہ تعالیٰ ان کی مصیبت دور کرنے کی صورت پیدا نہ کردے۔ یہ سنکر چند مسلمانوں نے اپنے دین کی حفاظت کی خاطر ہجرت کا قصد کیا ۔ انہیں دنوں سورۃ مریم نازل ہوئی تاکہ جو لوگ ایک عیسائی حکومت کی طرف ہجرت کررہے تھے وہ بطور زاد راہ یہ سورۃ اپنے سینوں میں محفوظ رکھیں۔ یہ اسلام کی سب سے پہلی ہجرت تھی ، گیارہ مرد تھے اور چار خواتین۔ حضرت عثمانؓ بن عفان اور ان کی زوجہ حضرت رقیہؓ (بنت رسول اللہ ﷺ) دونوں ان کے ساتھ تھے۔ ابن ہشام نے ان مہاجروں کو یہ نام دیئے :

۱، ۲ حضرت عثمانؓ بن عفان اور ان کی زوجہ حضرت رقیہؓ (یہ سب سے پہلے نکلے ۔ ان کے لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "یہ پہلا کنبہ ہے جس نے حضرت لوطؑ کے بعد ہجرت کی")

۳، ۴ حضرت ابو حذیفہ بن عتبہؓ اور ان کی زوجہ سہلہؓ بنت سہیل بن عمرو (حبشہ میں انکے صاجزادے محمد بن ابو حذیفہؓ پیدا ہوئے)

۵۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ

۶۔ حضرت زبیر بن عوامؓ (رسول اللہ ﷺ کے پھوپی زاد بھائی اور حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے)

۷۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ

۸، ۹۔ حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسدؓ اور ان کی زوجہ حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ (ابو جہل کی چچازاد بہن)

۱۰۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ (ام المومنین حضرت حفصہؓ کے ماموں)

۱۱، ۱۲ ۔ حضرت عامر بن ربیعہؓ اور ان کی زوجہ لیلی بنت ابی حثمہؓ

۱۳۔ حضرت ابو سبرہ بن ابی رُھم (ایک روایت کے مطابق ان کے ساتھ

ان کی زوجہ ام کلثوم بنت سہیل بن عمرو بھی تھیں)۔

۱۴۔ حضرت سہیل بن بیضاؓ

ابن سعد نے ان حضرات کے علاوہ دو اور نام دیئے ہیں:

۱۵۔ حضرت ابو حاطبؓ بن عمر

۱۶۔ حضرت عبداللہ بن مسعود (ابن اسحاق کے مطابق یہ اس پہلی ہجرت میں نہیں بلکہ دوسری ہجرت میں تھے)

یہ سب حضرات رجب ۵ نبوی میں شعیبہ (موجودہ جدہ کے قریب) بندرگاہ پہنچے۔ وہاں دو تجارتی جہاز حبشہ جانے کے لئے تیار تھے۔ صرف پانچ درہم فی کس کرایہ پر سب کو بٹھالیا۔ قریش کو معلوم ہوا تو ان مہاجروں کا پیچھا کیا لیکن ساحل تک پہنچنے سے پہلے جہاز جاچکے تھے۔ حبشہ پہنچ کر ان مہاجروں کو امن نصیب ہوا۔ بعد میں کچھ اور حضرات بھی ان میں جا ملے جن میں حضرت جعفرؓ بن ابوطالب بھی تھے یہ سب تجارتی کاروبار میں مصروف ہو کر سکون کے ساتھ رہنے لگے۔ مشرکین قریش کو یہ ناگوار تھا۔ بعض سرداروں کے اعزا اور بیٹے اور صاحبزادیاں ان میں شامل تھے۔ ان کی واپسی کی کوشش کے لئے انہوں نے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو نجاشی (۱) شاہ حبشہ کی خدمت میں بھیجا (بعض روایات میں عبداللہ کی بجائے عمارہ بن ولید کا نام ہے اور بعض میں ان تینوں کا) لیکن یہ لوگ ناکام واپس آئے(۲)۔

اس پہلی ہجرت کے بارے میں سر ولیم میور کا تبصرہ ہے: "اس موقع پر مہاجروں کی تعداد کم تھی لیکن ان کا یہ عمل تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ اب قریش مسلمانوں کے خلوص اور مضبوط ارادے کے قائل ہوگئے۔ یہ ثابت ہوگیا کہ مسلمانوں کی جماعت محمد (ﷺ) کے دین کی خاطر ہر نقصان اور مصیبت جھیلنے کے لیئے ہمیشہ تیار تھی۔ اس ہجرت نے عام مسلمانوں کے لئے قربانی کی ایک نہایت اعلیٰ مثال قائم کردی اور ان کے نزدیک اللہ کی راہ میں خطرات قبول کرنا اور ترک وطن باعث فوقیت و امتیاز ہوگئے۔ ممکن ہے انہیں یہ خیال بھی ہوا ہو کہ قریش کی زیادتیاں اور ان کے اپنے دین کی خوبیاں سرزمین عرب ہی میں کہیں وہ ہمدردی اور مہمان نوازی فراہم کردیں جو شاہ حبشہ نے ان کے لئے مہیا کیں۔ اور اس طرح یہ چیز ایک بڑی ہجرت۔ ہجرت مدینہ۔ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ہو"(۳)۔

ابھی تین ماہ نہیں گزرے تھے کہ مہاجرین حبشہ کے یہاں یہ افواہ پہنچی کہ اہل مکہ

مسلمان ہوگئے۔ یہ سن کر بقول ابن اسحاق بعض اور بقول ابن سعد سب مہاجر مکہ واپس آنے لگے۔ مکہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ افواہ غلط تھی۔ کچھ حضرات واپس حبشہ چلے گئے۔ کچھ چھپ کر یا کسی کی پناہ حاصل کر کے مکہ میں رہ گئے۔ ابن ہشام نے واپس آنے والے ۲۳ حضرات کی فہرست دی ہے جن میں حضرت عثمانؓ اور ان کی زوجہ حضرت رقیہؓ، حضرت ابو حذیفہؓ اور ان کی زوجہ، حضرت ابو سلمہؓ اور ان کی زوجہ، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت مصعب بن عمیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت عثمان بن مظعونؓ وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ کئی نے سردارن قریش کی پناہ حاصل کرلی مثلاً حضرت عثمانؓ اُحیحہ سعد بن العاص کی پناہ میں آئے۔ حضرت ابو حذیفہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عبد الرحمٰنؓ نے بالترتیب عتبہ بن امیہ، زمعہ بن الاسود اور اسود بن عبد یغوث کی پناہ حاصل کی۔ عثمان بن مظعونؓ کو ولید بن مغیرہ نے پناہ دی تھی۔ یہ کچھ دن امن سے رہے پھر دیکھا کہ بہت سے صحابہ تھے جنہیں کسی کی پناہ حاصل نہ تھی اور تکلیف میں تھے۔ تو غیرت آئی اور ولید کی پناہ واپس کردی اور حرم میں اسکا اعلان بھی ہوگیا۔ اتفاقاً ان دنوں عرب کا مشہور شاعر لبید بن ربیعہ مکہ آیا ہوا تھا۔ ایک مجلس میں اپنا کلام سنا رہا تھا۔ عثمان بن مظعون بھی موجود تھے۔ لبید نے ایک مصرعہ پڑھا جسکا مطلب تھا "خبردار ہر شے سوائے اللہ کے باطل ہے"۔ عثمان نے سنکر کہا "تم نے بالکل سچ کہا" لبید نے دوسرا مصرعہ پڑھا "ہر ایک نعمت لامحالہ زوال پذیر ہے" اس پر عثمانؓ بول اٹھے "یہ غلط ہے کیونکہ جنت کی نعمتوں کو زوال نہیں" یہ لبید کو ناگوار گزرا اور اسکی شکایت پر بنی مغیرہ کے ایک شخص نے لبید سے معذرت کی اور عثمانؓ کے متعلق کہا کہ "یہ ایک جاہل شخص ہے اس نے اور اسکے ساتھیوں نے ہمارا مذہب چھوڑ رکھا ہے اسکی بات کا برا نہ مانئے"۔ پھر عثمانؓ نے بھی کچھ کہا۔ باتوں سے نوبت ہاتھا پائی تک پہنچی اور عثمان بن مظعونؓ کی ایک آنکھ میں سخت چوٹ آگئی۔ ولید کہیں قریب تھا۔ کہنے لگا بھتیجے۔ اگر تو میری پناہ میں ہوتا تو تیری آنکھ کو یہ تکلیف نہ پہنچتی۔ عثمانؓ نے جواب دیا "میری دوسری آنکھ کو بھی اللہ کی راہ میں ایسی ہی تکلیف کی تمنا ہے"۔ ولید نے پھر اپنی پناہ کی پیش کش کی مگر عثمانؓ بن مظعون نے گوارا نہ کیا (اس موقع پر عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ نے اس شخص کی ناک توڑدی جس نے عثمانؓ کی آنکھ پر گھونسہ مارا تھا)(۴)۔

ابو سلمہ بن عبدالاسد ابو طالب کی پناہ میں آئے تھے۔ ان کے قبیلے بنی مخزوم کے لوگوں نے ابو طالب سے شکایت کی "آپ نے اپنے بھتیجے کو پناہ دے رکھی ہے وہ بجا سہی لیکن

ہمارے شخص کو آپ پناہ دیں یہ مناسب نہیں"۔ ابو طالب نے جواب دیا " جب میں اپنے بھتیجے کو پناہ دے سکتا ہوں تو میں اپنے بھانجے کو پناہ دینے سے کیسے انکار کر سکتا ہوں"۔ (ابو سلمہ کی والدہ ابو طالب کی ہمشیرہ حضرت برہ بنت عبد المطلب تھیں)۔ بنی مخزوم کچھ برافروختہ ہوئے لیکن ابو سلمہ کا دوسرا ماموں ابو لہب اس وقت اپنے بھائی ابو طالب کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہو گیا کہ " انکو تنگ کروگے تو میں بھی ان کے ساتھ ہو جاؤنگا" اس پر بنی مخزوم خاموش ہو گئے۔

☆ ☆

(۱) اصل نام اصحمہ تھا لقب نجاشی تھا۔ جو نیگس کا معرب ہے۔

(۲) ابو الا علی مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۵۷۹

(۳) سر ولیم میور 'دی لائف اف محمدؐ' (The Life of Mohammad) صفحہ ۶۹، ۷۰

(۴) ابوالاعلی مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۵۸۰

(۳۵) قصۂ غرانیق

پہلی ہجرت کے بعد مہاجرین حبشہ کی واپسی کا سبب ابن ہشام نے مختصراً صرف اتنا لکھا ہے کہ "انہیں یہ خبر پہنچی کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کرلیا ہے"(۱)۔ لیکن بعض سیرت نگاروں نے (جن میں ابن اسحاق طبری وغیرہ شامل ہیں) ایک ناقابل یقین داستان تصنیف کرلی جو قصہ غرانیق کے نام سے مشہور ہے۔ یہ قصہ بقول مولانا شبیر احمد عثمانیؒ "جمہور محدثین کے اصول پر درجہ صحت کو نہیں پہنچتا" ۔اس روایت کا لب لباب یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ حرم شریف میں سورۃ النجم تلاوت فرمارہے تھے ۔ جب آپؐ ان الفاظ پر پہنچے :

"اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰی ۝ وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی" ۝

بھلا تم لوگوں نے لات اور عزیٰ کو دیکھا۔ اور تیسرے منات کو (یہ بت کیسے خدا ہوسکتے ہیں) (النجم ۱۹، ۲۰)

تو شیطان نے آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلوادئے۔ "تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى" (یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے) پھر سورۃ تمام کرکے آیت سجدہ پر آپؐ نے سجدہ کیا تو تمام حاضرین نے بھی سجدہ کیا۔ امیہ بن خلف بڑھاپے کی وجہ سے سجدہ نہ کرسکا۔ صرف مٹی اٹھا کر پیشانی پر لگالی۔ مشرکین نے آپؐ کے ساتھ سجدہ کرنے کا سبب یہ بتایا کہ "آپؐ نے (نعوذباللہ)لاۃ و ملوۃ ، عزیٰ کی عظمت کو تسلیم کرلیا ہے"

بعض بزرگوں مثلاً ابن حجر، زمخشری، ابن جریر وغیرہ نے اسے قبول کرکے یورپ کے مستشرقین کو اسے مزید اچھالنے کو موقع فراہم کیا ہے(۲)۔ لیکن ابن کثیر، امام رازی، بیہقی، قاضی عیاض، علامہ عینی، علامہ نووی، زرقانی اور حافظ منذری وغیرہ نے اس قصہ کو موضوع بتایا ہے۔ ابن خزیمہ داستان غرانیق کو زندیقوں کی اختراع بتاتے ہیں ۔ صحاح ستہ کی کسی کتاب حدیث میں

یہ منقول نہیں ، بخاری اور مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے صرف اسقدر روایت ہے کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی سورۃ سجدہ النجم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے (اسکی تلاوت کے بعد) سجدہ کیا اور جتنے لوگ آپؐ کے پیچھے تھے سب نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا (بغیر تخصیص مسلم وکافر) سوا ایک شخص کے اس نے اپنی ہتھیلی میں مٹی اٹھائی اور اسی پر سجدہ کیا۔ بعد میں (جنگ بدر کے دن) میں نے اسے دیکھا کہ کفر کی حالت میں قتل کیا ہوا پڑا ہے وہ شخص امیہ بن خلف تھا''(۳)۔ حقیقت صرف اسقدر تھی کہ قرآن مجید کے پر زور الفاظ جب رسول اللہ ﷺ کی زبان سے ادا ہوئے تو سارے مجمع پر ایک کیفیت طاری ہوگئی۔ سورۃ کے اختتام پر جب آپؐ نے سجدہ تلاوت ادا کیا تو سب سننے والے سجدے میں گر گئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ لکھتے ہیں کہ ''اس وقت سب کو ایک غاشیہ الہٰی نے گھیر لیا تھا۔ گویا ایک غیبی اور قہری تصرف سے طوعاً و کرہاً سب کو سر بسجود ہونا پڑا۔ صرف ایک بدبخت جسکے دل پر سخت مہر تھی (امیہ بن خلف) نے سجدہ نہ کیا ، مگر زمین سے تھوڑی سی مٹی اٹھا کر اس نے پیشانی پر لگالی اور کہا مجھے اسقدر کافی ہے'' (۴)بعد میں قریش قدرتاً اپنی اس حرکت پر پشیمان ہوئے اور خفت مٹانے کے لئے یہ جھوٹا عذر تراشا کہ لات ومنٰوۃ وعزیٰ کی تعریف آپؐ کی زبان سے سنی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی زبان پر تینوں بتوں کے نام آئے تو کسی مشرک نے حسب عادت باواز بلند کہدیا کہ ''تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی'' (۵)چونکہ مشرکین کا قاعدہ تھا کہ طواف کے وقت ان بتوں کے نام لے کر یہ الفاظ دہرایا کرتے تھے۔ آگے بقول مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ''تعبیر و ادا میں تصرف ہوتے ہوتے کچھ کا کچھ بن گیا۔ ورنہ ظاہر ہے نبی کی زبان پر شیطان کو ایسا تسلط کب حاصل ہوسکتا۔ اور جسکا ابطال آگے کیا جا رہا ہے اسکی مدح سرائی کیا معنی''(۶)۔

سرسید احمد خان اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے داستان غرانیق کی لغویت کو بڑے مدلل طریقے سے ثابت کیا ہے(۷)۔ محمد حسین ہیکل کہتے ہیں ''واقعہ غرانیق کا کوئی وجود نہیں ۔ اسے دشمنان محمد (ﷺ) نے وضع کیا ۔ مگر اسکے چہرے پر ایسا غازہ ملا جسکی رنگت دیکھنے کے ساتھ ہی پھیکی نظر انے لگے...... (اسلام کے) صدر اول میں اس واقعہ کا کسی کو شان و گمان بھی نہ تھا۔ صرف حاسدان اسلام نے بعد میں اسے وضع کر کے اپنے دل کا غبار نکالنا چاہا...... جسطرح مسئلہ زیر بحث تصدیق سے عاری ہے اسی طرح مہاجرین حبشہ کی مراجعت سے اسکا ربط محال''(۸)۔ ان کے نزدیک مہاجرین حبشہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی خبر

پاکر واپس ہوئے۔ منٹگمری ویٹ کی تحقیق ہے کہ ہجرت حبشہ شروع ہی قصہ غرانیق کے بعد ہوئی (۹) چنانچہ مہاجرین حبشہ کی واپسی سے قصہ کا کوئی تعلق نہیں۔

☆ ☆

(۱) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۴۱!

(۲) یہاں تک کہ رشدی نے (Satanic Verses) (شیطانی آیات) کے نام سے ایک ناول بھی تصنیف کر ڈالی۔

(۳) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۱۰۴۶ (کتاب التفسیر ۔ سورۃ النجم)

(۴) شبیر احمد عثمانی 'القران الکریم' (تفسیر عثمانی) صفحہ ۷۰۱، سید قطب شہید نے اپنا ذاتی واقعہ لکھا ہے کہ کسطرح ایک بار سورۃ النجم کی تلاوت سنتے وقت وہ بے اختیار رونے اور تھر تھر کانپنے لگے۔ ملاحظہ ہو 'تفسیر فی ظلال القران' جلد نہم صفحہ ۵۴۵

(۵) سر سید احمد خان لکھتے ہیں "جب پیغمبر خداؐ سورۃ نجم پڑھ رہے تھے اور اس آیت پر پہنچے 'افر ئیتم الات العزیٰ والمنات الثالثۃ الاخریٰ' تو مشرکین میں سے کسی نے اپنے بتوں کی تعریف کی غرض سے یہ جملہ کہا 'تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی' اور جب پیغمبرخدا نے سجدہ کیا مشرکین نے بھی براہ برابری اپنے بتوں کو سجدہ کیا، مشرکین میں اس بات پر اختلاف ہوا کہ وہ جملہ کس نے کہا کچھ عجب نہیں کہ مشرکین سمجھے ہوں کہ وہ جملہ پیغمبر خدا ہی نے فرمایا تھا۔ مگر انکو بہت جلد معلوم ہوگیا کہ پیغمبر خداؐ نے وہ جملہ ادا نہیں کہا اسلئے آنحضرتؐ سے زیادشمنی پر مستعد ہوگئے۔ ...... اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ جناب رسول خداؐ کے اصحاب میں سے کسی نے ان الفاظ کا کسی نہج پر پیغمبر خداؐ کی زبان مبارک سے نکلنا خیال نہیں کیا۔ کیونکہ کوئی روایت ایسی نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ ان صحابہ میں سے جو اسوقت ایمان لاچکے تھے کسی نے اس بات کو بیان کیاہو۔ بلکہ نہ کسی نے صحابہ میں سے اور نہ کسی نے کبار تابعین میں سے اسکو بیان کیا۔ یہی بے سرو پا روایتیں ہیں جن کا ذکر طبری اور واقدی اور ابن اسحاق نے اپنی کتابوں میں بیان کیاہے"(سر سید احمد خان 'خطبات سیرت النبیؐ' صفحہ ۲۵۱)

(۶) شبیر احمد عثمانی 'القران الکریم' (تفسیر عثمانی) صفحہ ۶۹۹

(۷) ابوالا علی مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۵۶۹ تا ۵۷۸

(۸) محمد حسین ہیکل 'حیات محمدؐ' صفحہ ۱۹۲

(۹) منٹگمری ویٹ 'محمد پرافٹ اینڈ اسٹیٹسمین' (Muhammad Prophet and Statesman) صفحہ ۶۵،

(۳۶) دوسری ہجرت

مراجعت کرنے والے مہاجرین نے دیکھا کہ مسلمانوں پر قریش کے مظالم جاری ہیں تو کچھ تو فوراً ہی حبشہ واپس گئے۔ بعض ٹھہر گئے۔ لیکن قریش کا ظلم روز بروز بڑھ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ تجویز فرمایا کہ جن سے بھی ہوسکے حبشہ چلے جائیں چنانچہ چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں بہت سے مسلمان حبشہ کو ہجرت کر گئے۔ اس مرتبہ انہیں بڑی احتیاط اختیار کرنا پڑی کیونکہ قریش بڑی سختی سے انہیں روک رہے تھے۔ کئی مسلمانوں کو ان کے اہل خاندان نے قید تک کرلیا تھا کہ مکہ سے باہر نہ جاسکیں۔ ان میں ہشام بن عاص بن وائل اور عبداللہ بن سہیل بن عمرو بھی شامل تھے۔ ابن ہشام نے ان حضرات کی ایک قبیلہ وار طویل فہرست دی ہے جو چھپ چھپا کر حبشہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئے ۔ ان میں رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر طیار بن ابوطالب بھی شامل تھے جنکو متعارف کرنے کے لئے آپؐ نے ایک خط بھی انہی کے ذریعے نجاشی شاہ حبشہ کو بھجوایا۔ اسی بناپر بعض سیرت نگاروں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے کہ قبل نبوت آپؐ تجارت کے سلسلے میں حبشہ تشریف لے گئے ہوں اور وہاں نجاشی سے ملے ہوں ۔ ہر چند کہ قدیم سیرت نگار اس بارے میں خاموش ہیں (۱)۔ ابن ہشام کی فہرست کے مطابق اس بار مہاجرین کی کل تعداد چھوٹے بچوں کے علاوہ ۱۰۳ تھی(۲)۔ اس دور میں سورۃ نحل نازل ہوئی جس میں ان مہاجرین کی ہمت افزائی کے لئے فرمایا گیا:

"اور جن لوگوں نے ظلم سہنے کے بعد خدا کے لئے وطن چھوڑا ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانا دینگے اور آخرت کا اجر تو بڑا ہے۔ کاش وہ (اسے) جانتے۔ یعنی وہ لوگ صبر کرتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے

ہیں" (النحل ۴۲،۴۱)

اہل قریش کے لئے اتنے بہت سے مسلمانوں کا حبشہ چلا جانا تکلیف دہ تھا اور باعث تشویش بھی۔ تقریباً ہر خاندان میں کوئی نہ کوئی اپنے گھر والوں سے جدا ہوگیا۔ بڑے بڑے سرداروں کو اپنے نہایت قریبی عزیزوں کی جدائی کا صدمہ سہنا پڑا۔ ابوجہل کے سگے بھائی سلمہؓ بن ہشام، چچا زاد بھائی ہشامؓ بن ابو حذیفہ اور عیاش بن ربیعہ اور چچازاد بہن ام سلمہ ان مہاجروں میں شامل تھے ابوسفیان کی دختر ام حبیبہؓ، عتبہ بن ربیعہ کے بیٹے ابو حذیفہؓ (ابو سفیان کی زوجہ ہند کے سگے بھائی) سہیل بن عمرو کے بھائی، بیٹے، صاحبزادیاں اور داماد ہجرت کر گئے، غرض ہر گھرانہ اس ہجرت سے متاثر ہوا۔ ممکن ہے قریش کو یہ ڈر بھی ہو کہ مزید اضافہ کے بعد مہاجروں کی یہ جماعت اتنی طاقت حاصل کرلے کہ اہل مکہ کے لئے سیاسی لحاظ سے خطرہ بن جائے۔

ان حالات میں سرداران قریش نے ان مہاجرین کی واپسی کے لئے ایک اور منصوبہ بنایا۔ دو ذہین اشخاص عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو تیار کیا کہ حبشہ جائیں، اعیان سلطنت اور نجاشی کو بیش بہا تحائف پیش کریں اور کسی نہ کسی طرح انہیں راضی کریں کہ مہاجرین کو واپس کیاجائے۔ ان تحائف میں دباغت شدہ قیمتی چرمی کھالیں بھی شامل تھیں جن کی حبشہ میں بڑی قدر تھی۔ یہ دونوں حبشہ پہنچے بڑے بڑے پادریوں اور افسران حکومت سے علیحدہ علیحدہ ملے۔ نذرانے اور تحائف پیش کئے اور مقصد بتایا کہ "ہمارے یہاں کے چند بے وقوف نوجوان اپناآبائی دین چھوڑ کر حبشہ میں آگئے ہیں وہ آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں۔ ہماری قوم نے ہمیں بھیجا ہے کہ ان سرپھروں کو واپس لاکر ان کے بزرگوں کے حوالے کریں۔ ہم بادشاہ سے بھی استدعا کرینگے۔ اس بارے میں آپ کی مدد اور سفارش درکار ہے"۔ سب نے اطمینان دلایا کہ اس 'کارخیر' میں بادشاہ سے ضرور سفارش کرینگے۔ پھر دونوں مندوبین نجاشی کے دربار میں مع تحائف کے حاضر ہوئے اور اپنا مقصد اسی طرح بیان کیا۔ ارکان مملکت اور بطریقوں نے حسب وعدہ سفارش کی کہ "ان مہاجروں کے بزرگ انہیں بہتر جانتے ہیں اس لئے ان کا واپس کردینا ہی مناسب ہے"۔ لیکن انصاف پسند بادشاہ نے یہ گوارا نہ کیاکہ فریق ثانی سے پوچھ گچھ کئے بغیر کوئی یکطرفہ فیصلہ کرے۔ اس لئے مہاجرین دربار میں طلب کئے گئے۔

یہ لوگ نہایت وقار کے ساتھ نجاشی کے دربار میں آئے۔ قاعدہ تھا کہ دربار میں داخل ہونے والے بادشاہ کے حضور سجدہ ریز ہوتے۔ لیکن ان حضرات نے سجدہ نہ کیا۔ درباریوں

نے اعتراض کیا تو بتایا کہ "ہم سوائے خدائے واحد کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے"۔ ان کے پر نور چہرے دیکھ کر نجاشی اور اہل دربار بہت متاثر ہوئے۔ نجاشی نے پوچھا "تمہارا دین کیا ہے۔ تم نے اپنی قوم کا دین بھی چھوڑ دیا اور یہودیت یا نصرانیت بھی اختیار نہیں کی"۔ مسلمانوں نے حضرت جعفر طیار بن ابوطالب کو اپنا نمائندہ مقرر کرلیا تھا۔ انہی کی بابت ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا "تمہاری فطرت میری فطرت کے مشابہ ہے اور تمہاری خصلت میری خصلت کے مشابہ ہے تم مجھ سے ہو اور میرے شجرے سے ہو" (۳)۔ انہوں نے بادشاہ کے سوال کے جواب میں ایک نہایت پر اثر تقریر کی۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ اپنے پہلے شوہر کے ساتھ ان مہاجرین میں شامل تھیں ۔ ابن اسحاق نے ان ہی سے تقریر اسطرح روایت کی ہے:

"اے بادشاہ ہم ایک جاہل قوم تھے ۔ بت پوجتے ' مردار کھاتے، فحش کام اور قطع رحمی کرتے تھے۔ ہمیں ہمسائیگی اور عہد و امان کا پاس نہ تھا ۔ ہمارا طاقتور کمزور کو کھائے جاتا تھا۔ ہم اس حال میں تھے کہ اللہ نے ہماری طرف ہم ہی میں سے ایک رسول (ﷺ) بھیجا جس کی عالی نسبی، صداقت ، امانت، اور پاکدامنی ہم جانتے تھے۔ اس رسول (ﷺ) نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا ، توحید کا سبق دیا کہ ہم صرف اسی کی عبادت کریں اور ان پتھروں اور بتوں کو چھوڑدیں جنہیں ہمارے باپ دادا نے معبود بنا رکھا تھا۔ اس رسول (ﷺ) نے ہمیں راست گوئی، امانت داری، صلہ رحمی، ہمسائیگی اور عہد و امان کی پاسداری کا حکم دیا۔ اور حرام افعال، خونریزی، فواحش، جھوٹ، یتیم کا مال کھانے اور پاکدامن عورتوں کو تہمت لگانے سے روکا۔ ہمیں صرف اللہ واحد کی عبادت کرنے اور کسی دوسرے کو اسکا شریک نہ کرنے کی ہدایت کی، اور نماز و زکوٰۃ اور صیام کے احکام دیئے (ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ اسی طرح حضرت جعفرؓ نے اسلام کے دوسرے احکام بادشاہ کو بتائے)۔ پس ہم نے اس رسول (ﷺ) کی تصدیق کی، اس پر ایمان لائے اور جو کچھ وہ رسول (ﷺ) اللہ کی طرف سے لایا تھا اسکی پیروی کی۔ صرف اللہ کی عبادت کی، کسی کو اسکا شریک نہ سمجھا۔ اسکے بتائے ہوئے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا۔ اس پر ہماری قوم ہم پر ٹوٹ پڑی۔ ہم کو عذاب دیئے اور ظلم توڑے کہ اللہ واحد کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کرلیں اور ان خبائث کو پھر حلال کرلیں جنہیں پہلے حلال کئے ہوئے تھے۔ آخرکار جب ان کے ظلم و ستم نے ہماری زندگی حرام کردی اور وہ ہمارے دین کی راہ میں حائل ہوگئے۔ تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے۔ دوسروں کی بجائے آپ کے یہاں آنا پسند کیا اور آپ کی پناہ لینی چاہی اس امید پر

کہ اے بادشاہ آپ کے یہاں ظلم نہ ہوگا"(۴)

نجاشی متاثر ہوا۔ فرمائش کی کہ "جو کلام تمہارے نبیؐ پر نازل ہوا ہے اس میں سے کچھ سنا سکو تو سناؤ" حضرت جعفرؓ نے سورۃ مریم (جو ہجرت حبشہ سے چند ہی دن پہلے نازل ہوئی تھی) کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ نجاشی کی آنکھوں سے آنسوں رواں ہوگئے۔ داڑھی اشکوں سے تر ہوگئی۔ یہی حال پادری صاحبان کا ہوا اور ان کے سامنے رکھے ہوئے صحیفے ان کے آنسوں سے نم ہوگئے۔ ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ سورۃ مائدہ کی یہ آیت انہی حضرات کی بابت نازل ہوئی(۵):

"اور جب اس کتاب کو سنتے ہیں جو (سب سے پچھلے) پیغمبر (محمد رسول اللہ ﷺ) پر نازل ہوئی تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں۔ اسلئے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی اور وہ (خدا کی جناب میں) عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم ایمان لائے تو ہم کو ماننے والوں میں لکھ دے" (مائدہ ۸۳)

نجاشی نے کہا "بے شک یہ کلام اور جو کچھ حضرت عیسیٰؑ (بعض روایات میں حضرت موسیٰؑ کا نام ہے) لائے دونوں ایک ہی سر چشمے سے ہیں"۔ پھر عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو مخاطب کیا کہ "تم دونوں واپس جاسکتے ہو۔ میں ان حضرات کو تمہارے ساتھ واپس نہیں کرسکتا"۔اس موقعے پر حضرت جعفرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب نجاشی ان کی تقریر سن چکا تو اس نے قریش سفیروں سے سوال کیا "کیا یہ لوگ تمہارے غلام ہیں جو بھاگ آئے" انہوں نے جواب دیا" نہیں" نجاشی نے پوچھا "کیا ان پر تمہارا قرض آتا ہے" پھر جواب ملا "نہیں" تب نجاشی نے کہا کہ "پھر انہیں چھوڑ دو"۔

دونوں قریش مندوبین مایوس ہوئے۔ حضرت ام سلمہؓ کا کہنا ہے کہ عبداللہ بن ربیعہ کے دل میں مہاجرین حبشہ کے لئے کچھ ہمدردی کا جذبہ تھا۔ لیکن عمرو بن عاص دوبارہ کوشش پر مصر ہوا اسکا منصوبہ تھا کہ نجاشی سے کہیں کہ ان مسلمانوں سے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ان کا عقیدہ معلوم کرے کیونکہ یہ لوگ تو حضرت عیسیٰؑ کو بھی خدا کا بندہ تصور کرتے تھے۔ اگلے روز

عمرو پھر نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "ان مہاجرین سے حضرت عیسیٰؑ کی بابت پوچھا جائے۔ یہ ان کے لئے ایک بڑی بات کہتے ہیں"۔ نجاشی نے ایک بار پھر مسلمانوں کو طلب کیا۔ان حضرات کو بڑی تشویش ہوئی مگر بہر حال یہی طے کیا کہ حق پر قائم رہیئے۔ نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو۔ نجاشی نے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق پوچھاکہ "تمہارا کیا عقیدہ ہے؟" حضرت جعفرؓ نے جواب دیا " ہم ان کے لئے وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی (ﷺ) نے بتایا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اسکی طرف سے ایک روح اور کلمہ ہیں جسے اس نے کنواری (حضرت) مریمؑ پر القا کیا تھا" نجاشی نے زمین کی طرف ہاتھ بڑھایا ایک تنکا اٹھایا اور کہا "خدا۔ تم نے جو کہا حضرت عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں تھے"۔عیسائی درباری کچھ برہم ہوئے مگر نجاشی نے پرواہ نہ کی۔ مسلمانوں سے کہاکہ امن سے رہیں جو انہیں پریشان کریگا سزا پائیگا۔ اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ عرب سفیر جو تحائف لائے تھے انہیں واپس کردیئے جائیں ۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود بھی مہاجروں کے ساتھ نجاشی کے دربار میں موجود تھے۔ ان سے روایت ہے کہ نجاشی نے آخر میں یہ بھی کہا" خدا کی قسم اگر میں بادشاہ کی ذمہ داریوں میں پھنسا ہوا نہ ہوتا تو ان (رسول اللہ ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ انؐ کی جوتیاں اٹھاتا اور انؐ کو وضو کراتا"(۶)۔

عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ بے نیل ومرام واپس ہوئے نجاشی مسلمان مہاجرین سے اسقدر متاثر ہوا کہ انہیں 'حزب ابراھیم'(۷) کے لقب سے نوازا۔ حقیقتاً وہ اریوسی مسیحیوں میں سے تھا جو حضرت عیسیٰؑ کی وحدت فطرت کے قائل تھے۔ تثلیث کے قائلین کی طرح یہ نہیں مانتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ میں دو فطرتیں جمع تھیں۔ ایک عبدیت کی اور دوسری الوہیت کی۔ اس نے اسی لئے مسلمانوں کے عقیدے کے تصدیق کی(۸)۔ اسکے بعد مسلمان اطمینان سے حبشہ میں رہنے لگے اور ان کی تبلیغ سے حبشہ کے چالیس پچاس حضرات اسلام سے مشرف ہوئے(۹)۔ اور نجاشی نے بھی اسلام قبول کیا۔

کہتے ہیں کہ نجاشی کے ان خیالات کی وجہ سے عیسائیوں کا ایک گروہ اسکے خلاف ہوگیا۔ اور سرکشی پر آمادہ ہوا۔ نجاشی نے مسلمان مہاجروں کے لئے کشتیاں تیار کروادیں اور انہیں کہلا بھیجا کہ "میری خبر کے منتظر رہو۔ مجھے شکست ہو تو یہ ملک چھوڑ کر جہاں چاہو چلے جانا۔ میں غالب ہوؤں تو یہیں رہنا" پھر باغیوں سے ملنے کی تیاری کی۔ ایک جھلی پر لکھا"میں گواہی دیتا

ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور بے شک محمد (ﷺ) اسکے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰؑ ابن مریمؑ اسکے بندے اور رسول ہیں اسکی روح اور اسکا کلمہ ہیں جو اسنے مریمؑ کی طرف القا کیا"، یہ جھلی اپنی قبا کے اندر چھپائی اور سرکش گروہ کے سامنے جاکر انہیں اس طرح مخاطب کیا "کیا میں تم میں سلطنت کا زیادہ حقدار نہیں ہوں؟" لوگوں نے کہا "بے شک ہو" نجاشی نے پوچھا "تم نے میری سیرت اور عادت کیسی پائی" سب نے جواب دیا "بہت اچھی" نجاشی نے سوال کیا "پھر تم میرے خلاف بغاوت پر کیوں امادہ ہو؟" باغیوں نے بتایا "کیونکہ تم نے ہمارا دین چھوڑدیا ہے اور تم حضرت عیسیٰؑ کو بندہ کہتے ہو"۔ نجاشی نے پوچھا "تم حضرت عیسیٰؑ کو کیا مانتے ہو؟"۔ لوگوں نے جواب دیا "خدا کا بیٹا"۔ تب نجاشی نے اپنے سینے پر اس جگہ ہاتھ رکھا جہاں تحریر پوشیدہ تھی اور کہا کہ "عیسیٰؑ نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا اور میں اس پر گواہ ہوں" نجاشی کا اشارہ پوشیدہ تحریر کی طرف تھا لیکن لوگ سمجھے کہ بادشاہ انہی کے قول کی تصدیق کررہا ہے۔ خوش ہوکر چلے گئے۔ اور مخالفت ختم ہوگئی۔ یہی سبب تھا کہ جب نجاشی کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے جو اسوقت مدینہ میں تشریف فرماتھے اسکی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی(۱۰)۔

ابن اسحاق (۱۱) کہتے ہیں کہ جب مہاجرین حبشہ کے ذریعے اہل حبشہ اسلام سے روشناس ہوئے تو تقریباً بیس نصرانیوں کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کا نیاز حاصل کرنے مکہ آیا (یا نجاشی نے ۱۲ راہبوں اور پادریوں کا وفد آپؐ کی خدمت میں بھیجا)(۱۲)۔ یہ لوگ آپؐ سے مسجد حرام میں ملے کچھ سوال پیش کئے۔ آپؐ کے جوابات سے مطمئن ہوئے۔ آپؐ نے اسلام کی دعوت دی اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی ان حضرات کی انکھوں سے اشک جاری ہوگئے۔ رسول اخر زمان ﷺ کی ان صفات کو پہچان لیا جو ان کی اپنی کتابوں میں آپؐ کے متعلق مذکور تھیں۔ اور آپؐ پر ایمان لائے۔ مشرکین قریش اپنی مجلسوں میں بیٹھے یہ نظارہ دیکھ رہے تھے۔ جب یہ حضرات رخصت ہونے لگے تو ابو جہل چند قریشیوں کے ساتھ ان سے ملا۔ان کے اسلام لانے پر طعنہ زن ہوا اور کہنے لگا" تم سے زیادہ احمق وفد ہم نے کبھی نہیں دیکھا"۔ ان کا جواب تھا "تمہیں سلام ہے۔ ہم نادانی میں تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ ہم اپنے آپ کو بھلائی سے محروم نہیں رکھ سکتے"۔ ان ہی کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں:

"جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں ۔ اور جب (قرآن) ان کو پڑھکر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے۔ بے شک وہ ہمارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے (اور) ہم تو اس سے پہلے کے حکم بردار ہیں۔ ان لوگوں کو دگنا بدلا دیا جائیگا۔ کیونکہ صبر کرتے رہے ہیں اور بھلائی کے ساتھ برائی کو دور کرتے ہیں۔ اور جو (مال) ہم نے انکو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ۔ اورجب بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے کہ ہم کو ہمارے اعمال اور تمکو تمہارے اعمال۔ تم کو سلام۔ ہم جاہلوں کے خواستگار نہیں "۔ (القصص ۵۲ تا ۵۵)

شاہ عبدالقادر" آخری آیت کے متعلق 'موضح القران'(قرآن مجید کا اردو ترجمہ) میں لکھتے ہیں " یہ حبشہ کے نصاریٰ تھے۔ نجاشی کے رفیق ۔ اس قران کو سنکر یقین لائے۔ اور جس جاہل سے توقع نہ ہو کہ سمجھانے پر لگے گا اس سے کنارہ ہی بہتر ہے"۔

ہجرت حبشہ کے سلسلے میں حضرت ابوبکرؓ کا ایک واقعہ (جو عام ہجرت حبشہ کے کافی بعد کا ہے) قابل ذکر ہے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ہجرت کی اجازت چاہی اور حبشہ کے لئے روانہ ہوئے۔ راستے میں برک الغماد کے قریب ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی۔ یہ احابیش کا سردار تھا۔ (احابیش بقول ابن اسحاق بنی حرث بنی خزیمہ اور بنی مصطلق کے متحدہ قبائل تھے۔ سید سلیمان ندوی تاریخ ارض القران' میں بتاتے ہیں کہ یہ مکہ کے قریب جبل احابیش کے دامن میں اباد تھے) ۔ قبل اسلام ہی سے حضرت ابوبکرؓ کو جانتاتھا اور انکی نیکی اور شرافت سے اچھی طرح واقف تھا۔ ملتے ہی پوچھا کہ "کدھر کا قصد ہے" حضرت ابوبکرؓ نے بتایا کہ قوم نے کسطرح زندگی حرام کر رکھی تھی اور حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کے لئے مجبور کردیا۔ ابن الدغنہ نے کہا "ایسانہیں ہوسکتا ۔ واللہ تم قوم کی زینت ہو۔ ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہو۔ غریب اور مسافر کے ساتھ سلوک کرتے ہو۔ تم مکہ واپس چلو میں تمہیں اپنی پناہ میں لیتا ہوں"۔ اسطرح حضرت ابوبکرؓ واپس مکہ آگئے۔ ان کی رہائش بنی جمح کے محلے میں تھی۔ وہاں گھر کے صحن میں دروازے کے قریب چھوٹی سی مسجد بنالی تھی جہاں قران مجید کی تلاوت کرتے تھے ۔ گزرنے والے راہ گیر ان کی قرأت سے متاثر ہوتے اور کبھی کبھی قرآن مجید سننے والوں کا مجمع ہوجاتا تھا۔

قریش ڈر ے کہ اس سے اسلام کو مزید فروغ نہ پہنچے اور ابن الدغنہ سے شکایت کی۔اس نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ اپنی عبادت گھر کے اندر تک محدود رکھیں کہ دوسرے متاثر نہ ہوں۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے اسکی پناہ واپس کر دی اور فرمایا کہ "میں خدا کی پناہ میں ہوں"۔ بعد میں مشرکین انہیں تکلیف پہنچاتے رہے۔ ایک بار کسی نے سر پر مٹی ڈال دی تو صبر کیا اور کہا "اے پرور دگار تو بڑا حلم والا بڑا بردبار ہے بڑا حلیم ہے"(۱۳)۔

مہاجرین حبشہ کے بارے میں مورخین ایک اور واقعہ بھی بیان کرتے ہیں ۔ جنگ بدر میں جب قریش بری شکست سے دوچار ہوئے تو انہوں نے ایک مرتبہ پھر ایک وفد حبشہ بھیجا کہ کسی طرح وہاں کے مسلمانوں کو واپس حاصل کرلیں۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے مدینہ سے عمرو بن امیہ الضمری کو جو اس وقت یہودی تھے مگر شاہ حبشہ سے متعارف تھے نجاشی کے پاس بھیجا کہ مسلمانوں کی سفارش کریں (۱۴)قریشی وفد آخری بار پھر ناکام واپس ہوا۔

☆ ☆

(۱) محمد حمید اللہ 'رسول اکرم کی سیاسی زندگی' صفحہ ۱۹۵

(۲) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۰۸ تا ۲۱۳

(۳) ابن سعد 'طبقات' حصہ چہارم صفحہ ۱۹۳

(۴) ابو الا علی مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۵۸۹، ۵۹۰ (اقتباس)

(۵) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۵۹۔ اس ایت کا تعلق اس واقعہ سے بھی بتایا گیا ہے جس میں نجاشی کا فرستادہ عیسائی علما کا ایک وفد انحضرت ﷺ سے مکہ میں ملا قران مجید سنکر اشکبار ہوا اور آپ پر ایمان لایا۔

(۶) ابوالا علی مودودی 'سیرت سرورعالمؐ' جلد دوم صفحہ ۵۹۱

(۷) شبیر احمد عثمانی 'القران الکریم' (تفسیر عثمانی) صفحہ ۷۶

(۸) ابو الکلام آزاد 'رسول رحمتؐ' صفحہ ۱۴۷۔ آریوسی عقیدہ اسکندریہ کے پادری اریوس کا پیش کردہ تھا۔ جس میں حضرت عیسیٰ کی الوہیت کو تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔

(۹) محمد حمید اللہ 'خطبات بھاولپور' صفحہ ۴۰۳

(۱۰) ابن ہشام 'سیرت النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۲۰، ۲۲۱

(۱۱) سیرت ابن اسحاق مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد یازدھم صفحہ ۲۳۲

(۱۲) ایضاً صفحہ ۲۳۳

(۱۳) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۴۶ ۔ حضرت ابوبکرؓ اور ابن الدغنہ کا واقعہ حبشہ کی ابتدائی ہجرتوں کے کافی بعد کا ہے۔ سید سلیمان ندوی مرحوم نے اسے ۱۳ نبوی کا واقعہ قرار دیا ہے (سید سلیمان ندوی 'سیرت عائشہ' صفحہ ۳۱۳)

(۱۴) محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۳۱۵

هُوَ اللهُ لا إله إلا الله مُحَمَّدٌ رَسُولُ الله

□ اسماعیل حقی کے قلم سے

(۳۷) الروم

حبشہ کی عیسائی حکومت نے مسلمانوں کا خیر مقدم کیا وہاں کا جو وفد مکہ آیا اس نے اسلام قبول کیا۔ اس قسم کے واقعات سے مسلمانوں کی ہمدردیاں عیسائیوں کے ساتھ ہوگئیں جو اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے بہر حال کفار سے بہتر تھے۔ بر خلاف اسکے مشرکین مکہ ان سے بدظن ہوگئے خصوصاً جبکہ نجاشی نے ان کا مطالبہ منظور نہ کیا۔ اسی زمانے میں دنیا کی دو عظیم ترین سلطنتوں ایران اور روم کی جنگ جو تقریباً گذشتہ دس سال سے جاری تھی اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ رہی تھی۔ ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کی فوجیں بڑھتے بڑھتے بَیتُ المُقدِس پر قابض ہوگئیں۔ تقریباً ۹۰ ہزار عیسائی وہاں قتل ہوئے ان کے مقدس کلیسا کنیسۃ القیامہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی اور وہ مقدس صلیب جس پر عیسائی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰؑ (نعوذباللہ) مصلوب ہوئے تھے مدائن پہنچادی گئی۔

اس فتح کے نشے سے سرشار ہوکر خسرو پرویز نے شاہ روم ہرَقل کو یہ اہانت آمیز خط لکھا "سب خداؤں سے بڑے روئے زمین کے مالک خسرو پرویز کی طرف سے کمینے اور بد شعور بندے ہر قل کے نام ...... تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے رب پر بھروسہ ہے۔ کیوں نہ تیرے رب نے یروشلم کو میرے ہاتھ سے بچالیا"(۱)۔ ایران کی ان فتوحات کے باعث جو اسکے بعد برابر جاری تھیں مشرکین مکہ خوش تھے اور مسلمانوں پر طعنہ زن تھے کہ "آتش پرست اہل کتاب پر غالب آرہے ہیں"۔ اس وقت مسلمانوں کی تسکین کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الروم نازل فرمائی جسکی ابتدائی آیات میں یہ معجزانہ پیشین گوئی کی گئی:

" (اہل) روم مغلوب ہوگئے۔ نزدیک کے ملک میں۔ اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائینگے۔ چند ہی سال میں۔ پہلے بھی اور

پیچھے بھی خدا ہی کا حکم ہے۔ اور اس روز مومن خوش ہوجائینگے"۔

(الروم ۲ تا ٤)

حقیقت میں یہ دو پیشین گوئیان تھیں ۔ پہلی رومی غلبے کی اور دوسری مسلمانوں کی ایک فتح کی۔ بظاہر کوئی امکان نہ تھا کہ چند سال میں یعنی دس سال کے اندر ان میں سے کوئی بھی پیشین گوئی پوری ہو۔ انگریز مصنف ایڈورڈ گبن اپنی مشہور تصنیف 'زوال و سقوط سلطنت روما' میں لکھتا ہے "جس وقت یہ پیشین گوئی کی گئی اس وقت دور دور تک اسکے پورے ہونے کا قطعی کوئی امکان نہ تھا۔ چونکہ ہرقل کے گذشتہ بارہ سال پکار پکار کر اعلان کررہے تھے کہ رومی حکومت کا خاتمہ قریب ہے" (۲)۔ اسی طرح اٹھارویں صدی کا ایک فرانسیسی محقق رقم طراز ہے" قرآن مجید کی سورۃ الروم میں مستقبل کی ایک ایسی پیشن گوئی ہے جو اس وقت کی گئی جب ہرگز قابل یقین نہ تھی...... تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ۶۱۵ء سے ۶۲۵ ء تک رومی ایران کے ہاتھوں مسلسل شکست کھارہے تھے۔ لیکن دس سال کے بعد انہوں نے پھر اپنی کھوئی ہوئی برتری حاصل کرلی اور اپنے خوفناک دشمن پر فتح پائی۔ یہ تقدیر کا ایک ایسا غیر متوقع پھیر تھا جسکی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی ۔ میں پھر کہونگا کہ ایک بڑی نمایاں حیرت انگیز حقیقت ہے کہ شکست و فتح کے درمیان ۶۱۵ء سے ۶۲۵ء تک کے دس سال بالکل اسی طرح پورے ہوئے جیسے کہ محمد(رسول اللہ ﷺ) نے بتائے تھے۔ پس یہ ماننا پڑیگا کہ اگر قرآن مجید کی تیسویں سورۃ ۶۱۵ء میں نازل ہوئی تو اس پیشین گوئی کی تکمیل میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں"(۳)

یہی سبب تھا کہ اس سورۃ کے نازل ہونے پر مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں اور قرآن مجید کا مذاق اڑانا شروع کردیا۔ لیکن مسلمانوں کو وحیِ الٰہی پر یقین تھا۔ جب اُبَیّ بن خَلَف نے حضرت ابوبکرؓ سے شرط لگانا چاہی کہ اگر تین سال میں رومی فتحیاب ہوئے تو وہ دس اونٹ انؓ کو دیگا ورنہ وہؓ دس اونٹ اسے دیں تو حضرت ابو بکرؓ تیار ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا کہ "بضع سنین" کا اطلاق دس سال سے کم مدت پر ہوتا ہے۔ لہذا شرط کی مدت دس سال اور اونٹوں کی تعداد ایک سو کرلو"۔ حضرت ابو بکرؓ نے ایسا ہی کیا ۔ پھر جب ۶۲۲ء میں رسول اللہ ﷺ ہجرت کرکے مدینہ آگئے تھے تو ۶۲۳ء اور ۶۲۴ء میں ہرقل آرمیا سے اپنا حملہ شروع کرکے آذربائجان تک پہنچ گیا اور اُرمیاہ کو تباہ کرکے اس نے ایرانیوں کو ذلت آمیز شکست دی۔ اور اسی سال مشرکینِ مکہ کو جنگِ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں عبرتناک شکست سے دوچار

ہونا پڑا۔ سورۃ الروم کی دونوں پیشین گوئیاں حرف بحرف پوری ہوئیں(۴)۔ ایران پر رومیوں کی مکمل فتح نینوئی کی جنگ (۶۲۷ء) میں ہوئی اور اگلے سال خسرو پرویز اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ یہی وہ سال تھا جس میں صلح حدیبیہ ہوئی جسے قرآن مجید نے 'فتح مبین' بتایا ہے۔ اسی بنا پر ابو نعیم 'دلائل النبویہ' میں کہتے ہیں "رومیوں کے ہاتھوں ایرانیوں کو اسی دن شکست ہوئی تھی جس دن حدیبیہ کی صلح ہوئی۔ اور جب اسکی اطلاع پہنچی تو جناب رسالت مآب ﷺ کو بڑی خوشی ہوئی کہ قرآن مجید کے سورۃ روم کی کئی سال قبل کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔"(۵)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کا کہنا ہے کہ عرب کے بہت سے مشرکین اس سے متاثر ہوئے اور ایمان لائے۔ ابی بن خلف کے وارثوں نے شرط کے مطابق سو اونٹ حضرت ابوبکرؓ کو دیئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپؐ نے اونٹ لیکر صدقہ کرنے کی ہدایت فرمائی، شرط اسوقت ہوئی تھی جب شرط لگانا حرام نہ ہوا تھا۔ لیکن اب قمار کی حرمت کے احکام آچکے تھے۔ "حربی کافروں سے شرط کا مال تو لینے کی اجازت دی گئی مگر ہدایت کی گئی کہ اسے خود استعمال کرنے کے بجائے صدقہ کردیا جائے"(۶)۔

☆ ☆

(۱) ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۵۹۶
(۲) ایڈورڈ گبن 'دی ڈیکلائن اینڈ فال اف دی رومن امپائر' (TheDecline and Fall of the Roman Empire جلد دوم صفحہ ۷۸۸
(۳) کاؤنٹ اف بولین ولیرز 'دی لائف اف محمدؐ' (The Life of Mahomet) صفحہ ۳۲۴، ۳۳۷
(۴) ابوالاعلیٰ مودودی 'تفہیم القرآن' جلد سوم صفحہ ۷۴۷
(۵) محمد حمید اللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۲۱۹
(۶) ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۵۹۹۔

(۳۸) حضرت حمزہؓ

نجاشی کے دربار میں اپنے نمائندوں کی ناکامی نے قریش کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا۔رسول اللہ ﷺ کو ابوطالب کی سرپرستی اور حمایت حاصل تھی۔ مگر پھر بھی آپ کفار کی دست درازیوں سے بالکل محفوظ نہ رہ سکے ۔ ارباب سیر نے ایسے کئی واقعات نقل کئے ہیں جن میں آپؐ کی ذات گرامی کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا ۔ ان واقعات کے زمانے کا صحیح تعین مشکل ہے۔

آپ کو تمسخر کا نشانہ پہلے ہی سے بنایا جاتا تھا۔ امیہ بن خلف آپؐ کودیکھتا تو آنکھ سے اشارے کرتا اور طعنے دیتا۔ اللہ تعالٰی نے اسی کے لئے فرمایا:

"ہر طعن آمیز اشارتیں کرنے والے کی خرابی ہے۔ جو مال جمع کرتا ہے اور اسکو گن گن کر رکھتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے کہ اسکا مال اسکی ہمیشگی کا موجب ہوگا۔ ہر گز نہیں وہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا"۔(الھمزۃ ۱ تا ٤)

ولید بن مغیرہ کا کہنا تھا کہ اللہ کو اپنا کلام نازل کرنا تھا تو مجھ جیسےبڑے آدمی پر نازل کرتا۔ اس کے متعلق یہ ایت نازل ہوئی

"اور (یہ بھی) کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں (یعنی مکہ اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا"۔(زخرف ۳۱)

اخنس بن شریق بڑا زبان دراز تھا اور آپؐ کی بدگوئی کرتا تھا۔ اسکے لئے کہا گیا:

"اور کسی ایسے شخص کے کہے میں نہ آجانا جو بہت قسمیں کھانے والا ذلیل اوقات ہے۔ طعن آمیز اشارتیں کرنے والا چغلیاں لئے پھرنے والا مال میں بخل کرنے والا حد سے بڑھا ہوا بدکار۔ سخت خو اور اسکے علاوہ بد نصیب ہے" (القلم ۱۰ تا ۱۳)

عبداللہؓ بن عمرو بن عاص سے پوچھا گیا کہ اپ نے رسول اللہ ﷺ پر کفار کی سب سے بڑی زیادتی کا کونسا واقعہ دیکھا تو انہوں نے بیان کیا کہ ایک روز حجر اسود کے قریب قریشی سردار بیٹھے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں گفتگو کررہے تھے کہ آپؐ ان کے دین اور ان کے بزرگوں کو برا بتاتے ہیں جوان کے لئے بڑا صبر آزما تھا۔ اتنے میں آپؐ حرم میں تشریف لائے اور کعبہ کا طواف شروع کردیا۔ ہر طواف کے دوران یہ کافر آپؐ پر آوازے کستے رہے۔ جب تین بار ایسا ہوا تو آپؐ کے چہرے پر ناگواری کے آثار نمایاں ہوئے۔ آپؐ رک گئے اور فرمایا "اے گروہ قریش تم سنتے ہو۔ خبردار ہو جاؤ قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضے میں میری جان ہے مین تمہارے پاس ذبح کے ساتھ آیا ہوں"(۱)۔ آپؐ کا یہ فرمانا تھا قریش کانپ اٹھے اور سب پر سکتے کا عالم طاری ہوگیا۔ جو سب سے زیادہ بول رہا تھا۔ وہی اب نرمی سے گفتگو کرنے لگا اور نہایت لجاجت سے آپؐ سے درگزر کرنے اور تشریف لے جانے کو کہا۔ چنانچہ آپ ﷺ رخصت ہوگئے۔ دوسرے روز اپنی اس کمزوری کی ندامت مٹانے کے لئے انہوں نے حرم میں آپؐ کو گھیر لیا۔ اور ایک شخص نے آپؐ کی چادر گریبان کے قریب پکڑلی۔ اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ آگئے اور آپ کو چھڑایا۔ وہ کہتے جاتے تھے کہ "تم ایک شخص کو صرف اس لئے مارے ڈالتے ہو کہ وہ کہتا ہے اللہ میرا رب ہے"۔ اسکے بعد لوگ آپؐ کو چھوڑ کر چلے گئے۔

ایسی ہی ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ مقام ابراھیم کے قریب نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور اپنی چادر آپؐ کے گلے میں ڈال کر کھینچنے لگا۔ اس وقت حضرت ابو بکرؓ آپہنچے اور عقبہ کو دھکا دے کر آپ ﷺ کو چھڑایا۔ ابی بن خلف (امیہ کا بھائی) عقبہ بن ابی معیط کا دوست تھا۔ ایک دن عقبہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ کر آپ ﷺ کی گفتگو سنی۔ ابی

نے اسے طعنہ دیا اور مجبور کیا کہ آپ ﷺ کے منہ پر تھوک آئے۔

ابن سعد نے رسول اللہ ﷺ کو ستانے والوں کے بیس ناموں کی فہرست (۲) مرتب کی ہے جن میں ابو جہل، ابولہب، اسود بن قیس، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، عاص بن وائل، نضر بن حارث، اور عقبہ بن ابی معیط سرفہرست ہیں۔ ان میں ابو لہب اور عقبہ آپ کے قریبی پڑوسی تھے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا "میں دو پڑوسیوں کے شر کے درمیان تھا۔ ابو لہب اور عقبہ بن ابی معیط دونوں غلاظت لاتے اور میرے دروازے پر ڈال دیتے"۔ یہ لوگ طرح طرح آپؐ کو اذیت پہنچاتے تھے۔ آپؐ اپنے مکان میں نماز پڑھتے ہوتے تو بکری کا اوجھ آپؐ پر پھینکنے کی کوشش کرتے۔ کھانا پکتا ہوتا تو اس پر اس قسم کی غلاظت پھینکتے۔ آپؐ یہ اوجھڑی وغیرہ لے کر گھر کے باہر آتے اور فرماتے" اے بنی عبد مناف یہ کیسی ہمسائیگی ہے"۔

ابولہب کی بیوی ام جمیل آپ کے گھر کے راستے میں کانٹے بچھادیتی تھی۔ جب اس نے سنا کے اسکے اور اسکے شوہر کے متعلق قرآن مجید میں سورۃ لہب نازل ہوئی ہے تو بہت برہم ہوئی۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ہاتھ میں کنکریاں لے کر حرم میں آئی کہ رسول اللہ ﷺ کے منہ پر مارے۔ آپؐ وہاں موجود تھے لیکن اللہ نے اسکی انکھوں پر ایسا پردہ ڈالا کہ آپؐ کو دیکھ نہ سکی۔ حضرت ابو بکرؓ سے جو آپؐ کے قریب ہی تھے پوچھنے لگی کہ "تمہارے صاحب کہاں ہیں؟ میں نے سنا کہ وہ میری ہجو کرتے ہیں۔ میں نے بھی ان پر شعر کہا ہے :

"مذمما عصینا   وامرہ ابینا   ودینہ قلینا"

(ہم نے مذمم کی نافرمانی کی   اسکے حکم سے انکار کیا   اسکے دین کو قبول نہ کیا

یہ کہہ کر چلی گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا "اس نے مجھے نہیں دیکھا۔ اللہ نے اسے اندھا کردیا تھا" قریش اکثر آپؐ کو 'محمدؐ' کے بجائے 'مذمم' کہتے تھے۔ آپؐ فرماتے تھے "دیکھو تعجب کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کی بیہودگیوں سے مجھے محفوظ رکھا ہے۔ یہ لوگ 'مذمم' کو برا کہتے ہیں اور میں 'محمد' ہوں" (۳)۔

ابو جہل آپ ﷺ کا سب سے بڑا مخالف تھا۔ آپ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھتا تو روکنے کی کوشش کرتا۔ ایک دن آپؐ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ دیکھکر کہنے لگا "محمد (ﷺ) کیا میں نے تمہیں اس سے منع نہیں کیا تھا" پھر کچھ دھمکی بھی دی۔ آپؐ نے جواب

میں ڈانٹا تو بولا "مجھے کیا دھمکا رہے ہو۔ بخدا اس وادی میں میری محفل سب سے بڑی ہے اسی پر یہ آیات نازل ہوئیں(۴):

"بھلا تم نے اس شخص کو دیکھاجو منع کرتا ہے۔ ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھنے لگتا ہے۔ بھلا دیکھو تو یہ اگر راہ راست پر ہو۔ اور دیکھو تو سہی اگر اس نے دین حق کو جھٹلایا اور اس سے منہ موڑا (تو کیا ہوا) کیا اسکو معلوم نہیں کہ خدا دیکھ رہا ہے۔ دیکھو وہ اگر باز نہ آیگا تو ہم اسکی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ یعنی جھوٹے خطاکار کی پیشانی کے بال تو وہ اپنے یاروں کی مجلس کو بلالے ہم بھی اپنے موکلان دوزخ کو بلائینگے"۔ (العلق ۹ تا ۱۸)

ابوجہل کی ایک ایسی ہی حرکت اسلام کی بڑی خدمت کرگئی۔ رسول اللہ ﷺ ایک روز صفا کی پہاڑی کے قریب تھے کہ ابو جہل ادھر سے گزرا۔ اور آپؐ کو برا بھلا کہنے لگا۔ بہت ناسزا الفاظ استعمال کئے۔ لیکن آپؐ خاموش رہے۔ عبداللہ بن جدعان کی ایک آزاد کردہ کنیز جو قریب ہی رہتی تھی سب کچھ سن رہی تھی۔ انسانی ہمدردی کے بنا پر اسے بھی ابوجہل کا یہ برا رویہ ناگوار گزرا۔ اتفاقاً حضرت حمزہؓ کچھ دیر بعد اس طرف سے گزرے۔ وہ حسب معمول شکار سے واپس آرہے تھے۔ ہاتھ میں کمان تھی۔ کنیز نے انہیں دیکھا تو پاس آئی اور ابوجہل کے ناپاک رویے کا ذکر کیا(۵)۔ حضرت حمزہ آپؐ کے چچا تھے۔ لیکن عمر میں تقریباً برابر تھے۔ آپؐ کے ساتھ کھیلے ہوئے تھے اور دودھ شریک بھائی بھی تھے (دونوں نے ثوبیہ کا دودھ پیا تھا) مسلمان نہ ہونے کے باوجود آپ ﷺ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ کنیز سے سارا ماجرا سنا تو غصے میں آگئے۔ ابو جہل کو تلاش کرتے ہوئے حرم میں پہنچے۔ وہاں ابو جہل اپنے ساتھیوں کے ساتھ محو گفتگو تھا۔ وہاں جاکر کمان اس زور سے اس کے سر پر ماری کے سر پھٹ گیا۔ پھر ڈانٹ کر کہا تو انہیںؐ گالیاں دیتا ہے۔ میں بھی انہیںؐ کے دین پر ہوں۔ ہمت ہو تو مجھے گالیاں دیکر دیکھ" ابو جہل کے ساتھی اسکی طرفداری کے لئے اٹھے مگر اس نے یہ کہہ کر روک دیا "انہیں کچھ نہ کہو۔ میں نے واقعی ان کے بھتیجے کو بہت برا بھلا کہا تھا"۔ پھر حضرت حمزہ اسلام پر قائم ہوگئے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد حضرت حمزہؓ اپنے گھر چلے گئے۔ وہاں شیطان نے وسوسہ اندازی کی کہ "تو قریش کا سردار ہے۔ دین سے پھرے ہوئے اس شخص کی پیروی اختیار کرلی اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو ترک کردیا۔ اس سے تو مرجانا بہتر تھا"۔ رات بھر پریشان رہے۔ اللہ سے دعا کی کہ "جو کچھ میں نے کیا ہے اگر صحیح ہے تو اسکی تصدیق میرے دل میں ڈال دے ورنہ اس سے نکلنے کی کوئی راہ پیدا کر"۔ علی الصبح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اپنی پریشانی بتائی۔ اور رہنمائی چاہی۔ آپؐ نے سمجھایا، خدا کا خوف دلایا اور ایمان لانے پر بشارت دی۔ رسول اللہ ﷺ کی فہمائش سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ایمان ڈال دیا اور بے اختیار کہہ اٹھے "میں شہادت دیتا ہوں کہ آپؐ صادق ہیں۔ یہ سچی شہادت ہے جو ایک عارف نے دی ہے۔ میرے بھتیجے میں آپؐ کے دین کا اظہار کرونگا۔ بخدا میں یہ پسند نہیں کرتا کہ آسمان کے نیچے جو کچھ ہے وہ مجھے مل جائے اور میں اپنے پہلے مشرکانہ دین پر قائم رہوں"(۶)۔ یہ واقعہ نبوت کے چھٹے سال(۶۱۵ء) کا ہے۔

حضرت حمزہؓ کی طاقت و شجاعت ضرب المثل تھی۔ اللہ نے ان کے ذریعے سے اسلام کو قوت و شوکت عطا فرمائی۔ آخر دم تک رسول اللہ ﷺ کے نہایت وفادار ساتھیوں میں رہے اسلام کی خاطر جان قربان کی۔ اور شہید اعظم کا مرتبہ پایا۔

☆ ☆

(۱) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۷۸

(۲) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۲۶۹، ۲۷۰

(۳) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۳۲

(۴) سید قطب شہید 'تفسیر فی ظلال القرآن' جلد دہم صفحہ ۶۱۱

(۵) بعض روایات میں ہے کہ یہ بات حضرت حمزہؓ کو ان کی بہن حضرت صفیہ نے بتائی۔ ابن حاتم ست دو عورتیں مذکور ہیں (ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۶۰۶)

(۶) سیرت ابن اسحاق 'مطبوعہ نقوش رسول نمبر' جلد یازدہم صفحہ ۱۸۰، ۱۸۱۔

(۳۹) حضرت عمرؓ

تقدیر الٰہی کا عجیب کرشمہ ہے کہ کبھی کبھی ایک بظاہر نہایت معمولی اتفاق نے تاریخ عالم کارخ موڑ دیا ایک ایسا ہی اتفاق اگر واقع نہ ہوتا تو دنیا کی تاریخ ایک جلیل القدر شخصیت کے کردار سے محروم رہ جاتی۔ یہ شخصیت حضرت عمر فاروقؓ کی تھی۔

حضرت عمرؓ بن خطاب مکہ میں قبیلہ عدی کے ایک معزز فرد تھے۔ پڑھے لکھے اور بارعب تھے قریش مکہ کی طرف سے بیرونی علاقوں سے رابطہ رکھنے کے لئے انہیں سفارت کا منصب حاصل تھا۔ ابو جہل کے سگے بھانجے اور اسکے ساتھ اسلام کے سخت مخالف تھے۔ غالباً اسی کے اشارے پر بعض غریب مسلمانوں کو سخت اذیت دیتے تھے۔ اس وقت ان کی عمر ۲۶ ۔ ۲۷ سال کے قریب تھی۔ نہایت بلند قامت، طاقتور اور جری جوان تھے۔ رسول اللہ ﷺ کبھی انہیں اور ابو جہل کو ساتھ دیکھتے تو دعا فرماتے "اللھم اعن الا سلام باحد العمرین" (یا اللہ دو عمروں (عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام ابو جہل) میں ایک سے اسلام کو تقویت پہنچا)۔ سنن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ابن عساکر کا قول مذکور ہے کہ وحی سے رسول اللہ ﷺ پر منکشف ہوا کہ ابو جہل ایمان نہ لائیگا تو اس وقت آپؐ نے خاص حضرت عمرؓ کے دعا کی "اللھم ایدالا سلام بعمر بن الخطاب خاصتہ" (اے اللہ خاص عمر بن خطاب سے اسلام کو قوت دے)(۱)۔

ہجرت حبشہ نے حضرت عمرؓ کو کافی متاثر کیا تھا۔ اہل قریش کی بے وطن ہونا ان پر گراں تھا۔ جیسا کہ ابن اسحاق کی اس روایت سے ظاہر ہے کہ ایک دن ان کی ایک قریبی رشتہ دار لیلیٰ بنت ابو حشمہ حبشہ کو ہجرت کرنے کی تیاری میں مصروف تھیں ۔ ان کے شوہر عامر بن ربیعہ تھوڑی دیر کے لئے کہیں گئے ہوئے تھے۔ حضرت عمر اونٹ پر سوار ادھر سے گزرے۔ ٹھہر کر پوچھنے لگے۔ " عبداللہ کی ماں ۔ کیا اب روانگی کا ارادہ ہے؟ " لیلیٰ نے جواب دیا "ہاں ہم پر

اتنا ظلم ہورہا ہے کہ سوائے اسکے چارہ نہیں کہ کہیں اور نکل جائیں جہاں اللہ ہمارے لئے کوئی بہتر صورت نکال دے"۔ حضرت عمرؓ نے غمگین لہجے میں کہا " اللہ تمہارے ساتھ ہو" اور چلے گئے۔ عامرؓ واپس آئے تو لیلیٰ نے کہا " کاش تم عمر کے ملال کو دیکھتے جو انہیں ہمارے ترک وطن پر ہے" عامرؓ نے پوچھا "کیا تم سمجھتی ہو کہ عمرؓ کبھی مسلمان ہوگا؟" لیلیٰ نے اثبات میں جواب دیا تو شوہر نے طنزیہ کہا "یہ شخص اس وقت تک مسلمان نہ ہوگا جب تک خطاب کا گدھا مسلمان نہ ہوجائے"۔ بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا تھا۔

حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہونے سے سردران قریش کو بڑی تشویش تھی۔ ایک روایت ہے کہ اس موقع پر ایک مجلس میں رسول اللہ ﷺ کے قتل کی تجویز پیش ہوئی اور اسکے لئے انعام بھی مقرر ہوا۔ حضرت عمرؓ بذات خود اس صورت حال سے پریشان تھے جو مکہ میں پیدا ہوگئی تھی۔ خاندانوں میں اندر ہی اندر کشمکش، عزیزوں کی ایک دوسرے سے جدائی شہر میں اختلاف کی لہر۔ ان سب کی ذمہ داری ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ پر تھی۔ حضرت حمزہؓ کے اسلام کے کچھ ہی دن بعد ان کے دل میں آیا کہ خود رسول اللہ ﷺ کو قتل کرکے سارا قصہ ہی پاک کردیں۔ اس ارادے سے پوری طرح مسلح ہو کر گھر سے نکلے تو وہ اتفاق رونما ہوا جس نے تاریخ پر گہرا نقش چھوڑا۔ یعنی راستے میں ان کے ایک عزیز نعیم بن عبد اللہؓ مل گئے۔ یہ مسلمان تھے۔ مگر اپنا اسلام غالباً حضرت عمرؓ ہی کے خوف سے ظاہر نہ کیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے تیور دیکھے تو پوچھا" خیر تو ہے۔ عمرؓ کدھر کا قصد ہے"۔ حضرت عمر نے صاف صاف بتادیا کہ "محمد (ﷺ) کو قتل کرنے کے لئے جارہاہوں جس نے نیا دین پیدا کرکے قریش کو پریشان کردیا ہے اور ان کے مذہب اور بتوں کو برا کہتا ہے"۔ نعیمؓ نے پہلے اس طرح سمجھانے کی کوشش کی کہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرکے وہ خود بنی عبد مناف کے انتقام سے محفوظ نہ رہ سکیں گے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا " معلوم ہوتا ہے تم بھی صابی (بے دین) ہوگئے ہو"۔ نعیمؓ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ فاطمہؓ اور بہنوئی سعید بن زیدؓ کا راز افشا کریں جو پوشیدہ طور سے مسلمان ہوچکے تھے۔ لیکن اسوقت حضرت عمرؓ کی توجہ ان کے خطرناک ارادے سے ہٹانے کے لئے یہی مناسب سمجھا اور کہا پہلے اپنے گھروالوں کی خبر لو۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا "کون گھر والے؟"۔ نعیم نے بتایا" تمہاری بہن اور بہنوئی دونوں 'صابی' ہوچکے ہیں۔ انہوں نے بھی اسلام قبول کرلیا ہے۔" نعیم کی کوشش کامیاب ہوئی۔ حضرت عمرؓ غیرت اور غصہ سے بے تاب ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ

لی تلاش میں نکلے تھے مگر اب رخ اپنی بہن کے گھر کی طرف موڑ لیا۔

رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی اپنے محتاج صحابہ کی گذر بسر کا انتظام اسودہ حال مسلمانوں کے سپرد کردیتے تھے۔ خباب بن الارتؓ کی مدد سعید بن زیدؓ کے سپرد تھی۔ اس وقت خباب ان کے گھر میں موجود تھے اور سعیدؓ اور ان کی زوجہ فاطمہ کو سورۃ طٰہٰ کی تعلیم دے رہے تھے۔ حضرت عمرؓ بہن کے گھر پہنچے تو دروازے پر گنگناہٹ کی آواز سنی۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ ان کی آہٹ پاتے ہیں خبابؓ ایک کوٹھری میں چھپ گئے فاطمہ نے سورۃ طٰہٰ کا نوشتہ (قرانی آیات کا تحریر کر کے رکھنا شروع ہی سے رائج تھا) اپنی ران کے نیچے چھپالیا۔ حضرت عمرؓ نے داخل ہوتے ہی سخت لہجے میں پوچھا "یہ کیا آواز تھی جو میں نے سنی؟" دونوں میاں بیوی نے ٹالنے کی کوشش کی ۔ حضرت عمرؓ نے غصہ میں کہا "مجھے خبر ملی ہے کہ تم دونوں نے محمد(ﷺ) کا دین قبول کر لیا ہے" سعیدؓ نے کہا "عمر یہ بتاؤ اگر حق تمہارے دین کے بجائے کسی اور دین میں ہو تو؟"۔ سعید کے یہ الفاظ سنتے ہیں حضرت عمرؓ انہیں مارنے پیٹنے کو لپٹ پڑے۔ فاطمہ نے اپنے شوہر کو بچانے کی کوشش کی تو خود بھی زخمی ہوگئیں اور چہرے سے خون بہہ نکلا۔ ان کو بھی غصہ آگیا اور بولیں "ہاں ہم بے شک اسلام لے آئے ہیں ۔ تم سے جو کچھ ہوسکے کرلو" اب حضرت عمر کو کچھ شرم سی آئی۔ غصہ فرو ہوگیا ۔ کہا کہ "مجھے وہ تحریر دکھاؤ جو تم لوگ پڑھ رہے تھے۔ میں دیکھوں کہ محمد(ﷺ) پر کیا نازل ہوا ہے۔" فاطمہ نے کچھ تامل کیا تو اپنے معبودوں کی قسم کھائی کہ پڑھ کر واپس کردینگے۔ فاطمہؓ نے بتایا کہ جب تک وضو یا غسل نہ کرلیں وہ اس تحریر کو چھونے کے قابل نہیں۔ حضرت عمرؓ نے تعمیل کی۔ پھر سورہ طٰہٰ کی چند آیات پڑھیں" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کے الفاظ پڑھے تو بولے "یہ تو بڑے پاکیزہ نام ہیں"۔ آخر جب اس آیت پر پہنچے :

> "بے شک میں ہی خدا ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ۔ تو میری عبادت کیا کرو اور میری یاد کے لئے نماز پڑھا کرو۔ قیامت یقیناً آنے والی ہے...... (طٰہٰ ۱۴)

تو بے اختیار بول اٹھے "مااحسن ھذاالکلام و اکرمہ" (کیا عمدہ اور بزرگ کلام ہے)

خبابؓ اب باہر نکل آئے تھے۔ کہنے لگے "عمرؓ تمہیں بشارت ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے کل شام جو دعا فرمائی تھی وہ تمہارے حق میں قبول ہوئی"۔ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق پوچھا کہ "آپؐ اس وقت کہاں ہیں مجھے وہاں لے چلو" ۔معلوم ہوا کہ آپؐ اس وقت دارالارقم میں صحابہ کے ساتھ تھے۔ حضرت عمرؓ وہاں پہنچے۔ دروازے پر دستک دی۔ کسی صحابی نے جھانک کر دیکھا اور بتایا کہ عمرؓ مسلح ہو کر آئے ہیں ۔ صحابہ کو کچھ تشویش ہوئی مگر حضرت حمزہؓ نے کہا" دروازہ کھول دو اور آنے دو اگر خیر کے ارادے سے آیا ہے تو بہتر ہوگا اور اگر برے ارادے سے آیا ہے تو اسی کی تلوار سے اسکا سر قلم ہو گا"۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اندرآنے کی اجازت دی ۔ حضرت عمرؓ داخل ہوئے تو آپؐ نے ان کی پیٹی پکڑ کر زور سے کھینچا اور فرمایا "اے ابن خطاب کس ارادے سے آیا ہے۔ واللہ تو باز نہ آئیگا جب تک خدا تجھ پر کوئی سخت آفت نازل نہ فرمادے " (۳) پھر کہا " یا اللہ یہ عمرؓ بن خطاب حاضر ہے اے اللہ اسلام کو اسکے ذریعے قوت اور عزت عطا فرما"(۴)۔

عجب کرامت تھی کہ نفرت کے بھڑکتے ہوئے شعلے ایک ذات کریمؐ کے حضور پہنچتے پہنچتے محبت (۵) کے مہکتے ہوئے پھول بن چکے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا"میں اللہ اور اسکے رسولؐ پر اور جو کچھ آپؐ پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان لانے کے لئے حاضر ہوا ہوں ۔ اشھد ان لاالہ الا اللہ و انک رسول اللہ"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرط مسرت سے نعرہ تکبیر بلند کیا سب سمجھ گئے کہ حضرت عمرؓ مشرف بہ اسلام ہوئے ۔ یہ واقعہ بقول زرقانی مسند بزار، معجم طبرانی اور دار قطنی میں حضرت انسؓ سے دلائل بیہقی میں حضرت ابن عباسؓ سے اور دلائل ابی نعیم میں حضرت طلحہؓ اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے(۶)۔ ابن اسحاق اور ابن ہشام کے یہاں بھی یہ واقعہ اسی طرح ہے اور اکثر سیرت نگاروں ابن سعد، شبلی نعمانی وغیرہ نے اسی کو اختیار کیاہے۔ اور اسی کو قبول کرکے سید قطب کہتے ہیں "حضرت عمرؓ کا اسلام ایک تحفہ تھا جو سعیدؓ اور فاطمہؓ نے اسلام کو پیش کیا" (۷)۔ سید سلیمان ندوی نے اسکی بعض کمزوریوں کے باوجود اسے تسلیم کیا ہے(۸)۔

ابن اسحاق اور ابن ہشام نے ایک دوسری روایت بھی پیش کی ہے۔ تفصیل مسند احمد حنبلی میں خود حضرت عمرؓ سے اسطرح مروی ہے۔ "ایک شب میں رسول اللہ ﷺ کو چھیڑنے کے لیئے نکلا۔ آپؐ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہوگئے اور نماز شروع کردی۔ آپ نے سورة

'الحاقہ' قرات فرمائی۔ میں کھڑا سنتا رہا۔ اور قران کی نظم و اسلوب سے حیرت میں تھا۔ دل میں کہا 'خدا کی قسم یہ شاعر ہے جیسا قریشی کہا کرتے ہیں۔ یہ خیال ہوا ہی تھا کہ آپؐ نے یہ آیات پڑھیں:

"یہ (قران) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے۔ اور کسی شاعر کا کلام نہیں۔ مگر تم لوگ بہت کم ایمان لاتے ہو"۔ (الحاقہ ۴۰، ۴۱)

میں نے دل میں سوچا یہ تو کاہن ہے۔ میرے دل کی بات جان گیا۔ کہ اسکے بعد ہی آپؐ نے یہ الفاظ پڑھے:

"اور نہ کسی کاہن کے مز خرفات ہیں۔ لیکن تم لوگ بہت ہی کم فکر کرتے ہو"۔ (الحاقہ ۴۲)

آپؐ نے یہ سورۃ آخر تک پڑھی۔ اور اسکو سن کر اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا"(۹)۔ ابن اسحاق نے یہ اضافہ کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ کر اپنے مکان کی طرف واپس ہوئے تو حضرت عمرؓ بھی پیچھے ہولئے۔ کچھ دور چل کر رسول اللہ ﷺ نے ان کی آہٹ سنی تو رک کر پوچھا "اے عمرؓ بن خطاب اس وقت کیوں آیا ہے"۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا "خدا، اسکے رسولؐ اور اسکی کتاب پر ایمان لانے کے لئے" آپؐ نے فرمایا "اے عمر خدا نے تجھے ہدایت فرمائی" حضرت عمرؓ کے سینے پر دست مبارک پھیرا اور ثابت قدمی کی دعا دی پھر دونوں اپنے اپنے گھر چلے آئے۔

اس دوسری روایت کا یہ آخری حصہ کہ حضرت عمر اسی شب رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر ایمان لائے پہلی روایت کی نفی کرتا ہے۔ چنانچہ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ "خدا جانے یہ واقعہ اس طرح ہے یہ جسطرح کے پہلے مذکور ہوا "(۱۰)۔ (یہ آخری حصہ مسند احمد میں نہیں وہاں صرف اسقدر ہے کہ "اسلام ان کے سینے میں پوری طرح اتر گیا"۔)

سید سلیمان ندوی اور دوسرے بزرگوں مولانا مودودی وغیرہ نے دونوں روایات کی تطبیق اس طرح کی ہے کہ حضرت عمرؓ کا اسلام لانا بتدریج واقع ہوا۔ مہاجرین حبشہ کے ترک وطن پر کچھ ملول تھے پھر سورۃ الحاقہ حضور ﷺ سے آپؐ کی نماز کے دوران سنی تو اسلام سے

بہت متاثر ہوئے مگر مضبوط قوت ارادی کے سبب پرانا دین ترک نہ کیا اور آخر اپنے دین کی خاطر رسول اللہ ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا کہ نعیمؓ اور بہن اور بہنوئی کا واقعہ پیش آیا (۱۱)۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ" اسلام لانے کے بعد میں نے سوچا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا دشمن ہو اسے اپنے اسلام لانے کی خبر دوں۔ دوسری صبح ابو جہل کے گھر گیا دروازے پر دستک دی تو ابو جہل نکلا اور بولا 'میرے بھانجے۔ خوش آمدید۔ کیسے آئے ؟'۔ میں نے بتایا 'اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں اپنے اسلام کی خبر کردوں کہ میں اللہ اور اسکے رسول حضرت محمد ﷺ پر ایمان لے آیا ہوں'۔ یہ سنکر ابو جہل نے دروازہ میرے منہ پر بند کردیا اور کہا "خدا تجھے خراب کرے اور اسے بھی جو تو لایا ہے"(۱۲)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ ان کے والد حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ خبر پھیلانے میں جمیل بن معمر جمحی مشہور ہے تو اسکو بھی جاکر بتایا کہ وہ مسلمان ہوگئے ہیں ۔ جمیل سنتے ہی مسجد حرام کے دروازے کی طرف دوڑا اور چیخ چیخ کر اعلان کرنے لگا کہ "عمر اپنا دین چھوڑ کر صابی ہوگیا" بہت سے قریش حضرت عمرؓ سے لڑنے لگے کہ اتنے میں عاص بن وائل (عمرو بن عاص کا باپ) آنکلا۔ پوچھا " کیا ماجرا ہے؟" لوگوں نے بتایا "عمرؓ صابی ہوگیا ہے" ۔عاص نے کہا " تو پھر کیا ہوا۔ اسنے جوکچھ اپنے لئے پسند کیا اختیار کر لیا۔ تم لوگ یہاں سے ہٹ جاؤ"۔ پھر سب لوگ چلے گئے۔ یہ واقع صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اسطرح مروی ہے" جب عمرؓ اسلام لائے تو لوگ آپؓ کے گھر کے قریب جمع ہوگئے۔ اور کہنے لگے عمرؓ بے دین ہوگیا۔ میں اُن دنوں بچہ تھا(۱۳)۔ اور اس وقت اپنے گھر کی چھت پر چڑھاہوا تھا اتنے میں ایک شخص آیا۔ ریشم کی قبا پہنے ہوئے۔ اس شخص نے لوگوں سے کہا ٹھیک ہے عمرؓ بے دین ہوگیا لیکن یہ مجمع کیسا ہے؟ میں اسے اپنی پناہ دے چکا ہوں مجمع اسی وقت چھٹ گیا۔ میں نے پوچھا یہ کون صاحب تھے؟ عمرؓ نے بتایا کہ عاص بن وائل' "(۱۴)۔ دارالارقم میں اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عمرؓ مصر ہوئے کہ "جب ہم حق پر ہیں تو اپنا دین کیوں چھپائیں"۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے حضرت حمزہؓ کے ساتھ مسلمانوں کو دو قطاروں میں لے کر حرم میں داخل ہوئے۔ قریش بہت مرعوب ہوئے۔ مشہور ہے کہ اسی بنا پر حضور ﷺ نے انھیں فاروق کے لقب سے نوازا ۔حضرت عمرؓ کے اسلام کے بعد مسلمان اعلانیہ کعبہ میں جمع ہوتے اور نماز پڑھتے ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے تھے کہ "عمرؓ کے اسلام کے بعد ہم ہمیشہ

غالب رہے"(۱۵)۔

اس طرح رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا قبول ہوئی کہ "یا اللہ عمرؓ سے اسلام کو قوت و عزت عطا فرما"۔ جب ہم حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت پر نظر ڈالتے ہیں تو اس دعا کی قبولیت کا مزید عجیب و غریب انکشاف ہوتا ہے یقیناً یہ آپؐ کا ایک معجزہ تھا۔

☆ ☆

(۱) محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۲۳۵

(۲) ایضاً صفحہ ۲۳۶

(۳) ابن ہشام 'سیرت النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۲۵

(۴) محمد ادریس کاندھلوی 'سیرت المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۲۳۸

(۵) ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں ماسوا میری جان کے" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تک میں تمہیں اپنی جان سے بھی پیارا نہ ہو جاؤں تم کامل مومن نہیں ہو سکتے"۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا "خدا۔ اب آپؐ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "الآن یا عمر" (عمرؓ اب تمہارا ایمان کامل ہوگیا) (ابن جوزی 'الوفا' بحوالہ 'المصطفیٰ' صفحہ ۲۳۴)

(۶) محمد ادریس کاندھلوی 'سیرت المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۲۳۸

(۷) سید قطب شہید 'تفسیر فی ظلال القرآن' جلد پنجم صفحہ ۸۷

(۸) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد سوم صفحہ ۲۵۳ (مرتبہ سید سلیمان ندوی)

(۹) ایضاً صفحہ ۳۵۲، ۳۵۳

(۱۰) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۳۶

(۱۱) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد سوم صفحہ ۳۵۳۔ نیز ملاحظہ ہو ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۶۰۷، ۶۱۰۔

(۱۲) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۲۸

(۱۳) ابن کثیر کے نزدیک اس روایت کے اسناد عمدہ اور قوی ہیں۔ اس بنا پر ان کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ ہجرت سے مسلمان ہوئے چونکہ ابن عمرؓ جنگ احد (۳ھ) میں ۱۴ برس کے تھے اور جس وقت حضرت

عمرؓ مسلمان ہوئے تو باتمیز اور سمجھدار تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ ۹ھ میں مسلمان ہوئے۔ (ابن کثیر "سیرۃ النبیؐ" جلد اول صفحہ ۳۴۱)۔ بہر حال ابن ہشام نے حضرت عمرؓ کے اسلام کی تاریخ ۶ھ بتائی ہے اور یہی مشہور ہے۔

(۱۴) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۵۴۰ (کتاب الانبیاء باب اسلام عمر بن الخطابؓ)

(۱۵) ایضاً صفحہ ۵۳۹ (کتاب الانبیاء باب اسلام عمر بن الخطابؓ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہاشم

۱۳۷۰ ھجریۃ
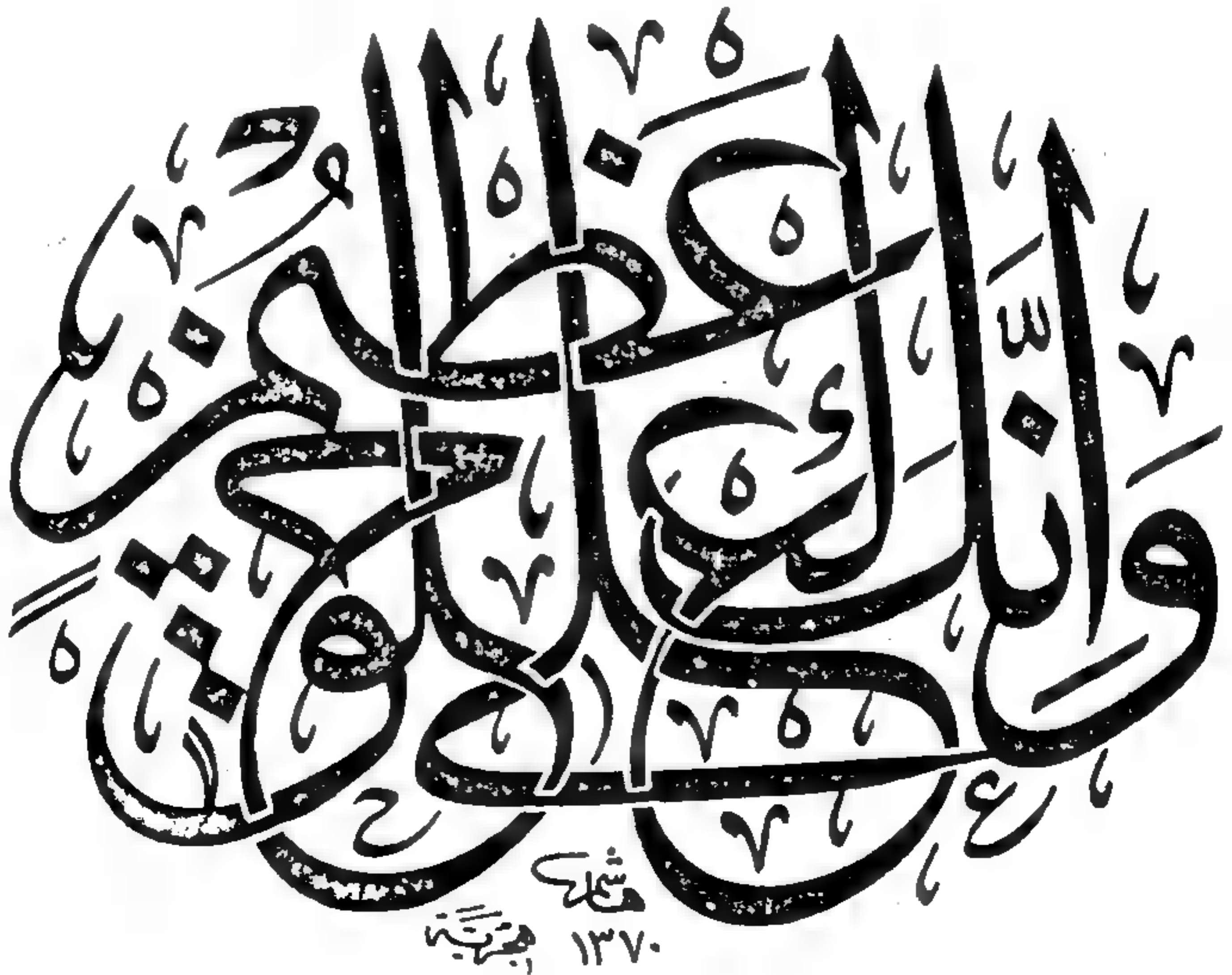
خط ثلث میں بیضوی شکل میں ﴿ وانک لعلی خلق عظیم ﴾ (سورۃ قلم آیت ٤) بہ خط ہاشم محمد بغدادی

(۴۰) پیش کش

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے اسلام نے ایک مرتبہ پھر قریش کو یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ رسول اللہ ﷺ سے مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے تو بہتر ہے۔ اس بارے میں عتبہ بن ربیعہ (ابو سفیان کے خسر) کا واقعہ مشہور ہے ۔ ایک دن حرم میں قریش کے چند سردار جمع تھے۔ عتبہ بھی تھا۔ کچھ دور ایک طرف رسول اللہ ﷺ تنہا تشریف فرما تھے۔ عتبہ نے ساتھیوں میں تجویز پیش کی "تم لوگ کہو تو میں محمد (ﷺ) سے اس وقت گفتگو کروں ۔ کچھ امور ان کے سامنے پیش کروں۔ وہ (ﷺ) کسی پر راضی ہوجائیں تو ہم معاملہ طے کرلیں اور وہ (ﷺ) ہمارے دین کی مخالفت چھوڑدیں"۔ سب نے تجویز پسند کی تو عتبہ اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے قریب جا بیٹھا اور آپ ﷺ کو اس طرح مخاطب کیا "میرے بھتیجے۔ ہمارے درمیان جو مرتبہ تمہیں حاصل ہے تم خود جانتے ہو۔ تم ایک شریف ترین گھرانے کے فرد ہو۔ مگر اب تم نے قوم کو ایک مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے۔ ہمارے عقلمندوں کو بیوقوف اور آباؤ اجداد کو کافر ٹھرایا ہے۔ ہمارے معبودوں اور دین کی عیب چینی کی ہے۔ غور سے سنو۔ تمہارے سامنے کچھ تجویزیں رکھتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کسی تجویز کو قبول کرلو"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے ابو ولید۔ آپ کہیں میں سنوں گا"۔ عتبہ نے کہا "بھتیجے ۔ یہ کام جو تم نے شروع کیا ہے اگر اس سے تمہاری غرض مال کا حصول ہے تو ہم مل کر تمہیں اتنا مال دے دیتے ہیں کہ تم سب سے زیادہ مالدار ہوجاؤ ۔ اگر بڑائی چاہتے ہو تو تمہیں سردار بنائے لیتے ہیں۔ کسی معاملے کا فیصلہ تمہارے بغیر نہیں کرینگے۔ بادشاہی چاہتے ہو تو تمہیں بادشاہ بنالیتے ہیں۔ اگر تم پر جن آتا ہے جسے تم دیکھتے ہو تو اپنا مال خرچ کرکے تمہارا علاج کرواتے ہیں۔ اور جن جو کلام تمہیں لاکر دیتا ہے وہ شاید شعر و سخن کی قسم سے ہے جس سے تمہارا سینہ ابل پڑتا ہے۔ مجھے اپنی ذات کی

قسم تم ایسا کلام پیش کرنے پر قادر ہو جس کی قدرت کسی دوسرے کو حاصل نہیں"(۱)۔

عتبہ یہ سب کچھ کہہ چکا تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا "کیا آپ کی بات مکمل ہوچکی؟"۔ عتبہ نے کہا "ہاں" آپ ﷺ نے فرمایا "اب میری بات غور سے سنیں"۔ پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر سورۃ حٰم سجدہ کی تلاوت شروع کی ۔ عتبہ دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے زمین پر ٹیکے غور سے سنتا رہا۔ سجدہ کی آیت پر رسول اللہ ﷺ نے سجدۂ تلاوت ادا کیا۔ اسکے بعد فرمایا "اے ابو ولید۔ آپ نے جو سنا وہ سن لیا ۔ اب آپ جانیں اور آپ کا کام"۔

عتبہ خاموشی سے اٹھا اور اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آیا۔ چہرہ متغیر تھا۔ کسی نے پوچھا "کیا سن آئے؟" ۔ تو بولا "خدا میں نے ایسا کلام سنا کہ اس سے پہلے کبھی نہ سنا تھا ۔ واللہ نہ وہ شعر ہے نہ جادو نہ کہانت۔ میری بات مانو اور اس شخص (ﷺ) کو اسکے حال پر چھوڑ دو۔ خدا جو کلام میں نے سنا ہے وہ ضرور رنگ لا کر رہے گا۔ اگر عربوں نے اسے (ﷺ) مغلوب کرلیا تو تم اس (ﷺ) پر ہاتھ اٹھانے سے بچ جاؤ گے۔ اگر وہ (ﷺ) عربوں پر غالب آیا تو اس (ﷺ) کی حکومت تمہاری حکومت اور اس (ﷺ) کا اقتدار تمہارا اقتدار ہوگا۔ تم اس (ﷺ) کی وجہ سے سب سے زیادہ بخت آور ہوجاؤ گے"۔ ساتھیوں نے کہا "ابو الولید۔ خدا کی قسم اسؐ کی زبان کا جادو تم پر بھی چل گیا" عتبہ نے جواب دیا "یہ میری رائے تھی جو میں نے پیش کردی ۔ اب تم لوگ جو کرنا چاہتے ہو کرتے رہو"(۲)۔

بیہقی کی روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اس آیت پر پہنچے :

"پھر اگر یہ منہ پھیرلیں تو کہہ دو کہ میں تم کو (ایسی) چنگھاڑ (کے عذاب) سے آگاہ کرتا ہوں جیسے عادوثمود پر چنگھاڑ (کا عذاب آیا تھا)۔(حٰم السجدہ۔۱۳)

تو عتبہ نے آپؐ کے منہ پر ہاتھ رکھ کر رشتہ داری کا واسطہ دیا اور استدعا کی کہ " ایسی بات مت کہو" بعد میں ساتھیوں نے پوچھا تو اپنی اس حرکت کا سبب یہ بتایا کہ "محمد (ﷺ) کی کوئی بات جھوٹی نہیں ۔ مجھے عذاب کا خوف ہوا"۔

اسی طرح ایک شام قریش کے بڑے بڑے سردار کعبہ کے قریب جمع ہوئے اور سوچا

کہ ایک بار پھر آپؐ کو بلواکر گفتگو کریں ۔ ایک شخص کے ذریعے آپؐ کو پیغام بھیجا کہ "بزرگان قوم آپ کو بلاتے ہیں"۔ آپ ﷺ کو بڑی تمنا تھی کہ قریش راہ راست پر آجائیں ۔ اس امید پر فوراً تشریف لے آئے۔ دیکھا کہ کئی سردار موجود ہیں۔ ان کے نام ابن اسحاق کی وساطت سے ابن ہشام نے یہ بتائے ہیں: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو سفیان بن حرب نضر بن حارث، ابو البختری بن ہشام، اسود بن مطلب بن اسد، زمعہ بن اسود، ولید بن مغیرہ، ابو جہل بن ہشام، عبداللہ بن ابی امیہ، عاص بن وائل، بنیہ بن حجاج ، منبہ بن حجاج، امیہ بن خلف، وغیرہ (۴)۔ان لوگوں نے تقریباً وہی باتیں آپ کے سامنے پیش کیں جو عتبہ پہلے کہہ چکا تھا۔ مال و دولت کا لالچ دیا، سرداری اور بادشاہی کی پیشکش کی، جن یا آسیب کا اثر ہو تو علاج کا ذمہ لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سمجھایا کہ آپؐ کو نہ مال و دولت چاہیئے نہ شرف و سلطنت، پھر فرمایا" میں تو خدا کا فرستادہ رسول ہوں۔ اس نے مجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے۔ اسکے پیغام تمہیں پہنچادیئے، قبول کرلو تو دنیا اور آخرت میں تمہاری بہتری ہے۔ ورنہ میں صبر کرونگا جب تک خدا میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ نہ فرمائے"۔

اس کے بعد قریش نے آپؐ کو قائل کرنے کے لئے طرح طرح کی فرمائشیں شروع کردیں مثلاً"آپؐ اللہ کے نبی ہیں تواپنے اللہ سے کہیے کہ ہمارے شہر کے پہاڑ ہٹادے اور ایسے چشمے جاری کردے جیسے شام اور عراق میں ہیں"۔ یا "ہمارے بزرگوں کو زندہ کردے خصوصاً قصی بن کلاب کو کہ ہم ان سے آپؐ کی رسالت کی تصدیق کرسکیں"۔ یہ بھی کہا کہ "اگر ہمارے لئے کچھ نہیں کرتے تو اپنے ہی لئے اللہ سے باغات اور نہریں طلب کریں۔ سونے چاندی کے خزانے حاصل کرلیں تاکہ اسطرح بازاروں میں تلاش معاش کے لئے پھرنا نہ پڑے"۔ ایسی تمام باتوں کے جواب میں آپؐ یہی فرماتے کہ "یہ میرا کام نہیں ۔ میں ان باتوں کو لئے نہیں بھیجا گیا ہوں۔ میں اللہ کی طرف سے بشیر و نذیر ہوں ۔ تم قبول کرو تو بہتر ورنہ میں خدا کے فیصلے کا انتظار کرونگا"(۴)۔

کسی نے کہا "آسمان کا ٹکڑا ہم پر گرا دیجئے۔ آپؐ کہتے ہیں آپ کا خدا یہ کرسکتا ہے"۔ بعض نے یہ الزام لگایا کہ "یمامہ کا رحمٰن نامی شخص آپؐ کو یہ سب کچھ سکھاتا ہے۔ ہم آپؐ کے رحمٰن کو نہیں مانیں گے"۔ کوئی کہنے لگا کہ "فرشتوں کو اپنی تصدیق کے لئے بلوایئے"۔ اس قسم کی باتوں سے رسول اللہ ﷺ دلگیر ہوئے اور واپس جانے لگے تو عبداللہ بن امیہ بن مغیرہ کھڑا

ہوا۔ ان سوالوں کو دہرایا اور بولا" اے محمد(ﷺ)تمہاری قوم نے اتنی باتیں تمہارے سامنے پیش کیں مگر تم نے کوئی بات قبول نہ کی۔ اب میں تم پر کبھی ایمان نہ لاؤنگا جب تک تم میرے سامنے ایک سیڑھی لاکر آسمان پر نہ چڑھو اور وہاں سے اپنی تصدیق کے لئے چار فرشتے نہ لاؤ۔ اور اگر تم نے ایسا کر بھی دیا تب میں تمہاری تصدیق نہ کرونگا"۔ یہ شخص عاتکہؓ بنت عبدالمطلب کا بیٹا آپ کا پھوپی زاد تھا(۵)۔ اسکی زبان سے یہ کلمات سنکر آپؐ کو بڑی اذیت ہوئی اور افسردہ گھر واپس ہوئے۔

قریش کے ان مطالبات کا ذکر اور ان کا جواب قران مجید میں جا جا موجود ہے۔ مثلاً:

"اور کہنے لگے کہ ہم تم پر ایمان نہیں لائینگے جب تک کہ (عجیب غریب باتیں نہ دکھلاؤ۔ یعنی یا تو) ہمارے لئے زمین سے چشمے جاری کردو۔ یا تمہارا کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو اور اسکے بیچ میں نہریں بہا نکالو۔ جیسا کہ تم کہا کرتے ہو ہم پر آسمان کے ٹکڑے لاگراؤ۔ یا خدا کے فرشتوں کو (ہمارے) سامنے لے آؤ۔ یا تمہارا سونے کا گھر ہو۔ یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے چڑھنے کو بھی نہیں مانیگے جب تک کوئی کتاب نہ لاؤ جسے ہم پڑھ لیں۔ کہدو کہ میرا پروردگار پاک ہے۔ میں تو صرف ایک پیغام پہنچانے والا انسان ہوں"۔ (بنی اسرائیل ۹۰ تا ۹۳)

پھر اس طرح جواب بھی دیا گیا:

"اور اگر ہم تم پر کاغذوں پر لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے اور یہ اسے ہاتھوں سے ٹٹول بھی لیتے تو جو کافر ہیں وہ یہی کہہ دیتے کہ یہ تو (صاف اور) صریح جادو ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) پر فرشتہ کیوں نازل نہ ہوا(جو انکی تصدیق کرتا) اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو کام ہی فیصل ہوجاتا۔ پھر انہیں (مطلق) مہلت نہ دی جاتی۔ نیز اگر ہم کسی فرشتے کو بھیجتے تو اسے مرد کی صورت میں بھیجتے اور جو شبہ (اب) کرتے

ہیں اسی شبہ میں پھر انہیں ڈال دیتے (الانعام ۷ تا ۹)

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس مجلس سے مایوس ہو کر چلے گئے تو ابو جہل نے ساتھیوں سے کہا " محمد (ﷺ) نے ہماری کوئی بات نہیں مانی۔ تمہارے بزرگوں اور مذہب کو برا کہنے سے باز نہیں آئے۔ خدا گواہ ہے کل میں ایک پتھر لے کر بیٹھونگا اور جب یہ سجدے میں جائینگے تو ان کا سر پتھر مار کر توڑدونگا۔ خواہ تم لوگ میرا ساتھ دو یا نہ دو۔ اور بنی عبد مناف جو چاہیں کرلیں"۔ قریش نے وعدہ کیا کہ ابو جہل کا ساتھ نہ چھوڑینگے۔ اور وہ بے شک ایسا ہی کرے۔ دوسرے صبح ابو جہل نے یہی کرنا چاہا۔ رسول اللہ ﷺ حسب معمول نماز کے لئے حرم میں تشریف لائے۔ سجدے میں گئے تو ابو جہل پتھر لے کر بڑھا۔ قریب پہنچا تو یکایک ہیبت زدہ ہو کر واپس پلٹا۔ چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا قریش نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟" تو بتایا کہ ایک خوفناک اونٹ اسکے سامنے منہ کھولے اسطرح آگیا گویا اسے کھا جائیگا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں " میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جبرئیل تھے۔ اگر ابو جہل میرے قریب آتا تو وہ اسے پکڑ لیتے "(۶)۔

مصالحت کی ایک اور کوشش کے متعلق حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہم آپؐ کو اتنا مال دینے کو تیار ہیں کہ آپؐ مکہ میں سب سے بڑھکر مالدار ہوجائیں۔ جس سے آپؐ چاہیں آپؐ کی شادی کرائے دیتے ہیں۔ آپؐ کو اپنا سردار تسلیم کرلینگے بشرطیکہ ہمارے معبودوں کی مخالفت ترک کردیں۔ اور اگر آپؐ یہ نہیں مانتے تو پھر ایسا کریں کہ ایک سال آپؐ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپؐ کے خدا کی عبادت کرینگے"۔ اس پر سورۃ الکافرون نازل ہوئی۔ جس میں صاف صاف کہہ دیا گیا کہ کفر و اسلام میں مصالحت کا کوئی امکان نہیں اور :

"تم اپنے دین پر ہم اپنے دین پر" (الکافرون ۶)

یہ واقعہ کئی طور سے روایت کیا گیا ہے۔ ممکن ہے مختلف موقعوں پر اس قسم کی تجویز کفار کی طرف سے پیش کی گئی ہو۔ بہرحال مصالحت کی تمام تدابیر پر اس سورۃ نے آخری کاری اور فیصلہ کن ضرب لگادی۔

☆ ☆

(۱) ابن اسحاق 'سیرت رسولؐ اللہ' مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد ۱۱\صفحہ ۲۱۸۔ عتبہ نے یہ پیشکش بھی کی کہ آپؐ جس سے کہیں آپؐ کی شادی کرادی جائے۔ یہاں تک کہا "آپؐ اس کام سے باز آجائیں میں اپنی دختر آپؐ سے بیاہ دونگا۔ میری صاحبزادی قریش کی نہایت خوبصورت لڑکی ہے"۔ (سید قطب شہید 'تفسیر فی ظلال القرآن' جلد دہم صفحہ ۴۱۱)

(۲) ابن اسحاق 'سیرت رسولؐ اللہ' مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد ۱۱ صفحہ ۲۱۹

(۳) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۸۳

(۴) ان سوالوں کی نوعیت پر سلمان منصور پوری نے شیطان کے ان سوالات پر توجہ مبذول کرائی ہے جو اس نے حضرت عیسیٰؑ کی ازمائش کے لئے ان سے کئے۔ اور انہوں نے ہر سوال کا جواب نفی میں دیا اور کوئی معجزہ دکھانے پر راضی نہ ہوئے۔ ملاحظہ ہو 'نیا عہد نامہ' کتاب متی: ۴/۱-۷۔ یہ امر باعث حیرت ہے کہ اس قسم کے معجزات کی فرمائش آپؐ کے اصحاب کی طرف سے کبھی نہ ہوئی۔ انہیں آپؐ کی شخصیت اور آپؐ کی تعلیمات پر ایسا مکمل اعتماد تھا کہ بغیر کسی معجزے کے آپؐ کے لائے ہوئے دین کی خاطر جان، مال سب کچھ نثار کرنے کیلئے ہمیشہ تیار تھے۔ اس جاں نثاری کی نظیر بقول سید امیر علی تاریخ عالم میں نہیں ملتی (سید امیر علی 'دی اسپرٹ اف اسلام' (The Spirit of Islam) صفحہ ۳۱)

(۵) یہی عبداللہ بن ابی امیہ فتح مکہ سے قبل ہی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خود حاضر ہوئے اور ایمان لائے۔ اسے بھی آپؐ کی کرامت اور ایک معجزہ تصور کرناچاہیے۔ (سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمینؐ' جلد اول صفحہ ۶۳)

(۶) الفرید غیوم 'دی لائف اف محمدؐ' (The Life of Muhammad) صفحہ ۱۳۵

(۴۱) ایک اور کوشش

سردارانِ قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ جاری ہے۔ اسلام دن بدن پھیل رہا ہے۔ اور گذشتہ وفود کے باوجود ابو طالب نے اپنے بھتیجے کو روکنے کے لئے کوئی موثر قدم نہیں اٹھایا تو ان کے سوداگرانہ ذہن میں ایک نئی تجویز آئی۔ ایک تیسرے وفد کی شکل میں ایک بار پھر ابو طالب کے پاس آئے۔ ساتھ میں ولید بن مغیرہ کے بیٹے عمارہ بن ولید کو لائے۔ یہ خوبصورت جوان اپنی شجاعت کی وجہ سے مکہ میں کافی مقبول تھا۔ ابو طالب کو یہ دلچسپ پیش کش کی کہ اس نوجوان کو اپنا بیٹا بنالیں اور اپنے بھتیجے رسول اللہ ﷺ کو ان کے حوالے کردیں تاکہ وہ آپؐ کو قتل کرسکیں۔ اور اسطرح سارا قصہ پاک ہوجائے۔ ابوطالب نے اس نامعقول تجویز کا بڑا معقول جواب دیا "واللہ یہ تو عجیب سودا ہے۔ اپنا بیٹا مجھے دیتے ہو کہ میں اسکی پرورش کروں اور میرا بیٹا مجھ سے لے لیتے ہو کہ اسے قتل کردو۔ بھلا یہ کہاں کا انصاف ہے" مگر قریش کے تاجرانہ ذہنیت کے نزدیک یہی انصاف تھا۔ چنانچہ مطعم بن عدی نے ابو طالب سے کہا کہ قوم تو ان کے ساتھ انصاف کرنا چاہتی تھی کہ ساری مشکل حل ہوجائے مگر وہ کوئی بات قبول کرنے کو تیار نہیں۔ مطعم ہاشم کے بھائی نوفل کی اولاد میں تھا۔ ابوطالب کو اپنے عزیز کی یہ بات ناگوار گذری۔ جواب دیا "تم مجھے چھوڑ کر میرے مخالفوں کا ساتھ دے رہے ہو جنھوں نے ہرگز انصاف کی بات نہیں کی تم سے جو ہوسکے کرلو"۔

اس ملاقات کی تلخی کے بعد ابوطالب کو قریش کی طرف سے اندیشہ ہوا تو انھوں نے بنی ہاشم کو جمع کیا اور سب کو اس پر راضی کیا کہ ہر حال میں رسول اللہ ﷺ کی حمایت و حفاظت کرینگے۔ ابو لہب اس عہد میں شریک نہ ہوا۔ ایک دن ابو طالب رسول اللہ ﷺ کے مکان پر گئے تو آپؐ کو وہاں نہ پایا۔ پوچھنے پر بھی آپؐ کی خیر خبر معلوم نہیں ہوئی۔ شک ہوا کہ

خدانخواستہ دشمنوں نے آپؐ کو قتل کردیا۔ ابو طالب نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کے چند مسلح جوانوں کو ساتھ لیا اور کہا " اپنے ہتھیار چھپائے رکھو۔ میرے ساتھ حرم میں چلو اور ابو جہل اور اسکے ہمنواؤں کے قریب بیٹھے رہو۔ میرا بھتیجا اگر قتل ہوا ہے تو یہی لوگ اس کے قاتل ہونگے۔ اتفاقاً راہ میں زیدؓ بن حارثہ مل گئے۔ ان سے رسول اللہ ﷺ کی بابت پوچھا تو معلوم ہوا کہ آپؐ دارالارقم میں تشریف رکھتے ہیں اور زیدؓ اس وقت وہیں سے آرہے تھے ۔ ابو طالب نے آپؐ کو خود دیکھنا چاہا۔ لہٰذا زیدؓ واپس ہوئے رسول اللہ ﷺ کو بلاکر لائے ۔ ابو طالب نے آپؐ کو دیکھا تو اطمینان ہوا۔

دوسری صبح ابو طالب آپؐ کو ساتھ لیکر کعبہ پہنچے۔ ہاشمی اور مطلبی جوان بھی اپنے ہتھیار چھپائے ہوئے ان کے ساتھ تھے قریش کی مجلس میں جاکر ابو طالب نے اپنے جوانوں سے کہا کہ اپنے ہتھیار ظاہر کردیں ۔ لوگوں نے دیکھا کہ سب جوان مسلح تھے۔ ابو طالب نے قریش کو مخاطب کیا اور اپنا مقصد بتایا کہ اگر ان کے بھتیجے کو کوئی گزند پہنچتا تو وہ انتقام لئے بغیر کسی کو نہ بخشتے۔ قریش بری طرح مرعوب ہوئے اور ایک ایک کرکے رخصت ہوگئے۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ "سب سے تیز بھاگنے والا ابو جہل تھا"(۱)۔

☆ ☆

(۱) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۲۷۲

(۴۲) مقاطعہ

مہاجرین حبشہ کو واپس لانے کی کوششیں ناکام ہوچکی تھیں۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ جیسے باوقار اور بہادر حضرات مسلمان ہوگئے تھے۔ جس سے مسلمانوں کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی تھی۔ اب وہ خانہ کعبہ کے قریب نماز پڑھ سکتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں "اسلام عمرؓ کے بعد سے ہم برابر غالب رہے"(۱)۔ ابو طالب اور اکثر بنی ہاشم گو مسلمان نہ ہوئے تھے مگر رسول اللہ ﷺ کو قبیلے کی سرپرستی اور حفاظت سے محروم کرنے پر راضی نہ تھے۔ مکہ کے باہر بھی اسلام پھیل رہاتھا۔حبشہ میں مسلمانوں کو بادشاہ کی سرپرستی حاصل تھی۔ وہاں سے عیسائیوں کا ایک وفد بھی مکہ آیا اور اسلام سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ان مایوس کن حالات میں قریش نے ایک نئی تجویز سوچی کہ رسول اللہ ﷺ کے قبیلہ پر سخت معاشی دباؤ ڈالا جائے۔

ابو جہل کی تحریک پر یکم محرم ۷ نبوی کو ایک عہد نامہ لکھا گیا جسکے مطابق قریش کے تمام سرداروں نے طے کیا کہ جب تک بنی ہاشم رسول اللہ ﷺ کو ان کے سپرد نہ کردیں بنی ہاشم سے بالکل قطع تعلق کرلیا جائے۔ نہ کسی قسم کا میل جول ہو نہ شادی بیاہ اور نہ خرید و فروخت۔ تمام سرداروں نے اپنی اپنی مہریں ثبت کیں اورمعاہدے کی تحریر کو کعبہ میں اویزاں کردیاگیا۔ عہدنامے کے کاتب کا نام منصور بن عکرمہ بتایا گیاہے۔ جسکا ہاتھ بعد میں شل ہوگیا(۲)۔

ابو طالب کو پہلے ہی سے ڈر تھا کہ اہل قریش ان کے بھتیجے کی جان کے درپے ہیں۔ آپؐ کی حفاظت کی خاطر اہل خاندان کے ساتھ شعب ابو طالب میں منتقل ہوگئے تھے۔ (ابن سعد اور ابن ہشام کہتے ہیں کہ ابو طالب اپنے شعب میں قریش کے اس معاہدے کے بعد منتقل ہوئے۔) یہ شعب شہر کے مشرق میں ابو قبیس کی چٹانوں کے درمیان واقع تھا۔ شہر سے یہاں تک رسائی ایک تنگ درے سے ممکن تھی ۔ جس سے ایک اونٹ بمشکل گزرسکتاتھا۔ تمام

نبی مطلب اور نبی ہاشم گو مسلمان نہ تھے مگر خاندانی حمیت کے باعث وہیں اکھٹے ہوگئے۔ صرف ابو لہب ایک شخص تھا جس نے اپنے قبیلے نبی ہاشم کو چھوڑ کر باقی اہل قریش کا ساتھ دیا۔ ابو طالب کو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی بڑی فکر تھی۔ رات کو سونے کے وقت وہ اپنے کسی بیٹے یا بھانجے کو لیکر آپؐ کے پاس آتے اور کہتے کہ اپنے بستر کے بجائے آپؐ ان کی بستر پر سوجائیں (۳)۔

یہ مقاطعہ تقریباً تین سال تک جاری رہا۔ اس دوران ان محصورین نے بڑی تکالیف اٹھائی قریب کے بازاروں میں خرید و فروخت ممکن نہ تھی باہر کے تاجروں سے بھی رابطہ مشکل ہی قائم ہوتا ۔ اکثر کھانے پینے کی اشیا کی کمی رہتی ۔مکہ میں دوچار ہمدرد اور بہی خواہ ایسے بھی تھے جو ان کی مدد کردیتے۔ ہشام بن عمروالعامری کبھی کبھی چھپ کرکچھ غلہ لاد کراونٹ کو شعب ابو طالب کی طرف ہانک دیتا اور ادھر سے اونٹ خالی واپس کر دیا جاتا۔اہل قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے ہشام کو دھمکایا مگر ابو سفیان نے یہ کہہ کر معاملہ رفع دفع رہا کہ کوئی شخص اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتاہے تو کرنے دو ۔ پھر بھی ابو جہل وغیرہ کی ہمیشہ کوشش رہتی کہ باہر سے کوئی مدد نبی ہاشم کو نہ پہنچ پائے۔

ایک دن حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام اپنے غلام کے سر پر کچھ غلہ لدواکر شعب کی طرف جارہے تھے۔ ابو جہل نے دیکھ لیا اور غلام کو روک لیا ۔ اتفاقاً ابوالبختری بن ہشام بھی ادھر آنکلا یہ بھی حضرت خدیجہؓ کا رشتہ دار تھا۔ اس نے یہ ماجرا دیکھا تو ابو جہل سے کہا "اسکی پھوپی کا غلہ ہے جارہا ہے تو جانے دو"۔ ابو جہل روکنے پر بضد ہوا۔ تو دونوں میں تکرار ہوئی۔ نوبت ہاتھا پائی پر پہنچی تو ابوالبختری نے زمین پر پڑی ہوئی اونٹ کی ایک بڑی سی ہڈی اٹھا کر ابو جہل کے سر پر ماری اور خوب ٹھوکریں ماریں۔ حضرت حمزہؓ کہیں قریب سے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ بہت محظوظ ہوئے۔ جس سے ابو جہل کو اور بھی ندامت ہوئی۔

بہر حال یہ دور نبی ہاشم اور نبی مطلب کے لئے بڑا سخت گزرا۔ رات کو بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں کے رونے کی آوازیں شعب کی طرف سے آتیں تو لوگ سنتے۔ آخر چند قریشیوں کو اپنی زیادتی کا احساس ہوا۔ نبی ہاشم اور نبی مطلب کی کچھ نہ کچھ رشتہ داریاں بہت سے دوسرے قریشیوں کے ساتھ تھیں ان میں سے کچھ لوگ شروع ہی سے اس معاہدے کے خلاف تھے مگر وقتی طور پر اکثریت سے مغلوب ہوگئے تھے۔ اب بعض سنجیدگی سے سوچنے لگے کہ اس معاہدے کو ختم ہونا چاہئے ۔ سب سے پہلے جس شخص نے قدم اٹھایا وہ ہشام بن عمرو العامری تھا۔

ہشام ایک روز زہیر بن ابی امیہ سے ملا یہ نبی مخزوم میں سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا پھوپی زاد بھائی بھی تھا (آپؐ کی پھوپی حضرت عاتکہؓ بنت عبدالمطلب کا بیٹا تھا اور ہونے والی ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کا بھائی) ہشام نے باتوں باتوں میں کہا "زہیر کیا تم اس بات میں خوش ہو کہ خود تو خوب کھاؤ پیو اور شادیاں رچاؤ اور تمہارے ماموں نبی مطلب ان تمام چیزوں سے محروم رہیں۔ واللہ اگر یہ لوگ ابوالحکم (ابو جہل) کے ماموں ہوتے اور ہم ابو الحکم سے کہتے کہ اپنے ماموؤں کو چھوڑ دے تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتا"۔ زہیر کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا "میں تنہا اس سلسلے میں کیا کرسکتا ہوں کوئی اور ساتھ دے تو کچھ کروں"۔ ہشام نے کہا "میں تمہارے ساتھ ہوں" زہیر کی دلچسپی بڑھی کہنے لگا کسی تیسرے کو بھی تلاش کرنا چاہیے۔

چنانچہ وہاں سے ہشام نبی نوفل بن عبد مناف کے سردار مطعم بن عدی کے پاس آیا اور کہا "مطعم کیا تم اس بات سے خوش ہو کہ نبی عبد مناف کی دو شاخیں بھوکی مرجائیں اور تم اہل قریش کے ساتھ ملکر انکا تماشہ دیکھتے رہو"۔ مطعم نے کہا "لیکن میں اکیلا کیا کروں"۔ ہشام نے بتایا کہ وہ اکیلا نہ تھا۔ ہشام خود اور زہیر ساتھ دینے کو تیار تھے۔ مطعم نے مشورہ دیا کہ ایک اور ساتھی مل جاتا تو اچھا تھا۔ ہشام نے یہ رائے مناسب سمجھی اور اب ابوالبختری بن ہشام کے پاس پہنچا۔ اس سے بھی اسی قسم کی گفتگو ہوئی۔ ابو البختری نے چاہا کہ ایک اور ساتھی بنانے کی کوشش کی جائے۔ تو ہشام زمعہ بن اسود کے پاس گیا اور اسےؓ بھی راضی کرلیا۔ اسطرح پانچ ساتھی ہوگئے۔ پانچوں نے رات کو مل کر مشورہ کیا کہ اگلی صبح عہد نامہ چاک کردیا جائے۔ قریش کی مجلس میں گفتگو شروع کرنے کے لیئے زہیر نے خود کو پیش کیا اور طے پایا کہ باقی چاروں اسکی موافقت کریں۔

دوسرے روز یہ پانچوں علی الصبح حرم میں پہنچ گئے۔ اہل قریش بھی جمع تھے۔ زہیر نے ایک قیمتی لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ پہلے کعبہ کے سات طواف کیئے۔ پھر قریش کو یوں مخاطب کیا " اے اہل قریش بڑے افسوس کی بات ہے ہم سب تو کھائیں پیئں اور آرام سے زندگی گزاریں لیکن ہمارے دوسرے قریشی بھائی نبی ہاشم اور نبی مطلب فاقوں سے ہلاک ہوتے رہیں اب میں اس وقت تک نہ بیٹھونگا جب تک ظلم اور قطع رحمی کا عہد نامہ پارہ پارہ نہ کردیا جائے"۔ ابو جہل بولا "تم جھوٹے ہو۔ یہ عہد نامہ ہرگز ضائع نہیں ہوسکتا"۔ اس پر زمعہ بن اسود نے ابو جہل سے کہا "سب سے بڑے جھوٹے تم ہو۔ جب ظلم نامہ لکھا گیا ہم اس وقت ہی اسکے

خلاف تھے"۔ اب مطعم کی باری تھی بولا "بے شک یہ دونوں سچ کہتے ہیں اور جھوٹا وہ ہے جو ان کی مخالفت کرے"۔ آخر میں ہشام نے بھی تائید کی۔ ابو جہل پر چاروں طرف سے لتاڑ پڑی تو بولا " معلوم ہوتا ہے کہ یہ سازش راتوں رات ہوئی ہے"۔

ابن ہشام کے یہاں یہ روایت بھی ہے کہ انہی دنوں رسول اللہ ﷺ پر بذریعہ وحی منکشف ہوا کہ اس معاہدے کی دستاویز پر اللہ تعالیٰ نے دیمک مسلط کردی تھی۔ جو سوائے اللہ کے نام 'باسمک اللھم' کے دستاویز کا سارا مضمون کھاچکی تھی۔ آپؐ نے ابو طالب کو بتایا تو انہوں نے پوچھا "کیا تمہارے خدا نے یہ خبر دی ہے؟" آپؐ نے فرمایا "ہاں" ابو طالب نے اہل خاندان کے ساتھ آپس میں کچھ مشورہ کیا پھر قریش کے پاس پہنچے اور انہیں بتایا کہ ان کے بھتیجے نے کیا خبر دی ہے۔ پھر کہا "اگر یہ جھوٹ نکلے تو بے شک اپنے بھتیجے کی حمایت چھوڑدونگا اور اسے تمہارے سپرد کردونگا۔ لیکن یہ سچ ہے تو تمہیں اپنے ظلم و ستم سے باز رہنا چاہیے۔"

دستاویز دیکھی تو رسول اللہ ﷺ کا فرمانا درست ثابت ہوا۔ قریش نادم ہوئے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ اسوقت جیساکہ پہلے مذکورہوا ان پانچوں اشخاص نے معاہدے کی مخالفت کی۔ اور عہد توڑدیا گیا۔ ابو طالب نے کعبہ کی دیوار سے لپٹ کر دعا کی "یا اللہ۔ ان لوگوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما جنہوں نے ہم پر ظلم کیا۔ قطع رحمی کی۔ اور وہ کچھ اپنے لئے حلال کیا جوہمارے معاملے میں ان پر حرام تھا"(۴)۔ پھر اپنے ہمراہیوں کولے کر واپس اپنے شعب کو چل دیئے۔ اب کئی اور سردار بھی اس ظلم کی مذمت میں شریک ہوگئے۔ مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن اسود، ابوالبختری بن ہشام اور زہیر بن ابی امیہ وغیرہ ابو طالب کے پاس شعب ابو طالب پہنچے اور ان سے بصد احترام عرض کیا کہ واپس اپنے اپنے گھروں میں جاکر رہیں۔

یہ مقاطعہ محرم ۷ نبوی سے ۹ نبوی کے آخر یا ۱۰ نبوی کے اوائل تک رہا۔

☆ ☆

(۱) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۵۳۹ (کتاب الانبیاء۔ باب اسلام عمر بن الخطابؓ)

(۲) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۴۹۔ اس کاتب کا نام بغیض بن عامر بھی بتایا گیا ہے۔

(۳) عروہ بن زبیرؓ 'المغازی' صفحہ ۱۱۷

(۴) ابو الاعلیٰ مودودیؒ 'سیرتِ سرورِ عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۶۲۱

(۴۳) اقتربت الساعۃ وانشق القمر

شعب ابو طالب میں محصوری کے دور میں بھی رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ جاری تھی۔ اور آپؐ بلا خوف و خطر پیغمبری کے فرائض ادا کرتے رہے۔ حج کے پر امن مہینوں میں محصورین آزادی سے باہر آتے جاتے رہتے تھے۔ انہی دنوں ۸ نبوی میں ایک عظیم واقعہ رونما ہوا۔

رسول اللہ ﷺ مع چند صحابہ کے منیٰ میں تھے۔ بہت سے مشرکین بھی تھے۔ رات کا وقت تھا اور چودھویں کا چاند پوری آب و تاب سے افق پر بلند ہورہا تھا۔ یکایک چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے ایک ٹکڑا جبل ابوالقبیس پر اور دوسرا جبل قعیقعان پر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے لوگو دیکھو اور گواہ رہو۔ اے لوگو دیکھو اور گواہ رہو" کچھ دیر یہی صورت رہی، پھر دونوں ٹکڑے مل گئے۔ قرآن مجید میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے:

"قیامت قریب آ پہنچی اور چاند شق ہوگیا" (سورۃ القمر ۱)

یہ واقعہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند احمد حنبل اور دوسری کتابوں میں مذکور ہے۔ راویوں میں تین اصحاب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت حذیفہ بن عثمانؓ، اور حضرت جبیر بن مطعمؓ خود کو اس واقعے کا عینی شاہد بتاتے ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ "رسول اللہ ﷺ کے عہد میں چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے اور آپؐ نے فرمایا کہ اس پر گواہ رہو" (۱)۔ انہی سے یہ بھی روایت ہے کہ "جس وقت چاند کے دو ٹکڑے ہوئے تھے تو ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ منیٰ میں موجود تھے" (۲)۔ حضرت

انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ " اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے کسی نشانی کا سوال کیا تو آپ نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھایا اور انہوں نے حرا پہاڑ کو ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا"(۳)۔

جبیر بن مطعم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس معجزے کو دیکھ کر قریش نے کہا "محمد(ﷺ)نے ہم پر جادو کر دیا ہے"۔ مسند ابو داؤد اور بیہقی میں ہے کہ انہوں نے کہا "محمد(ﷺ) تمام دنیا پر تو جادو نہیں کر سکتے دوسرے مقامات سے مسافروں کو آنے دو۔ دیکھو وہ کیا کہتے ہیں"۔ جب مختلف اطراف سے مسافر آئے اور ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے بھی اپنا یہی مشاہدہ بیان کیا(۴)۔

حضرت انسؓ کے علاوہ جن صحابہ سے یہ روایت منقول ہے وہ یہ نہیں کہتے کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار کے مطالبے پر یہ معجزہ دکھایا۔ اور حضرت انسؓ اس واقعے کے ہم عصر نہیں تھے۔ انہوں نے کسی بزرگ سے سن کر یہ بیان کیا ہوگا چنانچہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ ایک معجزہ تھا جو رسول اللہ ﷺ نے کفار کے مطالبے پر دکھایا۔ یا ایک ایسا حادثہ جس پر آپؐ نے لوگوں کی توجہ مبذول کی اور قرآن مجید میں جسے قرب قیامت کی علامت بتایا گیا۔ بہت سے علماء کرام نے اسے ایسا معجزہ تسلیم کیا ہے جو کفار کے مطالبے پر آپ نے دکھایا۔

بہر حال معتبر صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ منیٰ میں اس رات اہل مکہ کو چاند کے دو ٹکڑے ہوتے ہوئے ضرور دکھائی دیئے۔ ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں "شق القمر کا یہ واقعہ قرآن مجید کے صریح الفاظ سے ثابت ہے۔ صرف روایات پر اسکا انحصار نہیں۔ اور ہجرت سے تقریباً پانچ سال قبل کا واقعہ ہے اور امت کے ایک بڑے گروہ نے اسے حضور ﷺ کے معجزات سے شمار کیا ہے۔ اور اس سائنسی دور میں بھی اسکے امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ چونکہ خطہ بھر میں ہوا تھا اس لئے دنیا والوں کو اسکا احساس ضروری نہیں ہے۔ تاہم مالابار کی تاریخوں میں اسکا وقوع مذکور ہے کہ اس رات وہاں کے راجہ نے یہ منظر خود دیکھا تھا"(۵)۔ اس راجہ کا نام چکرورتی فرماس بتایا گیا۔ اس نے یہ منظر دیکھا تو اس سلسلے میں تحقیقات کیں معلوم ہوا کہ عرب میں ایک نبی برحق کا ظہور ہو چکا ہے۔ یہ عرب جاکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایمان لایا۔ آپ کے حکم پر ہندوستان واپس ہوا تو راستے میں یمن کے بندرگاہ ظفار میں وفات پائی۔ یہاں آج بھی " ہندی بادشاہ" کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ

انڈیا آفس لائبریری (لندن) میں ایک پرانا مسودہ (نمبر عربی ۲۸۰۷ ص ۱۵۴ - ۱۲۳) موجود ہے۔ جس میں اسکی تفصیل درج ہے(۶)۔

مسلمانوں میں یہ معجزے کی حیثیت سے مشہور ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ۔

معجزہ شق القمر کا ہے 'مدینہ' سے عیاں
'مہ' نے شق ہو کر لیا ہے 'دین' کو اغوش میں

☆ ☆

(۱) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۴۴۲ (کتاب الانبیاء باب سوال المشرکین ان یریھم النبی ﷺ آیۃ فاراھم انشقاق القمر)

(۲) ایضاً صفحہ ۵۴۱، ۵۴۲ (کتاب الانبیاء۔ باب انشقاق القمر)

(۳) مشکوۃ شریف جلد سوم صفحہ ۱۵۲ (متفق علیہ) باب علامات النبوۃ

(۴) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد سوم صفحہ ۳۱۲

(۵) ابوالکلام آزاد 'ترجمان القرآن' جلد سوم صفحہ ۳۶۲

(۶) محمد حمید اللہ 'محمد رسول اللہؐ' مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد ۲ صفحہ ۶۱۴، ۶۱۵

(۴۴) عام الحزن

نبوت کے دسویں سال رسول اللہ ﷺ کو پے در پے دو جانکاہ صدموں سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ سال 'عام الحزن' سال ملال کہلاتا ہے۔

شعب ابوطالب میں محصوری کے تین سال بڑی صعوبت کے دن تھے۔ ابو طالب قبیلے کے سردار کی حیثیت سے ذمہ داریوں کے بوجھ سے دبے ہوئے تھے۔ اب ان کی صحت جواب دینے لگی تھی۔ مقاطعہ ختم ہونے کے کچھ ہی دن بعد سخت بیمار پڑگئے۔ عمر ۸۰ سال سے تجاوز کرچکی تھی۔ قریش کے سرداروں نے سوچا کہ ان کی موت کے بعد اگر رسول اللہ ﷺ پر کوئی زیادتی کی گئی تو شرم کی بات ہوگی۔ لوگ طعنہ دینگے کہ چچا کی موجودگی میں تو کچھ نہ کرسکے اور اب زور دکھانے لگے۔ بہتر ہے کہ ان کی زندگی ہی میں کوئی مناسب فیصلہ ہوجائے۔ اس خیال کے ساتھ بیس پچیس اشراف مکہ کا ایک آخری وفد ابو طالب کے یہاں پہنچا۔ اس میں ابو جہل، امیہ بن خلف، ابو سفیان بن حرب، عقبہ بن ابی معیط، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ وغیرہ شامل تھے۔

یہ لوگ ابو طالب سے یوں مخاطب ہوئے "اب آپ کا آخری وقت قریب ہے۔ ہم سب آپ کی بزرگی اور مرتبے کے قائل ہیں جیسا کہ آپ بھی جانتے ہیں۔ ہم میں اور آپ کے بھتیجے میں جو کشمکش جاری ہے۔ اس سے بھی آپ واقف ہیں۔ اب ہماری درخواست ہے کہ آپ ہم میں اور انؐ میں مصالحت کرادیں۔ انؐ سے یہ عہد لیں کہ وہ ہمارے دین سے سروکار نہ رکھیں اور ہمیں ہمارے حال پر چھوڑدیں۔ ہم ان کے دین سے کوئی سروکار نہ رکھیں گے۔ ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کو بلوایا۔ آپ تشریف لائے تو آپؐ سے کہا "پیارے بھتیجے۔ یہ قوم کے شرفا آئے ہیں اور تم سے فیصلہ کرنا چاہتے ہیں"۔ قریش نے آپ کے سامنے تجویز دہرائی جو ابوطالب کو

پیش کی تھی کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے دین سے سروکار نہ رکھیں۔ ابو طالب مصالحت چاہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے کہا "بھتیجے۔ یہ فیصلہ انصاف پر مبنی ہے۔ اسے قبول کرلو"۔ آپؐ نے فرمایا "چچاجان میرے پاس ایک بہتر چیز ہے۔ ایک ایسا کلمہ کہ یہ حضرات کہنے کو تیار ہوجائیں تو وہ انہیں سارے عرب کا مالک بنادے گا اور عجم بھی ان کے زیر نگین ہوجائیگا۔"

اس پر ابو جہل نے کہا "یہ تو بڑے نفع کا سودا ہے۔ تمہارے والد کی قسم ہم ایسے دس کلمے کہنے کو تیار ہیں" "آپ نے فرمایا" کہولاالہ الا اللہ"، قریش سخت برھم ہوئے اور یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے" یہ تو عجیب بات ہے کہ تم نے سب خداؤں کا ایک خدا کردیا" یہ الفاظ عقبہ بن ابی معیط کے تھے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ سورۃ ص کی ان آیات میں اسی طرف اشارہ ہے:

"کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنادیا۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ تو جو ان میں معزز تھے وہ چل کھڑے ہوئے (اور بولے) کہ چلو اور اپنے معبودوں (کی پوجا) پر قائم رہو۔ بے شک یہ ایسی بات ہے جس سے (تم پر) شرف و فضیلت مقصود ہے۔ یہ پچھلے مذہب میں ہم نے کبھی سنی ہی نہیں۔ یہ بالکل بنائی ہوئی بات ہے"۔ (ص ۵۔۷)

علامہ قسطلانی 'مواہب اللدنیہ' میں کہتے ہیں کہ جب قریش کے سردار ابو طالب سے ان کے آخری وقت میں عیادت کے لئے آئے تو ابو طالب نے انہیں کچھ وصیتیں کیں۔ ان میں یہ بھی کہا کہ "محمد (ﷺ) کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا وہ قریش میں امین اور تمام عرب میں صادق ترین آدمی ہے۔ وہ ایسی بات لایا ہے جسے دل مانتا ہے اور زبان لوگوں کی دشمنی کے خوف سے انکار کرتی ہے۔ مگر خدا کی قسم میں گویا آنکھوں سے دیکھ رہاہوں کہ عرب کے کنگال اور اطراف و نواح کے کمزور لوگ آگے بڑھکر اس کی دعوت قبول کرلینگے۔ وہ انہیں لے کر خطرات میں کود پڑے گا۔ اور قریش کے سردار اور اکابردم چھلہ بن کر رہ جائینگے" (۱)۔

کچھ ہی دن بعد رجب ۱۰ نبوی میں ابو طالب کا انتقال ہوگیا۔ قریش کا آخری وفد جب ابوطالب سے گفتگو کرکے ناکام واپس ہوا تھا تو ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ سے کہا "فرزند تم

نے ان سے کوئی بے جا بات نہیں کی" ان ہمت افزا الفاظ سے آپؐ کو کچھ امید ہوئی کہ شاید چچا ایمان لے آئیں۔ آپؐ نے ان سے کہا کلمہ توحید پڑھ لیں تاکہ قیامت میں آپ ان کی شفاعت کرسکیں ابو طالب نے جواب دیا "اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے کہ ابو طالب نے موت کے خوف سے یہ کلمہ کہا تو میں اسے ضرور کہہ لیتا میں اسے صرف تمہیں خوش کرنے کی خاطر کہتا ہوں"(۲)۔ انتقال کے وقت ابو طالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباسؓ نے جھک کر کان لگائے اور رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ "اے بھتیجے تم جو کلمہ کہہ رہے تھے وہی کلمہ ابو طالب نے پڑھا ہے"۔ آپؐ نے فرمایا" میں نے تو نہیں سنا" (۳)۔ابن کثیر نے بعض معتبر احادیث کی روشنی میں یہ رائے اختیار کی ہے کہ ابو طالب نے اسلام قبول نہیں کیا ۔ اور انہوں نے بقول خود ' علی ملت عبدالمطلب' یعنی اپنے والد کے مذہب پر وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ کے لئے محبت اور جاں نثاری کے باوصف ایمان ان کے مقدر میں نہ تھا۔"اس میں بھی اللہ تعالٰی کی عظیم حکمت و مصلحت مضمر ہے جس پر ایمان لانا واجب ہے ...... اگر اللہ تعالٰی نے مشرکین کے لئے مغفرت و بخشش مانگنے سے منع نہ کیا ہوتا تو ہم ابو طالب کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا کرتے"(۴)۔

بہر حال یہ بغیر کسی تردد کے کہا جا سکتا ہے کہ ابو طالب کو اپنے بھتیجے کے خلوص پر پورا اعتماد تھا۔ خدانخواستہ وہ اگر آپؐ کو کاذب سمجھتے تو کبھی اس طرح آپؐ کی حمایت میں اتنی تکلیفیں نہ اٹھاتے۔ اور یہ بھی یقینی ہے کہ نعوذباللہ کوئی بناوٹ رسول اللہ ﷺ کے کردار میں ہوتی تو ان سے چھپی نہ رہ سکتی تھی۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ابو طالب کافر مرے یا مسلمان لیکن جسطرح انہوں نے اپنے بھتیجےؐ کی پرورش کی حمایت و حفاظت کی اور جسطرح اپنے بیٹوں حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ کے اسلام پر ان کی اعانت کی اس پر ہر مسلمان کا دل یہی چاہے گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود چاہا تھا کہ کاش یہ مسلمان مرے ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کو اپنے شفیق چچا کی موت کا بہت ملال ہوا ۔ دل کا یہ زخم ابھی مندمل نہ ہوا تھا کہ آپ کی عزیز رفیق حیات حضرت خدیجہؓ نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان کی تاریخ وفات ۱۰ رمضان المبارک ۱۰نبوی بتائی گئی ہے ۔ یعنی ابو طالب کی وفات کے ۳۵ دن بعد (۵)۔ (بعض روایات میں ابو طالب کا انتقال حضرت خدیجہؓ کے انتقال سے صرف تین یا پانچ دن قبل ماہ رمضان میں ہی بتایا گیا ہے) اسوقت ان کی عمر ۶۵ سال تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ شریک حیات آپؐ سے انتہائی محبت کرتی تھیں آپؐ پر سب سے پہلے ایمان لائیں۔ آپؐ کی سب سے بڑی غمگسار تھیں۔ ہر مشکل مقام پر آپؐ کی ہمت افزائی فرماتی تھیں۔ان کے ساتھ آپؐ کی پچیس سالہ خانگی زندگی بڑی پر سکون گذری۔ آپؐ کی تمام اولاد (سوائے حضرت ابراہیمؑ کے) ان ہی سے پیدا ہوئی ۔آپؐ بھی ان سے بہت محبت فرماتے تھے۔ جب تک یہ حیات تھیں کبھی کسی دوسری خاتون سے شادی کا خیال تک نہ کیا۔ حالانکہ اس معاشرے میں تعدد ازواج بہت عام تھا۔ ان کی وفات کے بعد بھی آپؐ کے دل میں ان کی محبت بھری یاد ہمیشہ رہی۔ ان کے عزیزوں اور ملنے والیوں سے ہمیشہ شفقت کا برتاؤ کیا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپؐ کی ازواج میں کسی پر انہیں اتنا رشک نہ ہوا جتنا حضرت خدیجہؓ پر۔ ہر چند کہ وہ ان کے بچپن ہی میں وفات پاچکی تھیں۔ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تھے تو حضرت خدیجہؓ کی ہمشیرہ ہالہ بنت خویلد آپؐ سے ملنے آئیں۔ دروازے پر ان کی آواز سنکر آپؐ بے اختیار بول اٹھے "اللھم ہالہ (یااللہ یہ ہالہ ہوں)" ۔ اس پر حضرت عائشہؓ کو جو اس وقت آپؐ کے ساتھ تھیں بڑا رشک ہوا اور کہنے لگیں "آپؐ ایک بوڑھی عورت کو اس قدر یاد کرتے ہیں جبکہ اسےؓ مرے ہوئے مدت ہوگئی اور اللہ نے آپ کو اس سے بہتر بیوی عنایت کردی "۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات ناگوار گزری۔ آپ کے چہرے پر اس ناگواری کے آثار دیکھ کر حضرت عائشہ نے فوراً معذرت کی اور قسم کھائی کہ آئندہ حضرت خدیجہؓ کا ذکر بھلائی کے سوا کسی طرح نہ کریںگی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

☆ ☆

(۱) ابو الاعلیٰ مودودی ' سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۶۲۴۔ مولانا مودودی فرماتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر کے دورِ خلافت میں قریش کے شیوخ سہیل بن عمرو اور ابو سفیان بن حرب وغیرہ امیر المومنین سے ملنے کی اجازت کے انتظار میں بیٹھے رہے جبکہ حضرت بلالؓ اور حضرت صہیبؓ اور بعض دوسرے اہل بدر کو اندر بلایا جاتا رہا۔ ابو سفیان نے شکایتاً ساتھیوں سے کہا " ہم جیسے لوگ باہر بیٹھے ہیں ان غلاموں کو اندر بلایا جارہا ہے"۔ اس پر سہیل بن عمرو نے کہا "آپ حضرات اسکا شکوہ اپنے آپ سے کریں ۔ جب اسلام کی دعوت دی گئی تھی تو ان لوگوں نے سبقت کی اور آپ لوگ پیچھے بیٹھے رہ گئے" (ابو الاعلیٰ مودودی ' سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۶۲۵)

(۲) ابن ہشام "سیرۃ النبیؐ" جلد اول صفحہ ۲۷۸

(۳) ایضاً

(۴) ابن کثیر "سیرۃ النبیؐ" حصہ اول صفحہ ۳۹۳

(۵) سر ولیم میور نے حضرت خدیجہؓ کی تاریخ وفات دسمبر ۶۱۹ء اور ابوطالب کی وفات ان کے پانچ ہفتے بعد جنوری ۶۲۰ء بتائی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا صاحب الجمال و یا سید البشر

من وجھک المنیر لقد نور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ترجمہ

اے صاحب جمال اور انسانوں کے سردار

آپ کے نورانی چہرے سے تو چاند کو روشنی بخشی گئی ہے

جیسا کہ آپ کی تعریف کا حق ہے ایسی تعریف ممکن نہیں

خدائے ذوالجلال کے بعد آپ ہی سب سے بڑے ہیں یہی مختصر بات ہے

صلی اللہ علیہ و بارک وسلم

تسلیماً کثیراً کثیراً کثیراً

(۴۵) حضرت سودہؓ

شفیق چچا اور رفیق زوجہ کی جدائی نے رسول اللہ ﷺ کو جذباتی صدمے کے علاوہ دوسری دشواریوں سے بھی دوچار کیا۔ گھر میں دو صاحبزادیاں حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ تھیں لیکن دیکھ بھال کے لئے کوئی خاتون نہ تھی۔ آپؐ نے مناسب سمجھا کہ کسی معمر خاتون سے شادی کرلیں جو خانہ داری کے فرائض ادا کرسکے۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے چند دن بعد آخر رمضان یا شروع شوال ۱۰ نبوی میں آپؐ نے حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے نکاح کرلیا۔ یہ سن رسیدہ خاتون تھیں۔ ان کے پہلے شوہر سکرانؓ بن عمرو تھے۔ یہ شروع ہی میں اسلام سے مشرف ہوگئی تھیں۔ انہی کی ترغیب سے ان کے شوہر بھی مسلمان ہوئے دونوں نے اسلام کی خاطر بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ دوسری ہجرت حبشہ میں بھی شامل ہوئے کچھ دن بعد دونوں مکہ واپس آگئے تھے۔ مکہ میں سکرانؓ کا انتقال ہوگیا اور حضرت سودہؓ بیوہ ہوگئیں (ایک روایت کے مطابق سکرانؓ نے حبشہ ہی میں وفات پائی)۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں شادی کا پیغام بھجوایا تو انہوںؓ نے آپؐ کو اختیار دیا کہ جو چاہیں کریں۔ آپؐ نے فرمایا" اپنی قوم کے کسی فرد سے کہو کہ تمہارا نکاح کرادے"۔ حضرت سودہؓ نے اپنے مرحوم سابق شوہر کے بھائی حاطب بن عمرو سے کہا اور انہوں نے یہ نکاح کردیا(۱)۔ ایک معمر بیوہ کے لیے اس سے بہتر کیاانعام ہو سکتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں ام المومنین کی حیثیت سے ان کا خیر مقدم ہو۔

ابن سعد کے یہاں روایت ہے کہ حضرت سودہؓ نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں اور اپنے پائے مبارک ان کی گردن پر رکھ دیئے ہیں۔ ان کے شوہر سکرانؓ نے یہ خواب سنا تو کہا " اگر تم نے واقعی یہ خواب دیکھا ہے تو میں مر جاؤ نگا اور تم سے رسول اللہ ﷺ نکاح کرلینگے"۔ حضرت سودہؓ نے دوسرا خواب دیکھا کہ ان کی گود میں آسمان سے

چاند کا ٹکڑا ٹوٹ کر گرا ہے۔ شوہر نے یہ سن کر کہا "اگر یہ واقعی تمہارا خواب ہے تو میں جلد مر جاؤنگا اور تم رسول اللہ ﷺ سے نکاح کرلوگی"۔ اسکے بعد سکرانؓ جلد ہی بیمار ہوگئے اور چند دن میں وفات پائی۔ پھر حضرت سودہ رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں(۲)۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمان بن مظعونؓ کی اہلیہ حضرت خولہؓ بنت حکیم رسول اللہ ﷺ کی خانگی ضروریات کا خیال رکھنے لگی تھیں۔ انہوںؓ نے ایک دن آپؐ کو مشورہ دیا کہ دوسری شادی کرلیں تو بہتر ہو۔ آپ کے اس سوال پر کہ کس سے شادی کی جائے انہوں نے بتایا کہ حضرت عائشہؓ بنت ابو بکر یا حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے۔ آپؐ نے اجازت دیدی کہ دونوں جگہ بات کی جائے۔ چناچہ حضرت خولہ کی وساطت سے دونوں جگہ شادی طے پائی۔(۳)

حضرت عائشہؓ کی شادی کے لئے حضرت ابو بکرؓ مطعم بن عدی سے انکے بیٹے کے لئے وعدہ کرچکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے پیام کے متعلق معلوم ہوا تو مطعم کے یہاں گئے۔ اسکی بیوی نے خود ہی پہل کی اور کہنے لگی" ہم اپنے بیٹے کی شادی تمہاری صاحبزادی سے کریں تو تم اسکو بھی صابی بناؤ گے اور اسے اپنے مذہب میں شامل کرلوگے"۔ حضرت ابو بکرؓ نے مطعم سے پوچھا۔ " یہ کیا کہہ رہی ہے؟"۔ مطعم نے کہا " ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔ ہمیں یہی اندیشہ ہے"۔ یہ سنکر حضرت ابو بکرؓ وہاں سے چلے آئے۔ اسطرح اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے عہد سے بری الذمہ کردیا(۴)۔ اور حضرت عائشہؓ کی شادی رسول اللہ ﷺ سے طے ہوگئی۔ شادی کی تاریخ کی بابت کچھ اختلاف ہے۔ مختلف روایات پر غور کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ نکاح ہجرت سے تقریباً ایک سال قبل ہوا جبکہ حضرت عائشہؓ کی عمر ۶ سال تھی اور رخصتی ۲ھ میں ہوئی جبکہ یہ ۹ سال کی ہوچکی تھیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عروہ بن زبیر سے یہی روایت ہے"(۵)۔

سید سلیمان ندوی مرحوم کی رائے ذرا مختلف ہے لکھتے ہیں۔" حضرت عائشہؓ معتبر ترین مستند ترین اور ایک دو کے سوا متفقہ راویوں کے مطابق چھ برس کی عمر میں بیاہی گئیں۔ اور متفقا بلا اختلاف نو برس کی عمر میں آنحضرت ﷺ کے حجرہ میں آئیں اور تمام واقعات و سنین کی تطبیق کی بنا پر ۵ نبوی کے آخر میں پیدا ہوئیں۔ شوال ۱۱ نبوی میں بیاہی گئیں اور شوال ۱ھ میں رخصت ہو کر آئیں"(۶)۔ ان کے بقول علامہ عینی کی یہ روایت کہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی بدر کے بعد ۲ھ میں ہوئی غلط ہے(۷)۔

شادی کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر کے متعلق زیادہ شدید اختلاف ہے۔ مندرجہ بالا مشہور روایت کے خلاف مولانا محمد عمر احمد عثمانی کی قابل قدر تحقیق سے ثابت ہے کہ انؓ کا نکاح ۱۶ سال کی عمر میں ہوا اور رخصتی ۱۹ سال کی عمر میں ہوئی (ملاحظہ ہو مولانا کی تصنیف 'فقہ القرآن' جلد دوم صفحات ۲۰ تا ۶۹) یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ مولانا موصوف نے دوسرے قوی دلائل کے علاوہ 'صحیح بخاری' ہی کی وہ حدیث بھی پیش کی ہے جس میں "حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ پر مکہ میں (سورۃ القمر کی آیات) بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھیٰ وامر (وغیرہ) نازل ہوئیں تو میں بچی تھی اور کھیلتی پھرتی تھی"۔ سورۃ القمر کا نزول پانچ سال قبل ہجرت ہوا۔ اس وقت کی کھیلتی پھرتی بچی جسے قرآنی آیات یاد رہیں کم از کم چھ سات سال کی ہو گی۔ اور یوں شادی کے وقت انہیںؓ کم از کم ۱۳، ۱۴ سال کا ہونا چاہیئے۔ مشہور مصری مورخ عباس محمد العقاد نے بھی اپنی تصنیف 'سیرتِ عائشہؓ' میں شادی کے وقت انؓ کی عمر چودہ پندرہ سال لکھی ہے۔ یہی خیال مولانا رازق الخیری نے اپنی کتاب 'مسلمانوں کی مائیں' اور شاہ معین الدین احمد ندوی نے اپنی 'تاریخ اسلام' میں ظاہر فرمایا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "مجھے تم خواب میں دو مرتبہ دکھائی گئیں۔ ایک شخص تمہیں ریشم کے ایک ٹکڑے میں اٹھائے لئے جا رہا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ تمہاری بیوی ہے۔ اسکے چہرے سے پردہ ہٹاؤ۔ میں نے دیکھا کہ وہ تمہیں تھیں میں نے سوچا کہ اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ خود ہی انجام تک پہنچائیگا" (۸)۔

☆ ☆

(۱) ابن سعد 'طبقات' حصہ ہشتم صفحہ ۸۰، ۸۱

(۲) ایضاً صفحہ ۸۱

(۳) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۳۹۹

(۴) طبری 'تاریخ طبری' جلد اول صفحہ ۴۹۲

(۵) ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۶۲۹

(۶) سید سلیمان ندوی 'سیرت عائشہ' صفحہ ۳۱۸۔

(۷) ایضاً صفحہ ۱۷

(۸) صحیح بخاری جلد سوم صفحہ ۷۴۲، ۷۴۳، (کتاب الرویا باب ثیاب الحریر فی المنام)

(۴۶) طائف

ابو طالب کی وفات کے بعد ابولہب بنی ہاشم کا سردار تھا۔ خاندانی حمیت کے باعث شروع میں اس نے رسول اللہ ﷺ کی کچھ حوصلہ افزائی کی۔ یہ دیکھ کر کہ آپؐ اکثر گھر میں رہتے اور باہر کم نکلتے تھے۔ ابو لہب آپؐ کے پاس آیا اور اطمینان دلایا کہ "تم جہاں چاہو آؤ اور جاؤ اور جو کام ابو طالب کی زندگی میں کرتے تھے کرتے رہو۔ لات کی قسم جب تک میں ہوں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچائے گا" ایک مرتبہ ایک شخص حارث بن قیس (جو ابن الغیطلہ کے نام سے مشہور تھا) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گستاخی سے پیش آیا تو ابو لہب نے اسے بری طرح ڈانٹا۔ وہ چلاتا ہوا بھاگا کہ "ابو لہب بے دین ہوگیا" قریش نے پوچھا تو ابولہب نے بتایا کہ وہ عبدالمطلب کے دین پر قائم تھا۔ لیکن اپنے بھتیجے کی حفاظت کے فرض سے دستبردار نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ سنکر قریش قائل ہوگئے اور ابو لہب کی اس صلہ رحمی کو سراہا۔ رسول اللہ ﷺ کے کچھ دن امن سے گزرے۔

مگر ابوجہل کو یہ گوارا نہ تھا۔ ایک دن عقبہ بن ابی معیط کے ساتھ ابو لہب کے پاس آیا اور کہنے لگا "تمہارے بھتیجے نے تمہیں یہ بھی بتایا کہ خدا کے یہاں تمہارے والد کا ٹھکانا کہاں ہے"۔
ابو لہب نے رسول اللہ ﷺ سے عبد المطلب کے متعلق یہ سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا "اپنی قوم کے ساتھ" ابو لہب نے آپؐ کے اس جواب کا تذکرہ جب ابو جہل اور عقبہ سے کیا تو انہوں نے کہا "تمہارے بھتیجے کا گمان ہے کہ عبدالمطلب بھی جہنم میں ہے"۔ ابو لہب پھر آپؐ سے ملا اور اس امر کی تصدیق چاہی آیا عبدالمطلب دوزخ میں تھے۔ آپ نے فرمایا "ہاں اور وہ بھی جو اس دین پر مرے جس پر عبد المطلب مرے تھے"۔ یہ سنکر ابو لہب بہت چراغ پا ہوا۔ پھر آپؐ کی مخالفت پر کمر باندھ لی اور صاف کہدیا "واللہ میں ہمیشہ تمہارا دشمن رہونگا۔ تم عبدالمطلب کو دوزخی سمجھتے

ہو"۔ اور تادم مرگ اپنے اس قول پر قائم رہا۔

اب رسول اللہ ﷺ پھر سے اپنی قوم کی سختیوں اور زیادتیوں کا ہدف تھے۔ ایک روز آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ابو جہل دوسرے قریشی سرداروں کے ساتھ موجود تھا۔ کہنے لگا " کاش کوئی ہوتا جو باہر پڑی ہوئی اونٹ کی غلیظ اوجھڑی اٹھالاتا اور جب یہ سجدے میں جاتے تو ان پر ڈال دیتا" عقبہ بن ابی معیط اس کام کے لئے تیار ہوگیا اور ایسا ہی کیا۔ قریش یہ نظارہ دیکھکر بہت محظوظ ہورہے تھے۔ کسی سے حضرت فاطمہؓ کو خبر پہنچی ۔ وہ کمسن تھیں مگر دوڑتی ہوئی آئیں اور اوجھڑی آپ کے جسم سے اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگیں۔ ساتھ ہی عقبہ کو کوستی رہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے صرف اس ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کو کفار کے لئے بددعا کرتے سنا جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو تین بار یہ دعا کی "اے اللہ عمرو بن ہشام (ابو جہل) کو پکڑ، عتبہ بن ربیعہ کو، شیبہ بن ربیعہ کو، امیہ بن خلف کو عقبہ بن ابی معیط کو عمارہ بن ولید کو پکڑلے"(۱)۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ " میں نے ان کو بدر کے دن دیکھا کہ قتل ہو کر گرے ہوئے ہیں۔ ان کو کھینچ کر قلیب بدر میں ڈالا گیا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا 'کنویں والو ں پر لعنت مسلط کردی گئی ہے '"(۲)۔ حقیقتاً ان سات اوباشوں میں سے پانچ بدر کے دن مارے گئے ، عمارہ بن ولید پاگل ہوکر حبشہ میں مرا۔ عقبہ بدر میں قید ہوا تھا۔ وہاں سے واپسی کے وقت رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قتل کیا گیا۔

ایک مرتبہ راستے میں کسی کافر نے آپؐ کے سر پر خاک ڈال دی۔ آپؐ اس حال میں گھر پہنچے تو آپؐ کی صاحبزادیؓ نے آپؐ کا سر دھویا اور رونے لگیں۔ آپؐ نے تسلی دی اور فرمایا، "پیاری روتی کیوں ہو ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کی حفاظت کریگا" ۔ آپؐ نے اس وقت یہ بھی فرمایا " جب تک ابو طالب زندہ تھے قریش مجھے کوئی گزند نہ پہنچاسکے"(۳)۔

ان حالات میں قریش سے قطعی مایوس ہو کر رسول اللہ ﷺ نے سوچا کہ مکہ کے باہر کسی اور مقام پر اسلام کی تبلیغ کریں۔ اور طائف جانے کا فیصلہ فرمایا۔ یہ مکہ کے مشرق میں تقریباً ۸۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ آپؐ کی خواہش تھی کہ وہاں کے طاقتور قبیلے بنی ثقیف کو اپنا ہمنوا بنالیں کہ وہ آپؐ کو اپنے یہاں پناہ دینے اور اسلام کی حمایت کے لئے راضی ہوجائیں۔ حضرت سودہؓ سے نکاح ہوچکا تھا۔ گھر اور بیٹیوں کو ان کی حفاظت میں چھوڑ کر شوال ۱۰ نبوی کے آخر میں آپؐ پا پیادہ طائف کے لئے روانہ ہوئے۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ آپؐ کے ساتھ تھے۔

طائف میں آپؐ نے دس دن (بعض روایات کے مطابق ۲۰ دن) قیام فرمایا۔ اور بقول ابن سعد اشراف میں سے کوئی ایسا نہ تھا۔ جسے آپؐ نے اسلام پیش نہ کیا ہو۔ مگر ہر طرف سے آپ کو مایوس ہونا پڑا۔ جواب ملا کہ "ہمارے شہر سے چلے جاؤ اور وہاں رہو جہاں تمہاری دعوت قبول کرلی گئی ہو"(۴)۔ یہاں کے بڑے سردار عمرو بن عمیر (۵) کے تین بیٹے عبد یا لیل، مسعود اور حبیب تھے۔ آپؐ ان کے پاس تشریف لے گئے اسلام کی دعوت دی۔ اور چاہا کہ نئے دین کی تبلیغ میں آپؐ کی مدد کریں۔ لیکن یہ تینوں بڑی بد تمیزی سے پیش آئے۔ ایک جو کعبہ کا غلاف بٹ رہا تھا بولا" اگر خدا نے تمہیں اپنا رسولؐ بنایا ہے تو میں یہ غلاف کعبہ نوچ ڈالونگا"۔ دوسرے نے طعنہ دیا "تمہارے سوا خدا کو کوئی اور رسول بنانے کو نہیں ملا"۔ تیسرے نے یہ منطق پیش کی "تم اگر سچے ہو تو میں اس قابل نہیں کہ تم جیسے رسول برحق کو جواب دوں۔ اور اگر تم جھوٹ بول رہے ہو تو تم اس لائق نہیں کہ تم سے بات کی جائے"۔ ان تینوں میں سے ایک کی زوجہ قریشی تھی۔ غالباً اسی لئے آپؐ کو ان سے کچھ بہتری کی امید تھی جو اب مایوسی سے بدل گئی۔ آپؐ وہاں سے چلے آئے۔ آخر میں صرف اتنا کہا کہ اس ملاقات کا ذکر اوروں سے نہ کریں۔ آپؐ یہ نہ چاہتے تھے کہ یہ خبر اہل قریش تک مکہ پہنچے لیکن ان لوگوں نے الٹا آپؐ کو خوار کرنا چاہا شہر کے اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگادیا جو آپؐ پر آوازے کستے اور سنگ باری کرتے یہاں تک کہ آپ کے پاؤں خوناں خون ہوگئے۔ زیدؓ حتی الوسع آپؐ کو بچانے کی کوشش کرتے تھے جسکی وجہ سے ان کا سر بھی زخمی ہوگیا۔

آخر آپؐ نے ایک باغ کی چار دیواری میں پناہ لی تو اوباشوں نے آپؐ کا پیچھا چھوڑا۔ یہ باغ مکہ کے دو رئیس بھائیوں عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کی ملکیت تھا۔ یہاں ایک انگور کی بیل کے سائے میں دیوار سے ٹیک لگاکر آپؐ بیٹھ گئے۔ انتہائی کرب و یاس کے عالم میں اپنے رب کو اسطرح پکارا:

"میرے اللہ۔ میں اپنی کمزوری، بے بسی اور دوسروں کی نظر میں اپنی بیقدری کی فریاد تجھ ہی سے کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین تو غمزدوں کا رب ہے اور میرا رب بھی تو ہی ہے۔ تو مجھے کس کے سپرد کر رہا ہے۔ کسی غیر کے جو میرے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ یا کسی دشمن کے جسے

تونے مجھ پر اختیار دے دیا ہے۔ تو مجھ سے ناراض نہ ہو تو مجھے کسی
بات کی پرواہ نہیں۔ لیکن اپنی عافیت عطا فرمائے تو اس میں میرے لئے
کشادگی ہے۔ میں تیری ذات کے اس نور کی پناہ مانگتاہوں جو اندھیروں
کو روشنی بخشتا ہے اور جس سے دنیا و آخرت کے سارے کام سنور جاتے
ہیں۔ مجھے اس سے محفوظ فرماکہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا میں
تیرے عتاب کا مستحق ٹھہروں مجھے تیری رضا تسلیم ہے یہاں تک کہ تو
مجھ سے خوش ہو جائے۔ کیونکہ تیرے بغیر نہ کوئی طاقت ہے نہ کوئی
قوت"(٦)۔

اتفاقاً عتبہ اور شیبہ اسوقت اپنے باغ میں موجود تھے۔ اہل طائف نے جو اذیت رسول اللہ ﷺ کو پہنچائی تھی اس سے واقف تھے۔ قریشی ہونے کی حیثیت سے غریب الوطنی میں آپؐ کی حالت زار پر رحم کھائے بغیر نہ رہ سکے۔ اپنے ایک نصرانی غلام عداس کے ذریعے کچھ انگور ایک طباق میں آپؐ کی خدمت میں بھیجے کہ تناول فرمائیں ۔ کھانے سے پہلے آپؐ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا تو عداس کو تعجب ہوا۔ کہنے لگا " واللہ یہاں تو ایسا کلمہ کہنے والا کوئی نہیں" آپؐ نے پوچھا "تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا کیا دین ہے" عداس نے بتایا کہ وہ نینویٰ کا رہنے والا ایک نصرانی تھا۔ آپؐ نے فرمایا " اچھا تو تم صالح یونس بن متی کے شہر کے رہنے والے ہو" عداس کو مزید حیرت ہوئی ۔ پوچھنے لگا کہ "آپؐ یونس بن متی کو کیسے جانتے ہیں ؟"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "وہ میرے بھائی تھے۔ ایک نبی تھے اور میں بھی ایک نبی ہوں" یہ سنکر عداس جھکا ۔ آپؐ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور آپؐ کے دست مبارک اور قدم چومنے لگا اور آپؐ کی رسالت کی گواہی دی۔ یہ منظر دیکھ کر عتبہ اور شیبہ آپس میں کہنے لگے "معلوم ہوتا ہے اس شخص نے ہمارے غلام کو بھی بگاڑ دیا" عداس واپس آیا تو اس سے پوچھا "یہ تجھے کیا ہوا کہ اس شخص کے ہاتھ پیر چومنے لگا"۔ عداس نے کہا " میرے آقا ۔ اس وقت تمام روئے زمین پر کوئی انسان اس شخص سے بہتر نہیں۔ اسؐ نے مجھے ایک ایسی بات بتائی جو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔ دونوں نے عداس کو سمجھانے کی کوشش کی اور کہا "یہ تجھے تیرے دین سے پھیر نہ دے۔ تیرا دین اسکے دین سے کہیں بہتر ہے" لیکن عداس کا خیال مختلف تھا۔ وہ آپؐ پر ایمان

لاچکا تھا۔ روایت ہے کہ کئی سال کے بعد جنگ بدر کے موقع پر جب عتبہ اور شیبہ کفار مکہ کے لشکر کے ساتھ بدر کی طرف روانگی کی تیاری کر رہے تھے تو عداس نے دونوں کے پیر پکڑ لئے۔ انہیں روکنا چاہا اور کہا "واللہ وہ خدا کے رسول ہیں تمہارا لشکر اپنے مقتل کی طرف جارہاہے"(۷)۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ دونوں بدنصیب سردار بدر کی عام جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی مبارزت میں حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

مکہ کے مایوس کن حالات میں طائف کے اس سفر کو سر ولیم میور نے بڑا اولا لعزمانہ اور مجاہدانہ قدم قرار دیا ہے۔ اسکے نزدیک آپؐ کا یہ سفر آپؐ کے خلوص کا بیّن ثبوت ہے اوراس امر کا کہ آپؐ کو اللہ پر مکمل اعتماد تھا اور اسکی عطا کہ ہوئی رسالت پر پورا یقین تھا(۸)۔

☆ ☆

(۱) مشکوٰۃ شریف جلد سوم صفحہ ۱۴۹، ۱۵۰

(۲) ایضاً صفحہ ۱۵۰

(۳) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۷۷۔ ابن کثیر کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے الام ومصائب کے اکثر واقعات ابو طالب کی وفات کے بعد ہوئے (ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۴۰۲)

(۴) ابن سعد ' طبقات ' حصہ اول صفحہ ۲۰۸

(۵) یہ وہی طائف کا سردار تھا جسکی طرف ولید بن مغیرہ کا اشارہ تھا کہ نبوت ملتی تو مکہ یا طائف کے کسی سردار کو ملتی۔

(۶) یہاں حضرت داؤدؑ کے یہ کلمات یاد آتے ہیں جو انہوں نے اس وقت ادا کئے جب طاقتور دشمن ان کے تعاقب میں تھے:"اے خدا میرے ستانے والے کتنے بڑھ گئے۔ وہ جو میرے خلاف اٹھتے ہیں ۔بہت سے میری جان کے بارے میں کہتے ہیں کہ خدا کی طرف سے اسکی کمک نہ ہو گی لیکن تو اے خداوند ہر طرف میری سپر ہے۔ میرا فخر اور سرفراز کرنے والا" (پرانا عہد نامہ' کتاب زبور ۳/ ۱۔۳)

(۷) محمد ادریس کاندھلوی ' سیرۃ المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۲۶۱

(۸) سر ولیم میور ' دی لائف اف محمدؐ' (The Life of Mohammad) صفحہ ۱۱۲، ۱۱۳

(۴۷) طائف سے واپسی

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ آیا آپؐ پر جنگ احد سے بڑھ کر کوئی سخت وقت پڑا۔ (جس میں رسول اللہ ﷺ خود زخمی ہوگئے تھے اور ستر مسلمان شہید ہوئے تھے)۔ تو آپؐ نے اپنے سفر طائف کا ذکر فرمایا کہ وہ واقعہ آپؐ پر سب سے زیادہ سخت تھا جب آپؐ نے عبد یالیل کی پناہ چاہی اور اس نے آپؐ کا مطالبہ رد کردیا۔ ساتھ ہی آپؐ نے یہ فرمایا کہ آپؐ حیران و پریشان طائف سے واپسی کے لئے جدھر منہ اٹھا چل پڑے یہاں تک قرن الثعالب(۱) پہنچ گئے۔ یہاں آپؐ نے ابر کے ایک ٹکڑے میں جبرئیلؑ کو دیکھا۔ ان کے ساتھ پہاڑوں کا فرشتہ بھی تھا۔ اس نے آپؐ سے عرض کیا "میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں۔ آپؐ کے رب نے مجھے آپؐ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ آپؐ جو حکم چاہیں مجھ دیں۔ آپؐ فرمائیں تو میں اہل قریش کو دونوں اطراف کے پہاڑوں سے ڈھانپ دوں۔ لیکن رحمتہ للعالمین حضور ﷺ نے فرمایا" نہیں ۔ مجھے تو اس کی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے صلب سے ایسی اولاد پیدا کریگا جو تنہا اسی اللہ کی عبادت کریگی اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھرائیگی۔(۲)"

طائف سے واپسی میں آپؐ نے کچھ دن نخلہ میں قیام فرمایا۔ یہیں ایک شب یہ واقعہ پیش آیا کہ آپؐ تہجد کی نماز میں قرآن شریف کی تلاوت فرمارہے تھے کہ نصیبین کے سات جنات ادھر سے گزرے آپؐ سے قرآن سنا اور آپؐ پر ایمان لائے۔ آپؐ کو اسکی اطلاع اس وقت تک نہ ہوئی جب تک کہ سورۃ احقاف کی یہ آیات نازل نہ ہوئیں:

"اور ہم نے جنوں میں سے کئی شخص تمہاری طرف متوجہ کئے کہ قرآن سنیں تو جب وہ وہاں پاس آئے تو (آپس میں) کہنے لگے کہ خاموش

رہو۔ جب (پڑھنا) تمام ہوا تو اپنی برادری کے لوگوں میں واپس گئے کہ (انکو) نصیحت کریں کہنے لگے کہ اے قوم ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰؑ کے بعد (نازل ہوئی ہے)جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے۔ (اور) سچا (دین) اور سیدھا رستہ بتاتی ہے......" (احقاف ۲۹، ۳۰)

اس وقت آپؐ کو معلوم ہو اکہ جس سفر میں انسانوں نے آپؐ کا پیام قبول نہ کیا تھا۔ اسی سفر میں جنات آپؐ پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنی قوم تک اسلام کا پیغام پہنچایا(۳)۔

نخلہ سے مکہ کی طرف چلے تو حضرت زید بن حارثہؓ کو فکر ہوئی کہ قریش وہاں آپؐ کو کیونکر رہنے دینگے۔ لیکن آپؐ نے فرمایا " اللہ کوئی راستہ پیدا کریگا۔ وہ اپنے دین کا حامی اور اپنے نبیؐ کو غالب کرنے والا ہے"۔ جب آپؐ حرا پہنچے تو عبداللہ بن الاریقط سے ملاقات ہوئی۔ یہ شخص مشرک تھا لیکن حضرت ابوبکرؓ کا وفادار تھا۔ آپؐ نے اسے اخنس بن شریق کے پاس یہ پیام دے کر بھیجا کہ وہ آپؐ کو اپنی پناہ میں لے لے۔ اخنس نے معذوری ظاہر کی تو آپؐ نے ابن اریقط کو سہیل بن عمرو کے یہاں بھیجا۔ اس نے بھی انکار کیا تو آپؐ نے یہی قاصد بنی نوفل کے سردار مطعم بن عدی کے پاس روانہ فرمایا۔ مطعم بصد شوق راضی ہوگیا۔ آپؐ رات کو اسکے یہاں تشریف لائے۔ صبح مطعم اور اسکے بیٹے مسلح ہو کر آپؐ کو اپنے ساتھ حرم میں لے گئے۔ وہاں آپؐ نے طواف کعبہ کیا۔ مطعم نے آپؐ کو اپنی پناہ میں لینے کا اعلان کیا۔ قریش نے اس پناہ کو قبول کیا۔ ابو جہل (بقول ابن کثیر ابوسفیان) کو بھی کہنا پڑا کہ "مطعم بن عدی کی دی ہوئی پناہ توڑی نہیں جاسکتی"۔ اس طرح ابو طالب کی کمی ایک حد تک پوری ہوئی۔

مطعم دولت ایمان سے محروم رہا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اسکی یہ خدمت ہمیشہ یاد رکھی۔ جنگ بدر کے موقع پر مشرک قیدیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا کہ " مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان کے لئے کہتا تو میں ان سب کو رہا کردیتا"(۴)۔

☆ ☆

(۱) یہ مقام مکہ کے مشرق میں تقریباً دو دن کی مسافت پر تھا۔

(۲) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۲۵۸، ۲۵۹۔ (کتاب بدٔ الخلق) اہل قریش کو مکہ کے پہاڑوں جبل ابو قبیس اور قعیقعان سے دفن کرنے کو اسلئے کہا گیا کہ طائف کی اذیتیں مکہ والوں کی زیادتی کی وجہ سے پیش آئیں قریش آپؐ کی بات مان لیتے تو طائف کے سفر کی صعوبت پیش نہ آتی۔

(۳) سورۃ جن کی ابتدائی آیات میں بھی اس واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

(۴) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۱۳ ------- مطعم کے مرنے پر حسان بن ثابت (شاعر اسلام) نے اسکا مرثیہ لکھا۔ جسمیں اسکی تعریف کی۔ بنی ہاشم کے مقاطعے کی دستاویز چاک کرنے اور انحضرت ﷺ کو مکہ میں پناہ فراہم کرنے کا بھی ذکر کیا (ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۵۰)

(۴۸) ایک اور سفر

طائف کا سفر رسول اللہ ﷺ کے دور ابتلا و اذیت کی نقطۂ عروج تھا۔ صبرو استقامت کی تربیت جسقدر بھی اللہ تعالیٰ کو منظور تھی مکمل ہوچکی تھی۔ ناکامیوں کی رات کا آخر تھا اور کامرانی کی سحر کے آثار عنقریب نظر آنے والے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کی دلجوئی اور ہمت افزائی کے لئے ایک اور ہی سفر کا اہتمام فرمایا "ایک ایسے عظیم الشان سفر کا جو نہ آپؐ سے پہلے کسی کو نصیب ہوا نہ آپؐ کے بعد ہوگا۔ قرآن مجید میں اسی سفر کی طرف اشارہ ہے:

"وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جسکے گرد اگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا۔ تاکہ ہم اسے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے" (بنی اسرائیل ۱)

پھر سورۃ النجم میں ان نشانیوں کا کچھ ذکر ہے:

"اور انہوں نے اسے ایک بار اور بھی دیکھا۔ پری حد کی بیری کے پاس۔ اسکے پاس رہنے کی بہشت ہے جب کہ اس بیری پر چھارہا تھا جو چھا رہا تھا ان کی آنکھ نہ تو اور طرف مائل ہوئی اور نہ (حد سے) آگے بڑھی۔ انہوں نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کی کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔" (النجم ۱۳ تا ۱۸)

اس عظیم الشان سفر کی باقی تفصیل معتبر احادیث سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ باتیں رسول اللہ ﷺ نے مختلف اوقات میں اپنے صحابہ کو بتائیں۔

رجب ۱۲ نبوی کی ستائیسویں شام تھی(۱)۔ رسول اللہ ﷺ اپنی چچازاد بہن ام ہانی کے یہاں تھے۔ آپؐ نے انہی کے یہاں عشا کی نماز ادا کی۔ ام ہانی کا شوہر ہبیرہ مسلمان نہ تھا لیکن رسول اللہ ﷺ سے اچھی طرح ملتا تھا۔ ام ہانی کے اصرار پر کہ رات انہی کے یہاں گزاریں آپؐ وہیں سوگئے۔ کچھ دیر کے بعد تہجد کے لئے اٹھے اوربیت الحرام تشریف لے گئے۔ وہاں تہجد پڑھکر حطیم میں لیٹ گئے اور آنکھ لگ گئی۔

یہاں جبرئیلؑ آپؐ کی خدمت میں آئے۔ آپؐ اس وقت ایک ایسے عالم میں تھے جسے نہ خواب کہہ سکتے ہیں نہ بیداری۔ اس عالم میں جبرئیلؑ نے آپؐ کا سینہ چاک کیا۔زم زم سے دھوکر نور علم و یقین سے بھرا۔ پھر آپؐ کو براق پر سوار کیا (یہ ایک سفید رنگ کا برق رفتار جانور تھا جسکا قد گدھے اور خچر کے درمیان تھا) اور بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں یثرب کا نخلستان آیا تو جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ آپؐ کا مقام ہجرت ہے یہاں آپ نے نماز پڑھی۔ یہاں سے چل کر طور سینا پر ٹھہرے (ایک روایت کے مطابق مدین کے اس کنویں کے قریب جہاں حضرت موسیٰؑ نے حضرت شعیبؑ کی بیٹیوں کی بھیڑوں کو پانی پلایا تھا) پھر بیت اللحم (حضرت عیسیٰؑ کے جائے پیدائش) میں۔ آخری منزل بیت المقدس تھی جہاں دوسرے انبیاء آپؐ کے منتظر تھے۔ سب نے آپؐ کی امامت میں نماز پڑھی نماز کے بعد آپؐ کی خدمت میں دودھ پانی اور شراب کے تین پیالے پیش کئے گئے۔ آپؐ نے دودھ کا انتخاب فرمایا۔ تو جبرئیلؑ نے مبارکباد پیش کی اور کہا " آپؐ نے فطرت کی راہ پائی۔ اگر آپؐ شراب پسند فرماتے تو آپ کی امت گمراہ ہوتی"(۲)۔

پھر رفرف(معراج) لائی گئی۔ اسکے ذریعے آپؐ نے جبرئیل کے ساتھ آسمانوں کا سفر طے کیا۔ جبرئیلؑ نے ہر آسمان کے محافظ فرشتوں سے آپؐ کو متعارف کیا۔ سب فرشتوں نے آپؐ کو خوش آمدید کہا۔ تمام بڑے بڑے نبیوں سے آپؐ کی ملاقات ہوئی۔ پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ ملے دوسرے پر حضرت عیسیٰؑ اور یحییٰؑ تیسرے پر حضرت یوسفؑ، چوتھے پر حضرت ادریسؑ پانچویں پر حضرت ہارونؑ چھٹے پر حضرت موسیٰؑ اور ساتویں پر حضرت ابراہیمؑ جو آپؐ سے بہت مشابہ تھے۔

اس سفر میں آپؐ کو بعض بڑے عبرتناک مناظر دکھائے گئے۔ حضرت آدمؑ کو دیکھا کہ اپنی اولاد کے نیک بندوں کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور بروں کو دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔ کچھ کاشتکاروں کو دیکھا کہ جسقدر کھیتی کاٹتے ہیں وہ اسی قدر بڑھتی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے تھے۔ غیبت کرنے والوں کو دیکھا کہ اپنے تانبے کے ناخونوں سے اپنا منہ اور سینہ نوچ رہے ہیں۔ کچھ لوگ اپنا گوشت کاٹ کاٹ کر کھارہے تھے۔ بتایا گیا کہ یہ طعنہ زن تھے۔ یتیموں کا مال کھانے والے بھی ملے ان کے اونٹ کے سے ہونٹ تھے اور آگ کھارہے تھے۔ سود خواروں کو دیکھا کہ پیٹ سانپوں سے بھرے ہیں چل نہیں سکتے اور لوگ انہیں روندتے ہوئے گزر رہے ہیں۔

شادی شدہ زناکار مردوں کو دیکھا کہ اچھا تازہ گوشت میسر ہے مگر اسے چھوڑ کر سڑا ہوا گوشت کھارہے ہیں۔ اسی طرح کچھ عورتیں نظر آئیں جو پستانوں کے بل لٹکی ہوئی ہیں معلوم ہوا کہ انھوں نے زنا کی تھی اور نتیجے میں جو اولاد ہوئی اسے اپنے شوہروں سے منسوب کردیا۔ کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کی زبانیں اور لب قینچیوں سے کاٹے جارہے ہیں اور کٹنے کے بعد پھر ویسے ہی ہوجاتے ہیں۔ جبرئیلؑ نے بتایا کہ "آپؐ کی امت کے وہ خطیب اور واعظ ہیں جو دوسروں کو نصیحت کرتے تھے اور خود عمل نہیں کرتے تھے"۔

ایک فرشتے کو بہت ترش رو پایا تو معلوم ہوا کہ داروغہ جنہم ہے۔ آپؐ نے جنہم کو دیکھنا چاہا تو اسکا ہولناک نظارہ بھی کرایا گیا۔ ساتویں آسمان سے کچھ اور بلند ہوئے تو سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے۔ یہ ایک عجیب بیری کا درخت تھا جسے سنہرے پروانے گھیرے ہوئے تھے۔ یہاں سے آپؐ کو جنت کی سیر کرائی گئی۔ اور آپؐ نے بیت المعمور ملاحظہ فرمایا۔

سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جبرئیلؑ نہیں جاسکتے تھے۔ تو آپؐ تنہا اس آخری حد پر پہنچے جہاں جلوہ خداوندی نمایاں تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو سورۃ بقرۃ کی آخری دو آیات کی تعلیم فرمائی۔ جن میں اسلامی عقائد کا نچوڑ ہے۔ آپؐ کی امت کے لئے دائمی جنہم سے نجات کا اعلان فرمایا کہ شرک کے علاوہ تمام گناہ بخشے جاسکتے ہیں۔ نیکی کا صرف ارادہ کرنے والوں کو نیکی کا ثواب اور اس ارادے پر عمل کرنے والوں کو دس نیکیوں کے ثواب کی بشارت دی گئی۔ جبکہ گناہ کے ارادے پر کوئی مواخذہ نہیں اور اس پر عمل کرنے والے کے حساب میں صرف ایک گناہ کا شمار۔

یہیں پہلے پچاس نمازیں روزانہ فرض کی گئیں۔ آپؐ واپس ہوئے تو حضرت موسیٰ سے پھر ملے ۔ انہوں نے حال پوچھا تو بتایا اور پچاس نمازوں کا بھی ذکر کیا ۔ حضرت موسیٰؑ نے مشورہ دیا کہ آپؐ کی امت اسکی متحمل نہیں ہوسکے گی۔ اللہ سے تخویف کروائیں۔ آپؐ بار بار اللہ تعالیٰ کی خدمت میں مزید تخویف کے لئے حاضر ہوئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے صرف پانچ نمازیں فرض رکھیں اور انکا ثواب پچاس کی برابر ہی رہا۔ حضرت موسیٰؑ نے ان کو بھی زیادہ بتایا لیکن آپؐ نے فرمایا "مزید کمی کے لئے کہتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے"۔

اسی سیڑھی سے اتر کر آپ بیت المقدس واپس ہوئے یہاں ایک بار پھر سب پیغمبر موجود تھے۔ آپؐ نے نماز پڑھائی اور براق پر سوار ہوکر واپس مکہ آئے۔ ابھی رات ختم نہ ہوئی تھی۔

علی الصبح اٹھ کر آپؐ نے نماز فجر ادا کی اور ام ہانیؓ سے فرمایا "اے ام ہانیؓ میں نے تمہارے ساتھ عشا کی نماز پڑھی تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں اس جنگل سے بیت المقدس میں پہنچا اور وہاں میں نے نماز پڑھی پھر صبح کی نماز اب تمہارے ساتھ ادا کی جیسا کہ تم نے دیکھا" (۳)۔ جب آپؐ باہر جانے کے لئے کھڑے ہوئے تو ام ہانی نے آپؐ کی چادر کا کنارا پکڑ لیا اور عرض کیا کہ "اس واقعے کا ذکر اوروں سے نہ کریں ورنہ لوگ آپؐ کو جھٹلائینگے اور اذیت پہنچائینگے"۔ لیکن آپؐ نے فرمایا "میں یہ واقعہ ضرور سب سے بیان کرونگا۔" پھر آپؐ حرم میں تشریف لے گئے اور ایسا ہی کیا۔

ام ہانی کا خدشہ صحیح تھا۔ لوگوں نے آپؐ سے یہ واقعہ سنا تو مذاق اڑانے لگے بعض مسلمانوں کا بھی ایمان متزلزل ہوا۔ لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ کو خبر کی کہ سنیں ان کے دوستؐ کیا کہہ رہے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا "اگر وہ یہ کہہ رہے ہیں تو پھر سچ ہے" یہ کہہ کر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ لوگ اسطرح کہہ رہے تھے۔ خود آپؐ کی زبان مبارک سے یہ سنکر کہ "ہاں ایسا ہی ہوا" حضرت ابو بکرؓ نے آپؐ کی تصدیق فرمائی اور صدیق کے لقب سے سرفراز ہوئے۔

جو لوگ بیت المقدس دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے آپؐ کے امتحان کی خاطر آپؐ سے مسجد اقصیٰ کی تفصیل پوچھی۔ رات کے سفر میں آپؐ نے عمارت کی تفصیل پر اسقدر غور نہ فرمایا تھا اور اسکا نقشہ آپؐ کے ذہن میں نہ تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مسجد کا منظر اسوقت پھر آپؐ کی

نظروں کے سامنے کردیا اور آپؐ نے تمام سوالوں کا تسلی بخش جواب دے دیا۔ پھر بھی لوگ مطمئن نہ ہوئے۔ آپؐ نے یہ بھی بتایا کہ کہ راہ میں آپؐ نے ایک قافلہ دیکھا جسکا ایک ایسا ایسا اونٹ گم ہوگیا تھا۔ وہ قافلہ اب مکہ پہنچنے والا تھا۔ جب قافلہ مکہ پہنچا لوگوں نے آپؐ کے قول کی تصدیق کرنا چاہی۔ معلوم ہوا کہ جو کچھ گم شدہ اونٹ کے متعلق آپؐ نے فرمایا تھابالکل درست تھا۔ کفار قریش پھر بھی اپنے کفر سے باز نہ آئے۔

اِسریٰ کے متعلق جو سورۃ (بنی اسرائیل) نازل ہوئی اس میں حق کے خلاف باطل کی شکست کی بشارت موجود تھی:

" اور کہہ دو کہ حق آگیا اور باطل نابود ہوگیا۔ بے شک باطل نابود ہونے والا ہے" (بنی اسرائیل ۸۱)

یہ خبر بھی تھی کہ قریش رسول اللہ ﷺ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کرینگے تو خود بھی زیادہ عرصہ امن سے نہ رہ سکینگے:

" اور قریب تھا کہ یہ لوگ تمہیں زمین(مکہ) سے پھسلادیں تاکہ تمہیں وہاں سے جلا وطن کردیں اور اس وقت تمہارے پیچھے یہ بھی نہ رہتے مگر کم"۔ (بنی اسرائیل ۷۶)

آپؐ کو ایک دعا بھی سکھائی گئی جس میں ہجرت کی طرف صاف اشارہ تھا:

"اور کہو کہ اے پروردگار مجھے (مدینہ میں) اچھی طرح داخل کیجو اور (مکہ سے) اچھی طرح نکالیو۔ اور اپنے یہاں سے زورو قوت کو میرا مددگار بنائیو"۔ (بنی اسرائیل ۸۰)

کچھ ایسی ہدایت بھی دی گئیں جن کی بنیاد پر مدینہ میں ایک نیا معاشرہ تشکیل ہونا تھا۔ مولانا مودودی نے اسی سورۃ میں ایسے چودہ نکات کی طرف اشارہ کیاہے(۴)۔ اسریٰ اور معراج

کے بارے میں مولانا کا یہ ارشاد بھی قابل توجہ ہے :" اصل بات جو معراج کے سلسلے میں سمجھ لینی چاہیئے وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے منصب کی مناسبت سے ملکوت سمٰوات وارض کا مشاہدہ کرایا ہے اور مادّی حجابات بیچ میں سے ہٹا کر آنکھوں سے وہ حقیقتیں دکھائی ہیں جن پر ایمان بالغیب لانے کی دعوت دینے پر مامور کئے گئے تھے۔ تاکہ ان کا مقام ایک فلسفی کے مقام سے بالکل ممیّز ہوجائے۔ فلسفی جو بھی کہتا ہے قیاس اور گمان سے کہتا ہے۔ وہ خود اگر اپنی حیثیت سے واقف ہو تو کبھی اپنی کسی رائے کی صداقت پر شہادت نہ دیگا۔ مگر انبیاء جو کچھ کہتے ہیں وہ براہ راست علم اور مشاہدے کے بنا پر کہتے ہیں۔ اور وہ خلق کے سامنے یہ شہادت دے سکتے ہیں کہ 'ہم ان باتوں کو جانتے ہیں اور یہ ہماری آنکھوں دیکھی حقیقتیں ہیں' "(۵)۔ مولانا ابو الکلام ازاد نے اس واقعے کو "وحی کی تکمیل" قرار دیا ہے۔ جس میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی نشانیوں یعنی" دلائل حقیقت" کا معائنہ فرمایا(۶)۔

یہ واقعہ قرآن مجید اور نہایت معتبر روایات سے قطعی ثابت ہے۔ اسکے بارے میں جو مختلف سوالات اٹھائے گئے ہیں مثلاً معراج روحانی تھی یا جسمانی، حضور ﷺ نے اللہ کو دیکھا کہ نہیں ، اگر دیکھا تو مشاہدہ قلب تھا یا معائنہ چشم۔ وغیرہ تو ان کے لئے یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ ماجرا زمان و مکان کی حد سے پرے ایک ایسے پراسرار عالم میں واقع ہوا کہ اسکی کیفیت کا علم انسانی سرحد ادراک کے باہر ہے۔ ہماری محدود عقل کی رسائی اسکی حقیقت تک ممکن نہیں۔ اور بقول سید سلیمان ندوی :

" رازین پردہ نہاں است ونہاں خواہد بود"

☆ ☆

(۱) اصل تاریخ کے متعلق کئی قول ہیں لیکن مشہور یہی ہے۔ ابن جوزی نے واقدی کا قول ۱۷ رمضان المبارک ۱۲ نبوی بتایا ہے ۔مگر خود ۲۷ رجب ہی کے قائل ہیں (ابن جوزی 'الوفا باحوال المصطفیٰ' صفحہ ۲۶۸)

(۲) بعض روایات میں تیسرا پیالہ جائے پانی کے شہد کا بتایا گیا ہے۔ بعض روایات میں صرف دو پیالوں کا ذکر ہے ایک میں دودھ اور دوسرے میں شراب۔ یہ بھی روایت ہے کہ یہ پیالے بیت المقدس میں نہیں

بلکہ سدرۃ المنتہی یا بیت المعمور کے پاس پیش کئے گئے (ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۳۵۳)

(۳) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۶۷

(۴) ابو الا علیٰ مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۲۶۴ تا ۲۶۸

(۵) ابو الا علیٰ مودودی 'تفہیم القرآن' جلد دوم صفحہ ۵۹۰

(۶) ابوالکلام ازاد 'ترجمان القرآن' جلد دوم صفحہ ۳۴۶

(۴۹) قبائل کو دعوت

کوئی چراغ ہوتا ہے کہ حوادث کی آندھیوں میں اسکی لو اور بھی تیز ہوجاتی ہے(۱)۔
طائف کے ناکام سفر کے بعد رسول اللہ ﷺ کے فرض رسالت کی ادائیگی میں کوئی تساہل نہ ہوا۔ آپؐ نئے جذبے اور ولولے کے ساتھ اسلام کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ ایسی مسلسل ناکامیوں اور مایوسیوں کے بعد اور اتنی صعوبتوں اور اذیتوں کے باوجود آپؐ نے جس عزم و استقلال کا مظاہرہ فرمایا وہ صرف ایک رسول برحق ہی کا حصہ ہوسکتا تھا۔ جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی اعانت حاصل ہو۔سر ولیم میور جو آپؐ کی نبوت کا قائل نہیں حیرت زدہ ہے کہ ایسے حالات میں بھی ''محمد(ﷺ) اپنی قوم کے مقابلے میں اپنی فتح کے منتظر تھے بظاہر آپؐ کا چھوٹاسا گروہ ایک شیر کے منہ میں تھا۔ پھر بھی آپؐ کو اس اللہ کی عظیم طاقت پر مکمل اعتماد تھا۔ جسکی مثالیں صرف مقدس کتابوں میں محفوظ ہیں جیسے کہ ایک اسرائیلی نبی کا اپنے رب کے حضور یہ شکایتی کلمہ 'میں۔ صرف میں تن تنہا رہ گیا ہوں'۔ بلکہ پیغمبراسلام کا معاملہ اس سے بھی زیادہ تعجب خیز ہے کیونکہ اگلے پیغمبروں کو ہمارے (عیسائی) عقیدے کے مطابق ایک ربانی فیضان اور وجدان حاصل تھا اور معجزات دکھانے کی طاقت بھی میسر تھی جبکہ اس عربی(ﷺ) کو کسی معجزے کا دعویٰ نہ ہونے کے باعث اپنی رسالت پر شک کا امکان موجود تھا۔ ایسی صورت میں اسقدر خود اعتمادی اور پر جوش حوصلے کے ساتھ اپنے راستے پر قائم رہنا کہیں زیادہ عجیب اور حیرتناک ہے''(۲)۔
نبوت کے چوتھے سال ہی سے رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جو قبائل باہر سے حج کے لئے آتے یا بڑے بڑے میلوں میں شریک ہوتے آپؐ ان میں سے ایک ایک کے پاس جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے۔ اکثر ناکامی ہوتی مگر ہر ناکامی آپؐ کے عزم میں اضافہ کرتی۔ آپؐ

مختلف اوقات میں مختلف قبائل سے ملے۔ آپؐ کی خواہش تھی کہ کسی طاقتور قبیلے سے ایسا رابطہ قائم ہو جائے جس میں آپؐ کی دعوت قبول کرنے والے موجود ہوں اور جو آپؐ کو پناہ فراہم کر سکے۔

بنو عامر بن صعصعہ ہوازن کی ایک شاخ تھی جو نجد میں آباد تھی اور طائف کے قرب تک پہنچی ہوئی تھی۔ آپؐ ان لوگوں سے ملے تو ایک شخص بیجرہ (یا بحیرہ) بن خراس آپؐ سے بہت متاثر ہوا۔ کہنے لگا "یہ جواں ہمیں مل جائے تو ہم سارے عرب پر قابض ہو جائیں" اس نے آپؐ سے پوچھا کہ "اگر ہم آپؐ کا دین قبول کرلیں اور آپؐ کو غلبہ حاصل ہو جائے تو کیا آپؐ کے بعد اقتدار ہمیں مل جائے گا"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "یہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اسکی مرضی پر منحصر ہے"۔ اس پر بیجرہ نے کہا "یہ تو خوب رہی کہ ہم آپؐ کی خاطر سارے عرب کے خلاف سینہ سپر ہوں اور جب آپؐ غالب ہو جائیں تو زمام کار کسی اور کو ملے۔ جائیں ہمیں ایسا دین نہیں چاہیئے"۔ یہ لوگ جب اپنے علاقے میں واپس آئے تو اپنے یہاں ایک بزرگ کو سارا حال بتایا۔ اس نے اپنا سر پیٹ لیا کہ اسکی قوم نے ایک بہترین موقع کھودیا۔ کاش اسکی تلافی ممکن ہوتی۔

بنی شیبان بن ثعلبہ سے آپؐ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ کے معیت میں ملے۔ یہ بنی بکر بن وائل کی شاخوں میں سے ایک معزز قبیلہ تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کا تعارف ان لوگوں سے کرایا۔ ان میں ایک سردار مفروق بن عمرو نے آپؐ کی دعوت کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے سورۃ الانعام کی یہ آیات تلاوت فرمائیں:

> "کہو کہ (لوگو) آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھکر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کر دی ہیں (ان کی نسبت اس نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے) کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بنانا اور ماں باپ سے (بدسلوکی نہ کرنا بلکہ) سلوک کرتے رہنا اور (ناداری کے اندیشے سے) اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔ کیونکہ تمکو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کے پاس نہ پھٹکنا۔ اور کسی جان (والے) کو جسکے قتل کو خدا نے حرام کردیا ہے۔ قتل نہ کرنا۔ مگر جائز طور پر

۔ (یعنی جسکا شریعت حکم دے) ان باتوں کی وہ تمہیں تاکید کرتا ہے تا
کہ تم سمجھو اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریقے سے
کہ بہت ہی پسندیدہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔ اور ناپ
تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو۔ ہم کسی کو تکلیف نہیں
دیتے مگر اسکی طاقت کے مطابق اور جب (کسی کی نسبت) کوئی بات کہو
تو انصاف سے کہو گو وہ (تمہارا) رشتہ دار ہی ہو۔ اور خدا کے عہد کو
پورا کرو۔ ان باتوں کا خدا تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔
اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور رستوں پر نہ
چلنا کہ (ان پر چل کر) خدا کے راستے سے الگ ہو جاؤ گے۔ ان باتوں
کا خدا تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیز گار ہو (الانعام ۱۵۱ تا ۱۵۳)

مفروق بہت متاثر ہوا۔ چاہا کہ کچھ اور کلام سنے تو آپؐ نے سورۃ النحل کی آیت پڑھی:

"خدا تمکو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد)
دینے کا حکم دیتا ہے۔ اور بے حیائی اور نامعقول کاموں سے اور سرکشی
سے منع کرتا ہے (اور) تمکو نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو"۔ (النحل
(۹۰

مفروق اور قبیلے کے دوسرے بزرگوں ہانی بن قبیصہ اور مثنیٰ بن حارث نے آپؐ کی تصدیق کی لیکن یہ کہہکر معذرت چاہی کہ" ایک ہی ملاقات میں اسقدر اہم فیصلہ کرنا جلد بازی ہوگی ۔ اسکے علاوہ کسریٰ سے ہمارا معاہدہ ہے کہ کوئی خلاف معمول کام اسکی مرضی کے بغیر نہیں کرسکتے اہل عرب سے تو ہم ٹکر لے سکتے ہیں مگر فارس سے مقابلہ کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں"۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی صاف گوئی کو پسند کیا اور فرمایا" اللہ اپنے دین کا مددگار ہے اور عنقریب اسی دین کے حامیوں کو کسریٰ کے ملک کا وارث بنائے گا"۔ پھر آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ کا ہاتھ پکڑا اور رخصت ہوگئے۔

اسی طرح آپؐ قبیلہ بکر بن وائل کے کچھ اور لوگوں سے ملے۔ یہ لوگ وسط عرب

میں آباد تھے اور اپنی جرأت مندی اور بہادری کے لئے مشہور تھے۔ انہوں نے آپؐ کا پیغام سنا تو کہا "ہم فارس سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے نہ ان کے خلاف کسی کی حفاظت کر سکتے ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا "ایک دن آئے گا کہ تم فاتح بن کر انکے شہروں میں پہنچو گے۔ ان کی عورتوں سے نکاح کرو گے۔ اور ان کے بچو ں کو غلام بناؤ گے"۔ آپؐ جب ان سے رخصت ہوئے تو ابو لہب (جو آپؐ کی مخالفت میں آپ کے پیچھے پیچھے لگا رہتا تھا) ان لوگوں کے پاس آیا اور کہنے لگا "یہ شخص ہمارے یہاں قابل عزت تھا۔ مگر اب دماغی توازن کھو بیٹھا ہے"۔ بنی بکر بولے "ہمارا بھی یہی خیال ہے"۔ ظاہر ہے اس وقت فارس جیسی زبردست حکومت کو آئندہ کبھی بھی زیر کرنا عربوں کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتا تھا۔

بنی ھمدان کے ایک شخص نے آپؐ کو فرماتے سنا کہ "کوئی ہے جو مجھے اپنے ساتھ اپنی قوم میں لے جائے"۔ یہ شخص آپ کے پاس آیا گفتگو کی تو بہت متاثر ہوا اور آپؐ کی بات قبول کرلی۔ لیکن کچھ دیر بعد خیال آیا کہ شاید قوم اس کا ساتھ نہ دے۔ تو دوبارہ آپؐ کی خدمت میں واپس آیا اور اجازت چاہی کہ پہلے اپنی قوم سے بات کرلے پھر اگلے سال حج کے موقع پر حاضر ہوگا۔ آپؐ ایک موقع پر بنی عبس کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ یہ جنگجو قبیلہ نجد میں آباد تھا۔ زیدؓ بن حارثہ آپؐ کے ساتھ تھے۔ ان لوگوں میں ایک صاحب میسرہ بن مسروق نے آپؐ کی تصدیق کی اور اپنے ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ آپؐ کو اپنے ساتھ لے چلیں کیوں کہ ایک دن آپؐ کی کامیابی یقینی تھی۔ لیکن ان کے ساتھی راضی نہ ہوئے۔ آپؐ میسرہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے بات چیت کی مگر میسرہ نے قوم کی مخالفت کی وجہ سے معذوری ظاہر کی۔ (برسوں بعد یہی میسرہ حجتہ الوداع کے موقع پر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا "یا رسول اللہؐ جب آپؐ پہلی بار ہمارے قبیلے سے ملے تھے میں اسی وقت سے برابر آپؐ کی پیروی کا حریص رہا۔ مگر جو کچھ ہونا تھا ہوا۔ اب اتنی تاخیر سے مسلمان ہورہا ہوں"(۳)۔

ان قبائل کے علاوہ بھی آپؐ بہت سے قبائلی سرداروں سے ملے۔ ان قبیلوں میں سے خاص خاص بنی کلب اور ان کی ایک شاخ بنی عبداللہ، محارب بن خصفہ، فزارہ، کندہ، غسان، مرۃ، سلیم، بنو نصر، بنو البکا، بنی حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ اور بنی حنیفہ تھے (موخر الذکر قبیلہ آپؐ سے بری طرح پیش آیا۔ مسیلمہ کذاب جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اسی قبیلے سے تھا۔ اس قبیلے نے حضرت ابو بکر کے دور خلافت میں ارتداد کا فتنہ اٹھایا تھا) ان قبائل سے میں کوئی

بھی آپؐ کی مدد کے لئے تیار نہ تھا۔ لیکن آپؐ پھر بھی مایوس نہ تھے۔ اللہ کی مدد پر آپؐ کو پورا بھروسہ تھا کہ کامیابی آپؐ کی قسمت ہے۔اسی دور میں اس قسم کی آیات نازل ہوئیں:

"اور جو لوگ ایمان نہیں لائے ان سے کہدو کہ تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ ۔ ہم (اپنی جگہ) عمل کئے جاتے ہیں ۔ اور نتیجہ (اعمال) کا تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں"۔ (ہود ۱۲۱، ۱۲۲)

☆ ☆

(۱) بجھ تو جاتے ہیں بہت باد حوادث سے چراغ
یہ کبھی شمع کی لو تیز بھی کر دیتی ہے
(جسونت رائے۔ رعنا بدایونی)

(۲) سر ولیم میور 'دی لائف اف محمدؐ' (The Life of Mohammad) صفحہ ۱۲۶

(۳) ابوالا علی مودودی 'سیرت سرور عالم' جلد دوم صفحہ ۶۸۹

(۵۰) مدینہ کا پہلا مسلمان

مکہ کے شمال میں چند یوم کی مسافت پر یثرب کا نخلستان واقع تھا۔ حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "میں نے خواب میں دیکھا کہ مکہ سے ایک ایسی سرزمین کی طرف ہجرت کر کے جارہا ہوں جہاں کھجور کے باغات ہیں میرا ذہن اس سے یمامہ یا ہجر کی طرف گیا لیکن یہ سر زمین تو شہر یثرب کی تھی"(۱)۔ ایک بار آپؐ نے صحابہ کو یہ بھی بتایا کہ آپؐ ایک ایسی سیراب وادی کی طرف ہجرت فرمائینگے جہاں کھجور کے باغات ہیں اور جو سیاہ پتھریلے علاقوں کے درمیاں واقع ہے(۲)۔ یہ یثرب ہی کی وادی تھی جسکے لئے مدینۃ النبی ہونا مقدر تھا۔

یثرب مصری لفظ "تھربس" کی تعریب ہے۔ پہلے یہاں عمالیق آباد تھے۔ جو ۱۶۰۰ ق م میں مصر سے نکالے گئے تھے۔ پھر یہودی آباد ہوئے۔ آخر میں یہاں قبیلہ ازد کی دو شاخیں اوس اور خزرج آباد تھیں ۔ دونوں کا مورث اعلی عمرو بن عامر تھا۔ جسکے خاندان نے اس وقت یمن کو خیر آباد کہا جب وہاں سدمارب کی تباہی کے شدید سیلاب نے سارا علاقہ برباد کر دیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق عمرو کو سدمارب کی بربادی کی یقین پہلے ہی ہوگیا تھا۔ اور سیل ارم سے پہلے ہی یمن چھوڑ چکا تھا(۳)۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے تقریباً سوا سو سال پہلے کا واقعہ ہے۔ عمرو کے تین بیٹے تھے پہلے بیٹے حفنہ کی اولاد شام کے علاقے میں آباد ہوئی۔ اور غسان کہلائی۔ دوسرا بیٹا حارثہ بحر احمر کے ساحل پر تہامہ میں آباد ہوا۔ اسکی اولاد بنی خزاعہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ تیسرے بیٹے ثعلبہ کی اولاد میں بھی ایک شخص کا نام حارثہ تھا اسکے بیٹے اوس اور خزرج تھے۔ دونوں کی ماں قیلہ تھی۔ یہ لوگ یثرب میں آباد ہوئے۔ جہاں اس وقت یہودی قبائل کا قبضہ تھا۔ یہودیوں نے اچھی زمینیں گھیر رکھی تھیں اوس اور خزرج کی اولاد کو مضافات کے بنجر علاقوں

میں ٹھہرنا پڑا۔ جب یہ یہودیوں سے بہت تنگ ہوئے تو اپنے غسانی بھائیوں سے مدد چاہی۔ انہوں نے یہودیوں کو شہر سے نکال دیا اور اوس اور خزرج شہر پر قابض ہوگئے اور انہیں عروج حاصل ہوا۔

دو یہودی قبیلے بنی قریظہ اور بنی نضیر شہر کے نواح میں جابسے۔ قریظہ اس درخت کو کہتے ہیں جسکی چھال وغیرہ دباغت کے کام آتی تھی۔ بنی قریظہ پیشہ ور چمار تھے جوتے وغیرہ بناتے اور فروخت کرتے تھے۔ یہودیوں میں جنگجو ہونے کے باوجود حقیر سمجھے جاتے تھے۔ ان کا خون بہا بنی نضیر کے مقابلے میں نصف تھا۔ جو بعد میں رسول اللہ ﷺ نے مساوی کیا۔ (اس احسان کے باوجود یہ غدار ثابت ہوئے۔ اسکا ذکر بعد میں آئیگا) بنی نضیر کا پیشہ باغبانی اور زراعت تھا (نضیر تروتازہ درخت یا پودے کو کہتے ہیں) تیسرے قبیلے بنی قینقاع نے خزرج کی پناہ حاصل کرلی اور یہ شہر ہی کے ایک محلے میں آباد رہا۔ قینقاع (یعنی سنار) دولت کی وجہ سے عزت و حرمت میں ممتاز تھے۔ پیشہ زیور سازی، سود خوری وغیرہ تھا۔ ان تین بڑے قبیلوں کے علاوہ بنی عریض وغیرہ چند چھوٹے قبیلے بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے وقت یہودیوں کی آبادی ۴۰ تا ۵۰ فیصد تھی لیکن دولتمندی کے اعتبار سے کہیں بڑھ کر تھے۔ مشہور ہے کہ ایک زمانے میں ان کے پاس ۵۹ اطام یعنی گڑھیاں تھیں جبکہ دوسرے عربوں کے پاس صرف ۱۳ تھیں (۴)۔

اوس اور خزرج اکثر آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ ان جھگڑوں میں بنی قینقاع خزرج کے حلیف تھے اور بنی نضیر اوس کے طرفدار ہوگئے۔ یہودی اپنی طاقت بڑھانے کی غرض سے دونوں عرب قبائل کو برسرپیکار رکھنا پسند کرتے تھے۔ اور دونوں کی رقابت کو ہوا دیتے رہتے تھے۔ دل میں دونوں سے بغض رکھتے اور کبھی کبھی کھلم کھلا کہتے تھے کہ "عنقریب ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے۔ اسکا ظہور ہوتے ہی اسکی مدد سے ہم تمہیں اسی طرح برباد کرینگے جیسے عاد و ارم برباد ہوئے تھے"۔ لوگ پوچھتے کہ وہ نبی کدھر سے آئے گا تو یمن یعنی جنوب کی طرف اشارہ کرتے اور مکہ بھی اسی سمت تھا۔ اہل کتاب یہودیوں کی قربت میں رہتے رہتے اوس اور خزرج دونوں کتاب و نبوت کے تصور سے آشنا تھے۔

ایک اور واقعہ بھی ایسا ہوا کہ آنے والے نبی میں ان کی دلچسپی بڑھ گئی ابن ہیبان نامی ایک یہودی بزرگ شام سے آکر یثرب میں مقیم ہوگیا تھا۔ یہ بڑا عبادت گزار تھا۔ خشک سالی میں لوگ اس سے بارش کی دعا کرواتے تو قبول ہوتی تھی۔ لوگ اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اسکی

وفات تقریباً اسی زمانے میں ہوئی۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے۔ مرتے وقت اس نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ شام کا سرسبز و شاداب علاقہ چھوڑ کر یثرب کی خشک سرزمین میں اس امید پر ابسا تھا کہ یہاں عنقریب ایک نبی ہجرت کر کے آنے والے تھے جن کی پیروی کی سعادت اسے منظور تھی۔ اس بات سے چند یہودی نوجوان بہت متاثر ہوئے اور ان کے ذریعے یہ خبر اوس اور خزرج میں بھی پہنچ گئی(۵)۔

اوس اور خزرج کی رقابت نے ایک جنگ کی صورت اختیار کرلی تھی جسکے تسلسل نے یہودیوں کی طاقت اور اہمیت کو بڑھادیا تھا۔ اور وہ بڑی حد تک اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس جنگ کا آخری معرکہ جنگ بعاث کے نام سے مشہور ہے جس میں بڑی قتل و غارت ہوئی اور دونوں طرف کے بہت سے سردار مارے گئے۔ برائے نام فتح تو اوس کی ہوئی لیکن دونوں فریق اسقدر کمزور ہوگئے کہ حقیقتاً کوئی ایک دوسرے پر فوقیت نہ پاسکا۔ ایک اعتبار سے اس جنگ نے مدینہ میں اسلام کے لئے راہ ہموار کی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "بعاث کی لڑائی اللہ تعالیٰ نے (مصلحت کی وجہ سے) رسول اللہ ﷺ سے پہلے برپا کر دی تھی۔ حضورؐ جب مدینہ تشریف لائے تو یہاں کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ ان کے سردار مارے جاچکے تھے اور زخمی ہوچکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس لڑائی کو اس لئے برپا کیا تھا کہ مدینہ والے اسلام میں بسہولت داخل ہوجائیں"(۶)۔

اس دور کی ایک شخصیت سوید بن صامت کا ذکر ابن اسحاق نے کیا ہے۔ یہ یثرب کے پہلے شخص تھے جو مکہ میں رسول اللہ ﷺ سے مل کر اسلام سے متاثر ہوئے۔ یہ اپنی شجاعت شاعری شرف و نسبت کی بنا پر اپنے قبیلے میں کامل کہلاتے تھے۔ مکہ میں حج کی غرض سے آئے تو رسول اللہ ﷺ ان سے ملے اور اسلام پیش کیا۔ انہوں نے کہا "آپؐ کے پاس شاید ایسی ہی کوئی چیز ہے جو میرے پاس ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ ان کے پاس کیا تھا تو نسخہ لقمان کی بابت بتایا اور اسکا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا۔ آپؐ نے فرمایا "یہ کلام اچھا ہے لیکن قرآن جو مجھ پر نازل ہوا ہے اس سے بہتر ہے اور اپنی جگہ نورو ہدایت ہے"۔ پھر آپؐ نے چند آیات کی تلاوت فرمائی اور اسلام کی دعوت دی۔ سوید نے انکار نہ کیا بلکہ کلام پاک کی بڑی تعریف کی۔ یثرب واپس پہنچے تو جلد ہی خزرج کے ہاتھوں قتل ہوگئے۔ ان کی اعزا کا کہنا تھا کہ وہ مرتے وقت مسلمان تھے(۷)۔ بہر حال اہل یثرب کو انہوں نے اسلام سے متعارف ضرور کیا۔ ایک طریقے

سے یہ رسول اللہ ﷺ کے رشتے دار بھی تھے۔ ان کی والدہ لیلیٰ بنت عمرو رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو کی سگی بہن تھیں(۸)۔

ویسے بھی اہل یثرب مکہ کے حالات سے قطعی بے خبر نہ تھے۔ غالباً نبوت کا دعویٰ کرنے والے ایک قریشی کی خبریں ان تک پہنچ چکی تھیں۔ ایک روایت کے مطابق یثرب کے مشہور شاعر ابو قیس نے اپنے کچھ اشعار میں قریش کو ترغیب دی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت ترک کردیں(۹)۔ ابن سعد کے یہاں یہ روایت بھی ہے کہ یثرب کے دو حضرات اسعد بن زرارہ اور ذکوان بن عبد قیس عتبہ بن ربیعہ کے یہاں مکہ آئے ہوئے تھے۔ اسعد پہلے ہی سے بت پرستی کے خلاف تھے۔ دونوں نے عتبہ سے ایک نئے نبی کے متعلق سنا تو ذکوان نے اسعد سے کہا "شاید یہ وہی مذہب ہو جسکے تم قائل ہو"۔ پھر دونوں حضور ﷺ سے ملے اور آپؐ پر ایمان لائے(۱۰)۔

جنگ بعاث سے کچھ پہلے کا واقعہ ہے کہ جب اوس اور خزرج کے درمیاں عداوت اپنی شدت پر تھی تو اوس کا ایک وفد انس بن رافع (ابو الحیسر) کی قیادت میں اس غرض سے مکہ آیا کہ خزرج کے خلاف قریش کی حمایت حاصل کرلے ۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہواتو حسب معمول تبلیغ اسلام کے لئے ان لوگوں کے پاس تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ "جس چیز کے لئے آپ لوگ آئے ہیں اس سے بہتر بھی ایک چیز ہے اگر قبول کریں۔" اہل وفد نے پوچھا "وہ کیا چیز ہوسکتی ہے" تب آپؐ نے بتایا کہ آپؐ اللہ کے رسول تھے۔ آپؐ پر ایک کتاب اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھی جو بتاتی ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں اور اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ آپؐ نے اسلام کی خاص خاص تعلیمات بیان فرمائیں اور قرآن مجید کی تلاوت کی ۔ وفد کے ایک نوجوان ایاس بن مُعاذ بہت متاثر ہوئے اور ساتھیوں کو مخاطب کر کے بول اٹھے "واللہ یہ چیز اس سے کہیں بہتر ہے جسکے لئے تم آئے ہو"۔ ابوالحیسر نے ہاتھ میں کچھ مٹی اور کنکریاں لے کر ایاس کے منہ پر ماریں اور انہیں خاموش کردیا۔ رسول اللہ ﷺ سے کہا "ہمیں ان باتوں سے معاف فرمائیں ہم کسی اور کام سے آئے ہیں"۔ واقدی کا بیان ہے کہ ابوالحیسر نے ایاس سے یہ بھی کہا ہم تو قریش کو اپنا حلیف بنانے آئے اور تم چاہتے ہو کہ انہیں دشمن بنا کر واپس ہوں"۔ رسول اللہ ﷺ واپس چلے آئے۔ اوس کا یہ وفد بھی اپنا مقصد حاصل نہ کرسکا۔ یہ لوگ عتبہ بن ربیعہ کے یہاں ٹھہرے تھے عتبہ نے ان کی تواضع میں کمی نہ کی لیکن ان کا حلیف بننے

سے یہ کہکر معذرت کرلی کہ مکہ سے یثرب بہت دور تھا اور قریش وقت پر ان کی مدد نہ کرسکیں گے۔ یہ ذی الحجہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے۔

یثرب سے واپسی کے کچھ دن بعد ایاس کا انتقال ہوگیا جو لوگ وقت مرگ ان کے قریب تھے ان کا کہنا ہے کہ مرتے وقت ایاس کی زبان پر تسبیح و تحلیل جاری تھی اور انہوں نے یقیناً مسلمان کی حیثیت سے وفات پائی۔ اس امر کی شہادت دینے والوں میں محمد بن مسلمہ، سلمہ بن سلامہ اور ابو الہیثم بن التیہان کے نام شامل ہیں(۱۱)۔ انہیں یثرب کا پہلا مسلمان کہنا بیجانہ ہوگا حالانکہ یہ رسول اللہ ﷺ سے صرف ایک بار ملے اور جو کچھ اسلام کی بابت سیکھا وہ اس ایک ہی ملاقات میں سیکھا۔

☆ ☆
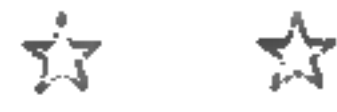
(۱) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۵۵۵ (کتاب الانبیا باب ہجرۃ النبی ﷺ و اصحابہ فی المدینہ)

(۲) ایضاً صفحہ ۵۶۰

(۳) ابن کثیر 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۳۳

(۴) محمد حمید اللہ 'رسول اکرم کی سیاسی زندگی' صفحہ ۲۵۳

(۵) ابن ہشام 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۱۳۸، ۱۳۹

(۶) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۵۳۱، ۵۳۲ (کتاب الانبیا القسامہ فی الجاہلیہ)

(۷) الفرید غیوم 'دی لائف اف محمدؐ' (The Life of Muhammad) صفحہ ۱۹۶، ۱۹۷۔ امام حافظ ابن حزم کہتے ہیں کہ سوید نے نہ تو اسلام قبول کیا نہ انکار کیا (ابن حزم' جوامع السیرۃ' صفحہ ۷۹)

(۸) ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۶۹۲

(۹) سرولیم میور 'دی لائف اف محمدؐ' (The Life of Mohammad) صفحہ ۱۱۷

(۱۰) ابن سعد 'طبقات' حصہ چہارم صفحہ ۱۴۷

(۱۱) ابو الاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۶۹۳

(۵۱) یثرب میں اسلام

اب نبوت کا گیارھواں سال تھا (۶۲۰ء) حج کا زمانہ آیا تو مختلف قبائل باہر سے مکہ آنا شروع ہوئے۔ یثرب سے قبیلہ خزرج کے چند لوگ منیٰ کے علاقے میں مقام عقبہ کے قریب آکر مقیم ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ حسب دستور جاری تھی۔ اتفاقاً آپؐ ایک روز خزرج کے اس گروہ کے پاس آنکلے۔ معلوم ہوا کہ ان حضرات کا تعلق خزرج کے قبیلے سے ہے تو آپؐ نے دریافت فرمایا "کیا آپ لوگ یہودیوں کے حلیف ہیں؟"۔ انہوں نے بتایا کہ "ہاں"۔ آپؐ نے فرمایا "آپ لوگ کہیں تو آپ سے بیٹھ کر کچھ باتیں کروں"۔ یہ لوگ بیٹھ گئے۔ آپؐ نے اسلام کی دعوت پیش کی اور قرآن مجید کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ یہ لوگ یہودی اہل کتاب کی صحبت میں رہ چکے تھے۔ اور ان سے یہ بھی سن چکے تھے کہ عنقریب ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں جن کی مدد سے وہ مشرکین کو تباہ و برباد کردینگے۔ آپؐ سے ملے اور آپؐ کا کلام سنا تو یہودیوں کا یہ کہنا ذہن میں آیا اور یقین ہو گیا کہ یہی وہ نبی ہیں۔ آپس میں طے کیا کہ یہودیوں سے پہلے ہی آپؐ پر ایمان لے آنا چاہیے۔ یہ سوچ کر آپؐ کی دعوت قبول کی اور عرض کیا "ہم اسلام اختیار کرتے ہیں اور اپنی قوم تک آپؐ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ اللہ سے امید ہے کہ آپؐ کے طفیل ہماری قوم کو ہدایت نصیب ہوگی اور اپنے اختلافات ختم کر کے ہم ایک متحدہ قوم بن جائینگے۔ ہماری قوم نے اسلام قبول کرلیا تو آپؐ سے زیادہ ذی عزت شخص کوئی نہ ہوگا(۱)۔

معتبر روایات کے مطابق یہ خزرج کے مندرجہ ذیل چھ حضرات تھے (۲) جنہوں نے ذالحجہ ۱۱ نبوی میں اسلام قبول کیا:

۱۔ ابو امامہ اسعد بن زرارہؓ (بنی نجار) (۳)

۲۔ عوف بنؓ الحارث (بنی نجار)

۳۔ رافع بن مالکؓ (بنی زریق)

۴۔ قطبہ بن عامرؓ (بنی سلمہ)

۵۔ عقبہ بن عامرؓ (بنی حرام بن کعب)

۶۔ جابر بن عبداللہؓ (بنی عبیدہ بن عدی)

ان حضرات نے حسب وعدہ یثرب میں اسلام کی اشاعت کی اور وہاں گھر گھر اسلام کا تذکرہ ہونے لگا۔

دوسرے سال (۱۲ نبوی مطابق جولائی ۶۲۱ ء) حج کے دنوں میں اسی عقبہ کے مقام پر یثرب کے بارہ حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جابرؓ بن عبد اللہ کے علاوہ پانچ حضرات وہی تھے جو گذشتہ سال آپؐ سے ملکر ایمان لاچکے تھے۔ باقی سات حضرات کے نام یہ ہیں۔ جن پر ارباب سیر متفق ہیں:

۱۔ معاذ بن الحارث بن رفاعہؓ (بنی نجار)

۲۔ ذکوان بن عبد قیسؓ (بنی زریق)

۳۔ عبادہ بن صامتؓ (بنی عوف)

۴۔ یزید بن ثعلبہؓ (بنی عوف)

۵۔ عباس بن عبادہؓ (بنی سالم)

۶۔ ابو الہیثم مالک بن التیہانؓ (بنی عبدالاشہل ۔ انکے نام میں بن تیہان بغیر تشدید کے بھی آیا ہے)

۷۔ عویم بن ساعدہؓ (بنی عمرو بن عوف)

ان میں پہلے پانچ حضرات خزرجی تھے۔ آخری دو کا تعلق اوس سے تھا۔ ذکوانؓ اور عباسؓ کے لئے کہا گیا ہے کہ یثرب سے مکہ آگئے۔ پھر ہجرت کا اذن عام ہوا تو مدینہ کو ہجرت کی۔

عبادہ بن صامتؓ جو اس موقع پر عقبہ میں موجود تھے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان حضرات سے اس بات پر بیعت لی کہ " اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے۔ چوری نہ کروگے ۔ زنا نہ کروگے۔ اپنی نسل کشی نہ کروگے۔ اور نہ عمداًکوئی بہتان باندھوگے اور کسی اچھی بات (کا حکم ہوگا تو اس) میں سرکشی نہ کروگے"(۴)۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا"جوکوئی تم میں عہد پورا کریگا تو اسکا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جوکوئی ان باتوں میں سے کسی میں مبتلا ہوجائے اور

اسے دنیا میں سزا دیدی گئی تو یہ سزا اسکا کفارہ ہوجائیگی۔ اور جو کوئی ان باتوں میں سے کسی میں مبتلا ہوگیا اور اللہ نے اسکے گناہ کو چھپالیا تو وہ معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اگر چاہے معاف کردے اور اگر چاہے سزا دیدے"(۵)۔

یہ بیعت عقبہ اولیٰ کہلاتی ہے اسے بیعت النساء بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں تقریباً وہی باتیں شامل ہیں جو بعد میں خواتین سے بیعت لینے کے لئے سورۃ ممتحنہ کی بارھویں آیت میں آئیں۔ جب یہ حضرات یثرب کو واپس ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ (یہ ہاشم بن عبد مناف کے پوتے اور سابقین اسلام میں سے تھے) اور عبد اللہ ابن ام مکتومؓ کو قرآن مجید اور اسلام کی تعلیم کے لئے ان کے ساتھ کردیا۔ بعض روایات کے مطابق ان بارہ حضرات کے یثرب پہنچنے کے بعد ان کی درخواست پر حضرت مصعبؓ کو یثرب بھیجا گیا۔ یثرب میں یہ دونوں حضرات اسعد بن زارہؓ کے یہاں رہنے لگے اور اشاعت اسلام میں مصروف ہوگئے۔ اس سلسلے میں حضرت مصعبؓ نے بڑا کارنامہ انجام دیا۔

اس خیال سے کہ اوس اور خزرج میں کوئی اختلاف یا رقابت نہ ہو نماز میں امامت کا منصب سب کی مرضی سے حضرت مصعبؓ کے سپرد کیا گیا۔ ان کا معمول تھا کہ روزانہ گھر گھر جاکر اسلام کی دعوت دیتے اور قرآن مجید سناتے۔ اسی لئے لوگ انہیں "المقری(پڑھانے والا) کے نام سے پکارنے لگے ۔ رفتہ رفتہ شہر کے تمام محلوں میں اسلام پہنچ گیا۔ اسی دوران جمعہ کی باجماعت نماز کا اہتمام بھی یثرب میں شروع ہوگیا۔ سب نے طے کیا کہ ہفتے میں ایک دن ایسا ہو کہ سب مسلمان اہتمام کے ساتھ باجماعت نماز ادا کریں یہودیوں کے سنیچر اور نصرانیوں کے اتوار کو چھوڑ کر جمعہ کا دن مقرر کیا گیا جسے 'یوم عروبہ' کہتے تھے۔ سب سے پہلی نماز جمعہ کی امامت کا شرف حضرت اسعدؓ بن زرارہ کو ملا جنکے اجتہاد کی بنا پر یہ نماز سورۃ الجمعہ کے نزول سے پہلے ہی شروع ہوئی تھی۔ (بعد میں کعب بن مالک جب جمعہ کی آذان سنتے تو ابو امامہ اسعد بن زرارہ کے لئے دعا فرماتے۔ ان کے فرزند عبد الرحمٰن نے سبب پوچھا تو بتایا" ابو امامہ (۶) پہلے شخص تھے جنہوں نے مدینہ میں نبی بیضا کے سنگلاخ مقام نقیع الخصمات میں نماز پڑھائی جس میں چالیس حضرات شریک ہوئے)۔

ان دونوں قرآن مجید سنانے والوں میں نبی زریق کے ذکوان بن عبد قیسؓ کا نام بھی لیا گیاہے۔ ان کو رسول اللہ ﷺ نے بیعت عقبہ کے دوران قرآن مجید کی اس وقت تک نازل شدہ

سورتوں کا تحریری مجموعہ عطا فرمایا۔ اسے وہ اپنے محلے کی مسجد میں بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ مدینہ میں مسجد کے اندر اسطرح تلاوت کا آغاز انہی انصاری نے کیا۔ فاضل مصنف ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یہ واقعہ اس امر کے ثبوت میں بیان کیا ہے کہ قران مجید کی تدوین تحریری شکل میں بھی رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں جاری تھی(۷)۔ اور عربی میں سب سے پہلی تحریر شدہ کتاب قرآن مجید ہے (۸)۔

اسعد بن زرارہؓ (ابو امامہ) تو مسلمان ہوچکے تھے لیکن ان کے خالہ زاد بھائی سعد بن معاذ اسلام کے مخالف تھے(۹)۔ اوس کے معزز ترین رئیس اور بنی عبدالاشہل کے سردار ہونے کی حیثیت سے ان کی شخصیت بڑی اہم تھی۔ ایک روز حضرت اسعدؓ اور حضرت مصعب بنی اشہل کے علاقے میں گئے اور یہاں ایک باغ کے کنویں کے قریب بیٹھ گئے ان کے گرد چند نو مسلم بھی جمع ہو گئے۔ سعد بن معاذ کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے ایک ساتھی اسید بن حضیر سے کہا "ان دونوں کو ہمارے باغ سے نکال آؤ۔ کہیں ہمارے سیدھے سادھے لوگوں کو گمراہ نہ کریں"۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے چھوٹے بھائی ایاسؓ اسی گمراہی' کا شکار ہوئے تھے۔ بولے کہ "میں خود جاتا مگر اسعد میرا خالہ زاد بھائی ہے۔ میں اس سے الجھنا نہیں چاہتا"۔

اسید نے اپنا نیزہ سنبھالا۔ حضرت اسعدؓ اور حضرت مصعبؓ کے پاس آئے اور ڈانٹ کر کہا "تم لوگ یہاں کیسے آئے۔ ہمارے ناسمجھ آدمیوں کو بے وقوف بنانا چاہتے ہو۔ یہاں سے نکل جاؤ ورنہ تمہاری خیر نہیں"۔ حضرت مصعبؓ نے ان کی طرف نگاہ اٹھائی اور نہایت نرمی سے کہا "آپ بیٹھ کر ہماری بات سن لیں۔ ناپسند آئے تو بے شک قبول نہ کریں۔ ہم ایسا کوئی کام نہ کرینگے جو آپ کو ناگوار ہو" اسید پر حضرت مصعب کی شخصیت اور گفتگو کا اچھا اثر ہوا۔ نیزہ زمین میں گاڑا حضرت مصعبؓ کے قریب بیٹھ گئے اور بولے "تمہاری بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہو کیا کہتے ہو"۔ حضرت مصعبؓ نے اپنے دلپذیر انداز میں اسلام پیش کیا اور قران مجید کی تلاوت کی۔ اسید کے چہرے پر ایک تغیر نمایاں ہوا۔ حاضرین نے ان کے چہرے پر اسلام کے نور کی ایک جھلک محسوس کی۔ تلاوت ختم ہوئی۔ تو بے ساختہ بول اٹھے۔ "کس قدر اعلی اور خوبصورت کلام ہے۔ مجھے بتاؤ کہ تمہارے دین میں کسطرح شامل ہوتے ہیں"۔ حضرت مصعبؓ کے بتانے پر کنویں پر غسل کیا اور کلمۂ شہادت پڑھا پھر بولے "میں تمہارے پاس بنی عبد الاشہل کے سردار کو بھیجتا ہوں۔ وہ ایمان لے آیا تو سارے بنی عبد الاشہل مسلمان ہوجائینگے۔

یہ کہکر اسید سعد کے پاس واپس آئے۔ سعد نے ان کا بدلا ہوا چہرہ دیکھکر پوچھا" کیا کر آئے"۔ اسید نے جواب دیا " مجھے ان میں کوئی برائی نظر نہیں آئی۔ بہر حال میں نے انہیں وہاں بیٹھنے کو منع کردیا ہے اور وہ وہاں سے چلے جائینگے۔ مگر میں نے ان سے سنا ہے کہ نبی حارثہ کے لوگ تم سے عداوت کے باعث تمہارے اس خالہ زاد بھائی (اسعد بن زرارہؓ) کو قتل کرنے کے لئے نکلے ہیں کہ تمہیں اسطرح خوار کرسکیں"۔ یہ سنکر سعد غضبناک ہوگئے۔ اپنا حربہ اٹھایا اور یہ کہتے ہوئے کہ " تم بالکل بیکار آدمی ثابت ہوئے" حضرت مصعبؓ اور حضرت اسعدؓ کے پاس پہنچے دیکھا کہ دونوں اطمینان کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں تو سمجھ گئے کہ اسید نے بہانے سے انہیں ان کے پاس بھیجا ہے ۔ حضرت اسعدؓ سے نہایت ترش لہجے میں کہا "تم رشتہ داری کا ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہو اور ہمارے یہاں وہ کام کررہے ہو جو ہمیں قطعی منظور نہیں" حضرت مصعبؓ نے مداخلت کرتے ہوئے نہایت شائستہ انداز میں کہا "آپ بیٹھ کر ہماری بات سن لیں۔ پھر جیسے آپ کی مرضی" ۔سعد پر بھی وہی اثر ہوا جو اسید پر ہوا تھا۔ اپنا ہتھیار زمین پر رکھا اور بیٹھ گئے حضرت مصعبؓ نے اسلام کی باتیں بتائیں ۔ قرآن مجید کی چند آیات پڑھ کر سنائیں۔ پھر وہی سب کچھ ہوا جو اسید کے ساتھ ہوا تھا۔ سعد کافر دشمن بن کر آئے تھے اور مسلمان دوست بن کر لوٹے ۔ یہ حضرت مصعبؓ کی تبلیغ کا بڑا زبردست کارنامہ تھا۔

سعد بن معاذ نے ان حضرات کے پاس سے واپس آکر اپنی قوم نبی عبدالاشہل کے لوگوں کو جمع کیا ۔ پوچھا "میری بابت تمہارا کیا خیال ہے "۔ لوگوں نے کہا " آپ ہمارے سردار، ہم میں افضل اور صائب الرائے ہیں "۔ یہ ہمت افزا جواب پاکر حضرت سعدؓ بولے" میں تم سے کہتا ہوں کہ آج سے میرے لئے تمہارے مرد و زن اور بچوں بوڑھوں سے بات کرنا حرام ہے جب تک کہ تم دین اسلام قبول نہ کرلو اور اللہ اور اسکے رسول(ﷺ) پر ایمان نہ لے آؤ"۔

شام سے پہلے سارے نبی عبدالاشہل مسلمان ہوچکے تھے صرف ایک صاحب الاصیرم عمرو بن ثابت رہ گئے۔ یہ وہی بزرگ تھے جو بعد میں جنگ احد کے موقع پر ایمان لائے اور وہیں اس سے پیشتر کہ ایک بھی سجدہ کیا ہو۔ شہید ہوئے۔ رسول اللہ(ﷺ) نے فرمایا "وہ جنتی ہیں"(۱۰)۔

☆ ☆

(۱) ابن ہشام 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۲۸۶

(۲) بعض روایات میں آٹھ حضرات ہیں۔ دو چار ناموں میں اختلاف ہے۔ اکثر نے ابن اسحاق کے مطابق یہی چھ نام قبول کئے ہیں۔

(۳) گذشتہ صفحات میں آچکا ہے کہ حضرات اسعد بن زرارہؓ اور ذکوان بن عبد قیسؓ مکہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حبیب بن عبد الرحمٰن کی یہ روایت دینے کے بعد ابن سعد کہتے ہیں " ہمارے نزدیک چھ آدمیوں کا واقعہ تمام اقوال سے زیادہ ثابت ہے وہ لوگ انصار میں سب سے پہلے نبی ﷺ سے ملے اور اسلام لائے۔ ان سے قبل انصار میں سے کوئی اسلام نہیں لایا تھا" (ابن سعد 'طبقات' حصہ چہارم صفحہ ۱۴۷) اتنا ضرور ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہؓ اسلام لانے سے قبل ہی بت پرستی سے متنفر تھے اور توحید کی طرف راغب تھے۔

(۴) صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۵۲ (کتا الا یمان ۔ باب انصار وجہ تسمیہ)

(۵) ایضاً

(۶) امام ابن حزم ظاہری کہتے ہیں کہ نماز جمعہ سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیرؓ نے قائم کی (جوامع السیرۃ صفحہ ۱۰۰)

(۷) محمد حمید اللہ 'خطبات بہاول پور' صفحہ ۱۵

(۸) ایضاً صفحہ ۲۹۹

(۹) اوس اور خزرج میں پرانی رقابت کے باوجود کبھی کبھی ازدواجی تعلقات قائم ہو جاتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ حضرت اسعد بن زرارہؓ خزرجی ہونے کے باوجود اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ کے خالہ زاد بھائی تھے۔

(۱۰) ابوالاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالم' جلد صفحہ ۶۹۹

عقبہ (۵۲)

حضرت مصعبؓ یثرب میں چند ماہ قیام کے بعد ایام حج سے کچھ قبل مکہ واپس آئے۔ رسول اللہ ﷺ کو یثرب کے حال سے آگاہ کیا کہ وہاں لوگوں نے کس جوش و سرعت سے اسلام کا استقبال کیا۔ جبرئیلؑ اسریٰ و معراج کے سفر میں آپؐ کو بتاچکے تھے کہ یثرب کو دارالہجرت ہوناہے۔ آپؐ خواب میں دو پتھریلے علاقوں کے درمیان ایک ہری بھری وادی کا نظارہ کرچکے تھے۔ وہ یقیناً یثرب ہی کا علاقہ تھا حالات کا تقاضا تھا کہ آپؐ ہجرت کی تیاری کریں ۔ اپنے اس خیال سے آپؐ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ اور ان کی زوجہ حضرت ام فضلؓ کو آگاہ کردیا تھا۔ یہ مسلمان ہوچکی تھیں اور حضرت عباسؓ مسلمان نہ ہونے کے باوجود اپنے بھتیجے کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی ان پر پورا اعتماد تھا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عباسؓ بھی مسلمان ہوچکے تھے مگر اپنے تجارتی مفادات کی وجہ سے اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے۔ ابو رافعؓ سے مروی ہے کہ " میں عباس بن عبد المطلب کا غلام تھا۔ اسلام ہم اہل بیت میں داخل ہوچکا تھا۔ عباسؓ ام فضلؓ اور میں اسلام لے آئے تھے۔ عباسؓ کو اپنی قوم کی مخالفت پسند نہ تھی۔ اس لئے اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے۔ وہ مالدار تھے اور انکا مال قوم میں پھیلا ہوا تھا۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ بدر گئے حالانکہ اسلام پر تھے"(۱) ۔ حضرت عباسؓ کو معلوم ہوا کہ آپؐ یثرب کے مسلم حاجیوں سے ملنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو خواہش ظاہر کی کہ وہ بھی آپؐ کے ساتھ رہیں۔

یثرب کے مسلمان جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے کس طرح مختلف قبائل سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ اسلام قبول کرکے آپؐ کو اپنے علاقے میں پناہ دیدیں ۔ اہل یثرب کے لئے اس سے بڑھکر موجب برکت اور کیا ہوسکتا تھا کہ خدا کا رسولؐ ان کے شہر میں آجائے۔ اسی خیال کے ساتھ یثرب کے مسلمانوں کا ایک وفد جو تہتر حضرات اور دو خواتین پر مشتمل تھا حج

کے لئے مکہ روانہ ہوا۔ ان میں ۶۲ خزرج سے اور ۱۱ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ خواتین کے نام نسیبہ بنت کعبؓ (۲) (زید بن عاصم کی زوجہ) اور اسما بنت عمروؓ تھے۔ اس موقع پر یثرب کے کل حاجیوں کی تعداد پانچ سو کے قریب تھی جن میں اکثر غیر مسلم تھے لیکن سفر میں سب شریک تھے۔

مسلمان حاجیوں میں ایک بزرگ براؓبن معرورؓ تھے۔ مکہ کی طرف سفر کرتے ہوئے انہیں خیال آیا کہ نماز میں بیت المقدس کی بجائے رخ کعبہ کی طرف کریں۔ ساتھیوں کو یہ رائے دی تو سب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت یہی تھی کہ رخ بیت المقدس کی طرف ہو۔ یہ پھر بھی اپنی رائے پر قائم رہے اور دوران سفر نماز میں رخ کعبہ کی طرف رکھا۔ اسطرح یہ واحد مسلمان تھے جنہوں نے تحویل قبلہ کے حکم سے پہلے ہی کعبہ کو قبلہ تصور کیا (۳)۔ جب مکہ پہنچے تو چاہا کہ اس امر کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھیں۔ چنانچہ کعب بن مالک کے ساتھ مسجد حرام میں آپؐ سے ملے۔ حضرت عباسؓ نے دونوں کا تعارف آپؐ سے کرایا تو آپؐ نے کعب کا نام لیکر فرمایا "شاعر"۔ حضرت عباسؓ نے کہا "ہاں" کعب کو ہمیشہ یہ بات یاد رہی۔ پھر حضرت براؓ نے اپنے مسئلے کے بارے میں آپؐ سے پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ "اگر تم صبر کرتے تو قبلہ ہی پر ہوتے"۔ اسکے بعد حضرت برا نے اپنی رائے بدل دی اور بیت المقدس ہی کی طرف رخ کرکے نماز ادا کرنے لگے (حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے قول کے ایک دوسرے معنی بھی ہوسکتے تھے)(۴)۔ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے قبل ہی حضرت براؓ کی وفات ہوگئی۔ موت کے وقت انہوں نے وصیت فرمائی کہ قبر مین ان کا رخ کعبہ کی طرف رکھا جائے۔ کاش یہ تحویل قبلہ کے وقت حیات ہوتے اور دیکھتے کہ کس طرح اللہ اور اسکے رسولؐ نے ان کی رائے کی قدر دانی کی۔

حضرت کعب بن مالکؓ کی روایت ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ "ہم لوگ ایام تشریق کی درمیانی شب منیٰ میں عقبہ کے مقام پر آپؐ سے ملیں۔ پھر جب ہم حج سے فارغ ہولئے اور مقررہ شب آئی جسکی صبح یعنی یوم النفر الآخر کو حجاج منیٰ سے واپس ہوجاتے ہیں تو ہم نے چاہا کہ اپنے ایک سردار عبداللہ بن عمرو بن حرام کو بھی اپنے ساتھ ملالیں۔ انہیں اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہوگئے اور ہم نے ان سے رسول اللہ ﷺ سے ملنے کا ذکر کیا۔ تہائی شب گزرنے کے بعد یہ سب حضرات خاموشی سے دو دو چار چار کی جماعت میں مقررہ مقام پر پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ پہلے ہی ہدایت فرماچکے تھے کہ " سوتے ہوؤں کو جگانا نہیں اور

غائب کا انتظار نہ کرنا"۔

عقبہ (۵) کی گھاٹی میں سب جمع ہوئے۔ تو رسول اللہ ﷺ مع حضرت عباسؓ کے تشریف لائے۔ مکہ کے مسلمانوں سے کوئی اس مجلس میں شریک نہ تھا۔ غالباً اکثر کو بتلایا بھی نہیں کہ خبر پھیل نہ جائے۔ آپؐ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جسے بولنا ہو اختصار سے کام لے کیونکہ مشرکین کے جاسوس پیچھے لگے ہوئے تھے سب سے پہلے حضرت عباسؓ نے اہل مجلس کو خطاب کیا "اے اہل خزرج (مکہ والے خزرج اور اوس دونوں کو خزرج کہہ کر پکارتے تھے) محمد (ﷺ) کو ہمارے یہاں جو عزت و وقعت حاصل ہے وہ آپ سب جانتے ہیں۔ ہم ان کے مخالفیں سے ان کی حفاظت برابر کرتے رہے ہیں وہ اپنے شہر میں بھی محفوظ ہیں لیکن چاہتے ہیں کہ یہ شہر چھوڑ کر آپ کے شہر میں چلے جائیں اور آپ حضرات سے مل جائیں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ جس عہد کے ساتھ آپ انہیں بلا رہے ہیں ۔ اسے پورا کر سکیئے اور ان کے دشمنوں سے ان کی حفاظت کر سکیئے تو بے شک یہ ذمہ داری اٹھالیں۔ اگر ایسا نہ کر سکیں اور اس میں آپ لوگوں کو شک ہو تو بہتر ہے اسی وقت جواب دیدیں اس وقت یہ ہماری حفاظت میں ہیں ایسا نہ ہو کہ آپ انہیں اپنے پاس بلا لیں پھر دشمنوں کے سپرد کر دیں ۔ ہوسکتا ہے تمام عرب مل کر آپ لوگوں سے جنگ کریں۔ اس لئے فیصلہ کرنے سے پہلے خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لیں ۔ کیونکہ سب سے اچھی بات سچی بات ہے"۔

کچھ دیر سب خاموش رہے ۔ پھر عبداللہ بن عمروؓ نے جو اسی شب مسلمان ہوئے تھے جواب دیا کہ "ہم جنگجو لوگ ہیں ۔ جنگ ہم نے میراث میں پائی ہے۔ جنگ میں تیر اندازی کرتے ہیں یہاں تک کہ تیر ختم ہوجائیں ۔ پھر نیزے اٹھاتے ہیں یہاں تک کہ نیزے ٹوٹ جائیں۔ اسکے بعد تلواریں لیکر بڑھتے ہیں یہاں تک کہ دشمن مرجائے یا ہم مرجائیں"۔ حضرت براءؓ بن معرور کا جواب تھا "ہم نے آپ کی بات سن لی ہمارے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کے لئے سچی وفاداری ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو ہم صاف بتادیتے"۔

حضرت کعب کہتے ہیں "پھر ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ کچھ فرمائیں اور جو عہد ہم سے لینا چاہیں لے لیں۔ پس حضورؐ نے پہلے قران مجید کی تلاوت فرمائی۔ اللہ کی طرف رغبت دلائی۔ پھر فرمایا 'میں تم سے اس بات کی بیعت لیتاہوں کہ میری ایسی ہی حمایت کرو جیسے کہ اپنی عورتوں اور اولاد کی حمایت کرتے ہو'۔ براء نے یہ سنتے ہی آپ کا دست مبارک

تھام لیا اور قسم کھائی کہ "آپؐ کی حفاظت و حمایت اسی طرح کرینگے جیسے اپنے اہل و عیال کی کرتے ہیں"۔ پھر ہم سب نے بیعت کی۔ اسکے بعد ابوالہیثم بن تیہان نے عرض کیا 'یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے اور یہود کے درمیان حلیفانہ تعلقات ہیں جو ہم اب منقطع کردینگے۔ ایسا نہ ہو جب آپؐ کو غلبہ حاصل ہوجائے تو ہمیں چھوڑ کر پھر اپنی قوم کی طرف واپس آجائیں'۔ یہ سنکر آپؐ مسکرائے اور فرمایا 'نہیں اس بات سے تم اطمینان رکھو۔ جس سے تم لڑوگے اس سے میں لڑونگا اور جس سے تم صلح کروگے اس سے میں صلح کرونگا۔ تمہارا ذمہ میرا ذمہ ہے اور تمہاری حرمت میری حرمت ہے'"(۶)۔

جب سب بیعت کے لئے تیار ہوگئے تو عباس بن عبادہ انصاریؓ نے سب کو مخاطب کرکے کہا "اے معشر خزرج تم جانتے ہو کہ کس بات پر تم ان سے بیعت کررہے ہو۔ یہ اس بات کی بیعت ہے کہ تمہیں ہر سرخ و سیاہ آدمی سے لڑنا ہوگا۔ اگر تم دیکھو کہ جب تمہارے مال برباد ہونگے اور تمہارے اشراف قتل ہونگے تو اس وقت تم ان سے پھر جاؤگے تو اسی وقت اس بیعت کو ترک کردو۔ واللہ اگر اُس وقت تم نے ایسا کیا تو تمہارے لئے دنیا و آخرت کی ذلت ہے اور اگر ہر مصیبت میں اپنی بیعت پر قائم رہے تو تمہارے لئے دین و دنیا کی خوبی ہے"۔ سب نے کہا "ہم ان سب باتوں پر بیعت کرتے ہیں"(۷) اور یہ کہہ کر آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

بعض صحابہ سے جو اس موقع پر موجود تھے یہ روایت ہے کہ جب آپؐ سے پوچھا گیا تو آپؐ نے بیعت کی یہ شرائط بتائیں:

۱۔ خوشی اور ناخوشی ہر حال میں آپؐ کی بات سنو گے اور مانو گے۔

۲۔ تنگی ہو یا خوش حالی دونوں صورتوں میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کروگے۔

۳۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قائم رہوگے۔

۴۔ اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کروگے۔

۵۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس اجائینگے تو آپؐ کی حمایت کروگے اور اسی طرح آپؐ کی حفاظت کروگے جسطرح اپنے اہل خاندان کی حفاظت کرتے ہو"(۸)۔

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ بیعت کرنے والوں میں سب سے پہلے سعد بن زرارہؓ پھر براابن معرورؓ اور ان کے بعد اسید بن حضیر تھے (بعض روایتوں میں سب سے پہلے برا بن معرورؓ، ابوالہیثم بن تیہان اور کعب بن مالکؓ کے نام بھی لئے گئے ہیں)۔ اس موقع پر عبداللہ بن رداحہؓ نے پوچھا " یا رسول اللہ(ﷺ)ہم اپنے عہد پر پورے اتریں تو ہمارے لئے کیا بدلا ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "جنت"۔ (ایسا ہی سوال حضرت عیسیٰ سے ایک حواری پطرس نے کیا تھا کہ "ہم سب کچھ چھوڑ کر تیرے پیچھے ہوئے ہیں ۔ ہم کو کیا اجر ملے گا؟"۔ اور ایسا ہی جواب آخرت میں عالی مقام ہونے کا پایا تھا)(۹)۔

بیعت کی تکمیل کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "تم لوگ آپس میں بارہ اشخاص چن لو جو اپنی قوم پر نقیب ہوں "نو خزرج کے اور تین اوس کے نام تجویز ہوئے۔ اس وقت حاضرین میں باسٹھ خزرجی اور گیارہ اوس کے حضرات تھے۔ نقیبوں کے نام یہ بتائے گئے ہیں :

خزرج سے : ۱۔ اسعد بن زرارہؓ(لقب ابو امامہ) یہ نقیب النقبا تھے۔ بدر سے قبل انتقال ہوا

۲۔ سعد بن ربیعؓ بنی سلمہ سے تھے۔ لکھے پڑھے تھے۔ احد میں شہید ہوئے

۳۔ عبداللہ بن رواحہؓ بنی حارث سے تھے لکھے پڑھے مشہور شاعر جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔

۴۔ رافع بن مالکؓ۔ بنی زریق سے تھے۔ کاملؓ کہلاتے تھے ۔ احد میں شہید ہوئے۔

۵۔ براأ بن معرورؓ۔ بنی سلمہ سے تھے ۔ حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے ہی وفات پائی۔

۶۔ عبداللہ بن عمرو بنی حرامؓ ۔ حضرت جابر کے والد بنی سلمہ سے تھے احد میں شہید ہوئے۔

۷۔ عبادہ بن صامتؓ۔ بنی عوف سے تھے۔ عالم تھے۔ عہد عثمانی میں انتقال ہوا۔

۸۔ سعد بن عبادہؓ بنی ساعدہ سے تھے۔ کامل کہلاتے تھے۔ انصار نے خلافت کے لئے نامزد کرنا چاہا تھا۔ عہد فاروقی میں شام کے علاقے میں وفات پائی۔

۹۔ منذربن عمروؓ۔ بنی ساعد ہ سے تھے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ بئر معونہ میں

شہید ہوئے۔

اوس سے: ۱۰۔ اسید بن حضیرؓ۔ بنی عبدالاشہل سے تھے۔ کامل کہلاتے تھے۔ عہد فاروقی میں وفات ہوئی۔

۱۱۔ سعد بن خیثمہؓ بنی حارث سے تھے۔ بدر میں شہید ہوئے۔

۱۲۔ ابو الہیثم بن التیہانؓ۔ بنی عبدالاشہل کے حلیف تھے۔ عہد فاروقی میں وفات پائی۔ (بعض روایتوں نے انکی جگہ رفاعہ بن عبد المنذر کا نام دیا ہے۔ ابن سعد اور ابن کثیر کے نزدیک ابو الہیثم کے متعلق روایت زیادہ مستند ہے)(۱۰)

یہ سب نقیب اپنی اپنی قوموں کے معزز نمائندے تھے۔ ان کی بیعت گویا ان کی قوم کی بیعت تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان حضرات سے فرمایا" تم اپنی قوموں پر کفیل ہو جیسے حضرت عیسیٰ کے حواری تھے اور میں اپنی تمام قوموں یعنی تمام اہل اسلام پر کفیل ہوں"(۱۱)۔

کہتے ہیں کہ اس وقت پہاڑی سے ایک آواز آئی " لوگو آؤ دیکھو محمد(ﷺ) اور ان کے فرقے کے لوگ تم سے جنگ کے مشورے کررہے ہیں" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان کی آواز تھی۔ اسکی پرواہ نہ کی جائے۔ محمد حسین ہیکل کا خیال ہے ممکن ہے کوئی شخص کسی ضرورت سے باہر نکلا ہو اور مسلمانوں کو دیکھ کر انہیں خوفزدہ کرنا چاہا ہو۔ لیکن مسلمانوں نے اسکا کوئی اثر نہ لیا(۱۲)۔ عباس بن عبادہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا "بخدا آپؐ فرمائیں تو ہم صبح ہوتے ہی اپنی تلواریں سونت کر قریش پر چڑھائی کریں "آپؐ نے فرمایا "ابھی اللہ کی طرف سے یہ حکم نہیں آیا ہے تم لوگ سب اپنے اپنے خیموں میں چلے جاؤ" سب لوگ خاموشی سے اپنی اپنی جائے قیام پر واپس آئے۔

جس عظیم شرف کو اہل مکہ اوراہل طائف نے ٹھکرایا وہ آخر اہل یثرب کو نصیب ہوا۔ جو دین حق کی نصرت کے باعث انصار کہلائے۔ یہ تاریخ ساز واقعہ جو بیعت عقبہ ثانیہ بیعت کبریٰ یا آخری بیعت عقبہ کہلاتا ہے ذی الحج ۱۳ نبوی (جون ۶۲۲ء) کی تیرھویں شب کی چاندنی میں پیش آیا۔

☆ ☆

(۱) ابن سعد 'طبقات' حصہ چہارم صفحہ ۱۷۱

(۲) ان کے شوہر زید بن عاصمؓ اور بیٹے حبیبؓ اور عبید اللہؓ بھی ساتھ تھے۔ حبیبؓ وہی تھے جنہیں بہت بعد میں مسیلمہ کذاب نے گرفتار کرلیا تھا اور چاہتا تھا کہ یہ اسکے رسول ہونے کی گواہی دیں ۔ حبیب کا ایک ایک عضو کاٹ دیا گیا مگر یہ اپنے ایمان پر قائم رہے۔ نسیبہ (ام عمارہ) اپنے بیٹے کا انتقام لینے کے لئے خود جنگ یمامہ میں شریک ہوئیں۔ مردانہ وار لڑیں یہاں تک مسیلمہ قتل ہوا۔ اس جنگ میں ان کے بارہ زخم لگے تھے (ابن ہشام 'سیرہ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۳۰۸)

(۳) ابن سعد ' طبقات' حصہ چہارم صفحہ ۱۵۶

(۴) مارٹن لنگز (ابو بکر سراج الدین) 'محمدؐ' (Mohammad) صفحہ ۱۱۱

(۵) مولف کو یہ مقام مکہ معظمہ کے ایک طالب علم نے دکھایا جو اسلامی آثار قدیمہ پر تحقیق کررہے تھے۔ ایک شکستہ سی دیوار کے سوا کچھ نہ تھا۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ ان کے زمانے میں یہاں ایک مسجد تھی۔یہ تاریخ اسلام کا ایک ایسا اہم مقام ہے جسکی یادگار قائم رہنا چاہیئے تھی۔ مگر افسوس کہ نہیں ہے۔

(۶) ابن ہشام ' سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۹۵

(۷) ایضاً صفحہ ۲۹۶

(۸) ابن کثیر ' سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۴۳۲ ۔ ابن جوزی ' الوفا باحوال المصطفیٰ' صفحہ ۲۷۹

(۹) نیا عہد نامہ 'کتاب متی ۱۹/ ۲۷ ، ۲۸

(۱۰) ابن سعد ' طبقات' حصہ چہارم صفحہ ۳۵۔ نیز ابن کثیر ' سیرہ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۴۳۶

(۱۱) ابن ہشام ' سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۹۶

(۱۲) محمد حسین ہیکل 'حیات محمدؐ' صفحہ ۲۴۲۔ ابن ہشام کے یہاں ابن اسحاق کی روایت ہے کہ یہ بلند آواز سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ آواز یہاں کے شیطان کی ہے" پھر شیطان کو مخاطب کیا" اے دشمن خدا سن لے۔ واللہ میں تیری بھی خبر لوں گا" (ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۹۷)۔ علامہ شبلی نعمانی، مولانا ابو الا علی مودودی ، مولانا ابو الکلام ازاد وغیرہ کے یہاں یہ روایت مذکور نہیں۔

(۵۳) سعد بن عبادہؓ

صبح ہوئی تو حاجیوں نے رخت سفر باندھنا شروع کیا۔ رات کی مجلس غیر معمولی تھی۔ انتہائی احتیاط کے باوجود اسکا بالکل خفیہ رکھنا مشکل تھا۔ کچھ بھنک کسی نہ کسی طرح قریش کو پہنچ گئی۔ ان کے چند بزرگ یثرب والوں کی قیام گاہ پر آئے اور شکایت کی کہ "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ ہمارے ایک شخص محمد (ﷺ) سے ہمارے خلاف ساز باز کر رہے ہو۔ عرب کے کسی اور قبیلے سے ہماری جنگ ہو تو ہمیں غم نہیں مگر تم سے جنگ ہمارے لئے بڑی افسوسناک ہوگی"۔ جن یثرب کے مشرکوں سے قریش کی یہ گفتگو ہوئی وہ رات کی بیعت سے بالکل بے خبر تھے۔ قسمیں کھانے لگے کہ نہ انہوں نے ایسا کیا ہے نہ ایسا کوئی ارادہ ہے۔ جو مسلمان تھے وہ خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ قریشی سردار عبداللہ بن ابی سے بھی ملے جسکا یثرب میں بڑا اثر تھا۔ یہ بھی حاجیوں میں شامل تھا۔ اس سے اس بات کا ذکر کیا تو اس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا" میری قوم میرے مشورے کے بغیر ایسا قدم نہیں اٹھا سکتی۔ اور میں نہیں جانتا کہ ایسا ہوا"۔

پھر بھی قریش کو اطمینان نہ ہوا۔ مزید تحقیقات سے انہیں آخر حقیقت معلوم ہوگئی۔ چند جماعتوں کو یثرب واپس ہونے والے حاجیوں کے تعاقب میں روانہ کیا۔ لیکن ان حاجیوں کا قافلہ قریشیوں کی زد سے دور نکل گیا تھا۔ صرف دو حضرات سعد بن عبادہؓ اور منذر بن عمروؓ پیچھے رہ گئے تھے۔ ان میں سے منذر تو بچ نکلے مگر سعدؓ قریشیوں کے ہاتھ آگئے۔ قریش انہیں باندھ کر مکہ لے آئے۔ مارا پیٹا۔ یہ اسی پریشان حالی میں تھے کہ چند لوگوں کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے ایک حسین و جمیل شخص میں کچھ نیکی کے آثار نظر آئے تو امید ہوئی کہ شاید ان کی مدد کرے۔ لیکن اس نے آتے ہی ایک ایسا گھونسہ رسید کیا کہ ساری امیدیں ٹوٹ

گئیں۔ یہ شخص سہیل بن عمرو تھا۔

اتفاق سے اسوقت ابو البختری بن ہشام بھی ادھر آنکلا(۱)۔ اس شریف النفس کے دل میں کچھ رحم آیا اور سعدؓ کے قریب آکر پوچھا " تیرے اور قریش کے درمیان کوئی عہد یا پاسداری کا واسطہ ہے کہ نہیں؟" انہوں نے بتایا" ہاں جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب تجارت کے لئے یثرب آتے ہیں تو میں انہیں پناہ دیتا ہوں"۔ ابو البختری نے کہا"تیری خرابی ہو۔ ان کا نام لیکر دہائی دے اور بتا کہ تو ان کی پناہ میں ہے"۔ سعدؓ نے ایسا ہی کیا۔ اتنے میں ابوالبختری نے جبیر اور حارث کو تلاش کیا اور ساری کیفیت بتائی۔ ان دونوں نے آکر سعدؓ کو رہائی دلائی اور یہ خدا خدا کر کے واپس یثرب پہنچے۔

بیعت کے بعد جب یثرب کے مسلمان واپس وطن آئے تو بڑے جوش و خروش سے اسلام کی اشاعت شروع کردی۔ اکثر بزرگوں کو جو کفر پر قائم تھے مسلمان کرلیا۔ ایک بت شکنی کی مہم بھی شروع کردی۔ سعد بن معاذؓ اور اسید بن حضیرؓ تو پہلے ہی بنی عبدالاشہل کے تمام بتوں کو توڑ چکے تھے۔ اب باقی بتوں کی باری تھی۔ ابن سعد کے یہاں ان کی تفصیل اسطرح ملتی ہے(۲)۔

۱۔ بنی نجار کے بت توڑنے والے اسعد بن زرارہؓ، عمارہ بن حزمؓ، عوف بن عفراؓ سلیط بن قیسؓ وغیرہ

۲۔ بنی حارثہ کے بت توڑنے والے ابو عبس بن جبرؓ اور ابو بردہ بن نیارؓ

۳۔ بنی بیاضہ کے بت توڑنے والے زیاد بن لبیدؓ اور فردہ بن عمروؓ

۴۔ بنی ساعدہ کے بت توڑنے والے سعد بن عبادہؓ اور منذر بن عمروؓ

۵۔ بنی سلمہ کے بت توڑنے والے معاذ بن جبلؓ، ثعلبہ بن عنمہؓ اور عبداللہ بن انیسؓ۔

اس مہم سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یثرب میں مسلمانوں کا کافی زور ہوگیا تھا۔ ورنہ اس بت شکنی کی بڑی مزاحمت ہوتی۔

اس بت شکنی کے سلسلے میں بنی سلمہ کے سردار عمرو بن جموح کا دلچسپ واقعہ مشہور ہے۔ انہوں نے اپنے گھر میں مناۃ کا ایک لکڑی کا بت بنا سنوار کر رکھ چھوڑا تھا اور اسکی پرستش کرتے تھے۔ ان کے قبیلے کے بہت سے نوجوان مسلمان ہوگئے جن میں ان کے بیٹے معاذؓ بھی

شامل تھے۔ جب عمرو رات کو سو جاتے تو یہ نوجوان اس بت کا اٹھا کر لے جاتے اور ایک گندے گڑھے میں اوندھا کر کے لٹا دیتے۔ صبح کو عمرو اسے تلاش کر کے لے آتے۔ دھو کر عطر لگا کر پھر رکھ لیتے۔ کئی بار ایسا ہوا تو عمرو نے بت کے گلے میں تلوار ٹانگ دی اور اسے مخاطب کر کے کہا" میں نہیں جانتا کہ تیرے ساتھ یہ حرکت کون کرتا ہے۔ اب یہ تلوار تیرے پاس ہے۔ جو تیرے ساتھ گستاخی کرے اس سے خود اپنا بدلا لے"۔ رات کو ان نوجوانوں نے تلوار اپنے قبضے میں کی اور بت کو ایک مردہ کتے کی لاش کے ساتھ باندھ کر ایک نجاست بھرے پرانے کنویں میں پھینک دیا۔ صبح کو عمرہ حسبِ دستور بت کی تلاش میں نکلے۔ آخر اسے اس خراب حال مین پایا تو کچھ عبرت ہوئی۔ قوم والوں نے بھی شرمندہ کیا اور اسلام کی ترغیب دی۔ آخر کار انہوں نے اسلام قبول کیا۔ نہایت اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ اور اپنی ہدایت یابی پر ہمیشہ اللہ کا شکرادا کرتے رہے۔

☆ ☆
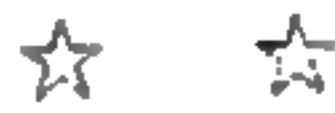
(۱) یہ وہی ابو البختری بن ہشام تھا جسکا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس نے اپنے کفر کے باوجود بنی ہاشم کا مقاطعہ ختم کرنے میں مدد کی تھی۔ اور اسی مقاطعے کے زمانے میں ابو جہل سے لڑ پڑا تھا (ملاحظہ ہو گذشتہ باب۴۲ 'مقاطعہ')۔ جنگ بدر کے اختتام پر جسمیں ستر قریش گرفتار ہوئے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے یہ اعلان فرمایا تھا کہ" قوم کفار میں سوائے ابو البختری کے میرے نزدیک کسی کا کوئی احسان نہیں۔ لہذا جس نے اسے گرفتار کیا ہو اسے رہا کردے" مگر معلوم ہوا کہ وہ قتل ہوچکا تھا (ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۳۲۳، ۳۲۴)

(۲) ابن سعدؒ 'طبقات' حصہ چہارم۔ (مختلف انصاری صحابہ کے حالات)

(۵۴) ہجرت کا اذن عام

آخری بیعت عقبہ تاریخ اسلام میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یثرب کی سر زمین اب مجبور مسلمانوں کے لئے صرف ایک پناہ گاہ نہ تھی بلکہ ایک ایسا آزاد علاقہ تھا جسکو ایک منظم اسلامی معاشرہ عطا کر کے ایسا مرکز بنایا جاسکتا تھا جہاں سے اسلام کی شعاعیں تمام عرب کو روشنی بخش سکتی تھیں۔ ایسا ہی ہوا۔ اور پھر یہ روشنی عرب سے تمام عالم میں پھیل گئی۔ رسول اللہ ﷺ مستقبل کے ان امکانات کو سمجھتے تھے۔ آپؐ نے مکہ کے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ جس سے ہوسکے یثرب کو ہجرت کرجائے۔ مشرکین قریش اس ہجرت کے مخالف تھے جیسا کہ ہجرت حبشہ کے موقع پر ان کا طرز عمل سے ظاہر ہو چکا تھا۔ لہٰذا زیادہ تر مسلمان چھپ کر دو دو چار چار کی جماعتوں میں یثرب کی طرف روانہ ہوئے۔ ان مہاجروں کو گھر بار چھوڑنے کے علاوہ اکثر دوسرے مصائب بھی جھیلنا پڑے۔

ابھی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہجرت کا یہ اذن عام بھی نہ ہوا تھا کہ سب سے پہلے (بیعت عقبہء اخر سے قبل ہی) جس نے یثرب کی طرف ہجرت کرنا چاہی وہ حضرت ام سلمہؓ کا خاندان تھا۔ ان کا نام ہند بنت ابوامیہ تھا اور ان کے شوہر عبداللہ بن عبدالاسدؓ تھے۔ کنیت ابوسلمہ تھی یہ دونوں دو مرتبہ حبشہ کو ہجرت کرچکے تھے۔ یثرب میں اشاعت اسلام شروع ہوئی تو وہاں ہجرت کا ارادہ کیا۔ حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ جب انہوں نے مدینہ جانے کا قصد کیا تو ان کے شوہر نے انہیں اور ان کے بیٹے سلمہ کو اونٹ پر بٹھایا اور خود اسکی مہار پکڑ کر روانہ ہوئے۔ کچھ ہی دور چلے تھے کہ ان کے میکے کے قبیلے بنی مغیرہ کے کچھ لوگوں نے روک لیا اور ابو سلمہ سے کہا" ام سلمہ ہماری لڑکی ہے۔ تم جہاں چاہو جاؤ لیکن ہم اپنی لڑکی کو در بدر نہیں ہونے دینگے۔" اسطرح ام سلمہؓ کو ان کے شوہر سے جدا کر لیا گیا ابو سلمہؓ تنہا یثرب کو

روانہ ہوگئے۔ ابو سلمہؓ کے خاندان والوں (بنی عبدالاسد) کو معلوم ہوا تو وہ حضرت ام سلمہؓ کے میکے والوں کے پاس آئے اور کہا "جب تم نے اپنی دختر ابو سلمہؓ سے چھین لی تو ہم اپنے بچے سلمہ کو کیوں تمہارے پاس رہنے دیں"۔ چنانچہ وہ سلمہ کو لے گئے اور حضرت ام سلمہؓ تنہا رہ گئیں۔ ماں، باپ اور بیٹا تینوں ایک دوسرے سے جدا ہوگئے۔

حضرت ام سلمہؓ تقریباً ایک سال تک اس مصیبت میں گرفتار رہیں۔ روزانہ گھر سے نکل کر ابطح میں وہاں جا بیٹھتیں جہاں اپنے شوہر سے جدا ہوئی تھیں۔ اور آنسو بہاتیں۔ آخر ایک دن انؓ کے ایک رشتہ دار نے ان پر ترس کھایا اور بنی مغیرہ سے کہہ سن کر انہیں اس صعوبت سے آزادی دلائی۔ یہ تنہا اپنے بچے کو لیکر اونٹ پر یثرب کو روانہ ہوئیں۔ راستے میں مکہ سے چند میل دور تنعیم کے قریب بنی عبدالدار کے عثمان بن طلحہؓ ملے۔ انہوں نے پوچھا "ابو امیہ کی صاحبزادی۔ کہاں جارہی ہو؟" حضرت ام سلمہؓ نے بتایا "یثرب اپنے شوہر کے پاس"۔ عثمان نے پوچھا "اسطرح جارہی ہو"؟۔ بولیں "ہاں۔ اللہ اور میرا بچہ میرے ساتھ ہیں"۔ عثمان نے کہا "بخدا۔ میں تمہیں اس طرح تنہا نہ جانے دونگا"۔ یہ کہہ کر اونٹ کی مہار اپنے ہاتھ میں لی اور انؓ کے ہمراہ ہولئے۔ یثرب تک پہنچنے میں کئی منزلیں طے کرنا تھیں۔ جب ایک منزل پر پہنچتے تو اونٹ کو بٹھا کر باندھ دیتے۔ خود کسی درخت کے سائے میں لیٹ جاتے اور حضرت ام سلمہؓ اور انکا بچہ کسی دوسری طرف آرام کرتے۔ جب تینوں قبا کے قریب پہنچے تو بنی عمرو بن عوف کی آبادی نظر آئی۔

عثمانؓ نے حضرت ام سلمہؓ کو بتایا کہ اسی گاؤں میں ابو سلمہؓ مقیم ہوگئے۔ اب یہاں سے ان کے پاس چلی جائیں۔ خود پا پیادہ جیسے آئے تھے واپس مکہ چلے گئے۔ اسطرح حضرت ام سلمہؓ اپنے شوہر تک پہنچ گئیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "ہجرت میں جو مصیبت ہم کو پہنچی کسی اور کو نہ پہنچی۔ اور جیسا نیک دل اور بامروت میں نے عثمان بن طلحہ کو دیکھا کسی اور کو نہ پایا"(۱)۔

ایسے واقعات سے بہت سے مشرکین مکہ کے دلوں میں مسلمانوں کے لئے ہمدردی کے جذبات بیدار ہونے لگے۔ مولانا مودودی مرحوم لکھتے ہیں "اس معاشرے کے جن لوگوں میں بھی انسانیت اور شرافت کا جوہر موجود تھا وہ اسلام کے سخت مخالفت کے باوجود اپنی قوم کے ان بلند سیرت کے افراد کو قدرو منزلت کی نظر سے دیکھنے لگے تھے جنہوں نے کسی دنیاوی غرض کے بغیر محض اپنے ایمان کی خاطر ہر قسم کی مصیبتیں اور اذیتیں برداشت کرلیں۔ مگر کسی ظلم سے

دب کر اس چیز سے منہ نہ موڑا جسکو وہ حق مان چکے تھے"(۲)۔

ذی الحجہ ۱۳ نبوی کے بعد جب ہجرت کا اذن عام ہوگیا تو سب سے پہلے عامر بن ربیعہؓ اپنی اہلیہ لیلیٰ بنت ابی حثمہ کے ساتھ یثرب آئے۔ پھر ہجرت کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ ان کے بعد حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت بلال بن رباحؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ہجرت کی۔ پھر حضرت عثمان بن عفانؓ مع اپنی زوجہ حضرت رقیہؓ (بنت رسول اللہ ﷺ) کے روانہ ہوئے۔ بعض پورے کنبوں نے ہجرت کی جن میں بنی مظعون، بنی البکیراور بنی جحش شامل تھے۔ بنی جحش کے ساتھ بنی اسد بن خزیمہ کا خاندان بھی گیا۔ان دونوں گھرانوں میں کل تیں افراد تھے۔ ان میں رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن جحشؓ، ابو احمد بن جحشؓ، ان کی ہمشیرہ حضرت زینبؓ بنت جحش (جو بعد میں ام المومنین ہوئیں)، حمنہ بنت جحش (حضرت مصعب بن عمیر کی زوجہ) اورام حبیب بنت جحشؓ (حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی زوجہ)شامل تھے۔ اکثر عمرو بن عوف کے محلے میں مقیم ہوئے۔

مکہ میں ان مہاجرین کے مکانوں کو دیکھ کر لوگوں کو افسوس ہوتا تھا کہ خالی پڑے ہیں ایک دن عتبہ بن ربیعہ، ابو جہل، اورحضرت عباسؓ ان مکانات کی طرف سے گذرے تو ایک خاتون کو کہتے سنا " افسوس ان گھروں میں کوئی رہنے والا نہیں"۔ عتبہ نے سنا تو ایک شعر پڑھا جسکا مفہوم ہے:

"کوئی گھر کتنے ہی زمانہ دراز تک سلامت رہے۔ آخر ایک روز اسکے لئے زوال اور ویرانی ضرور ہے"(۳)۔ پھر بڑی حسرت سے کہا "دیکھو بنی جحش کے گھر بھی خالی ہوگئے"۔ اس پر ابو جہل نے حضرت عباسؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔" یہ ساری کاروائی ان کے بھتیجےؐ کی ہے۔ کہ ہماری جماعت کو متفرق کردیا اور جدائی ڈال دی"۔

حضرت حمزہؓ کے ساتھ زید بن حارثہؓ، انسہؓ اور ابوکبشہؓ (رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام) نے ہجرت کی۔ حضرت ام سلمہؓ کے سوتیلے بھائی ابو سبرہؓ اپنی زوجہ ام کلثومؓ (سہیل بن عمرو کی دختر) کے ساتھ ہجرت کر گئے۔ حضرت عمرؓ نے اعلانیہ ہجرت فرمائی۔ ان کے ساتھ تقریباً بیس مہاجر تھے جن میں ان کے بھائی زید بن خطابؓ بہنوئی سعید بن زیدؓ اور داماد خنیس بن حذافہؓ وغیرہ شامل تھے(۴)۔ حضرت عمرؓ کا اپنا بیان ہے کہ"میں نے عیاش بن ابی ربیعہؓ اور ہشامؓ بن عاص بن وائل سے شب کو مشورہ کیا کہ صبح کو تینوں مقام سَرِف پر ملینگے جو مکہ سے کچھ فاصلے

پر مدینہ کے راستے میں ہے۔ جو نہ آسکا تو سمجھا کہ قید کر لیا گیا اور باقی لوگ انتظار کئے بغیر آگے روانہ ہوجائینگے۔ عیاشؓ تو مقررہ وقت پر آگئے اور ہمارے ساتھ مدینہ پہنچے۔ لیکن ہشامؓ بیچارے قید کر لئے گئے۔ ہم لوگ مدینہ میں بنی عمرو بن عوف کے محلے میں ٹھہرے۔ یہاں چند ہی دن میں ابو جہل اور اسکا بھائی حارث اپنے چچا زاد اور ماں جائے بھائی عیاشؓ کو واپس لینے کے لئے آئے۔ عیاشؓ کو یہ فریب دیا کہ 'ماں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تم واپس نہ لوٹو گے کنگھی نہ کریگی اور دھوپ میں بیٹھی رہے گی'۔ عیاشؓ اس دھوکے میں آگئے۔ میں نے بہت سمجھایا کہ 'تمہاری ماں کو جوئیں ستائینگی تو کنگھی بھی کریگی اور جب مکہ کی دھوپ جلائے گی تو سائے میں بھی چلی جائے گی'۔ لیکن عیاشؓ ماں کے لئے بیتاب تھے۔ نہیں مانے۔ تب میں نے انہیں اپنی ایک تیز رفتار اونٹنی دی اور کہا کہ 'اپنے چچا زاد بھائیوں کی نیت خراب دیکھو تو اس پر سوار ہوکر بھاگ آنا'۔ آخر یہ تینوں مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں جیسا کہ ڈر تھا ویسا ہی ہوا۔ ابو جہل نے عیاشؓ سے کہا 'بھائی میرا اونٹ ست ہے مجھے بھی اپنے ساتھ بٹھا لو'۔ عیاشؓ راضی ہوگئے۔ ادھر ابو جہل اور حارث اپنے اونٹوں سے اترے۔ عیاشؓ کو پکڑ کر باندھ لیا اور اسی حالت میں انہیں مکہ لے کر پہنچے۔ اور سب میں اعلان کیا 'دیکھو ہم اپنے نالائق لڑکوں کو اسطرح سیدھا کرتے ہیں'"۔

کہتے ہیں کہ بعد میں جب رسول اللہ ﷺ بھی ہجرت کر کے مدینہ آگئے تو آپؐ ہشامؓ اور عیاشؓ کے لئے پریشان تھے۔ ایک روز فرمایا کون ایسا جوان ہے ان دونوں کو یہاں لے آئے"۔ ولید بن ولیدؓ (خالد بن ولیدؓ کے بھائی) نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور مکہ پہنچ گئے۔ وہاں ان دونوں کی تلاش میں تھے کہ ایک دن ایک خاتون کو دیکھا کہ سر پر کچھ کھانا لئے چلی جارہی ہے۔ پوچھا "کہاں جاتی ہو"۔ خاتون نے بتایا "دو قیدیوں کو کھانا دینے"۔ یہ اسکے پیچھے ہولئے اور اس گھر کا پتہ لگالیا جہاں دونوں حضرات قید تھے۔ رات کو دیوار پھاند کر گھر کے صحن میں پہنچے۔ عیاشؓ اور ہشامؓ کو لوہے کی زنجیر میں جکڑا ہوا پایا۔ انہوں نے زنجیر کو ایک پتھر پر رکھ کر تلوار کی ایسی ضرب لگائی کہ زنجیر کے ٹکڑے اڑ گئے۔ دونوں کو باہر نکالا۔ اپنے ساتھ اونٹ پر سوار کیا اور راتوں رات مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ چار پانچ دن میں دونوں کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا۔

اہل قریش مہاجرین کو روکنے کی پوری سعی کررہے تھے۔ اسی طرح جب حضرت

صہیبؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش نے روک لیا اور کہا " تم ہمارے یہاں مفلس آئے تھے۔ ساری دولت ہمارے شہر میں حاصل کی ہے۔ اب اسے باہر نہیں لے جاسکتے"۔ آخر انہیں اس شرط پر چھوڑا کہ اپنا سارا مال و متاع مشرکین مکہ کے حوالے کردیں ایک روایت کے مطابق جب انہیں روکا گیا تو یہ تیر کمان لے کر کھڑے ہوگئے اور کہا" تم جانتے ہو کہ میں تم سے بہتر تیرانداز ہوں۔ کسی کو قریب نہ آنے دونگا" تب مشرکین نے شرط رکھی کے جانے سے پہلے اپنا مال یہیں چھوڑ دیں۔ انہوں نے بتایا کہ مال ان کے ساتھ نہ تھا۔ مگر اس جگہ کی نشان دہی کردی جہاں مال محفوظ تھا تب رخصت ہوسکے۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا "صہیبؓ نے بڑا نفع کمایا"۔ مفسرین نے اس واقعے کو اس آیت کا سبب نزول بتایا ہے:

"اور کوئی شخص ایسا ہے کہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی
جان بیچ ڈالتا ہے۔ اور خدا بندوں پر مہربان ہے"۔ (البقرۃ ۲۰۷)

کہتے ہیں کہ ضرہ کے مقام پر حضرت عمرؓ اور کچھ حضرات حضرت صہیبؓ سے ملے اور ان سے کہا "تمہاری تجارت بڑی نفع بخش رہی"۔ حضرت صہیبؓ بولے " تمہیں بھی کامیابی نصیب ہو کیا بات ہوئی؟" ۔ان حضرات نے بتایا کہ" اللہ تعالی نے آپ کے بارے میں یہ آیت نازل کی"(۵)۔

حضرت ابو بکرؓ نے بھی رسول اللہ ﷺ سے ہجرت کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے فرمایا۔ "تم ابھی ٹھہرو۔ شاید اللہ تمہارا کوئی ساتھی کردے جسکے ساتھ تم جاؤ"(۶)۔ حضرت ابو بکرؓ کو یہ امید ہوگئی کہ شاید آپؐ کا ہمسفر ہونے کی سعادت حاصل ہوجائے۔ اس خیال سے دو عمدہ اونٹنیوں کا انتظام کیا جنکی قیمت آٹھ سو درھم تھی اور انہیں دیکھ بھال کے لئے ایک معتمد چرواہے کے سپرد کیا۔

رفتہ رفتہ سوائے ان حضرات کے جو قید تھے یا کسی سخت مجبوری اور مفلوک الحالی کی وجہ سے مکہ نہ چھوڑ سکتے تھے سارے مسلمان یثرب پہنچ گئے۔مقید حضرات میں وہ سات بھی تھے جو حبشہ سے واپس ہوتے ہی قید کر لئے گئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک قیدی عبداللہ بن سہیلؓ تھے جنکا ذکر آگے آئیگا۔ ابن ہشام نے تفصیل دی ہے کہ یہ مہاجر حضرات یثرب آکر کہاں کہاں مقیم ہوئے(۷)۔

☆ ☆

(۱) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۳۱۱

(۲) ابو الاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۷۱۴، ۷۱۵

(۳) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۳۱۲

(۴) ایک روایت کے مطابق حضرت عمرؓ کے بھائی 'داماد' اور دوسرے رشتے داروں نے ان کے بعد ہجرت کی اور ان سے جا ملے (ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۳۱۶، ۳۱۷)

(۵) سید قطب شہید 'تفسیر فی ظلال القرآن' جلد اول صفحہ ۲۳۳

(۶) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۳۱۸

(۷) ایضاً صفحہ ۳۱۶ تا ۳۱۸

(۵۵) ویمکرون ویمکراللہ

ڈوبتے سفینے کا ملاح اپنی جگہ نہیں چھوڑتا جب تک سب مسافروں کی عافیت کا انتظام نہ ہوجائے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ آخر تک مکہ میں مقیم رہے۔ اب سوائے ان مجبور حضرات کے جنکا ذکر گزر چکا آپؐ کے ساتھ صرف حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے۔ یا آپؐ کے اور حضرت ابو بکرؓ کے اہل و عیال۔

مکہ سے یثرب کی طرف مسلمانوں کی اس عام ہجرت کی اہمیت کو مشرکین قریش نظر انداز نہیں کرسکتے تھے۔ انہیں اس خطرے کا اندازہ تھا کہ جن لوگوں کے ساتھ انہوں نے ایسا ظالمانہ برتاؤ کیا اور جن کے مال و متاع پر غیر منصفانہ قبضہ کرلیا ان کے دلوں میں انتقام کا جذبہ پیدا ہونا اور اپنی کھوئی ہوئی ملکیت کی واپسی کے لئے کوئی صورت نکالنا ایک فطری امر تھا۔ انہیں یہ ڈر تھا کہ یہ یثرب میں جمع ہونے والا جتھا جسے یثرب کے باشندوں کی بھی حمایت حاصل تھی ان پر یا ان کے تجارتی قافلوں پر ضرور حملہ آور ہوگا۔ خصوصاً جبکہ ان کے شام کی طرف جانے والے قافلوں کو یثرب کے قریب سے گزرنا ہوتا تھا۔ پھر انہیں رسول اللہ ﷺ کے وہ الفاظ بھی یاد تھے جو آپؐ نے اپنے ستانے والے قریش سرداروں سے ایک بار فرمائے تھے کہ "اے گروہ قریش خبردار ہوجاؤ۔ میں تمہارے پاس ذبح کے ساتھ آیا ہوں"۔

اس خطرے کے پیش نظر قریش کے سرداروں نے ایک خفیہ اجلاس یہ طے کرنے کے لئے منعقد کیا کہ موجودہ صورت حال میں کیا کیا جائے۔ ۲۶ صفر ۱۴ نبوی ۱۲ ستمبر ۶۲۲ء جمعرات کی صبح تھی کہ قریش کے رؤسا دارالندوہ میں جمع ہوئے۔ مختلف قبائل کے سردار موجود تھے۔ بنی مخزوم کا ابو جہل بنی نوفل بن عبد مناف کے جبیر بن مطعم، طعیمہ بن عدی اور حارث

بن عامر۔ بنی عبد شمس بن عبد مناف کے ابو سفیان بن حرب اور ربیعہ کے بیٹے شیبہ اور عتبہ۔ بنی عبدالدار کا نضر بن حارث۔ بنی اسد کے ابو البختری بن ہشام، زمعہ بن اسود اور حکیم بن حزام۔ بنی سہم کے دو بھائی نبیہ اور منبہ بن حجاج۔ بنی جمح کا امیہ بن خلف کے علاوہ کچھ دوسرے بھی تھے۔ (ان میں سے گیارہ مشرک جنگ بدر میں مارے گئے۔ تین یعنی ابو سفیان، جبیر اور حکیم اسلام سے مشرف ہوئے)۔ لیکن ابو لہب دانستہ غیرحاضر تھا تاکہ جو کچھ طے ہو اسکی غیر حاضری میں طے ہوجائے۔ ایک روایت کے مطابق ایک شیخ نجد کی شکل میں ابلیس بھی ان میں شامل ہو گیا تھا (ابن ہشام، ابن سعد، اور طبری کے یہاں یہ روایت ہے لیکن شبلی نعمانی، محمد حسین ہیکل، اور ابو الاعلیٰ مودودی کے یہاں اسکا ذکر نہیں)

مجلس میں کچھ بحث و مباحثہ کے بعد یہ طے ہوا کہ اس مسئلے کا حل صرف یہ تھا کہ اسکی جڑ ہی کاٹ دی جائے۔ یعنی کسی طرح رسول اللہ ﷺ ہی درمیان سے ہٹا دیئے جائیں۔ ایک تجویز یہ پیش ہوئی کہ آپؐ کو قید کردیا جائے یہاں تک کہ قید ہی میں انتقال ہوجائے لیکن یہ قدم اس لئے غیر مناسب سمجھا گیا کہ یہ تو اہل یثرب کے جاں فروشوں کے لئے ایک دعوت نامہ ہوگا کہ مکہ پر حملہ کرکے اپنے آقا کو چھڑا لے جائیں۔ دوسری رائے تھی کہ آپؐ کو جلا وطن کردیں لیکن اس صورت میں یہ خطرہ تھا کہ آپؐ اپنے معجزانہ کلام سے دوسرے قبائل کو اپنا مطیع نہ کرلیں۔ آخر میں ابو جہل نے ایک تجویز پیش کی جس پر سب نے اتفاق کیا (کہتے ہیں کہ شیخ نجد نے پہلی دو تجاویز رد کردی تھیں لیکن اس تیسری تجویز کو بہت سراہا)۔ تجویز یہ تھی کہ مختلف قبائل کے چند افراد چن لئے جائیں جو ایک ساتھ رسول اللہ ﷺ پر تلواروں سے حملہ آور ہوں اور آپؐ کا کام تمام کردیں۔ اسطرح بنی ہاشم اور ان کے حلیف تمام قبائل سے انتقام لینے کی جرأت نہ کر سکینگے اور معاملہ خون بہا پر طے ہوجائے گا جو باقی اہل قریش مل کر ادا کر دینگے۔ ان افراد کو نامزد کردیا گیا اور طے ہوا کہ اسی شب تجویز پر عمل ہوجائے تاکہ افشائے راز کا امکان نہ رہے۔ مجلس کی اس کاروائی کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

> "اور (اے محمدؐ اس وقت کو یاد کرو) جب کافر لوگ تمہارے بارے میں
> چال چل رہے تھے کہ تم کو قید کردیں یاجان سے ماردیں یا وطن سے
> نکال دیں تو (ادھر تو) وہ چال چل رہے تھے اور (ادھر) خدا چال چل

رہاتھا۔ اور خدا سب سے بہتر چال چلنے والا ہے" (الانفال:۳۰)

کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تک یہ بات بذریعہ وحی پہنچ گئی(۱)۔ اور اللہ کی طرف سے آپؐ کو ہجرت کا حکم ہوگیا۔ آپؐ دوپہر کے وقت چہرے پر کپڑا لپیٹے ہوئے حضرت ابو بکرؓ کے مکان پر پہنچے عموماً حضرت ابو بکرؓ سے ملاقات کے لئے آپؐ صبح یا شام کے وقت جاتے تھے۔ اسوقت خلاف معمول تشریف آوری پر حضرت ابو بکرؓ سمجھ گئے کہ کوئی اہم معاملہ ہے۔ پوچھا "میں آپؐ پر قربان۔ اسوقت کیسے تشریف لائے"؟ آپؐ نے فرمایا"جو لوگ یہاں موجود ہوں انہیں ہٹادو"۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا "کوئی غیر نہیں۔ آپؐ کے اہل خانہ ہی ہیں"۔ پھر آپؐ نے بتایا " مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے"۔ حضرت ابو بکرؓ نے سوال کیا" کیا مجھے ہمراہی کا شرف مل سکے گا"؟ آپؐ نے اثبات میں جواب دیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں"میں نہیں جانتی تھی کہ فرط مسرت میں بھی آنسو نکل آتے ہیں جب تک کہ میں نے اپنے والدؓ کو اس وقت روتے ہوئے نہ دیکھا تھا"۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ روانگی کا سارا منصوبہ طے کیا۔ واپس گھر تشریف لائے۔ حضرتؓ علی کو سب کچھ بتایا۔ لوگوں کی جو امانتیں آپؐ کی تحویل میں تھیں ان کے متعلق حضرت علیؓ کو ہدایات دیں کہ آپؐ کی روانگی کے بعد لوگوں کو واپس کردیں۔ ان لوگوں کوجو آپؐ کے خون کے پیاسے تھے۔

جب اندھیرا چھا گیا تو جو لوگ آپؐ کے قتل کے لئے مامور تھے آپؐ کے مکان کے قریب اکٹھا ہوگئے۔ ایک شخص پہلے ہی سی ایسی جگہ موجود تھا جہاں سے اس نے آپؐ کو گھر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور پھر وہاں سے کسی کو باہر نکلتے نہ دیکھا تھا۔ سب کو یقین تھا کہ آپؐ گھر کے اندر موجود ہیں۔ آپؐ کو اور حضرت علیؓ کو بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ کافروں کا گروہ باہر جمع ہے۔ یہ بارہ اشخاص تھے جنکے نام یہ بتائے گئے ہیں: (۱) ابو جہل۔ (۲) حکم بن ابی العاص۔ (۳) عقبہ بن ابی معیط۔ (۴) نضر بن حارث۔ (۵) امیہ بن خلف۔ (۶) حارث بن قیس۔ (۷) زمعہ بن الاسود۔ (۸)طعیمہ بن عدی۔ (۹) ابو لہب۔ (۱۰) ابی بن خلف۔ (۱۱) نبیہ بن حجاج۔ (۱۲) منبہ بن حجاج۔

کسی نے سوچا کہ دیوار پھاند کر اندر گھس جائیں۔ لیکن اندر سے خواتین کی آوازیں

سنائی دیں یہ حضرت سودہؓ، حضرت ام کلثومؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت ام ایمنؓ کی گفتگو کی آواز تھی۔ ایسے مکان میں یوں داخل ہوجانا عربی غیرت و روایت کے خلاف تھا۔ اس لئے صبح تک انتظار کرنے کا فیصلہ کیا جو رسول اللہ ﷺ کے باہر نکلنے کا وقت تھا۔ اسی دوران رسول اللہ ﷺ نے اپنی یمنی چادر حضرت علیؓ کو دی اور فرمایا "اسے لپیٹ کر میرے بستر پر سوجاؤ۔ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا"۔ حضرت علیؓ کا جذبہ یقین قابل داد ہے کہ آپؐ کی ہدایت کے مطابق نہایت اطمینان سے آپؐ کے بستر پر سوگئے۔ رسول اللہ ﷺ خود سورۃ یٰس کی ابتدائی آیات پڑھتے ہوئے باہر نکلے۔ جو لوگ باہر دروازے کے قریب منتظر تھے ایسے مدہوش ہوئے کہ آپؐ کو دیکھ بھی نہ سکے۔ اور آپؐ ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ کے گھر کی طرف چل دیئے۔ راستے میں کسی اور نے آپؐ کو دیکھا۔ یہ شخص جب آپؐ کے مکان کے قریب سے گزرا اور قریش کے سرداروں کو آپؐ کا منتظر پایا تو بتایا کہ آپؐ کبھی کے جاچکے۔ ان لوگوں کو یقین نہ آیا۔ گھر میں جھانک کر دیکھا تو آپؐ ہی کی یمنی چادر اوڑھے ہوئے کوئی لیٹا نظر آیا۔ یقین ہوگیا کہ اس راہ گیر کو غلط فہمی ہوئی۔ آپؐ ابھی گھر ہی میں ہیں۔ اس یقین کے ساتھ صبح تک انتظار کرتے رہے۔

یہ ماہ صفر کے آخری دنوں کی اندھیری رات تھی۔ آپؐ آدھی رات کے قریب حضرت ابو بکرؓ کے یہاں پہنچے۔ وہ پہلے ہی سے منتظر تھے۔ کچھ توشہ اور اپنی کل باقی ماندہ پونجی تقریباً پانچ چھ ہزار درہم ساتھ لئے(۲)۔ پھر دونوں ایک عقبی دروازے سے نکل کر جنوب کی سمت روانہ ہوگئے۔ شہر کے حدود سے نکلتے وقت رسول اللہ ﷺ حزورہ کے مقام پر ٹھہرے۔ شہر کی طرف رخ کیا اور فرمایا "مکہ۔ واللہ تو مجھے خدا کی زمین میں سب سے زیادہ پیارا ہے اور خدا کو بھی تو ہی سب مقامات سے زیادہ محبوب ہے۔ اگر تیرے یہاں کے رہنے والے مجھے نہ نکالتے تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا"۔ یہاں سے آپؐ جبل ثور کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ کبھی آپؐ کے آگے ہوتے کبھی پیچھے۔ آپؐ نے سبب پوچھا تو عرض کیا "کبھی خیال آتا ہے کہ دشمن عقب سے نہ آجائے تو پیچھے ہو جاتا ہوں۔ کبھی سوچتا ہوں کہ آگے کوئی خطرہ نہ ہو تو آگے ہو جاتا ہوں"۔

جبلِ ثور کی دشوار گزار راہوں سے گزر کر ایک غار میں مکہ سے تقریباً ۸ کلو میٹر کے فاصلے پر پناہ لینا چاہی۔ حضرت ابو بکرؓ پہلے غار میں داخل ہوئے۔ اسے صاف کیا جو سوراخ نظر

آ ئے انہیں بند کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ اندر گئے اور آرام فرمایا۔ مشکوۃ شریف میں روایت ہے کہ یہاں رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ کے زانو پر سر رکھ کر سو رہے تھے۔ حضرت ابو بکر نے غار کے ایک سوراخ کو اپنے پیر سے بند کر رکھا تھا۔ پیر میں ایک سانپ نے کاٹ لیا۔ مگر انہوں نے پیر کو حرکت نہ دی مبادا انؐ کے محبوب رسول اللہ ﷺ جاگ جائیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کی آنکھ کھلی تو آپؐ نے اپنا لعاب دہن حضرت ابو بکر کے پیر پر اس جگہ لگایا جہاں سانپ نے کاٹا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کی تکلیف دور ہو گئی (۳)۔

یہ ماہ صفر ۱۴ نبوی کی ستائیسویں شب کا آخری پہر تھا۔ مطابق ۱۲۔ ۱۳ ستمبر ۶۲۲ء۔

☆ ☆
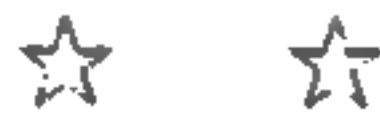
(۱) ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ سازش کا خفیہ رہنا مشکل تھا۔ آنحضرت ﷺ کی ایک خالہ کو اطلاع مل گئی اور انہوں نے جلد آکر آپؐ کو خبردار کیا (محمد حمید اللہ 'محمد رسول اللہؐ' مطبوعہ 'نقوش رسول نمبر' جلد دوم صفحہ ۵۶۸، ۵۶۹)۔ ابن سعد کے یہاں روایت ہے کہ اس سازش کی اطلاع آپؐ کو رقیقہؓ بنت ابو صیفی بن ہاشم نے دی جو نوفل بن اھیب بن عبدمناف کی زوجہ تھیں۔ رشتے میں آپؐ کی پھوپھی ہوتی تھیں (ابن سعد 'طبقات' حصہ ہشتم صفحہ ۴۷)

(۲) قبل اسلام حضرت ابو بکرؓ کے پاس تقریباً چالیس ہزار درہم تھے۔ یہ سب رقم اسلام کی خدمت اور مسلم غلاموں کو آزادی دلانے میں خرچ ہوئی۔ ہجرت کے وقت صرف پانچ چھ ہزار درہم بچے تھے۔ وہ ساتھ لے لئے۔ ان کے والد ابو قحافہ نے جو نابینا تھے حضرت اسماءؓ سے کہا "معلوم ہوتا ہے ابو بکرؓ تم کو بھوکا چھوڑ گیا۔ تمہارے لئے کچھ نہیں چھوڑا۔" حضرت اسماءؓ نے اس برتن میں کچھ سنگریزے رکھ دیئے جس میں حضرت ابو بکرؓ اپنی رقم رکھتے تھے۔ اسے کپڑے سے ڈھانپ کر طاق میں رکھ دیا۔ پھر اپنے دادا کا ہاتھ پکڑ کر طاق کے پاس لے گئیں۔ دادا نے برتن ٹٹولا تو سمجھے کہ درہم ہیں۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ حقیقتاً ان کے والدؓ نے کوئی رقم نہ چھوڑی تھی۔ صرف اپنے دادا جان کو اطمینان دلانے کے لئے ایسا کیا (ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۳۲۶، ۳۲۷)

(۳) مشکوۃ شریف جلد سوم صفحہ ۲۲۸ (باب مناقب ابی بکرؓ)۔

(۵۶) لا تحزن ان اللہ معنا

علی الصبح رسول اللہ ﷺ کے مکان کا دروازہ کھلا۔ آپؐ کو قتل کرنے کے لئے جو لوگ باہر منتظر تھے یکبارگی حملے کے لئے تیار ہوئے۔ لیکن جو صاحب سبز یمنی چادر اوڑھے ہوئے باہر نکلے وہ حضرت علیؓ تھے۔ ان کافروں کو حیرت ہوئی۔ حضرت علیؓ سے آپؐ کے متعلق پوچھا انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ تب جو کچھ رات گزرا تھا اسکی حقیقت ان پر روشن ہوئی۔ حضرت علیؓ کو پکڑ کر حرم میں لے گئے۔ بہت کچھ ڈرایا دھمکایا۔ کچھ دیر کے لئے قید کرلیا۔ پھر نا امید ہو کر چھوڑنا پڑا خصوصاً اس لئے کہ انہیں معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ ان کی امانتیں واپس کرنے کے لئے ٹھہر گئے تھے۔

اسکے بعد یہ مشرکین حضرت ابو بکرؓ کے مکان پر گئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو حضرت اسماءؓ باہر آئیں۔ ابو جہل نے پوچھا "تمہارا باپ کہاں ہے"؟ حضرت اسماء نے مختصر سا جواب دیا "خبر نہیں" کمبخت ابو جہل نے جھنجلا کر انؓ کے ایسا تماچہ مارا کہ کان کی بالی ٹوٹ کر دور جا پڑی۔

اب اسکے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ہر طرف رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے رفیقؓ کی گرفتاری کے لئے لوگ دوڑائے جائیں۔ پہلا خیال یہی آیا کہ دونوں حضرات یثرب یعنی شمال کی طرف گئے ہونگے۔ سوار یثرب کے راستوں پر دوڑائے گئے مگر ناکام واپس آئے۔ اعلان کیا گیا کہ جو دونوں میں سے کسی کو زندہ یا مردہ حاضر کریگا ایک سو اونٹ انعام میں پائے گا۔ مزید تلاش شروع ہوئی۔ تجربہ کار کھوجی (عربی بدوؤں میں جسکی کمی نہیں) سرگرم تلاش ہوئے۔

اُدھر حضرت ابو بکرؓ نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ غروب آفتاب کے وقت ان کی بکریوں کے محافظ عامر بن فہیرہؓ بکریوں کا ریوڑ لے کر آجاتے۔ ساتھ ہی عبداللہؓ بن ابو بکرؓ بھی ہوتے۔ دونوں حضرات کو بکری کا دودھ فراہم ہو جاتا۔ حضرت اسماء کچھ تازہ کھانا بھی پہنچا دیتیں۔ عبداللہؓ

(حضرت ابو بکرؓ کے بیٹے) رات کو دونوں کے ساتھ قیام کرتے۔ عامرؓ بکریاں واپس لے جاتے کہ عبداللہؓ کے قدموں کے نشانات مٹ جائیں۔ طلوع سحر سے پہلے ہی عبداللہؓ واپس ہوتے۔ مکہ میں دن بھر کی خبریں انہیں معلوم ہو جاتیں جو شب کو رسول اللہ ﷺ اور اپنے والدؓ کو پہنچا دیتے۔ انہی سے ان حضرات کو معلوم ہوا کہ ان کی گرفتاری کے لئے گرانقدر انعام مقرر ہوا ہے۔

جب شمال کی سمت جانے والے راستوں پر کوئی سراغ نہ ملا۔ تو کچھ تلاش کرنے والوں نے جنوب کا رخ کیا۔ دو ہوشیار کھوجی جو بکریوں کے کھروں کے نشانات میں انسانی قدم پہچان سکتے تھے جبل ثور تک پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک کھوجی کا نام کرز بن علقمہ خزاعی تھا۔ اس نے بتایا کہ یہاں سے آگے قدموں کے نشاں معدوم تھے۔ تلاش کرتے کرتے یہ جماعت اس غار کے دہانے تک پہنچ گئی جہاں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ چھپے ہوئے تھے۔

غار میں سے حضرت ابو بکرؓ نے پرندوں کے پھڑ پھڑانے کی اواز سنی جو غالباً جنگلی کبوتروں کا جوڑا تھا۔ پھر چند لوگوں کے بولنے کی آوازیں آئیں اور قدموں کی آہٹ بھی۔ یہ عبداللہؓ کے آنے کا وقت نہ تھا اس لئے کچھ تشویش ہوئی۔ جھانک کر باہر دیکھا تو دشمنوں کے پیر نظر آئے۔ گھبرا کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا "ان میں سے کوئی نیچے جھک کر دیکھے گا تو ہمیں پالے گا"۔ آپؐ نے اطمینان دلایا "ابو بکرؓ۔ ان دو کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے"(۱)۔ ایسے نازک وقت میں یہ الفاظ ایک رسول برحق ہی کے ہو سکتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت ابو بکرؓ کے آنسو نکل آئے تو عرض کیا کہ "میں اس لئے نہیں روتا کہ یہ لوگ ہمیں دیکھ کر ہم تک پہنچ جائیںگے بلکہ اس لئے روتا ہوں کہ کہیں میری نظروں کے سامنے آپؐ کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" (غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے) اس واقع کا ذکر سورۃ توبہ میں ہے۔ ہجرت کے آٹھ نو سال بعد لوگوں کو یاد دلایا گیا:

"اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو گے تو خدا انکا مددگار ہے (وہ وقت تمکو یاد ہوگا) جب ان کو کافروں نے گھر سے نکال دیا تھا (اس وقت) دو (ہی) شخص تھے جن) میں (ایک ابو بکرؓ تھے) دوسرے (خود رسول اللہؐ)۔ جب

وہ دونوں غار (ثور) میں تھے اسوقت پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دیتے تھے کہ غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ تو خدا نے ان پر تسکین نازل فرمائی اور انکو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تم کو نظر نہیں آتے تھے۔ اور کافروں کی بات کو پست کردیا۔ اور بات تو خدا ہی کی بلند ہے اور خدا زبردست (اور) حکمت والا ہے" (التوبہ۔ ٤٠)(٢)

قریش کی اس جماعت نے غار کے باہر ببول کے جھاڑ جھنکار اور مکڑی کا جالا تنا ہوا دیکھا۔ کسی نے کہا کہ غار میں جاکر دیکھنا چاہیئے۔ لیکن امیہ بن خلف بولا "غار کے منہ پر مکڑی کا جالا تنا ہوا ہے جو محمد (ﷺ) کی پیدائش سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے"۔ آخر اللہ کی قدرت کہ اسقدر قریب پہنچنے کے بعد بھی یہ لوگ نا امید ہو کر واپس چلے آئے۔ اکثر ارباب سیر نے اسے ایک معجزہ (٣) قرار دیا ہے کیونکہ غار میں رسول اللہ ﷺ کے داخلے کے وقت نہ دہانے پر ببول کا درخت تھا نہ کبوتروں کا گھونسلہ اور نہ مکڑی کا جالا مندرجہ بالا آیت کے یہ الفاظ بھی :

" ان کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تمکو نظر نہیں آتے تھے"

کسی معجزے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ویسے تلاش کرنے والوں کا غار کے دہانے تک پہنچ کر لوٹ جانا بذاتِ خود معجزے سے کم نہیں۔

مسلسل ناکامیوں کے بعد قریش کچھ مایوس سے ہوگئے تھے اور تلاش میں وہ انہماک نہ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ تین دن غار ثور میں مقیم رہے۔ جب اندازہ ہوگیا کہ تلاش کرنے والوں کے حوصلے پست ہوگئے ہیں تو چوتھے دن طلوع آفتاب سے قبل ہی رات کے دھندلکے میں غار سے نکلے۔ منصوبے کے مطابق نیچے عبداللہ بن اریقط لیثی (اسکا نام عبداللہ بن ارقد بھی بتایا گیا ہے) دو ناقے لئے منتظر تھا۔ یہ صحرائی راستوں کا بڑا واقف کار تھا۔ گو مسلمان نہ تھا مگر حضرت ابو بکرؓ کو اس پر مکمل اعتماد تھا اور اچھی اجرت پر اسے رہبری کے لئے تیار کر رکھا تھا۔ یہ وہی شخص تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے طائف سے واپسی کے وقت حرا سے مکہ کے چند سرداروں کے پاس حصول پناہ کے لئے بھیجا تھا۔ عامر بن فہیرہؓ بھی موجود تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اچھی اونٹنی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ آپؐ نے قیمت دریافت کی اور مصر ہوئے کہ قیمتاً ہی لینگے۔ اس موقع پر حضرت اسماء الوداع کہنے آئی تھیں۔ ساتھ توشے کا ایک تھیلا تھا۔ اتفاقاً تھیلا باندھنے کے

لئے کوئی رسی نہ تھی۔ تو انہوں نے اپنی کمر کی پٹی جسے نطاق کہتے ہیں کھولی اسے پھاڑ کر دو حصے کئے۔ ایک کو کمر میں باندھا اور دوسرا تھیلے کو اونٹنی کے کجاد سے باندھنے کے لئے استعمال کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں 'ذات النطاقین' کے لقب سے سرفراز فرمایا(۴)۔

ایک ناقے پر رسول اللہ ﷺ سوار ہوئے جو قصویٰ کے نام سے مشہور ہوئی۔ دوسری پر حضرت ابو بکر اور عامر بن فہیرہ۔ آگے آگے عبداللہ راہبری کے لئے پیدل یا اپنے اونٹ پر تھا۔ ربیع الاول ۱۴ نبوی کی چوتھی تاریخ (مطابق ۱۶ ستمبر ۶۲۲ء) دوشبہ کو منہ اندھیرے ہی چار اشخاص کا یہ چھوٹا سا قافلہ نہایت ناسازگار حالات میں اپنے پر خطر سفر پر روانہ ہوا۔ ایک ایسے سفر پر جس نے دنیا کی تاریخ بدل دی۔ کون کہہ سکتا تھا کہ ایک دن اسی سفر کی بدولت قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کا تختہ الٹ جائیگا۔ (۵)

☆ ☆

(۱) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۹۰۸ (کتاب التفسیر۔ باب قولہ ثانیَ الاثنین) ثانی الاثنین کا لقب حضرت ابوبکرؓ کے لئے بڑا باعث فخر تھا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابتؓ سے پوچھا کہ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی شان میں بھی کچھ اشعار لکھے ہیں تو حضرت حسان نے دو اشعار سنائے جنکا مفہوم یہ ہے:

" آپؓ ثانیَ الاثنین (دو میں دوسرے) تھے اس بابرکت غار میں
اور دشمن نے انکے گرد چکر لگایا جب وہ پہاڑ پر چڑھا۔
وہ اللہ کے رسولؐ کے محبوب تھے اور لوگوں کو علم تھا
کہ حضورؐ ساری مخلوق میں کسی کو انؓ کا ہم پلہ نہیں سمجھتے"

یہ اشعار سنکر رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا "حسان۔ تم نے سچ کہا ابو بکرؓ ایسے ہی ہیں"۔

ہمت او کشتِ ملت را چو ابر
ثانی اسلام و غار و بدر و قبر

(اقبال مرحوم)

(۲) سورۃ توبہ اسوقت نازل ہوئی جب عہد نبوی میں اسلام کی ظاہر فتح مندیاں تکمیل کو پہنچ چکی تھیں اس سورۃ میں ہجرت کے اس وقت کی یاد تازہ کرنا بڑا پر معنی ہے " معلوم ہوتا ہے کہ بے سرو سامانی اور

غربت کے اس عمل میں نصرت الٰہی کی بڑی معنویت پوشیدہ تھی (ابو الکلام آزاد 'رسول رحمت' صفحہ ۲۱۶، ۲۱۷)

(۳) شبلی نعمانی نے اس معجزے کی روایت کو غلط بتایا ہے۔ وہ کہتے ہیں" اسکا اصل راوی عون بن عمرو ہے۔ اسکی نسبت امام فن رجال یحیٰی بن معین کا قول ہے 'لاشئی' (یعنی ہیچ ہے)......... اور ایک اور راوی ابو مصعب مکی ہے۔ وہ مجہول الحال ہے"۔

(۴) یہ ابن اسحاق کی روایت ہے (الفرید غیوم 'دی لائف آف محمدؐ' صفحہ ۲۲۴)۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت ابو بکرؓ کے مکان سے رخصت ہوتے وقت پیش آیا تھا (ابن کثیر 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۴۶۱)۔ یہی حضرت عائشہؓ کے حدیث سے معلوم ہوتا ہے جو بخاری شریف میں ہے (صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۵۶۰ (کتاب الانبیاء۔ باب ہجرۃ النبیﷺ و اصحابہ الی المدینہ) یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔

(۵) دوسری روایت کے مطابق ربیع الاول کی پہلی تاریخ تھی (مطابق ۱۳ ستمبر)۔ دوشنبہ کے دن پر کوئی اختلاف نہیں۔

(۵۷) سفر ہجرت

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں چاہا کہ مسلمانوں کا اپنا ایک انفرادی سنہ ہونا چاہئے جو یہودیوں اور نصرانیوں کے سنہ سے مختلف ہو۔ اپنے قومی سنہ کی ابتدا قرار دینے کے لئے ان کے سامنے کئی چیزیں تھیں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کی پیدائش 'آپؐ کی بعثت (پہلی وحی کا نزول) 'جنگ بدر' فتح مکہ 'حجتہ الوداع' وغیرہ۔ حضرت علیؓ سے مشورہ لیا تو انہوں نے رائے دی کہ اسلامی سنہ کا آغاز واقعہ ہجرت سے ہونا چاہئے۔ حضرت علیؓ کی یہ بات (جنہیں رسول اللہ ﷺ نے شہر حکمت کے باب کے لقب سے نوازا) حضرت عمرؓ کے دل میں اتر گئی۔ تمام صحابہ بھی اس رائے سے متفق ہوئے اور واقعہ ہجرت ہی کو اسلامی سنہ کے آغاز کے لئے اختیار کر لیا گیا(۱)۔ اس سے سفر ہجرت کی عظمت اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ■

ابن اریقط کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ایسا غیر مانوس راستہ اختیار کرے جو قریشیوں کی رسائی سے حتی الوسع محفوظ ہو۔ اس راہبر نے پہلے جنوب ہی کی طرف رخ رکھا۔ پھر مغرب کی طرف مڑ کر بحر احمر کے ساحل کے قریب پہنچا۔ یہاں ایک غیر معروف راستے سے شمال کی طرف مڑا۔ کچھ دور چل کر یثرب کے لئے شمال مشرق کی سمت اختیار کی۔ ابن ہشام نے تمام منازل کے یہ نام دیئے ہیں: عسفان، امج، قدید، ثنیتہ المرہ، لقف، مدلجہ لقف، ذی غضوین، ذی کشر جدَدِ اجد، اَجرد، ذوسلم، عبابید، فاجہ، عرج، ثنیتہ العائر، وادی رِئم، اور پھر قبا، اس سفر میں کل آٹھ دن صرف ہوئے۔ دوران سفر اللہ کی طرف سے یہ بشارت بھی دی گئی:

"(اے پیغمبر) جس (خدا) نے تم پر قرآن (کے احکام) کو فرض کیا ہے وہ تمہیں باز گشت کی جگہ لوٹا دیگا۔ کہہ دو میرا پروردگار اس شخص کو

بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا اور (اس کو بھی) جو صریح گمراہی میں ہے" (القصص ۸۵)

اکثر مفسرین نے یہاں 'معاد' (باز گشت کی جگہ) سے مکہ مراد لیا ہے۔ شاہ عبدالقادر 'موضح قرآن' میں لکھتے ہیں" یہ آیت اتری ہجرت کے وقت۔ تسلی فرمادی کہ پھر مکہ لوٹو گے۔ سو خوب طرح آئے۔ پورے غالب ہوکر۔" یہ امر قابل غور ہے کہ اسی سورۃ القصص میں حضرت موسیٰؑ کی مصر میں کامیاب واپسی کا ذکر ہے۔

حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ جبل ثور سے روانہ ہو کر ایک دن اور ایک رات برابر سفر کیا۔ پھر دوسرے دن دوپہر کو ایک چٹان کا سایہ دیکھا تو وہاں ٹھہرے۔ رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک چادر بچھا دی کہ کچھ دیر آرام فرمالیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے ادھر ادھر نظر ڈالی تو یک چرواہا نظر آیا جو اپنی بکریاں لئے چٹان کی طرف آرہا تھا۔ اس سے پوچھا کہ کچھ دودھ دے سکے گا۔ وہ تیار ہوگیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اسکے ہاتھ اور بکری کے تھن دھلوائے۔ اس نے بکری کا دودھ ایک صاف برتن میں دوہا۔ حضرت ابو بکرؓ نے برتن پر پانی بہا کر دودھ کو ٹھنڈا کیا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ جاگ گئے۔ دودھ آپؐ کو پیش کیا۔ آپؐ نے نوش فرمایا تو حضرت ابو بکرؓ کو بڑی مسرت ہوئی(۲)۔

اس سفر کا دوسرا مشہور واقعہ ام معبد (عاتکہ بنت خالد) کا ہے۔ یہ ایک معزز خاتون تھیں۔ تعلق قبیلہ خزاعہ کی شاخ بنی کعب سے تھا۔ ان کے خیمے قدید کے علاقے کے قریب تھے۔ اس طرف سے گزرنے والوں کی میزبانی کرتی رہتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ اور تینوں ہمراہی ان کے خیموں پر پہنچے تو ام معبد کو ایک خیمے کے سامنے بیٹھا پایا۔ کچھ کھانے پینے کو طلب کیا۔ مگر یہ زمانہ سخت قحط سالی کا تھا۔ ام معبد نے معذوری ظاہر کی کہ" کچھ ہوتا تو ضرور پیش کرتی"۔ قریب ہی اک لاغر سی بکری کھڑی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا "یہ کچھ دودھ دے سکتی ہے"۔ ام معبد نے بتایا کہ بکری اسقدر کمزور اور لاغر تھی کہ دوسری بکریوں کے ساتھ چرنے بھی نہ جاسکتی تھی۔ اسمیں دودھ کہاں سے ہو سکتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا "اجازت ہو تو میں اسکا دودھ دوہ کر دیکھوں"۔ خاتون نے کہا "آپؐ اس میں کچھ دودھ پائیں تو ضرور دوہ لیں"۔ آپؐ نے بکری کی پشت اور تھنوں پر دستِ مبارک پھیرا اور بسم اللہ کہہ کر دوہنا شروع کیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ آپؐ نے ایک برتن دودھ سے بھرا۔ ام

معبد اور ساتھیوں کو پلایا۔ آخر میں خود نوش کیا اور فرمایا "سَاقِی الْقَوْمِ آخِرُ ھُم" (پلانے والا آخر میں پیتا ہے)۔ اسکے بعد برتن کو دوبارہ دودھ سے بھرا اور ام معبد کو دیا کہ ان کا شوہر آئے تو اسے پلائیں۔ پھر یہ مختصر سا قافلہ آگے روانہ ہوا۔ شوہر (ابو معبد) واپس ہوئے تو تازہ دودھ سے بھرا ہوا برتن دیکھ کر حیران ہوئے۔ ام معبد نے سارا واقعہ بیان کیا کہ کسطرح ایک مبارک ہستیؐ اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ گزری تھی اور کسطرح اس لاغر بکری کو دوھنے میں کامیاب ہوئی۔ ابو معبد نے آپؐ کا حلیہ دریافت کیا تو ام معبد نے آپؐ کے حسن و جمال اور خوش گفتاری کا ذکر کیا(۳)۔ ابو معبد بولے "یقیناً یہ وہی قریش بزرگؐ تھے جن کی بابت ہم نے سن رکھا ہے۔ موقع ملا تو ان سے ضرور ملونگا۔ کہتے ہیں کہ بعد میں ام معبد اور ان کے شوہر مسلمان ہوئے اور مدینہ جاکر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے(۴)۔

حضرت ابو بکر نے اس سفر کے دوران سراقہ بن مالک بن جعشم کا واقعہ بھی بیان فرمایا ہے۔ یہ بنی مدلج کا رئیس تھا۔ اپنی جرات اور بہادری کے لئے مشہور تھا۔ رابغ کے علاقے پر اسکا قبیلہ قابض تھا۔ حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ "ہم لوگ روانہ ہوئے تو قوم کو ہماری تلاش تھی۔ مگر سراقہ بن مالک بن جعشم کے سوا جو اپنے گھوڑے پر آیا تھا۔ ہمیں کوئی نہ پا سکا"(۵)۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب رسول اللہ ﷺ رابغ کے موجودہ قلعے کے قریب سے گزر رہے تھے خود سراقہ کا بیان اس کے بھتیجے عبدالرحمٰن بن حارث کے حوالے سے بخاری شریف میں ہے۔ سراقہ کا کہنا ہے کہ اسے قریش کے ایک قاصد سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کو قتل یا گرفتار کرنے پر سو اونٹوں کا انعام مقرر ہوا ہے۔ وہ ایک مجلس میں تھا کہ کسی نے بتایا کہ ساحل کے قریب کچھ لوگ گزرتے نظر آئے تھے شاید یہ وہی حضرات ہوں۔ سراقہ سمجھ گیا کہ اس شخص کا خیال صحیح تھا مگر اس نے بات ٹال دی۔ کچھ دیر کے بعد مجلس سے اٹھا۔ اپنے گھر جاکر ہتھیار باندھے اور ایک تیز رفتار گھوڑے پر رسول اللہ ﷺ کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ تیروں سے فال نکالی تو نفی میں نکلی مگر انعام کی لالچ میں کچھ خیال نہ کیا۔ اور تعاقب تیزی سے جاری رکھا۔ یہاں تک کہ ان حضرات کے قریب پہنچ گیا۔ یکایک گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ یہ گر پڑا۔ اٹھ کر پھر فال نکالی جواب نفی میں تھا۔ لیکن اس نے پرواہ نہ کی۔ پھر گھوڑے پر سوار ہوا۔ جب دوبارہ قریب پہنچا تو گھوڑے کے اگلے دو پاؤں ریت میں دھنس گئے۔ فال پھر نفی میں نکلی تو یقین ہوگیا کہ کامیاب نہ ہوسکے گا۔ رسول اللہ ﷺ کو امان طلبی کے لئے پکارا۔ آپؐ ٹھہر

گئے۔ سراقہ قریب آیا اور امان چاہی۔ کچھ توشہ دینا چاہا مگر آپؐ نے قبول نہ کیا۔ صرف اتنا فرمایا کہ "ہماری بابت رازداری سے کام لینا"۔ سراقہ نے امن کی تحریر کے لئے درخواست کی۔ آپؐ نے عامرؓ سے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر تحریر لکھواکر دیدی۔ سراقہ نے تحریر اپنے ترکش میں رکھی اور واپس ہوگیا۔ دوسرے تلاش کرنے والے اسے ملے تو انہیں بتایا کہ وہ اسطرف گشت لگا چکا ہے اور ادھر سے رسول اللہ ﷺ نہیں گزرے تھے۔ الاستیعاب میں ہے کہ سراقہ واپس ہونے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "سراقہ اس وقت تیری کیا شان ہوگی جب تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن پہنائے جائینگے"۔ سراقہ جنگ احد کے بعد مسلمان ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں جب مدائن فتح ہوا اور کسریٰ کا تاج اور زیورات وغیرہ حاصل ہوئے۔ تو حضرت عمرؓ نے سراقہؓ کو بلوایا اور ان کے ہاتھوں میں کنگن پہنا کر فرمایا "اللہ اکبر۔ اللہ کی بڑی شان ہے کہ کسریٰ کے کنگن (جو کہتا تھا کہ میں لوگوں کا خدا ہوں) سراقہ اعرابی کے ہاتھوں میں پہنائے"۔(۶)

اس سفر میں بریدہ بن الحصیب غمیم کے مقام پر رسول اللہ ﷺ سے ملے۔ اپنے قبیلے کے اسی گھرانوں کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ مولانا مودودی مرحوم لکھتے ہیں" اسکے معنی یہ ہیں کہ پہلے سے یہ لوگ اسلام سے متاثر تھے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ محض سفر میں چلتے چلتے ایک ہی ملاقات کا یہ نتیجہ نہیں ہوسکتا کہ ۸۰ گھر مسلمان ہوجائیں"(۷)۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا کہ یہ انعام کی لالچ میں حضور ﷺ کو گرفتار کرنے کے لئے نکلے تھے مگر آپؐ سے ملے تو خود آپؐ کے گرویدہ ہوگئے(۸)۔ ابن اسحاق اور ابن ہشام کے یہاں یہ واقعہ مذکور نہیں ابن سعد نے صرف اسقدر لکھا ہے کہ سفر ہجرت کے دوران یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے (انعام کی لالچ اور گرفتاری کے قصد کا ذکر نہیں)(۹)۔ محمد حسین ہیکل بھی یہی کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بنی سہم کے خیموں کے قریب پہنچے تو قبیلے کے سردار بریدہ اسلمی نے "خندہ پیشانی سے استقبال کیا"(۱۰)۔

یثرب پہنچنے سے قبل ان مسافران کرام کی ملاقات حضرت زبیر بن عوام(۱۱) سے ہوگئی۔ وہ شام سے تجارتی سامان لئے یثرب ہوتے ہوئے مکہ جارہے تھے۔ ارادہ تھا کہ مکہ میں سامان فروخت کرکے یثرب کی طرف ہجرت کرینگے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں عمدہ سفید پوشاکیں پیش کیں جو ان حضرات نے زیب تن فرمائیں۔

اب یثرب قریب تھا۔ یہاں یہ اطلاع پہنچ چکی تھی کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے روانہ

ہو چکے ہیں۔ سارا شہر ہمہ تن انتظار تھا۔ صبح ہوتے ہی مسلمان حرہ قبا پر جمع ہوجاتے۔ دوپہر تک انتظار کرتے۔ جب دھوپ بہت تیز ہوجاتی تو گھروں کو واپس چلے جاتے۔ ۱۲ ربیع الاول (۱۲) کی طلوع سحر سے ذرا پہلے چار حضرات کا یہ قافلہ وادی عقیق پہنچا۔ یہاں سے سیاہ پتھروں کے علاقے کی چڑھائی شروع ہوئی۔ چوٹی تک پہنچتے پہنچتے خوب دھوپ نکل آئی۔ دوسری طرف نیچے میدانی علاقہ نظر آرہا تھا۔ دو سیاہ پتھریلے علاقوں کے درمیان یہ وہی سرسبز وادی تھی جو حضور ﷺ خواب میں دیکھ چکے تھے۔ کھجوروں کے خاکستری سبز جھنڈ اور دوسرے ہلکے ہرے باغات دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ منزل مشکل سے تین میل رہ گئی تھی۔

جب دھوپ تیز ہوئی تو انتظار کرنے والے مسلمان حرہ سے اپنے گھروں کو واپس ہوگئے۔ اتفاقاً ایک یہودی اپنے گھر کی چھت پر تھا۔ اسے کچھ سفید لباس سیاہ پتھروں کے پس منظر میں چمکتے ہوئے دکھائی دیئے۔ سمجھا کہ یہی وہ حضرات ہیں جنکا انتظار روزانہ کیا جاتا تھا۔ بلند آواز سے بار بار پکارنے لگا "اے بنی قیلہ تمہارے سردار آ پہنچے"۔ اس صدا کا سننا تھا کہ بنی عمرو بن عوف کے مرد، عورتیں اور بچے گھروں سے نکل پڑے اور اللہ اکبر کہتے ہوئے استقبال کو بڑھے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ کے قاصد (عامر بن فہیرہؓ یا عبداللہ بن اریقط) نے جسے آپؐ نے ذرا آگے روانہ فرما دیا تھا لوگوں کو آپؐ کی آمد کی اطلاع کردی۔ آپؐ اور حضرت ابو بکرؓ کھجوروں کے سائے میں تشریف فرما ہوگئے تھے۔ دیدار کے مشتاق شوق دید میں بے اختیار ٹوٹے پڑتے تھے۔ اکثر نہیں جانتے تھے کہ دونوں میں کون رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اتفاقاً آپؐ پر دھوپ پڑی تو حضرت ابو بکرؓ نے اٹھ کر اپنی چادر سے آپؐ کے سر پر سایہ کیا تو لوگ سمجھے اور آپؐ پر سلاموں کی بارش ہونے لگی۔

حضرت کلثوم بن ھدم قبیلہ اوس کی شاخ بنی عمرو بن عوف کے سردار تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہی کے یہاں قیام فرمایا۔ اس خیال سے کہ بنی خزرج شرف میزبانی سے محروم نہ رہ جائیں حضرت ابو بکرؓ کچھ فاصلے پر سُخ کے محلے میں ایک خزرجی حبیب بن اسافؓ (دوسری روایت کے مطابق خارجہ بن زیدؓ)(۱۳) کے یہاں مقیم ہوئے۔ دوسرے تیسرے روز حضرت علیؓ بھی تشریف لے آئے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ٹھہرے۔ انہیںؓ روانگی سے قبل مکہ والوں کی امانتیں واپس کرنے میں تین دن لگ گئے تھے۔ انہوں نے سفر پا پیادہ کیا۔ آج اس شیر خدا کو جسے اس سست رفتار دور کے صرف ۳۵ سال بعد وقت کی عظیم ترین حکومت کا سربراہ ہونا تھا

اس طویل سفر کے لئے کوئی سواری میسر نہ تھی۔

☆ ☆

(۱) واضح ہو کہ اہل عرب محرم کو سال کا پہلا مہینہ قرار دیتے تھے۔ اس لئے ہجری تاریخ کی ابتدا یکم محرم (مطابق ۱۶ جولائی ۶۲۲ء) سے کی گئی۔ اس طرح ہجرت سنہ ہجری کے تیسرے ماہ میں واقع ہوئی۔ تاریخ طبری میں ہے کہ ایک زمانہ تھا کہ نبی اسمٰعیلؑ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی تعمیر کعبہ سے تاریخ شمار کرتے تھے۔ جب نبی اسمٰعیلؑ منتشر ہوئے تو مختلف قبائل نے علیحدہ علیحدہ طریقے اختیار کرلئے۔ کعب بن لوئی کی وفات ہوئی تو نبی اسمٰعیل اس وفات سے تاریخ شمار کرنے لگے۔ یہ طریقہ واقعہ اصحاب فیل تک رہا۔ پھر واقعہ فیل سے تاریخ شمار ہونے لگی اور یہ طریقہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت تک رہا۔

(۲) صحیح بخاری۔ جلد دوم صفحہ ۵۷۰، ۵۷۱ (کتاب الانبیاء باب ہجرۃ النبی ﷺ و اصحابہ الی المدینہ)

(۳) ام معبد نے جو حلیہ شریف بیان کیا وہ مشہور ہے۔ ملاحظہ ہو باب ۱۹ 'حضرت خدیجہؓ'۔ حاشیہ

(۴) ابوالا علی مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۳۴۷۔ شبلی نعمانی اس واقعے کی صحت کے قائل نہیں (شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد سوم صفحہ ۴۲۵ تا ۴۲۷)

(۵) صفی الرحمٰن مبارکپوری 'الرحیق المختوم' صفحہ ۲۳۷

(۶) سلمان منصوری پوری 'رحمۃ للعالمینؐ' جلد اول صفحہ ۸۷، ۸۸

(۷) ابو الا علی مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۵۴۳

(۸) سلمان منصور پوری 'رحمۃ للعالمینؐ' جلد اول صفحہ ۹۰۔ ۹۱

(۹) ابن سعد 'طبقات' حصہ چہارم صفحہ ۳۷۴

(۱۰) محمد حسین ہیکل 'حیات محمدؐ' صفحہ ۲۵۵

(۱۱) بعض روایات میں حضرت زبیرؓ کے بجائے حضرت طلحہؓ کا نام ہے۔ (ولیم میور 'دی لائف آف محمدؐ' صفحہ ۱۶۵)

(۱۲) سلمان منصور کی تحقیق کے مطابق رسول اللہ ﷺ مکہ سے پہلی ربیع الاول دو شبہ کو روانہ ہوئے اور ۸ ربیع الاول دو شنبہ کو قبا پہنچے۔ (سلمان منصورپوری 'رحمۃ للعالمینؐ' جلد اول صفحہ ۹۱) مکہ سے روانگی اور قبا پہنچنے کی تاریخوں میں مورخین کا تھوڑا بہت اختلاف ہے۔ مولانا مودودی مرحوم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ آپؐ مکہ کے شہر سے یکم ربیع الاول کی شب کو نکل کر غار ثور پہنچے۔ پھر تین دن کے بعد ۴ ربیع الاول کی رات کے آخری حصے میں مدینہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اور ۱۲ ربیع الاول کی دوپہر کو قبا

پہنچے۔ یعنی ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء کو۔ (ابو الاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۷۳۶، ۷۳۷)۔ ولیم میور کے یہاں بھی غار ثور سے آپؐ کی روانگی کی تاریخ ۴ ربیع الاول ہے۔ یہ آپؐ کی عمر کا ترپنواں سال تھا (ولیم میور 'دی لائف آف محمدؐ' (The Life of Mohammad) صفحہ ۱۴۱)

(۱۳) بعد میں حضرت ابو بکرؓ نے خارجہؓ کی صاحبزادی حبیبہؓ سے شادی کی۔ خارجہ بن زیدؓ حضرت ابو بکرؓ کے مواخاتی بھائی بھی ہوئے۔

سفرِ ہجرت

قبا

ثنیۃ الوداع

وادی رئم

ثنیۃ الغائر

عرج

عبابید

ذی سلم

مدلجہ لقف

لقف

ثنیۃ المرہ

قدید

عسفان

جدہ

جبل ثور
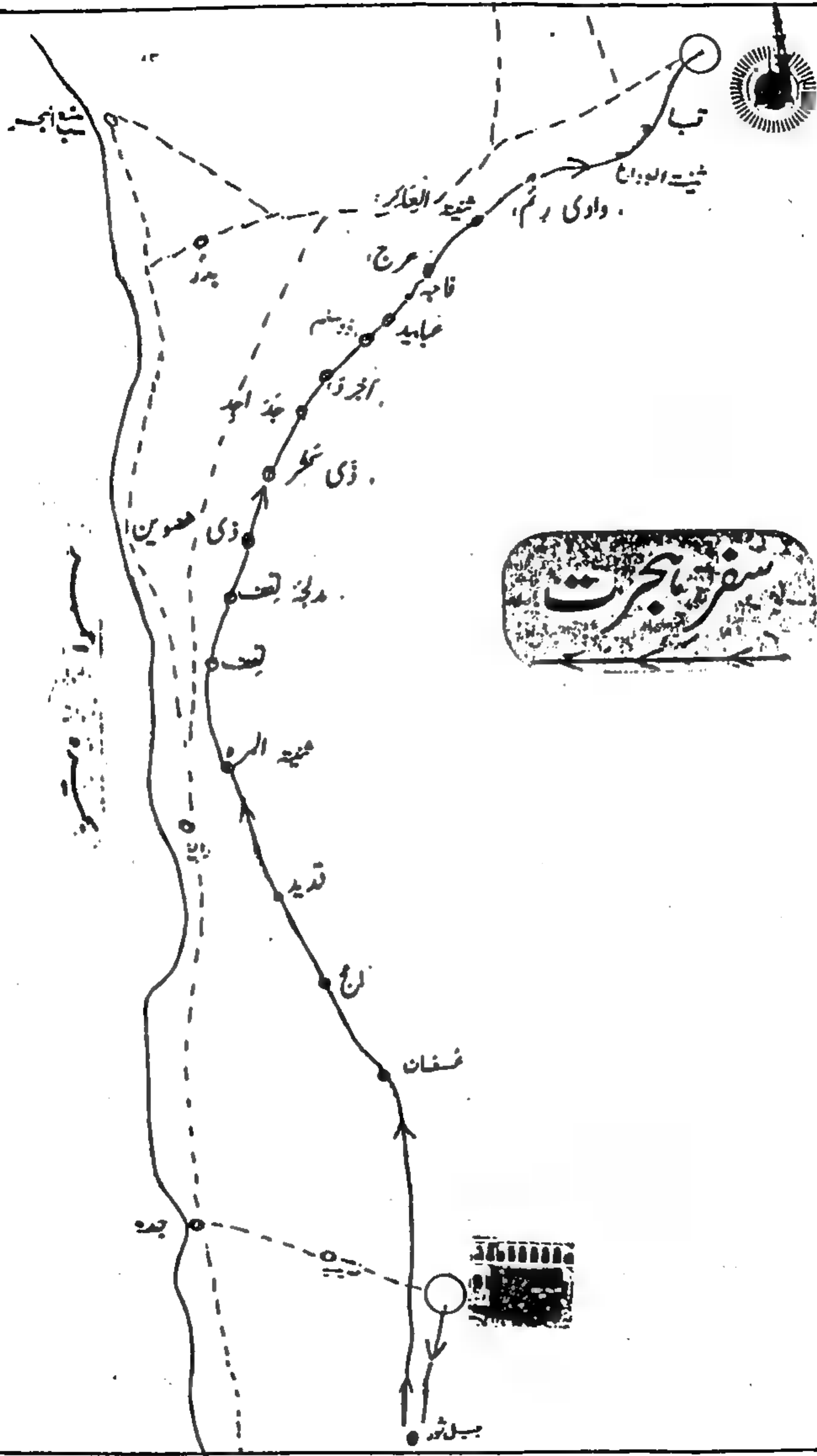
(۵۸) قبا

قبا میں قیام کے دوران لوگ جوق در جوق حضور ﷺ کی دید کے اشتیاق میں آپؐ سے ملنے آتے۔ اسکے لئے آپؐ سعد بن خیثمہ کے مکان پر تشریف لے جاتے۔ یہ غیر شادی شدہ تھے اور ان کا مکان 'کنواروں کا گھر' کہلاتا تھا۔ آپؐ کی آمد سے سارے شہر میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی اور ایک جشن کا سماں تھا۔ مسلمان تو آپؐ سے ملنے کے مشتاق تھے ہی یثرب کے یہودی بھی، خوشی اعتمادی کی وجہ سے نہیں بلکہ ذوق تجسس کی بنا پر آپؐ سے ملنا چاہتے تھے۔ ان میں جو دو سردار آپؐ سے سب سے ملے وہ حیؓ بن اخطب (ام المومنین حضرت صفیہؓ کا باپ) اور اسکا بھائی ابو یاسر تھے۔ حضرت صفیہؓ جو اس زمانے میں کمسن تھیں فرماتی ہیں " میں اپنے باپ اور چچا کو سب اولاد سے زیادہ پیاری تھی۔ جب حضور ﷺ تشریف لائے اور قبا میں ٹھہرے تو صبح اندھیرے میرے باپ اور چچا آپؐ کو دیکھنے گئے۔ اور شام کو تھکے ماندے گھر آئے۔ ہمیشہ گھر آتے ہی مجھے پیار کرتے تھے مگر آج ایسے سنجیدہ اور مضمحل تھے کہ میری طرف ملتفت نہ ہوئے۔ میں نے سنا کہ چچا نے میرے باپ سے پوچھا 'کیا یہ وہی ہیں۔ کیا تم نے انہیں پہچان لیا اور تمہیں یقین ہے؟' میرے باپ نے جواب دیا 'ہاں' میرے چچا بولے 'پھر ان کے لئے تمہارا کیا خیال ہے؟'۔ باپ نے کہا' واللہ۔ دشمنی جب تک زندہ ہوں' "(۱)۔

ایک یہودی بزرگ ایسے بھی تھے جو ان سے قطعی مختلف تھے۔ ان کا نام حصین بن سلام تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ جب انہوں نے حضور ﷺ کا ذکر سنا تھا اور اوصاف سنے تھے تو خوش ہوئے تھے۔ جب آپؐ کے قبا میں آکر ٹھہرنے کی اطلاع ہوئی تو خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اسوقت یہ اپنی پھوپھی کے یہاں تھے۔ وہ بولیں " واللہ تو اگر (حضرت) موسیٰؑ بن عمران کے آنے کی خبر سنتا تب بھی اسقدر خوش نہ ہوتا"۔ انہوں نے جواب دیا" خدا۔ یہ بھی (حضرت)

موسیٰ کے بھائی ہیں اور حضرت موسیٰ کی طرح انہیںؑ بھی اللہ نے مبعوث کیا"۔ پھوپی نے پوچھا "تو کیا یہ وہی نبی ہیں جن کی آمد کی خبر ہمیں دی گئی ہے کہ قیامت کے قریب مبعوث ہونگے"۔ انہوں نے بتایا"ہاں"۔ پھر جلد حضورﷺ کی خدمت میں جاکر مشرف بہ اسلام ہوئے اور گھر والوں کو مسلمان کیا۔ لیکن فی الحال اپنا اسلام یہودیوں سے پوشیدہ رکھا۔ چند روز بعد جب حضورﷺ مدینہ آگئے اور بنی نجار کے یہاں مقیم ہوئے تو انہوں نے آپؐ کی خدمت میں آکر عرض کیا۔ "میری قوم کے یہودی بڑے جھوٹے اور تہمت لگانے والے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپؐ مجھے اپنے مکان میں پوشیدہ کرلیں پھر یہودی سرداروں کو بلا کر میرے متعلق پوچھیں۔ انہیں ابھی میرے اسلام کی خبر نہیں ہے"۔ حضورﷺ نے ایسا ہی کیا۔ یہودی سردار آپؐ سے ملنے آئے تو آپؐ نے سوال کیا "تم میں حصین کون ہیں؟"۔ یہودیوں نے کہا "ہمارے سردار ابن سردار اور ہمارے ماہر و عالم"۔ اپنی یہ تعریف سننے کے بعد حصین باہر نکل آئے اور ان یہودیوں سے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور کہا "خدا سے ڈرو اور اس دین کو قبول کرلو جو یہ رسولؐ لائے ہیں۔ یہؐ اللہ کے رسول ہیں انؐ کا نام اور ان کی صفت تم توریت میں لکھی پاتے ہو"۔ یہودی سردار یہ سنتے ہی انہیں برا بھلا کہنے لگے۔ حضورﷺ نے ان کا نام بدل کر عبداللہ بن سلام کردیا۔ پھر انہوں نے اپنے اور اپنی پھوپھی کے کنبے کا اسلام سب پر ظاہر کردیا۔ انہی کا قول ہے کہ "حضورﷺ کا چہرہ مبارک دیکھا تو ایسا نظر آیا کہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا"(۲)

ایک دوسرے غیر مسلم صاحب جو قبا میں رسول اللہﷺ سے ملے سلمان فارسیؓ تھے۔ انہیں آپؐ میں وہ ساری علامات نظر آئیں جو عنقریب مبعوث ہونے والے نبی کے متعلق انہیں بتائی گئی تھیں۔ ان کا تعلق فارس کے ایک زردشتی خاندان سے تھا۔ اصفہان کے قریب جیُ نامی مقام میں پیدا ہوئے تھے۔ نوجوانی میں نصرانیت سے متاثر ہوکر شام چلے گئے۔ یہاں ایک بزرگ نصرانی عالم سے وابستہ ہوگئے۔ اس نے اپنے بستر مرگ پر انہیں وصیت کی کہ موصل کے اسقف کے پاس جاکر رہنمائی حاصل کریں۔ اسطرح کے بعد دیگرے کئی نصرانی بزرگوں کی صحبت میں رہے۔ آخر میں ایک بزرگ نے بتایا کہ عنقریب عرب کے علاقے میں ایک نبیؐ مبعوث ہونے والے ہیں جو حضرت ابراہیمؑ کے مذہب پر ہونگے۔ اپنے وطن سے ایک ایسے مقام پر ہجرت کرینگے جہاں پتھریلے علاقوں کے درمیان وادی میں کھجور کے باغات کثرت سے ہیں۔ ان کی پہچان یہ ہے کہ تحفہ قبول کرینگے لیکن صدقہ نہیں۔ اور پشت پر مہر نبوت ہوگی۔ سلمانؓ نے کچھ

تاجروں کو کافی رقم دے کر آمادہ کرلیا کہ انہیں عرب پہنچا دیں۔ یہ لوگ بحر احمر کے شمال میں خلیج عقبہ کے قریب وادی القرا میں اترے تو سلمانؓ کو ایک یہودی کے ہاتھ بطور غلام فروخت کردیا۔ یہاں کھجور کے باغات دیکھ کر سلمانؓ کو خیال ہوا کہ شاید یہی ان کا مطلوبہ مقام ہو۔ اسی شک میں تھے کہ ان کے آقا یہودی نے انہیں اپنے ایک عزیز کی غلامی میں بیچ دیا۔ اسکا تعلق یثرب کے بنی قریظہ سے تھا۔ اسکے ساتھ یہ یثرب پہنچ گئے۔ یہ علاقہ دیکھا تو یقین ہوگیا کہ آخران کی تلاش صادق نے انہیں صحیح مقام پر پہنچا دیا۔ ایک روز وہ اپنے آقا کے باغ میں کام کررہے تھے کہ آقا کا کوئی رشتہ دار اس سے ملنے آیا اور کہنے لگا" بنی قیلہ پر خدا کی مار ہو۔ یہ قبا میں ایک شخص کے گرد جمع ہیں جو آج ہی مکہ سے آیا ہے اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے"۔ سلمانؓ اسوقت ایک کھجور کے درخت پر تھے۔ سنتے ہی ایسا اثر ہوا کہ گرتے گرتے بچے۔ جلد اتر آئے اور نووارد پر سوالات کی بوچھار کردی۔ آقا نے ناراض ہوکر ایک تھپڑ مارا اور پھر کام پر لگا دیا۔ شام کو جب فرصت ہوئی تو کچھ توشہ لیکر قبا پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا" میں نے آپؐ اور آپؐ کے اصحاب کے متعلق سنا ہے۔ کچھ توشہ لیکر حاضر ہوا ہوں۔ بطور صدقہ آپ حضرات کی نذر ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ کھائیں لیکن خود نوش نہ کیا۔ سلمانؓ نے یہ پہلی علامت دیکھی۔ دوسرے دن پھر کچھ کھانا لاکر پیش کیا اور عرض کیا" میں نے دیکھا کہ آپؐ صدقہ قبول نہیں فرماتے۔ یہ کچھ کھانا تحفے کے طور پر لایا ہوں۔" تب آپؐ نے نوش فرمایا اور صحابہ کو بھی دیا۔ یہ دوسری علامت تھی۔ اب سلمانؓ کو آپؐ کی نبوت کا پورا یقین ہوگیا اور خوشی خوشی واپس ہوئے(۳)۔

قبا میں ایک اور دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہ جو خزرج کے نہایت معزز سردار تھے اور عقبہ کی سب بیعتوں میں شریک تھے پہلے روز رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قبا حاضر نہ ہوسکے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی بابت پوچھا تو اہل اوس نے شرمندہ ہوکر بتایا کہ "انہوں نے جنگ بعاث میں ہمارے کئی سردار قتل کئے ہیں اس لیے ہمارے درمیان آنے کی جرأت نہیں کرتے"۔ لیکن اسی رات ایک شخص چہرے پر نقاب ڈالے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نقاب اٹھا تو آپؐ نے دیکھا کہ اسعدؓ ہیں۔ پوچھا کہ کیسے آئے۔ جواب دیا کہ "یہ ناممکن ہے کہ آپؐ یہاں تشریف لائیں اور یہ خادم حاضر نہ ہو۔ جان پر کھیل کر حاضر ہوا ہوں"۔ رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ اوس کے حضرات انہیں پناہ دینے کا اعلان کردیں تاکہ آئندہ وہ کھلم کھلا قبا

میں آسکیں۔ اوسیوں نے عرض کیا " آپؐ کا حکم ہوگا تو ہم ضرور تعمیل کرینگے مگر خود اپنی طرف سے ایسا نہیں چاہتے"۔ بالآخر اوس کے ایک سردار دوایک دن بعد خود حضرت اسعدؓ کے مکان پر گئے اور انہیں ساتھ لیکر ہاتھ میں ہاتھ ڈالے قبا میں رسُول اللہ ﷺ کے سامنے آئے تاکہ سب دیکھ لیں کہ حضرت اسعدؓ کو قبیلہ اوس کی پناہ حاصل ہے(۴)۔ (اوس اور خزرج کی رقابت ایک مدت تک جاری رہی۔ اسکے کئی مظاہرے رسُول اللہ ﷺ کی زندگی میں نظر آئے جنکا ذکر آگے آئے گا۔)

قبا میں رسُول اللہ ﷺ کے قیام کی مدت مختلف روایتوں میں ۳ سے ۲۳ دن تک بتائی گئی ہے۔ ابن اسحاق اور ابن ہشام تین دن بتاتے ہیں کہ آپ دوشنبہ کو قبا پہنچے۔ منگل بدھ اور جمعرات کو قیام فرمایا اور جمعہ کو مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہی مشہور قول ہے(۵)۔ لیکن صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ قیام ۱۴ دن رہا۔ یہی ابن سعد کا قول ہے اور اسی کو شبلی نعمانی نے اختیار کیا ہے(۶)۔ قبا میں رسُول اللہ ﷺ نے ایک مسجد کی تعمیر شروع کی۔ یہ اسلام کی پہلی مسجد تھی۔ آج بھی مسجد قُبا عبادتگاہ خلائق ہے۔ اور ایک حدیث کے مطابق یہاں دو رکعات ادا کرنے کا ثواب ایک عمرے کے برابر ہے۔ اس مسجد کی شان میں آیت نازل ہوئی:

"..........البتہ وہ مسجد جسکی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے اس قابل ہے کہ اس میں جایا اور نماز پڑھایا کرو۔ اسمیں ایسے لوگ ہیں جوپاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور خدا پاک رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے" (التوبہ ۱۰۸)

مشہور ہے کہ بعد میں رسُول اللہ ﷺ اکثر جمعرات کو یہاں نماز ادا کرنے جاتے تھے۔

☆ ☆

(۱) الفرید غیوم 'دی لائف اف محمدؐ' (The Life of Muhammad) صفحہ ۲۲۲

(۲) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۳۰۱

(۳) ابن اسحاق سے اقتباس۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ کو مزید اطمینان اسوقت ہوا جب وہ بعد میں بقیع الغرقد کے قبرستان میں حضور علیہ السلام سے ملے۔ آپؐ یہاں ایک صحابی (حضرت اسعد بن زرارہؓ) کی تدفین کے لئے آئے ہوئے تھے۔ حضرت سلمانؓ نے آپؐ کے گرد چکر لگایا کہ شاید آپؐ کی پشت نظر آجائے۔ رسول اللہ علیہ السلام انکا مقصد سمجھ گئے۔ اپنی چادر پشت سے ہٹالی حضرت سلمانؓ نے مہر نبوت دیکھی اور جھک کر اسے چوم لیا۔ پھر اپنا تمام واقعہ بیان کیا۔ یہودی کے غلام ہونے کے باعث یہ بدر اور احد میں شریک نہ ہوسکے۔ رسول اللہ علیہ السلام نے تجویز فرمایا کہ اپنے آقا سے مکاتبت کرلیں۔ وہ مکاتبت کے لئے اس شرط پر راضی ہوا کہ یہ تین سو کھجور کے پودے اسکے باغ میں لگا دیں اور چالیس اوقیہ سونا دیں۔ رسول اللہ علیہ السلام کو معلوم ہوا تو صحابہ کی مدد سے پودے لگوائے۔ سونے کی ایک ڈلی (جو ایک کان سے برآمد ہوئی تھی اور آپؐ کو تحفے میں پیش کی گئی تھی) آپؐ نے حضرت سلمانؓ کو عطا کی۔ یہودی نے تولا تو پورے چالیس اوقیہ کی تھی۔ اسطرح سلمان فارسیؓ نے غلامی سے رہائی پائی۔
(الفرید غیوم 'دی لائف آف محمدؐ' (The Life of Muhammad) صفحہ ۹۵ تا ۹۸

(۴) محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۲۳۴

(۵) ابوالاعلی مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۱۶۶

(۶) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۶۶

(۵۹) مدینۃ النبیؐ

قبا سے مدینہ کی طرف حضورﷺ کی روانگی جمعہ کے دن ہوئی۔ راستے میں آپ نے نبی سالم کے محلے میں جمعہ کی نماز ادا کی۔ اگر یہ روایت صحیح ہے کہ قبا میں آپ صرف تین دن ٹھہرے تو آپؐ کی امامت میں یہ پہلا جمعہ تھا۔ اس میں ایک سو حضرات نے شرکت کی۔ جہاں یہ نماز ہوئی تھی وہاں بعد میں مسجد تعمیر ہوئی جو آج بھی 'مسجد جمعہ' کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں نماز سے قبل جو فصیح و بلیغ خطبہ آپؐ نے دیا وہ کتب سیر میں محفوظ ہے(۱)۔ اس میں نہایت اعلیٰ پیرائے میں تقویٰ اور پرہیزگاری کی ہدایت کی گئی اور آخرت کے لئے تیاری پر زور دیا گیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس خطبے میں اپنے ان جانی دشمنوں کی مذمت میں ایک لفظ بھی نہیں فرمایا جنہوں نے آپکو بے انتہا تکلیفیں پہنچائیں اور وطن عزیز چھوڑنے پر مجبور کیا۔

نماز کے بعد آپؐ قصویٰ پر سوار ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ کو پیچھے بٹھایا اور یثرب کے شہر کی طرف رخ کیا۔ نبی سالم نے بہت چاہا کہ مستقل قیام انہی کے یہاں فرمائیں۔ آپؐ نے انہیں دعائیں دیں اور بتایا کہ آپؐ کی اونٹنی خدا کی طرف سے مامور تھی جہاں خود ٹھہر جائیگی وہیں آپؐ کا قیام ہوگا۔ ایک شاندار جلوس آپؐ کے ہمراہ تھا۔ آپؐ کے ننھیالی نبو نجار ہتھیار سجائے آپؐ کے ساتھ تھے۔ راستے میں گھروں کی چھتوں پر خواتین اور بچیاں استقبالیہ نغمے الاپ رہی تھیں۔

"طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا — مِن ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

(ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوگیا — وداع کی پہاڑیوں سے)

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا — مَا دَعَىٰ لِلّٰهِ دَاعٍ

(ہم پر شکر واجب ہے — جب تک کوئی اللہ کو پکارنے والا باقی رہے)

أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا   جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

(اے ہمارے ہاں مبعوث ہونے والے تووہ منصب لے کر آیا ہے جو واجب الاطاعت ہے)(۲)

لڑکے سڑکوں پر دوڑتے پھرتے تھے اور نعرے لگا رہے تھے "اللہ اکبر اللہ اکبر۔ رسول خدا آج تشریف لائے۔ رسول خدا آج تشریف لائے"۔ جب جلوس بنی نجار کے محلے میں پہنچا تو لڑکیاں دف بجاتی اور یہ ترانہ گاتی استقبال کے لئے نکل آئیں:

"نحن جوار من بني نجار   يا حبذا محمدٌ من جار"

(ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں   کیا ہی اچھے ہیں ہمارے محمدؐ)

انہی نغمہ سرائیوں کے لئے توریت میں آیا ہے:

"سلع کے بسنے والے گیت گائیں۔

پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں" (پرانا عہد نامہ کتاب یسعیاہ ۴۲/۱۱)

(واضح ہو کہ سابق انبیاء کی کتابوں میں مدینہ کا نام "سلع" ہے۔ مورخ طبری کہتے ہیں کہ جنگ خندق میں جہاں مسلمانوں نے خندق کھودی تھی اسکے پشت پر کوہ سلع واقع ہے)(۳)۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا "کیا تم مجھ سے محبت رکھتی ہو"۔ ان کے "ہاں" کہنے پر آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا" خدا کی قسم میں تم لوگوں (یعنی انصار) سے محبت رکھتا ہوں"(۴)۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایسا روشن و شاندار دن نہیں دیکھا۔ یہی حضرت براء بن عازب کا بیان ہے کہ انہیں اہل مدینہ کبھی اتنے خوش و خرم نظر نہیں آئے۔

رسول اللہ ﷺ کی ہجرت اور اس شاندار استقبال کے متعلق بائبل میں بڑے واضح اشارات ملتے ہیں۔ تورات میں ہے:

"خدا تیمان سے آیا۔ اور قدوس کوہ فاران سے۔ سلاہ۔ اسکا جلال آسمان پر چھا گیا۔ اور زمین اسکی حمد سے معمور ہوگئی۔ اسکی جگمگاہٹ نور کی مانند تھی۔ اسکے ہاتھ سے کرنیں نکلتی تھیں اور اس میں اسکی قدرت نہاں تھی۔ وبا اسکے آگے آگے چلتی تھی۔ اور آتشی تیر اسکے قدموں سے نکلتے تھے۔ وہ کھڑا ہوا اور زمین تھرا گئی اس نے نگاہ کی اور قومیں پراگندہ

ہوگئیں۔ ازلی پہاڑ پارہ پارہ ہوگئے۔ قدیم ٹیلے جھک گئے۔ اسکی راہیں ازلی
ہیں (پرانا عہد نامہ کتاب حبقوق ۳/ ۳۔۶)

('تیمان' کا مطلب واضح نہیں۔ سلمان منصور پوری مرحوم نے 'تیمان' کی جگہ ترجمے میں 'جنوب' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور مکہ مدینہ کے جنوب ہی میں واقع ہے۔ مرحوم حاشئے میں وضاحت فرماتے ہیں "مجموعہ بائبل میں جسقدر کتابیں پہلے انبیاء کی ہیں ان میں مکہ کا نام 'فاران' ہے کیونکہ اس جگہ فاران بن عوف بن حمیر نے اپنا قبضہ کیا تھا۔ توراۃ کی کتاب پیدائش: ۲۱/ ۲۱ میں ہے 'اسمٰعیل فاران کے بیابان میں رہا'۔ فاران کا ذکر توراۃ کی کتاب اعداد: ۱/ ۱۲ اور کتاب استثنا: ۳۳/ ۲ میں بھی آیا اور ان سب حوالہ جات سے ثابت ہے کہ فاران مکہ کا نام ہے" (۵) کتاب حبقوق کی مندرجہ بالا آیات میں اس عزت و اقتدار اور حشمت و عظمت کی طرف بھی اشارہ ہے جو ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہوئی)۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ جلوس جدھر سے بھی گذرتا ہر گھرانہ درخواست کرتا کہ آپؐ اسکے ہاں قیام فرمائیں۔ آپؐ انہیں دعائیں دے کر یہی فرماتے کہ ناقہ مامور من اللہ ہے اسے چھوڑ دو۔ ایک موقع پر قصویٰ بنی عدی کے محلے کی طرف مڑی۔ یہیں کسی مکان میں آپؐ کبھی بچپن میں اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ کچھ دن کے لئے ٹھہرے تھے۔ یہیں آپؐ کی پیدائش سے قبل آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوا تھا اور وہ یہیں مدفون تھے۔ بنی عدی نے بھی چاہا کہ آپؐ ان کے محلے میں ٹھہریں۔ لیکن آپؐ کا وہی جواب تھا جو اوروں کو ملا تھا۔ اب قصویٰ بنی نجار کی ایک شاخ بنی مالک کے مکانات کے قریب پہنچی۔ یثرب کے جو چھ حضرات سب سے پہلے مکہ میں آپؐ پر ایمان لائے تھے ان میں سے دو حضرت اسعد بن زرارہؓ اور حضرت عوف بن حرثؓ یہیں رہتے تھے۔ یہاں آپؐ کی اونٹنی شکستہ چار دیواری سے گھرے ہوئے ایک چھوٹے سے میدان کی طرف مڑی۔ اس جگہ کا کچھ حصہ قبرستان رہ چکا تھا۔ اور ایک حصہ کھجور سکھانے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ تھوڑی سی جگہ حضرت اسعد بن زرارہؓ نماز پڑھنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ قصویٰ یہیں ٹھہری اور کچھ دیر کے لئے بیٹھ گئی۔ رسول اللہ ﷺ اترے نہیں۔ قصویٰ پھر کھڑی ہوگئی۔ چھوٹا سا چکر لگایا۔ اور اسی جگہ واپس آکر دوبارہ بیٹھ گئی۔ اپنا سینہ زمین پر ٹیک دیا۔ رسول اللہ ﷺ اترے اور فرمایا "انشاءاللہ یہی جائے قیام ہے"۔ یہ وہی مقام تھا جہاں آج مسجد نبوی کا ممبر رکھا ہوا ہے(۶)۔

یہاں سے قریب ترین مکان حضرت ابوایوب انصاریؓ (خالد بن زیدؓ) کا تھا۔ یہ اپنے قبیلہ کے پہلے شخص تھے جنہوں نے عقبہ ثانیہ میں حضور رسول ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی۔ انہوں نے آپؐ کا سامان اور کجاوہ اتارا اور اپنے گھر لے گئے۔ یہاں دوسرے حضرات نے آپؐ کو دعوت قیام دی تو آپؐ نے فرمایا "آدمی اپنے کجاوے کے ساتھ ہے" (۷) اسطرح آپؐ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے یہاں مقیم ہوئے۔ قصویٰ کو حضرت اسعد بن زرارہؓ اپنے یہاں لے گئے اور اسکی دیکھ بھال کرتے رہے۔ حضرت ابو ایوبؓ کا مکان دو منزلہ تھا۔ نیچے کا حصہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے لئے خالی کردیا اور خود مع اہل خانہ بالائی منزل پر منتقل ہوگئے۔ بعد کو اچھا نہ معلوم ہوا کہ خود بالائی منزل پر ہوں اور رسول اللہ ﷺ نیچے تو درخواست کی کہ آپؐ اوپر قیام فرمائیں۔ لیکن آپؐ نے پسند نہ فرمایا کیونکہ اسطرح آپؐ سے ملنے والوں کو زحمت ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ جہاں قصویٰ ٹھہری تھی وہ زمین کس کی تھی۔ حضرت اسعدؓ نے بتایا کہ دو یتیم بھائی سہل اور سہیل اسکے مالک تھے۔ آپؐ نے زمین خریدنے کی خواہش ظاہر کی۔ دونوں بھائیوں نے تحفتاً دینا چاہی۔ آپؐ نے منظور نہ فرمایا۔ دس دینار قیمت طے پائی جو حضرت ابو بکرؓ نے ادا کی۔ یہی جگہ آپؐ نے مسجد اور اپنے رہائشی حجروں کی تعمیر کے لئے مخصوص فرمائی۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے یہاں آپؐ کا قیام تقریباً سات ماہ رہا۔ اس دوران مسجد نبوی تعمیر ہوئی کہتے ہیں کہ تعمیر حضرت عمار بن یاسرؓ نے شروع کی (۸)۔ رسول اللہ ﷺ خود بہ نفسِ نفیس تعمیر کے کام میں شریک تھے۔ یہ دیکھ کر سب نے بڑی مستعدی سے کام کیا۔ کوئی یہ شعر پڑھ رہا تھا:

"لَئِنْ قَعَدْنَا وَالنَّبِیُّ یَعْمَلُ

(اگر ہم بیٹھ جائیں اور نبی کام کرتے رہیں)

"لَذَالِكَ مِنَّا الْعَمَلُ الْمُضَلَّلُ"

(تو بے شک یہ ہمارا کام گمراہی کا ہے) (۹)

تعمیر کرتے وقت مسلمانوں کی زبان پر یہ رجز تھا:

"لَاعَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْآخِرَة

(زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے)

اَللّٰهُمَّ فَارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ"

(اے اللہ انصار اور مہاجرین پر رحم فرما)(۱۰)

یہ مسجد تقریباً پچاس گز لمبی اور پچاس گز چوڑی تھی۔ رخ شمال کی طرف تھا۔ باقی تینوں طرف تین دروازے تھے۔ جنوب کی طرف سے عام مسلمان داخل ہوتے تھے۔ مغرب کی سمت کا دروازہ باب الرحمٰن کہلاتا تھا۔ مشرق کی جانب باب النساء تھا۔ اور اسی طرف رسول اللہ ﷺ کے حجرے تھے۔ (بعد میں تحویل قبلہ کے وقت جنوبی دروازہ بند کر کے شمال کی طرف نیا دروازہ کھول دیا گیا۔ اسی طرف اصحاب صفہ کے لئے ایک چبوترہ مختص تھا جہاں وہ صحابہ مقیم ہوئے جنکا کوئی گھر بار نہ تھا اور اپنا وقت زیادہ تر تعلیم وعبادت میں گزارتے تھے۔ مسجد کے برابر ہی دو حجرے بنائے گئے (ایک حضرت سودہؓ کے لئے اور دوسرا حضرت عائشہؓ کے لئے) مسجد کی تعمیر نہایت سادہ تھی۔ جو کھجور کے درخت اس زمین پر تھے انہی کی لکڑی ستونوں کے لئے استعمال ہوئی دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں اور چھت کھجور کے پتوں کی۔ فرش کچا تھا۔ بارش میں کیچڑ ہوجاتی تو صحابہؓ اپنے ساتھ تھوڑی سی بجری لے آتے کہ اپنی جگہ بچھالیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ پسند فرمایا۔ اسطرح رفتہ رفتہ فرش بجری کا ہوگیا۔ نماز اور خطباتِ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ یہیں ریاستی کاروبار بھی ہونے لگا۔ اہم فیصلوں کے لئے مجلسیں ہونے لگیں اور بعد میں ایک وقت آیا کہ یہیں مختلف اقوام کے سفیروں کا استقبال کیا جاتا اور یہیں سے بادشاہوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کے نامہ ہائے مبارک ارسال ہوتے۔

رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کی ازواج کے اپنے قیام کے حجرے بھی سادگی کی مثال تھے۔ عرض و طول دس دس قدم سے زیادہ نہ تھا۔ صحن کی لمبائی چوڑائی مشکل سے سات قدم تھی۔ کھجور کے پتوں سے چھائی ہوئی چھتیں اونچی نہ تھیں۔ معمولی قد کا آدمی ہاتھ اٹھا کر چھو سکتا تھا۔ دروازوں پر اونٹ کے بالوں کے کمبل پردے کے لئے لٹکے ہوئے تھے۔ (کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ کاش یہ حجرے اپنی اصلی حالت میں محفوظ رہتے اور ہم اور ہمارے حکمران اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے کہ دو عالم کے بادشاہ نے کیسے "شاندار محلوں" میں اپنی زندگی گذاری)۔

تعمیر تکمیل کے قریب پہنچی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ اور اپنے ایک دوسرے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافعؓ کو مکہ بھیجا کہ آپؐ کے اہل و عیال کو لے آئیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے عبداللہ بن اریقط کو ساتھ کیا اور اپنے فرزند حضرت عبداللہؓ کو لکھا کہ اپنی والدہؓ اور

بہوںؓ کو لے کر آجائیں۔ چند دن میں یہ سب لوگ آگئے۔ حضرت ام ایمنؓ اور ان کے چھوٹے سے بیٹے حضرت اسامہ بن زیدؓ بھی ساتھ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی صرف ایک صاحبزادی حضرت زینبؓ نہ آسکیں۔ انؓ کے شوہر ابو العاص ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے اور اپنی محبوب زوجہؓ کو جدا کرنے پر راضی نہ ہوئے۔

یثرب نے اب تمام عرب میں 'مدینۃ النبی' کا نام پایا۔ پھر تمام عالم میں 'مدینہ' کے نام سے مشہور ہوا(۱۱)۔

☆ ☆

(۱) طبری 'تاریخ طبری' جلد اول صفحہ ۱۴۳، ۱۴۴۔

(۲) ابو الاعلیٰ مودودی 'سیرتِ سرورِ عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۷۴۳، ۷۴۴۔ بعض احادیث میں ہے کہ یہ اشعار غزوہ 'تبوک' سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی پر گائے گئے۔ بقول شبلی نعمانی بہت ممکن ہے کہ دونوں موقعوں پر گائے گئے ہوں (شبلی نعمانی 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۱۶۶)

(۳) طبری 'تاریخ طبری' جلد اول صفحہ ۲۸۱

(۴) ابو الاعلیٰ مودودی 'سیرتِ سرورِ عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۷۴۴

(۵) سلمان منصور پوری 'رحمۃ للعالمین' جلد اول صفحہ ۹۴

(۶) ابو الاعلیٰ مودودی 'سیرتِ سرورِ عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۷۳۹۔ ابن ہشام کہتے ہیں یہ وہ جگہ تھی جہاں مسجد کا دروازہ ہے (ابن ہشام 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۳۳۲)

(۷) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۳۰۳۔ بخاری، مسلم اور مسند احمد میں براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ انصار میں اس بات پر جھگڑا ہوا کہ آپؐ کہاں قیام فرمائیں۔ آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں آج نجار میں ٹھہرونگا جو عبدالمطلب کی ننھیال ہے"۔ مسند احمد میں حضرت ابو ایوبؓ کا یہ بیان بھی منقول ہے "جب انصار میں اس بات پر جھگڑا بڑھا کہ رسول اللہ ﷺ کا قیام کہاں ہو تو قرعہ ڈالا گیا اور میرا نام نکلا (ابو الاعلیٰ مودودی 'سیرت سرور عالمؐ' جلد دوم صفحہ ۷۴۱، ۷۴۲)۔ البدایہ و النہایہ میں روایت ہے کہ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ بصرہ تشریف لائے تو حضرت ابن عباسؓ (بصرہ کے حاکم) نے اپنا مکان مع سامان ان کے سپرد کیا جیسے کہ انہوںؓ نے اپنا مکان رسول اللہ ﷺ کے سپرد کیا تھا۔ جب حضرت ابو ایوب انصاریؓ واپس ہوئے تو حضرت ابن عباسؓ نے بیس ہزار درھم اور چالیس غلام بطور تحفہ پیش کئے (ابن کثیر 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۲۸۱)

(۸) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۳۳۳۔ صحیحین میں ہے کہ اس تعمیر کے دوران حضرت عمار بن یاسرؓ اینٹیں اٹھارہے تھے کسی نے ان پر کچھ زیادہ اینٹیں لاد دیں تو کہنے لگے "انہوں نے مجھے مار ڈالا۔ خود نہیں اٹھاتے اور مجھ پر زیادہ اینٹیں لاد دیتے ہیں"۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے انؓ کے سر کے بال صاف کئے اور فرمایا " تیرے قاتل یہ نہیں بلکہ ایک باغی گروہ ہے"۔ یہ حدیث کئی طرح مروی ہے مگر حاصل یہی ہے۔ بعد میں حضرت عمار جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے

(۹) ایضاً صفحہ ۳۳۲

(۱۰) ایضاً

(۱۱) مدینہ کا قدیم ترین نام 'طابت' تھا پھر طیبہ ہوا۔ اسکا ایک محلہ جو ابتداءً ایک الگ گاؤں ہوگا 'یثرب' کہلاتا تھا۔ (محمد حمیداللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۲۵۲)۔ سلع کی پہاڑی جسکا ذکر تورات میں ہے (کتاب یسعیاہ ۱۲/۱) مدینہ کی شمالی مغربی سرحد متعین کرتی تھی (ضیاء الدین سردار 'دی لاسٹ میسنجر وداے لاسٹنگ میسج' (The Last Messenger With a Lasting Message) صفحہ ۱۰۱)

علامہ اقبال کی ایک رباعی بہ خط سید نفیس الحسینی

(۶۰) نیامعاشرہ

رسُول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو مکہ کے ماحول سے بالکل مختلف ایک نئے ماحول سے سابقہ تھا۔ مکہ میں سوائے تھوڑے سے مسلمانوں کی ساری آبادی قریش کے مشرکین کی تھی جو اسلام کی شدید مخالف اسکی توسیع کے لئے رکاوٹ اور غریب مسلمانوں کے لئے سخت صبر آزما تھی۔ مدینہ پہنچ کر مسلمانوں نے کچھ اطمینان کا سانس لیا۔ مگر اس شہر میں انہوں نے مہاجرین کی حیثیت سے پناہ لی تھی اور معاشی اعتبار سے اکثر خود کفیل نہ تھے۔ ایمانی قوت سے بے شک مالا مال تھے۔ گذشتہ کئی سال کی آزمائشی آگ میں تپ کر ایمان نے وہ پختگی حاصل کرلی تھی کہ اب دنیا کی کوئی طاقت اسے متزلزل نہ کرسکتی تھی۔

اوس اور خزرج مدتوں کی رقابت کے بعد اسلام کی برکت سے متحد ہوگئے تھے۔ جسے اسلام کا معجزہ کہنا چاہئے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

"اور سب ملکر خدا کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا۔ اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اسکی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو خدا نے تم کو اس سے بچالیا۔ اس طرح خدا تمکو اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ (آل عمران ۱۰۳)

ان کا زیادہ تر پیشہ کھیتی باڑی اور باغبانی تھا۔ ان کا اسلام تازہ تھا لیکن رسُول اللہ ﷺ کی قیادت نے ان میں زبردست اسلامی ذوق و شوق پیدا کردیا تھا اور پھر مہاجروں کی صحبت نے سونے پر

سہاگے کا کام کیا۔ انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کے لئے جس مہمان نوازی کا نمونہ پیش کیا اسکی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ اسی لئے انصار کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ اسکا ذکر آگے آئے گا۔

مدینہ میں تیسرا گروہ یہودیوں کا تھا ان کے اجداد اصلاً وہ عبرانی تھے جو رومی ظلم سے بھاگ کر حجاز میں بسے تھے(۱)۔ رفتہ رفتہ عربی تمدن اختیار کر لیا تھا مگر نسلی عصبیت برقرار تھی اور اپنے مذہب پر قائم تھے۔ عربوں کا نام 'امیّ' رکھ چھوڑا تھا اور خود کو ان سے بہت برتر سمجھتے تھے جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا مدینہ میں یہ تین قبیلوں میں منقسم تھے :

(۱) بنی قینقاع - مدینہ کے شہر میں آباد تھے

(۲) بنی نضیر - ان کی بستی شہر سے کچھ دور تھی

(۳) بنی قریظہ - یہ بھی مضافات میں رہتے تھے

ان کے علاوہ چند اور بھی چھوٹے قبیلے تھے۔ جنگ بعاث کے دوران جب اوس اور خزرج آپس میں برسر پیکار تھے تو کچھ یہودی (بنی قینقاع) خزرج کے حلیف ہوگئے تھے جبکہ دوسرے دونوں قبیلے اوس کے ساتھ تھے۔ مگر مقصد تینوں قبیلوں کا یہ تھا کہ اوس و خزرج آپس میں دست وگریباں رہیں ان کے دست نگر رہیں اور مقروض ہوتے رہیں تاکہ مہاجنی کاروبار خوب چمکے۔ اسطرح بہت سے انصار سود در سود کے چکر میں پھنس کر اپنی زمینیں اور باغات کھو چکے تھے۔ ساری تجارت انہی یہودیوں کے ہاتھ میں تھی جو اپنے مقروض عرب کسانوں سے غلہ وغیرہ فصل پکتے ہی وصول کر لیتے اور بعد میں انہی کے ہاتھ دوگنی قیمت پر فروخت کرتے۔ تجارت اور بخل نے انہیں مالدار بنا دیا تھا اور اقلیت میں ہونے کے باوجود شہر کی معیشت پر یہی قابض تھے۔

شہر کی زیادہ تر آبادی بہر حال مسلمان تھی اور جس جوش و خروش سے ان مسلمانوں نے رسُول اللہ ﷺ کی پذیرائی کی اس سے ظاہر تھا کہ شہر کی اعلیٰ قیادت آپؐ ہی کو سنبھالنا تھی۔ اب آپؐ مدینہ کی شہری ریاست کے سربراہ تھے۔ نئے ماحول کے پیش نظر اس کے نظم و نسق کی نئی تشکیل کے لئے آپؐ نے ضروری اقدامات شروع کئے۔

آپؐ کے نزدیک اسلام کی روحانی قدریں معاشرے کے لئے سب سے زیادہ ضروری تھیں شہر میں اسلام کا مرکز مسجد تھی جو مسجد نبوی کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہاں دن میں پانچ

بار نماز کے لئے مسلمانوں کا اجتماع ہوتا تھا۔ لیکن کوئی انتظام ایسا نہ تھا کہ سب ایک ہی وقت میں جمع ہوسکیں اور کسی کو انتظار کی زحمت نہ ہو۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اصحابؓ سے مشورہ کیا تو متعدد تجویزیں پیش ہوئیں۔ ایک تجویز تھی کہ نماز کے وقت ایک علم مسجد پر کھڑا کردیا جائے جو دور سے نظر آسکے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے ناقوس وغیرہ کے طریقے بھی تجویز ہوئے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں پسند نہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے رائے دی کہ کسی کو مقرر کردیا جائے جو بلند آواز سے نماز کے وقت کا اعلان کردیا کرے یہ تجویز رسول اللہ ﷺ نے پسند فرمائی اور اسکے لئے حضرت بلالؓ کو مقرر کردیا۔ مشکوۃ شریف میں روایت ہے کہ عبداللہ بن زیدؓ خزرجی نے خواب میں ایک شخص کو ناقوس فروخت کرتے ہوئے دیکھا انہوں نے خریدنا چاہا کہ اسکے ذریعے نمازیوں کو بلائیں تو اس شخص نے کہا "تجھے ایسی بات نہ بتاؤں جو اس سے بہتر ہے"۔ انہوں نے کہا "کیوں نہیں"۔ تو اس نے اذان کے مروجہ الفاظ انہیں بتائے۔ صبح کو یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا خواب سنایا۔ آپؐ نے فرمایا "تحقیق یہ خواب البتہ حق ہے۔ اگر خدا نے چاہا۔ بلالؓ کے ساتھ کھڑا ہو اور اسے بتلا جو تو نے دیکھا ہے کیونکہ وہ تجھ سے زیادہ بلند آواز ہے"۔ عبداللہ بن زیدؓ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عمرؓ نے یہ آواز سنی تو تیزی سے مسجد آئے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ایسا ہی خواب انہوں نے بھی دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا "فللہ الحمد" (بس اللہ کے لئے تعریف ہے)(۲) مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ "آنحضرت رسول اللہ ﷺ نے خود بھی اور بعض دوسرے صحابہ نے اذان کو خواب میں دیکھا۔ اسکو منجانب اللہ سمجھ کر قبول کیا اور اسلیے اذان مروجہ جاری فرمائی گئی"(۳)۔

بخاری شریف میں صرف اسقدر تصریح ہے کہ آنحضرت رسول اللہ ﷺ کے سامنے بوق اور ناقوس کی تجویز پیش کی گئی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اذان کی تجویز پیش کی اور آپؐ نے اس کے موافق حضرت بلالؓ کو بلا کر اذان کا حکم دیا۔ کسی خواب کا ذکر نہیں(۴)۔ فجر کے وقت 'الصلوۃ خیر من النوم' کے الفاظ حضرت بلالؓ نے شامل کیے اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں باقی رکھا۔ یہ کلمہ اس اذان میں نہ تھا جو زیدؓ کو خواب میں سنائی گئی تھی(۵)۔

مسجد میں اصحاب صفہ کے ذریعے درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری کیا گیا۔ گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ یہ حضرات مسجد میں متصل ایک سائبان کے نیچے ایک چبوترے پر رہتے تھے۔ اپنا وقت عبادت اور اسلامی تعلیم کے حصول میں صرف کرتے۔ ان کے بال بچے نہ

تھے۔ شادی ہوتی تو اس حلقے سے نکل آتے۔ اسے ایک اقامتی درسگاہ تصور کرنا چاہئے۔ جس میں چند طلباء شہر سے بھی آتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی یہاں کچھ عرصہ ایک اقامتی طالبعلم کی حیثیت سے گزارا۔ قرآنی آیات اور دینی تعلیم کے علاوہ یہاں لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ دوسرے مدرسوں کے علاوہ یہاں ایک ایسے مدرس کا بھی ذکر ملتا ہے جو لکھنا پڑھنا سکھاتے اور خطاطی کی مشق کراتے تھے(۶)۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو امت کی تعلیم و تدریس سے کس قدر دلچسپی تھی۔ یہ واقعہ بھی مشہور ہے کہ آپؐ نے اپنے کاتب وحی حضرت زید بنؓ ثابت کو حکم دیا تھا کہ عبرانی زبان لکھنا پڑھنا سیکھیں تاکہ یہودیوں سے خط و کتابت میں آسانی ہو۔ بعد میں حضرت زیدؓ نے کئی زبانوں میں دسترس حاصل کی جن میں فارسی اور قبطی شامل تھیں۔ اصحاب صفہ کے کھانے پینے کا انتظام رسول اللہ ﷺ اور دوسرے صحابہ کے ذریعے ہوجاتا تھا۔ ان میں ایک ٹولی کسی وقت جنگل سے لکڑیاں چن لاتی جسے فروخت کرکے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے کھانا فراہم کرتی۔ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق لوگ اپنے باغات کے کچھ پھل وغیرہ بھی انہیں پہنچا دیتے تھے۔ قرآن مجید پڑھنے کی بنا پر یہ حضرات قاری کہلاتے تھے۔ تبلیغ و تعلیم اسلام کے لئے ان ہی میں سے اصحاب باہر بھیجے جاتے تھے۔ جو ستر حضرات بئر معونہ میں شہید ہوئے وہ تقریباً سب انہی میں سے تھے جو اسلام کی تعلیم کے لئے بھیجے گئے تھے (یہ ذکر آگے آئیگا)۔ یہ حضرات ایک طرح حضور ﷺ اور آپؐ کے اہل خانہ کی حفاظت کا فرض بھی انجام دیتے تھے۔ ان کا قیام مسجد نبوی کے متصل تھا۔ ان کی موجودگی میں کسی دشمن کا مسجد میں داخلہ مشکل تھا۔ ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ زیادہ سے زیادہ چار سو تک پہنچ گئی(۷)۔ محمد ادریس کاندھلوی نے ۳۶ جلیل القدر صحابہ کی فہرست مرتب کی ہے جو اصحاب صفہ میں سے تھے(۸)۔ اس ادارے کا قیام اسلام کی تعلیم اور ترویج و توسیع کے لئے بڑا اہم تھا۔ بعد میں جب اسلام عرب کے دور دراز علاقوں میں پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی درسگاہوں کا وہاں بھی انتظام فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ کے سامنے دوسرا مسئلہ مہاجرین کی آباد کاری کا تھا۔ ان میں سے بعض مکہ میں کافی دولتمند تھے مگر وہاں سے خالی ہاتھ آنا پڑا تھا۔ ان مہاجرین کا ذکر بائبل میں اسطرح آیا ہے:

" عرب کی بابت بار نبوت۔
اے دوانیوں کے قافلوں تم عرب کے جنگل میں رات کاٹو گے۔ وہ پیاسے کے پاس پانی لائے۔ تیما کے سر زمین کے باشندے روٹی لیکر بھاگنے والے سے ملنے کو نکلے۔ کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں"(پرانا عہد نامہ کتاب یسعیاہ ۲۱/ ۱۳-۱۵)

(ددان نام ہے حضرت ابراہیمؑ کے پوتے لیقسان کے بیٹے کا۔ ددان اور اسکے بھائی سبا کی اولاد یمن میں آباد ہوگئی تھی۔ سیلِ عرم کے بعد یہ قبائل متفرق ہوئے۔اوس اور خزرج جو انصار کہلائے انہی میں سے تھے۔ تیما نام ہے حضرت اسمٰعیلؑ کے آٹھویں فرزند کا جن کی اولاد مدینہ کے عقب میں آباد ہوئی ان ہی حضرات نے مہاجروں کی مدد کی جو مندرجہ بالا آیات میں بھاگنے والے بتائے گئے ہیں کیونکہ قریش کے مظالم سے تنگ آکر مکہ سے ہجرت کرنے کے لئے مجبور ہوئے تھے)(۹)۔ انصار نے ان مہاجرین کا استقبال بڑی فراخ دلی سے کیا۔ چند کو گھر دیئے۔ یا زمینیں دیں کہ گھر بنا لیں اور بہتوں کو اپنا مہمان بنایا۔ اسکے باوجود ایک مستقل انتظام کی ضرورت تھی۔ رسُول اللہ ﷺ نے ایک نہایت اعلیٰ نظام قائم کیا جسے مورخین نے 'مواخاۃ' (بھائی چارہ) کا نام دیا ہے(۱۰)۔

ابھی مسجد کی تعمیر مکمل نہ ہوئی تھی کہ آپؐ نے انصار و مہاجرین کو حضرت انس بن مالکؓ کے مکان پر جمع کیا۔ ان میں تقریباً ۴۵ مہاجرین تھے۔ آپؐ نے انصار کو مخاطب کرکے فرمایا " یہ تمہارے بھائی ہیں"۔ پھر ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کو بلا کر دونوں سے فرمایا کہ "تم دونوں بھائی بھائی ہو" اسطرح ان انصاریوں اور مہاجروں میں ایک بے نظیر رشتۂ اخوت قائم ہوگیا جو کھوکھلے الفاظ پر نہیں بلکہ بڑے حقیقی جذبات پر مبنی تھا۔ حضرت سعد بن ربیعؓ (انصاری) اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف (مہاجر) کا واقعہ مشہور ہے۔ دونوں میں رشتۂ اخوت قائم ہوا تو حضرت سعدؓ نے پیش کش کی کہ ان کے اہل و مال میں سے نصف حضرت عبدالرحمٰنؓ قبول کرلیں۔ مال کے علاوہ ان کی دو ازواج میں سے ایک کو پسند کرلیں تاکہ یہ اسے طلاق دیکر بعد عدت اس سے حضرت عبدالرحمٰنؓ کا نکاح کرادیں۔ لیکن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ "اللہ آپ کے اہل و مال میں برکت عطا فرمائے۔ آپ مجھے صرف بازار کا راستہ بتا دیں"(۱۱)۔

راستہ معلوم کرکے انہوں نے تجارت شروع کردی۔ جلد اس لائق ہوگئے کہ اچھا خاصا مہر ادا کرکے ایک انصاری خاتون سے شادی کرلی۔ بعد میں تجارت کو اسقدر فروغ ہوا کہ ان کا مال تجارت سات سو اونٹوں پر آتا جاتا تھا اور جب یہ اونٹ مدینہ میں داخل ہوتے تو شہر میں دھوم مچ جاتی تھی(۱۲)۔

انصار زیادہ تر کاشتکار اور باغبان تھے۔ انہوں نے چاہا کہ ان کی زمین اور باغات برابر برابر نئے بھائیوں میں تقسیم کردیئے جائیں۔ لیکن مہاجر کاشت کے فن سے ناواقف تھے۔ اس لئے رسُول اللہ ﷺ نے ان کی طرف سے معذرت چاہی۔ انصار نے یہ طے کیا کہ کام وہ خود کرینگے اور پیداوار کا نصف مہاجر بھائیوں کا ہوگا۔ یہ رشتہ اس حد تک حقیقی ہوگیا کہ یہ بھائی ایک دوسرے کے وارث قرار پائے۔ کوئی انصاری مرتا تو اسکا مہاجر بھائی وراثت میں حقدار ہوتا۔ انہی کے لئے سورۃ حشر میں فرمایا گیا:

"اور جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی مدینہ) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے (اور) جو لوگ ہجرت کرکے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور خلش) نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔ اور جو شخص حرص نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں" (حشر ۹)

بعد میں جب یہودی مدینہ سے جلا وطن ہوئے اور مہاجر کسی اعانت کے محتاج نہ رہے تب یہ آیت نازل ہوئی جس میں مواخاۃ کا ذکر فرمایا گیا لیکن وراثت اولوالارحام کے لئے محدود کردی گئی:

"اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور تمہارے ساتھ ہوکر جہاد کرتے رہے وہ بھی تم ہی میں سے ہیں اور رشتہ دار خدا کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔

کچھ شک نہیں کہ خدا ہر چیز سے واقف ہے"۔ (الانفال ۷۵)

اس مواخاۃ کے ذریعے جن اصحاب میں بھائی چارہ قائم ہوا ان کی ایک طویل فہرست محمد ادریس کاندھلوی نے دی ہے۔ ان میں چند خاص حضرات یہ ہیں(۱۳):

مہاجرین	انصار
(۱) حضرت ابو بکرؓ	حضرت خارجہ بن زیدؓ
(۲) حضرت عمرؓ	حضرت عتبان بن مالکؓ
(۳) حضرت عثمانؓ	حضرت اوس بن ثابتؓ
(۴) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	حضرت سعد بن ربیعؓ
(۵) حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ	حضرت سعد بن معاذؓ
(۶) حضرت مصعب بن عمیرؓ	حضرت ابو ایوب انصاریؓ
(۷) حضرت سلمان فارسیؓ	حضرت ابو درداؓ (عویمر بن ثعلبہ)
(۸) حضرت بلالؓ	حضرت ابو رُوَیحہ (عبداللہ بن عبد الرحمٰن)

اس خیال سے کہ اوس اور خزرج کے دل میں کوئی خلش نہ پیدا ہو۔ رسُول اللہ ﷺ نے خود اپنا رشتہ اخوت کسی انصاری حضرت سے قائم نہ فرمایا بلکہ حضرت علیؓ کو اپنا بھائی بنانے پر اکتفا کی۔

مہاجرین وانصار کو اسطرح متحد کرکے آپؐ نے ایک نہایت پاکیزہ معاشرہ قائم کردیا جسے آپؐ کے حسنِ تربیت نے وہ اخلاق و اوصاف عطا فرمائے کہ ایک گمنام قوم پستی کی تاریکیوں سے نکل کر انتہائی بلند مقام پر پہنچ گئی اور آنے والی نسلوں کے لئے روشنی کا مینار بن گئی۔ مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں کہ رسُول اللہ ﷺ کا یہ "دورامامت آج بھی اسی طرح ایوان تاریخ میں درخشاں ہے جس طرح تیرہ سو سال پہلے درخشاں تھا۔ اور ہمیشہ درخشاں رہے گا۔ ہمارے لئے اسکی درخشانی پر فخر زیبا نہیں۔ ہاں اپنے آپ کو اس درخشانی کا مرکز و مورد بنا سکیں تو البتہ اپنی نیک بختی اور سعد اختری پر بارگاہِ باری تعالیٰ میں سجدہ ریز رہنا عین تقاضائے عبودیت ہے"(۱۴)۔

(۱) ایک بڑے مورخ یعقوبی کا کہنا ہے کہ بنی نضیر اور بنی قریظہ اصلاً عرب تھے جو یہودی ہو گئے تھے۔ مارگو لیوس کی تحقیق کے مطابق یہودیوں میں دو ایک خاندان اصلی یہودی تھے۔ عرب جو یہودی مذہب اختیار کرتے گئے ان میں شامل ہوتے گئے (شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۷۶)

(۲) مشکوۃ شریف جلد اول صفحہ ۱۴۱، ۱۴۲ (باب الاذان)

(۳) یہ تفصیلات "فتح الباری" روض الانف' وغیرہ میں حوالہ ء سند مذکور ہیں (شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۷۰۔ حاشیہ از مولف) کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا طریقہ بھی سکھایا اور بتایا کہ کس لفظ کو کھینچو اور مختصر کیسے کرو۔ (محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۲۴۱)

(۴) صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۳۱۲ (کتاب الاذان۔ باب بدء الاذان)

(۵) ابن سعد 'طبقات' حصہ دوم صفحہ ۲۱۔ موطا میں مالکؒ سے روایت ہے کہ موذن حضرت عمرؓ کو نماز کی اطلاع دینے آیا۔ وہ سو رہے تھے۔ موذن نے کہا "الصلوۃ خیر من النوم"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسے صبح کی اذان میں کہے۔ (مشکوۃ شریف جلد اول صفحہ باب الاذان ۱۴۲)

(۶) محمد حمید اللہ 'خطباتِ بہاولپور' صفحہ ۲۰۱

(۷) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۷۵

(۸) محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۴۴۱، ۴۴۲

(۹) ملاحظہ ہو سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمینؐ' جلد اول صفحہ ۹۴ تا ۹۶

(۱۰) بعض مورخین نے ہجرت سے قبل بھی ایک مواخات کا ذکر کیا ہے جو مکہ میں وہیں کے مسلمانوں کے درمیان ہوئی تھی۔ بعض صحابہ کے نام دیئے گئے ہیں (محمد ادریس کاندھلوی 'سیرت المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۴۰۷، ۴۰۸)

(۱۱) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۵۷۹ (کتاب الانبیاء۔ باب کیف اخی النبی ﷺ بین اصحابہ)

(۱۲) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۶۱بہت سے دوسرے مہاجر صحابہ نے بھی تجارت شروع کردی۔ حضرت ابو بکرؓ نے سخ میں کپڑے کی دوکان کھول لی۔ حضرت عثمانؓ نے بنی قینقاع کے بازار میں کھجوروں کی خرید و فروخت شروع کردی۔ حضرت عمرؓ نے بھی کاروبار شروع کردیا جو رفتہ رفتہ کافی وسیع ہوگیا۔

(۱۳) محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۴۰۸ تا ۴۱۰

(۱۴) ابو الکلام آزاد 'رسول رحمتؐ' صفحہ ۲۴۲ (اضافہ از مولف غلام رسول مہر)

(۶۱) دنیا کا پہلا آئین

مدینہ کی شہری حکومت کے استحکام کے لئے مہاجرین و انصار کے علاوہ یہودی عنصر کو بھی اجتماعی وحدت میں شامل کرنا ضروری تھا۔ اسکو مدِ نظر رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی شہری ریاست کے لئے ایک آئین (دستور) مرتب کیا۔ حضرت انس بن مالکؓ کے مکان پر پھر ایک مجلس منعقد کی اور اس آئین کو پیش کیا۔ ضروری صلاح اور مشورے کے بعد تمام حاضرین نے اس پر صاد کیا۔ یہودی دل میں مسلمانوں کے دشمن سہی لیکن فی الوقت رسول اللہ ﷺ کی سیاسی قیادت تسلیم کرنے کے لئے مجبور تھے۔ انہوں نے بھی اس آئین کو خوشی منظور کیا جو سراسر انصاف پر مبنی تھا۔ اور جس کے بنیادی مقاصد یہ تھے کہ ہر کوئی پر سکون ماحول میں کسب معاش کرسکے۔ کسی پر عقائد و مراسم کی کوئی نامناسب پابندی عائد نہ ہو۔ ہر قسم کے فتنہ و فساد سے عوام محفوظ رہیں اور بیرونی حملے کو روکنے کا موثر انتظام ہو۔ اس دستور کو جو 'میثاق النبی' کے نام سے مشہور ہے 'صحیفہ' اور 'حکم نامہ' کے نام دیئے گئے ہیں۔ یہ دنیا کا پہلا تحریری آئین یا دستور تھا اور اس اہمیت کی بنا پر مورخین نے اسے لفظ بہ لفظ محفوظ رکھا ہے۔ اسکا متن ابن ہشام اور ابن کثیر وغیرہ کے یہاں بھی ہے۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے اس سلسلے میں کافی تحقیق کی ہے اور اسکا عربی متن اپنی عربی کتاب 'مجموعہ الوثائق السیاسیہ فی العہد النبوی و الخلافتہ راشدہ' میں دیا ہے۔ اسکا اردو ترجمہ مجلہ نقوش رسول نمبر میں اسطرح ہے(۱):

میثاق النبی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریری معاہدہ ان طبقوں کے درمیان ہے:

(۱) محمد نبی رسول اللہ (ﷺ)

(۲) مسلمان قریشِ مکہ ساکنین مدینہ

(۳) مدینہ کے مسلمان

(۴) مدینہ کے یہودی

(۵) مدینہ کے نصرانی

(۶) مدینہ کے غیر اہل کتاب

دفعہ اول : یہ چھ گروہ سیاسی طور پر ایک جماعت ہونگے

دفعہ دوم : ان گروہوں میں مدینہ کے یہ گروہ بھی شامل ہیں (۱) بنو عوف،
(۲) بنو حارث از قبیلہ خزرج، (۳) بنو ساعدہ(۴) بنو جشم (۵) بنو نجار، (۶) بنو عمر و بن عوف(۷)بنو نبیت (۸) بنی اوس۔ ہر گروہ فرداً فرداً مندرجہ ذیل امور کا ذمہ دار ہوگا۔

دفعہ سوم: (۱) دیت کی مقررہ حدوں میں کمی نہیں کی جائیگی

(۲)کوئی مسلمان کسی مسلمان کے مظلوم حلیف (موالی) کے مقابلے میں اپنے حلیف کی ناحق حمایت نہ کریگا

(۳) کوئی باہم ادائے دیت میں سفارش کی کوشش کرے تو اسکے خلاف دوسرے مسلمان ورثائے قتیل کی طرفداری کرینگے۔

(۴) جو مسلمان یا اسکا بیٹا جماعت میں فساد و تفرقہ کی سعی کرے اسکے خلاف سب مسلمان ملکر فتنہ فرو کرینگے۔

(۵) کسی مسلمان کے ہاتھ سے کوئی کافر مارا جائے تو دوسرے مسلمان کافر کی حمایت میں اس مسلمان پر جور و تعدی نہ کرینگے۔

(۶) اگر کافر مسلمان کے درپے ہو تو کوئی مسلمان ایسے کافر کی حمایت نہ کریگا

(۷) مسلمانوں کا ہر فرد یکساں طور پر خدا کی پناہ میں ہے اور تمام مسلمان ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

دفعہ چہارم (۱) کسی معاملے میں کوئی یہودی کسی مسلمان کے انصاف سے مطمئن

ہو سکے تو مسلمان اس معاملے میں یہودی کی مدد کر سکتا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں

(۲) کوئی مسلمان لڑائی میں شہید ہو جائے تو کسی دوسرے مسلمان پر اسکی ذمہ داری نہ ہوگی۔

(۳) تمام مسلمان اسلام کے احسن اور اقوم طریق پر ثابت قدم رہینگے۔

(۴) کوئی مسلمان کسی مشرک کو مسلمان کے خلاف پناہ نہ دیگا نہ کسی ایسے مال کا ضامن ہوگا جو مشرک نے ناجائز طور سے مسلمان سے حاصل کیا ہو۔ اور نہ کوئی مسلمان مشرک کی حمایت میں کسی مسلمان کے درپے ہوگا۔

(۵) مسلمان کے قتل ناحق پر اگر اسکے ورثا دیت پر راضی نہ ہوں تو قاتل کو جلاد کے حوالے کیا جائیگا

(۶) جو مسلمان اس معاہدے میں شامل ہے اگر وہ دل سے خدا تعالیٰ اور روزِ محشر پر ایمان لا چکا ہے تو اسے کسی مفسد کی حمایت نہ کرنا ہوگی۔ مفسد کو پناہ دینا بھی اسکی حمایت میں شامل ہے۔ ایسے بے انصاف مسلمان پر دنیا اور آخرت دونوں میں خدا کی لعنت اور عذاب ہے۔ اس عذاب کا اس سے کوئی بدل قبول نہ کیا جائے گا۔

(۷) بلاشبہ تمام مسلمان اپنے باہمی تنازعات میں خدا اور محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف رجوع کرینگے۔

یہود شرکائے معاہدہ کے لئے:

(۱) مسلمانوں کی جنگوں میں ان کی مالی اعانت یہودیوں پر واجب ہوگی

(۲) قبیلہ عوف کے تمام یہود کو مسلمانوں کے ساتھ ایک فریق کی حیثیت سے مل کر رہنا ہوگا۔ مسلمان اور یہودی دونوں اپنے اپنے مذہب کے پابند رہینگے۔

(۳) یہ ذمہ داری بنو عوف کے غلاموں پر بھی ان کے آقاؤں کی طرح عائد ہوگی۔ عدم پابندی کی صورت میں ان کے آقا ان کی طرف سے جوابدہ ہونگے۔ سرکشی کی صورت میں نہ صرف بنو عوف کے مرد بلکہ ان کے بال بچے بھی ماخوذ ہونگے۔

(۴) اس دفعہ میں مدینہ کہ مندرجہ ذیل یہود شامل ہیں: ۱۔ بنو نجار، ۲۔ بنو حارث، ۳۔ بنو ساعدہ، ۴۔ بنو ثعلبہ اور ان کے حلیف، ۵۔ بنو حشم، ۶۔ جفنہ (بنو ثعلبہ کی شاخ) ۷۔ بنو شطبیہ۔ الغرض یہ دفعہ ہر یہودی قبیلے کے حلیفوں پر نافذ ہے

(۵) ان میں سے کوئی فرد یا شاخ یا قبیلہ اس دفعہ سے محمد رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر بری الذمہ قرار نہیں پاسکتا۔

(۶) نہ ان میں سے کوئی فرد یا گروہ کسی کو مجروح کرنے پر مواخذہ سے بری الذمہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

(۷) ان میں جو فرد یا گروہ قتل ناحق کا ارتکاب کرے اسکا وبال اسکی ذات اور اہل و عیال سب پر آسکتا ہے۔

(۸) ان (یہود) میں سے کسی پر ناحق ایسی تہمت ہو تو اسکا ناصر اور حامی خدا ہے۔

(۹) مسلمان اور یہود دونوں اپنے مصارف زندگی کے خود کفیل ہونگے۔

(۱۰) دونوں میں سے جو فرد اس قرار داد سے منحرف ہوگا اس باغی پر قابو پانے کے لئے دونوں فریق معاون ہونگے۔

(۱۱) یہود اور مسلمان دونوں ایک دوسرے کے صلح اور نصیحت پر عامل رہینگے اور صلح و نصیحت میں کوئی رخنہ اندازی درمیان میں نہ آنے دینگے۔

(۱۲) فریقین میں سے کوئی فرد یا گروہ دوسرے فریق کی حق تلفی گوارا نہ کریگا۔ البتہ مظلوم کی حمایت سب پر فرض ہوگی۔

(۱۳) مسلمان جب تک اپنے دشمنوں سے مصروف پیکار ہیں یہود ان کی مالی اعانت کرتے رہینگے۔

(۱۴) شہر مدینہ میں دونوں فریقوں کے لئے ایک دوسرے سے جنگ حرام ہے۔

(۱۵) ہر فرد اپنے ہمسائے کی طرفداری اپنے نفس کی مانند کرتا رہیگا۔

(۱۶) اس معاہدے کے پابند افراد اور گروہ باہمی اختلاف اور تنازعہ کا مقدمہ خدا اور اسکے رسُول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے پیش کرینگے۔

(۱۷) شرکائے معاہدہ میں سے کوئی فرد یا گروہ قریشِ مکہ کو اپنے ہاں پناہ نہ دے گا اور نہ قریش مکہ کے کسی حلیف کی مدد کریگا۔

(۱۸) مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں شرکائے معاہدہ حملہ آور کے خلاف ایک دوسرے کی حمایت کرینگے۔

(۱۹) شرکائے معاہدہ دشمن کے ساتھ مصالحت کرنے والی جماعت میں شریک نہ ہونگے۔

(۲۰) دشمن سے صلح کی صورت میں کسی نوع کی منفعت ہوگی تو مسلمانوں کی طرح دوسرے شرکائے معاہدہ بھی اس سے نفع اندوز ہونگے۔

(۲۱) البتہ جو اپنے دین سے منحرف ہوجائے اسکے لئے منفعت کا یہ دروازہ بند ہوگا۔

(۲۲) جنگ کی حالت میں فریق معاہدہ کے ہر فرد کو مالی اعانت میں اپنا حصہ ادا کرنا ہوگا۔

(۲۳) قبیلہ اوس کے یہود اور ان یہود کے موالی بھی اس قرار داد کے اسی طرح پابند ہیں جس طرح وہ قبائل جنکا نام بنام ذکر اوپر آچکا ہے۔

حرف آخر۔ (۱) اس معاہدے کی خلاف ورزی ظالم اور مفسد کے سوا کوئی نہیں

کر سکتا

(۲) جو شخص مدینہ میں خلوص اور امن کے ساتھ سکونت رکھے اور مدینہ سے خلوص اور امن کے ساتھ کسی اور جگہ نقل مکانی کرنا چاہے تو دونوں پر کوئی مواخذہ نہیں۔ لیکن فساد اور شرارت کے لئے قیام مدینہ اور یہاں سے ترک اقامت دونوں پر گرفت ہے۔

(۳) جو شخص دوسروں کے ساتھ بھلائی کا طلبگار ہے خدائے تعالیٰ اور محمد (ﷺ) بھی اسکے خیر اندیش ہیں۔

'میثاق النبی' کا مندرجہ بالا متن ابن ہشام اور ابن کثیر کے دیئے ہوئے متن سے کچھ زیادہ مفصل ہے۔ اس میں تقریباً وہ سب دفعات شامل ہیں جو ابن ہشام اور ابن کثیر نے دی ہیں۔ الفاظ میں ضرور کافی فرق ہے۔ ابن ہشام اور ابن کثیر کے یہاں چند ایسی دفعات (۲)معلوم ہوتی ہیں کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے متن میں نہیں مثلاً:

(۱) جو یہود ہمارے تابع اور حلیف ہیں وہ ہماری مدد اور غمخواری کے مستحق ہیں۔ ان پر ظلم نہ ہوگا۔ اور ان کے خلاف تعاون نہ ہوگا۔

(۲) تمام مسلمانوں کی مصالحت ایک ہوگی۔ جہاد اور جنگ میں کوئی مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کو چھوڑ کر صلح نہ کرے بجزاسکے کہ وہ سب کے لئے مفید اوریکساں عدل و انصاف کی حامل ہو

(۳) کوئی شخص اپنے حلیف کے جرم کہ وجہ سے مجرم نہ ہوگا۔

(۴) کسی خاتون کو پناہ نہیں دی جاسکتی سوائے اسکے اہل کی اجازت کے۔

(۵) مسلمان کسی دشمن سے صلح کرینگے تو یہود بھی اسکے پابند ہونگے۔ اگر یہود کسی سے مصالحت کریں تو مسلمان بھی صلح میں شریک ہونگے۔ لیکن مذہبی لڑائی اس سے مبرا ہوگی۔

اس میثاق کے متعلق 'رسول رحمت' کے مولف لکھتے ہیں "ہر گروہ کے جائز حقوق کی حفاظت میں قطعی تامل نہ کیا گیا اور اشتراک عمل کی ایک خوشگوار صورت پیدا کرلی گئی۔ اگرچہ یہودیوں نے اپنی فطرت و عادت کے مطابق جلد ہی عہد شکنی اور بدمعاملگی کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔ کبھی مسلمانوں کی تنظیم ان کے لئے ہوآ بنی۔ کبھی قریش کی انگشت

نے انہیں بد عہدی پر آمادہ کیا۔ کبھی ذاتی منافع اور رعب و اقتدار کی کمی انہیں پریشان کرنے لگی۔ آخر ان کے تمام مقاصد و مطامع انہی کی بھڑکائی ہوئی آگ میں جل کر خاکستر ہوگئے۔ حسن نیت، حسن معاملت اور ایفائے عہد کے مقابلے میں بد نیتی، بد عملی، اور بد عہدی کا انجام ہمیشہ یہی ہوا ہے اور یہی ہوگا"۔(۳)

دفاعی اور جنگی حالات کے لئے دفعات یوں بھی ہر آئینِ ریاست کا جز ہوتی ہیں۔ لیکن مدینہ کی موجودہ حالت میں اسلئے اور بھی ضروری تھیں کہ قریش مکہ کی طرف سے جارحیت کا سنگین خطرہ موجود تھا۔ رسُول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کی کامیاب ہجرت اور مدینہ میں آپؐ کے عدیم المثال استقبال سے مشرکین مکہ سیخ پا ہوگئے تھے۔ ہجرت کے کچھ ہی دن بعد انہوں نے ایک خط عبداللہ بن اُبَی کو بذریعہ قاصد روانہ کیا (ڈاکٹر محمد حمید اللہ کہتے ہیں کہ مکہ سے ایک پورا وفد اس مقصد کے لئے مدینہ آیا تھا)(۴)۔ عبداللہ بن اُبَی ہجرت سے قبل یثرب کا سب سے زیادہ ذی اثر شخص تھا۔ اوس اور خزرج دونوں بڑی حد تک اسکے مطیع تھے اور اسکی تاجپوشی کرکے اسے مدینہ کی بادشاہت سپرد کرنے والے تھے (کہتے ہیں کہ تاج بنانے کے لئے اسکے سر کا ناپ بھی لے لیا گیا تھا)۔ اسکے نام قریش کے خط کے الفاظ کچھ اسطرح تھے: "تم نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دی ہے ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو یا شہر سے نکال دو۔ ورنہ ہم سب تم پر حملہ کرینگے اور تم کو گرفتار کرکے تمہاری عورتوں پر تصرف کرینگے"۔ رسُول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپؐ عبداللہ سے ملے۔ اسے سمجھایا کہ اسطرح "کیا تم خود اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑوگے" (چونکہ اکثر انصار مسلمان ہوچکے تھے) یہ بات عبداللہ کی سمجھ میں آگئی اور اس نے قریش کے خط پر کوئی کاروائی نہ کی۔ بہر حال اہل مدینہ پر یہ امر روشن ہوگیا کہ مکہ والے کبھی بھی ان کے شہر پر حملہ آور ہوسکتے ہیں۔

اسی خیال کے پیش نظر رسُول اللہ ﷺ نے 'میثاق النبی' کے ساتھ ساتھ آپس میں صلح اور دشمن کے خلاف متحدہ دفاع کے شرائط مختلف یہودی قبائل سے علیحدہ علیحدہ بھی انفرادی طور سے طے کیے(۵)۔ لیکن میثاق اور یہ شرائط صرف اہل مدینہ تک محدود تھے۔ آپؐ نے چاہا کہ مدینہ کے گرد و اطراف میں جو قبائل آباد ہیں ان سے بھی دفاعی معاہدے کیئے جائیں۔ چنانچہ اس پر رفتہ رفتہ عمل ہوا اور اس طرح مدینے کے گرد ایک ایسا علاقہ قائم ہوگیا جسے بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ 'بفر اسٹیٹ' کہہ سکتے تھے۔ سب سے پہلے ہجرت کے پہلے ہی سال آپؐ رابغ کے شمال

مشرق میں ودان تک جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے تشریف لے گئے اور قبیلہ بنی ضمرہ بن بکر کے سردار عمر بن مخشی الضمری کو اس معاہدے میں شریک کیا۔ اسی طرح ربیع الاول ۲ ھ میں آپؐ بواط تشریف لے گئے اور وہاں کے لوگوں کو شریک معاہدہ کیا۔ اسی سال جمادی الآخر میں ذی العشیرہ جاکر بنی مدلج سے معاہدہ کیا۔ یہ مقام ینبوع اور مدینہ کے درمیان مدینہ کے مغرب میں تقریباً ایک سو ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہ تمام مقامات تجارتی قافلوں کے راستے پر تھے۔ جن قبائل سے معاہدے ہوئے ان میں بنی ضمرہ اور بنی مدلج کے علاوہ جہینہ اور مزینہ نامی قبیلے بھی شامل تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کہتے ہیں کہ "بنی ضمرہ، بنی غفار، بنی ربعہ اور بنی زرعہ (جو قبیلہ جہینہ کی شاخیں ہیں) سے کئے جانے والے معاہدات کے متن ہم تک پہنچے ہیں مگر مزید جنوب میں آباد بنی مدلج کے ساتھ کئے گئے معاہدے کا متن معلوم نہیں ہو سکا۔ تاہم اس معاہدے کی دفعات یقیناً دیگر معاہدوں کے مطابق ہی ہونگی(۶)۔ ان معاہدوں کے مطابق مسلمانوں کے فوجی دستے ان علاقوں میں گشت کرنے کے مجاز تھے لیکن مشرکین کو یہ حق نہ تھا۔ معاہدہ کرنے والے قبائل پابند تھے کہ مدینہ پر کسی بیرونی حملہ آور کو کسی قسم کا تعاون فراہم نہ کریں۔ بلکہ یہ قبائل اور مسلمان بیرونی جارحیت کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کریں۔ شمال میں بنی فزارہ اور بنی غطفان سے معاہدے نہ ہوسکے اور انکی طرف سے ہمیشہ خطرہ رہا۔

☆ ☆
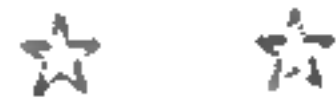
(۱) محمد حمید اللہ 'محمد رسول اللہؐ' مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد دوم صفحہ ۵۷۳ تا ۵۷۶
(۲) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۵۰۶، ۵۰۷
(۳) ابو الکلام آزاد 'رسول رحمتؐ' صفحہ ۲۵۰، ۲۵۱
(۴) محمد حمید اللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۲۵۷
(۵) محمد حمید اللہ 'محمد رسول اللہؐ' مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد دوم صفحہ ۵۷۳
(۶) ایضاً صفحہ ۵۷۷

(۶۲) نیا گھرانہ

قریش مکہ رسُول اللہ ﷺ کے جانی دشمن تھے مگر یہ ان کی روایات کے خلاف تھا کہ کسی دشمن کے اہل و عیال کو یرغمال بنالیں۔ ایسا تو ہوا کہ کسی فرد کو اسی کے خاندان والوں نے ہجرت سے روک لیا لیکن کسی دوسرے خاندان یا قبیلے والے کسی کو روکنے کے مجاز نہ تھے۔ چنانچہ آپؐ کے اور حضرت ابو بکرؓ کے اہل و عیال کو مدینہ آنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ حضرت ابو بکرؓ کے عمر رسیدہ والدؓ ابو قحافہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے اور مکہ ہی میں مقیم رہے۔ ان کی دیکھ بھال کے لئے حضرت ابو بکرؓ کی ہمشیرہ قُریبہؓ ان کے ساتھ رہیں۔ چند ہی دن بعد حضرت ابو بکرؓ نے اپنی بڑی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کی شادی حضرت زبیر بن العوامؓ سے کردی۔ یہ پہلے ہی اپنی والدہ حضرت صفیہؓ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آچکے تھے۔ رسُول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی ہونے کے علاوہ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے بھی تھے۔

اسی ہجرت کے پہلے سال رسُول اللہ ﷺ نے بھی اپنے ہی خاندان میں ایک شادی کا انتظام فرمایا۔ آپؐ کے متبنّی حضرت زید بن حارثہؓ کی شادی حضرت ام ایمنؓ سے ہوچکی تھی یہ عمر میں ان سے کافی بڑی تھیں۔ آپؐ نے چاہا کہ حضرت زیدؓ کی شادی کسی ہم عمر خاتون سے ہوجائے۔ نظرِ انتخاب اپنی پھوپھی کی صاحبزادی حضرت زینبؓ بنت جحش پر پڑی۔ اس شادی سے اسلامی مساوات کی ایک مثال بھی قائم ہوسکتی تھی کیونکہ حضرت زیدؓ ویسے تو ایک باعزت قبیلے بنی کلب کے فرد تھے لیکن مکہ میں ایک غلام کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں آچکی ہے۔ رسُول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ کے بھائی عبداللہ بن جحشؓ سے چاہا کہ اپنی ہمشیرہ کو حضرت زیدؓ کی زوجیت میں دے دیں شروع میں عبداللہؓ کو کچھ تردد ہوا۔ حضرت زینبؓ کو بھی ایک آزاد شدہ غلام سے یہ رشتہ پسند نہ تھا۔ لیکن جب انھیں معلوم ہوا کہ رسُول

اللہ ﷺ کی یہی خواہش ہے تو بہن بھائی دونوں راضی ہوگئے۔ اور شادی ہوگئی حضرت زینبؓ کی ہمشیرہ حضرت حمنہؓ بھی مدینہ آگئی تھیں۔ انہی دنوں ان کی شادی حضرت مصعب بنؓ عمیر سے ہوگئی۔ اسی سال حضرت زینبؓ کی والدہ حضرت امیمہؓ نے اسلام قبول کیا اور مدینہ آگئیں۔

حضرت اسماءؓ کی شادی کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے چاہا کہ اپنی دوسری صاحبزادی حضرت عائشہؓ کے فرض سے بھی سبکدوش ہوجائیں۔ رسول اللہ ﷺ سے اس خیال کا اظہار کیا تو طے پایا کہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی کردی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کا نکاح مکہ میں ہی ہوچکا تھا۔ اب انؓ کی عمر رخصتی کے لائق تھی۔ حسن انہیں اپنے والدین سے وراثت میں ملا تھا۔ ان کے والد اپنے حسین چہرے کی وجہ سے قریش میں 'عتیق' (۱) کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ ان کی والدہ کے متعلق رسول اکرم رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا" جسے حور عین میں سے کوئی حور دیکھنا ہو تو وہ ام رومان کو دیکھ لے(۲)۔ حضرت عائشہ کو رسول اللہ ﷺ بہت عزیز تھے۔ مکہ کے قیام کے دوران آپؐ تقریباً روزانہ ہی انؓ سے ملا کرتے تھے وہؓ بچپن ہی سے دیکھتی آئی تھیں کہ ان کے والدین کے دلوں میں آپؐ کے لئے کسقدر محبت اور عقیدت تھی۔ انؓ کے کمسن ذہن میں یہ چیز مرتسم ہو چکی تھی کہ آپؐ ایک فوق البشر ہستی ہیں جنہیں معراج نصیب ہوچکی تھی اور جن کا رابطہ اللہ کے فرشتے جبریلؑ سے رہتا تھا۔ معراج کے آثار آپؐ کے وجود میں سرایت کرچکے تھے۔ آپؐ جہاں ہوتے آپؐ کی موجودگی سے پاکیزگی اور خوشی کی ایک لہر دوڑ جاتی تھی۔ آپؐ کا لمس روح افزا تھا۔ دست مبارک چھوئیں تو برف سے زیادہ خنک اور مشک سے زیادہ نکہت افریں محسوس ہوتا تھا(۳)۔ عمر کے ۵۳ سال جو ہر قسم کے دشوار گذار راہوں سے گزرے تھے آپؐ کے چہرے پر کوئی ناخوشگوار اثر نہ چھوڑ سکے تھے۔ ریش مبارک کے ریشمی سیاہ بالوں میں اب بھی شباب جھلک رہا تھا اور آنکھوں میں وہی چمک اور جسم میں وہی رعنائی تھی جو برسوں پہلے حضرت خدیجہؓ کو نظر آئی تھی۔ حسان بن ثابتؓ (شاعر اسلام) نے سچ کہا:

"وَأَحسَنُ مِنكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِي
وَأَجمَلُ مِنكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ۔
خُلِقتَ مُبَرَّأً مِّن كُلِّ عَيبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقتَ كَمَا تَشَاءُ۔

"تجھ سا حسین میری آنکھوں نے دیکھا ہی نہیں اور تجھ سا جمیل کسی

خاتون نے جنا ہی نہیں تیری تخلیق ہر عیب سے مبرا ہے۔ گویا تو خود
اپنی مرضی کے مطابق پیدا ہوا ہے۔"

کہتے ہیں کہ خود حضرت عائشہؓ نے ایک بے تکلفی کے موقع پر آپؐ کو دور جاہلیہ کے ایک شاعر ابو کبیر ہذلی کے اس شعر کا مصداق ٹھرایا تھا:(۴)

وَاِذَآ نَظَرْتُ اِلٰی اَسِرَّۃِ وَجْھِہٖ ۔ بَرَقَتْ کَبَرْقِ الْعَارِضِ الْمُتَھَلِّلِ"

(جب میں نے اسکے روئے تاباں پر نگاہ ڈالی تو شانِ رخشندگی ایسی تھی جیسے کسی کلہ ابر میں بجلی کو ندرہی ہو)

رسُول اللہ ﷺ کو حضرت عائشہؓ سے ان کے بچپن ہی میں بڑا انس تھا۔ مکہ میں ایک روز حسب معمول حضرت ابو بکرؓ سے ملنے ان کے مکان پر تشریف لے گئے تو حضرت عائشہ کو دیکھا کہ دروازے پر کھڑی رو رہی ہیں۔ پوچھا " کیا ہوا"۔ تو بولیں " امی جان مجھ پر بھڑک اٹھتی ہیں"۔ یہ سنا تو آپؐ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ حضرت ام رومان سے شکایتاً فرمایا"ام رومان۔ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم ان میں میری حفاظت کرو"۔ حضرت ام رومان نے عرض کیا" انہوں نے صدیقؓ کو میری باتیں بتا کر انہیں مجھ سے ناراض کرادیا۔" رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا اگرچہ انہوںؓ نے ایسا کیا (تب بھی)"۔ حضرت ام رومان نے جواب دیا"یہ بری عادت ان میں ہمیشہ کے لئے راسخ نہ ہو جائے"(۵)۔

رسُول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ سے ان کی جس کم عمری میں نکاح کرنا چاہا اس سے "ظاہر ہے کہ اسمیں کوئی نفسانی خواہش کار فرما نہ تھی"(۶)۔ آپؐ کا مقصد حضرت ابو بکرؓ سے اپنے تعلق کو مزید استحکام دینا تھا یا جیسا کہ سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ " شادی کا اصل منشاء نبوت اور خلافت کے درمیان تعلقات کی مضبوطی تھی"(۷)۔ اسکے علاوہ رسُول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ کی ذکاوت اور جودتِ طبع سے انؓ کے بچپن ہی سے واقف تھے اور انہیں "اسلامیات اور فقہ کا عظیم عالم بنانے کے خواہاں تھے چونکہ انؓ کی عمر ابھی بہت کم تھی اس لئے یہ باور کرنے کی خاص وجوہ تھیں کہ وہ رسول خداؐ کے بعد کافی دیر زندہ رہینگی (انؓ کا انتقال رسول اللہ ﷺ کے وصال کے ۴۸ سال بعد ہوا)۔ چنانچہ انؓ سے وابستہ تمام امیدیں بر آئیں"(۸)۔ آگے چل کر وہ حدیث و سنت کی بہترین عالم بنیں اور اپنے دور کی عظیم محدث

تصور کی گئیں۔

رخصتی کے لئے کوئی خاص اہتمام نہیں ہوا۔ حضرت عائشہ کو خبر تک نہ تھی کہ آج انؓ کی رخصتی ہونے والی ہے۔ خود فرماتی ہیں " میں جھولے میں جھولا کرتی تھی۔ اور میرے سر پر بالوں کا گچھا تھا میں جھولے میں جھول رہی تھی کہ میرے پاس آنے والی آتی ہے اور میرا ہاتھ پکڑ کر گھر لے جاتی ہے۔ اور مجھے تیار کیا جاتا ہے اور آپؐ کے پاس داخل کردیا جاتا ہے۔ اور مجھے ایک ریشم کے ٹکڑے میں میری صورت دکھائی جاتی ہے"(۹)۔انؓ کا لباس عروسی سرخ دھاری دار کپڑے کا تھا جو حضرت ابو بکرؓ کبھی بحرین سے لائے تھے حضرت ام رومانؓ جب انہیں انؓ کے حجرے میں پہنچانے گئیں تو انصاری لڑکیاں جو وہاں منتظر تھیں استقبالیہ نغمے گانے لگیں۔ خلاف معمول دعوتِ ولیمہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ آپؐ کو ایک دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اسمیں سے کچھ پیا۔ پھر حضرت عائشہ کو پیش کیا۔ وہ شرمائیں اور تکلف کیا پھر اپنے عزیز شوہر کے اصرار پر تھوڑا سا پیا اور پیالہ اپنی ہمشیرہ حضرت اسماء کی طرف بڑھادیا۔ جو برابر ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ اسکے بعد اوروں نے بھی پیا۔ اور رخصتی کی رسم اختتام کو پہنچی۔

خود حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق انؓ کا مہر "بارہ اوقیہ اور ایک نش" یعنی پانچ سو درہم تھا جو عموماً ازواج مطہرات کے لئے ہوتا تھا(۱۰)۔ یہ مہر بھی رسُول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے قرض لے کر ادا کیا۔ نئی دلھن رسُول اللہ ﷺ کے یہاں جس حجرے میں منتقل ہوئیں اسکی "کل کائنات ایک چارپائی، ایک چٹائی، ایک بستر، ایک تکیہ جس میں چھال بھری تھی، آٹا اور کھجور رکھنے کے ایک دو برتن، پانی کا ایک برتن اور پانی پینے کے ایک برتن سے زیادہ نہ تھی۔ مسکن مبارک گو منبعِ انوار تھا لیکن راتوں کو چراغ جلانا بھی صاحبِ مسکنؐ کی استطاعت سے باہر تھا۔ چالیس چالیس راتیں گذر جاتی تھیں اور گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا"(۱۱)۔

شادی کے بعد بھی حضرت عائشہؓ کے بچپن کے کھیل جاری رہے۔ انؓ کی ہم سن ہمجولیاں برابر ملنے آتی رہتیں۔ ان میں مہاجر گھروں کی بچیاں بھی تھیں اور کچھ نئی انصاری سہیلیاں بھی۔ خود فرماتی ہیں کہ وہؓ اپنی سہیلیوں کے ساتھ گڑیاں کھیلنے میں مصروف ہوتیں اور کبھی رسُول اللہ ﷺ ایسے میں گھر آجاتے تو سہیلیاں شرما کر باہر نکل جاتیں لیکن آپؐ خود انہیں واپس بلا لیا کرتے تھے(۱۲)۔ کبھی خود بھی کھیل میں شریک ہو جاتے تھے۔ ایک دن حضرت عائشہؓ کے پاس ایک پروں دار گھوڑا (کھلونا) دیکھا۔ پوچھا " یہ کیسا کھلونا ہے۔ گھوڑے کے پر کہاں ہوتے ہیں؟"۔

حضرت عائشہؓ نے بتایا" یہ حضرت سلیمانؑ کا گھوڑا ہے"۔ اس پر آپؐ ہنسنے لگے(۱۳)۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ یہ سہیلیوں کے ساتھ کھیل میں مصروف ہوتیں تو آپؐ خاموشی سے اپنی چادر سمیٹے ہوئے گزر جاتے اور ان کے کھیل میں مخل نہ ہوتے۔

رسُول اللہ ﷺ کی اقامت گاہ کے دوسرے حجرے میں حضرت سودہؓ پہلے ہی سے مقیم تھیں۔ آپؐ خود باری باری دونوں میں قیام فرماتے۔ ایک حجرے میں حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ تھیں۔ آپؐ کے گھر والوں میں دس سالہ حضرت انس بن مالکؓ بھی تھے جنہیں ان کی والدہ حضرت ام سلیمؓ نے آپؐ کی خدمت کے لئے یہ کہہ کر پیش کیا تھا کہ "یہ لڑکا لکھنا پڑھنا بھی جانتا ہے"۔ اس اہلیت کی سند اس زمانے میں بڑی کامیاب تھی۔ حضرت انسؓ نے تقریباً دس سال رسُول اللہ ﷺ کی خدمت کی۔ ان کا کہنا ہے کہ اس دوران ایک بار بھی آپؐ نے کوئی سخت کلمہ ان سے نہیں کہا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی اکثر آپؐ کے ساتھ رہتے تھے اور ہر طرح آپؐ کی خدمت بجا لاتے تھے۔ انؓ کے اس قرب کی بنا پر لوگ انہیں آپؐ کے اہل بیت میں سمجھتے تھے۔ آپؐ نے انہیںؓ مسجد کے بالکل قریب ہی رہنے کے لئے جگہ عنایت فرمائی تھی۔

مدینہ کی نسبتاً مرطوب آب وہوا باہر والوں کو اکثر راس نہ آتی تھی۔ بہت سے مہاجروں کو موسمی بخار ستانے لگا۔ حضرت عائشہؓ خود بھی بخار میں مبتلا ہوئیں۔ رسُول اللہ ﷺ تو اس سے محفوظ رہے لیکن حضرت ابو بکرؓ اور ان کے دو آزاد کردہ غلام حضرت بلالؓ اور حضرت عامر بن فہیرہؓ جو انؓ کے ساتھ ہی رہتے تھے تیز بخار میں مبتلا ہوئے۔ ایک دن حضرت عائشہؓ اپنے والد کے پاس گئیں تو باپ کو سخت بخار میں پایا۔ مزاج پرسی کی تو حضرت ابو بکرؓ نے یہ شعر پڑھا:

"کل امرىء مصبح فی اهله
والموت ادنى من شراك نعله

(ہر شخص کو اسکے گھر میں دعا دی جاتی ہے کہ اسکی صبح بالخیر ہو۔ اور حال یہ ہے کہ موت اسکے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے)۔

حضرت عامرؓ کو بھی اسی حال میں پایا۔ ان سے حال پوچھا تو انہوں نے بھی شعر پڑھا۔

یہ اسکا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہیں۔ حضرت بلال کو دیکھا تو وہ بھی بخار میں اسی قسم کی باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے تینوں کا حال رسُول اللہ ﷺ سے بیان کیا کہ سب کے سب بخار میں مدہوش تھے۔ آپؐ نے دعا فرمائی "یا اللہ ہم کو مدینہ کی ایسی محبت دے جیسی تو نے ہمیں مکہ کی محبت دی تھی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ اور یہاں کے مد اور صاع (ناپ تول کے دو پیمانے) میں ہمیں برکت عطا فرما اور یہاں کی وبا کو مہیعہ منتقل کر"(۱۴)۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعا قبول فرمائی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث فرماتے ہیں کہ رسُول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی "اے پروردگار تیرے نبی اور بندے ابراھیمؑ نے مکہ کے لئے دعا کی تھی اور میں مدینہ کے لئے دعا کرتا ہوں"(۱۵)۔

ہجرت کے اس پہلے سال مدینہ میں مسلمانوں کو دو افسوس ناک سانحے دیکھنا پڑے۔ انصار کی دو معزز ہستیوں حضرت کلثوم بن ہدمؓ (جن کے یہاں رسُول اللہ ﷺ قبا میں ٹھہرے تھے) اور حضرت اسعد بن زرارہؓ (ابوامامہ) نے وفات پائی۔ حضرت اسعدؓ سب سے پہلے بیعت کرنے والے انصاریوں میں سے تھے اور انہوں نے ہی سب سے پہلے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا۔ مدینہ میں جمعہ کی باجماعت نماز بھی انہوں ہی نے شروع کی۔ رسُول اللہ ﷺ کو ان کی موت کا بڑا ملال ہوا۔ اس موقع پر بعض یہود نے یہ طعنہ بھی دیا کہ اگر آپؐ سچے رسول ہوتے تو آپؐ کو یہ صدمہ کیوں پہنچتا۔ آپؐ نے سنا تو فرمایا "میں اپنے لئے اور اپنے ساتھیوں کے لئے خدا کے یہاں کوئی اختیار نہیں رکھتا"۔ حضرت اسعدؓ بنی نجار کے نقیب تھے۔ ان کے قبیلے والوں نے رسُول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ان کے لئے کوئی دوسرا نقیب نامزد فرمادیں۔ آپؐ نے فرمایا" میں خود ہی تمہارا نقیب ہوں"۔ آپؐ کی ننہیال اسی قبیلے میں تھی۔ اس لئے دوسروں کو شکایت کا موقع نہ تھا۔

شبلی نعمانی نے اس عجیب اتفاق کا ذکر کیا ہے کہ اسی سال دو رئیسانِ کفر بھی مکہ میں مرے پہلا ولید بن مغیرہ اور دوسرا عاص بن وائل(۱۶)۔ اللہ کا کرنا دیکھئے کہ انہی دو دشمنان اسلام کے بیٹے حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ اسلام کے عظیم سپہ سالار بنے۔

اب تک مہاجرین میں کسی کے یہاں اولاد نہیں ہوئی تھی۔ یہودیوں نے مشہور کر رکھا تھا کہ یہ ان کے جادو کا اثر ہے۔ لیکن اسی سال کے آخر میں حضرت اسماءؓ کے فرزند پیدا ہوا۔ مہاجرین نے بڑی خوشی منائی۔ یہ فرزند ارجمند تاریخ اسلام کی عظیم شخصیت حضرت عبد اللہ

بن زبیرؓ تھے۔

☆ ☆

(۱) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۶۵
(۲) ابن سعد 'طبقات' حصہ ہشتم صفحہ ۳۵۵
(۳) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۴۰۵ (کتاب الانبیاء۔ باب صفۃ النبی ﷺ)
(۴) نعیم صدیقی 'محسن انسانیت' صفحہ ۸۱
(۵) ابن سعد 'طبقات' حصہ ہشتم صفحہ ۱۰۶
(۶) محمد حمید اللہ 'محمد رسول اللہؐ' مطبوعہ 'نقوش رسول نمبر' جلد دوم صفحہ ۶۴۹
(۷) سید سلیمان ندوی 'سیرت عائشہؓ' صفحہ ۱۲
(۸) محمد حمید اللہ 'محمد رسول اللہؐ' مطبوعہ 'نقوش رسول نمبر' جلد دوم صفحہ ۶۵۰
(۹) ابن سعد 'طبقات' حصہ ہشتم صفحہ ۸۳
(۱۰) سید سلیمان ندوی 'سیرت عائشہؓ' صفحہ ۱۳
(۱۱) ایضاً صفحہ ۲۷
(۱۲) ابن سعد 'طبقات' حصہ ہشتم صفحہ ۸۵
(۱۳) ایضاً صفحہ ۸۶
(۱۴) صحیح بخاری جلد سوم صفحہ ۲۸۲ (کتاب المرضیٰ۔ باب عن دعا بدفع الوباء والحمّٰی)
(۱۵) شاہ ولی اللہ 'حجۃ اللہ البالغہ' صفحہ ۱۸۶
(۱۶) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۷۷

(۶۳) یہودی مخالفت

موجودہ تورات میں حضرت موسیٰ کا قول ہے

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کریگا۔ تم اسکی سننا" (پرانا عہدنامہ 'کتاب استثناء' ۱۸/۱۵)

مدینہ کے یہودی برابر اسے پڑھتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ یہ نبی موعود جلد آنے والا ہے اور اسکی مدد سے وہ یثرب کے عرب قبیلوں کو تس نہس کر کے فوقیت حاصل کر لینگے۔ حقیقتاً 'تیرے بھائیوں' سے مراد بنی اسمٰعیلؑ تھے اور یہ پیشین گوئی رسول اللہ ﷺ کے لئے تھی جیسا کہ اسی کتاب میں آگے مزید وضاحت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں (مراد بنی اسمٰعیلؑ) میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کرونگا۔ اور اپنا کلام اسکے منہ میں ڈالونگا۔ اور جو کچھ میں اسے حکم دونگا وہی وہ ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لیکر کہے گا (یہ اشارہ 'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' کی طرف ہے جس سے قرآن مجید کی ہر سورۃ شروع ہوتی ہے۔ یہ قرآن مجید کے سوا کسی آسمانی کتاب کی خصوصیت نہیں) نہ سنے گا تو میں اسکا حساب ان سے لونگا" (پرانا عہد نامہ 'کتاب استثناء ۱۸/۱۸، ۱۹)

یہ الفاظ کہ " اپنا کلام اسکے منہ میں ڈالونگا" سوائے رسول اللہ علیہ کے کسی اور نبی پر صادق نہیں آئے۔ قرآن مجید کے سوا کسی اور کتاب کیلئے یہ نہیں کہا گیا اور نہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اللہ کا اپنا کلام ہے۔ لیکن قرآن مجید خود اپنے لئے اسکی تصدیق یوں کرتا ہے:

"اور تمہارے رفیق (محمدؐ) نہ بھولے ہیں نہ بھٹکے ہیں۔ اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے" (النجم: ۲ تا ٤)

کتاب استثناء کے مذکورہ بالا الفاظ "تیرے ہی درمیان سے" بظاہر زائد ہیں اور بقول سلمان منصور پوری 'الحاق' (بعد میں ملائے گئے) ہیں(۱)۔ یہ اس سے ظاہر ہے کہ اسی باب کی آیت ۱۸ میں یہ پیشین گوئی دہرائی گئی ہے اور اس میں یہ الفاظ نہیں۔ اسی طرح نئے عہد نامہ (انجیل) کی 'کتاب اعمال' کے الفاظ ہیں:

"چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خدا وند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کریگا۔ جو کچھ وہ تم سے کہے تم اسکی سننا ('نیا عہد نامہ 'کتاب اعمال ۳/۲۲)

انجیل کی اس آیت میں بھی 'کتاب استثناء' کی پیشین گوئی دہرائی گئی ہے مگر الفاظ "تیرے درمیان سے" موجود نہیں۔ قطعی ممکن کہ یہودی احبار میں سے کسی نے صرف اس لئے یہ الفاظ جوڑ دیئے کہ آنے والے نبی کو نبی اسرائیل ہی کا فرد تسلیم کرنے کے لئے جواز پیدا کرسکے۔ تورات و انجیل میں اس قسم کی تحریف کمیاب نہیں۔

مدینہ کے یہودیوں کے ذہن میں ملاکی نبی کی یہ پیشن گوئی بھی تھی:

"دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجونگا اور وہ میرے آگے راہ درست کریگا۔ اور خداوند جسکے تم طالب ہو ناگہان اپنی ہیکل میں آموجود ہوگا۔ ہاں

عہد کا رسول (اشارہ ہے میثاق النبین کی طرف وہ عہد جو اللہ تعالی نے سب نبیوں سے نبی آخرزماںؐ کے لئے لیا تھا) جسکے تم آرزو مند ہو آئیگا۔ رب افواج فرماتا ہے۔ پر اسکے آنے کے دن کی کس میں تاب ہے۔ اور جب اسکا ظہور ہوگا تو کون کھڑا رہ سکے گا۔ کیونکہ وہ سنار کی آگ اور دھوبی کے صابن کی مانند ہے اور وہ چاندی کو تانے اور پاک صاف کرنے والے کی مانند بیٹھے گا اور بنی لاوی کو سونے اور چاندی کی مانند پاک صاف کریگا تاکہ وہ راستبازی سے خداوند کے حضور ہدیئے گزاریں (پرانا عہد نامہ کتاب ملاکی ۳: ۱تا۳)۔

یہود اس نبی موعود کے منتظر تھے مگر یہ ہرگز نہ چاہتے تھے کہ کوئی غیر اسرائیلی اس نبوت کا حامل ہو۔ ابو یاسر اور اسکے بھائی حیؑ بن اخطب کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ جو دل میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے قائل ہونے کے باوجود آپؐ کی مخالفت پر کمر بستہ رہے۔ ابو اسحاق کعب بن معانی (جو کعب احبار کے نام سے مشہور ہے) بہت بڑا یہودی عالم تھا۔ یہ بڑی حد تک دل میں اسلام کی صداقت کا قائل تھا مگر اپنی جماعت کے اثر سے مجبور ہوکر اس نعمت سے ایک مدت تک محروم رہا(۲)۔ (گوچند دوسرے یہودی مثلاً حصین بن سلام (عبداللہ بن سلام) مخیرق، ثعلبہ بن سعید اسید بن سعید، اسد بن عبید وغیرہ اور ایک عیسائی راہب ابو قیس صرحہ بن ابی انس مسلمان ہوگئے۔) یہودیوں نے میثاق النبی کو صرف مصلحتاً قبول کرلیا تھا۔ دل میں اسلام اور پیغمبر اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن تھے۔ ہر چند کہ آپؐ نے تبلیغ کا فرض ادا کیا اور انہیں قرآن مجید کے ان الفاظ کے مطابق سمجھانے کی کوشش کی:

"کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اس کی طرف آؤ۔ وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو ان سے کہدو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (خدا

کے) فرمانبردار ہیں" (آل عمران ٦٤)

لیکن ان یہودیوں کو مدینہ میں اسلام کا فروغ سخت ناگوار تھا اور اسی طرح اوس اور خزرج کا اتحاد۔

نبی قینقاع کا ایک معمر یہودی سیاستدان مرشاس بن قیس عربوں کی آپس کی نا اتفاقی سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں ماہر تھا۔ اوس اور خزرج کو دوبارہ لڑانے کے لئے اسے ایک ترکیب سوجھی۔ ایک خوش الحان یہودی نوجوان کو سکھایا کہ انصار کے ایک جلسے میں وہ اشعار گائے جو جنگ بعاث کے آخری معرکہ کے بعد دونوں فریقوں کے شعرانے کہے تھے۔ جن میں اپنے اپنے قبیلے کی فوقیت کا ذکر تھا، اپنے اپنے مقتولوں کے مرثیے تھے اور انتقام کی دھمکیاں۔ یہ نوجوان بڑے سلیقے سے مرشاس کی ہدایت کو عمل میں لایا۔ حاضرین جلسہ کی توجہ حاصل کر کے ان کے ذہنوں کو حال سے ماضی کی طرف منتقل کردیا۔ اوس والے اپنے شاعروں کو داد دے رہے تھے اور خزرجی اپنے شاعروں کو۔ یہاں تک کہ دونوں فریق طنز و تشنیع پر اتر آئے۔ نوبت یہ پہنچی کہ لڑنے کو صف آرا ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو فوراً مہاجروں کے ساتھ جائے وقوع پر پہنچے جہاں دونوں گروہ لڑنے مرنے کو تیار تھے۔ آپؐ نے فرمایا "اے مسلمانو یہ کیا حرکت ہے۔ جاہلیت کے دعوے کرتے ہو حالانکہ میں تم میں موجود ہوں اور خدانے تمکو ہدایت اور اسلام سے بزرگی بخشی ہے اور جاہلیت کی سب باتیں تم سے قطع کر دی ہیں اور آپس میں محبت و الفت قائم کردی ہے"۔ دونوں گروہوں پر اثر ہوا۔ رو پڑے اور آپس میں ایک دوسرے کے گلے لگ گئے۔ اسطرح مرشاس کے شر سے اللہ تعالی نے مسلمانوں کو محفوظ رکھا۔ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی(۳):

"کہو کہ اے اہل کتاب تم مومنوں کو خدا کے رستے سے کیوں روکتے ہو اور باوجودیکہ تم اس سے واقف ہو اس میں کجی نکالتے ہو۔ اور خدا تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں' (آل عمران ۹۹)

اور اگلی آیات میں مسلمانوں کو اسطرح مخاطب کیا گیا:

"مومنو! اگر تم اہل کتاب کے کسی فریق کا کہا مان لوگے تو وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر بنا دینگے۔ اور تم کیونکہ کفر کرو گے جب کہ تم کو خدا کی آیتیں پڑھکر سنائی جاتی ہیں۔ اور تم میں اس کے پیغمبر موجود ہیں۔ اور جس نے خدا (کی ہدایت کی رسی) کو مضبوط پکڑ لیا وہ سیدھے رستے سے لگ گیا" (آل عمران ۱۰۰،۱۰۱)

یہود کے دل میں جو کینہ اسلام کے خلاف تھا وہ بہر حال قائم رہا۔ کھلم کھلا مقابلے کی ہمت کبھی نہ ہوئی مگر جب موقع پایا مسلمانوں کے خلاف سازش کی۔ پھر اسکی سزا بھی پائی۔ ابن اسحاق نے چند ایسے یہودیوں کا ذکر کیا ہے جو بظاہر مسلمان ہوگئے تھے لیکن باطن میں منافق تھے۔ یہ یہودی مسلمانوں کی باتیں سنکر سادہ لوح مسلمانوں کے ساتھ تمسخر کرتے۔ ان میں سعد بن حنیف، زید بن لصیت(۴)، رافع بن خزیملہ رافع بن حارثہ، عمرو بن قیس، قیس بن سہل، حرث بن عمرو وغیرہ کے نام شامل ہیں(۵)۔ ایک مرتبہ ان میں سے کچھ یہودی مسجد نبوی میں ایک ساتھ بیٹھے ہوئے آپس میں چپکے چپکے اسلام کا مذاق اڑا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو نہایت ذلت کے ساتھ مسجد سے نکلوادیا۔

☆ ☆

(۱) سلیمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلد اول صفحہ ۹۶، ۹۷

(۲) یہ کعب احبار حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں مشرف بہ اسلام ہوئے

(۳) ابن ہشام 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۳۸۱

(۴) زید بن لصیت ہی وہ شخص تھا جو ایک بار بنی قینقاع کے بازار میں حضرت عمرؓ سے جھگڑنے لگا تھا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی ایک اونٹنی گم ہوگئی تو اس نے یہ طنز کیا کہ آپؐ کا دعوی تھا کہ آپؐ پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے لیکن یہ نہیں جانتے کہ اونٹنی کدھر گئی۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا "مجھے اسی بات کا علم ہوتا ہے جو اللہ بتا دے"۔ پھر آپؐ نے بتایا کہ اللہ نے آپ کو خبر دیدی کہ اونٹنی فلاں گھاٹی میں ہے جہاں اسکی مہار ایک درخت میں پھنس گئی تھی۔ چند مسلمان فوراً رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچے اور اونٹنی کو وہیں اسی حال میں پایا جیسا کہ آپؐ نے فرمایا تھا۔ (الفرید

غیوم 'دی لائف آف محمدؐ' (The Life of Muhammad) صفحہ ۲۴۶)

(۵) ابن ہشام 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۳۵۵، ۳۵۶
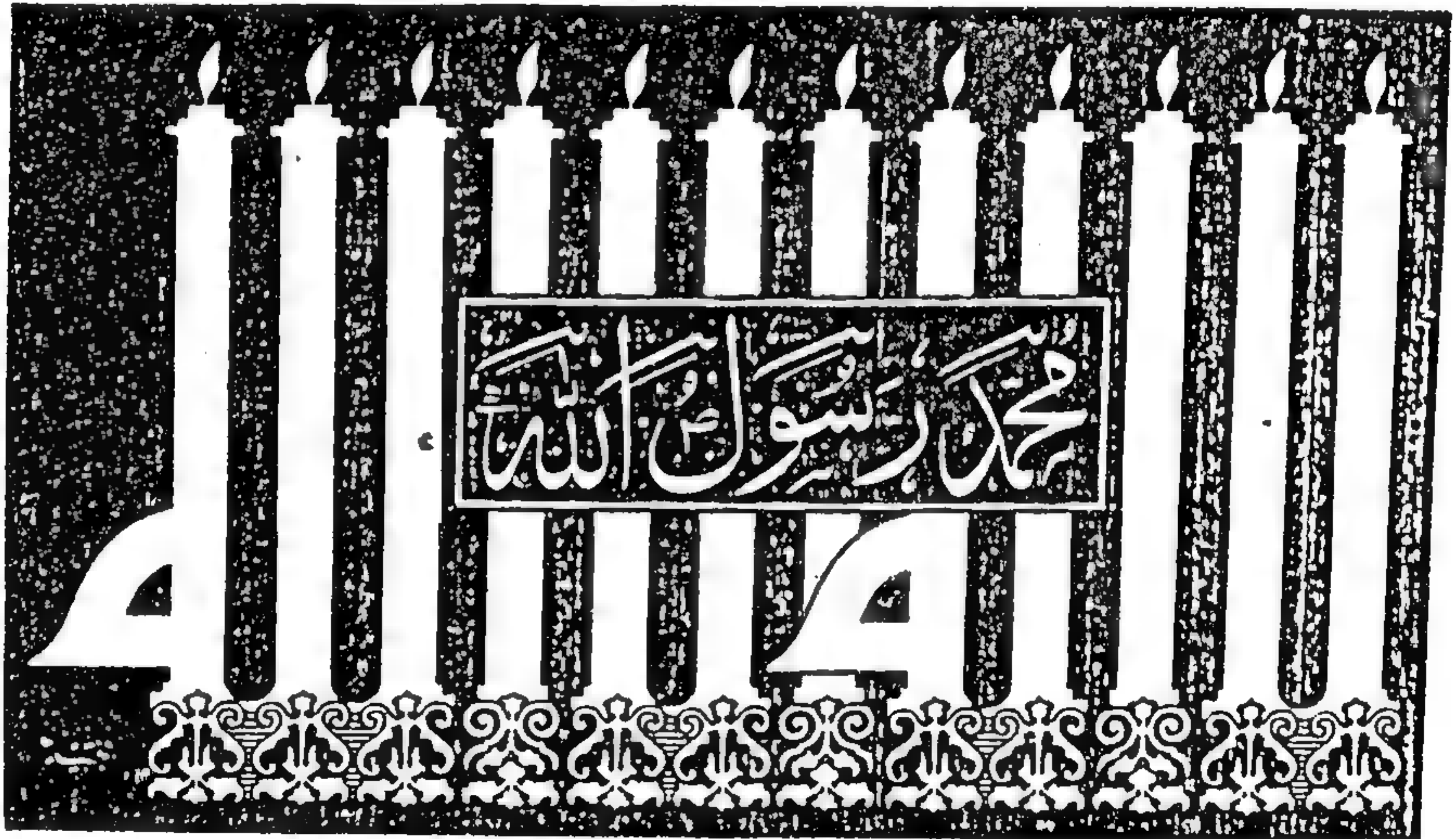
□ کلمۂ طیبہ موم بتیوں کی شکل میں ۔ بہ خط عبدالمجید دہلوی

(۶۴) مدینہ کے دوسرے مخالفین

مدینہ میں اسلام کے دوسرے مخالفین ان چند اوس و خزرج کے لوگوں میں سے تھے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان کے دو سردار خزرج کا عبداللہ بن ابی بن سلول اور اوس کا ابو عامر راہب تھے۔ مختلف قبیلوں میں ہونے کے باوجود یہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے (اوس و خزرج میں باہم شادیاں کبھی کبھی ہو جاتی تھیں) رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے قبل عبداللہ بن ابی یثرب کا سب سے زیادہ با اثر شخص تھا۔ اوس و خزرج کے دونوں قبیلے اسے اپنا بادشاہ بنانے کے لئے متفق تھے۔ لیکن آپؐ کی آمد پر اسکا یہ خواب ادھورا رہ گیا۔ جسکا ملال اسے عمر بھر رہا۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن عبادہ کی عیادت کے لئے خچر پر سوار ہو کر جارہے تھے۔ کم سن اسامہؓ آپؐ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ راستے میں عبداللہ بن ابی کی 'مزاحم' نامی حویلی کی طرف سے گزرے تو یہ اپنے چند دوستوں کے ساتھ درختوں کے سائے میں بیٹھا تھا۔ آپؐ نے اسے دیکھا تو سواری سے اتر کر اسکے پاس تشریف لائے۔ اسلام کی دعوت دی اور کچھ نصیحت فرمائی۔ اس بدبخت کو سخت ناگوار گزرا۔ بولا " یہ تمہاری باتیں اچھی نہیں ہیں۔ اگر یہ حق بھی ہیں تو اپنے گھر بیٹھے رہو اور جو تمہارے پاس آئے اسکو سناؤ۔ جو تمہارے پاس نہ آئے تو اسکی مجلس میں جا کر ایسی باتوں سے اسے تکلیف نہ پہنچاؤ"(۱)۔ اس موقع پر عبداللہ بن رواحہؓ مع چند مسلمانوں کے موجود تھے۔ انہوں نے عرض کیا "رسول اللہ (ﷺ) آپؐ ہماری مجلس میں تشریف لاکر یہ باتیں سنائیں ۔ قسم ہے خدا کی یہ سب باتیں ہمیں پسند ہیں اور انہی کے ساتھ خدا نے ہم کو بزرگی دی ہے اور ہدایت بھی " عبداللہ بن رواحہؓ عبداللہ بن ابی کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ ایسے دوست سے اپنے خلاف یہ کلمات سنے تو ابن ابی نے ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم تھا " دوست ہی جسکا ساتھ چھوڑ دیں اسکی شکست یقینی ہے"(۲)۔

رسول اللہ ﷺ جب سعد بن عبادہؓ کے پاس پہنچے تو آپؐ کے چہرے پر اس ملال کے آثار تھے جو ابن ابی کی گفتگو سے ہوا تھا۔ حضرت سعدؓ نے پوچھا تو آپؐ نے سارا ماجرا سنایا۔ حضرت سعدؓ نے عرض کیا " یا رسول اللہ (ﷺ) اس کی بات کا کچھ خیال نہ فرمائیں۔ اسکے لئے ہم نے ایک تاج تیار کیا تھا کہ اسے بادشاہ بنائیں۔ اب وہ خیال کرتا ہے کہ آپؐ نے اسکا ملک چھین لیا"(۳)۔

عبداللہ بن ابی اپنے احساس شکست کے باوجود ہمیشہ اسلام کا دشمن رہا اور جب بھی موقع ملا اسلام اور پیغمبر اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ جنگ بدر کے بعد بظاہر مسلمان بھی ہوگیا۔ مگر رویہ اسقدر منافقانہ رہا کہ تاریخ میں رئیس المنافقین کا نام پایا۔ جب تک زندہ رہا ایک منافق جماعت اسکے ساتھ رہی۔ عبداللہ بن نبتل اور رفاعہ بن زید اس کے دو قریبی ساتھی تھے۔ آئندہ صفحات میں اسکی منافقانہ حرکات کا ذکر بار بار آئے گا۔ غزوہ تبوک کے بعد اسکا انتقال ہوا تو منافقوں کا جو کچھ زور تھا وہ بھی ٹوٹ گیا۔

ابو عامر کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ اس نے رہبانیت اختیار کرلی تھی۔ کئی لوگ اس کے پیرو ہوگئے تھے۔ خود کو حضرت ابراہیمؑ کے حقیقی دین پر سمجھتا تھا۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام کے بارے میں پوچھنے لگا۔ دوران گفتگو آپؐ پر الزام لگایا کہ " ملت حنفیہ" میں ایسی باتیں شامل کردی ہیں جو اس میں نہ تھیں۔ آپؐ نے فرمایا " میں نے ایسا نہیں کیا بلکہ میں اسے صاف اور روشن لایا ہوں"(۴)۔ اس پر ابو عامر بولا" جھوٹے کو خدا وطن سے دور بے یارو مددگار مارے گا"۔ اسکے بد بخت ذہن میں یہ کلمہ رسول اللہ ﷺ کے لئے تھا۔ یہ نہ جانتا تھا کہ خود اپنے لئے بددعا کر رہا ہے۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا" ہاں۔ جو جھوٹا ہے خدا اسکے ساتھ ایسا ہی کریگا"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسکو پہلا صدمہ یہ پہنچا کہ اسکے فرزند حضرت حنظلہ بھی مسلمان ہوگئے۔ مدینہ میں اپنا اثر ختم ہوتے ہوئے دیکھا تو حضور ﷺ کے خلاف سازش کرنے مکہ چلاگیا۔ وہاں برابر سازش میں مصروف رہا۔ جنگ بدر کے ساتھ ایک بار پھر اسکا ذکر اگلے صفحات میں آئیگا۔ فتح مکہ کے بعد طائف بھاگ گیا۔ طائف والے مسلمان ہوئے تو شام کی طرف نکل گیا۔ وہیں کہیں گمنامی اور غربت کی موت مرا۔

☆ ☆

(۱) ابن ہشام ' سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۴۱۲، ۴۱۳

(۲) مارٹن لنگز ' محمدؐ '(Muhammad) صفحہ ۱۲۹

(۳) ابن ہشام ' سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۴۱۳

(۴) ایضاً صفحہ ۴۱۲
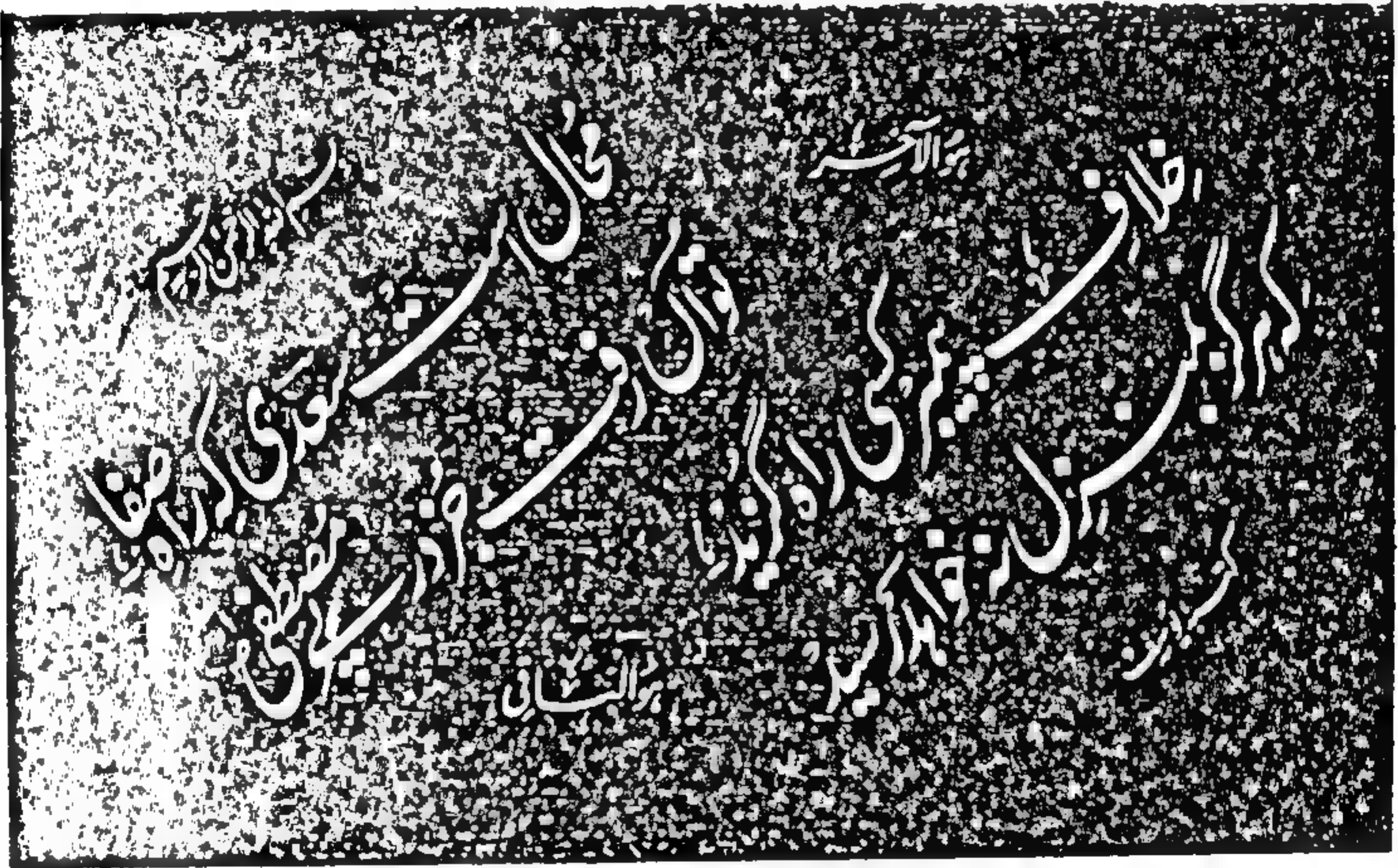
(۶۵) فول وجہک شطر المسجد الحرام

مسجد نبوی میں اذان کا سلسلہ جاری ہوچکا تھا۔ تین نمازوں میں دو کی بجائے چار رکعات فرض ہوئی تھیں۔ (قصر کی اجازت صرف دوران سفر تھی) ان اصلاحات کے علاوہ زکوٰۃ اور رمضان کے روزے بھی ۲ھ میں فرض ہوئے۔ اس سے قبل عاشورہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ اس دن یہودی روزہ رکھتے ہیں کیونکہ اسی روز حضرت موسیٰؑ اور ان کی امت کو فرعون سے نجات ملی تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس خوشی میں مسلمان یوم عاشورہ کا روزہ رکھنے کے زیادہ مستحق ہیں ۔ اسلام میں یہ روزے کی ابتدا تھی لیکن ہجرت کے اٹھارویں مہینے شعبان میں رمضان کے روزے فرض کئے گئے اور ساتھ ہی صدقۃ الفطر۔

ایک نہایت اہم اصلاح جو اس سال ۲ھ میں نافذ ہوئی وہ تحویل قبلہ تھی۔ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی طریقہ تھا کہ نماز مقام ابراہیم کے قریب ادا کرتے تھے کہ کعبہ اور بیت المقدس دونوں آپؐ کے سامنے رہیں۔ مدینہ میں یہ صورت ممکن نہ تھی۔ ہجرت کے بعد تقریباً ۱۶ ماہ تک آپؐ قبلۂ اول یعنی بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے رہے۔ لیکن کعبۃ اللہ جو خدا کا پہلا گھر تھا اسکی اہمیت کے پیش نظر آپؐ کی دلی تمنا تھی کہ مسلمانوں کا قبلہ وہی مقرر ہو جائے۔ آخر کار آپؐ کی یہ خواہش اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۱۵شعبان ۲ھ بروز شنبہ پوری ہوئی(۱)۔ آپؐ بنی سلمہ میں ام البشر بنت براء بن معرورؓ (۲) کے یہاں مدعو تھے۔ وہیں دوپہر کا کھانا تناول فرمایا۔ ظہر کا وقت ہوا (بعض روایات میں عصر کا وقت مذکور ہے) تو نماز پڑھائی دو رکعات ادا کی تھیں کہ وحی نازل ہوئی:

"(اے محمدؐ) ہم تمہارا آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھنا دیکھ رہے

ہیں۔ سو ہم تمکو اسی قبلے کے طرف جسکو تم پسند کرتے ہو منہ کرنے کا حکم دینگے تو اپنا منہ مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لو۔ اور تم لوگ جہاں ہوا کرو (نماز پڑھتے وقت) اسی مسجد کی طرف منہ کرلیا کرو۔ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ (نیا قبلہ) انکے پروردگار کی طرف سے حق ہے۔ اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں خدا ان سے بے خبر نہیں " (البقرۃ ۱٤٤)

آپؐ نے اسی وقت کعبہ کی طرف رخ کرنے کا اہتمام کیا۔ ساری جماعت نے آپؐ کی پیروی کی۔ یہ مسجد اب تک مسجد قبلتین کے نام سے مشہور ہے کہ ایک ہی نماز دو قبلوں کی طرف ادا کی گئی۔ بعض روایات میں یہ تفصیل موجود ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کو چل کر مقتدیوں کے پیچھے آنا پڑا اور مقتدیوں نے صرف اپنا رخ بدلا(۳)۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی پھر ان کا گزر ایک جماعت کی طرف ہوا جو نماز عصر ادا کررہی تھی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ابھی نماز پڑھ کر آرہے ہیں۔ اورآپؐ نے نماز بیت المقدس کی بجائے کعبہ کی طرف منہ کرکے پڑھی چنانچہ اس جماعت نے رخ کعبہ کی طرف کرلیا(۴)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ قبا میں یہ اطلاع دوسرے دن فجر کے وقت پہنچی۔ وہاں بھی کسی سے تحویل قبلہ کا اعلان سنکر جماعت نے اپنا رخ بدل لیا(۵)۔

ایک اہم اسلامی شعار کی یہ تبدیلی یہودیوں کو بہت ناگوار گزری۔ یروشلم پر مکہ معظمہ کو فوقیت ملی تو حسد کیا اور مسلمانوں پر طعنہ زن ہوئے۔ طرح طرح کے اعتراض کرنے لگے کہ مسلمانوں کو برگشتہ کریں مگر قران مجید نے نہایت معقول جواب فراہم کئے :

"احمق لوگ کہینگے کہ مسلمان جس قبلے پر (پہلے سے چلے آئے) تھے (اب) اس سے کیوں منہ پھیر بیٹھے ۔ تم کہہ دو کہ مشرق اور مغرب سب خدا ہی کا ہے وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے پر چلاتا ہے"۔ (البقرۃ ۱٤۲)

اور:۔

"نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق و مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کرلو۔ بلکہ نیکی یہ ہے کے لوگ خدا پر اور فرشتوں پر اور خدا کی کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں۔ اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں۔ اور گردنوں (کے چھڑانے) میں خرچ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کرلیں تو اسکو پورا کریں۔ اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کا رزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں (جو ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (خداسے) ڈرنے والے ہیں" (البقرۃ ۱۷۷)۔

تحویل قبلہ کے بعد مسجد میں جنوب کی طرف ایک محراب بنائی گئی اور ضروری تبدیلیاں کی گئیں۔ رمضان المبارک کے پہلے روزوں کے بعد عید الفطر کی پہلی نماز اس سال پڑھائی گئی۔ یہ انتہائی دہری مسرت کا منظر تھاکیونکہ بدر کی فتح (جسکا ذکر آگے آرہا ہے) اسی رمضان کے مبارک مہینے میں ہوئی تھی۔ ۲ھ کے آخر میں عید الاضحیٰ اور قربانی فرض ہوئے۔

شہر کے ان داخلی معاملات کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی توجہ خارجی حالات کی طرف بھی برابر رہی۔ اس سلسلے میں مشرکین مکہ سے اپنا تحفظ اور انتقام مرکزی مقام رکھتا ہے۔

☆ ☆

(۱) ابن سعد تحویل قبلہ کی تاریخ رجب ۲ ھ بروز دو شنبہ بتاتے ہیں 'طبقات' حصہ دوم صفحہ ۱۵۔

(۲) ابن جوزی 'الوفا باحوال المصطفیٰ' صفحہ ۳۱۱۔ عجب اتفاق ہے کہ یہ وہی حضرت براء ابن معرورؓ تھے جنہیں کعبہ کو قبلہ بنانے کا بڑا ارمان تھا اور رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے قبل ہی یثرب سے مکہ جاتے وقت کعبہ کو قبلہ بناکر دوران سفر میں نمازیں پڑھیں (ملاحظہ ہو گزشتہ باب ۵۲)۔

(۳) ابوالاعلیٰ مودودی 'تفہیم القرآن' جلد اول صفحہ ۱۲۱۔

(۴) صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۲۲۸ (کتاب الصلوۃ)۔

(۵) ایضاً صفحہ ۲۳۰۔

(۲۶) جہاد

"اسلام تلوار کے زور سے پھیلا" یہ جھوٹ تو اس لئے ہے کہ دین کا تعلق عقیدے اور یقین سے ہے۔ کوئی شخص اپنے شک کو خود اپنی کوشش کے باوجود یقین سے نہیں بدل سکتا تو دوسرے کا زور کیا کر سکتا ہے۔ تشدد سے کسی عمار بن یا سر کی زبان سے کلمہ کفر تو کہلوایا جا سکتا ہے۔ مگر دل کو عقیدے سے خالی نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لئے قرآن مجید میں ہے:

"لا اکراہ فی الدین"

'دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے'(البقرة ۲۵۶)

"اسلام تلوار کے زور سے پھیلا" یہ ایک حد تک سچ اس لئے ہے کہ اگر مسلمان اپنے دین کی حفاظت بزور شمشیر نہ کرتے اور اشاعت اسلام میں جو رکاوٹیں تھیں انھیں بزور شمشیر نہ ہٹاتے تو نخل اسلام کبھی بارآور نہ ہوسکتا تھا۔ اور تاریخ عالم اس تابناک ترین سنہری باب سے محروم رہ جاتی جو آج بھی تاریخ کے طالب علم کی نظروں کو خیرہ کررہا ہے۔

اسلام معاشرے میں سیاست اور مذہب کی علیحدگی کا قائل نہیں۔ وہ انسانی زندگی کو ایک وحدت تصور کرتا ہے۔ اور ایک ایسی رہنمائی فراہم کرتا ہے جو زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہو۔ اس مقصد کی خاطر اور نظریئے کو عملی شکل دینے کے لئے یہ ضروری تھا کہ ان مخالف طاغوتی عناصر کے مقابلے کی تیاری کی جائے جو نہ دلیل وتوجیہ سے بہرہ مند ہوسکتے تھے نہ ترغیب وترہیب سے۔

مہاجرین برسوں مکہ میں مشرکین قریش کے ظلم کا شکار رہ چکے تھے۔ اپنے دین و جان کی حفاظت کے لئے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو وہاں سے قریش نے انہیں نکلوانے کی کوشش کی۔جب مدینہ کی طرف ہجرت کرنا چاہی تو بھی بعض کو دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنا گھر بار مکہ

میں چھوڑا جس پر قریش قابض ہوگئے۔ آخر کار مہاجر جب مدینہ آگئے تو بھی ان کے اور رسول اللہ علیہ کے خلاف قریش مکہ کی دشمنی جاری رہی پہلے عبد اللہ بن ابی کو خط لکھا کہ مدینہ میں حضور علیہ کو پناہ نہ مل سکے۔ اس میں ناکامی ہوئی تو خفیہ ساز باز یہودیوں سے کیا۔ ان سے ہمت افزا جواب پاکر مہاجرین کو دھمکی دی کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ جان بچا کر بھاگ لئے عنقریب قریش مدینہ پہنچ کر انہیں تباہ کرینگے(۱)۔ چنانچہ مہاجروں کو ہر وقت قریش کے حملے اور سازشوں کا خوف رہتا تھا۔ راتوں کو ہتھیار بند رہتے اور رسول اللہ علیہ کے یہاں پہرہ دیا جاتا کہ شب کو کوئی مشرک سازشی آپؐ کی ذات کو نقصان نہ پہنچاسکے۔

اسی دوران ایک بار حضرت سعد بن معاذؓ عمرے کے لئے مکہ گئے۔ اپنے پرانے دوست امیہ بن خلف کے مہمان ہوئے ۔ اسی کے ساتھ کعبہ کا طواف کررہے تھے کہ ابو جہل مل گیا۔ امیہ سے پوچھا کہ ساتھ کون ہے۔ اس نے بتایا "سعد بن معاذؓ ہیں" تو حضرت سعد سے کہنے لگا " تم لوگوں نے صابیوں (کفار مسلمانوں کو اسی نام سے پکارتے تھے) کو پناہ دی ہے ۔ میں یہ کبھی نہیں دیکھ سکتا کہ تم کعبہ تک آسکو ۔ خدا کی قسم اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو بچ کر کبھی واپس نہ جاسکتے تھے"۔ حضرت سعدؓ نے جواب دیا" اگر تم نے ہمکو حج سے روکا تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ (یعنی شام کی طرف جانے کا تجارتی راستہ) روک دینگے۔

حرم کی تولیت کی وجہ سے تمام عرب قریش مکہ کا احترام کرتے تھے۔ اپنے اثر کو استعمال کرکے انہوں نے کئی قبائل کو مدینہ کا مخالف بنانے کی کوشش کی اور اسطرح مدینہ کی تجارت کو کافی نقصان پہنچایا(۲)۔ ان حالات میں مدینہ کے مہاجرین و انصار دونوں قریش مکہ کے خلاف صرف دفاعی ہی نہیں بلکہ جارحانہ کاروائی کے لئے بھی حق بجانب تھے۔

مشیت ایزدی یہی تھی کہ مسلمان اب اسلام کی حفاظت و احیاء کے لئے تلوار اٹھائیں۔ تلوار عرب کی محبوبہ تھی جیسا کہ ایک عرب شاعر نے کہا: "اے تلوار شمشیر ساز نے تجھے پرطائر کی طرح سبک اور شاخ نخل کی طرح لچک دار اور خمیدہ اور ساتھ ہی سنگ خارا کی طرح سخت اور مضبوط بنایا پھر تجھ میں ایک دلیر جنگجو کی روح پھونک دی"۔ دوسرے شاعر نے کہا "اے میری محبوب شمشیر تیری دھار اتنی نرم و لطیف ہے کہ جب اسے چھوتا ہوں تو میرے سارے جسم میں سنسنی دوڑ جاتی ہے"۔ اللہ کی طرف سے اجازت نازل ہوئی:

"جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے
(کہ وہ بھی لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم ہورہا ہے۔ اور خدا (ان کی مدد
کریگا وہ) یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے" (الحج ۳۹)

پھر بھی دیکھیں تو تلوار کا استعمال حضور ﷺ کے عہد میں بڑے محدود اور محتاط طریقے سے ہوا۔ آپؐ کے دور میں کل سرایا اور غزوات کے تعداد ۸۲ تک بتائی جاتی ہے ۔ ان میں سے اکثر صرف گشتی دورے اور طلائے تھے یا دفاعی معاہدوں کے لئے قرب و جوار کے علاقوں کا سفر۔ جنگ کا اطلاق صرف چھ مہموں پر ہوتا ہے۔ بدر، احد، خندق، فتح مکہ، حنین اور موتہ۔ ان سب میں صرف ۱۰۱۸ جانیں ضائع ہوئیں ۲۵۹ مسلمان اور ۷۵۹ کفار(۳)۔ اسکے برخلاف جو خون دوسری قوموں نے مذہب کے نام پر بہایا اس سے تاریخ کے صفحے رنگین ہیں۔

اذن قتال پاتے ہی رسول اللہ ﷺ نے ریاست مدینہ کے عسکری نظام کی طرف توجہ دی ۔ جذبۂ جہاد اور شوق شہادت پیدا کرنے کے لئے تربیت جاری ہوئی اور جہاد کی اصلی روح مسلمانوں میں اسطرح پھونکی کہ ان کے دلوں میں یہ بات سماگئی کہ

" شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی"۔

یہ وہ چیز تھی کہ جس نے ہر مجاہد کو چٹان کی طرح مضبوط بنا دیا۔ روحانی اور ذہنی تربیت کے ساتھ عملی عسکری تربیت پر بھی زور دیا گیا۔ آپؐ ہتھیاروں کی مشق کے لئے تلقین فرماتے۔ گھوڑوں کی سواری ، تیر اندازی، نیزہ بازی اور شمشیر زنی کی مشق کو آپؐ نے رواج دیا۔ تیر اندازی کی اہمیت پر آپؐ کافی زور دیتے تھے۔ ایک موقع پر آپؐ کا یہ ارشاد منقول ہے "اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ذریعے تین شخصوں کو جنت میں داخل کریگا۔ ایک تیر ساز جسے اپنے عمل میں خیر کی امید ہو۔ دوسرا تیر انداز، تیسرا وہ شخص جو اسکی معاونت کرنے والا ہو۔ لہٰذا تم تیر اندازی اور گھوڑے کی سواری کی مشق کرو، ہاں تمہاری گھوڑے کی سواری سے زیادہ تمہاری تیر اندازی عزیز ہے"(۴)۔ آپؐ صف بندی کو بھی بڑی اہمیت دیتے تھے۔ نماز با جماعت میں اسکی بھی تربیت ہوتی تھی۔ ماہرین نے ابتدائی اسلامی فتوحات کا ایک سبب ان کی صف بندی بھی بتایا ہے۔

اسکے علاوہ آپؐ نے دشمن کے علاقوں کی جغرافیائی معلومات حاصل کرنے اور ان کی

فوجی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لئے طلایہ (Patrol) اور قراول (Reconnaisance) کو بھی استعمال کیا۔ قرب و جوار کے علاقوں میں گشتی دستوں کو اس لئے بھی بھیجنا شروع کیا کہ دشمن اور ان کے معاون قبائل کو مرعوب کیا جاسکے۔ آپؐ بعض قبائل سے دفاعی معاہدے کرنے کے لئے بھی ان کے علاقوں میں گئے۔ آپؐ کی اکثر عسکری مہمات اسی ضمن میں آتی ہیں۔ یوں بھی ہجرت کے پہلے ہی سال مسلمانوں کی طرف سے کوئی جارحانہ کارروائی قرین قیاس نہیں۔

☆ ☆

(۱) سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمینؐ' جلد اول صفحہ ۱۰۳

(۲) یورپ کا ایک محقق لکھتا ہے۔ " جب مدینہ کی معاشی ناکہ بندی نے شدت اختیار کر لی اور عام لوگ اشیائے ضرورت کی قلت کے باعث پریشان رہنے لگے تو پیغمبر اسلام (ﷺ) کے پاس اسکے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ مذہبی رہنما کے علاوہ ایک سیاسی پیشوا کے فرائض بھی سنبھال لیں۔ کسی سربراہ مملکت کے پاس اسکے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں کہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے دو حربوں یعنی سیاست یا جنگ میں کسی ایک کا انتخاب کرلے۔ پیغمبر اسلام (ﷺ) جان چکے تھے کہ وہ قریش کے ساتھ سیاسی مداوا نہیں کرسکتے۔ لہذا انہوں نے دوسرے طریقے یعنی جنگ کو ترجیح دی اور تلوار نیام سے نکال لینے کا فیصلہ کیا"۔ (کونسٹن ورژیل جارجیو 'عکس سیرت نمبر' مطبوعہ سیارہ ڈائجسٹ صفحہ ۲۴۶)

(۳) سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمینؐ' جلد دوم صفحہ ۲۱۳

(۴) نصیر احمد ناصر 'پیغمبر اعظم و آخر' صفحہ ۴۲۴ (بحوالہ ابن ماجہ)۔ اس سے معلوم ہوا کہ دور مار کرنے والے ہتھیاروں پر توجہ دینا اور ان میں مہارت حاصل کرنا سنت حسنہ ہے۔

عرب عہد نبوی (وسطی حصہ)
مقامات قبائل اور راستے
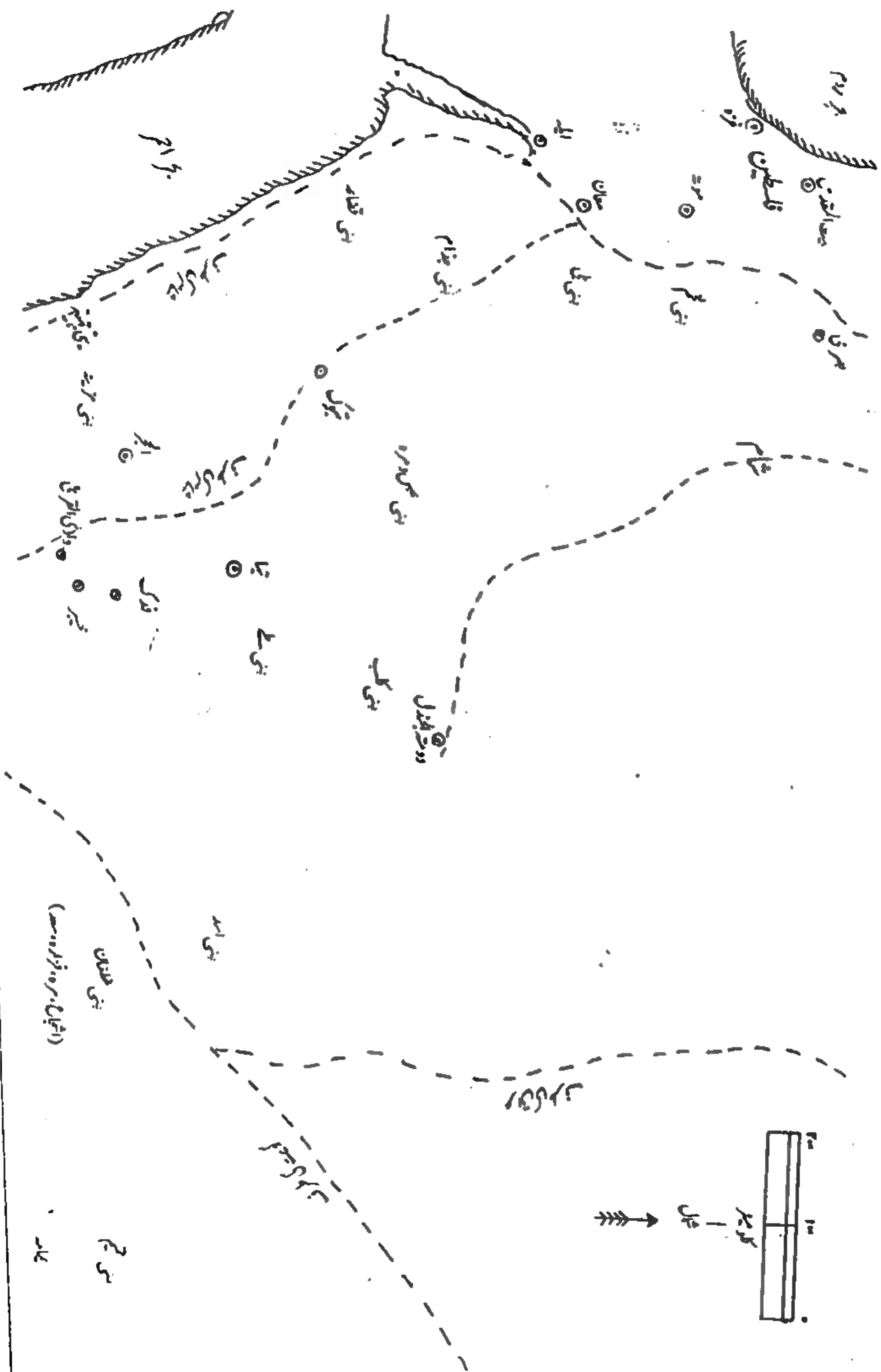
(۶۷) آغاز سرایا و غزوات

سریہ (جمع سرایا) اور غزوہ (جمع غزوات) کے لغوی معنی سیر اور قصد ہیں ان کو جنگ کے مترادف سمجھنا غلطی ہے۔ اصطلاحاً وہ نقل و حرکت جو ایک یا زائد مسلمانوں نے کسی دینی، سیاسی، یا حربی مقصد سے کی غزوات و سرایا میں شامل کرلی گئی۔ اگر رسول اللہ ﷺ ہمراہ ہوئے تو غزوہ کہلائی ورنہ سریہ۔ قاضی سلمان منصور پوری نے تمام غزوات و سرایہ کا ایک نقشہ مرتب کیا ہے جس میں ۲۸ غزوات اور ۵۴ سرایا کی مختصر کیفیت دی ہے(۱)۔ ابن جوزی نے الوفا میں ۲۷ غزوات کا ذکر کیا ہے(۲) اور طوالت کے خوف سے سرایا کی تفصیل نہیں دی۔

سب سے پہلی مہم (۳) سریۂ سیف البحر کے نام سے مشہور ہے جو رمضان ۱ھ (مطابق مارچ ۶۲۳ء) میں واقع ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہؓ کی سرکردگی میں تیس مہاجروں کا ایک دستہ احوال مکہ کے تجسس کے لئے روانہ فرمایا۔ ساتھ ہی یہ مقصد تھا کہ قبیلہ جہینہ سے دوستی کا رشتہ مزید ہموار کیا جائے۔ اس موقع پر اسلام کا سب سے پہلا علم تیار کیا گیا۔ یہ سفید رنگ کا پرچم تھا۔ علمبردار حضرت حمزہؓ کے حلیف ابو مرثد کنانہ بن الحصین الغنویؓ تھے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ حضرت حمزہؓ کو قریش کا ایک قافلہ روکنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ابن اسحاق اور ابن ہشام کے یہاں اس مقصد کا ذکر نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساحل سمندر کے قریب عیص کے اطراف میں اتفاقاً مسلمانوں کا سامنا ایک قریشی قافلے سے ہوگیا جو ابو جہل کی سربراہی میں ۳۰۰ افراد پر مشتمل تھا۔ دونوں فریق جنگ کے لئے صف آرا ہوگئے لیکن قبیلہ جہینہ کے سردار مجدی بن عمرو نے لڑائی نہ ہونے دی۔ دونوں گروہوں میں بار بار آجا کر معاملہ رفع دفع کروادیا۔ اور حضرت حمزہؓ بغیر کسی جنگ کے واپس مدینہ آگئے۔ لیکن قریش اور دوسرے قبائل کو یہ اندازہ ہوگیا کہ مدینہ کے مسلمان غافل نہیں ہیں۔ اور ہر قسم کا مقابلہ کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔

چند ہی دن بعد ماہ شوال میں دوسری مہم حضرت عبیدہ بن حارثؓ بن عبدالمطلب کے زیر قیادت رابغ کے علاقے میں واقع ہوئی اور سریۂ رابغ کہلائی۔ اس میں ۶۰ مہاجر شامل تھے۔ سفید پرچم کے علمبردار حضرت مسطح بن اثاثہؓ تھے۔ (ابن اسحاق اور ابن ہشام نے اسے پہلی مہم بتایا ہے۔ ان کا قول ہے کہ پہلا اسلامی علم پانے والے حضرت عبیدہ بن حارثؓ تھے)۔ رابغ مدینہ سے قُدیَد کے راستے میں جُحفہ کے قریب واقع ہے۔ اس سریہ کا مقصد بھی اہل مکہ کے احوال کا تجسس تھا۔ وادیٔ رابغ میں احیاء نامی چشمے پر مسلمانوں کو قریش کا ایک تجارتی قافلہ نظر آیا۔ سربراہ ابو سفیان (دوسری روایت کے مطابق عکرمہ بن ابو جہل) تھا۔ قافلے میں تقریباً دوسو افراد تھے۔ اس مُڈبھیڑ کو بھی اتفاقی بتایا گیاہے۔ جس میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ اتنا ضرور ہوا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اس قافلے کی طرف ایک تیر چلایا۔ یہ پہلا تیر تھا جو اسلام کی طرف سے کفار کے خلاف چلایا گیا(ایک روایت کے مطابق حضرت سعدؓ نے ۲۰ تیر چلاۓ) دوسری طرف سے بھی کچھ تیر آئے کوئی زخمی نہ ہوا اور دونوں فریقوں نے اپنا اپنا راستہ لیا۔ حضرت سعدؓ کا بیان ہے کہ انہوں نے حضرت عبیدہؓ کو قافلے پر باقاعدہ حملہ کرنے کا مشورہ دیا جو قبول نہیں ہوا۔ مکہ کے قافلے میں دو مسلمان بھی تھے جو ہجرت نہ کر سکے تھے۔ یہ دونوں اس موقع پر کفار کے قافلے سے نکل کر مسلمانوں میں آملے۔ ان میں سے ایک مقداد بن عمرو البہرانیؓ اور دوسرے عتبہ بن غزوان المازنیؓ تھے۔ یہ قریشی قافلے میں شریک ہی اس مقصد سے ہوئے تھے کہ موقع پاکر مسلمانوں سے جا ملیںگے۔

اگلے ماہ ذی قعدہ ۱ھ(مطابق مئی ۶۲۳ء) ۲۰ مہاجرین کا تیسرا سریہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی قیادت میں خرار بھیجا گیا۔ (ابن ہشام نے مسلمانوں کی تعداد آٹھ بتائی ہے)(۴) یہ جُحفہ کے قریب ایک مقام تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی تاکید تھی کہ خرار سے آگے نہ بڑھا جائے۔ مسلمانوں کا سفید علم مقداد بن عمروؓ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ جماعت شب ؍ روز سفر کرکے پانچویں صبح خرار پہنچی ۔ معلوم ہوا کہ قریش کا ایک۷۰افراد پر مشتمل قافلہ ایک روز قبل گزر چکا تھا۔ جُحفہ تک گشت کر کے مسلمان واپس آگئے ۔ مقصد تجسس احوال بتایا گیا ہے۔ قافلے پر حملے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ اسے سریۂ خرار کہتے ہیں۔

صفر ۲ھ (مطابق اگست ۶۲۳ء) میں پہلا غزوہ واقع ہوا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ بذات خود ساٹھ یا ستر مہاجرین کے ساتھ ایک مہم پر روانہ ہوئے۔ جس نے غزوۂ ابوا (۵) کا نام پایا۔

اسے غزوۂ ودان بھی کہتے ہیں ۔ ودان مدینہ کے جنوب مغرب میں ایک مقام ہے۔ ابوا سے اسکا فاصلہ تقریباً دس کلومیٹر ہے۔ حضرت حمزہؓ علمبردار تھے۔ آپؐ کا مقصد قریشی قافلے کی راہ روکنا تھا مگر کوئی معاملہ پیش نہ آیا ۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ نبی ضمرہ سے جنگ کا ارادہ تھا لیکن ان کا سردار مخشی بن عمرو ضمری صلح پر راضی ہوگیا۔ معاہدے میں یہ طے پایا کہ نبی ضمرہ نہ مسلمانوں پر حملہ کرینگے اور نہ کسی حملہ آور سے تعاون کرینگے(٦)۔ المواہب اللدنیہ میں ہے کہ نبی ضمرہ کے جان و مال مامون قرار دیئے گئے اور طے ہوا کہ دونوں میں سے کسی ایک فریق پر حملہ ہوا تو دوسرا فریق اسکی مدد کریگا۔ اس مہم میں رسول اللہ ﷺ نے ۱۵ دن مدینہ سے باہر گزارے ۔ آپؐ کی غیر موجودگی میں حضرت سعد بن عبادہؓ مدینہ میں آپؐ کے قائم مقام رہے۔

اگلے ماہ ربیع الاول ۲ھ (مطابق ستمبر ۶۲۳ء) آپؐ ایک دوسرے غزوے پر روانہ ہوئے، مدینہ میں اپنا قائم مقام حضرت سعد بن معاذؓ کو مقرر فرمایا۔ (بعض روایات میں حضرت سائب بن عثمان بن مظعونؓ منقول ہیں) مقصد قریش کے قافلے کو مرعوب کرنا تھا(٧)۔ چند قبائل سے معاہدے بھی ہوئے۔ یہ مہم غزوہ بواط کہلاتی ہے۔ آپؐ کے ساتھ دو سو افراد تھے۔ اسلامی سفید پرچم کے علمبردار حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے۔ رضوئی اور بواط (ینبوع کے قریب دو پہاڑ) ہوکر آپؐ مدینہ واپس آئے ۔ راستے میں قریش کا قافلہ ملا جو امیہ بن خلف کی سربراہی میں جارہا تھا(٨)۔ اس میں ڈھائی ہزار اونٹ اور ایک سو افراد تھے۔ کوئی مقابلہ نہیں ہوا۔ آپؐ نے جہینہ کے علاقے میں تقریباً ایک ماہ قیام فرمایا اور یہاں کے لوگوں سے حلیفانہ معاہدے کئے۔

اس ماہ (٩) مکہ کے ایک قریشی کرزبن جابر فہری نے مدینہ سے پانچ کلومیٹر دور ایک چراگاہ پر چھاپہ مارا۔ چند مویشی لوٹ کر لے گیا۔ اور ایک شخص کو قتل بھی کرگیا۔ یہ قریش کی پہلی یورش تھی جو انہوں نے مدینہ کے مسلمانوں پر کی۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپؐ ستر مہاجرین کے ساتھ اسکے تعاقب میں نکلے وادیٔ سفوان تک پیچھا کیا جو بدر کے قریب واقع ہے مگر قریش ہاتھ نہ آئے ۔ اس بار علمبردار حضرت علیؓ تھے اور مدینہ میں آپؐ کے قائم مقام حضرت زید بن حارثہؓ تھے۔ اسے غزوۂ سفوان کہتے ہیں۔ اور چونکہ آپؐ بدر کے قریب تک گئے تھے اس لئے اسے غزوہ بدر اولیٰ بھی کہا گیا ہے۔ (کرز بن جابر بعد میں مسلمان ہوگئے۔ فتح مکہ کے وقت شہید ہوئے)۔

جمادی الاول ۲ھ (نومبر ۶۲۳ء) میں رسول اللہ ﷺ نے قریش کے ایک بڑے

تجارتی قافلے کو روکنے کی غرض سے ایک مہم ترتیب دی۔ یہ قافلہ مکہ سے شام جارہا تھا۔ آپؐ نے خود اس مہم کی قیادت فرمائی جو غزوہ ذی العُشیرہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ عشیرہ ینبوع کے اطراف میں ایک مقام ہے۔ آپؐ کے ساتھ ڈیڑھ دو سو مہاجروں کی جماعت تھی۔ صرف ۳۰ اونٹ میسر تھے۔ لوگ باری باری سوار ہوتے تھے۔ آپؐ نے مدینہ میں اپنا نائب حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومیؓ کو مقرر فرمایا۔ لشکر کے علمبردار حضرت حمزہؓ تھے۔ آپ ذوالعشیرہ پہنچے تو قافلہ کئی روز قبل وہاں سے گزر چکا تھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی جماعت کا تاخیر سے پہنچنے کا سبب یہ تھا کہ راستے میں بنو مدلج کے سراقہ نے جسکا رویہ مسلمانوں کے ساتھ ہمدردانہ تھا مسلمانوں کے اعزاز میں نہایت پر تکلف دعوت دی جس میں مسلمانوں کا قیمتی وقت ضائع ہوگیا(۱۰)۔ قریش کا یہ قافلہ ابو سفیان کے زیر قیادت تھا۔ (اس قافلے کی واپسی کے وقت مسلمان پھر اس پر حملہ آور ہونے کے لئے نکلے تھے۔ قافلہ تو بچ گیا اور اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کا راستہ ہموار کردیا) اس مہم میں حضور ﷺ نے کافی طویل راستہ اختیار کیا۔ عشیرہ میں آپ نے کچھ دن جمادی الاول کے کچھ جمادی الثانی کے صرف کئے۔ یہاں بنی مدلج اور اسکے حلفا بنی ضمرہ سے دوستانہ معاہدے ہوئے کہ کوئی ایک دوسرے کے خلاف تلوار نہ اٹھائے گا۔ نہ ایک دوسرے کے دشمن کی مدد کریگا۔

اس مہم کے دوران حضرت علیؓ کا وہ واقعہ مذکور ہے جس میں انہیں رسول اللہ ﷺ نے ابو تراب کے لقب سے نوازا۔ حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ عشیرہ کے قیام کے دوران ایک روز وہ اور حضرت علیؓ بنی مدلج کے ایک باغ میں آبپاشی کا نظارہ کرنے چلے گئے۔ وہاں کھجوروں کے سائے میں سو گئے۔ اور یہاں تک سوتے رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود تشریف لاکر انہیں جگایا۔ حضرت علیؓ کا جسم سوتے میں مٹی سے آلودہ ہوگیا تھا۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے انہیں ابوتراب کہہ کر مخاطب کیا اور فرمایا "اے ابو تراب کھڑے ہو" (حضرت علیؓ اس لقب کو بہت پسند فرماتے تھے) اس موقع پر آپ نے فرمایا "میں تمہیں وہ دو شخص بتاؤں جو عام مخلوق میں سب سے زیادہ بد بخت ہیں؟" حضرت عمارؓ اور حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ ضرور بتائیں۔ تو آپؐ نے فرمایا "ایک تو وہ شخص بد بخت تھا جس نے حضرت صالحؑ کے معجزے کی اونٹنی کو قتل کیا تھا۔ اور ایک وہ بد بخت ہوگا جو اے علیؓ تمہارے اس جگہ ضرب لگائے گا۔ (یہ کہتے وقت آپ نے اپنا دست مبارک حضرت علیؓ کے سر پر رکھا اور پھر ان کی داڑھی پکڑ کر فرمایا)۔۔۔ یہ

خون سے تر ہوجائیگی"(۱۱)۔

رجب ۲ھ (جنوری ۶۲۴ء) میں سریہ نخلہ کا اہم واقعہ گزرا۔ اسے سریۂ عبداللہ بن جحشؓ بھی کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے آٹھ مہاجر صحابہ کا ایک دستہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی قیادت میں نخلہ کی طرف روانہ کیا جو مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ مقصد فی الحال کچھ نہ بتایا بلکہ ایک تحریر دیدی اور ہدایت فرمائی کہ دو منزلیں طے کرنے کے بعد اسے کھول کر پڑھیں اور اسکے مطابق عمل کریں۔

آٹھ صحابہ جواس جماعت میں تھے ان کے نام یہ بتائے گئے ہیں(۱۲):

(۱) ابوحذیفہ بن عتبہؓ

(۲) عکاشہ بن محصنؓ

(۳) عتبہ بن غزوانؓ

(۴) سعد بن ابی وقاصؓ

(۵) عامر بن ربیعہؓ

(۶) واقد بن عبداللہؓ

(۷) خالد بن بکیرؓ

(۸) سہیل بن بیضاءؓ

(بعض روایات کے مطابق تین حضرات اور بھی تھے اوریہ دستہ حضرت عبداللہ بن جحش کے ساتھ بارہ افراد پر مشتمل تھا) اس جماعت میں ہر دو اشخاص کے لئے ایک اونٹ تھا جس پر دونوں باری باری سفر کرتے تھے۔

دو منازل طے کرنے کے بعد حضرت عبداللہؓ نے تحریر پڑھی۔ مضمون تھا "یہ تحریر دیکھو تو مقام نخلہ تک جانا۔ وہاں قریش کے قافلے کا انتظار کرنا اور ہمکو اسکی خبر دینا"۔ حضرت عبداللہ نے اپنے ساتھیوں کو اس مضمون سے آگاہ کیا اور بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہدایت کی تھی کہ اپنے ساتھیوں پر زبردستی نہ کریں۔ جسے شہادت کی آرزو ہو ساتھ چلے اور جو چاہے واپس ہو جائے۔ کوئی صحابی واپس ہونے کو تیار نہ ہوا۔ نخلہ کی طرف سفر جاری رہا۔ جب یہ لوگ مقام بحران پر پہنچے تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عتبہ بن غزوانؓ کا اونٹ گم ہوگیا۔ اسکی تلاش میں یہ دونوں حضرات پیچھے رہ گئے۔

حضرت عبداللہؓ باقی ساتھیوں کے ساتھ نخلہ پہنچ گئے۔ یہاں ایک چھوٹا سا قریشی قافلہ نظر آیا جسکے ساتھ چمڑا، کشمش، اور کچھ دوسرا سامان تھا۔ قافلے میں عمرو بن الحضرمی (اسکا والد ابو سفیان کے والد حرب بن امیہ کا حلیف تھا اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا) عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ، اسکا بھائی نوفل بن عبداللہ اور حکم بن کیسان شامل تھے۔ یہ ماہ رجب کا آخری دن تھا۔ مسلمانوں نے سوچا کہ ماہ حرام میں لڑنا مناسب نہ ہوگا۔ لیکن اگر دوسرے دن تک انتظار کیا تو قافلہ حرم میں داخل ہو جائیگا اور ہاتھ نہ آسکے گا۔ آخر سب کا اتفاق جنگ پر ہوا۔ واقد بن عبداللہ تمیمیؓ نے ایک تیر ایسا چلایا کہ عمرو بن الحضرمی کے لگا اور وہ وہیں مر گیا۔ عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان قید کر لئے گئے۔ نوفل بن عبداللہ بھاگنے میں کامیاب ہوگیا۔ عمرو پہلا کافر تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اور عثمان اور حکم پہلے دو قیدی۔ حضرت عبداللہ بن جحشؓ دونوں قیدیوں اور مال غنیمت لیکر واپس مدینہ آئے۔ یہ پہلا مال غنیمت تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ابھی مال غنیمت کے بارے میں کوئی احکام نہیں ملے تھے۔ پھر بھی حضرت عبداللہ بن جحش نے پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کے لئے نکالا اور باقی آپس میں تقسیم کر لیا۔

جب مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ ''میں نے تم سے کب کہا کہ حرام مہینے میں جنگ کرو''۔ آپؐ نے خمس بھی قبول نہ کیا۔ قیدیوں اور مال غنیمت کا معاملہ التوا میں رکھا۔ مشرکین کو طعنہ زنی کا موقع ہاتھ آیا کہ مسلمانوں نے رجب کا احترام بھی روا نہ رکھا۔ حضرت عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھی صحابہ بڑے نادم تھے کہ یہ وحی نازل ہوئی:

''(اے محمدؐ) لوگ تم سے عزت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ کہدو کہ ان میں لڑنا بڑا (گناہ) ہے۔ اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجد حرام (یعنی خانۂ کعبہ میں جانے) سے (بند کرنا) اور اہل مسجد کو اس میں نکال دینا (جو یہ کفار کرتے ہیں) خدا کے نزدیک اس سے بھی زیادہ (گناہ) ہے۔ اور فتنہ انگریزی خونریزی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور یہ لوگ تم سے ہمیشہ لڑتے رہینگے۔ یہاں تک کہ اگر مقدور رکھیں تو تم کو تمہارے دین سے

پھیر دیں۔ اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر (کر کافر ہو) جائیگا اور کافر ہی مرے گا تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں برباد ہو جائینگے اور یہی لوگ دوزخ (میں جانے) والے ہیں جس میں ہمیشہ رہینگے"(البقرہ ۲۱۷)

اس وحی کے نزول کے بعد مسلمانوں کو اطمینان ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے خمس قبول فرمایا اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو قریش سے فدیہ لیکر (۱۳)اسوقت رہا کیا جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عتبہ بن غزوانؓ بخیریت واپس آگئے۔ آپؐ کو ڈر تھا کہ کافر ان دو حضرات کو جو جماعت سے بچھڑ گئے تھے پکڑ کر شہید کردیں۔ حکم بن کیسانؓ نے اسلام قبول کرلیا اور مدینہ میں مقیم ہوگئے۔ جبکہ عثمان مکہ چلا گیا اور وہیں کفر کی حالت میں مرا (۱۴)۔

☆ ☆

(۱) سلمان منصورپوری 'رحمۃ للعالمین' جلد دوم صفحہ ۱۸۵ تا ۲۰۲

(۲) ابن جوزی 'الوفا باحوال المصطفیٰ' صفحہ ۷۰۲۔ سلمان منصور پوریؒ کی فہرست میں ۲۸ غزوات ہیں ابن جوزی کے یہاں غزوۂ وادی القریٰ مذکور نہیں۔ جو خیبر سے واپسی کے وقت وادی القریٰ کے یہودیوں کے خلاف ہوا تھا۔ ممکن ہے اسکا ذکر رہ گیا ہو۔

(۳) ابن اسحاق اور ابن ہشام نے اسے دوسری مہم قرار دیا ہے اور پہلی سریۂ رابغ کو بتایا ہے۔ واقدی کے نزدیک سریہ سیف البحر ہی پہلا سریۂ تھا جو رمضان المبارک میں ہوا۔ جبکہ رابغ کی مہم ماہ شوال میں واقع ہوئی۔ بہر حال دونوں کی روانگی میں زیادہ وقفہ نہ تھا۔ اکثر سیرت نگاروں سلمان منصور پوری وغیرہ نے واقدی کا قول اختیار کیا ہے

(۴) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۴۱۸

(۵) ابوا وہی مقام تھا جہاں حضرت آمنہ کا انتقال ہوا تھا اور وہ وہیں مدفون تھیں۔

(۶) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۳۰۸۔ 'المواہب اللدنیہ' میں معاہدے کی شرط یہ بھی بتائی گئی ہے کہ نبی ضمرہ کے جان و مال مامون رہینگے اور دونوں فریقوں میں سے کسی پر دشمن نے حملہ کیا تو دوسرا فریق اسکی مدد کریگا (صفی الرحمن مبارکپوری 'الرحیق المختوم' صفحہ ۲۷۱)

(۷) سلمان منصور پوری 'رحمۃ للعالمین' جلد دوم صفحہ ۲۰۶

(۸) ایضاً صفحہ ۱۸۶۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ امیہ بن خلف کے تجارتی قافلے سے نہ ملاقات ہوئی نہ مڈبھیڑ (ابن جوزی 'الوفا باحوال المصطفیٰ' صفحہ ۷۰۳)

(۹) ابن ہشام نے ابن اسحاق کے حوالے سے اسکی تاریخ غزوۂ ذوالعشیرہ کے چند دن بعد جمادی الاخر بتائی ہے (ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۴۱۹)

(۱۰) محمد حمید اللہ 'محمد رسول اللہؐ 'مطبوعہ نقوش جلد دوم صفحہ ۵۷۷۔ یہ وہی سراقہ تھا جس نے سفر ہجرت میں رسول اللہ ﷺ کو گرفتار کرنے کی کوشش کی تھی۔

(۱۱) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۴۱۷، ۴۱۸۔ یہیں ابن اسحاق کی یہ روایت بھی منقول ہے کہ حضرت علیؓ جب حضرت فاطمہؓ سے خفا ہوتے تو غصہ میں اپنے سر پر خاک ڈالتے۔ رسول اللہ ﷺ دیکھتے تو فرماتے "اے ابو تراب کیا ہوا؟"۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ معلوم نہیں کونسا واقعہ صحیح ہے۔ ممکن ہے دونوں صحیح ہوں۔

(۱۲) ایضاً صفحہ ۴۱۹۔

(۱۳) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۵۳۳۔ سلمان منصور پوری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بغیر فدیہ کے دونوں قیدی رہا کئے اور مقتول عمرو بن الحضرمی کا خوں بہا بھی ادا کیا (سلمان منصور پوری 'رحمۃ للعالمین' جلد دوم صفحہ ۱۸۷)

(۱۴) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۴۲۱، ۴۲۲۔

(۶۸) قافلہ

عشیرہ کی مہم کو تقریباً دو ماہ گزر چکے تھے۔ اس مہم میں ابو سفیان کے جس قافلے کو حضورﷺ نے روکنا چاہا تھا۔ اب شام سے اسکی واپسی کا زمانہ آگیا تھا۔ قافلے کے ساتھ تقریباً تیس چالیس لوگ تھے۔ جن میں مخزمہ بن نوفل اور عمرو بن عاص بھی شامل تھے رسول اللہﷺ کی کوشش تھی واپسی میں اس بار یہ قافلہ بچ کرنہ جانے پائے۔ اس کاروان میں پچاس ہزار دینار کی مالیت کا سامان تھا جو ایک ہزار اونٹوں پر لدا ہوا تھا۔ مسلمان مہاجرین جو کچھ مکہ میں چھوڑ آئے تھے اور جس پر قریش قابض تھے اسکی تلافی بڑی حد تک اس قافلے کے سامان سے ہو سکتی تھی۔ اسکے علاوہ قریشیوں کا یہ زعم کہ ان کی تجارت کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی باطل کیا جاسکتا تھا۔ واپس آنے والے قافلے کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لئے آپؐ نے طلحہ بن عبید اللہؓ اور سعید بن زیدؓ (حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی اور مشہور حنیف زید کے بیٹے) کو روانہ فرمایا۔ یہ دونوں جہینہ کے سردار کے یہاں خفیہ طریقے سے مقیم ہوئے۔ مقصد یہ تھاکہ جیسے ہی قریشی قافلے کی آمد کا حال معلوم ہو آپﷺ کو مدینہ اطلاع دیں۔

طلحہؓ اور سعیدؓ کے واپس آنے میں دیر ہوئی تو رسول اللہﷺ نے ان کا انتظار کئے بغیر قافلے کو جالینے کا ارادہ کیا۔ اس موقع پر ۳۱۳ صحابہ کی جماعت (۱) تیار ہوئی تھی۔ پہلا غزوہ تھا جس میں انصار بھی شریک ہوئے۔ ان کی تعداد ۲۳۱ بتائی گئی ہے (۶۱ اوس کے اور ۱۷۰ خزرج کے)۔ باقی ۸۳ مہاجر تھے۔ مطمحِ نظر صرف قافلہ تھا اس لئے کسی بڑے لشکر اور زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ صحیح بخاری میں حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں شامل نہ تھے اور رسول اللہﷺ نے کسی پیچھے رہ جانے والے پر عتاب نہیں فرمایا کیونکہ آپؐ تجارتی قافلے کی غرض سے چلے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اچانک فریقین کو ایک دوسرے کے مقابل

کردیا(۲)۔ ابن سعد نے آٹھ ایسے صحابہ کے نام دیئے ہیں جو بوجوہ بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجر و ثواب کا حقدار بتایا اور مال غنیمت میں انکا حصہ مقرر فرمایا۔ تین مہاجر صحابہ میں حضرت عثمان بن عفانؓ، طلحہ بن عبیداللہؓ اور سعید بن زیدؓ تھے۔ حضرت عثمان اپنی زوجہ حضرت رقیہؓ کی شدید بیماری کی وجہ سے نہ آسکے جنکی تیمار داری ضروری تھی۔ طلحہؓ اور سعیدؓ اپنی جاسوسی کی مہم سے واپس نہ ہوئے تھے۔ انصار مین ابو لبابہ بن عبدالمنذرؓ (انہیں آپؐ نے مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا تھا) عاصم بن عدی العجلانیؓ (یہ اہل عالیہ یعنی قبا خطمہ وغیرہ علاقے پر آپؐ کے خلیفہ تھے) الحارث بن حاطبؓ (انہیں آپؐ نے روحا سے کسی مقصد سے عمرو بن عوف کے پاس واپس بھیج دیا تھا)۔ حارث بن صمہؓ (روحا میں زخمی ہونے کی وجہ سے واپس ہونا پڑا) اور خوات بن جبیرؓ (ان کی پنڈلی میں زخم آگیا اور روحا یا صفرا سے واپس ہوئے) کے نام لئے گئے ہیں(۳)۔

سواری کے لئے صرف ستر اونٹ میسر تھے جن پر باری باری مختلف حضرات سوار ہوتے۔ ایک تفصیل کے مطابق ایک اونٹ پر رسول اللہ ﷺ کے شریک حضرت علیؓ اور حضرت مرثد بن ابی مرثد غنویؓ تھے۔ جب آپؐ کے پیدل چلنے کی باری آتی تو باقی دونوں اصحاب مصر ہوتے کہ وہ آپؐ کے بدلے پیدل چلینگے۔ مگر آپؐ نے فرمایا "نہ تم مجھ سے زیادہ طاقتور ہو اور نہ میں تم دونوں کی بہ نسبت اجر و ثواب سے بے نیاز ہوں"۔ ایک اونٹ حضرت حمزہؓ، زید بن حارثہؓ اور حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام ابو کبشہؓ کے حصے میں تھا۔ ایک پر حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ باری باری سوار ہوتے۔ اسی طرح باقی اونٹ مختلف حضرات میں تقسیم تھے۔ گھوڑے فقط دو تھے ایک پر میسرہ میں مقداد بن اسودؓ اور دوسرے پر میمنہ میں زبیر بن عوامؓ سوار تھے۔

یہ لشکر ۸رمضان المبارک ۲ ھ دو شنبہ کے دن (بعض روایات کے مطابق ۱۲ رمضان المبارک کو) روانہ ہوا۔ لشکر کا خاص سفید علم حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ میں۔ دو سیاہ پرچم رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے حضرت علیؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ کے ہاتھ میں تھے (پہلا پرچم مہاجرین کا اور دوسرا انصار کا تھا)۔ مدینہ میں ابتداءً حضرت ابن ام مکتومؓ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے نائب کی حیثیت سے چھوڑا اور امامت انکے سپرد کی۔ شہر سے باہر نکل کر کچھ دور پر آپؐ نے لشکر کی قطار بندی کی تو نو عمر لڑکوں کو واپس جانے کا حکم دیا۔ آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی

حضرت عمیر بن ابی وقاصؓ بھی کم عمر لڑکوں میں سمجھے گئے۔ انکا سن اسوقت ۱۵، ۱۶ سال کا تھا۔ جب ان سے واپس جانے کو کہا تو بے اختیار رونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے شوق شہادت کو دیکھا تو جنگ میں شرکت کی اجازت دیدی (اللہ تعالی نے انھیں اسی جنگ میں شہادت سے سرفراز بھی فرمایا) روحا کے مقام پر پہنچے تو آپؐ نے حضرت ابو لبابہ بن عبدالمنذرؓ (انصاری) کو واپس اپنے نائب کی حیثیت سے مدینہ روانہ فرمایا۔ حضرت عاصم بن عدیؓ کو ایسی خدمت کے لئے قبا میں بھیج دیا۔

بدر کی وادی مدینہ کے مغرب میں ۱۳۰ کلومیٹر پر واقع تھی۔ شمال مشرق میں پہاڑیوں کا سلسلہ تھا۔ مغرب میں ریت کے ٹیلے تھے اور جنوب میں پتھریلی چٹانیں۔ مشرق کی پہاڑیوں سے ایک زیر زمین چھوٹی سی ندی رواں تھی جسکا پانی وادی میں جا بجا چشموں اور کنوؤں کی صورت میں ملتا تھا۔ اکثر شام اور مکہ کے درمیان آنے جانے والے قافلے یہاں ٹھہرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہیں جاکر قافلے کا انتظار کرنا مناسب سمجھا۔ اور اپنے لشکر کو لے کر اس طرف کوچ کیا۔

قریش کے تجارتی قافلے کا سربراہ ابو سفیان بھی مسلمانوں کے ارادے سے بے خبر نہ تھا (سر ولیم میور نے خیال ظاہر کیا ہے کہ شاید مدینہ کے کسی غیر مسلم یا ناراض انصاری نے اسے یہ اطلاع دی)(۴)۔ حقیقتاً قریش یوں بھی عشیرہ کی مہم ؑسے ناواقف نہ تھے اور ابو سفیان واپسی کے سفر میں اس خطرے سے غافل نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ بہت محتاط تھا۔ حجاز میں داخل ہوتے ہی مسافروں سے اگلے منازل کے حالات معلوم کرتا رہا۔ بدر کے قریب پہنچا تو بذات خود علاقے کے حالات معلوم کرنے کے لئے اپنے قافلے سے آگے نکل آیا۔ یہاں لوگوں سے پوچھ گچھ کی تو صرف اسقدر معلوم ہوا کہ باہر کے دو شتر سوار ایک کنویں پر پانی لینے کے لئے کچھ دیر ٹھہرے تھے اور اپنے مشکیزے بھر کر واپس چلے گئے۔ ابو سفیان اس کنویں پر پہنچا۔ اونٹوں کی لید کو کریدا تو یثرب کے کھجوروں کی گٹھلیاں نظر آئیں۔ فوراً بھانپ لیا کہ یہ مسلمانوں کے جاسوس ہیں۔ پلٹ کر اپنے قافلے میں آیا۔ قافلے کا رخ بدر سے سیدھے ہاتھ کی سمت ہٹ کر بحر احمر کی طرف کیا اور سمندر کے کنارے کنارے جنوب کی راہ لی۔ مزید احتیاط کے لئے ایک تیز رفتار قاصد ضمضم بن عمرو غفاری کو مکہ کی طرف دوڑایا کہ قریش کو خبر کرے کہ "جلد اپنے قافلے کی حفاظت کے لئے پہنچیں کیونکہ محمد (ﷺ) قافلے پر حملہ کرنے والے ہیں"۔

☆ ☆

(۱) ابن ہشام نے اسلامی لشکر کی تعداد ۳۱۴ بتائی ہے (ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۵۸) ابن سعد ۳۰۵ کہتے ہیں (ابن سعد 'طبقات' جلد اول صفحہ ۳۱۲)۔ عروہ بن زبیرؓ نے یہ تعداد ۳۱۶ یا ۳۱۳ دی ہے۔ (عروہ بن زبیرؓ 'مغازی' صفحہ ۱۳۸)۔ مشہور ۳۱۳ ہے۔ ابن ہشام اور چند دوسرے سیرت نگاروں نے مکمل فہرست شرکائے بدر کی دی ہے۔

(۲) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۵۸۶ (کتاب المغازی۔ باب قصہ غزوہ بدر)

(۳) ابن سعد 'طبقات' جلد دوم صفحہ ۳۱۲، ۳۱۳

(۴) ابو سفیان کو یہ اطلاع شام کے شہر 'عین زرقا' میں کسی شخص سے ملی (مفتی محمد شفیع 'معارف القرآن' صفحہ ۱۸۵)

(۶۹) قریش کی تیاری

ضم ضم کو نہایت معقول اجرت ملی تھی۔ ابو سفیان نے اسے بیس مثقال سونا دے کر روانہ کیا تھا۔ بہت جلد مکہ پہنچ گیاا ور بڑی مستعدی سے اپنا فرض ادا کیا۔ شدید خطرے کے اظہار کے لئے اپنے اونٹ کے ناک کان کاٹے ۔ اپنا کرتا دونوں طرف سے پھاڑا اونٹ کا پالان الٹا اور اس پر کھڑے ہوکر باواز بلند اعلان کیا "اے اہل قریش ۔ الطیمہ الطیمہ اپنے قافلے کی فکر کرو۔ تمہارے تجارتی قافلے پر محمد (ﷺ) حملہ کرنے والے ہیں۔ فوراً اسکی حفاظت کے لئے پہنچو ۔ الغوث ۔ الغوث"۔ اس اعلان سے سارے شہر میں تہلکہ مچ گیا۔ قافلے کے سامان تجارت میں (جسکی قیمت پچاس ہزار دینار تھی) تقریباً ہر قریشی خاندان کا کچھ نہ کچھ سرمایہ لگا ہوا تھا۔ سب فکر مند ہوگئے۔ اور لشکر کی تیاری شروع کردی۔ لوگ آپس میں کہنے لگے "محمد (ﷺ) نے اس قافلے کو ابن الحضرمی کا قافلہ سمجھ رکھا ہے۔ واللہ اب نتیجہ بڑا مختلف ہوگا"۔

اس سلسلے میں ابن اسحاق نے حضرت عاتکہ (رسول اللہ ﷺ کی پھوپی) کے ایک خواب کا ذکر کیا ہے (انہیں ایک ثقہ راوی نے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت بتائی) یہ خواب حضرت عاتکہ نے اپنے بھائی حضرت عباسؓ سے بیان کیا ۔ دیکھتی کیا ہیں ایک شتر سوار بطح (شہر کے میدان) میں اعلان کررہا ہے کہ " اے غداروں کی اولاد ۔ اپنے مقتل کی طرف چلو جو تیسرے دن پیش آئے گا " پھر وہ کعبہ کی چھت سے یہی اعلان کرتا ہے اور اسکے بعد وہ ابی قبیس کی چوٹی پر پہنچ کر یونہی پکارتا ہے ۔ وہاں سے ایک بڑا پتھر لڑھکاتا ہے جو نیچے آنے تک ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اور یہ ٹکڑے شہر کے ہر گھر میں داخل ہوجاتے ہیں حضرت عاتکہؓ کو ان کے بھائی نے ہدایت کہ کہ یہ عجیب خواب کسی اور کو نہ بتائیں۔ خود بھی کسی پر ظاہر کرنا نہ چاہتے تھے۔ لیکن اپنے ایک دوست ولید بن عتبہ کو بتادیا۔ اور تاکید کردی کہ کسی اور سے ذکر

نہ کرے۔ ولید سے یہ بات عتبہ تک پہنچی اور رفتہ رفتہ شہر میں پھیل گئی۔ صبح کو حضرت عباسؓ طواف کے لئے بیت اللہ آئے تو ابو جہل کو دیکھا کہ اپنے احباب میں بیٹھا ہے۔ اور یہی خواب موضوع سخن ہے۔ ابو جہل نے انہیں بلایا ۔ یہ اسکے قریب جاکر بیٹھے تو کہنے لگا "اے فرزندان عبد المطلب تمہارے یہاں 'نبیہ' کہاں سے پیدا ہوگئی۔ اب تک تو مرد ہی نبوت کے مدعی تھے۔ اب خواتین بھی یہی دعویٰ کرنے لگیں " حضرت عباسؓ نے پوچھا " وہ کیسے ؟"۔ تو ابو جہل نے حضرت عاتکہ کے خواب کا ذکر کیا اور کہا کہ " ہم تین رات انتظار کرتے ہیں۔ اگر خواب جھوٹا ثابت ہوا تو ایک دستاویز یادداشت کے طور پر لکھ دی جائیگی کہ تم لوگ عرب میں سب سے زیادہ جھوٹے ہو"۔ حضرت عباسؓ نے لاعلمی کا اظہار کیا اور گھر چلے آئے۔ ابو جہل کی گفتگو کا چرچا ہوا تو بنی عبد المطلب کی خواتین برہم ہو کر حضرت عباسؓ پر طعنہ زن ہوئیں کہ انہوں نے اپنے یہاں کی خواتین کی یہ توہین کیوں کر برداشت کی۔ حضرت عباسؓ کو ندامت ہوئی۔ اور سوچا کہ ابو جہل سے سامنا ہوا تو اس سے سختی سے نمٹینگے۔ لیکن اس سے پہلے کہ یہ موقع آئے ضمضم اپنے اعلان کے ساتھ مکہ پہنچ گیا۔ حضرت عاتکہ کا خواب سچ ہوتا نظر آیا اور قریش کچھ گھبرائے۔

قافلے کی حفاظت کا انتظام بہر حال ضروری تھا۔ جلد ہی تقریبا تیرہ سو افراد کا لشکر تیار ہوگیا جس میں تمام بڑے بڑے سردار شامل ہوئے۔ صرف ابو لہب رہ گیا۔ اس نے عاص بن ہشام (ابو جہل کے بھائی) کو اپنی جگہ جانے کے لئے راضی کرلیا۔ اسکے عیوض چار ہزار درہم کا قرضہ جو عاص پر واجب الادا تھا معاف کردیا۔

بڑے سرداروں میں دوسرا شخص امیہ بن خلف تھا جو جانے سے گریز کررہا تھا کچھ تو اپنے موٹاپے کے سبب سے اور کچھ رسول اللہ ﷺ کی ایک پیشین گوئی کی وجہ سے جو کچھ دن پہلے اس نے اپنے دوست حضرت سعد بن معاذؓ سے سنی تھی۔ ہوا یہ تھا کہ جب حضرت سعدؓ مکہ میں امیہ کے مہمان تھے اور طواف کعبہ کے دوراں ابو جہل سے ان کی تکرار ہو پڑی(۱) تو امیہ نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ "ابو الحکم (ابو جہل) علاقے کا سردار ہے اس پر اپنی اواز بلند نہ کرو"۔ یہ سن کر حضرت سعدؓ نے کہا کہ "اے امیہ بس کر۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ تو مسلمانوں کے ہاتھوں مارا جائیگا"۔ یہ سنکر امیہ خوفزدہ ہوگیا تھا۔ گھر جاکر اپنی زوجہ کو بتایا اور عہد کیا کہ مکہ سے باہر نہ جائے گا۔ اب یہ موقع آیا تو جانے سے انکار کردیا۔ ابو

جہل نے بہت زور دیا اور عقبہ بن ابی معیط نے طرح طرح کے طعنے دیکر اسے آخر کار چلنے پر مجبور کر ہی دیا۔ بیوی نے اسکا ارادہ دیکھا تو وہ پیشین گوئی یاد دلائی امیہ نے بتایا کہ وہ بھولا نہیں تھا اور احتیاطاً ایک نہایت تیز رفتار شتر خرید لیا تھا کہ خطرہ دیکھے تو بھاگ سکے۔

قریش کا لشکر روانگی کے لئے تیار تھا مگر انہیں اپنے ایک پرانے دشمن قبیلے بنو بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ سے کچھ خطرہ تھا کہ ان کے جانے کے بعد مکہ پر حملہ نہ کردے ۔ لیکن اس موقع پر سراقہ بن مالک مدلجی جو بنی بکر کا ایک رئیس تھا اور جسکا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے ۔ شیطان کے بھڑکانے پر ان لوگوں کے پاس آیا اور اطمینان دلایا کہ بنی بکر ایسی کوئی حرکت نہیں کرینگے ۔ بعض ارباب سیر کا کہنا ہے کہ شیطان خود سراقہ کے بھیس میں تھا۔

یہ اطمینان کرلینے کے بعد قریش کا لشکر بڑے طمطراق سے سے روانہ ہوا۔ روانگی سے قبل مشرکین نے غلاف کعبہ پکڑ کر دعامانگی "خدایا۔ دونوں گروہوں میں جو بہتر ہو اسکو فتح عطا کر"۔ ابو جہل نے خاص طور پر کہا "یا اللہ ہم میں جو برحق ہو اسے فتح دے اور جو برسر ظلم ہو اسے رسوا کر" (۲)۔ تقریباً تیرہ سو پوری طرح مسلح افراد تھے دوسو گھوڑے تھے (ایک روایت میں ساٹھ گھوڑے بتائے گئے)(۳) گانے بجانے والی لونڈیاں ساتھ تھیں۔ شیطان نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا تھا یقین تھا کہ ان کے مقابلے کی تاب کسی کو نہ ہو سکے گی۔ اسی کی بابت قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

"اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو اتراتے ہوئے (حق کا مقابلہ کرنے کے لئے) اور لوگوں کو دکھانے کے لئے گھروں سے نکل آئے۔ اور لوگوں کو خدا کی راہ سے روکتے ہیں۔ اور جو اعمال یہ کرتے ہیں خدا ان پر احاطہ کئے ہوئے ہے" (الانفال ۴۷)

☆ ☆

(۱) ملاحظہ ہو گزشتہ باب ٦٦

(۲) ابوالاعلیٰ مودودی 'تفہیم القرآن' جلد دوم صفحہ ۱۳۶

(۳) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۵۴۹

(۷۰) الجحفہ

ابو سفیان دن رات سفر کر کے تیزی سے اپنے قافلے کو خطرے سے باہر لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔ دیکھا کہ مسلمانوں کی زد سے قطعی محفوظ ہے تو ایک دوسرا پیام قریش کی طرف بھیجا کہ اب کسی مدد کی ضرورت نہیں۔ یہ قاصد قریش کے پاس اسوقت پہنچا جب ان کا لشکر جحفہ میں مقیم تھا۔ اپنے قافلے کی سلامتی کی خبر سنکر قریش کو ایک گونہ اطمینان ہوا۔ قاصد کے ذریعے ابو سفیان کا یہ مشورہ بھی تھا کہ لشکر مکہ کو واپس ہو جائے۔

بہت سے لوگوں کی رائے ہوئی کہ واپس ہو جانا بہتر ہے۔ اس سلسلے میں ابن ہشام کے یہاں روایت ہے کہ جحفہ کے قیام کے دوران ایک قریشی جُہَیم بن صلت نے ایک خواب دیکھا جس سے لشکر والوں کی بد دلی میں اضافہ ہوا۔ اس نے دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار آیا اور ایک اونٹ بھی اسکے ساتھ ہے۔ وہ اعلان کر رہا ہے کہ "عتبہ بن ربیعہ قتل ہوا۔ ابو جہل بن ہشام قتل ہوا۔ امیہ بن خلف قتل ہوا"۔ اسی طرح کچھ اور لوگوں کے بھی نام لئے۔ پھر اپنے اونٹ کی گردن میں نیزہ مار کر اسے مشرکین کے لشکر کی طرف چھوڑ دیا ہے۔ اور کوئی خیمہ نہ رہا جس پر اس اونٹ کا خون نہ لگا ہو۔ ابو جہل نے یہ خواب سنا تو بولا "بنی مطلب میں ایک اور نبی پیدا ہو گیا۔ کل جنگ ہوگی تو معلوم ہوگا کہ کون قتل ہوتا ہے"(۱)۔

اخنس بن شریق نے جو بنی زہرہ کے حلیف کی حیثیت سے قریش کے ساتھ تھا اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ قافلہ محفوظ ہے تو مزید پیش قدمی بیکار ہے اور انہیں واپسی پر آمادہ کر لیا۔ بنی زہرہ کے ساتھ بنی عدی بھی واپس ہوئے۔ کچھ اور لوگوں کی بھی یہی رائے ہوئی۔ اس بحث میں کچھ لوگوں سے طالب بن ابو طالب کی تکرار ہو گئی۔ انہیں طعنہ دیا کہ "بنی ہاشم ساتھ تو آگئے ہیں مگر دل میں محمد (ﷺ) کے ساتھ ہیں"۔ اس قسم کی باتیں سنکر طالب اور چند ساتھی بھی

واپس ہوگئے۔ لیکن حضرت عباسؓ مع اپنے تین بھتیجوں ابو سفیان بن حارثؓ، نوفل بن حارث اور عقیل بن ابو طالبؓ کے لشکر میں شامل رہے(۲)۔

لشکر کی تعداد گھٹ کر ساڑھے نو سو کے قریب رہ گئی۔ لیکن ابو جہل جو سپہ سالار تھا اپنی جہالت پر قائم رہا۔ اور واپسی پر راضی نہ ہوا۔ لوگوں کو جنگ کا جوش دلانے کے لئے عمرو بن الحضرمی کے قتل کے معاملے کو اچھالنا شروع کیا۔ اسکا کہنا تھا " ہم بدر پہنچ کر وہاں تین دن قیام کرینگے۔ رنگ رلیاں منائینگے تاکہ تمام عرب میں ہماری دھاک بیٹھ جائے۔ اور آئندہ کوئی ہمارے تجارتی قافلوں کو روکنے کی جرأت نہ کرسکے۔ اٹھو اور بدر کی طرف بڑھے چلو۔ بڑھے چلو"۔

بدر پہنچ کر قریش کے لشکر نے وادی کے پرلے کنارے (عدوۃ القصویٰ) ایک ٹیلے کے عقب مین پڑاؤ ڈالا۔ وادی کے نشیب کو یَلَیل کہتے ہیں جو اس ٹیلے اور بدر کے کنویں کے درمیان واقع ہے۔ وادی کا جو کنارہ مدینہ کی سمت ہے اسے قرآن مجید میں 'عُدْوَۃِ الدُّنْیَا' کہا گیا ہے۔ جہاں بعد میں مسلمانوں کا لشکر پہنچا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

> "جس وقت (تم مدینہ سے) قریب کے ناکے پر تھے" "اور کافر بعید کے ناکے پر اور قافلہ نیچے (اتر گیا) تھا۔ اور اگر تم (جنگ کے لئے) آپس میں قرارداد کرلیتے تو وقت معین (پر جمع ہونے) میں تقدیم و تاخیر ہوجاتی۔ لیکن خدا کو منظور تھا جو کام ہوکر رہنے والا تھا اسے کر ہی ڈالے تاکہ جو مرے بصیرت پر (یقین جان کر) مرے اور جو جیتا رہے وہ بھی بصیرت پر (یعنی حق پہچان کر) جیتا رہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ خدا سنتا جانتا ہے"۔ (الانفال ٤٢)

☆ ☆

(۱) ممکن ہے کہ جو لوگ واپس ہونا چاہتے تھے انہوں نے اس قسم کا خواب بنا کر مشہور کر دیا ہو۔

(۲) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۴۳۴

(۷۱) وادیٔ ذفران

ادھر مسلمانوں کا لشکر روحا سے منزلیں طے کرتا سجح جاکر ٹھہرا۔ پھر رحقان کی وادی سے ہوتا ہوا صفرا کے قریب پہنچا۔ یہاں سے رسول اللہ ﷺ نے اپنے دو جاسوس بسبس بن عمروؓ اور عدی بن ابی زغباؓ آگے قافلے کی خبر لانے کے لئے روانہ فرمائے۔ یہ دونوں چاہ بدر تک پہنچے وہاں دو خواتین کو باتیں کرتے سنا۔ ایک دوسری سے کہہ رہی تھی کہ "کل قافلہ یہاں پہنچے گا تو میں کچھ مزدوری کر کے تمہارا قرض ادا کروں گی۔ یہ سن کر یہ دونوں اپنے لشکر کی طرف واپس ہوئے۔ اگر کچھ دیر بدر پر ٹھہر جاتے تو شاید ابو سفیان سے ملاقات ہوجاتی جس نے انہی کے اونٹوں کی مینگنیاں بدر کے کنویں کے قریب پائی تھیں۔

اسلامی لشکر نے صفرا سے دائیں طرف مڑ کر وادیٔ ذفران کو پار کیا اور یہیں فروکش ہوا۔ بسبسؓ اور عدیؓ بھی یہاں پہنچ گئے۔ اور جو کچھ بدر کے کنویں پر خواتین سے سنا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو بتایا۔ اسی مقام پر آپ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ قافلے کی مدد کے لئے قریش کا ایک بڑا لشکر مکہ سے روانہ ہوچکا ہے۔ زرقانی کا کہنا ہے کہ یہ خبر بھی بسبسؓ اور عدیؓ لائے تھے(۱)۔ ایسی صورت میں ایک بڑی جنگ کا قطعی امکان تھا رسول اللہ ﷺ نے ضروری سمجھا کہ تمام اصحاب سے مشورہ کیا جائے۔ آپؐ بذات خود اس موقع پر جرأتمندانہ قدم اٹھا کر قریش کو زک پہنچانا ضروری سمجھتے تھے ورنہ وہ اہل عرب میں اور خصوصاً ان قبائل میں جو تجارتی شاہراہوں کے قریب آباد تھے اپنی دھاک بٹھانے میں کامیاب ہوجاتے اور مسلمانوں کا وقار بری طرح مجروح ہوتا۔ اسکا بھی امکان تھا کہ قریش کا لشکر غرور کے نشے میں مزید پیش قدمی کر کے مدینہ تک آجائے اور اس بنیادی طاقت ہی کو کچل دینے کی کوشش کرے جو مکہ کی تجارت دوسرے الفاظ میں معاشی خوشحالی کے در پے تھی۔ پھر بھی کوئی قدم اٹھانے سے پہلے آپؐ نے صحابہ کا مشورہ

ضروری سمجھا۔ ساری صورت حال ان کے سامنے پیش کردی کہ قریش کا لشکر مقابلے کے لئے آرہا ہے۔ اب ان کی کیا رائے ہے۔

اپنی قلیل تعداد اور بے سرو سامانی کو دیکھتے ہوئے چند صحابہ نے اس موقع پر قریش کے بڑے لشکر سے نبرد آزما ہونا مناسب نہ سمجھا۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ اور چند دوسرے حضرات نے اسکا اظہار بھی کیا۔ اسی پست ہمتی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعد میں یہ آیات نازل ہوئیں:

"(ان لوگوں کو اپنے گھروں سے اسی طرح نکلنا چاہیئے تھا) جس طرح تمہارے پروردگار نے تمکو تدبیر کے ساتھ اپنے گھر سے نکالا۔ اور (اسوقت) مومنوں کی ایک جماعت نا خوش تھی۔ وہ لوگ حق بات میں اسکے ظاہر ہوئے پیچھے تم سے جھگڑنے لگے۔ گویا موت کی طرف دھکیلے جاتے ہیں اور اسے دیکھ رہے ہیں" (الانفال ۵،۶)

لیکن حضرت ابو بکرؓ نے اچھی تقریر کی اور ان کے بعد حضرت عمرؓ نے بھی۔ دونوں تقریریں عمدہ اور حوصلہ افزا تھیں۔ ان کے بعد حضرت مقداد بن عمروؓ(۲) کھڑے ہوئے اور عرض کیا" یا رسول اللہ(ﷺ) جس کام کا حکم اللہ تعالیٰ نے آپ(ﷺ)کو دیا ہے اسی کی تکمیل کیجئے۔ ہم ہر حال میں آپؐ کے ساتھ ہیں۔ ہم وہ جواب نہ دینگے جو نبی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کو دیا تھا کہ آپؑ اور آپؑ کا رب جائیں اور لڑیں ہم یہیں بیٹھے ہیں (اشارہ تھا سورۃ مائدہ کی آیت ۲۴ کی طرف) بلکہ ہم تو یہ کہینگے کہ آپؐ اور آپؐ کا رب جائیں اور ہم بھی آپؐ کے دوش بدوش لڑینگے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپؐ برک الغماد (حبشہ کا ایک دور دراز مقام) تک چلنے کا حکم دینگے تو ہم حاضر ہیں"۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ اگر یہ بات ان کی اپنی زبان سے ادا ہوتی تو ہر چیز سے زیادہ عزیز ہوتی۔ یہ الفاظ سنکر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ کھل گیا اور آپؐ بہت مسرور ہوئے(۳)۔ حضرت مقدادؓ کے لئے دعائے خیر فرمائی(۴)۔

اب تک ایسی حوصلہ افزا جنگ کی موافقت میں تقریریں صرف مہاجرین کی طرف سے

ہوئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ حقیقت میں اس موقع پر انصار کے مشورے کے منتظر تھے۔ بیعت عقبہ کے مطابق انصار صرف مدینہ کے حدود میں آپؐ کی حفاظت کے مکلف تھے۔ مدینہ کے باہر کسی پر حملہ کرنے یا کسی غیر دفاعی جنگ میں شریک ہونے کے پابند نہ تھے۔ چنانچہ آپؐ نے ایک بار پھر صحابہ کو مخاطب فرما کر مشورہ طلب کیا۔ اب حضرت سعد بن معاذؓ (انصار کے معزز سردار) کھڑے ہوئے اور عرض کیا "یا رسول اللہ (ﷺ) کیا آپؐ کا خطاب ہم لوگوں سے ہے"۔ آپؐ نے اثبات میں جواب دیا تو حضرت سعدؓ نے ایک بلیغ تقریر کی جس کا متن تاریخ میں محفوظ ہے۔ ابن ہشام کے یہاں ان کے یہ الفاظ ہیں: "یا رسول اللہ (ﷺ)۔ ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے آپؐ کی تصدیق کی ہے اور گواہی دی ہے کہ جو کتاب آپؐ خدا کے پاس سے لائے ہیں وہ حق ہے۔ اور ہم نے آپؐ کے ساتھ آپؐ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا عہد کیا ہے۔ یا رسول اللہ (ﷺ) جس طرف مرضیٔ مبارک ہو تشریف لے چلئے۔ قسم ہے اس ذات پاک جس نے حق کے ساتھ آپؐ کو مبعوث کیا ہے اگر آپؐ ہم کو سمندر میں گرنے کا حکم کرینگے اور آپؐ خود اس میں گرینگے تو ہم ضرور اسمیں آپؐ کے ساتھ گر پڑینگے۔ ہم میں سے ایک شخص بھی باقی نہ رہے گا۔ اور ہم اس بات سے بہت خوش ہیں کہ آپؐ ہم کو لیکر اپنے دشمن سے مقابلہ کریں۔ ہم لوگ حرب میں صبر کرنے والے اور مقابلے میں سچے ہیں۔ امید ہے کہ ہماری کار گزاری خدائے تعالیٰ حضورؐ کو ایسی دکھائے گا جس سے آپؐ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے گی۔ بس اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ حضورؐ تشریف لے چلیں"(۵)۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر مسرور و مطمئن ہوئے۔ فرمایا " میدان جنگ کی طرف چلو اور فتح کا مژدہ سنو۔ اللہ نے مجھے دو گروہوں میں سے ایک کی فتح کا وعدہ فرمایا ہے۔ گویا کہ میں ان کی قتل گاہوں کو دیکھ رہا ہوں"۔

اسکے بعد مسلمانوں کا لشکر آگے روانہ ہوا۔ اصافر نامی پہاڑی دروں سے گزرتے ہوئے حنان کے بڑے ریت کے ٹیلے کے قریب پہنچا۔ اور اسکو اپنے بائیں طرف چھوڑ کر بدر کر قریب ٹھہرا۔ رسول اللہ ﷺ نے قریب ترین کنویں کے پاس ٹھہرنا چاہا۔ یہاں ایک انصاری صحابی حضرت حباب بن منذرؓ آگے بڑھے۔ یہ اس علاقے سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے آپؐ سے عرض کیا " یا رسول اللہ (ﷺ) آپؐ نے یہ مقام وحی کے ذریعے منتخب کیا ہے یا اپنی ذاتی رائے سے؟" آپؐ نے بتایا کہ اس بارے میں کوئی وحی نہیں آئی۔ یہ محض آپؐ کی ذاتی رائے تھی۔ تو حضرت حباب نے مشورہ دیا کہ آگے بڑھ کر سب سے آخری چشمے پر قبضہ کرلیں اور

وہیں پڑاؤ ڈالیں تاکہ مسلمانوں کو پانی کی دقت نہ ہو اور مشرکین کنوؤں سے محروم رہیں۔ آپؐ نے یہ رائے پسند فرمائی اور اسی پر عمل کیا گیا۔ اس آخری چشمے کے پاس ایک حوض بھی بنا کر پانی سے بھر لیا۔

اسی دوران رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو روانہ فرمایا کہ اطراف میں جاکر قریش کے نقل و حرکت کی خبر لائیں(۶)۔ ان حضرات نے ایک کنویں پر دو نوجوانوں کو پانی بھرتے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے ایک نبی حجاج کا غلام اسلم تھا اور دوسرا نبی عاص بن سعید کا غلام عریض ابو یسار تھا۔ یہ ان دونوں کو پکڑ کر اپنے لشکر میں لے آئے اور قریش کی بابت پوچھنے لگے۔ ان غلاموں نے بتایا کہ یہ قریشی لشکر کے لئے پانی کا انتظام کر رہے تھے۔ اکثر صحابہ نے انہیں جھوٹا سمجھا اور شک کیا کہ شاید ابو سفیان کے قافلے کے آدمی ہیں اور قافلے کی بابت بتانا نہیں چاہتے۔ ابھی تک بعض صحابہ کو امید تھی (۔اور یہی ان کی خواہش بھی تھی) کہ شاید قافلہ دستیاب ہو جائے۔ اور کسی جنگ کی نوبت نہ آئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے :

> ”اور (اسوقت کو یاد کرو) جب خدا تم سے وعدہ کرتا تھاکہ (ابو سفیان اور ابو جہل کے) دو گروہوں میں سے ایک گروہ تمہارا (مسخر) ہو جائیگا۔ اور تم چاہتے تھے کہ جو قافلہ بے (شان و) شوکت (یعنی بے ہتھیار) ہے وہ تمہارے ہاتھ آجائے اور خدا چاہتا تھا کہ اپنے فرمان سے حق کو قائم رکھے اور کافروں کی جڑ کاٹ کر پھینک دے۔ تاکہ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کردے گو مشرک نا خوش ہی ہوں“ (الانفال ۷،۸)

چنانچہ ان حضرات نے دونوں غلاموں کو مارا پیٹا کہ ” سچ بتاؤ۔ تم ابو سفیان کے قافلے سے تعلق رکھتے ہو“۔ مار سے بچنے کے لئے دونوں نے ناچار یہی قبول کر لیا۔ اس پر ان حضرات نے انہیں مارنا پیٹنا چھوڑدیا۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ فارغ ہوئے تو فرمایا ”جب یہ سچ بولتے ہیں تو تم انہیں مارتے ہو جب غلط بات بتاتے ہیں تو چھوڑ دیتے ہو۔ سچ یہی ہے کہ وہ قریش کے لشکر کے غلام ہیں“۔ پھر آپؐ خود دونوں سے مخاطب ہوئے اور دریافت

فرمایا کہ " قریش کا لشکر کہاں ہے"۔ دونوں نے بتایا "سامنے جو ریت کا ٹیلہ آپؐ دیکھ رہے ہیں اسکی پرلی طرف"۔ ان کی تعداد کے متعلق پوچھا تو صحیح تعداد نہ بتا سکے۔ صرف اتنا کہا کہ "بہت بڑی تعداد میں ہیں"۔ آپؐ نے پوچھا کہ روزانہ کھانے کے لئے کتنے اونٹ ذبح کئے جاتے تھے۔ تو بتایا کہ کبھی نو اور کبھی دس۔ آپؐ نے اندازہ فرمایا کہ لشکر نو سو سے ایک ہزار افراد پر مشتمل ہے۔ یہ اندازہ بالکل درست تھا۔ آپؐ نے یہ بھی دریافت فرمایا کہ اشراف مکہ میں کون کون لشکر میں شامل تھا۔ ان غلاموں نے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو البختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، طعیمہ بن عدی، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، عمرو بن ہشام (ابو جہل) امیہ بن خلف، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج، سہیل بن عمرو، وغیرہ کے نام لئے۔ اس پر آپؐ اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "یہ مکہ ہے۔ اس نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہاری طرف پھینک دیئے ہیں۔"

ادھر قریش نے اپنا ایک جاسوس عمیر بن وہب (۷) مسلمانوں کے لشکر کی تعداد کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اس نے گھوڑے پر سوار ہو کر گردو نواح کا چکر لگایا۔ پھر دوبارہ اس پاس کی گھاٹیوں اور کمین گاہوں کا معائنہ کیا کہ کچھ اور لوگ کہیں چھپے ہوئے نہ ہوں۔ اہل قریش کو آکر بتایا "دشمن کی تعداد تین سو کے قریب ہے۔ مگر ان کے تیور ایسے ہیں گویا یثرب کی سواریاں ہلاکت لئے ہوئے ہوں۔ ان کے پاس تلواروں کے سوا کوئی حفاظتی سامان نہیں۔ واللہ میں سمجھتا ہوں کہ ان کا ہر آدمی تب ہلاک ہوگا کہ تم میں سے ایک کو مارلے۔ ایسے میں خود سوچ لو کہ تم میں سے اتنے ہلاک ہوگئے تو زندگی میں کیا لطف رہے گا"۔

عمیر کے ان الفاظ نے قریشیوں کو پھر ایک بار کچھ سوچنے پر مجبور کردیا۔ نبی اسد کے حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) کچھ سوچ کر نبی عبد شمس کے عتبہ بن ربیعہ کے پاس آئے اور کہا " اے ابو ولید تم قریش کے سب سے بزرگ سردار ہو۔ کیا یہ نہ چاہو گے کہ لوگ تمہیں ہمیشہ عزت و تکریم کے ساتھ یاد رکھیں"۔ عتبہ نے پوچھا " وہ کیسے؟" حکیم نے جواب دیا "سب کو یہاں سے واپس لے چلو اپنے حلیف مقتول عمرو الحضرمی کا خوں بہا اپنے ذمے لے لو"۔ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اسطرح لڑائی کا اصلی سبب رفع ہو جائیگا۔ قافلہ تو خیریت بچ کر نکل ہی چکا تھا۔ عتبہ راضی ہوگیا۔ لیکن ابو جہل کی رضامندی بھی ضروری سمجھتا تھا۔ حکیم کو رائے دی کہ جہل سے بھی بات کرے۔ خود اس نے اپنے لشکر کے سامنے ایک موثر تقریر کی جسکا ماحصل

یہ تھا کہ جنگ بہر حال بیکار تھی۔ فتح بھی ہوئی تو اکثر اپنے ہی اعزو اقربا کے قاتل ہونگے۔ بہتر یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو باقی عربوں سے نمٹنے دیا جائے۔ اگر آپؐ دوسروں کے ہاتھوں قتل ہوئے تو مقصد یونہی حاصل ہو جائیگا۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہوا تو لوگوں کو یہ اندازہ ہو جائیگا کہ قریش نے صبر سے کام لیا۔ عتبہ نے الحضرمی کا خوں بہا بھی ادا کرنا چاہا۔ لیکن ابو جہل کہیں تیز تر ثابت ہوا۔ ہر چند کہ حکیم نے اسے عتبہ کا پیغام پہنچایا اور سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ کسی طرح نہ مانا اور بولا "محمد (ﷺ) کو دیکھ کر ڈر کے مارے عتبہ کا سینہ پھول گیا ہے"۔ عتبہ نے ابو جہل کا یہ قول سنا تو کہا "عنقریب اسے معلوم ہو جائیگا کہ میرا سینہ پھولا ہے یا اسکا"۔

ابو جہل نے عتبہ کو بزدلی کا طعنہ دیکر یہ الزام بھی لگایا کہ وہ اپنے بیٹے ابوحذیفہؓ کی موت سے خوفزدہ تھا جو مسلمانوں کے لشکر میں شامل تھے۔ پھر عامر الحضرمی کو بھڑکایا کہ اپنے بھائی کے خون کے انتقام کا مطالبہ کرے۔ عامر کھڑا ہوگیا۔ اپنے کپڑے پھاڑنے لگا اور بلند آواز سے بین کرنے لگا "ہائے عمرو ہائے عمرو" اس نوحے سے انتقام کی آگ لوگوں کے دلوں میں اسطرح بھڑک اٹھی کہ لشکر کی واپسی کے لئے عتبہ یا کسی اور کی کوششیں رائیگاں تھیں۔

قریش جنگ کی تیاری میں مصروف تھے کہ ایک شخص کو وہ موقع مل گیا جسکی اسے تلاش تھی۔ یہ عبداللہ بن سہیل تھے۔ انہیں سہیل نے مکہ میں قید کر رکھا تھا۔ اس خوف سے کہ باپ کی غیر موجودگی میں مدینہ نہ بھاگ جائیں سہیل انہیں اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اب انہیں موقع ملا تو لوگوں کی نظریں بچا کر چھپتے چھپاتے اونچے نیچے ٹیلوں سے گزر کر مسلمانوں سے جاملے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ کو بڑی مسرت ہوئی۔ پھر وہ خوشی خوشی اپنے بہنوئیوں ابوسبرہ اور ابو حذیفہ سے بغلگیر ہوئے۔

☆ ☆

(۱) محمد ادریس کاندھلوی "سیرۃ المصطفیٰ" جلد اول صفحہ ۵۰۲

(۲) حضرت مقدادؓ کو قبل اسلام اسود بن عبد یغوث الزہری نے متبنیٰ کر لیا تھا۔ اس لیے مقداد بن اسود کے نام سے بھی کچھ عرصہ مشہور رہے۔

(۳) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۵۸۷ (کتاب المغازی۔ باب قول اللہ تعالی اذ تستغیثون ربکم)

(۴) جنگ بدر کے بارے میں ایک بحث یہ چھڑ گئی ہے کہ آیا مسلمانوں نے مدینہ ہی میں طے کر لیا تھا کہ مقابلہ قریشی لشکر سے کرنا ہے یا مدینہ سے نکلتے وقت صرف ابو سفیان کا قافلہ مطمح نظر تھا۔ اور قریش لشکر سے جنگ کرنے کا فیصلہ بعد میں آگے چل کر کیا گیا۔ سر سید احمد خان نے سورۃ الانفال کی تفسیر میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ شروع ہی سے قریش کے لشکر سے جنگ کرنے نکلے تھے نہ کہ قافلہ لوٹنے (سر سید احمد خان 'تفسیر القرآن' حصہ چہارم صفحہ ۴)۔ علامہ شبلی نعمانی اور قاضی سلمان منصور پوری نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے (شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۰۲۔ سلمان منصور پوری 'رحمۃللعالمینؐ' جلد اول صفحہ ۱۰۳)لیکن قدیم ارباب سیر اور مورخین (ابن اسحاق، ابن ہشام، واقدی، ابن سعد، طبری وغیرہ) اس پر متفق ہیں کہ مسلمان قافلے پر حملے کی غرض سے نکلے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ قریش کا لشکر قافلے کی حفاظت کے لئے چل پڑا ہے تب وادی ذفران میں مسلمانوں میں مشورہ ہوا اور طے پایا کہ لشکر کا مقابلہ کیا جائے۔ اور جنگ بدر واقع ہوئی۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ جو رسول اللہ ﷺ کے واقعات اپنی محترم خالہ حضرت عائشہؓ سے سنتے تھے اور جنہیں رسول اکرم ﷺ کا پہلا سیرت نگار مانا گیا ہے جنگ بدر کے متعلق خلیفہ عبدالملک بن مروان کے ایک استفسار کے جواب میں لکھتے ہیں " چونکہ (ابو سفیان کا) یہ تجارتی قافلہ اس نیت سے گیا تھا کہ جو نفع ہو اسے اجتماعی طور پر مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جائے اس لئے رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کو توجہ دلائی اور مشورہ کیا اور بتلایا کہ اسطرح آئندہ کا منصوبہ متاثر ہوگا۔ اور یہ لوگ بھی تھوڑے ہیں اس لیے صحابہ کرام محض ابو سفیان اور اسکے رفقا کے تعاقب میں نکلے۔ مقصد مال غنیمت کا حصول تھا۔ بڑی چوڑی لڑائی پیش نظر نہ تھی (حضرت عروہ بن زبیرؓ 'مغازی رسول اللہؐ' صفحہ ۲۴۳)۔ نئے محققین سید ابوالاعلیٰ مودودی، سید قطب شہید، محمد حسین ہیکل، محمد ادریس کاندھلوی وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں اور علامہ شبلی وغیرہ کے نظریہ کو معذرت خواہانہ انداز پر محمول کرتے ہیں جسکی ضرورت نہیں۔ قریش نے مسلمانوں کی زندگی مکہ میں حرام کر دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے قتل کے منصوبے بنائے۔ آپؐ کو اور آپؐ کے اصحاب کو ترک وطن پر مجبور کیا۔ آپؐ کی گرفتاری کی انتہائی کوشش کی اور اسکے لئے انعام مقرر کیا۔ آپؐ جب مدینہ پہنچ گئے تو وہاں کے سردار عبداللہ بن ابی اور یہودیوں کو آپؐ کے خلاف ابھارنے کی سعی کی۔ مہاجرین کا جو اثاثہ مکہ میں رہ گیا تھا اسپر ناجائز قبضہ کرلیا۔ کرز فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کرکے مسلمانوں کے مویشی لوٹے۔ ایک شخص کو قتل بھی کیا۔ ان حالات میں مشرکین مکہ کے خلاف کوئی بھی کاروائی صرف جائز ہی نہ تھی بلکہ کلمۃ اللہ کی سربلندی اور اشاعت اسلام کے لئے ضروری بھی تھی۔ اس بارے میں مولانا شبیر احمد عثمانی کا یہ تبصرہ بڑا صائب معلوم ہوتا ہے:" جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس سفر میں حضورؐ شروع ہی سے فوجی لشکر کے مقابلہ میں نکلے تھے جو مدینہ پر ازخود اقدام کرتا ہوا چلا آرہا تھا تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کی نیت آپؐ نے اول سے آخر تک کسی وقت نہیں کی۔ وہ فی الحقیقت اپنے ایک خود ساختہ

اصول پر تمام ذخیرۂ حدیث وسیر اور اشارات قرانیہ کو قربان کرنا چاہتے ہیں۔ یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ محاربین جن کی دستبرد سے مسلمانوں کی جان و مال کوئی چیز بھی نہ بچی اور نہ آئندہ بچنے کی توقع تھی۔ ان کو جانی اور بدنی نقصان پہچانا تو جائز سمجھا جائے لیکن تجارتی اور مالی نقصان پہنچانا خلاف تہذیب و انسانیت ہو ان کی جانیں تو ظلم و شرارت اور کفرو طغیان کی بدولت محفوظ نہیں رہیں مگر اموال بدستور محفوظ رہیں۔ گویا زندگی کے حق سے محروم ہو جائیں تو ہو جائیں۔ پر سامان زندگی سے محروم نہ ہوں۔ ان هذا الاشی عجاب۔" (شبیر احمد عثمانی 'القرآن الکریم' (تفسیر عثمانی) صفحہ ۲۳۵)

(۵) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۴۳۰

(۶) ایک روایت کے مطابق اس سے قبل رسول اللہ ﷺ نے خود بھی حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ اطراف کا معائنہ فرمایا تو ایک بوڑھے شخص سے ملاقات ہوئی اس سے قریش اور مسلمانوں کے لشکروں کے متعلق دریافت کیا تو اس نے دونوں لشکروں کے جائے وقوع کا صحیح اندازہ بتایا۔ ابن اسحاق نے اس شخص کا نام سفیان ضمری بتایا ہے (ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۴۳۱)

(۷) عمیر بن وہبؓ بعد میں اسلام سے مشرف ہوئے۔ ان کا ذکر آگے آئے گا۔

(۷۲) یوم الفرقان

وادیٔ ذفران میں معزز صحابہ کی ہمت افزا تقریروں کے بعد رسول ﷺ کا یہ مژدہ سن کر کہ اللہ نے آپؐ کو دو گروہوں میں سے ایک پر فتح کا وعدہ فرمایا ہے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوگئے تھے۔ آپؐ جنگ کے لئے ضروری انسانی تدابیر اختیار کر چکے تھے۔ لشکر کا پڑاؤ پانی کے قریب ڈالا تھا۔ رخ ایسا رکھا تھا کہ جب جنگ شروع ہو تو سورج اپنی پشت پر ہو اور دشمن کی آنکھوں کے سامنے۔ اللہ کی طرف سے یہ رحمت نازل ہوئی کہ رات کو مسلمان اچھی پر سکون نیند سے بہرہ یاب ہوئے بارش بھی ہوگئی کہ نہا دھو کر پاک اور ترو تازہ ہو سکیں۔ قرآن مجید میں ہے:

"جب اس نے (تمہاری) تسکین کے لئے اپنی طرف سے نیند (کی چادر) اوڑھا دی اور تم پر آسمان سے پانی برسا دیا کہ تم کو اس سے (نہلا کر) پاک کردے اور شیطان کی نجاست تم سے دور کردے۔ اور اس لئے بھی کہ تمہارے دلوں کو مضبوط کردے اور اس سے تمہارے پاؤں جمائے رکھے۔ (الانفال ۱۱)

حضرت سعد بن معاذؓ کے مشورے پر رسول اللہ ﷺ کے لئے مناسب مقام پر ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنادی گئی تھی کہ آپؐ اس میں آرام فرمائیں لشکر کے نقل و حرکت اور جنگ کا معائنہ بھی کر سکیں اور ضروری ہدایات دیتے رہیں۔ صحابہ نے دو تیز اونٹوں کا بھی انتظام کر دیا تھا کہ خدانخواستہ اگر پسپا ہونا پڑے تو آپؐ مدینہ کی طرف رجعت فرما سکیں جہاں بہت سے جاں فروش آپؐ کی حمایت کے لئے موجود تھے۔

رات کو حضرت ابو بکرؓ آپؐ کے ساتھ تھے(۱)۔ حضرت سعد بن معاذؓ اور چند ساتھی

پہرہ دیتے رہے آپؐ نے یہ شب رو رو کر اللہ سے دعا مانگنے میں صرف کی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ "بدر کی شب کسی نے نوافل کے لئے قیام نہ کیا سوائے آپؐ کے اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے"(۲)۔

سحر ہوئی تو رسول ﷺ نے اپنی سپاہ کو فجر کی نماز پڑھائی۔ حوصلہ افزائی فرمائی اور تلقین کی کہ "اسوقت ساری دنیا میں تم ہی واحد جماعت ہو جو اللہ کی برتری کے لئے نبرو آزما ہے۔ جو بھی آج اللہ کی راہ میں صبرو استقامت سے لڑے گا اور پیٹھ نہ پھیرے گا' اگر مارا گیا تو سیدھا جنت میں جائے گا"۔ پھر کچھ ضروری ہدایات دیں۔ آپؐ جانتے تھے کہ دشمن کی صفوں میں نبی ہاشم کے وہ لوگ بھی شامل ہیں جو مشرک ہونے کے باوجود ابو طالب کے ساتھ آپؐ کی حفاظت پر کمر بستہ رہے۔ اور قریش کے مقاطعے کے دوران شعب ابو طالب میں آپؐ کے شریک حال رہے۔ یہ لوگ بادل نا خواستہ مجبوراً دشمن کی فوج میں شامل ہوئے تھے۔ آپؐ کی خواہش تھی کہ حتی الوسع مسلمانوں کے ہاتھ سے ان لوگوں کو نقصان نہ پہنچے۔ خصوصاً حضرت عباسؓ کو۔ اسکا اظہار آپؐ نے صحابہ سے کیا۔ ابو البختری کو بھی اسکی خدمات کی وجہ سے مامون قرار دیا۔ حضرت ابو حذیفہؓ کو جن کا باپ عتبہ دشمن کی فوج کے سرداروں میں شامل تھا یہ بات ناگوار گزری۔ کہنے لگے "کیا ہم اپنے آباؤ اخوان اور ابنا کو قتل کریں اور (حضرت) عباسؓ سے در گذر کریں۔ واللہ ایسا نہ ہوگا اگر (حضرت) عباسؓ میری زد میں آئے تو میں انہیں نہ چھوڑونگا"۔ رسول ﷺ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا "مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کا سر قلم کردوں وہ منافق ہوگیا ہے"۔ لیکن حضور اکرم ﷺ نے درگذر سے کام لیا۔ (بعد میں حضرت ابو حذیفہؓ اپنی اس بات پر بہت نادم تھے۔ ان کا بیان ہے کہ "میں اس بات سے ہمیشہ پریشان رہا اور میرے خیال میں اس ناشائستہ بات کا کفارہ صرف شہادت کی موت ہوسکتی ہے"۔ آخر کار وہ جنگ یمامہ میں جو ۱۲ھ میں واقع ہوئی شہید ہوئے)(۳)۔

عرب میں جنگ کے دوران کسی صف بندی کا رواج نہ تھا۔ لوگ ہجوم کی شکل میں حملہ آور ہوتے تھے۔ رسول ﷺ نے پہلی بار عبادت کی طرح جنگ میں بھی صف بندی کا طریقہ اختیار کیا۔ آپؐ نے اس موقع پر اپنے لشکر کو دو صفوں میں آراستہ کیا۔ "اگلی صف میں شمشیر زن اور نیزہ باز رکھے اور پچھلی صف میں تیر انداز۔ دونوں پہلوؤں کو ترچھی ترتیب دی تاکہ دشمن برتر عددی قوت سے فائدہ اٹھا کر اسلامی لشکر کو لپیٹ میں نہ لے سکے"(۴)۔ آپؐ نے دفاعی

طریقہ اختیار کرنا چاہا اور اپنی سپاہ کو ہدایت کی حملے میں پہل نہ کریں۔ دشمن حملہ آور ہو تو پہلے تیر اندازی سے روکیں۔ بعد میں تلوار اور نیزہ استعمال کریں۔ جوابی حملے کے لئے آپؐ کے حکم کا انتظار کریں۔

صفوں کو سیدھا کرنے کے لئے آپؐ ایک تیر استعمال فرما رہے تھے۔ اتفاقاً صف آرائی کے وقت ایک صحابی سواد بن غزیہؓ صف سے ذرا آگے نکلے ہوئے تھے۔ آپؐ نے ان کے پیٹ کو تیر سے دبا کر فرمایا کہ صف سیدھی رکھیں۔ سوادؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ آپؐ نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ اسکا بدلہ دیجئے آپؐ کو اللہ نے حق اور عدل کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے شکم مبارک کھول کر پیش کیا۔ سوادؓ نے اسکا بوسہ لیا اور آنکھوں سے ملا۔ آپؐ نے فرمایا "یہ کیا حرکت ہے؟" سوادؓ نے جواب دیا "حضورؐ دیکھ رہے ہیں کہ یہ کیا وقت ہے۔ میں نے چاہا کہ اس آخر وقت میں میرا جسم آپؐ کے جسم سے مس ہوجائے"۔ آپؐ نے یہ سنکر ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

ادھر ابو جہل اپنا لشکر لیکر آگے بڑھا۔ رات کی بارش سے نشیبی علاقے میں کیچڑ ہوگئی تھی جو اس لشکر کے لئے تھکا دینے والی اور مضر ثابت ہوئی۔ سورج مشرکوں کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ ٹیلے کو پار کرکے یہ مسلمانوں کے سامنے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں عقنقل کے ٹیلے سے میدان کی طرف طمطراق اور گانے باجے کے ساتھ آتے دیکھا تو یہ دعا کی: "یا اللہ یہ قریش کا لشکر فخر کے ساتھ آرہا ہے۔ تیرا اور تیرے رسول کا دشمن ہے۔ اب تو اپنی نصرت کا وہ وعدہ وفا کر جو تو نے مجھ سے کیا ہے"۔ عتبہ اپنے سرخ اونٹ پر سوار تھا۔ آپؐ نے اسے دیکھ کر فرمایا "ان میں سے کس کے پاس بھلائی ہے تو اس سرخ اونٹ والے کے پاس۔ یہ اسکا کہا مانیں تو راہ راست پر آجائیں"(۵)۔

سب سے پہلے لشکر قریش میں سے ایک شخص اسود بن عبدالاسد مخزومی جو بڑا بد خلق اور شر پسند تھا یہ عہد کرکے آگے بڑھا کہ مسلمانوں کے حوض سے پانی پیئے گا اور اسے توڑ دے گا۔ حضرت حمزہؓ نے دیکھا تو اس پر حملہ آور ہوئے۔ ایسا وار کیا کہ اسکی ٹانگ کٹ گئی۔ مگر وہ پیٹ کے بل گھسٹتا ہوا حوض تک پہنچ گیا۔ مگر جیسے ہی پہنچا حضرت حمزہؓ نے دوسرے وار سے اسکا کام تمام کردیا۔

اب دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے تھے۔ عام جنگ شروع ہونے سے پہلے

مبارزت طلبی کا قاعدہ تھا۔ مشرکین میں سے عتبہ بن ربیعہ آگے نکلا (اسے ابو جہل کے طعنوں کا جواب دینا تھا) ساتھ ہی اسکا بھائی شیبہ اور بیٹا ولید تھا۔ تینوں نے مبارزت طلب کی تو مسلمانوں میں سے تین انصاری معوذ بن حارث، عوف بن حارث اور عبداللہ بن رواحہؓ آگے بڑھے (اول الذکر دونوں کی والدہ حضرت عفراؓ تھیں) عتبہ نے دیکھا کہ تینوں حضرات انصاری ہیں تو بلند آواز میں کہا " ہمیں تم سے کوئی سروکار نہیں۔ ہمارے سامنے ہماری ہی قوم کے لوگ آئیں"۔ رسول اللہ ﷺ نے تینوں کو واپس بلا لیا اور اپنے قریبی اعزا میں سے حضرت عبیدہ بن حارثؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ سے فرمایا کہ وہ مقابلے کے لئے نکلیں۔ یہ حضرات اشارہ پاتے ہی سامنے آئے۔ حضرت عبیدہ جو عمر رسیدہ تھے عتبہ کے مقابل ہوئے۔ حضرت حمزہؓ شیبہ کے اور حضرت علیؓ ولید کے مقابلے میں آئے۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے جلد ہی اپنے حریفوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حضرت عبیدہؓ اور عتبہ کے مقابلے میں دونوں زخمی ہوئے۔ حضرت عبیدہؓ کا زخم کاری تھا۔ لیکن حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے آگے بڑھکر فوراً عتبہ کا کام تمام کیا (٦)اور حضرت عبیدہؓ کو زخمی حالت میں اٹھا کر اپنی صفوں میں لے آئے۔

اب عام جنگ شروع ہوگئی۔ رسول اللہؐ نے اسلامی لشکر کا نام 'خیل اللہ' تجویز فرمایا تھا۔ مہاجرین کا شعار 'یا نبی عبدالرحمٰن'۔ خزرج کا 'یا نبی عبداللہ' اور اوس کا 'یا نبی عبیداللہ' تھا۔ صحابہ کا عام شعار 'احد احد' تھا(٧)۔ قریش کا پہلا تیر حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام مہجع بن صالحؓ کا قاتل ثابت ہوا۔ دوسرا تیر حارثہ بن سراقہؓ کے حلق میں پیوست ہوا۔ وہ حوض پر پانی پی رہے تھے کہ وہیں جام شہادت نوش کیا۔ مسلمانوں کا رویہ ابھی تک مدافعانہ تھا۔ صرف وہی کافر مارے جاتے جو ان کی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے مانند صف سے ٹکرانے کی کوشش کرتے یا ان کے تیر اندازوں کا شکار بنتے۔

رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ اپنے عریش میں واپس آگئے۔ اور دعا میں مصروف ہوگئے کہ "اے اللہ اگر تو نے اس چھوٹی سے جماعت کو ہلاک کردیا تو روئے زمین پر تیری عبادت نہ ہو سکے گی۔ یا اللہ جو وعدہ تو نے مجھ سے کیا ہے اسے وفا کر۔ میں تیری مدد کا طلبگار ہوں" دعا کے دوران آپؐ کی چادر کندھوں سے ڈھلک جاتی تو حضرت ابو بکرؓ اسے ٹھیک کرتے۔ آخر انہوں نے عرض کیا " یا رسول اللہ بس کیجئے۔ اتنا کافی ہے۔ اللہ اپنا وعدہ پورا کریگا"۔ اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ قرآن مجید میں آیا:

"جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کرلی (اور فرمایا) کہ (تسلی رکھو)ہم ہزار فرشتوں سے جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائینگے تمہاری مدد کرینگے"۔ (الانفال ۹)

دعاؤں کے دوران آپؐ کو ذراسی اونگھ آئی۔ جب چونک کر اٹھے تو چہرہ چمک رہا تھا۔ گویا آپؐ نے محسوس کرلیا کہ دعائیں بارگاہ رب العزت میں قبول ہوئی ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کو فتح کا مژدہ سنایا اور بتایا کہ آپؐ نے جبریل کو دیکھا کہ مسلمانوں کی مدد کے لئے آگئے تھے۔ پھر زرہ پہنے یہ کہتے ہوئے عریش سے باہر تشریف لائے:

"سیہزم الجمع و یولون الدبر"(۸)

عنقریب یہ جماعت شکست کھائیگی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائینگے (القمر ٤٥)

پھر آپؐ نے کچھ کنکریاں مٹھی میں لے کر مشرکین کے لشکر کی طرف پھینکیں اور فرمایا 'شاہت الوجوہ" (چہرے بگڑ جائیں)۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو مدافعت کی بجائے حملہ کرنے کا حکم صادر فرمایا "شدوا" (چڑھ دوڑو)۔ آپؐ کی پھینکی ہوئی کنکریاں اللہ کے حکم سے سارے مشرکین کی آنکھوں پر چھاگئیں۔ انہیں بار بار آندھیوں کے جھونکے محسوس ہوئے۔ اسی کی بابت اللہ تعالی نے فرمایا:

"تم لوگوں نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے انہیں قتل کیا۔ اور (اے محمد) جس وقت تم نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں......"(الانفال ١٧)

اور اسی معجزے کی طرف ایک اشارہ ہمیں زبور میں حضرت داؤدؑ کے ان الفاظ میں ملتا ہے:

"تو بنی آدم میں سب سے حسین ہے۔ تیرے ہونٹوں میں لطافت بھری ہے۔ اسی لئے خدا نے تجھے ہمیشہ کے لئے مبارک کیا۔ اے زبردست تو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت و شوکت ہے اپنی کمر سے حمائل کراور سچائی

اورعلم اور صداقت کی خاطر اپنی شان و شوکت میں اقبال مندی سے سوار ہو۔ اور تیرا داہنا ہاتھ تجھ سے مہیب کام دکھائے گا۔ تیرے تیر تیز تیز ہیں۔وہ بادشاہ کے دشمنوں کے دل میں لگے ہیں۔ امتیں تیرے سامنے زیر ہوتی ہیں"۔ (پرانا عہد نامہ 'کتاب زبور' ۴۵/۲ تا ۵)

قریش کی سراسیمگی کا یہ عالم تھا کہ وہ مسلمانوں کی تعداد کو ان کی اصلی تعداد سے کہیں زیادہ محسوس کر رہے تھے:

"تمہارے لئے دو گروہوں میں جو (جنگ بدر کے دن) آپس میں بھڑ گئے (قدرت خدا کی عظیم الشان) نشانی تھی۔ایک گروہ (مسلمانوں کا تھا وہ) خدا کی راہ میں لڑ رہا تھااور دوسرا گروہ (کافروں کا تھا۔ وہ) انکو اپنی آنکھوں سے اپنے سے دو گنا مشاہدہ کر رہا تھا اور خدا اپنی نصرت سے جسکو چاہتا ہے مدد دیتا ہے۔ جو اہل بصیرت ہیں ان کے لئے اس (واقعے) میں بڑی عبرت ہے" (آل عمران ۱۳)

حالانکہ شروع میں دونوں گروہ ایک دوسرے کو اصل تعداد سے کم سمجھ رہے تھے(۹)۔ اور رسول اللہ ﷺ نے خواب میں بھی دشمن کی فوج کو کم ہی دیکھا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

"اسوقت خدا نے تمہیں خواب میں کافروں کو تھوڑی تعداد میں دکھایا۔ اور اگر بہت کرکے دکھاتاتو تم لوگ جی چھوڑ دیتے۔ اور جو کام در پیش تھا اس میں جھگڑنے لگتے۔ لیکن خدا نے (تمہیں اس سے) بچالیا۔ بے شک وہ سینوں کی باتوں تک سے واقف ہے۔اور اسوقت جب تم ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو کافروں کو تمہاری نظروں میں تھوڑا کرکے دکھاتا تھا اور تم کو ان کی نگاہوں میں تھوڑا کرکے دکھاتا تھا۔ تاکہ خدا کو جو کام کرنا منظور تھا وہ اسے کر ڈالے۔ اورسب کاموں کا رجوع خدا ہی کی

طرف ہے" (الانفال ۴۳، ۴۴)

اب جنگ پورے زور پر تھی۔ اکثر مہاجرین کے اعزا مشرکین کے لشکر میں ان کے مقابل تھے۔ حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے خود ان کا ماموں عاص بن ہشام قتل ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ کے بیٹے عبدالرحمٰن نے (جو اسوقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) بعد میں اپنے والد محترمؓ سے کہا "بدر کے دن آپ میری زد میں تھے مگر میں نے وار نہیں کیا"۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔ "اگر تم میری زد میں آتے تو میں تمہیں نہ چھوڑتا"۔ رسول اللہ ﷺ سے جارحانہ حملے کا حکم پاتے ہی مسلمانوں کی صفیں سیلاب کی موجوں کی طرح کفار کے لشکر پر چھا گئیں۔ شہادت کے شوق میں مسلمان بڑی جاں فروشی کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ آور ہو رہے تھے۔ مشرکین کا لشکر بری طرح پسپا ہونا شروع ہوا۔ مسلمانوں کی ہیبت اور رعب نے ان کے حوصلے بالکل پست کر دیئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی مزاحمت کی طاقت ہی نہ رہی۔ بعض صحابہ کا کہنا ہے کہ اس سے قبل کہ وہ وار کریں۔ وہ دیکھتے تھے کہ مقابل دشمن کا سر سامنے کٹا پڑا ہے۔ اس کو فرشتوں کی اس مدد پر محمول کیا گیا ہے جسکا وعدہ اللہ کی طرف سے ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ مدد آپہنچی تھی:

> "جب تمہارا پروردگار فرشتوں کو ارشاد فرماتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم مومنوں کو تسلی دو کہ ثابت قدم رہیں۔ میں ابھی ابھی کافروں کے دلوں میں رعب اور ہیبت ڈالے دیتا ہوں۔ تو ان کے سر مار (کر) اڑا دو۔ اور ان کا پور پور مار کر توڑ دو" (الانفال ۱۲)

احادیث میں ہے کہ اس موقع پر ابلیس بذات خود سراقہ بن مالک کی شکل میں مشرکین کی حوصلہ افزائی کے لئے ان کے ساتھ تھا۔ فرشتوں کا نزول دیکھا تو ابو جہل سے اپنا ہاتھ چھڑا کر راہ فرار اختیار کی۔ ابو جہل نے پوچھا کہ "یہ کیا۔ عین وقت پر دغا دے کر کہاں جاتے ہو؟" تو بولا" میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتا"(۱۰)۔ اسی کا ذکر قرآن مجید میں ہے:

"اور جب شیطان نے ان کے اعمال انکو آراستہ کر دکھائے اور کہا کہ آج کے دن لوگوں میں کوئی تم پر غالب نہ ہوگا اور میں تمہارا رفیق ہوں (لیکن) جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل (صف آرا) ہوئیں تو پسپا ہو کر چل دیا اور کہنے لگا کہ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں میں تو ایسی چیزیں دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ مجھے تو خدا سے ڈر لگتا ہے۔ اور خدا سخت عذاب کرنے والا ہے" (الانفال ۴۸)

بخاری شریف میں ہے کہ شکست خوردہ قریشی لشکر کے ستر افراد مارے گئے اور اتنے ہی قید ہوئے (۱۱)۔ باقیوں نے فرار کا راستہ اختیار کیا اور اس تیزی سے بھاگے کہ ابو سفیان کے قافلے سے پہلے ہی مکہ پہنچ گئے۔ ستر مقتولین اور ستر اسیروں کی قبیلہ وار فہرست ابن ہشام نے دی ہے۔ مارے جانے والوں میں سارے بڑے بڑے سردار شامل تھے۔ ان تین سرداروں کے علاوہ جو ابتدائی مبارزت میں قتل ہوئے خاص خاص افراد ابو جہل بن ہشام، امیہ بن خلف، حنظلہ بن ابو سفیان، ابو البختری عاص بن ہشام۔ نوفل بن خویلد (جس نے اسلام کے ابتدائی دور میں ایک بار حضرت ابو بکرؓ اور حضرت طلحہؓ کو ایک ساتھ رسی میں جکڑ کر راستے پر ڈال دیا تھا) منبہ بن حجاج، نبیہ بن حجاج، زمعہ بن اسود، طعیمہ بن عدی، حرث بن حضرمی، عامر بن حضرمی وغیرہ تھے۔ دو بڑے افراد عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث تھے جو فی الوقت قید کئے گئے۔ لیکن مدینہ جاتے ہوئے راستے میں انہیں رسول اکرم ﷺ کے حکم سے قتل کیا گیا۔ ابن ہشام نے پانچ ایسے مسلمانوں کے نام دیئے ہیں جو مکہ سے ہجرت نہ کر سکے تھے چونکہ انکے رشتہ داروں نے انہیں روک رکھا تھا۔ اب کفار کے لشکر کے ساتھ آئے تھے اور لشکر اسلام کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ یہ حرث بن زمعہ، ابو قیس بن فاکہہ، ابو قیس بن ولید، علی بن امیہ اور عاص بن منبہ تھے (۱۲)۔ گرفتار ہونے والوں میں عمرو بن ابو سفیان، ابو العاص بن نوفل۔ سہیل بن عمروؓ، حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ عقیل بن ابو طالبؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) ابو العاص بن ربیعؓ (حضور اکرم ﷺ کے داماد) شامل تھے۔ آخری چار حضرات بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

ابو جہل کے قتل کے متعلق حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ بدر کے دن جنگ کے دوران انہوں نے دو انصاری نوجوانوں کو اپنے دائیں بائیں دیکھا۔ دونوں ان سے پوچھنے

لگے کہ کفار میں کونسا شخص ابو جہل تھا۔ دونوں نے قسم کھا رکھی تھی کہ اس رسول خدا ﷺ کے دشمن کو قتل کر کے دم لینگے یا اپنی جان دیدینگے۔ حضرت عبدالرحمٰن کو ابو جہل نظر آیا تو دونوں کو اشارے سے بتایا۔ یہ دونوں نوجوان باز کی طرح ابو جہل کی طرف جھپٹے اور اسے بری طرح زخمی کر دیا۔ بخاری شریف میں ہے کہ یہ دونوں بھائی حضرت عفرؓا کے بیٹے (معاذؓ اور معوذؓ) تھے (۱۳)۔ لیکن ابن اسحاق کا قول ہے کہ ابو جہل پر پہلا وار معاذ بن عمروؓ نے کیا اور اسے زخمی کردیا۔ قریب ہی ابو جہل کا بیٹا عکرمہ تھا۔ اس نے معاذؓ کے ہاتھ پر ایسا وار کیا کہ ہاتھ کٹ کر لٹک گیا جسے معاذؓ نے بعد میں خود پاؤں سے دبا کر جدا کردیا۔ ابو جہل پر دوسرا کاری وار معوذؓ کا تھا۔ معاذؓ کٹے ہوئے ہاتھ کے باوجود لڑتے رہے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت تک زندہ رہے۔ معوذؓ بدر کے میدان ہی میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

صحیحین میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ قریش کی شکست کے بعد حضور ﷺ نے ابو جہل کا انجام معلوم کرنا چاہا۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ گئے۔ ابو جہل کو سخت زخمی حالت میں پڑا پایا پوچھا "اے دشمن خدا تو نے اپنی رسوائی کا تماشا دیکھا؟" ابو جہل نے جواب دیا "رسوائی کیسی اس سے بڑھکر کیا ہوگا کہ ایک شخص کو اسی کی قوم نے قتل کردیا"۔ پھر پوچھنے لگا "فتح کس کی ہوئی"؟ حضرت ابن مسعودؓ نے بتایا کہ "اللہ اور اسکے رسول کی"۔ پھر اسکا سر قلم کرنے کے لئے اپنا پیر اسکے جسم پر رکھا تو ابو جہل بولا "تو وہی ہے جو کبھی بکریاں چرایا کرتا تھا آج بڑی اونچی جگہ پر چڑھ گیا ہے۔ دیکھ یہ سردار کی گردن ہے۔ ذرا نیچے سے کاٹنا کہ مقتولوں کی صف میں میرا سر رکھا جائے تو اونچا نظر آئے (۱۴)۔ یہ مشورہ بھی دیا کہ گردن کاٹنے کے لئے اسی کی شمشیر ابدار استعمال کریں جو نہایت اعلیٰ اور تیز تھی۔ حضرت ابن مسعودؓ نے ایسا ہی کیا۔ اور سر کاٹ کر رسول اللہ ﷺ کے رو برو پیش کیا۔ آپؐ خوش ہوئے اور تین بار فرمایا "الاالہ غیرہ" پھر فرمایا "اللہ اکبر۔ الحمد اللہ الذی صدق وعدہ نصر عبدہ و حزم الا حزاب وحدہ"۔

ابو جہل کے قتل سے آپؐ خوش ہوئے تھے۔ لیکن ایک ایسا مقتول بھی تھا جسکے قتل سے آپؐ کو رنج ہوا۔ یہ ابوالبختری تھا جس نے بنی ہاشم کی اسوقت مدد کرنا چاہی تھی جب اہل قریش نے ان کا مقاطعہ کر رکھا تھا۔ ایک صحابی مجذر بن زیاد سے ابو البختری اور اس کے ایک ساتھی جنادہ بن ملیحہ کا سامنہ ہوا۔ مجذرؓ نے ابو البختری کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسکے قتل کو منع کر دیا تھا لیکن وہ اسکے ساتھی کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ابو البختری نے جواب دیا " میں یہ گوارا نہ

کرونگا کہ مکہ کی خواتین کبھی یہ کہیں کہ میں نے اپنی جان کی خاطر اپنے ساتھی کو تنہا چھوڑ دیا۔ نبرو آزمائی میں مجذر نے دونوں کو قتل کردیا۔

امیہ بن خلف اور اسکا بیٹا بھاگ کر اپنی جان بچانے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ موت سے بچنے کے لئے انہوں نے خود کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حوالے کردیا جو مکہ میں اسکے احباب میں سے تھے۔ ان کے ہاتھ میں مال غنیمت کی دوز رہیں تھیں۔ وہ زمین پر ڈال دیں اور ان دونوں کو اسیر کرکے لے چلے۔ اتفاقاً حضرت بلالؓ کی نظر امیہ پر پڑگئی۔ یہ ان کا پرانا آقا تھا جسکے ہاتھوں انہوں نے سخت ترین اذیتیں اٹھائی تھیں۔ فوراً یہ کہتے ہوئے اس پر دوڑ پڑے "اس کافروں کے سردار کو قتل کردو۔ اگر یہ بچ گیا تو میں کہیں کا نہ رہا"۔ حضرت عبدالرحمٰن نے بچانے کی بہت کوشش کی لیکن حضرت بلالؓ کی پکار پر کئی صحابہ امیہ کو قتل کرنے کے لئے پہنچ گئے اور اسے اور اسکے بیٹے دونوں کو تہ تیغ کردیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بعد کو یہ شکایت کرتے تھے کہ "میرے ہاتھ سے مال غنیمت کی دو زرہیں بھی گئیں اور دو قیدی بھی"۔

دو قیدی بعد میں بدر سے واپس ہوتے راستے میں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قتل کیے گئے۔ ان میں سے ایک نضر بن حارث تھا جو مکہ میں کہا کرتا تھا کہ "محمد (ﷺ) صرف پرانی کہانیاں سناتے ہیں۔ میں بہتر فسانے سنا سکتا ہوں"۔ چنانچہ رستم و اسفند یار کی کہانیاں قرآن مجید کے مقابلے میں سنایا کرتا تھا۔ جنگ میں یہ مشرکین کا علم بردار بھی تھا۔ صفراء کے دوران قیام رسول اللہ ﷺ کے حکم سے حضرت علیؓ نے اسے قتل کیا۔ دو دن بعد آگے چل کر عرق الظبیہ کے مقام پر آپؐ نے عقبہ بن ابی معیط کو قتل کرنے کا حکم فرمایا۔ یہ وہ ظالم مردود تھا جو مکہ میں آپؐ کو بڑی اذیت دیتا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ آپؐ کی گردن چادر میں لپیٹ کر دوران نماز آپؐ کا گلا گھوٹنا چاہا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ نے آپؐ کو بچایا۔ اسی نے ایک بار اونٹ کی اوجھڑی آپؐ کی پشت پر لاکر ڈال دی تھی جب کہ آپؐ نماز میں مشغول تھے اور ننھی سی حضرت فاطمہؓ نے اس اوجھڑی کو آپؐ کے جسم مبارک سے ہٹایا تھا۔ یہ دونوں کافر محض 'جنگی قیدی' نہ تھے۔ بلکہ 'جنگی مجرم' بھی تھے۔

مسلمانوں میں چودہ حضرات شہید ہوئے۔ چھ مہاجر اور آٹھ انصار۔ سب سے پہلے شہید حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام مہجع بن صالح تھے جو عامر بن الحضرمی کے تیر کا نشانہ بنے۔ دوسرے حارثہ بن سراقہؓ تھے۔ دونوں کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ حضرت عبیدہؓ نے جو ابتدائی مبارزت

میں شدید زخمی ہوگئے تھے اور ان کے پیر کی ہڈی کا گودا تک نکل آیا تھا زخموں کی تاب نہ لاکر واپسی میں صفرا کے مقام پر شہادت پائی۔ مرنے سے قبل انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا "یارسول اللہ کیا میں شہید ہوں؟"۔ اثبات میں جواب سنکر کہنے لگے" کاش آج ابو طالب زندہ ہوتے تو یقین کرتے کہ ان کے اس شعر کے ہم زیادہ مستحق ہیں:

"ہم محمد ﷺ کو اسوقت دشمن کے حوالے کرسکتے ہیں کہ جب ہم سب ان سے پہلے قتل کر دیئے جائیں اور اپنے بیٹوں اور بیٹیوں سے بے خبر ہو جائیں"(۱۵)

حضرت عمیر بن حمامؓ سولہ سال کے نوجوان تھے۔ کھجوریں ہاتھ میں لئے کھارہے تھے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جو آج صبرو استقامت سے لڑتا ہوا مارا گیا وہ جنتی ہوگا۔ سنتے ہی کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں اور دشمنوں کے ہجوم میں گھس گئے کئی کو مارا پھر شہادت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت عوف بن حارثؓ (حضرت عفرا کے بیٹے) ابتدائی مبارزت میں آگے بڑھے تھے مگر شریک نہ ہوسکے تھے۔ انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا "اللہ کو بندے کا کون سا عمل پسند ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "جانبازی کے ساتھ بغیر زرہ کے دشمنوں کی صفوں میں داخل ہونا"۔ یہ سنا تو اپنی زرہ اتار دی اور شمشیر بکف دشمن کے ہجوم کو چیرتے ہوئے بڑھ گئے۔ بہتوں کو قتل کیا پھر لڑتے لڑتے شہید ہوئے۔ ان کے بھائی معوذ بن حارث کا ذکر آچکا۔ یہ ابو جہل پر قاتلانہ وار کرکے بعد میں خود بھی شہید ہوئے۔ ان حضرات کے علاوہ باقی آٹھ شہدا کے نام یہ ہیں: ۱۔ ذوالشمالین بن عبدؓ (مہاجر) ۲۔ عاقل بن بکیرؓ (مہاجر) ۳۔ صفوان بن بیضاءؓ (مہاجر) ۴۔ سعد بن خیثمہؓ (انصاری) ۵۔ یزید بن حرثؓ انہیں ابن فسحم کہا جاتا ہے (انصاری) ۶۔ رافع بن معلیؓ (انصاری) ۷۔ عمیر بن ابی وقاصؓ انہیں شروع میں جنگ میں شریک ہونے کی اجازت کم عمری کی وجہ سے نہیں مل رہی تھی۔ شوقِ شہادت میں رو رو کر اجازت حاصل کر لی تھی (مہاجر) ۸۔ مبشر بن عبدالمنذرؓ (انصاری)(۱۶)۔

جنگ ختم ہوئی اور کفار کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا تو مسلمان مجاہدین نے اسیروں کی مشکیں کسنا شروع کیں۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے دیکھا کہ ایک صحابی ان کے بھائی ابو عزیز بن عمیر

کے ہاتھ باندھ رہے ہیں۔ کہنے لگے "ذرا مضبوطی سے باندھنا۔ اسکی ماں مالدار ہے۔ اچھا فدیہ دیگی۔" ابو عزیز نے کہا "کیا اپنے بھائی کے لئے تمہارے پاس یہی ہے؟"۔ حضرت مصعبؓ نے جواب دیا "اب تمہاری جگہ یہ انصاری میرا بھائی ہے"۔ گرفتاریوں کا یہ منظر رسول اللہ ﷺ اپنے عریش سے دیکھ رہے تھے۔ آپؐ کے قریب حضرت سعد بن معاذؓ تھے جن کے چہرے سے کچھ ناخوشگوار اثر ظاہر تھا۔ آپؐ نے پوچھا "کیا مسلمانوں کا یہ کام تمہیں ناگوار ہے؟" حضرت سعدؓ نے عرض کیا" یا رسول اللہ (ﷺ) واللہ یہ مشرکوں کے ساتھ ہمارا پہلا معرکہ ہے جسکا موقع ہمیں ملا ہے۔ مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ ان مشرکوں کو زندہ چھوڑنے کی بجائے انہیں قتل کر کے اچھی طرح کچل دیا جائے"۔

شام کو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے مشرکین کی بہت سی لاشیں ایک گندے کنویں میں ڈال دی گئیں۔ عتبہ بن ربیعہ بڑا وزنی تھا اسکی لاش مشکل سے گھسیٹی جارہی تھی۔ اسکے صاحبزادے حضرت ابو حذیفہ بھی دیکھ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے چہرے پر ملال کے آثار دیکھے تو فرمایا " ابو حذیفہؓ ۔ تمہیں اپنے والد کے لئے افسوس ہے"۔ انہوں نے جواب دیا" یا رسول اللہ (ﷺ) ایسا واللہ نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ میں اپنے والد کے متعلق جانتا تھا کہ دور اندیش اور سمجھدار شخص ہیں کبھی نہ کبھی اسلام قبول کر لینگے۔ لیکن اب کفر کی حالت میں ان کی موت میرے لئے افسوسناک ہے"۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو حذیفہؓ کے لئے دعائے خیر کی اور انہیں تسکین دی۔

رسول اللہ ﷺ نے تین دن تک بدر میں قیام فرمایا۔ اس دوران آپؐ نے حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو مدینہ روانہ فرمایا کہ دونوں حضرات شہر کے زیریں اور بالائی حصوں کے مسلمانوں کو فتح کی خوشخبری پہنچائیں۔ تیسرے دن مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ چلتے وقت آپؐ اس کنویں کے قریب تشریف لے گئے جس میں مشرکین کی لاشیں ڈالی گئی تھیں۔ وہاں مقتولین کا نام لیکر پکارا اور فرمایا " کیا اب تمہیں یہ پسند ہے کہ تم نے اللہ اور اسکے رسولؐ کی پیروی کی ہوتی؟ ہم سے جو وعدہ ہمارے رب نے کیا تھا ہم نے اسے حق پالیا۔ کیا تم نے وہ وعدہ سچ پایا جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا"۔ حضرت عمرؓ نے یہ منظر دیکھا تو عرض کیا " یا رسول اللہ (ﷺ) آپؐ بے جان لاشوں سے کیا بات کر رہے ہیں۔ کیا یہ سنینگے"؟۔ آپؐ نے فرمایا " واللہ جو میں کہہ رہا ہوں اسکو تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو۔"

بظاہر جنگ بدر مختصر سی جنگ تھی جسمیں مشکل سے بارہ تیرا سو افراد شریک ہوئے۔ صرف چند گھنٹے جاری رہی اور ۸۴ جانیں ضائع ہوئیں۔ لیکن تاریخ عالم پر اسکے جو آثار مرتب ہوئے انکی بنا پر اسے دنیا کی اہم ترین جنگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ حقیقتاً جیسا قرآن مجید بتاتا ہے یہ "یوم الفرقان" تھا کہ جس دن حق و باطل کا فیصلہ ہمیشہ کے لئے ہوگیا(۱۷)۔ وہ فیصلہ مشرکین خود جسکے متمنی تھے(۱۸):

ان تستفتحو افقد جاء کم الفتح" (انفال ۱۹)

" (کافرو) اگر تم (محمد ﷺ) پر فتح (یعنی فیصلہ) چاہتے ہو تو تمہارے پاس فتح آچکی"

حق و باطل کے درمیان یہ عظیم آفاقی فیصلہ ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ بروز جمعہ(۱۹) مطابق ۱۵ مارچ ۶۲۴ء واقع ہوا۔

☆ ☆

(۱) حضرت ابو بکرؓ کو 'ثانی' بدر بھی کہا جاتا ہے۔

" ہمت او کشت ملت راچوابر

ثانی اسلام و غار بدر وقبر" (شاعر اسلام علامہ اقبال)

(۲) ابن جوزی 'الوفا باحوال المصطفیٰ' صفحہ ۵۸۴

(۳) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۵۷۴

(۴) بریگیڈیر گلزار احمد ' غزوات خاتم الرسلؐ' مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد چہارم صفحہ ۳۳۹

(۵) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۴۳۶

(۶) بخاری شریف میں مختلف راویوں سے روایت ہے کہ سورۃ الحج کے یہ الفاظ :"هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ"۔(یہ دو (فریق) ایک دوسرے کے دشمن اپنے پروردگار کے بارے میں جھگڑتے ہیں" (الحج ۱۹) قریش کے چھ افراد کے بارے میں نازل ہوئی۔ تین مسلمان حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ تھے اور تین کافر عتبہ، شیبہ اور ولید تھے۔ (صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۵۹۱ کتاب المغازی) عتبہ ابو سفیان کے زوجہ ہند کا باپ تھا۔ ہند نے اسکے قتل پر مرثیہ لکھا۔ چند اشعار کا ترجمہ ہے: " اے میری آنکھ تو اپنی اشکباری سے سخاوت کر۔ قبیلہ خندف کے بہتر انسان پر جو پلٹ کر نہیں آیا۔ اسکو صبح سویرے قبیلے بنی ہاشم اور بنی مطلب نے پکارا۔ جو اپنی تلوار کی دھاروں سے اسکو موت کا مزہ چکھاتے تھے۔ ہلاکت کے بعد وہ اسکو دوبارہ مار رہے تھے"۔ اسی لئے ہند نے نذر مانی تھی کے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبا

گئی (ابن کثیر 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۵۶۱)

(۷) ایضاً صفحہ ۵۶۲

(۸) یہ آیت مکی ہے جب نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے کہا "کون سا گروہ شکست خوردہ ہو گا اور کون سی جماعت مغلوب ہو گی"۔ بعد میں خود ان کا بیان ہے کہ "بدر کے دن میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ زرہ زیب تن کئے اسی آیت کا ورد فرما رہے ہیں۔ یہ سنکر میں اس کا مطلب سمجھا"۔ (ایضاً ۵۶۴)

(۹) سر سید کہتے ہیں کہ جنگ بدر میں مشرکین کی فوج کا کچھ حصہ عین لڑائی میں شریک نہیں تھا۔ پیچھے رکا ہوا تھا۔ شروع میں مشرکین کا لشکر اس لئے بھی کم نظر آیا کہ جب انہوں نے ریت کا ٹیلہ پار کر کے پیش قدمی کی تو لشکر کا کچھ حصہ ٹیلے کے پیچھے ہونے کے باعث نظر نہیں آیا۔ (سر سید احمد خان 'تفسیر القرآن' حصہ چہارم صفحہ ۲۷)

(۱۰) ابن کثیر 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۵۷۲

(۱۱) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۵۹۸ (کتاب المغازی)

(۱۲) ابن ہشام جلد اول صفحہ ۴۵۰

(۱۳) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۵۹۸، ۵۹۹ (کتاب المغازی)

(۱۴) سید مناظر احسن گیلانی 'النبی الخاتم محمد ﷺ' صفحہ ۱۲۷

(۱۵) محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۵۱۹

(۱۶) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۵۹

(۱۷) جنگ بدر کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں جب مسلمانوں کا رجسٹر مرتب ہوا تو شرکائے بدر کو سب سے اعلیٰ مقام دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے جو سابقین اولین میں سے تھے، جنہیں فاتح ایران اور عراق کے گورنر ہونے کا اعزاز حاصل تھے' بستر مرگ پر یہ خواہش ظاہر کی کہ انہیں اس لباس کا کفن دیا جائے جو انہوں نے یوم بدر زیب تن کیا تھا۔ ۵۳ سال سے تقریباً ۸۰ سال کی عمر تک یہ لباس اسی غرض سے محفوظ تھا۔ ان کی یہ خواہش پوری کی گئی۔

(۱۸) سورۃ الانفال ۱۹۔ مکہ سے روانہ ہوتے وقت مشرکین مکہ اور ابو جہل نے غلاف کعبہ پکڑ کر جو دعائیں کی تھیں قبول ہوئیں اور جو فیصلہ چاہا تھا عطا ہوا (ملاحظہ ہو گزشتہ باب ۲۹)

(۱۹) عجیب اتفاق ہے کہ آج تقریباً چودہ سو سال کے بعد جب راقم الحروف یہ سطریں لکھ رہا ہے تو رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ کی ۱۷ تاریخ ہے اور یوم جمعہ بھی ہے۔

جنگ بدر
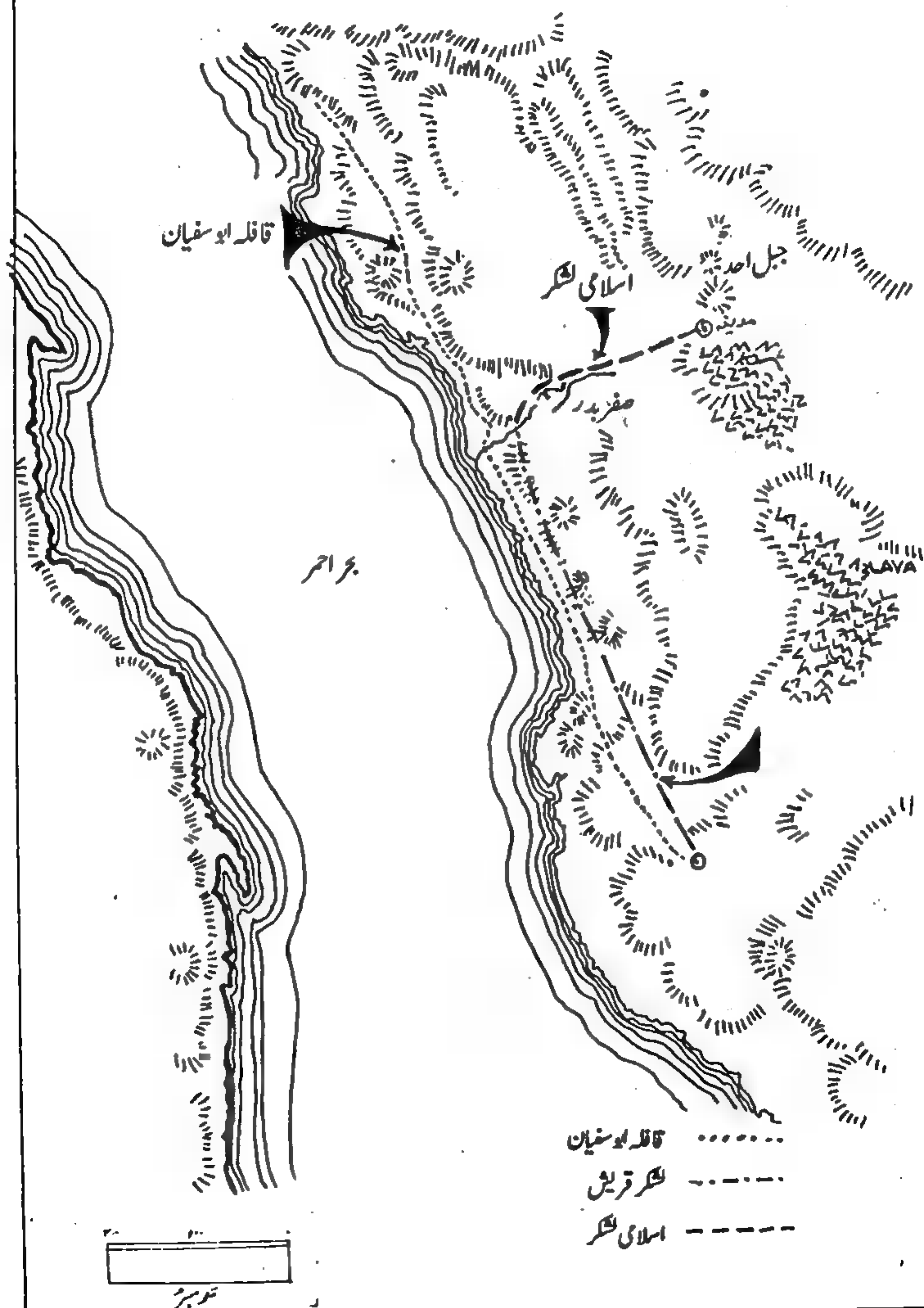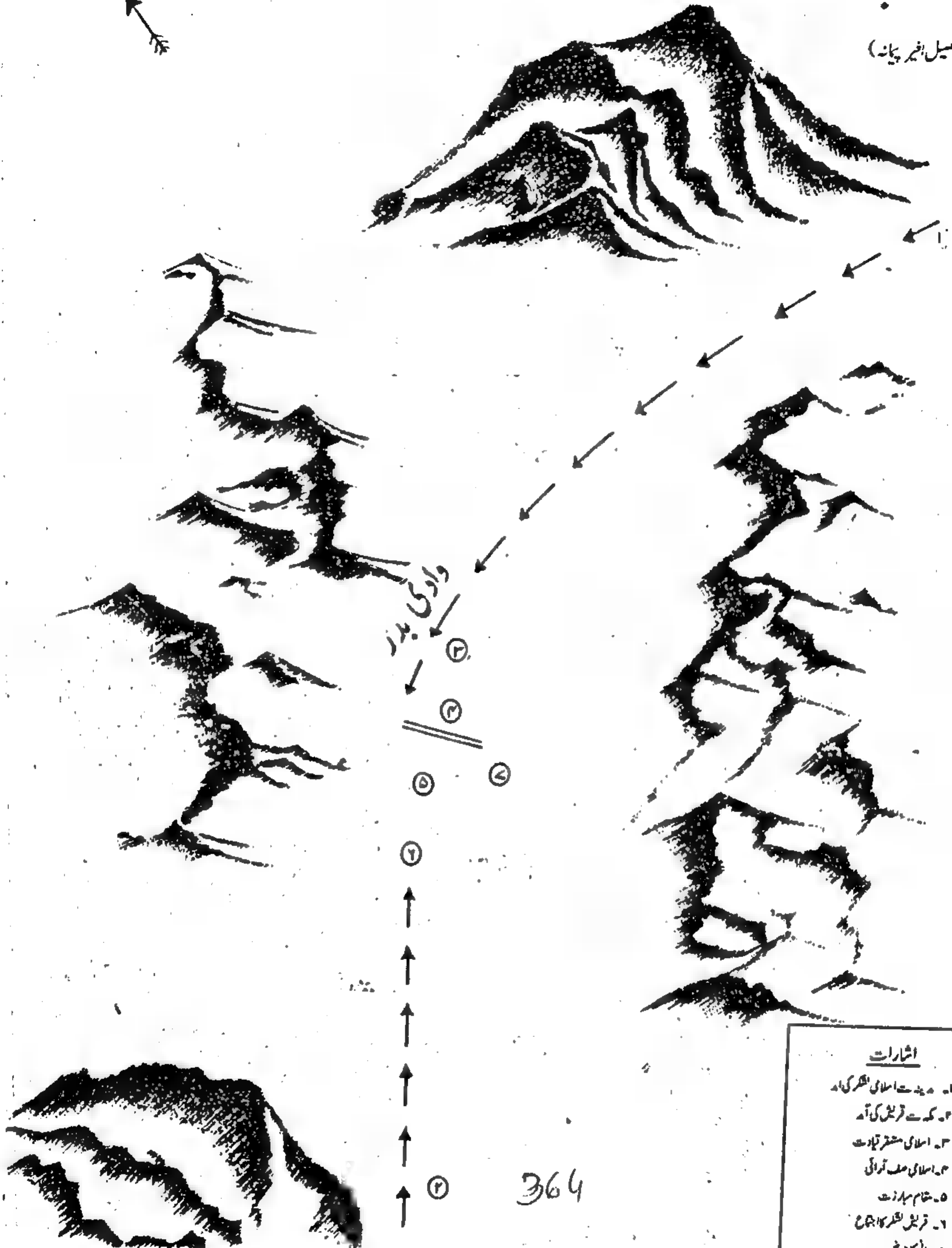
قافلہ ابوسفیان

جبل احد

اسلامی لشکر

مدینہ

صفر بدر

بحر احمر

ASLAVA

قافلہ ابوسفیان ....

لشکر قریش -.-.-.-

اسلامی لشکر — — — —

کلومیٹر

جنگ بدر

(تفصیل بغیر پیمانہ)

شمال

وادی بدر

اشارات

۱۔ مدینہ سے اسلامی لشکر کی آمد
۲۔ مکہ سے قریش کی آمد
۳۔ اسلامی مستقر قیادت
۴۔ اسلامی صف آرائی
۵۔ مقام مبارزت
۶۔ قریش لشکر کا اجتماع
۷۔ پانی کا حوض

364

(۷۳) مدینہ کو واپسی

مدینہ میں لوگ نتیجے کے منتظر تھے۔ اس قسم کی اطلاعات پہنچ چکی تھیں کہ مٹھی بھر مسلمانوں کا مقابلہ مکہ کے ایک بڑے لشکر سے ہے۔ مسلمانوں کے حاسد یہودی اور منافقین خوش تھے کہ اب مسلمان غارت ہوکر رہینگے۔ رسول اللہ ﷺ کے دونوں قاصدوں حضرت زیدؓ اور حضرت عبداللہؓ نے وادی عتیق سے مدینہ کے نشیبی اور بالائی علاقوں کے لئے مختلف راستے اختیار کئے۔ جیسے ہی حضرت زید بن حارثہؓ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی قصویٰ پر سوار مدینہ پہنچے تو کسی منافق نے انہیں دیکھتے ہی حضرت ابو لبابہؓ سے کہا "تمہارے ساتھی تتر بتر ہوگئے۔ واقعی محمد (ﷺ) قتل کر دیئے گئے اور زیدؓ انہی کی اونٹنی پر سوار بھاگے ہوئے آرہے ہیں۔ حضرت ابو لبابہؓ نے جواب دیا " اللہ تیری بات کو جھوٹا کر دکھائے گا"۔ اتنے میں حضرت زیدؓ نے فتح کا مژدہ سنایا اور اعلان کیا کہ عتبہ، شیبہ، ابو جہل، زمعہ، امیہ، ابو البختری، نبیہ اور منبہ سب قتل ہوگئے۔ لوگوں کو یقین نہ آتا تھا۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ وہ اور حضرت عثمانؓ حضرت رقیہؓ کی تیمار داری کے لئے مدینہ ہی میں چھوڑ دیئے گئے تھے۔ حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوگیا تو ان کو دفن کرکے فارغ ہوئے تھے کہ ان کے والد فتح کی خبر لے کر پہنچے۔ انہوں نے اعلان سننے کے بعد تنہائی میں اپنے والد سے پوچھا کہ آیا جو کچھ وہ کہہ رہے تھے واقعی سچ تھا۔ تو حضرت زیدؓ نے انہیں یقین دلایا کہ بے شک سچ تھا اور عنقریب رسول اللہ ﷺ قیدیوں کو لیکر مدینہ پہنچ جائینگے۔ ادھر دوسرے علاقے میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اپنے اونٹ پر سوار یہی خوشخبری سنا رہے تھے۔ سارے مدینہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور شہر تکبیر کی صداؤں سے معمور ہوگیا۔ بہت سے لوگ روحا کی طرف چل پڑے کہ وہاں رسول اللہ ﷺ اور مجاہدین کا استقبال کریں۔

رسول اللہ ﷺ فاتح لشکر کے ساتھ مدینہ کے راستے میں صفراً کا درہ عبور کرکے

سیرٗ نامی ٹیلے پر ٹھہرے۔ مال غنیمت کے بارے میں بدر ہی میں لوگوں میں کچھ اختلاف ہوگیا تھا۔ لشکر میں ایک گروہ تھا جو مشرکین کا تعاقب کرکے انھیں مار بھگانے میں مصروف تھا۔ دوسرا مال غنیمت سمیٹنے میں لگا رہا۔ کچھ حضرات رسول اکرم ﷺ کی حفاظت کی خاطر آپؐ کے قریب رہے۔ جو دو گروہ غنیمت جمع کرنے میں شریک نہ تھے وہ بھی اپنا حصہ چاہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سارا سامان غنیمت اکٹھا کرنے کا حکم دیا اور حضرت عبداللہ بن کعبؓ کو اسکا نگراں مقرر کیا۔ پھر ٹیلے پر سب کو جمع کیا اسوقت اللہ کی طرف سے یہ فیصلہ آچکا تھا:

"(اے محمدؐ مجاہد لوگ) تم سے غنیمت کے مال کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ کیا حکم ہے) کہہ دو کہ غنیمت خدا اور اسکے رسول کا مال ہے۔ تو خدا سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو خدا اور اسکے رسول کے حکم پر چلو" (الانفال ۱)

اسکے بعد مزید وضاحت آئی:

"اور جان رکھو کہ جو چیز تم (کفار سے) لوٹ کر لاؤ اس میں سے پانچواں حصہ خدا اور اسکے رسول کا اور اہل قرابت کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے۔ اگر تم خدا پر اور اس (نصرت) پر ایمان رکھتے ہو جو (حق و باطل میں) فرق کرنے کے دن (یعنی جنگ بدر میں) جس دن دونوں فوجوں میں مڈھ بھیڑ ہوگئی۔ اپنے بندے (محمدؐ) پر نازل فرمائی۔ اور خدا ہر چیز پر قادر ہے" (الانفال ٤١)

چنانچہ آپؐ نے خمس نکال کر باقی غنیمت سب صحابہ میں تقسیم فرمادی(۱)۔ مال غنیمت میں کپڑوں، قالینوں چمڑے کے سامان، اسلحہ، زرہوں کے علاوہ ۱۱۵ شتر اور ۱۴ گھوڑے بتائے گئے ہیں(۲)۔ اپنے لئے آپؐ نے منبہ بن الحجاج کی تلوار 'ذوالفقار' اور ابو جہل کی اونٹنی پسند فرمائی۔ آٹھ صحابہ جو بضرورت مدینہ میں چھوڑ دیے گئے تھے ان کا حصہ بھی مقرر کیا گیا۔

جب آپؐ روحا پہنچے تو بہت سے مسلمانوں کو استقبال کے لئے موجود پایا۔ ان حضرات نے آپؐ کو اور مجاہدین کو مبارکباد پیش کی۔ ایک مجاہد حضرت سلمہ بن سلامہ کہنے لگے "کس بات کی مبارکباد پیش کر رہے ہو۔ ہماری جنگ تو بوڑھوں سے ہوئی تھی جن کے سر کے بال جھڑ چکے تھے اور وہ بندھے ہوئے اونٹوں کی طرح تھے کہ ہم نے انہیں قتل کر ڈالا"۔ اس پر رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا "بھتیجے۔ وہ اشراف اور روٴسائے قریش تھے"۔ مدینہ میں داخل ہوئے تو علاوہ یہودیوں اور منافقین کے سارے شہر کو مسرور پایا۔ چند لوگوں کو ذاتی غم سے ضرور واسطہ تھا حضرت عفراؓ کے سات بیٹے تھے۔ تین پہلے شوہر حارث سے اور چار دوسرے شوہر بجیر بن یالیل سے یہ ساتوں جنگ بدر میں شریک تھے۔ ان میں سے دو عوفؓ اور معوذؓ نے شہادت پائی۔ جن کے صدمے سے انہیں دو چار ہونا پڑا۔ ان کے علاوہ حضرت ربیع بنت النضر کو بھی اپنے ایک بیٹے حارثہ بن سراقہؓ کا غم تھا۔ انہیں ایک شک تکلیف دے رہا تھا کہ ان کا بیٹا جنگ شروع ہونے سے کچھ دیر پہلے ہی عامر الحضرمی کے تیر کا نشانہ بن گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور پوچھا "یا رسول اللہ (ﷺ) حارثہ کی بات بتائیں۔ اگر بہشت میں ہے تو میں صبر کے ساتھ اسکا غم برداشت کرونگی ورنہ اسکے کفارے کے لئے گریہ وزاری کرتی رہونگی"۔ آپؐ نے فرمایا "اے حارثہ کی ماں۔ جنت میں بہت سے باغات ہیں اور تیرا بیٹا اعلیٰ ترین باغ فردوس میں ہے"(۳)۔

رسول اکرم ﷺ کو اپنی پیاری صاحبزادی حضرت رقیہؓ کی دائمی جدائی کا ذاتی صدمہ بھی دیکھنا تھا۔ انہیں آپؐ بیمار چھوڑ کر گئے تھے۔ اور واپسی پر نہ پایا۔

امت مسلمہ کے لئے بہر حال یہ مبارک دن تھے۔ پہلی بار رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے۔ فتح کے بعد رمضان المبارک کے باقی دن خوشی، عبادت اور شکر میں گذرے۔ مبارک مہینے کے ختم پر پہلی عید الفطر منائی۔ جس میں فطرہ فرض ہوا۔ اس عید میں دوہری خوشی کا شکر ادا کیا گیا کہ پہلی بار مسلمان رمضان المبارک کی رحمتوں اور برکتوں سے نوازے گئے۔ دوسری خوشی فتح بدر کی جس میں اللہ تعالیٰ نے حق باطل کا فیصلہ فرمادیا۔ انہی دنوں جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان ہوا رومی اہل کتاب نے آذر بیجان میں داخل ہوکر ایرانی آتش پرستوں کو ارمیاہ کے مقام پر شکست فاش دی اور سارہ شہر تباہ کردیا (ملاحظہ ہو گذشتہ باب ۲۷)

توریت کی کتاب 'یسعیاہ' کے جن فقروں میں مکہ کے مسلمانوں کی ہجرت کا ذکر ہے

(۴)ان کے فوراً بعد ہی اہل مکہ کی شکست کی پیشین گوئی اسطرح مذکور ہے:

"کیونکہ خداوند نے مجھ سے یوں فرمایا ہے کہ مزدور کے برسوں کے مطابق ایک برس کے اندراندر قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی۔(یہ ہجرت کے بعد ایک سال کے اندر جنگ بدر میں قریشیوں کی شکست کی خبر ہے جو حضرت اسمٰعیلؑ کے دوسرے فرزند قیدار کی نسل سے تھے)۔ اور تیر اندازوں کی تعداد کا بقیہ یعنی نبی قیدار کے بہادر تھوڑے سے ہونگے کیونکہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا ہے"۔(بڑے بڑے قریشی سردار بدر میں مارے گئے اور تھوڑے ہی باقی بچے)(پرانا عہد نامہ 'کتاب یسعیاہ' ۲۱/۱۶،۱۷)

☆ ☆

(۱) اس آیت کے مطابق نبی ﷺ ہمیشہ لڑائی کے بعد اعلان فرمایا کرتے تھے یہ غنائم تمہارے ہی لئے ہیں۔ میری اپنی ذات کا ان میں کوئی حصہ نہیں ہے بجز خمس کے۔ اور وہ خمس بھی تمہارے ہی اجتماعی مصالح پر صرف کردیا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک ایک سوئی اور ایک ایک تاگا تک لاکر رکھ دہ۔ کوئی چھوٹی یا بڑی چیز چھپا کر نہ رکھو کہ ایسا کرنا شرمناک ہے اور اسکا نتیجہ دوزخ ہے (ابو الاعلیٰ مودودیؒ 'تفہیم القرآن' جلد دوم صفحہ ۱۴۵، ۱۴۶)

(۲) سر ولیم میور ' دی لائف آف محمدؐ' (The Life of Mohammad) صفحہ ۲۲۸

(۳) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۵۹۶ (کتاب المغازی۔ باب فضل من شھد بدر)

(۴) ملاحظہ ہو گذشتہ باب ٦٠

(۷۴) مکہ میں شکست کی خبر

مکہ والے بھی منتظر تھے۔ ابو سفیان جنگ کے خلاف تھا۔ اپنے قاصد کے ذریعے قریش کے لشکر کو واپسی کا مشورہ بھی بھجوایا تھا جو ابو جہل نے نہ مانا۔ ابو سفیان کو ابو جہل کی اس جہالت اور ضد پر افسوس تھا دل میں کوئی چیز کھٹک رہی تھی۔ قریش کے شکست خوردہ سپاہی تتر بتر ہوکر اپنے شہر میں پہنچنا شروع ہوئے۔ سب سے پہلے جو پہنچا وہ حیسمان بن عبداللہ خزاعی تھا۔ لوگوں نے جنگ کا حال پوچھا تو بڑے بڑے سرداروں کا نام لیکر بتایا کہ وہ سب مارے گئے۔ اسوقت یہ لوگ حرم میں تھے۔ صفوان بن امیہ حطیم میں بیٹھا تھا۔ اپنے باپ اور بھائی کی موت کا یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ کہنے لگا کہ "اگر حیسمان ہوش میں ہے تو اس سے صفوان بن امیہ کا حال پوچھو"۔ لوگوں نے پوچھا تو حیسمان نے بتادیا کہ "وہ تو سامنے حطیم میں بیٹھا ہے لیکن اسکے باپ اور بھائی کو میں نے اپنی آنکھوں سے قتل ہوتے دیکھا"۔

ابورافع ان دنوں حضرت عباسؓ کے غلام تھے(۱)۔ ان کا یہ بیان مشہور ہے "اسلام ہمارے گھر میں پھیل چکا تھا۔ حضرت عباسؓ ان کی زوجہ ام فضل اور میں مسلمان ہوچکے تھے۔ مگر حضرت عباسؓ اپنا اسلام ظاہر نہ کرتے تھے کیونکہ ان کا سرمایہ لوگوں میں پھیلا ہوا تھا۔ جب قریش کیؓ شکست کی خبر مکہ میں آئی تو میں چاہ زم زم کے پاس ایک حجرے میں جہاں میں تیر بنا کر رکھتا تھا بیٹھا ہوا تھا۔ ام فضلؓ بھی میرے قریب بیٹھی تھیں۔ اتنے میں ابو لہب اپنے پیر گھسیٹتا ہوا آیا اور قریب ہی بیٹھ گیا۔ اسکی پشت میری پشت کی طرف تھی۔ ناگاہ لوگ پکارے کہ 'یہ ابو سفیان بن حارث (بن عبدالمطلب) آتا ہے' ابو لہب نے اسے دیکھا تو بلایا 'بھتیجے میرے پاس آؤ۔ کیا خبر لائے ہو'۔ ابو سفیان(۲) قریب آکر بیٹھ گیا دوسرے لوگ بھی جمع ہوگئے۔ اس نے جنگ کی خبر اسطرح سنائی 'جنگ کا آغاز ہوا ہی تھا کہ وہ ہمارے کندھوں پر قابض ہوگئے۔ جسے چاہتے قتل

کرتے۔ جسے چاہتے قید کر لیتے۔ واللہ اسکے باوجود میں اپنے لشکر کو قابل مذمت نہیں سمجھتا۔ ہماری جنگ تو ایسے سفید فام لوگوں سے ہو رہی تھی جو چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور ان کے مقابل کوئی نہ ٹھہر سکتا تھا'۔ اس پر میں نے بے ساختہ کہا کہ 'وہ فرشتے تھے'۔ یہ سنکر ابو لہب نے میرے منہ پر زور کا طمانچہ مارا۔ میں بھی اس سے لڑ پڑا۔ مگر میں کمزور تھا۔ اس نے مجھے گرا لیا اور مارنے لگا۔ یہ دیکھ کر ام فضل نے ایک بانس اٹھا کر اسکے سر پر مارا اور کہا 'اسکا آقا نہیں ہے اسلئے تونے اسے کمزور سمجھ لیا ہے'۔ بانس کا زخم خاصا تھا۔ ابو لہب رسوا اور ذلیل ہو کر چلا گیا"۔

اسکے بعد ابو لہب مشکل سے چند روز زندہ رہا۔ اسے عدسہ (ایک قسم کے طاعون) کی بیماری ہوگئی جو مہلک ثابت ہوئی۔ مرنے کے بعد کوئی اسے چھونے کو تیار نہ تھا۔ لاش یونہی تین دن تک گھر میں بے گورو کفن پڑی رہی۔ آخر لوگوں کے ملامت کرنے پر اسکے بیٹوں نے لاش کو لکڑی سے دھکیل کر ایک پتھروں کی دیوار کے پاس پہنچایا۔ پھر اس دیوار کو گرا کر پتھروں سے لاش کو ڈھانپ دیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بعد میں کبھی اسطرف گزر ہوتا تو پردہ کرکے گزرتیں(۴)۔

سارے مکہ پر غم کی تاریکی چھا گئی۔ بڑے بڑے سرداروں کے قتل کے بعد اب ابو سفیان بن حرب بن امیہ قریش مکہ کا سب سے بڑا سردار تھا۔ اس نے قسم کھائی کہ جب تک اس شکست کا انتقام نہ لے لیگا۔ ہر لذت کو حرام سمجھے گا۔ نہ نہائے گا نہ سر میں کنگھی کریگا۔ اسکی زوجہ ہند نے بھی ایسی ہی قسم کھائی۔ اسکے باپ، چچا اور بھائی بدر میں مارے گئے تھے۔ اس نے عہد کیا کہ حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبا کر ہی اپنا کلیجہ ٹھنڈا کریگی۔ انہی کے ہاتھ سے اسکا باپ عتبہ اور چچا شیبہ مارے گئے تھے۔ شہر میں منادی کرادی گئی کہ کوئی نوحہ خوانی نہ کرے اور نہ اپنے اسیروں کو چھڑانے کے لئے فدیہ دینے کی کوشش کرے۔ مبادا اہل مدینہ اس بات سے خوش ہوں۔ خود ابو سفیان کا بیٹا عمرو بدر کے اسیروں میں شامل تھا لیکن اس نے بیٹے کی رہائی کے لئے زرفدیہ نہ بھیجا۔ دوسرا بیٹا حنظلہ بدر میں قتل ہوچکا تھا۔

اسود بن عبدالمطلب نابینا تھا۔ اسکے تین بیٹے زمعہ، عقیل اور حارث بدر میں ہلاک ہوئے۔ دل نوحہ کرنا چاہتا تھا مگر مجبور تھا۔ ایک رات اس نے کسی خاتون کے رونے کی آواز سنی تو اپنے غلام کو باہر بھیجا کہ معلوم کرکے آئے کیا رونے اور نوحہ خوانی کی اجازت ہوگئی ہے۔ غلام

نے آکر بتایا کہ ایک عورت کا اونٹ گم ہوگیا تھا جسکے لئے روتی تھی۔ اسود نے سنا تو غمناک اشعار اسکی زبان پر جاری ہوگئے جنکا ماحصل یہ تھا کہ "اے اونٹ پر رونے والی اگر رونا ہے تو اونٹ پر مت رو بلکہ بدر کے حادثے پر رو۔ ان مقتولوں پر رو جو وہاں مارے گئے"۔

☆ ☆

(۱) ابو رافع کا اصلی نام اسلم تھا۔ پہلے یہ حضرت عباسؓ کے غلام تھے بعد میں حضرت عباسؓ نے انہیں رسول اللہ ﷺ کو ہبہ کر دیا تھا آپؐ نے ان سے حضرت عباسؓ کے مسلمان ہو جانے کی خوشخبری سنی تو انہیں آزاد کردیا۔ بدر کے بعد انہوں نے مدینہ ہجرت کی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مقیم ہوئے (ابن سعد 'طبقات' حصہ چہارم صفحہ ۲۲۶)۔ ممکن ہے اس سے پہلے بھی یہ مدینہ عارضی طور پر آئے ہوں کیونکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ انہیں بھی مدینہ سے مکہ روانہ کیا تھا کہ آپؐ کے اہل و عیال کو مدینہ لے آئیں (ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۳۰۴)

(۲) یہ ابو سفیان بن حرب بن امیہ سے مختلف ہیں۔ قبل اسلام رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی کی حیثیت سے آپؐ کے بہت قریب تھے۔ اسلام آیا تو مخالف ہوگئے۔ بعد میں جب اسلام قبول کیا تو پرانی رفاقت کا حق بڑی خوبی سے ادا کیا۔

(۳) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' صفحہ ۶۰۳، ۶۰۴

(۷۵) اسیران بدر

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے دوسرے دن جنگی قیدی بھی مدینہ آگئے۔ آپؐ نے صحابہ سے مشورہ چاہا کہ ان قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ کی رائے تھی کہ فدیہ لیکر انہیں چھوڑ دینا مناسب ہوگا۔ یہ سب مسلمانوں کے عزیزوں ہی میں سے تھے۔ اور یہ بھی امید تھی کہ کبھی اسلام قبول کرلیں۔ اسکے علاوہ زرِ فدیہ مسلمانوں کی قوت میں اضافے کا باعث بھی ہوسکتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا۔ سب کو واجب القتل بتایا اور یہ رائے دی کہ ہر مشرک کو اسکا قریب ترین مسلمان عزیز قتل کرے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کا مشورہ تھا کہ سب مشرک قیدیوں کو جلا کر مار ڈالا جائے(۱)۔ رسول اللہ ﷺ نے کچھ دیر توقف فرمایا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا۔ انہیں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا مشابہ بتایا جو خدا کی بخشش کے زیادہ امیدوار تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا تھا:

"اے پروردگار انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے سو جس شخص نے میرا کہا مانا وہ میرا ہے۔ اور جس نے میری نا فرمانی کی تو تو بخشنے والا مہربان ہے" (ابراھیم ۳۶)

اور حضرت عیسیٰؑ نے اللہ سے عرض کیا تھا:

"اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو (تیری مہربانی ہے) بے شک تو غالب (اور) حکمت والا ہے (المائدہ

حضرت عمرؓ کو آپؐ نے حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ کے مثل بتایا۔ حضرت نوحؑ نے چاہا تھا:

"میرے پروردگار کسی کافر کو روئے زمین پر بستا نہ رہنے دے" (نوح ۲۶)

اور حضرت موسیٰؑ نے دعا کی تھی:

"...... اے ہمارے پروردگار تو نے فرعون اور اسکے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں بہت سا سازوبرگ اور مال وزر دے رکھا ہے۔اے پروردگاران کا مال یہ ہے کہ تیرے رستے سے گمراہ کردیں۔ اے پروردگار ان کا مال برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کردے کہ ایمان نہ لائیں جب تک عذاب الیم نہ دیکھ لیں" (یونس ۸۸)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کا مشورہ قبول کرکے قیدیوں کو مختلف صحابہ کے سپرد کر دیا کہ ان کو اچھی طرح اسوقت تک اپنی حفاظت میں رکھیں جب تک کہ ان کا فدیہ وصول نہ ہوجائے۔

لیکن جلد ہی اس بارے میں وحی نازل ہوئی:

"پیغمبر کو شایان نہیں کہ اسکے قبضے میں قیدی رہیں جب تک (کافروں کو قتل کرکے) زمین مین کثرت سے خون (نہ) بہادے۔ تم لوگ دنیا کے مال کے طالب ہو اور خدا آخرت کی بھلائی چاہتا ہے۔ اور خداغالب حکمت والا ہے۔ اگر خدا کا حکم پہلے نہ ہوچکا ہوتا تو جو (فدیہ) تم نے لیااُسکے بدلے تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔ تو جو مال غنیمت ملا ہے اسے کھاؤ (کہ وہ تمہارے لئے)حلال طیب (ہے) اور خدا سے ڈرتے رہو بے

شک خدا بخشنے والا مہربان ہے" (الانفال ٦٧، ٦٨، ٦٩)

اس پر حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ بہت ملول ہوئے۔ صبح کو حضرت عمرؓ آئے اور دونوں حضرات کے ملال کا سبب پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ "قیدیوں کو قتل نہ کرنا اللہ کو پسند نہ آیا۔ اور عذاب بہت قریب آگیا تھا مگر اللہ نے رحم فرمایا"(۲)۔

رسول اکرم ﷺ کی ہدایت تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک ہو۔ جو قیدی رسیوں سے بندھے ہوئے تھے ان میں حضرت عباسؓ بھی تھے۔ انکی تکلیف کے احساس سے آپؐ کو رات میں نیند نہیں آرہی تھی۔ آپؐ نے سب کی رسیاں کھلوادیں۔ اسکے بعد سو سکے۔ آپؐ کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ قیدیوں سے کوئی ایسی بات کہے جس سے وہ اسلام کے خلاف ہوں۔ حضرت سودہؓ کا بیان ہے کہ وہ حضرت عفراؓ کے یہاں پُرسے کے لئے گئی تھیں جنکے دو بیٹے حضرت عوفؓ اور حضرت معوذؓ بدر میں شہید ہوگئے تھے۔ وہاں سے گھر واپس ہوئیں تو ابو یزید سہیل بن عمرو پر نظر پڑی جو قیدیوں میں شامل تھا۔ یہ ان کے پہلے شوہر کا بھائی اور بنی عامر کا سردار تھا۔ اسوقت اسکے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ دیکھ کر بولیں "ابو یزید۔ تم نے خود کو ان کے سپرد کر دیا۔ عزت کی موت کیوں نہ مرگئے"۔ اتفاقاً رسول اللہ ﷺ ادھر آنکلے۔ توازردہ ہوکر فرمایا "سودہؓ کیا تم اللہ اور رسول کے خلاف لوگوں کو آمادہ کر رہی ہو"۔ حضرت سودہؓ نادم ہوئیں اور معذرت کی کہ ابو یزید کو اس حال میں دیکھ کر یہ الفاظ بے ساختہ ان کے منہ سے نکل گئے۔

اسی سہیل بن عمرو کو حضرت عمرؓ نے دیکھا تو رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اس کے سامنے کچھ دانت توڑ دیئے جائیں تاکہ حضور ﷺ کی مذمت میں اپنا زور خطابت صرف نہ کرسکے (سہیل بڑا اچھا مقرر تھا)۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ ناجائز سمجھا اور فرمایا "عجب نہیں کہ اللہ تعالی تمکو ان سے کوئی خوشی دکھلائے"(۳)۔

اسیروں کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھنے میں صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کی ہدایت پر پوری طرح عمل کیا بعض خود تو کھجوروں پر گزارہ کرتے لیکن قیدیوں کی تواضع روٹی سے کرتے (جو کھجوروں کے مقابلے میں کہیں گراں تھی)۔ اور یہ تواضع کافی دنوں تک جاری رہی کیونکہ قریش اپنے قیدیوں کو رہا کرانے میں دانستہ دیر لگا رہے تھے۔ کئی قیدیوں پر اس تواضع اور احسان کا بڑا اچھا اثر ہوا اور ان کے اسلام قبول کرنے کا سبب بنا بعد میں انہی قیدیوں میں سے کسی کا

قول سر ولیم میور نے نقل کیا ہے " اہل مدینہ پر برکتیں نازل ہوں۔ وہ ہمیں سواری دیتے تھے اور خود پیدل چلتے تھے۔ ہمیں گیہوں کی روٹی فراہم کرتے تھے اور خود کھجوروں پر گزارا کرتے"(۴)۔ حضرت مصعبؓ کے بھائی ابو عزیزہ اسیروں میں شامل تھے اور ایک انصاری کے سپرد تھے۔ ان کا بیان ہے کہ " یہ انصاری صبح و شام میرے سامنے روٹی رکھتے اور خود کھجور ہی کھاتے۔ میں شرم سے روٹی انہیں واپس کرتا مگر وہ نہ لیتے اور پھر مجھ ہی کو دیدیتے"۔ (انکی والدہ کافی مالدار تھیں ۴۰۰۰ درہم دیکر انہیں رہا کرا دیا)۔

قریش نے اپنے عزیزوں کا فدیہ ادا کر کے انہیں رہا کرانے میں جلدی تو نہ کی۔ لیکن آخر کب تک صبر کرتے۔ اسیروں میں ایک ابو وداعہ سہمی بھی تھا۔ اسکا بیٹا مطلب بن ابو وداعہ سرمایہ دار تاجر تھا۔ ایک شب کو خاموشی سے مدینہ آیا اور چار ہزار درہم فدیہ ادا کر کے اپنے والد کو لے گیا۔ یہ پہلا جنگی قیدی تھا جسکا فدیہ وصول ہوا(۵)۔ پھر باقی قریش نے اپنے اپنے آدمیوں کا فدیہ ادا کرنا شروع کردیا۔ فدیہ کی رقم چار سو سے چار ہزار درہم تک قیدی کی مالی حیثیت کے مطابق مقرر کی گئی تھی۔

حضرت عباسؓ کا فدیہ سواوقیہ سونا مقرر کیا گیا(۶)۔ صحابہ نے گزارش کی کہ حضورﷺ کے چچا کو بغیر فدیہ رہا کردیا جائے۔ لیکن رسول اللہﷺ راضی نہ ہوئے۔ حضرت عباسؓ نے یہ بھی کہا کہ وہ دل سے تو مسلمان ہی تھے۔ صرف اسکا اعلان نہیں کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا "حکم تو ظاہر حالت پر نافذ ہوگا۔ دل سے مسلمان ہونے کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ وہی اسکا صلہ و ثواب دیگا"۔ جب حضرت عباسؓ نے مال کی کمی کا عذر پیش کیا تو آپؐ نے فرمایا " وہ مال کہاں ہے جو آپؐ نے اور ام فضل نے دفن کیا تھا اور روانگی کے وقت آپؐ نے کہا تھا کہ اگر میں اس سفر میں کام آجاؤں تو یہ مال فضل عبداللہ اور قثم کا ہے" یہ سنکر حضرت عباس قائل ہوگئے اور بولے "بخدا مجھے معلوم ہوا کہ آپؐ خدا کے رسول ہیں۔ یہ بات میرے اور ام فضل کے سوا کسی کو معلوم نہ تھی"۔

جو لوگ غریب تھے مگر پڑھے لکھے تھے انکا فدیہ یہ طے ہوا کہ ہر قیدی مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ جنہوں نے یہ کیا وہ اسکے بعد رہا کردیئے گئے۔ کہتے ہیں کہ حضرت زید بنؓ ثابت نے انہی سے لکھنا پڑھانا سیکھا۔ صیفی بن ابی رفاعہ مخزومی کا فدیہ کسی نے ادا نہ کیا۔ اسے اس وعدے پر رہا کیا گیا کہ اپنا فدیہ مکہ پہنچ کر بھیج دیگا۔ مگر یہ وعدہ وفا نہ ہوا۔ چند

قیدی اسقدر غریب اور مجبور تھے کہ انہیں بغیر فدیہ رہائی دی گئی۔ ان میں مطلب بن حطب، وھب بن عمیر اور ابو عزہ کے نام شامل ہیں۔ موخرالذکر محتاج اور کئی لڑکیوں کا باپ تھا۔ اسے اس شرط پر چھوڑا کہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف کسی سے تعاون نہ کریگا۔ (یہ بھی اپنے وعدے پر قائم نہ رہا۔ آئندہ صفحات میں اسکا ذکر ایک بار پھر آیگا)

ولید بن ولید بھی بدر میں قید ہوئے تھے۔ انہیں عبداللہ بن جحش نے گرفتار کیا تھا۔ ان کے بھائی خالدبن ولید اور ہشام بن ولید نے آکر ان کا فدیہ ادا کیا اور رہا کرا کرساتھ لے گئے۔ جب ذو الحلیفہ پہنچے تو وہاں سے واپس مدینہ آگئے اور مسلمان ہوگئے۔ بعد میں ان کے بھائی انہیں پھر مکہ لے گئے اوز ان سے پوچھا کہ " جب تمہارا ایسا خیال تھا تو فدیہ ادا کرنے سے پہلے ہی کیوں نہ مسلمان ہوگئے"۔ جواب دیا " میں ایسا نہ تھا کہ تاوقتیکہ اپنی قوم کی طرف سے فدیہ نہ ادا کروا دیتا اسلام لے آتا اور قریش یہ کہتے کہ انہوں نے صرف فدیہ سے بچنے کے لئے محمد (ﷺ) کا اتباع کیا"(۷)۔ مکہ آکر بھائیوں نے انہیں قید کرلیا کہ پھر مدینہ نہ بھاگ جائیں۔ کچھ عرصہ اسی حال میں رہے۔ آخر کسی طرح جان بچا کر مدینہ آگئے۔ بعد میں یہی مکہ جاکر ہشامؓ اور عیاشؓ کو مکہ سے چھڑا کر لائے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان ہوا۔

جبیر بن مطعم بھی اپنے چچا زاد بھائی اور حلیفوں کی رہائی کے لئے فدیہ لیکر آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے تواضع فرمائی اور کہا"اگر مطعم زندہ ہوتا اور ان اسیروں" کے لئے آتا تو میں انہیں بغیر فدیہ رہا کر دیتا۔" جبیر نے جو کچھ مدینے میں دیکھا اس بہت متاثر ہوا۔ ایک شام اس نے مغرب کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کو سورۃ طور تلاوت کرتے سنا اس کا کہنا ہے کہ اسلام اسی وقت سے اس کے دل میں سرایت کر گیا۔ لیکن اس نے کوئی عملی قدم نہ اٹھایا۔ بدر میں قتل ہونے والے اپنے چچا کے لئے بہت مغموم تھا (مطعم کا بھائی طعیمہ حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا) انتقام کو اپنا فرض سمجھتے ہوئے اور اس ڈر سے کہ کہیں اپنے مقصد سے پھر نہ جائے فدیوں کا معاملہ طے کر کے جلد مکہ واپس ہوا۔

ابو سفیان کا بیٹا عمرو بھی اسیران بدر میں تھا۔ ابو سفیان نے اسکا فدیہ نہ بھیجا۔ کسی نے فدیہ ادا کرنے کا مشورہ دیا تو کہا " کیا مجھے جانی اور مالی دو طرح کا نقصان اٹھانا ہوگا۔ میرا بیٹا حنظلہ قتل ہوچکا ہے۔ اب عمرو کا فدیہ بھی ادا کروں؟ اسے ان کے پاس ہی رہنے دو۔ جب تک چاہیں رکھیں"۔ چند دن بعد ایک انصاری سعد بن نعمانؓ عمرے کے لئے مکہ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ اہل

قریش حاجیوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کرینگے۔ لیکن ابو سفیان نے انہیں گرفتار کر والیا۔ ان کے قبیلے والوں کو معلوم ہوا تو رسول اکرم ﷺ سے ماجرا بیان کیا اور عرض کیا کہ عمرو بن ابو سفیان کو ان کے حوالے کردیں تاکہ اسکے عیوض سعدؓ کو رہا کرواسکیں۔ آپؐ نے یہ درخواست منظور فرمائی۔ اسطرح عمرو رہا ہوا اور سعدؓ واپس مدینہ آئے۔

حضور ﷺ کے داماد ابو العاصؓ بھی اسیر ہوئے تھے۔ ان کی زوجہ حضرت زینبؓ (رسول اللہ ﷺ کی دختر نیک اختر) نے ان کی رہائی کے لئے ان کے بھائی عمرو کے ہاتھ ان کا فدیہ بھیجا۔ جس میں ایک ہار بھی تھا۔ یہ ہار حضرت خدیجہؓ کا تھا جو انہوں نے اپنی صاحبزادی کو جہیز میں دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو پرانی یادیں جاگ اٹھیں آپؐ آبدیدہ ہوگئے۔ حاضرین سے فرمایا کہ "چاہو تو ابو العاصؓ کو بغیر فدیہ آزاد کردو اور یہ ہار واپس کردو"۔ سب نے فوراً تائید کی۔ ابو العاصؓ کو اس شرط پر آزاد کردیا کہ واپس جاکر حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دینگے انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ حضرت زینبؓ کو ایک شتر پرسوار کر کے روانہ کیا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ اور ایک صحابی کو مدینہ سے روانہ فرمایا کہ بطن یا جج میں ان کا انتظار کریں اور وہاں سے اپنے ساتھ مدینہ لے آئیں۔ جب حضرت زینبؓ کنانہ کے ساتھ آنے لگیں تو مکہ کہ چند لوگوں نے انہیں روک لیا۔ ایک مشرک حبار نے ان کے اونٹ کے نیزہ مارا جس سے حضرت زینبؓ کو بڑا صدمہ پہنچا کیونکہ وہ حاملہ تھیں۔ کنانہ نے اونٹ کو بٹھا لیا۔ تیر کمان لیکر مقابلے کے لئے تیار ہوگئے۔ نہایت اچھے تیر انداز تھے۔ کہا کہ جب تک ترکش میں ایک بھی تیر ہے کسی کو زندہ قریب نہ آنے دینگے۔ اتنے میں ابو سفیان آگیا۔ اس نے کہہ سن کر معاملہ طے کرا دیا کہ فی الحال سب کے سامنے کھلم کھلا نہ جاؤ۔ اس میں اہل قریش کی سبکی تھی۔ دو ایک دن میں معاملہ ٹھنڈا ہوجائے تو خاموشی سے لے جانا۔ کنانہ راضی ہوگئے اور واپس مکہ آگئے۔ یہاں حضرت زینبؓ کا حمل ضائع ہوگیا جسکی ذمہ داری حبار پر تھی جب کچھ صحت یاب ہوئیں تو کنانہ نے خاموشی سے انؓ کو مکہ سے نکال کر آٹھ میل دوروادیٔ یاجج میں حضرت زیدؓ کے سپرد کیا جو انہیں مدینہ لے آئے یہاں حضرت زینبؓ اپنے والد محترم ﷺ کے ساتھ مقیم ہوئیں بعد کو بتاتی تھیں کہ جب وہ سفر کی تیاری کررہی تھیں تو ایک دن ہند بنت عتبہ (ابو سفیان کی زوجہ) ان کے پاس آئی اور کہا "سنا ہے تم اپنے والد کے پاس جارہی ہو"۔ انہوں نے انکار کیا تو ہند بولی "میرے چچا کی دختر مجھ سے کیوں چھپاتی ہو۔ تمہیں سامان سفر میں کسی چیز کی ضرورت

ہو تو میں دیدوں۔ مردوں کے معاملات عورتوں میں نہیں داخل ہوتے" حضرت زینبؓ کا خیال تھا کہ ہند نے جو کچھ کہا تھا وہی کرتی۔ مگر انہیں کچھ اندیشہ ہوا اور اپنا راز ظاہر نہ کیا(۸)۔

وَھب بن عُمَیر کی بے معاوضہ رہائی عجیب طرح واقع ہوئی۔ اسکا والد عُمَیر بن وہب قریش کے بد طینت لوگوں میں تھا۔ بدر کی شکست کے بعد ایک دن وہ اور صَفوان بن اُمَیّہ حطیم میں بیٹھے مقتولین بدر کا ذکر کررہے تھے۔ صفوان جسکا باپ بدر میں قتل ہوا تھا کہنے لگا "اب جینے کا مزہ نہیں"۔ عُمیر نے کہا "سچ ہے۔ واللہ میں اگر مقروض نہ ہوتا اور میرے بچے بے سہارا نہ رہ جاتے تو میں خود مدینہ جاکر محمد (ﷺ) کو قتل کردیتا۔ میرے پاس وہاں جانے کا بہانہ بھی ہے میرا بیٹا وہاں اسیر ہے"۔ صفوان نے یہ پیش کش کی کہ اگر عمیر ایسا کرے تو وہ اسکا قرضہ خود ادا کردیگا اور اسکے بچوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی قبول کریگا۔ عمیر نے یہ پیش کش منظور کی اور حضور ﷺ کو قتل کرنے کی حامی بھری۔ صفوان سے کہا کہ یہ بات راز میں رہے۔ پھر ایک روز اپنی تلوار کو زہر میں بجھایا اور اپنے ناپاک ارادے سے مدینہ روانہ ہوا۔ یہاں حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی کے قریب اسے تلوار گلے میں حمائل کیئے ہوئے دیکھا تو اسکی نیت پر شک کیا۔ (یہ وہی شخص تھا جس نے قریش کے لئے بدر کے موقع پر مسلمانوں کے لشکر کا تخمینہ لگانے کی خدمت انجام دی تھی)۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر کی اور اپنا شک ظاہر کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسے آپؐ کے حضور آنے دیں۔ سامنے پیش ہوا تو آپؐ نے اسے قریب بلایا۔ اس نے آگے بڑھکر دور جاہلیت کا سلام کیا "اَنعِم صَبَاحًا" آپؐ نے اسلامی سلام کا طریقہ بتایا۔ پھر پوچھا "کیسے آنا ہوا"۔ عمیر بولا کہ "بیٹے کے رہائی کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ احسان فرمایئے"۔ آپؐ نے پوچھا "گلے میں یہ تلوار کس لئے حمائل کی"۔ عمیر نے جواب دیا "اللہ ان تلواروں کو تباہ کرے یہ بدر میں کس کام آئیں؟"۔ آپؐ نے فرمایا "سچ سچ بتاؤ"۔ اس نے دوبارہ وہی کہا کہ اسی غرض سے آیا تھا یہ سنکر آپؐ نے اُس خفیہ گفتگو کا ذکر کیا جو کہ میں اسکے اور صفوان کے درمیان ہوئی تھی اور فرمایا "اللہ تمہاری اس سازش کے درمیان حائل ہے"۔ عمیر حیرت زدہ رہ گیا۔ منہ سے بے ساختہ نکلا "میں گواہی دیتا ہوں۔ آپؐ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔ اب تک ہم آپؐ کی تکذیب کرتے تھے۔ لیکن اب مجھے یقین ہے کہ یہ بات آپؐ کو اللہ نے بتائی ہے۔ کیونکہ میرے اور صفوان کے سوا اسکا علم کسی کو نہ تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اسلام کی طرف میری رہنمائی فرمائی"۔ عمیر نے کلمۂ شہادت پڑھا تو آپؐ نے صحابہ سے فرمایا "اپنے دینی بھائی کو اسلام سکھاؤ۔ قران پڑھاؤ اور

اسکے اسیر کو آزاد کردو" چند دن بعد عمیرؓ نے مکہ واپس جانے کی اجازت چاہی کہ وہاں جاکر اسلام کی تبلیغ کریں تاکہ اس سے قبل اسلام کی مخالفت میں جو وقت گزرا تھا اسکی تلافی ہوسکے۔ رسول اللہ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ اس دوران صفوان اس امید میں تھا کی عنقریب رسول اللہ ﷺ کے قتل کی خبر سنے گا۔ دوسروں سے کہتا تھا کہ جلد بہت اچھی خبر آنے والی ہے عمیر مکہ واپس آئے تو مختلف انسان تھے۔ کئی حضرات کو مسلمان بنانے میں کامیاب ہوئے۔ صفوان کو حقیقت معلوم ہوئی تو سخت برہم ہوا۔ بولا "واللہ عمیر سے کبھی کلام نہ کرونگا نہ اسے کوئی مفاد پہنچاؤنگا"۔

مکہ سے جو لوگ اپنے اعزا کی رہائی کے لیئے فدیہ لیکر آتے عموماً رسول اللہ ﷺ کا ادب لحاظ کرتے۔ لیکن ایک شخص بڑی گستاخی سے پیش آیا۔ یہ نبی جمح کا ابی بن خلف تھا۔ بدر کے مقتولین امیہ کا بھائی اور عتبہ کا گہرا دوست تھا۔ اپنے بیٹے عبداللہ کا فدیہ ادا کرکے واپس جانے لگا تو حضور ﷺ سے اسطرح مخاطب ہوا "اے محمد (ﷺ) میرے پاس عود نامی ایک گھوڑا ہے جسے مکا کے دانے کھلاتا ہوں۔ ایک دن اسپر سوار ہوکر تمہیں قتل کرونگا۔ آپؐ نے فرمایا "نہیں بلکہ میں انشاءُ اللہ تجھے قتل کرونگا"۔

بدر سے واپسی کے بعد ایک ہفتہ گزرا تھا۔ ابھی قیدیوں کی رہائی بھی عمل میں نہ آئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک اور چھوٹی مہم پر جانا پڑا۔ خبر ملی کہ قبیلہ غطفان کی شاخ نبی سلیم کے لوگ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کررہے ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھیں رسول اللہ ﷺ دو سو سواروں کی جماعت کے ساتھ مقام کدر پر جا پہنچے جہاں نبی سلیم کا لشکر جمع ہورہا تھا۔ اس اچانک حملے کی تاب نہ لاکر نبی سلیم تقریباً سواونٹ وادی میں چھوڑ کر افراتفری کے عالم میں بھاگ گئے۔ مسلمان ان اونٹوں کو مدینہ لے آئے۔ آپؐ نے خمس نکال کر باقی اونٹ اسلامی لشکر میں تقسیم کردیئے۔ ہر مجاہد کو دو دو اونٹ ملے۔

ابن ہشام نے اس غزوۂ نبی سلیم (جسے غزوۂ قرقرۃ الکدر بھی کہتے ہیں) کی تاریخ شوال ۲ھ بتاتی ہے(۹)۔

☆ ☆

(۱) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۵۹۰

(۲) ابوالاعلیٰ مودودی کا خیال ہے کہ بدر سے قبل سورۃ محمدؐ میں فدیہ قبول کرنے کی اجازت ان الفاظ میں آچکی تھی: "پس جب ان کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو تو پہلا کام گردنیں مارنا ہے یہاں تک کہ جب تم ان کو اچھی طرح کچل دو تب قیدیوں کو مضبوط باندھو۔ اسکے بعد (تمہیں اختیار ہے) احسان کرو یا فدیے دینے کا معاملہ کرلو۔ تاآنکہ لڑائی اپنے ہتیار ڈال دے"۔ (محمد ۴)۔ سورۃ الانفال کی مذکورہ آیات میں عتاب جس بات پر نازل ہوا تھا وہ یہ تھی کہ بدر میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل دینے سے پہلے مسلمان دشمن کے آدمیوں کو قید کرنے میں لگ گئے تھے۔ تاہم فدیہ کی اجازت فی الجملہ دی جاچکی تھی۔ اس لئے زر فدیہ حلال قرار دیا گیا (ابو الاعلیٰ مودودی 'تفہیم القرآن' جلد پنجم صفحہ ۱۲) یہاں یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ موسوی شریعت میں جنگی قیدیوں کے ساتھ کسی رعایت کی اجازت نہ تھی۔ جیسا کہ توریت میں ہے کہ جب ساؤل نے خدا کے حکم کے خلاف قیدیوں کو زندہ چھوڑدیا تو اسے بادشاہت سے معزول کردیاگیا (پرانا عہدنامہ 'کتاب ا۔سموئیل' باب ۱۵)۔ زرفدیہ کے طور پر کل تقریباً ڈھائی لاکھ درہم وصول ہوئے۔

(۳) چنانچہ صلح حدیبیہ کی تکمیل میں جسے 'فتح مبین' کہا گیا ہے سہیل کی کوشش شامل تھی۔ فتح مکہ کے وقت یہ اسلام سے مشرف ہوئے۔

(۴) سرولیم میور 'دی لائف آف محمدؐ' (The Life of Mohammad) صفحہ ۲۳۳، ۲۳۴

(۵) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۶۰۵

(۶) اس فدیہ میں حضرت عباسؓ کے بھتیجے عقیل اور نوفل اور ایک حلیف عتبہ بن عمرو شامل تھے (ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۵۹۲) سید قطب شہید نے بیس اوقیہ لکھا ہے کہتے ہیں "بس عباسؓ نے اپنا، دو بھتیجوں کا اور اپنے حلیف کا بھی فدیہ ادا کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: 'اے نبی کہو ان قیدیوں سے جو تمہارے ہاتھوں میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ اگر تمہارے دلوں میں خیر معلوم کریگا تو تمہیں اس سے بہتر دیگا جو تم سے لیاگیا ہے اور تمہیں بخش دیگا اور اللہ بہت بخشنے والا ہے بہت رحم فرمانے والا ہے' (الانفال ۷۰)۔ عباسؓ نے کہا 'اللہ تعالیٰ نے مجھے بیس اوقیہ کے بجائے اسلام کی حالت میں بیس غلام دیئے۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں مال تھا جس سے وہ کاروبار کرتا تھا۔ اور اسکے ساتھ اللہ عزوجل سے مغفرت کی امید بھی ہے'" (سید قطب شہید 'تفسیر فی ظلال القرآن' جلد چہارم صفحہ ۷۰)

(۷) ابن سعد 'طبقات' حصہ چہارم صفحہ ۲۷۵، ۲۷۶

(۸) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۴۵۸، ۴۵۹

(۹) ایضاً جلد دوم صفحہ ۷۰۔ ابن جوزی اس غزوے کو غزوۂ سویق کے بعد ہجرت کے ستائیسویں ماہ میں بتاتے ہیں (ابن جوزی 'الوفا باحوالِ المصطفیٰ' صفحہ ۷۱۳)

(۷۶) منافقین اور یہود

بدر کی فتح سے آس پاس کے علاقوں میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ اور بڑی حد تک سارے عرب میں ان کی عزت افزائی ہوئی۔ لیکن اہل مکہ کے دلوں میں آگ بھڑک اٹھی اس کے علاوہ مدینہ کے مشرک اور یہودی بھی جن کی مخالفت ابھی اتنی فعال نہ تھی آتش حسد سے جلنے لگے۔ مشرکین مدینہ کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول جو ابھی تک مسلمان نہ ہوا تھا۔ اس امید میں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی طاقت کسی طرح کم ہو تو اپنا کھویا ہوا اقتدار دوبارہ حاصل کرلے گا۔ اب یہ آس اسے ٹوٹتی نظر آئی اس لئے مع اپنے ساتھیوں کے بظاہر اس نے اسلام قبول کرلیا اور مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوکر مار آستین کی خطرناک صورت اختیار کرلی جیسا کہ آئندہ صفحات میں ظاہر ہوگا۔

منافقین کی بابت سورۃ البقرۃ میں آیا ہے:

"یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور (پیروان محمدؐ سے) تو ہم ہنسی کیا کرتے ہیں"۔

(البقرۃ ۱۴)

بعض مفسرین کے نزدیک آیت مذکورہ میں شیطانوں سے مراد یہود ہیں (۱) جو منافقوں کے ذریعے حتی الوسع اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ یہودیوں نے دل کا غبار نکالنے کے لئے دوسرے طریقے بھی اختیار کئے۔ گذشتہ باب 'یہودی مخالف' میں ان کا کچھ ذکر آچکا ہے۔ تحویل قبلہ سے یہودیوں کے دلوں میں مسلمانوں کی مخالفت پہلے ہی کچھ شدت اختیار کرچکی تھی۔ فتح بدر کے بعد اس میں اور اضافہ ہوا۔ اس زمانے کے عرب میں شعرا کا کام وہی کام کرتا

تھا جو آج کل کے ذرائع ابلاغ ریڈیو' ٹیلی ویژن اور پریس کرتے ہیں۔ اچھے شعرا کا کلام جلد زباں زد عام ہوجاتا تھا اور بڑی تیزی سے دور دور پھیل جاتا تھا۔ چند غیر مسلم اور یہودی شاعروں نے رسول اللہ ﷺ کی شان کے خلاف گستاخانہ اشعار کہہ کر عوام میں پھیلانا شروع کئے۔ ان میں سے ایک نبی اوس کی مشرکہ عصما بنت مروان تھی اور دوسرا ایک یہودی ابوعفک تھا۔ ان کی ہجوگوئی رسول اللہ ﷺ کے لئے تکلیف دہ تھی۔ اب جبکہ آپؐ ایک اسلامی ریاست کے سربراہ تھے آپؐ کی شان میں گستاخی اس ریاست کی توہین کے مترادف تھی۔ مجبوراً ان دونوں شاعروں کی زباں بندی کا انتظام کیا گیا۔ عمیر بن عدیؓ نے اصماء کو قتل کیا اور سالم بن عمیرؓ نے ابوعفک کو داخل جنہم کیا۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ نقصان ایک عیار وعیاش یہودی شاعر کعب بن اشرف' سے پہنچ رہا تھا۔ یہ مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ فتح بدر پر اس کا یہ تبصرہ مشہور ہے "اگر یہ خبر صحیح ہے تو اب زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے بہتر ہے"۔ بدر کے بعد یہ مکہ گیا تاکہ وہاں اہل قریش کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکائے۔ یہاں مطلب بن وداعہ سہمی کا مہمان ہوا اس کی بیوی عاتکہ بنت ابی العیص نے اس کی بہت تواضع کی۔ کعب نے مکہ کے مقتولین کے لئے نوحہ خوانی میں اپنی شاعری کا ایسا زور صرف کیا کہ قریش کی آتش انتقام اور بھی بھڑک اٹھی۔ انہیں مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اور یہودیوں کی طرف سے مدد کا وعدہ کیا۔ خود چالیس آدمی ساتھ لے گیا تھا جو اس وقت مدد کے لئے حاضر تھے۔ اسی سے ابوسفیان نے پوچھا تھا "سچ سچ بتایئے اللہ کو ہمارا دین پسند ہے یا محمد (ﷺ) کا اور انؐ کے ساتھیوں کا۔ ہم میں سے کون زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔ ہم کوہان والے اعلیٰ اونٹوں کو ذبح کر کے کھلاتے ہیں۔ لوگوں کو دودھ پلاتے ہیں۔ خشک سالی میں لوگوں کا پیٹ بھرتے ہیں"۔ کعب نے جواب دیا کہ "تم ہی زیادہ ہدایت یافتہ ہو"۔ اسی بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں (۲) :

"بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا ہے کہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں اور کفار کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ مومنوں کی نسبت سیدھے رستے پر ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور جس پر خدا لعنت کرے تو اس کا کسی کو مدد گار نہ پاؤ

گے"۔ (النساء ۵۱، ۵۲)

یہودیوں نے ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا کہ دکھانے کے لئے مسلمان ہو جاتے۔ پھر جلد ہی اسلام چھوڑ کر اپنے مذہب میں آجاتے تاکہ لوگوں کو احساس دلائیں کہ اسلام اچھا مذہب نہیں اور سادہ لوح مسلمان شک وشبہ میں گرفتار ہوں۔ ان کی ایسی حرکات کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے:

"اور اہل کتاب ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ جو (کتاب) مومنوں پر نازل ہوئی ہے اس پر دن کے شروع میں تو ایمان لے آیا کرو اور اس کے آخر میں انکار کردیا کرو تاکہ وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں"۔

(آل عمران ۷۲)

اس قسم کی تمام باتیں حقیقتاً اس معاہدے کے خلاف تھیں جو رسول اللہ ﷺ یہودیوں سے صلح وآشتی کے ساتھ رہنے کے لئے میثاق مدینہ کے ذریعے کر چکے تھے۔ بدر سے واپس ہو کر آپؐ ایک روز بنی قینقاع کے بازار تشریف لے گئے۔ وہاں یہودیوں کو ان کی زیادتیوں سے آگاہ کیا اور نصیحت فرمائی "اے معشر یہود اللہ سے ڈرو۔ کہیں تم پر بھی وہی عذاب نہ نازل ہو جو قریش پر بدر میں نازل ہوا۔ اسلام قبول کرلو کہ تم نے مجھے ان علامات سے پہچان لیا ہے جو تمہاری کتاب توریت میں مذکور ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تم سے مجھ پر ایمان لانے کا عہد لے چکا ہے"۔ اس پر بنی قینقاع بڑے مشتعل ہوئے اور آپؐ کی نصیحت کا یہ جواب دیا "اے محمد (ﷺ) قریش کو مغلوب کر کے کسی دھوکے میں نہ رہئے گا۔ وہ جاہل فنون جنگ سے ناآشنا تھے اس لئے شکست کھا گئے۔ ہم سے واسطہ پڑا تو معلوم ہو جائے گا کہ ہم کیسے جنگجو ہیں"۔ رسول اللہ ﷺ واپس آگئے لیکن بنی قینقاع کا متکبرانہ جواب ان کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت اسی کے متعلق نازل ہوئی (۳):

"(اے پیغمبر) کافروں سے کہدو کہ تم (دنیا میں بھی) عنقریب مغلوب

ہو جاؤ گے اور (آخرت میں) جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے۔ اور وہ بری جگہ ہے" (آل عمران ۱۲)

☆☆

(۱) سید قطب شہید 'تفسیر فی ظلال القرآن' جلد اول صفحہ ۵۰
(۲) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۰
(۳) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۷۱

إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يُبَشَّرُهَا الْمُؤْمِنُ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ
فَمَنْ رَأَى ذٰلِكَ فَلْيُخْبِرْ بِهَا وَمَنْ رَأَى سِوَى ذٰلِكَ فَإِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّيْطَانِ
لِيُحْزِنَهُ فَلْيَنْفُثْ عَلَى يَسَارِهِ ثَلَاثًا وَلْيَسْكُتْ وَلَا يُخْبِرْ بِهَا أَحَدًا
كَتَبَهُ الْفَقِيرُ الْحَاجُّ أَحْمَدُ كَامِلٍ غَفَرَ اللّٰهُ ذُنُوبَهُ وَسَتَرَ عُيُوبَهُ آمِين

یہ خط احمد کامل ثلث و نسخ میں احادیث مبارکہ لکھی ہیں۔

(۷۷) قینقاع

اپنی اس بے باکی کے بعد بنی قینقاع کچھ اور سرکش ہوگئے۔ مسلمانوں کو طرح طرح خوار اور پریشان کرنے کی کوشش کرنے لگے مسلم خواتین سے چھیڑخانی ان کا طریقہ بن گئی تھی۔ اک روز ایک مسلم خاتون ان کے بازار میں ایک سنار کی دوکان پر کچھ خرید وفروخت کے لئے آئی (یہ لوگ زیادہ تر سنار تھے) چند بدتمیز یہودیوں نے اسے پریشان کرنا شروع کردیا۔ ایک شخص نے اس کے پیچھے جاکر خاموشی سے اس کے لباس کا کنارہ کچھ اس طرح باندھ دیا کہ جب وہ جانے کے لئے کھڑی ہوئی تو بے پردہ ہوگئی۔ یہودی حاضرین بہت محظوظ ہوئے اور قہقہے لگانے لگے۔ خاتون چیخنے چلانے لگی۔ کوئی مسلمان وہاں موجود تھا۔ اس کی غیرت جوش میں آئی اور اس نے بدتمیز یہودی پر ایسا وار کیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ یہودیوں نے یہ دیکھا تو اس مسلمان پر ٹوٹ پڑے اور اسے قتل کردیا۔ مسلم مقتول کے وارث انتقام کے لئے تیار ہوگئے اور اس واقعے نے ایک بلوے کی صورت اختیار کرلی۔

ابن سعد لکھتے ہیں کہ جنگ بدر ہوئی تو بنی قینقاع نے حسد کا اظہار کیا اور عہد وپیثاق کو توڑا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی (۱):

> "اگر آپؐ کو کسی قوم سے خیانت (یعنی عہد شکنی کا) اندیشہ ہو تو آپؐ ان کے عہد کو مساوی طور پر واپس کردیجئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔ (الانفال ۵۸)

بنی قینقاع اس امید پر کہ دوسرے یہودی قبائل اور منافقین ان کا ساتھ دینگے کسی رواداری کی طرف مائل نہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے محلے کی طرف پیش قدمی کی۔ مسلم لشکر کا علم حضرت حمزہؓ کے ہاتھ میں تھا۔ یہودی اپنے علاقے میں قلعہ بند ہوگئے۔ مسلمانوں نے اس

علاقے کا بہت سخت محاصرہ کرلیا۔ یہ محاصرہ ۱۵ شوال ۲ھ سے ماہ کے اختتام تک جاری رہا اس دوران مدینہ شہر میں رسول اللہ ﷺ کے نائب حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رہے ان یہودیوں کو کسی اور طرف سے مدد نہ مل سکی۔ ایسے ہیبت زدہ ہوئے کہ بغیر کسی مزاحمت کے ہتھیار ڈال دیئے اور اپنا فیصلہ حضور ﷺ پر چھوڑا۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول بنی قینقاع کا حلیف تھا۔ اسے خوف ہوا کہ رسول اللہ ﷺ توریت کے قانون کے مطابق تمام یہوذی دشمنوں کو قتل کا حکم نہ دے دیں۔ چنانچہ آپؐ کی خدمت میں آیا اور مصر ہوا کہ اس کے حلیفوں کو معاف فرمادیں۔ آپؐ خاموش رہے تو دوبارہ ضد کی۔ آپؐ نے اس کی طرف سے رخ پھیرلیا۔ تو اس منافق نے آپؐ کی زرہ کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا اور معافی کے لئے اصرار کرنے لگا۔ آپؐ کے چہرے پر غصے کے آثار ظاہر ہوئے فرمایا "تجھ پر افسوس ہے مجھے چھوڑ دے" لیکن عبداللہ بن ابی ضد پر قائم رہا اور بولا "واللہ میں اس وقت تک آپؐ کو نہ چھوڑونگا جب تک میرے ان حلیفوں پر احسان نہ فرمائینگے۔ ان تین سو زرہ پوشوں اور چار سو بغیر زرہ کے لوگوں نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا ہے۔ آپؐ انہیں آج ہی قتل کردینا چاہتے ہیں۔ مجھے حوادث دہر کا خطرہ نظر آرہا ہے" بالآخر رسول اللہ ﷺ نے رعایت فرمائی۔ سب کی جان بخشی کی اور صرف جلاوطنی کا حکم صادر فرمایا۔ یہ بھی روایت ہے کہ عبداللہ بن ابی ان کی جلاوطنی معاف کرانے کے لئے بھی آگے بڑھا۔ کسی مسلمان نے اسے روکا اور اس اویزش میں یہ منافق زخمی ہوگیا تو بنی قینقاع نے ازخود کہہ دیا کہ "جس شہر میں ہمارا عبداللہ جیسا رفیق زخمی ہوجائے اور ہم اس کی طرف داری نہ کرسکیں ہم ایسے شہر میں قیام نہیں کرسکتے" (۲) یہ کہہ کر بخوشی جلاوطنی قبول کی۔

انہیں اجازت تھی کہ غیر منقولہ جائیداد فروخت کر کے اور منقولہ سامان ساتھ لے کر تین دن کے اندر مدینہ چھوڑ دیں۔ صرف ہتھیار لے جانے کی اجازت نہ تھی۔ یہ تجارت کے لئے مدینہ آجاسکتے تھے بشرطیکہ قیام تین دن سے زیادہ نہ ہو۔ ان کی تعداد سات سو بتائی گئی ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا کہنا ہے کہ ان میں سے بہت سے ایسے تھے جنہیں مدینہ میں رہنے کی اجازت مل گئی تھی۔ جنگ احد کے موقع پر یہی یہودی تھے جو مسلمانوں کی مدد کے لئے تیار معلوم ہوتے تھے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کی مدد قبول نہ فرمائی (۳)۔ جو سامان یہ چھوڑ گئے وہ محمد بن

مسلمہؓ نے مال غنیمت کے بطور جمع کیا۔ خمس نکال کر باقی مسلمانوں میں تقسیم کردیا گیا۔ جلاوطن ہو کر کچھ عرصہ وادی القریٰ میں ٹھہرے پھر اکثر نے شام کی راہ لی۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عبادہ بن صامتؓ بھی بنی قینقاع کے حلیف تھے۔ انہوں نے بھی ان یہودی حلیفوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی۔ اور عرض کیا "یا رسول اللہ (ﷺ) میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں اور یہودیوں کے ساتھ اپنے حلیفانہ تعلقات سے بری الذمہ ہوتا ہوں"۔ عبداللہ بن ابی اور عبادہ بن صامتؓ کی طرف قرآن مجید کی ان آیات میں اشارہ ملتا ہے (۴):

"اے ایمان والو یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہیں میں سے ہوگا۔ بے شک خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے۔ تم ان کو دیکھو گے کہ ان میں دوڑ دوڑ کر ملے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم پر زمانے کی گردش نہ آجائے سو قریب ہے کہ خدا فتح بھیجے یا اپنے ہاں سے کوئی اور امر (نازل فرمائے) پھر یہ اپنے دل کی باتوں پر جو چھپایا کرتے تھے پشیمان ہو کر رہ جائیں گے"۔ (المائدۃ ۵۱،۵۲) تمہارے دوست تو خدا اور اس کے پیغمبر اور مومن لوگ ہی ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے اور (خدا کے آگے) جھکتے ہیں"۔ (المائدۃ ۵۵)

☆ ☆

(۱) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۳۲۹
(۲) محمد حسین ہیکل 'حیات محمدؐ' صفحہ ۳۴۳
(۳) محمد حمید اللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۲۵۶
(۴) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۷

(۷۸) بدر کے بعد دو غزوات

ارباب سیر نے بدر کے بعد چند چھوٹے چھوٹے غزوات وسرایا کا ذکر کیا ہے۔ جو غزوات بدر کے بعد جلدی ہی واقع ہوئے وہ غزوہ بنی سلیم (جس کا ذکر پہلے آچکا)' غزوہ سویق اور غزوہ غطفان تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا مدینہ کے مغرب میں بحر احمر کے کنارے جو قبائل آباد تھے ان سے آنحضرت ﷺ کے معاہدے ہوچکے تھے۔ اور وہ راستہ مکہ کے قافلوں کے لئے محفوظ نہ تھا۔ بدر کے بعد اہل قریش سمجھ گئے تھے کہ انہیں اپنے تجارتی قافلوں کے لئے متبادل راستہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ جو مدینہ کے مشرق میں صحرائے نجد سے ہو کر گزرتا تھا اور عراق کے سفر کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ انہوں نے جلد اس علاقے کے قبائل بنی سلیم اور بنی غطفان سے عہد استوار کر لئے اور ان قبائل کو اہل مدینہ کے خلاف اپنی امداد پر آمادہ کرلیا۔ چنانچہ سب سے پہلے بنی سلیم نے مدینہ پر حملے کا ارادہ کیا جس کے خلاف رسول اللہ ﷺ نے بروقت کارروائی کی جس کا ذکر گزر چکا۔

بنی قینقاع کے محاصرے کی خبر قریش کو پہنچی تو ابوسفیان نے مدینہ پر انتقامی حملے کے لئے اسے اچھا موقع سمجھا اسے امید تھی کہ اس موقع پر اسے مدینہ کے یہودیوں سے مدد مل جائے گی۔ بدر کی شکست کے بعد اس نے قسم کھا رکھی تھی کہ جب تک انتقام نہ لے لے گا سر میں کنگھی تک نہ کرے گا۔ یہ قسم پوری کرنے کی بھی جلدی تھی۔

ان حالات میں وہ دو سو (ایک روایت کے مطابق چالیس) سواروں کے ساتھ مدینہ روانہ ہوا اور شہر سے بیس کلو میٹر دور نیب نامی پہاڑی کے قریب صد رقناۃ کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ یہودیوں سے امداد کا امیدوار تھا۔ رات کی تاریکی میں خاموشی سے بنی نضیر کے محلے میں آیا اور حیی بن اخطب سے ملنا چاہا۔ حیی نے ملنے سے انکار کردیا اور اپنی گڑھی کا دروازہ نہ کھولا۔ وہ بدر میں قریشوں کا اور مدینہ میں بنی قینقاع کا انجام دیکھ چکا تھا۔ پھر ابوسفیان بنی نضیر کے ایک دوسرے سردار سلام بن مشکم کے یہاں پہنچا۔ سلام نے اچھی مہمان نوازی کی اور اپنے مشورے سے بھی

نوازا۔ مگر جس امداد کی توقع تھی وہ حاصل نہ ہوئی۔

ابوسفیان رات ہی کو اپنی خیمہ گاہ واپس آیا اپنی ایک جماعت کو مدینہ کے قریب عریض نامی مقام پر بھیجا۔ یہاں اس جماعت نے کچھ کھجور کے درخت جلا دیئے چند کھیت غارت کئے اور ان کے دو یا تین مالکوں کو قتل کردیا۔ اس حرکت کے بعد ابوسفیان مع اپنی جماعت کے تیزی سے مکہ کی طرف بھاگ لیا۔ اس کے نزدیک اس کی قسم پوری ہوگئی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو مدینہ میں ابو لبابہ بن عبدالمنذرؓ کو اپنا نائب مقرر کیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت لے کر تعاقب میں روانہ ہوئے۔ قرارۃ الکدر تک قریشیوں کا پیچھا کیا۔ لیکن وہ ہاتھ نہ آئے۔ قریشیوں نے تیزی کے ساتھ بھاگ کر اپنی جانیں بچالیں اور تیز رفتاری کی خاطر راستے میں کچھ زائد سامان اور کثیر مقدار میں ستو پھینک دیا۔ زیادہ وزن کے ساتھ بھاگنے میں دقت تھی۔ یہ ستو مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور اسی کے باعث اس غزوے کا نام غزوہ سویق پڑا (۱)۔ (سویق ستو کو کہتے ہیں) واپسی میں ان اصحاب نے جو اس مہم میں شریک تھے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ آیا وہ مہم میں شریک ہو کر ثواب کے مستحق ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا "ہاں" ابن سعد نے اس غزوے کی تاریخ ۵ ذوالحجہ ۲ھ (ہجرت کے بائیسویں ماہ) بتائی ہے۔ جس میں صرف پانچ دن صرف ہوئے (۲)۔

ہجرت کا تیسرا سال شروع ہوا تو محرم میں رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ نجد میں بنی غطفان کے دو قبیلے بنو ثعلبہ اور محارب مدینہ پر حملے کی تیاری کررہے ہیں ممکن ہے ابوسفیان کے ورغلانے پر یہ اس کے ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہوں۔ مگر دونوں فریقوں میں تعاون کے لئے صحیح رابطہ قائم نہ ہوسکا ہو۔ بہر حال اطلاع ملتے ہی رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں حضرت عثمان بن عفانؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور ساڑھے چار سو صحابہ کا لشکر لے کر دشمن کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں سوار اور پیادہ شامل تھے۔

راستے میں مسلمانوں نے بنی ثعلبہ کے ایک فرد جبار کو گرفتار کرلیا۔ انہوں نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں حضرت بلالؓ کے سپرد کیا۔ یہ اسلامی لشکر کو دشمن کے علاقے کا راستہ بتانے میں معاون ثابت ہوئے اور لشکر کو اس مقام تک پہنچا دیا جہاں دشمن کی فوج جمع ہوتا تھی اور جہاں ذی امر نامی چشمہ واقع تھا (مدینہ سے تقریباً ۶۰-۶۵ کلو میٹر دور)۔ لیکن دشمنوں کو

مسلمانوں کی آمد کی خبر مل چکی تھی وہ سب آس پاس کی پہاڑیوں میں روپوش ہوگئے۔ اس مہم کا نام غزوہ ذی امر پڑا۔ اسی کو غزوہ نجد یا غزوہ غطفان بھی کہتے ہیں۔ یہاں رسول اکرم ﷺ نے تین چار ہفتے قیام فرمایا۔ گردونواح کے بدوؤں پر اسلامی وجاہت کا کافی اثر ہوا۔ پھر آپؐ واپس ہوئے۔ صفر ۳ھ کا پورا مہینہ (اگست ۶۲۴ء) اس غزوے میں صرف ہوا۔

واقدی نے اس غزوے کے دوران یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ دشمن کے منتشر ہوجانے کے بعد کسی وقت بارش ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ کے کپڑے بھیگ گئے۔ قریب کی کسی پہاڑی سے دشمنوں کے سردار دعثور بن الحارث نے آپؐ کو تنہا دیکھا تو تلوار لے کر آپؐ کے قریب پہنچ گیا اور بولا "آج تمہیں میری تلوار سے کون بچائے گا"۔ آپؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ"۔ ان الفاظ سے دعثور (اس کا نام غورث محاربی بھی بتایا گیا ہے) پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ آپؐ نے وہی تلوار اٹھائی اور اس سے پوچھا "اب تمہیں اس تلوار سے کون بچائے گا"۔ دعثور اس معجزے سے اتنا متاثر ہوا کہ آپؐ پر اسی وقت ایمان لایا۔ اور عہد کیا کہ آئندہ کبھی مقابلے کی جرأت نہ کرے گا۔ آپؐ نے اس کی تلوار اسے واپس کردی (۳)۔ کہتے ہیں کہ اس نے واپس جاکر اپنے قبیلے میں اسلام کی تبلیغ شروع کی۔

☆ ☆

(۱) اتنی مقدار میں ستو ساتھ لے جانے سے ظاہر ہے کہ ابوسفیان کا کچھ ایسا منصوبہ تھا کہ کچھ دن قیام کر کے غطفانی قبائل اور/ یا یہودیوں کی مدد سے مدینہ پر زبردست حملہ کرے گا۔ مگر منصوبہ ناکام رہا۔

(۲) ابن سعد 'طبقات' جلد اول صفحہ ۳۳۰

(۳) محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۱۱۰' ۱۱۱۔ ایسا ہی ایک واقعہ غزوہ ذات الرقاع میں پیش آیا جو صحیح بخاری میں مروی ہے اور اس کا ذکر آگے آئے گا۔ زرقانی کے نزدیک دونوں علیحدہ علیحدہ واقعات ہیں۔

(۷۹) کعب بن اشرف

مذکورہ غزوات کے علاوہ سیرت نگاروں نے جنگ احد سے قبل تین اور مہمات کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے پہلی مہم سریہ کعب بن اشرف تھی۔ اس یہودی شاعر کا تذکرہ پہلے آچکا ہے کہ کس طرح بدر کے بعد مکہ جاکر اس نے قریش کی آتش انتقام کو اپنی شاعری کے زور سے بھڑکانا شروع کیا تھا۔ وہاں اپنا مقصد پورا کر کے اب واپس مدینہ آگیا تھا۔ اس کے باپ کا تعلق بنی نبھان سے تھا جو قبیلہ طے کی ایک شاخ تھی۔ مگر اس کی ماں بنی نضیر کی یہودن تھی اور اس نے خود کو بنی نضیر ہی میں شامل کرلیا تھا۔ اور انہی کے علاقے کے متصل اس کا اپنا قلعہ تھا۔ جس کے آثار بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ اب بھی مدینہ کے جنوب میں ملتے ہیں۔ بڑا رئیس تھا۔ شاعری کے علاوہ حسن وجمال میں بھی مشہور تھا۔ مدینہ آکر اس نے رسول اکرم ﷺ کے خلاف ہجوگوئی شروع کی اور شریف مسلمان خواتین کے متعلق اپنے عشقیہ اشعار عام کرنا شروع کئے۔ یہ شرفا کی توہین کرنے کا عرب میں ایک رائج طریقہ تھا۔ اس نے ایک شریف مسلم خاتون ام فضل بنت حارث کی بابت جو اشعار کہے ہیں وہ ہمیں ابن اسحاق کے یہاں ملتے ہیں۔ ایک شعر میں کہتا ہے:

"میں نے کبھی رات کو آفتاب نکلتے نہ دیکھا تھا سوائے اس تاریک شب کے
کہ جب اس نے خود کو ہمارے سامنے بے حجاب کیا" (۱)

اس کی ان حرکات سے مسلمان عاجز آگئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے تنگ آکر ایک دن اپنے اصحاب میں فرمایا کہ "کون اس کا کام تمام کرسکتا ہے" محمد بن مسلمہؓ نے اس کے قتل کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ آپؐ نے اجازت دیدی اور ساتھ ہی سعد بن معاذؓ سے بھی مشورہ کرنے کے لئے فرمایا۔ حضرت سعدؓ سے مشورے کے بعد محمد بن مسلمہؓ نے اپنے منصوبے میں ابو نائلہ سلکانؓ بن سلامہ (کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی) عباد بن بشرؓ حارث بن اوسؓ اور ابو عبس بن جبرؓ کو شامل کیا۔

ان پانچوں نے اپنا منصوبہ طے کر کے ابو نائلہ کو کعب کے پاس بھیجا۔ ابونائلہؓ نے پہلے

ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ کچھ اشعار سنائے (یہ شاعر بھی تھے) پھر اس طرح گفتگو شروع کی۔

ابونائلہؓ: میں تمہارے پاس ایک ضروری کام سے آیا تھا۔

کعب: کہو کیا کام ہے۔

ابونائلہؓ: بات یہ ہے کہ جب سے یہ شخص محمد (ﷺ) ہمارے درمیان آئے ہیں ہم مصیبت میں پڑگئے ہیں۔ سارا عرب ہمارا دشمن ہوگیا ہے۔ تمام راستے بند ہیں کھانے کو اناج تک میسر نہیں ہوتا۔ ہم بھوکے مر رہے ہیں۔

کعب: میں تو تجھ سے پہلے ہی کہتا تھا کہ ایسا ہوگا سو وہی ہوا۔

ابونائلہؓ: اب میں اس لئے آیا ہوں کہ تم کچھ غلہ ہمیں ادھار دیدو۔ ہم کچھ چیزیں رہن رکھنے کو تیار ہیں۔

کعب: تم اپنی اولاد میرے پاس رہن رکھ سکو گے۔

ابونائلہؓ: اس میں ہماری بڑی رسوائی ہوگی۔ لوگ ہماری اولاد کو طعنے دیا کرینگے۔ پھر میرے کچھ اور ساتھی بھی ہیں۔ انہیں بھی میں تمہارے پاس لاؤنگا۔ وہ بھی غلہ قرض لینا چاہتے ہیں۔ ان پر بھی احسان فرماؤ۔

کعب: - تم اولاد رہن نہیں رکھ سکتے تو اپنی عورتیں رہن رکھ دو۔

ابونائلہؓ: بھلا ہم اپنی عورتیں تم جیسے حسین جوان کے پاس کیسے رہن رکھ سکتے ہیں۔ بے شک کچھ ہتھیار رہن رکھ دینگے جن کی قیمت کافی ہوگی۔

کعب ہتھیاروں کے رہن پر راضی ہوگیا۔ ابونائلہؓ نے ہتھیاروں کا ذکر اس لئے کیا تھا کہ جب وہ دوبارہ آئیں تو انہیں مسلح دیکھ کر شک نہ کرے۔ ابونائلہؓ نے یہ باتیں کر کے وعدہ کیا کہ عنقریب اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسلحہ لے کر آئینگے۔

پانچوں اصحاب نے یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کو بتادیا۔ اور اسلحہ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور کعب کے پاس جانے کی اجازت اور اپنی کامیابی کے لئے دعا چاہی۔ آپؐ ان کے ساتھ تھوڑی دور بقیع غرقد تک آئے اور انہیں دعاؤں کے ساتھ رخصت فرمایا۔ یہ حضرات چاندنی رات میں کعب کے قلعے پر پہنچے جو شہر سے تین چار کلو میٹر کے فاصلے پر تھا ابونائلہ نے کعب کو آواز دی۔ وہ اپنی رضائی اوڑھ کر اٹھا تو اس کی نئی نویلی دلہن نے روکنا چاہا۔ بولی کہ "تم

جیسے جنگجو کو اس وقت باہر نہیں جانا چاہئے۔ مجھے اس آواز میں خطرہ نظر آتا ہے"۔ کعب نے بیوی کو اطمینان دلایا کہ "خطرے کی کوئی بات نہیں۔ یہ میرے بھائی ابونائلہؓ کی آواز ہے۔ مجھے اس سے ملنا ضروری ہے"۔ یہ کہہ کر کعب باہر نکل آیا اور ان حضرات سے گفتگو کرنے لگا۔

ابونائلہؓ نے کہا "چلو کہیں بیٹھ کر چاندنی کا لطف حاصل کریں اور باتیں کریں"۔ آہستہ آہستہ سب ایک طرف چلنے لگے۔ راستے میں ابو نائلہ نے کعب کے بال چھوئے اور ان کی خوشبو کی تعریف کی اسی طرح کئی بار کیا۔ پھر ایک بار بالوں کو اچھی طرح پکڑ کر کعب کو گرالیا۔ باقی ساتھیوں نے تلوار کے وار کئے۔ لیکن موٹی رضائی کی وجہ سے وار کارگر نہ ہوئے۔ آخر محمد بن مسلمہ نے پیٹ پر تلوار رکھ کر ایسا زور لگایا کہ تلوار آرپار ہوگئی۔ کعب بہت زور سے چلایا۔ یہ لوگ اسے ختم کر کے بھاگ لئے۔ اتفاقاً حارث کے پیر میں انہی اصحاب میں سے کسی کی تلوار سے زخم آگیا۔ وہ پیچھے رہ گئے۔ کچھ دور جاکر ساتھیوں نے حارث کو نہ پایا تو پریشان ہوئے۔ ان کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن وہ جلد ہی آگئے۔ ساتھیوں نے انہیں اٹھا لیا اور رسول اللہ ﷺ کو کامیابی کی خبر دینے کے لئے روانہ ہوئے۔ آخر شب آپؐ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ان لوگوں کے سلام کی آواز سنی تو نماز پڑھ کر باہر تشریف لائے۔ کعب کے قتل کی خوشخبری سن کر مسرور ہوئے۔ حارثؓ کو زخمی دیکھ کر ان کے زخم پر اپنا لعاب دہن لگایا۔ وہ جلد شفایاب ہوگئے۔ اس کے بعد یہودیوں پر ہیبت طاری ہوگئی اور کعب جیسی ہجوگوئی وغیرہ کی جرأت آئندہ نہ کرسکے۔

کعب بن اشرف کے قتل کی تاریخ کے متعلق راویوں میں اختلاف ہے۔ ابن کثیر کی رائے ہے کہ یہ واقعہ جنگ احد سے قبل کا ہے۔ بعض احادیث میں بعد کو بتایا گیا ہے۔ سرولیم میور نے تاریخ جولائی ۶۲۴ء بتائی ہے۔ ابن سعد ۱۴ ربیع الاول ۳ ھ یعنی ستمبر ۶۲۴ء بتاتے ہیں جو زیادہ قرین قیاس ہے۔ سرولیم میور نے اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ پر اعتراض بھی کیا ہے کہ کس طرح آپؐ کی تعلیم نے اس دور کے مسلمانوں میں تعصب اور تشدد کو ہوا دے رکھی تھی کہ ایسی ظالمانہ فریب کاری بھی جائز ہوگئی۔ پھر ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ جب مروان مدینہ کا گورنر تھا تو اس نے ایک دن بینجمن (کعب کے قبیلے کا ایک یہودی جو مسلمان ہوگیا تھا) سے پوچھا کہ کعب کا قتل کیسے واقع ہوا۔ اس نے جواب دیا "دھوکے اور فریب سے"۔ اس وقت محمد بن مسلمہؓ بھی (جو اب کافی معمر ہوچکے تھے) موجود تھے۔ انہیں یہ سخت ناگوار گذرا اور مروان کو مخاطب کر کے کہا

"اے مروان کیا تم سمجھتے ہو کہ رسول خداً بھی دھوکے اور فریب میں ملوث ہوسکتے ہیں۔ بخدا ہم نے انہیںؐ کے حکم سے کعب کو قتل کیا تھا۔ اور میں قسم کھاتا ہوں کہ آج کے بعد سوائے مسجد نبوی کے ہم دونوں کبھی ایک چھت کے نیچے نظر نہ آئیں گے"۔ پھر محمد بن مسلمہؓ بنجمن سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ واللہ اگر اس وقت ان کے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو اس کا سر قلم کر دیتے۔ اس کے بعد بنجمن بہت محتاط ہوگیا۔ گھر سے باہر نکلنے سے پہلے کسی کو بھیج کر معلوم کرلیتا کہ محمد بن مسلمہؓ تو راستے میں نہیں ہیں۔ ایک دن اتفاقاً وہ انہیں ایک جنازے کی تدفین کے موقع پر مل گیا۔ قریب ہی ایک خاتون کچھ کھجور کی ٹہنیاں لئے جارہی تھی محمد بن مسلمہؓ نے وہ شاخیں لے کر سب کی سب بنجمن کو پیٹتے پیٹتے توڑ ڈالیں (۲)۔

افسوس ہے کہ سر ولیم میور جیسے فاضل مصنف نے یہ نہ سوچا کہ جو شخص ایک ریاست کے خلاف اس طرح سازشوں میں سرگرم ہو اس ریاست کے سربراہ اور باشندوں کی توہین سے باز نہ آتا ہو۔ اور ہر طرح اس ریاست کو نقصان پہچانے کے درپے ہو اس سے اُس دور میں اور کس طرح نمٹا جاتا۔ جبکہ اس قسم کی کارروائیاں آج کل کے نام نہاد مہذب دور میں بھی کمیاب نہیں (۳)۔

بہر حال اس واقعے کے بعد کچھ یہودی سردار حضور ﷺ کی خدمت میں شکایت لے کر حاضر ہوئے۔ آپؐ نے کعب کی حرکات کی تفصیل انہیں بتائی اور صاف صاف فرمادیا کہ بجائے شکایت لانے کے انہیں اس قسم کے شرانگیزوں کی زباں بندی کا انتظام کرنا چاہئے ایسی اشتعال انگیزی کا ایسا ہی انجام ہونا تھا۔ یہودیوں نے مناسب سمجھا کہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کی تجدید کرلیں۔ چنانچہ ازسر نو معاہدہ تحریر ہوا۔ پھر کسی یہودی کو سر عام مسلمانوں کے خلاف کچھ کرنے یا کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔

ان دنوں کی دوسری مہم غزوہ بحران تھا۔ غزوہ ذی امر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تقریباً ایک ماہ مدینہ میں قیام فرمایا تھا کہ پھر بنی سلیم کی بابت معلوم ہوا کہ مدینہ کے خلاف کارروائی کے لئے جمع ہورہے ہیں۔ تین سو صحابہ کے ساتھ آپؐ نے ان کی طرف کا قصد کیا۔ ابن ام مکتومؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ حجاز میں فرع کے کنارے بحران کے مقام تک تشریف لے گئے۔ یہ مدینہ سے تقریباً ۱۶۰ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ لیکن دشمن کا گروہ پہلے ہی بھاگ چکا تھا۔

کوئی جنگ نہ ہوئی اور آپؐ واپس مدینہ آگئے۔ یہ سفر ربیع الثانی اور جمادی الاول ۳ ھ کے دوران جاری رہا۔

تیسری مہم سریہ زیدؓ تھی۔ جنگ بدر کے بعد اہل قریش نے اس عام راستے کو غیر محفوظ سمجھ لیا تھا جو بحر احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ جاتا تھا۔ اب انہوں نے مدینہ کے مشرق میں ایک دوسرا نجد سے گزرتا ہوا دشوار گذار راستہ اختیار کرنا چاہا۔ یہ راستہ ان کے لئے نیا تھا۔ جو براہ راست عراق کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ چنانچہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص فرات بن حیان کی خدمات رہنمائی کے لئے حاصل کیں اور موسم گرما کے ختم کے قریب اپنا تجارتی قافلہ روانہ کیا۔ اس کی قیادت صفوان بن امیہ کے سپرد تھی۔ ابن ہشام کے بقول ابوسفیان بھی اس قافلے میں شامل تھا۔ اس کے علاوہ حویطب بن عبدالعزیٰ اور عبداللہ بن ابی ربیعہ بھی تھے (۴)۔

اس قافلے کی روانگی کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ایک دلچسپ اتفاق سے ہوئی۔ ایک صاحب نعیم بن مسعود غطفانی (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) اپنے ایک یہودی دوست کنانہ بن الحقیق سے ملنے آئے جس کا تعلق بنی نضیر سے تھا۔ یہاں شراب کا دور چلا تو نشے کی حالت میں نعیم نے اس قافلے کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ اتفاقاً اس محفل میں سلیط بن نعمان اسلمیؓ بھی شریک تھے (اس وقت تک شراب نوشی حرام نہ ہوئی تھی) انہوں نے یہ ذکر سنا تو رسول اللہ ﷺ کو بتایا۔ آپؐ نے ایک سو تہتر سواروں کا ایک لشکر حضرت زیدؓ بن حارثہ کی سربراہی میں ترتیب دے کر روانہ فرمایا۔ (یہ سربراہی اس لئے تفویض کی گئی تھی کہ حضرت زیدؓ بن حارثہ بھی سپہ سالاری کا تجربہ حاصل کر سکیں) حضرت زیدؓ نے بڑی تیزی سے دشوار راستہ طے کیا اور نجد کے مقام قردہ پر اس قافلے کو جالیا۔ قافلے والے اس اچانک غیر متوقع حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ سارا سامان حضرت زیدؓ کے قبضے میں آیا جس میں کافی چاندی تھی (۵) اس سامان کی قیمت کا اندازہ ایک لاکھ درھم کیا گیا ہے۔ حضرت زیدؓ یہ سامان لے کر بمع دو قیدیوں کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے خمس نکال کر باقی سامان مجاہدین میں تقسیم فرمایا۔ حضرت زیدؓ کے کارنامے سے بہت خوش ہوئے۔ ان کا شمار اچھے سپہ سالاروں میں ہونے لگا۔ قیدیوں میں فرات بن حیان بھی شامل تھے۔ یہ خوشی اسلام سے مشرف ہوئے۔

یہ مہم جمادی الثانی ۳ ھ میں واقع ہوئی۔ مسلمانوں کے لئے نفع بخش ہونے کے ساتھ

ساتھ قریش کے غیض وغضب میں مزید اضافے کا باعث بنی۔

☆☆

(۱) الفرید غیوم 'دی لائف آف محمدؐ' (The Life of Muhammad) صفحہ ۳۶۷

(۲) سرولیم میور 'دی لائف آف محمدؐ' (The Life of Mohammad) صفحہ ۲۴۸، ۲۴۹

(۳) اس بارے میں مغربی مصنفین کے اعتراضات پر تبصرہ کرتے ہوئے سر جان گلب لکھتا ہے کہ اس قسم کا قتل ایک سیاسی ہتھیار کے طور پر صرف اس ملک میں ناجائز تصور کیا جاسکتا ہے جہاں کوئی مناسب آئین ہو قوانین ہوں معقول عدالتی نظام ہو اور ساتھ ہی پولیس بھی ہو۔ ساتویں صدی عیسوی کے عرب میں ایسی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ ایسی صورت میں محض طاقت استعمال کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ پھر یہی مصنف ایک مشہور مورخ سرچالس پیٹری کے قول کا حوالہ دیتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نو سو سال بعد کے یورپ میں بھی یہ ایک عالمگیر تسلیم شدہ عقیدہ تھا کہ باغیانہ پروپیگنڈے کے تدارک کے لئے طاقت کا استعمال ضروری ہے (سرجان گلب 'دی لائف اینڈ ٹائمز آف محمدؐ' (The Life and Times of Muhammad) صفحہ ۱۹۵)

(۴) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۳۳۶ یہ چاروں سردار فتح مکہ کے بعد اسلام سے مشرف ہوئے۔

(۵) اس چاندی کا وزن تیس ہزار درم بتایا گیا ہے (ابن سعد 'طبقات' جلد اول صفحہ ۳۳۶)

(۸۰) تین شادیاں

بدر کے بعد مذکورہ خارجی مصروفیات کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خانگی زندگی میں تین خاص واقعات گذرے۔ آپؐ کی دختر نیک اختر حضرت رقیہؓ کے انتقال کا ذکر آچکا ہے۔ بدر سے واپس آتے ہی آپؐ ان کی قبر پر گئے۔ حضرت فاطمہؓ ساتھ تھیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تو آپؐ نے اپنے دامن سے انہیں خشک کیا اور تسلی دی۔ قبر سے واپس ہوئے تو حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ حضرت رقیہؓ پر گریہ زاری کرنے والی خواتین پر خفا ہورہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا "عمرؓ انہیں رو لینے دو۔ جو دل اور آنکھوں سے نکلے وہ اللہ اور اس کی رحمت کی طرف سے ہے ہاں جو ہاتھوں اور زبان سے ہو وہ شیطان کی طرف سے سمجھو"۔ مطلب یہ تھا کہ ماتم (سینہ کوبی وغیرہ) اور بین کرنا منع ہے۔

اب حضرت فاطمہؓ کا سن ۱۷ ۔ ۱۸ سال کا ہوگیا تھا۔ انؓ سے نکاح کے لئے پیام آنا شروع ہوگئے تھے۔ کہتے ہیں کہ پہلے حضرت ابوبکرؓ نے پیام دیا۔ مگر رسول اللہ ﷺ خاموش رہے یا یہ فرمایا کہ اس بارے میں آپؐ کو خدا کے حکم کا انتظار تھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی درخواست کی لیکن ان کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی (۱)۔

حضرت علیؓ لڑکپن ہی سے حضرت فاطمہؓ کے ساتھ رہے تھے۔ اور اب انؓ سے شادی کے خواہاں تھے۔ لیکن اپنی مفلسی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ سے کچھ کہہ نہ سکتے تھے۔ کچھ شرم بھی دامنگیر تھی۔ بعض انصار کے کہنے پر اور ایک روایت کے مطابق حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مشورے پر (۲) آخر ایک روز ہمت کر کے رسول اللہ ﷺ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ آپؐ نے فرمایا "مہر ادا کرنے کے لئے کچھ ہے"۔ حضرت علیؓ نے اپنی بے بضاعتی ظاہر کی تو فرمایا "وہ زرہ کہاں گئی جو مال غنیمت میں سے تمہیں ملی تھی"۔ عرض کیا "وہ تو ہے"۔ آپؐ نے اسے فروخت کر کے مہر ادا کرنے کا مشورہ دیا۔ یہ زرہ سوا سو درھم میں بکی۔ ایک روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ۴۸۰ درھم (۳) میں خریدی اور اس کی قیمت سے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے

مطابق خوشبو اور کپڑوں وغیرہ کا انتظام کیا گیا۔ جہیز میں ایک حاشیہ دار چادر' ایک مشکیزہ اور ایک چمڑے کا تکیہ تھا جس میں اذخر بھری ہوئی تھی ساتھ ہی دو مٹی کے گھڑے اور دو چکیاں بھی بتائی گئی ہیں۔

رخصتی سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو مشورہ دیا تھا کہ رہنے کے لئے ایک گھر کا انتظام کرلیں۔ (ابھی تک وہ آپؐ کے ساتھ ہی مقیم تھے) انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور وہیں ولیمے کا اہتمام کیا۔ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہ نے مل کر دلہن کو سنوارا۔

ضیافت کے بعد رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مہمان رخصت ہوگئے۔ کچھ دیر کے بعد آپؐ پھر تشریف لائے۔ دروازے پر دستک دی تو حضرت ام ایمنؓ نے دروازہ کھولا۔ یہ ابھی وہیں کام میں مصروف تھیں۔ آپؐ نے ایک برتن میں کچھ پانی طلب فرمایا۔ تھوڑا سا پانی لے کر اسی برتن میں کلی کی۔ حضرت علیؓ آئے تو انہیں سامنے بٹھا کر وہ پانی ان کے سینے اور بازوؤں پر چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہؓ کو بلایا وہ شرماتی ہوئی اپنے لمبے سے لباس میں الجھتی ہوئی والد محترمؐ کے پاس آئیں۔ آپؐ نے ان پر اسی طرح تھوڑا سا پانی چھڑکا۔ دونوں کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ اور رخصت ہوئے۔ یہ شادی ذوالحجہ ۲ھ میں ہوئی۔ حضرت علیؓ نے جس مکان کا انتظام کیا تھا وہ مسجد نبوی سے کافی فاصلے پر تھا۔ دونوں میاں بیوی چاہتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ کے قریب رہیں۔ حضرت فاطمہ نے آپؐ سے عرض کیا کہ حضرت حارثہ بن نعمانؓ انصاری سے کوئی گھر اپنے قریب دلوادیں۔ وہ کئی مکان رسول اللہ ﷺ کو پہلے ہی نذر کرچکے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے صاحبزادی سے فرمایا "کہاں تک"۔ لیکن یہ خبر حضرت حارثہ تک پہنچ گئی اور انہوں نے ایک مکان خالی کرکے دونوں کے لئے پیش کیا۔ اور عرض کیا "جو مکان آپؐ قبول کرلیں وہ میرے لئے اس سے بہتر ہے جو میرے پاس رہ جائے" حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ اب اسی مکان میں آگئے۔

انہی دنوں حضرت عمرؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے شوہر خنیس بن حذافہ کا انتقال ہوا۔ حضرت عمرؓ نے چاہا کہ ان کی دوسری شادی کردیں۔ حضرت حفصہؓ کی عمر اس وقت صرف ۱۸ سال تھی انہوں نے اس بارے میں حضرت ابوبکرؓ سے ذکر کیا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے معذرت ظاہر کی۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کو یہی پیش کش کی۔ ان کی طرف سے بھی انکار ہوا تو حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کیونکہ یہ انہیں بڑا شاق گذرا تھا۔ آپؐ نے فرمایا "ہوسکتا

ہے کہ تمہیں (حضرت) عثمانؓ سے بہتر داماد نصیب ہو اور (حضرت) عثمانؓ کو تم سے بہتر خسر"۔
حضرت عمرؓ اس جواب سے خوش ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کو اپنی زوجیت میں قبول فرمایا۔ مہر چار سو درھم تھا۔ بعد میں حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ ان کی معذرت طلبی کا یہی سبب تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اس عندیے سے واقف تھے جسے ظاہر کرنا مناسب نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کو اطمینان ہوا۔ اب انہیں بھی وہی شرف حاصل ہوگیا جو حضرت ابوبکر کو حضرت عائشہؓ کی شادی کے بعد سے حاصل تھا۔

یہ شادی شعبان ۳ھ میں ہوئی۔ اگلے ماہ رمضان المبارک میں حضرت فاطمہؓ کی گود ہری ہوئی۔ یہ رسول اللہ ﷺ اور تمام مسلمانوں کے لئے بڑی مسرت کا موقع تھا۔ آپؐ نے اس فرزند ارجمند کے کانوں میں اذان دی اور حسن (یعنی خوبصورت) نام رکھا۔

اپنی زوجہ حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد حضرت عثمانؓ تنہا رہ گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ بھی اب جوان تھیں۔ آپؐ نے ان کی شادی حضرت عثمانؓ سے کردی اس طرح حضرت عثمانؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی دو صاحبزادیاں بیاہی گئیں اور اسی لئے "ذوالنورین" کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ 'البدایہ والنہایہ' کے مطابق یہ نکاح ربیع الاول ۳ھ میں ہوا اور رخصتی دو ڈھائی ماہ بعد جمادی الثانی میں (۴)۔

صرف حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ عثمانؓ وحیدرؓ ہی وہ چار اصحاب تھے جو ازدواجی رشتوں سے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ منسلک ہوئے۔ یہ محض اتفاق نہ تھا کہ یہی چار حضرات آپؐ کے خلفائے راشدین کے القاب سے مشرف ہوسکے۔

☆ ☆

(۱) یہ ابن سعد کی روایت ہے۔ شبلی نعمانی کو اس سے اتفاق نہیں کیونکہ حافظ ابن حجر نے 'اصابہ' میں ابن سعد کی دوسری روایت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کیا۔ (شبلی نعمانی 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۲۱۴)

(۲) محمد ادریس کاندھلوی' سیرۃ المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۶۰۸

(۳) ایضاً صفحہ ۶۰۹

(۴) ابن کثیرؒ 'سیرۃ النبی' جلد دوم صفحہ ۱۸

(۸۱) جنگ احد۔ قریش کا لشکر

بدر اور سریہ زید بن حارثہؓ کے زخم خوردہ مکہ کے مشرکین ایک سال سے انتقام کی آگ میں جھلس رہے تھے۔ انہوں نے ٹھان لیا کہ مدینہ پر ایک ناقابل شکست لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوں۔ اس کے لئے بڑے پیمانے پر تیاری کی گئی۔ بدر کے موقع پر قریش کا جو بڑا تجارتی قافلہ بچ نکلا تھا جس کے ساتھ ایک ہزار اونٹ اور تقریباً پچاس ہزار دینار کا سامان تھا۔ اس کا تمام منافع جنگ کی تیاری پر صرف کیا گیا۔ یہ عبداللہ بن ابی ربیعہ' عکرمہ بن ابو جہل اور صفوان بن امیہ اور چند دوسرے سرداروں کی تجویز تھی جن کے اعزا بدر میں مارے گئے تھے۔ ابوسفیان نے اسے قبول کیا۔ اور تجارتی مال کے دوسرے حصہ دار خوشی راضی ہوگئے۔ تمام سامان قافلے کی واپسی سے اب تک دارالندوہ میں محفوظ تھا صرف راس المال حصہ داروں کو واپس ہوا۔ قریش کی اس مالی قربانی کی طرف قرآن مجید میں یہ اشارہ ہے:

> "جو لوگ کافر ہیں اپنا مال خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو خدا کے رستے سے روکیں۔ سو ابھی اور خرچ کریں گے مگر آخر وہ (خرچ کرنا) ان کے لئے (موجب) افسوس ہوگا۔ اور وہ مغلوب ہوجائینگے۔ اور کافر لوگ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے"۔ (الانفال ٣٦)

صفوان بن امیہ جو اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینے کے لئے بیتاب تھا۔ اور اس سے قبل عمیر بن وھب کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی ناپاک کوشش میں ناکام رہ چکا تھا اب مکہ کے مشہور شاعر ابوعزہ کے پاس گیا کہ وہ اپنی شعلہ بیانی سے قبائل کو اسلام کے خلاف بھڑکائے۔ یہ وہی ابوعزہ تھا جو بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوا تھا اور جسے رسول اکرم ﷺ نے اس کی مفلسی کی بنا پر بغیر فدیئے کے اس شرط پر رہائی بخشی تھی کہ مسلمانوں کے خلاف شعر

گوئی سے باز رہے گا۔ اس نے شروع میں صفوان سے معذرت چاہی مگر صفوان نے ایسا لالچ دیا کہ عہد شکنی کر کے اس خدمت کے لئے تیار ہوگیا۔ ابن کثیر نے اس کے دو شعر نقل کئے ہیں جن کا مفہوم ہے۔

"اے ثابت قدم رہنے والے' عبدمناۃ کی اولاد! تم لوگوں کے حامی وناصر ہو اور تمہارا والد حام ہے اس سال کے بعد تمہاری مدد سے محروم نہ رہوں۔ مجھے بے سہارا نہ چھوڑو اسلام نہ آجائے" (۱)۔

اسی طرح مسافع بن عبدمناف نے اپنے اشتعال انگیز کلام سے بنی مالک بن کنانہ کو مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہونے کے لئے بھڑکایا۔

ایک اور شخص ابو عامر راہب (۲) جو رسول اللہ ﷺ سے مخالفت کی بنا پر مدینہ چھوڑ کر اپنے مریدوں کے ساتھ مکہ آگیا تھا۔ ایسے ہی موقع کا منتظر تھا۔ اپنے دس مریدوں اور پچاس غلاموں کے ساتھ قریشی لشکر میں شامل ہوگیا۔ اسے یقین تھا کہ مدینہ میں اپنے اہل قبیلہ کو جن میں پہلے وہ بہت مقبول تھا مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

جبیر بن مطعم بن عدی کا چچا طعیمہ بن عدی بدر میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اس نے اپنے ایک ہوشیار وحشی (۳) نامی غلام کو خاص طور سے لشکر میں شامل کیا۔ یہ حبشی طرز سے حربہ پھینکنے میں ماہر تھا۔ اس سے وعدہ کیا کہ اگر حضرت حمزہؓ کو قتل کرنے میں کامیاب ہوا تو اسے آزاد کردیا جائے گا۔ ابوسفیان کی زوجہ ہند کا باپ عتبہ اور چچا شیبہ بھی بدر میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ اس نے بھی وحشی سے بڑے انعام واکرام کا وعدہ کیا۔ اس نے پہلے ہی حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبانے کی قسم کھا رکھی تھی۔

اس طرح قریش تین ہزار افراد کا ایک بڑا لشکر تیار کرنے میں کامیاب ہوگئے جس میں سات سو زرہ پوش تھے۔ اس لشکر میں دو سو سپاہی طائف کے بھی تھے۔ اس کے علاوہ قریش کے حلیف بنی کنانہ بنی تمامہ اور کچھ احابیش شامل تھے۔ کرائے کے سپاہی بھی تھے جن سے اجرت کے علاوہ غنیمت کا وعدہ بھی تھا (۴)۔ تین ہزار اونٹوں کے ساتھ دو سو شہسواروں کا رسالہ بھی تھا۔ گھوڑوں کو تازہ دم رکھنے کے لئے یہ طے ہوا کہ دوران سفر ان پر سواری نہ کی جائے۔ لشکر کا سپہ سالار ابوسفیان تھا۔ رسالے کی کمان خالد بن ولید کے پاس تھی علم برداری کے لئے حسب دستور

نبی عبدالدار کے اشخاص کو چنا گیا۔

لشکر کی حوصلہ افزائی کے لئے پندرہ خواتین بھی ہمراہ تھیں تاکہ اپنی دلیرانہ نغمہ خوانی سے سپاہیوں کو جوش دلاسکیں۔ ان خواتین میں ابوسفیان کی زوجہ ہند بنت عتبہ' عکرمہ بن ابو جہل کی زوجہ ام حکیم بنت حارث' عمرو بن العاص کی زوجہ ریطہ' حارث بن ہشام کی زوجہ فاطمہ بنت ولید (حضرت خالد بن ولید کی ہمشیرہ) صفوان بن امیہ کی بیوی برزہ بنت مسعود اور طلحہ بن ابی طلحہ کی بیوی سلافہ بنت سعد شامل تھیں۔ ان کے علاوہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی والدہ جناس بنت مالک اپنے دوسرے مشرک بیٹے ابی عزیز کے ساتھ تھی۔ ہند ان سب کی سربراہ تھی۔

اس طرح یہ لشکر بڑے کروفر کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا۔ بحر احمر کے ساتھ ساتھ عام ساحلی راستہ اختیار کیا۔ دس دن کی مسافت طے کر کے العقیق کی وادی میں (مدینہ سے آٹھ نو کلو میٹر مغرب کی سمت) ذوالحلیفہ پہنچا شوال ۳ھ کی پانچ تاریخ تھی اور جمعرات کا دن اسی روز بائیں جانب تھوڑا سا چکر کاٹ کر احد کے دامن میں خیمہ زن ہوا۔

یہاں لشکر کے اونٹوں اور گھوڑوں نے آس پاس کے کھیتوں اور چراگاہوں کا صفایا کرنا شروع کردیا۔ کچھ درختوں کا برباد کرنا بھی مذکور ہے۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو برانگیختہ کیا جائے کہ باہر میدان میں آکر مقابلہ کریں تاکہ قریشیوں کو اپنی عددی برتری کا پورا فائدہ حاصل ہوسکے۔ (اگر مسلمان مدینہ میں محصور ہو کر دفاعی جنگ کرتے تو قریش اس فائدے سے بڑی حد تک محروم رہتے) مشرکین کو یہ امید بھی تھی کہ اس طرح ان کے انتظار کے دوران منافقین اور یہودی مسلمانوں میں انتشار پیدا کر کے ان کی مدد کرسکیں۔

☆ ☆

(۱) ابن کثیر 'سیرۃ النبی' جلد دوم صفحہ ۲۵

(۲) مسلمانوں میں یہ ابوعامر فاسق کے نام سے مشہور تھا

(۳) وحشی بن حرب کی کنیت ابو دسمہ تھی۔ فتح مکہ کے بعد اسلام نصیب ہوا۔ نسلاً اہل حبشہ سے تھے۔

(۴) محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۲۶۷

(۸۲) احد۔مدینہ میں مجلس شوریٰ

مدینہ میں اسلام کی دوسری عید کو چند ہی دن گزرے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ایک روز مسجد قبا میں نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تھے کہ ایک قاصد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ایک خط آپؐ کو پیش کیا قاصد مکہ سے آیا تھا۔ پیغام چونکہ بہت اہم تھا اس لئے اس نے وہ راستہ جس میں عموماً ایک ہفتہ لگتا صرف تین دن میں طے کیا تھا۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے خط رسول اللہ ﷺ کو پڑھ کر سنایا۔ یہ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ کی تحریر تھی جس میں آپؐ کو مطلع کیا تھا کہ مکہ سے تین ہزار افراد کا لشکر روانگی کے لئے بالکل تیار ہے۔ اور عنقریب مدینہ پر حملہ آور ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابی بن کعبؓ سے فرمایا کہ ابھی اس خبر کو عام نہ کریں (۱) اور خود مدینہ جاکر صحابہ سے مشورہ لینا چاہا۔

قریش کے مذموم ارادے کی افواہیں پہلے ہی مدینہ میں پہنچنا شروع ہوگئی تھیں اب پوری طرح تحقیق ہوگئی۔ مضافات کے کاشتکار وغیرہ اپنی حفاظت کی غرض سے شہر میں آگئے اپنے کھیتوں کی غارتگری سے ملول ضرور تھے لیکن خدا کی راہ میں انہیں سب کچھ گوارا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے جاسوس انسؓ اور مونسؓ (فرزندان فضالہ) قریشی لشکر کی حرکات وسکنات پر نظر رکھنے کے لئے روانہ فرمائے۔ انہوں نے ضروری معلومات فراہم کیں۔ قریشی لشکر قریب آپہنچا تھا۔ پھر آپؐ نے حضرت حباب بن منذرؓ کو مشرکین کی تعداد کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا انہوں نے آکر پوری کیفیت سے آپؐ کو آگاہ کیا اور لشکر کی تعداد کا صحیح اندازہ بتایا۔ مدینہ میں ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے لئے ضروری انتظامات کئے گئے۔ ایک دستہ حضور ﷺ کی حفاظت اور رات کو مسجد نبوی پر پہرہ دینے کے لئے مقرر ہوگیا۔ راستوں پر رات کو گشت کرنے کا انتظام کیا گیا کہ قریش شبخون مارنے کی کوشش نہ کریں۔

دوسرے دن جمعہ کو رسول اللہ ﷺ نے مجلس شوری منعقد کی۔ اصحاب کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ اور اپنا ایک خواب بھی سنایا اور فرمایا کہ خدا اس کی تعبیر بہتر کرے۔ خواب میں آپؐ

نے دیکھا کہ اک گائے ذبح کی جارہی ہے۔ آپؐ نے یہ بھی دیکھا کہ آپؐ کی تلوار (ذوالفقار) کی دھار ٹوٹ گئی ہے اور اس میں دندانے پڑگئے ہیں۔ اور آپؐ نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط زرہ میں داخل کرلیا ہے۔ اس کی تعبیر آپؐ نے اس طرح کی کہ گائے کے ذبح سے مراد مسلمانوں کا شہید ہونا ہے' تلوار میں دندانے پڑنے کا مطلب تھا کہ آپؐ کا کوئی قریبی عزیز شہید ہوگا۔ اور زرہ کی تعبیر مدینہ کا شہر تھا جو محفوظ رہے گا (۲)۔

جنگ کی حکمت عملی کے متعلق آپؐ نے مشورہ دیا کہ شہر کے اندر ہی رہ کر دفاع کیا جائے۔ دشمن اگر اپنے پڑاؤ ہی پر مقیم رہا تو تنگ آجائے گا اور اگر شہر پر حملہ کرنے کی جرأت کی تو مضبوط دفاع کے سامنے شکست کھائے گا۔ مسلمان مرد گلی کوچوں میں مشرکین کا مقابلہ کریں گے اور خواتین چھتوں اور محفوظ مقامات سے ان پر سنگ باری کریں گی۔ بعض صحابہ نے اس رائے کی موافقت کی۔ عبداللہ بن ابی کی بھی یہی رائے تھی۔ اس نے کہا "ہمارا تجربہ ہے کہ جب ہم شہر سے باہر جاکر لڑے تو کامیاب نہ ہوئے اور جب شہر کے اندر ہی رہ کر مقابلہ کیا تو ہماری فتح ہوئی"۔ اس رائے سے غالباً اس کا مقصد یہ تھا کہ جنگ میں شرکت کے امتحان وابتلا سے بچ جائے۔ ورنہ جیسا کہ آگے ظاہر ہوگا اسے مسلمانوں کی بہتری سے کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ ان کی تباہی کا متمنی تھا۔

لیکن اکثر صحابہ کے دل شوق شہادت سے معمور تھے۔ خصوصاً وہ اصحاب جو بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے جہاد کے لئے بیتاب تھے۔ صحابہ کی اکثریت شہر کے باہر جاکر مقابلہ کرنا چاہتی تھی کہ شہر کے اندر ہی رہنا کہیں بزدلی نہ سمجھا جائے جو مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔ حضرت حمزہؓ بھی انہی میں شریک تھے اور مصر تھے کہ باہر جاکر ہی دشمن سے نمٹا جائے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ کا بھی یہی خیال تھا۔ حضرت نعمان بن مالکؓ نے بڑی لجاجت سے التجا کی کہ وہ مدت سے ایسے موقع کے منتظر تھے۔ اور انہیں شہادت کی نعمت اور جنت سے محروم نہ رکھا جائے۔ جن لوگوں کے باغات اور کھیت غارت ہورہے تھے ان کی بھی یہی خواہش تھی کہ باہر جاکر جلد ہی دشمن کا خاتمہ کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے اکثریت کی رائے کا احترام کیا۔ اور نماز جمعہ کے بعد خطبے میں جہاد کی ترغیب دی اور جہاد میں صبرواستقامت پر زور دیا۔ پھر فرمایا کہ بے شک باہر ہی چل کر جنگ۔

کرنے کے لئے تیار ہوجائیں۔ اسی دن مالک بن عمرو نجاریؓ نے وفات پائی تھی۔ آپؐ نے ان کی نماز جنازہ بھی پڑھائی۔

عصر کے وقت تک مسلمان تیار ہو کر جمع ہوگئے۔ نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ گھر میں تیاری کے لئے تشریف لے گئے۔ اس دوران چند بزرگ صحابہ اس خیال سے پشیمان ہوئے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو آپؐ کی مرضی کے خلاف فیصلہ کرنے پر ناحق مجبور کیا۔ جو مناسب نہ تھا۔ حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت اسید بن حضیرؓ نے لوگوں کو سمجھایا کہ فیصلہ رسول اللہ ﷺ کی مرضی ہی پر چھوڑ دیں۔ اتنے میں آپؐ ہتیار لگا کر باہر تشریف لائے تو ان حضرات نے اپنی ندامت ظاہر کی اور عرض کیا "یارسول اللہ (ﷺ) اگر آپؐ چاہیں تو بے شک شہر کے اندر ہی قیام فرمائیں"۔ اس پر آپؐ نے فرمایا "کسی نبی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ایک بار ہتیار لگا کر انہیں اتار پھینکے جب تک کہ اللہ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ فرمادے بس ثابت قدم رہو اللہ ظفرمند فرمائے گا۔

مدینہ میں آپؐ نے حضرت ابن ام مکتومؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ تین علم تیار کئے گئے تھے۔ مہاجرین کا علم حضرت مصعب بن عمیرؓ کو دیا گیا (۳)۔ اوس کا علم حضرت اسید بن حضیرؓ کو ملا اور خزرج کا حضرت حباب بن منذرؓ کو۔ پھر ایک ہزار افراد کے لشکر کے ساتھ احد کی طرف کوچ کیا۔ آپؐ خود گھوڑے پر سوار تھے۔ آس پاس حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ پا پیادہ آگے آگے چل رہے تھے۔ لشکر میں صرف ایک اور گھوڑا حضرت ابوبردہؓ کے پاس تھا (۴)۔

☆☆

(۱) یہ خبر بہر حال لوگوں میں جلد پہنچ گئی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب اس کا ذکر حضرت سعد بن معاذؓ سے کیا تو ان کی زوجہ نے سن لیا۔ وہ اسے راز نہ رکھ سکیں۔ خبر اڑتے اڑتے یہودیوں تک پہنچی اور ان کے لئے باعث مسرت ہوئی (سرولیم میور 'دی لائف آف محمدؐ' The Life of Mohammad صفحہ ۲۵۲)

(۲) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۸۲ اس خواب کے متعلق تھوڑے تھوڑے معمولی اختلافات کے ساتھ کئی روایتیں ہیں۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے خواب میں ذوالفقار کو مع نیام کے کٹا

ہوا دیکھا (حضرت عروہ بن زبیرؓ 'المغازی' صفحہ ۱۷۶)

(۳) اس علم کی بابت کہا گیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی اوڑھنی سے بنا تھا۔ یہی علم بدر کے دن بھی حضرت مصعبؓ کے ہاتھ میں تھا۔

(۴) ابن قیم نے مسلمانوں کے لشکر میں پچاس گھوڑوں کے ایک دستے کا ذکر کیا ہے۔ جو غالباً صحیح نہیں ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کہتے ہیں کہ صرف دو گھوڑے تھے۔ ایک پر حضرت ابوبردہؓ سوار تھے اور دوسرے پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو جبل الرماۃ کے قریب تیر اندازوں کے ساتھ مامور فرمایا تھا کہ اگر دشمن کا رسالہ حملہ کرے تو مقابلہ کریں (محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۲۶۸)
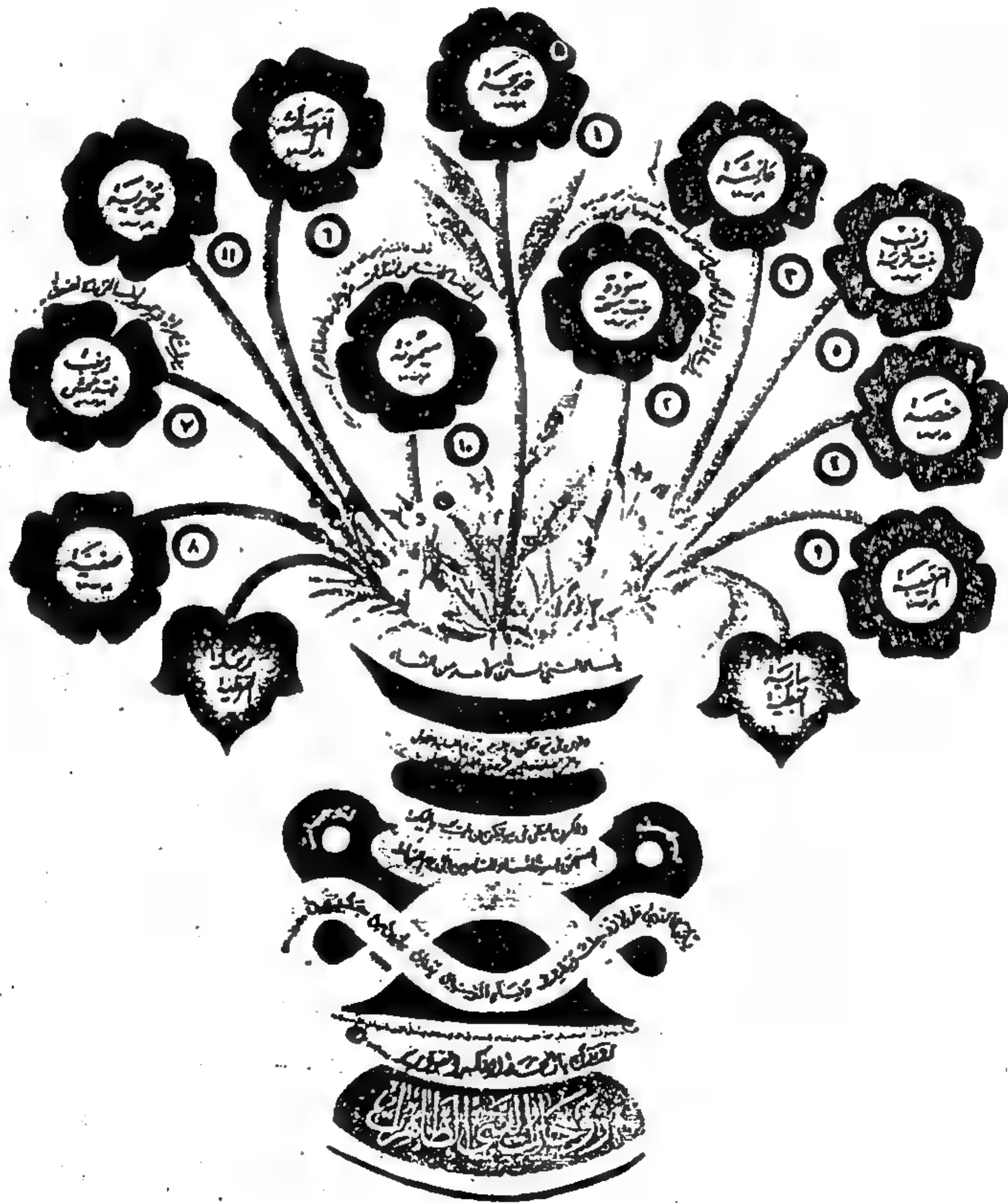
(۸۳) احد کے راستے میں

اس ایک ہزار کے لشکر میں ایک شخص کی کمی تھی۔ یہ حضرت حنظلہ بن ابو عامرؓ تھے۔ ہوا یہ تھا کہ چند روز قبل ان کی شادی عبداللہ بن ابی (منافق) کی دختر جمیلہؓ سے اسی تاریخ کے لئے طے ہو چکی تھی۔ قریش کے حملے کی اطلاع ملی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ آیا شادی چند دن کے لئے ملتوی کر دیں کیونکہ جہاد میں شرکت سے محرومی کسی حال میں گوارا نہ تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ جنگ دوسرے دن سے پہلے نہ ہوگی اور وہ شادی کی شب کے بعد صبح کو چل کر اسلامی لشکر سے راستے میں آسانی سے مل سکیں گے۔ لہذا شادی ملتوی کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ انہوں نے شب زفاف مدینہ میں گزاری صبح لشکر تک پہنچنے کی جلدی تھی۔ دلہن کو الوداع کہا۔ غسل نہ کر سکے اور اسلامی لشکر میں شامل ہونے کے لئے تیزی سے چل دیئے۔ لشکر گذشتہ شام ہی روانہ ہو چکا تھا۔

دو خواتین بھی ایسی تھیں جو لشکر کی روانگی کے بعد صبح کو لشکر میں شریک ہونے کے لئے روانہ ہوئیں۔ ایک حضرت نسیبہ بنت کعبؓ تھیں جن کے شوہر اور دو بیٹے لشکر میں شامل تھے۔ انہوں نے مجاہدین کے لئے پانی سے بھرا ایک مشکیزہ لیا اور ساتھ ہی ایک تلوار اور کمان مع ترکش۔ یہ ان دو معزز خواتین میں سے تھیں جنہیں عقبہ ثانیہ میں بیعت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ ان کا سینہ جوش اسلامی سے معمور تھا۔ دوسری خاتون حضرت انس بن مالکؓ کی والدہ ام سلیم تھیں۔ جن کے شوق جہاد نے انہیں آئندہ بھی کئی جنگ کے میدانوں سے آشنا کیا۔

اسلامی لشکر مدینہ کے قریب ہی ثنیۃ الوداع سے کچھ آگے نکل کر ایک ٹیلے پر پہنچا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے چند ہتیار بند لوگوں کو کھجور کے باغات میں دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ عبداللہ بن ابی کے حلیف یہودی ہیں جو مسلمانوں کی مدد کو تیار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ "ہمیں کافروں کے خلاف کافروں کی مدد درکار نہیں"۔ اور انہیں واپس کر دیا (۱)۔ یہاں سے چل کر آپؐ شیخین پر ٹھہرے جو مدینہ اور احد کے درمیان دو قلعوں کا مقام ہے۔ یہاں آپؐ نے لشکر کا

معائنہ فرمایا تو چند نو عمر لڑکے نظر آئے۔ انہیں واپس کیا۔ ان میں اسامہ بن زیدؓ عبداللہ بن عمرؓ زید بن ثابتؓ نجاری، عمرو بن حزم نجاریؓ اسید بن ظہیرؓ حارثی اور براء بن عازبؓ شامل تھے۔ رافع بن خدیجؓ گو کم عمر تھے مگر نہایت اچھے تیر انداز تھے اس لئے صحابہ کی سفارش سے لشکر میں شامل کرلئے گئے (معائنے کے وقت یہ اپنے پنجوں پر کھڑے ہوگئے تھے کہ دراز قد معلوم ہوں) ان کے ایک ساتھی سمرہ بن جندبؓ کو بھی اس لئے شامل کرلیا کہ وہ کشتی میں خود کو ان سے زیادہ طاقتور ثابت کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ دونوں حضرات کی عمر پندرہ سال تھی۔ شب کو لشکر نے شیخین ہی میں قیام کیا۔ یہاں پچاس حضرات رات کو پہرہ دینے کے لئے حضرت محمد بن مسلمہؓ (جنہوں نے کعب بن اشرف کو واصل جہنم کیا تھا) کی سرکردگی میں جاگتے رہے۔ دوسری جانب یہی خدمت قریش کے عکرمہ بن ابوجہل اپنے رسالے کے ساتھ انجام دے رہے تھے۔ ان کے گھوڑوں کی ہنہناہٹ مسلمان سن رہے تھے لیکن ایک پہاڑی سلسلہ دونوں فوجوں کے درمیان تھا۔

طلوع فجر سے قبل ہی رسول اللہ ﷺ آگے روانگی کے لئے تیار ہوگئے۔ مقام شوط پر پہنچے تو حضرت بلالؓ نے فجر کی اذان دی۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی۔

نماز کے بعد عبداللہ بن ابی بن سلول نے اپنی منافقت کا ثبوت دیا۔ اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس مدینہ کو چل دیا۔ عذر یہ پیش کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس جیسے تجربہ کار کا مشورہ قبول نہ کیا اور نوجوانوں کے کہنے میں آگئے۔ مفت جانیں گنوانے سے کیا حاصل۔ اس کی اس حرکت سے چند مسلمانوں میں بددلی پھیل گئی۔ غالباً اس نے یہ حرکت اسی غرض سے کی تھی کہ مسلمانوں میں انتشار ہو اور مشرکین کی ہمت افزائی۔ خزرج کے بنی سلمہ اور اوس کے بنی حارثہ اس کی دیکھا دیکھی ہمت ہار بیٹھے اور واپس ہونا چاہا۔ لیکن اللہ نے ہدایت دی اور کچھ سوچ کر اس ارادے سے باز آئے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر ہے:

> "اور اس وقت کو یاد کرو جب تم صبح کو اپنے گھر سے روانہ ہو کر ایمان والوں کو لڑائی کے لئے مورچوں پر متعین کرنے لگے اور خدا سب کچھ سنتا (اور) جانتا ہے۔ اس وقت تم میں سے دو جماعتوں نے جی چھوڑ دینا چاہا۔ مگر خدا ان کا مدد گار تھا (۲)۔ اور مومنوں کو خدا ہی پر بھروسہ کرنا

چاہئے۔ (آل عمران ۱۲۱' ۱۲۲)

حضرت عبداللہ بن حرامؓ نے ابن ابی کو روکنا چاہا۔ کچھ دور اس کے ساتھ گئے اور ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی کہ اپنے ناپاک ارادے سے باز آجائے لیکن منافقین کو نہ ماننا تھا نہ مانے۔ ان کا عجیب جواب تھا کہ "اگر ہم جانتے کہ آج جنگ ہوگی تو واپس نہ ہوتے"۔ اس پر حضرت عبداللہ بن حرامؓ نے کہا "اے اللہ کے دشمنو تم پر اللہ کی مار ہو۔ اللہ اپنے نبیؐ کو تم سے بے نیاز کرے گا"۔ اور یہ کہتے ہوئے اپنے مسلمانوں کے لشکر میں واپس آگئے۔ مفسرین نے ان ہی منافقوں کو قرآن مجید کی ان آیات کا مصداق بتایا ہے:

".....اور جب ان سے کہا گیا کہ آؤ خدا کے رستے میں جنگ کرو (یا کافروں کے) حملوں کو روکو تو کہنے لگے کہ اگر ہم کو لڑائی کی خبر ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ رہتے۔ یہ اس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہیں۔ اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں خدا اس سے خوب واقف ہے"۔ (آل عمران ۱٦۷)

اب اسلامی لشکر میں صرف سات سو مجاہد رہ گئے جن کا مقابلہ چارگنی طاقت یعنی تین ہزار کے پوری طرح مسلح لشکر سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ دشمن کے پھیلے ہوئے لشکر سے بچ کر احد کی گھاٹی میں پہنچ جائیں کہ احد کا پہاڑ پشت کی طرف ہو۔ حضرت ابو خیثمہ علاقے سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے رہنمائی کے لئے اپنی خدمات پیش کیں اور ایک مختصر راستے سے لشکر کو کھیتوں میں سے گزارتے ہوئے لے چلے۔

راستے میں ایک نابینا منافق مربع بن قیظی کے باغ سے گذرنا پڑا۔ اس نے اعتراض کیا۔ مسلمانوں پر دھول اڑانے لگا اور ایک برتن میں خاک بھر کر بولا۔ "اگر میں جانتا کہ یہ خاک محمد (ﷺ) کے سوا کسی اور پر نہ پڑیگی تو انؐ پر ڈالتا"۔ صحابہ نے اسے قتل کرنا چاہا لیکن رحمتہ للعالمین

ﷺ نے انہیں روک دیا اور فرمایا۔ "جیسے یہ آنکھوں کا اندھا ہے ویسے ہی دل کا اندھا ہے"۔ لیکن آپؐ کے منع کرنے سے پہلے سعد بن زید اشہلیؓ اپنی کمان سے اس کے سر پر ایک ضرب لگا چکے تھے۔

یہاں سے گزر کر مسلمان وادی کے آخری کنارے پر احد کی گھاٹی میں ٹھہرے۔ پشت کی جانب احد کا پہاڑ تھا جدھر سے دشمن کے لئے حملہ کرنا مشکل تھا۔ لیکن ادھر ایک درہ ایسا تھا جدھر سے دشمن کا رسالہ عقب سے آکر حملہ آور ہوسکے۔ اس جگہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کے ماتحت پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین کیا اور یہ ہدایت فرمائی کہ اس جگہ سے تیر اندازی کرتے رہیں اور دشمن کو عقب سے نہ آنے دیں۔ صحیح بخاری میں آپؐ کے یہ الفاظ ہیں۔ "تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ اس وقت بھی جب تم دیکھ لو کہ ہم ان پر غالب آگئے ہیں پھر بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور اس وقت بھی جب تم دیکھ لو کہ وہ ہم پر غالب آگئے ہیں تم لوگ ہماری مدد کے لئے نہ آنا"(۳)۔

جس طرح بدر میں آپؐ نے اپنے لشکر کے لئے نہایت مناسب مقام چن کر اپنی اعلی عسکری صلاحیتوں کا ثبوت دیا تھا۔ اسی طرح اس موقع پر بھی آپؐ نے نہایت موزوں جگہ چنی۔ حالانکہ دشمن آپؐ سے پہلے اس علاقے میں پہنچ چکا تھا۔ آپؐ کی جگہ ایسی تھی کہ دشمن ہارے تو اسکا تعاقب آسانی سے کیا جاسکے اور خدانخواستہ مسلمانوں کو شکست کا سامنا ہو تو پسپا ہو کر بھی محفوظ مقاموں میں پہنچ سکیں۔ عقب میں جیسا کہ بیان ہوا احد کی فصیل تھی۔ صرف ایک رخنہ تھا جس کی حفاظت کا انتظام تیر اندازوں کے دستے سے بخوبی کرلیا گیا۔ حضرت زبیرؓ کو بھی جو میسرہ کی قیادت پر مامور تھے یہ ہدایت تھی کہ دشمن کے شہسوار رسالے بڑھنے نہ پائیں۔ میمنہ کی قیادت حضرت منذر بن عمروؓ کے سپرد تھی۔

حسب سابق رسول اللہ ﷺ کی ہدایت تھی کہ جنگ میں پہل نہ کی جائے جب تک کہ آپؐ کا حکم نہ ہو۔ آپؐ کی اس ہدایت پر ایک انصاری جو قریش کے جانوروں کو اپنے کھیتوں پر چرتے ہوئے دیکھ رہے تھے افسوس کا اظہار کرنے لگے کہ "یہ بنی قیلہ کی کھیتی پر جانور چرارہے ہیں اور ہم نے اب تک مدافعت نہ کی"(۴)۔

مسلمانوں کا لشکر صف آرا ہوچکا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی تلوار نکالی اور فرمایا "کون اس

تلوار کو لے گا کہ اس کا حق ادا کر سکے۔" کئی اصحاب اس تکریم کے حصول کے لئے آگے بڑھے جن میں حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ، حضرت زبیرؓ وغیرہ شامل تھے۔ مگر آپؐ نے تلوار بنی ساعدہ کے انصاری حضرت ابو دجانہ بن خرشہؓ ساعدی کو مرحمت فرمائی۔ انہوں نے پوچھا "یا رسول اللہ اس تلوار کا حق کیا ہے۔" آپؐ نے فرمایا "اس تلوار سے دشمن کو اس قدر قتل کرو کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے"۔ ابودجانہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ (ﷺ) میں اس کا حق ادا کرونگا"۔ یہ کہہ کر تلوار حضور ﷺ سے لی اور بڑے فخر کے ساتھ صفوں میں چلنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا "اس تکبر کی چال سے اللہ ناراض ہوتا ہے لیکن جنگ کے ایسے موقع پر کفار کے سامنے اس طرح چلنا جائز ہے (۵)۔

☆☆

(۱) یہ غالباً بنی قینقاع کے یہود تھے جو شہر بدر ہونے سے رہ گئے تھے یا جلاوطنی کے بعد اجازت لے کر واپس مدینہ آگئے تھے (ملاحظہ ہو گذشتہ باب ۷۷)

(۲) گو اس آیت میں بنی سلمہ اور بنی حارثہ پر چشمک کی گئی لیکن ان کے بعض بزرگ بعد میں کہتے تھے کہ "اس آیت کا نازل نہ ہونا ہم کو پسند نہ تھا کیونکہ "واللّٰہ ولیھما" (اللہ ان کا مددگار تھا) کی بشارت عتاب سے بڑھ کر ہے"۔ (شبیر احمد عثمانی 'قرآن الکریم' تفسیر عثمانی صفحہ ۸۵)

(۳) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۳۰ (کتاب المغازی باب غزوۂ احد) ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ "ہم برابر اس وقت تک غالب رہیں گے جب تک تم اپنی جگہ قائم رہو گے (شبیر احمد عثمانی 'قرآن الکریم' تفسیر عثمانی صفحہ ۸۷)

(۴) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۸۴

(۵) ایضاً صفحہ ۸۵

(۸۴) معرکہ احد فتح

دوسری طرف قریش کا لشکر تیار ہورہا تھا۔ سپہ سالار ابوسفیان قلب میں تھا۔ میمنہ خالد بن ولید کے اور میسرہ عکرمہ بن ابوجہل کے زیر کمان تھا۔ (ابھی تک اسلام ان دونوں کی قسمت نہ بنا تھا) حسب دستور علمبرداری بنی عبدالدار کے ایک فرد طلحہ بن ابی طلحہ (عبدالعزیٰ کا پوتا) کے سپرد تھی۔ اس کے ساتھ بنی عبدالدار کے کئی اور افراد بھی شامل تھے کہ علم کے بے حرمتی نہ ہوپائے۔ انہیں غیرت اور جوش دلانے کے لئے ابوسفیان نے بدر کا واقعہ یاد دلایا کہ گذشتہ جنگ میں ان کا علمبردار نضر بن حارث کس طرح اپنے پرچم کا حق ادا نہ کرسکا تھا۔ اور انہیں شکست سے دو چار ہونا پڑا۔ اگر وہ یہ حق ادا کرنے سے قاصر ہیں تو بے شک کوئی دوسرا انتظام اب کیا جاسکتا ہے۔ ان الفاظ سے بنی عبدالدار کے علمبرداروں کی رگ حمیت پھڑک اٹھی۔ جوش میں بولے "وقت پر دیکھ لینا کہ ہم کیا کرتے ہیں" اور وہ واقعی اپنے قول پر قائم رہے۔ قریش خواتین ان اشعار سے ان کی حوصلہ افزائی کررہی تھیں:

"اے عبدالدار کے بیٹو عقب کے محافظوں آگے بڑھو اور اپنی
تیز شمشیروں سے حملہ آور ہو"۔

ابوسفیان انصار مدینہ کے جذبہ ایمان سے واقف نہ تھا۔ اس نے ایک آخری سیاسی حربہ استعمال کیا اور انصار کو اس طرح مخاطب کیا کہ ان سے اس کا کوئی نزاع نہ تھا۔ وہ صرف اپنے ہی اعزا سے نمٹنے آیا تھا۔ انصار درمیان سے ہٹ جائیں تو ان کا کوئی بال بیکا نہ ہوگا۔ لیکن انصاریوں کا منہ توڑ حقارت آمیز جواب سن کر اسے شرمندہ ہونا پڑا۔

جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل آگئے تو قریشی عورتوں نے دف بجا بجا کر اپنے سپاہیوں کو جوش دلانا شروع کیا اور کچھ اس قسم کے نغمے سنانے لگیں۔

"ہم آسمانوں کے تاروں کی بیٹیاں ہیں۔ ہم قالینوں پر چلنے
والیاں ہیں تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گے۔

پیچھے ہٹے تو ہم تم سے الگ ہوجائیں گے"(۱)۔

اس نغمہ سرائی کے دوران ہی سب سے پہلے قریشیوں کی جانب سے ابو عامر بن صیفی راہب (جسے رسول اللہ ﷺ نے فاسق کا لقب دیا تھا) آگے آیا۔ اس کے غلام اور مرید بھی لشکر میں شامل تھے۔ اپنے قبیلہ اوس کے مسلمانوں کو مخاطب کر کے اپنا تعارف کرایا اور کہا "خدا اوس کی آنکھیں ٹھنڈی کرے" اس کے فرزند حضرت حنظلہؓ اب اسلامی لشکر میں پہنچ چکے تھے اپنے باپ کو مخالف جماعت کے ساتھ دیکھ کر اس کی حالت پر افسوس کررہے تھے۔ اوس کے مسلمان اصحاب نے جن پر اسے بڑا اعتماد تھا اس کا تعارفی اعلان سنتے ہی "فاسق فاسق" کے نعروں سے اس کا خیر مقدم کیا اور یہ جواب دیا کہ "خدا تجھ سے کسی کی آنکھ ٹھنڈی نہ کرے"۔ پھر اس پر پتھر برسانا شروع کیے۔ یہ سنکر یہ فاسق بہت مایوس ہوا اور بولا کہ "میرے پیچھے میری قوم بگڑ گئی اور میرے کہنے سے باہر ہوگئی"۔ قریشی علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ نے حقارت سے اس کی جماعت سے کہا "غلاموں جاؤ اور پیچھے جاکر خیمہ گاہ کی حفاظت کرو۔ تم اسی لائق ہو"۔

پھر طلحہ خود آگے آیا اور ان طنز آمیز الفاظ کے ساتھ مبارزت کا طالب ہوا۔ "کیوں مسلمانو! تم میں کوئی ہے کہ مجھ کو جلد دوزخ میں پہنچا دے یا خود میرے ہاتھوں بہشت میں پہنچ جائے" (۲)۔ حضرت علیؓ مقابلے کے لئے بڑھے۔ طلحہ نے ان پر وار کیا جو خالی گیا۔ پھر شیر خداؑ نے ایک ہی وار میں اس کے دو ٹکڑے کردیئے (۳)۔ بنی عبدالدار کے ایک دوسرے شخص نے علم سنبھالا لیکن جلد کیفر کردار کو پہنچا۔ یکے بعد دیگرے قریش کے کئی علمبردار قتل ہوئے۔ سب کا تعلق بنی عبدالدار سے تھا۔ جب طلحہ کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے علم لیا تو یہ شعر پڑھتا ہوا آگے بڑھا۔

"علمبرداروں کا فرض ہے کہ نیزہ خون سے رنگ جائے یا ٹوٹ جائے"

جلد ہی حضرت حمزہؓ نے اس کا کام تمام کیا۔ اس طرح ایک ہی گھرانے کے چھ افراد مارے گئے۔ بنی عبدالدار کے چار اور افراد بھی قریشی جھنڈے کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہوئے۔ آخر میں ایک حبشی غلام صواب نے علم پکڑا۔ دونوں ہاتھ کٹ گئے تو ٹانگوں سے سنبھالنے کی کوشش کی۔ آخر قتل ہوا تو مرتے وقت بولا "اے اللہ میں نے اپنی کوشش میں کسر نہ چھوڑی"۔ یہ قریشیوں کا آخری علمبردار تھا۔ قریشی علمبرداروں کا خاتمہ کرنے والوں میں حضرت علیؓ حضرت حمزہؓ

حضرت سعد بن وقاصؓ حضرت زبیر بن عوامؓ طلحہ بن عبیداللہؓ عاصم بن ثابتؓ اور قزماں کے نام لئے گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ موخر الذکر منافق تھا مگر اپنے قبیلے کی خاطر مسلمانوں کی طرف سے لڑ رہا تھا (۴)

اب عام جنگ شروع ہو چکی تھی۔ ادھر قریشی علمبرداروں کا یہ حال ہو رہا تھا ادھر حضرت ابودجانہؓ رسول اکرم ﷺ کی عطا کردہ تلوار کو مشرکین کے خون سے رنگ کر اسکا حق ادا کر رہے تھے۔ کئی مشرک ان کے ہاتھ سے قتل اور زخمی ہوئے۔ حضرت زبیر بن عوامؓ جو یہی تلوار حاصل کرنے میں ناکام رہے تھے کہتے ہیں کہ انہیں اس بات کا افسوس تھا کہ خود بنی ہاشم میں ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ کی تلوار نہ پاسکے تھے اور منتظر تھے کہ دیکھیں ابودجانہؓ کیا کمال دکھاتے ہیں۔ لیکن جب انہوں نے ان کی شجاعت معرکۂ کارزار میں دیکھی تو قائل ہو گئے کہ رسول اکرم ﷺ کا فیصلہ غلط نہ تھا۔ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے تھے۔ بے شک ابودجانہؓ آپ کی تلوار کا حق ادا کرنے میں پوری طرح کامیاب تھے۔ وہ اپنے سر پر سرخ پٹی باندھے یہ رجز پڑھتے ہوئے بڑھے چلے جارہے تھے:

"میں نے اپنے خلیلؐ سے اس نخلستان میں عہد کیا ہے کہ صفوں کے پیچھے
نہ رہوں گا بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی تلوار چلاؤں گا"۔

انہوں نے دیکھا کہ ایک مشرک اپنے لشکر کو جوش وولولہ دلانے میں پیش پیش ہے تو اس تک پہنچے اور اس پر وار کرنا چاہا۔ لیکن اس کی چیخ سن کر رک گئے۔ یہ ایک عورت کی چیخ تھی۔ انہیں گوارا نہ ہوا کہ رسول پاک ﷺ کی تلوار کو ایک عورت کے خون سے آلودہ کریں۔ یہ عورت ہند بنت عتبہ ابوسفیان کی زوجہ تھی۔

باقی مجاہدین میں خود حضرت زبیرؓ، حضرت علیؓ (۵) اور حضرت حمزہؓ وغیرہ اپنی غیر معمولی شجاعت کی داد دے رہے تھے۔ حضرت حنظلہؓ جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے حجلہ عروسی سے نکل کر میدان جنگ میں پہنچ گئے تھے انہوں نے اپنا ہدف مشرکین کے سپہ سالار ابوسفیان کو مقرر کیا تھا۔ دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے آخر اس تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ اس کے سر پر وار کرنے کے لئے تلوار تو لی ہی تھی کہ ایک مشرک شداد بن اوس کی نظر ان پر پڑی۔ اس نے اپنے سردار کی حفاظت کی خاطر تیزی سے بڑھ کر ان کی بے خبری میں ایسا وار کیا کہ حضرت حنظلہؓ وہیں شہید

ہوگئے (۶)۔ اور ابوسفیان اپنی زوجہ کی طرح بال بال بچ گیا۔

حضرت حمزہؓ برابر داد شجاعت دے رہے تھے کئی کافروں کو کیفر کردار تک پہنچا چکے تھے۔ وحشی جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ان ہی کی قتل کی خاطر جنگ میں شریک ہوا تھا۔ شروع ہی سے ان کی تاک میں تھا۔ ایک پتھر کی آڑ میں بیٹھا ان کی نقل وحرکت غور سے دیکھ رہا تھا۔ ایک بار ان کو اپنی زد میں پاکر اپنا حربہ گھما کر ان کی طرف پھینکا۔ اس کا نشانہ مشکل سے خطا ہوتا تھا۔ اس بار بھی ہدف پر جالگا۔ حضرت حمزہؓ کی ناف پر لگ کر جسم کے پار ہوگیا۔ انہوں نے اس کی طرف بڑھنا چاہا۔ مگر زخم کی تاب نہ لاکر گرپڑے اور جام شہادت نوش کیا۔ وحشی کو ان کی موت کا یقین ہوگیا تو قریب آیا۔ اپنا حربہ ان کے جسم سے کھینچ کر نکال لیا اس کا مقصد پورا ہوچکا تھا۔ لہذا اپنی خیمہ گاہ میں واپس آیا۔ اپنے آقا اور ہند دونوں کو اپنی کامیابی سے مطلع کیا اور وہیں بیٹھ گیا۔

مشرکین کی طرف سے خالد بن ولید بڑی جانفشانی سے لڑرہے تھے انہوں نے سواروں کے ساتھ عقب سے مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا لیکن جبل رماۃ پر متعین مسلم تیر اندازوں نے انہیں بڑھنے نہ دیا۔ ان کے دو تین ایسے حملے ناکام ہوئے۔ مشرکین کا جھنڈا زمین پر گر پڑا تھا۔ وہ ہارچکے تھے۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت حنظلہؓ کی کمی کو حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ حضرت مصعبؓ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ حضرت عبداللہ بن جحشؓ حضرت سعد بن معاذؓ حضرت سعد بن عبادہؓ حضرت سعد بن ربیعؓ حضرت نضر بن انسؓ کی شجاعت اور جوانمردی نے پورا کردیا تھا۔ مسلمان مشرکین کو پسپا کئے جارہے تھے۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھی پیٹھ دکھا کر بھاگنے لگے۔ وہ مشرکین عورتیں جو دف بجا بجا کر لشکر کو جوش دلارہی تھیں بھاگ کھڑی ہوئیں۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ وہ اس طرح اپنے کپڑے پکڑے ہوئے بھاگ رہی تھیں کہ ان کی پنڈلیاں نظر آرہی تھیں (۷)۔

مسلمان فاتح مشرکین کا تعاقب کررہے تھے اور مال غنیمت سمیٹنے میں معروف تھے کہ یکایک حالات بدل جاتے ہیں۔

☆ ☆

(۱) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۱۹

(۲) ایضاً

(۳) ابن اسحاق کی ایک روایت ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے طلحہ بن ابی طلحہ کو قتل کیا (ابن ہشام' 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۹۱) بعض مورخین نے حضرت زبیر بن عوامؓ کو اس کا قاتل بتایا ہے ان کا خیال ہے کہ حضرت علیؓ کا مقابلہ اس کے بیٹے سعد بن طلحہ سے ہوا جب وہ علمبردار تھا۔ اس نے مبارزت طلب کی تو حضرت علیؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

(۴) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۹۳۔ ابن ہشام نے مشرکین کے کل ۲۲ مقتولین کی فہرست دی ہے۔ جس میں ان کے ناموں کے ساتھ ان کے قاتلوں کے بھی نام ہیں اس فہرست میں قریش کے گیارہ مقتول علمبردار شامل ہیں (ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۲۹ تا ۱۳۱)

(۵) ابن ہشام نے اہل علم کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ اس جنگ میں کسی نے یہ ندا دی تھی "لاسیف الا ذوالفقار ولافتا الا علیؓ" (ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۰۸)

(۶) حضرت حنظلہؓ غسیل الملائکہ کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ ان کے شہید ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا "تمہارے بھائی حنظلہؓ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں ان کی بیوی سے دریافت کرنا کہ یہ کس حالت میں تھے"۔ بعد میں صحابہ کے پوچھنے پر ان کی زوجہ حضرت جمیلہؓ نے بتایا کہ وہ کس طرح شوق جہاد میں جلد بغیر غسل کئے ہوئے چل دیئے تھے۔ آپؐ نے سنا تو فرمایا "اسی لئے فرشتے غسل دے رہے تھے"۔ (ابن ہشام' سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۹۲)۔ کہتے ہیں کہ جنگ کے بعد جب ان کی لاش تلاش کرنے پر ملی تو سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ (محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۶۳۹ بحوالہ روض الانف)

(۷) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۳۰ (کتاب المغازی' باب غزوۂ احد)

(۸۵) معرکہ احد شکست

تیر اندازوں کا جو دستہ جبل رماۃ پر متعین تھا مسلمانوں کی فتح دیکھ رہا تھا اس دستے کے اکثر حضرات سمجھے کہ اب فتح مکمل ہوچکی ہے تو مقررہ جگہ پر ٹھہرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ انہیں بھی غنیمت جمع کرنے میں شریک ہوجانا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے رسول اکرم ﷺ کی ہدایت یاد دلائی کہ بغیر آپؐ کے حکم کے کسی بھی حالت میں مورچہ نہیں چھوڑنا ہے۔ لیکن ان کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ آپؐ کے احکام اس وقت تک کے لئے تھے جب تک کہ دشمن مقابلہ کررہا تھا۔ اب جبکہ وہ شکست کھا کر بھاگ رہا تھا وہ احکام نافذ نہیں رہے۔ چنانچہ اکثر تیرانداز حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کے حکم کے خلاف مورچہ چھوڑ کر "غنیمت غنیمت" کی آواز لگاتے ہوئے مال غنیمت کی طرف دوڑ پڑے۔ صرف دس بارہ حضرات حضرت عبداللہؓ کے ساتھ رہ گئے۔ قرآن مجید میں اس کی طرف اشارہ ہے:

"اور خدا نے اپنا وعدہ سچا کردیا (یعنی) اس وقت جبکہ تم کافروں کو اس کے حکم سے قتل کررہے تھے یہاں تک کہ جو تم چاہتے تھے خدا نے تم کو دکھا دیا۔ اس کے بعد تم نے ہمت ہار دی اور حکم (پیغمبرؐ) میں جھگڑا کرنے لگے اور اس کی نافرمانی کی۔ بعض تو تم میں سے دنیا کے خواستگار تھے اور بعض آخرت کے طالب اس وقت خدا نے تم کو ان (کے مقابلے) سے پھیر (کر بھگا) دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے اور اس نے تمہارا قصور معاف کردیا۔ اور خدا مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے"۔

(آل عمران ۱۵۲) (ا)۔

خالد بن ولید کی تیز نگاہوں سے یہ صورت حال چھپی نہ رہ سکی۔ وہ اپنے رسالے کو لے

کر ایک بار پھر عقبی درے سے حملہ آور ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر اور ان کے گنے چنے ساتھی اس حملے کو نہ روک سکے سب کے سب شہید ہوئے۔ اور خالد عقب سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ مسلمان افراتفری کے عالم میں پیچھے مڑے۔ بھاگتے ہوئے مشرکین نے بھی خالد کے شہسواروں کے نعرے سنے اور بدلی ہوئی صورت حال دیکھی تو پھر سے پلٹ کر مسلمان کے مقابل آگئے۔ اب مسلمان مشرکین کی دو ایسی جماعتوں کے درمیان پھنس گئے جن کی تعداد ان سے چار گنی تھی۔

مسلمان ایسے سراسیمہ ہوئے کہ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں۔ افراتفری میں چند مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ حضرت حذیفہؓ کے والد حسیل بن جابرؓ بھی جو یمان کے نام سے مشہور تھے مسلمانوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے (۲)۔ ان کے فرزند نے دور سے دیکھا تو بلند آواز سے پکارتے رہے کہ "خدا کے بندو یہ میرے باپ ہیں" مگر کسی نے ان کی پکار نہ سنی۔ بعد میں رسول اکرم ﷺ نے حضرت حذیفہؓ کو ان کے والد کا خوں بہا ادا کرنا چاہا۔ لیکن حضرت حذیفہؓ نے قبول نہ کیا۔ قتل کرنے والے مسلمان نادم تھے تو حضرت حذیفہؓ نے انہیں دعا دی کہ "اللہ الرحم الراحمین تمہیں معاف فرمائے"۔

چند مسلمان ایسے بھی تھے جنہیں اپنی جان بچانے کی فکر ہوئی۔ اور مدینہ کی طرف بھاگ گئے یا پہاڑیوں میں پناہ تلاش کرنے لگے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ ثابت قدم رہے اور ذرا نہ گھبرائے (۳)۔ آپؐ نے مسلمانوں کو یکجا کرنے کی کوشش کی اور بلند آواز سے مسلمانوں کو پکارا "اللہ کے بندو ادھر"۔ اس منظر کی تصویر قرآن مجید میں ہے:

> "(وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب تم لوگ دور بھاگے جاتے تھے اور کسی کو پیچھے پھر کر نہیں دیکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ تم کو تمہارے پیچھے کھڑے بلا رہے تھے تو خدا نے تم کو غم پر غم پہنچایا تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہی یا جو مصیبت تم پر واقع ہوئی اس سے تم اندوہناک نہ ہو۔ اور خدا تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے"۔
>
> (آل عمران ۱۵۳)

آپؐ کی آواز پر کچھ مسلمان آپؐ کی طرف متوجہ ہوئے۔ لیکن یہ آواز مشرکین نے بھی سنی اور ان کا ایک جتھا آپؐ کو قتل کرنے کی نیت سے آپؐ کی طرف بڑھا۔ اس وقت آپؐ کے ساتھ صرف دو مہاجر اور سات انصار تھے (۴)۔ ان اصحاب نے جس دلیری سے دشمن کا مقابلہ کیا اس کی مثالیں تاریخ عالم میں بڑی کمیاب ہیں۔ انہوں نے آپؐ کی حفاظت میں جان کی بازی لگادی چھ انصاری حضرات یکے بعد دیگرے شہید ہوئے۔ ساتویں حضرت زیاد بن السکنؓ (۵) نہایت جانبازی سے لڑتے رہے۔ آخر زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ اتنے میں دوسرے اصحاب بھی آگئے۔ انہوں نے کفار کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا۔ پھر آپؐ کے کہنے پر یہ اصحاب حضرت زیادؓ کو آپؐ کے قریب لے آئے۔ اور اسی حالت میں کہ ان کا رخسار رسول اللہ ﷺ کے قدموں پر تھا حضرت زیادؓ نے اپنی جان آپؐ پر قربان کردی۔

حضرت علیؓ حضرت ابودجانہؓ اور چند دوسرے صحابہ جو لڑتے ہوئے آگے نکل گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی غرض واپس آپؐ کی طرف پلٹے۔ قریشی علم جو زمین پر پڑا ہوا تھا اب ایک قریشی بہادر عورت عمرہ بنت علقمہ حارثیہ نے بڑھ کر اٹھا لیا (۶)۔ کفار کے لشکر میں "یاھبل یاعزیٰ" کے نعروں کی آواز دوبارہ گونجنے لگی۔ ادھر حضرت مصعب بن عمیرؓ جو مسلمانوں کے علمبردار تھے ایک مشرک عبداللہ بن قمئہ (جس کا تعلق قریش کے ایک حلیف قبیلے سے تھا) کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو حضرت علیؓ سے فرمایا کہ علم اٹھائیں اور علمبرداری کے فرائض ادا کریں۔

قریشوں نے پھر رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کو اپنا ہدف بنانا چاہا۔ چند سواروں نے آپؐ کے قریب پہنچنے کی کوشش کی تو بنی مزینہ کے وہب بن قابوس المزنیؓ نے اس تیزی سے ان پر تیر برسانا شروع کئے کہ گویا کئی تیر انداز ایک ساتھ تیر چلا رہے ہوں۔ سواروں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ دوبارہ حملہ آور ہوئے تو حضرت وہبؓ نے پھر انہیں ہٹنے پر مجبور کردیا۔ تیسری کوشش کی حضرت وہبؓ تلوار لے کر مقابلے میں آگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی ہمت افزائی فرمائی "خوش ہوجاؤ کہ بہشت تمہارے لئے ہے" (۷)۔ حضرت وہبؓ یہ کہتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس پڑے "واللہ آج نہ میں کسی کو پناہ دونگا نہ کسی سے پناہ چاہونگا"۔ آخر دشمنوں کے نرغے میں شہید ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی "یااللہ اس پر رحم فرما"۔

اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تیر اندازی کے جوہر دکھا رہے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنے ترکش کے سارے تیر نکال کر ان کے سامنے ڈال دیئے اور فرمایا "تیر چلائے جاؤ۔ تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں" (۸)۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر خود بھی تیراندازی کی۔ پھر آپؐ نے اپنی کمان حضرت قتادہ بن نعمانؓ کو عنایت کی جو بعد میں انہی کے پاس رہی۔ لڑائی میں حضرت قتادہ کی ایک آنکھ مضروب ہوگئی۔ آنکھ کا ڈھیلا تک نکل کر رخسار پر آگیا۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسے درست فرمایا تو آنکھ صحیح وسالم ہوگئی۔

حضرت علیؓ کی علاوہ حضرت طلحہ بن عبداللہؓ حضرت زبیر بن عوامؓ حضرت ابودجانہؓ وغیرہ رسول اللہ ﷺ کے قریب آپہنچے تھے۔ لیکن اس دوران عتبہ بن ابی وقاص (حضرت سعد بن ابی وقاص کا مشرک بھائی) نے ایک نوکیلا پتھر ایسا پھینکا کہ آپؐ کے چہرہ اقدس پر لگا۔ آپؐ کا دائیں طرف کا ایک نچلا دانت شہید ہوگیا اور زخمی ہونٹ سے خون جاری ہوگیا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے عتبہ کا پیچھا کیا اور اسے بری طرح زخمی کردیا۔ ابن قمئہ کفار کی طرف سے بڑی بے جگری سے لڑرہا تھا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے قریب آنے میں کامیاب ہوگیا۔ پکارنے لگا "محمد (ﷺ) کہاں ہیں وہ بچ گئے تو میں نہ بچوں گا"۔ یہ گھوڑے پر سوار تھا۔ آپؐ پر وار کرنا چاہا تو حضرت طلحہ بن عبیدہؓ جو حضور ﷺ کی حفاظت کے غرض سے آپؐ کے بالکل قریب تھے بیچ میں آگئے اور تلوار کا وار اپنے ہاتھ پر روکا (اس ہاتھ کی چند انگلیاں زندگی بھر کے لئے بیکار ہوگئیں) (۹)۔ رسول اللہ ﷺ پر وار اوچھا پڑا لیکن آپؐ کے خود کے کنارے پر اس طرح لگا کہ خود کے دندانے آپؐ کے رخسار میں چبھ گئے۔ اور آپؐ کے شانے کو بھی ضرب پہنچی لیکن دوہری زرہ کی وجہ سے شدید زخم نہ لگ سکا۔ اس نازک موقع پر حضرت ام عمارہؓ (نسیبہ) بھی آپؐ کی حفاظت کے لئے لڑرہی تھیں۔ وہ بھی ابن قمئہ کے ایک وار سے زخمی ہوئیں۔ انہوں نے بھی دو وار اپنی تلوار سے ابن قمئہ پر کئے لیکن اس کی مضبوط دہری زرہ کی وجہ سے کامیاب نہ ہوئے۔ اور وہ تیزی سے مڑ کر واپس ہوگیا۔ حضور اکرم ﷺ پر وار کرتے وقت اس بدبخت نے کہا تھا "یہ لو میں ہوں ابن قمئہ" (قمئہ کے معنی ہیں ٹکڑے ٹکڑے کرنے والا) اس پر آپؐ نے فرمایا "خدا تجھے ٹکڑے ٹکڑے کرے" (۱۰)۔

اس کے بعد ہی ایک آواز بلند ہوئی۔ غالباً یہ ابن قمئہ ہی کی آواز تھی کہ "محمد (ﷺ) قتل ہوگئے" (۱۱)۔ اس آواز کے ساتھ ھبل اور عزیٰ کے نعرے بھی بلند ہونے لگے۔ کئی مسلمان

جو اب تک لڑ رہے تھے ہمت ہار بیٹھے۔ چند حضرات مایوس ہو کر ایک جگہ بیٹھے تھے کہ ادھر سے حضرت انس بن مالکؓ کے چچا حضرت انس بن نضر گذرے (۱۲)۔ پوچھا "یہاں کیا کر رہے ہو"۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ قتل ہوگئے تو حضرت انسؓ نے جواب دیا "پھر اب تم زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ اٹھو جیسے وہؐ قتل ہوئے ہیں تم بھی قتل ہو"۔ ان سے یہ الفاظ بھی منسوب ہیں کہ "رب محمدؐ تو زندہ ہے" (۱۳)۔ یہ کہہ کر جس طرف معرکہ گرم تھا اس طرف ہولئے راستے میں حضرت سعد بن معاذؓ نظر آئے تو ان سے کہا "سعد کہاں جاتے ہو۔ میں تو احد کے نیچے جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں" (۱۴)۔ پھر نہایت بہادری سے لڑتے لڑتے شہید ہوئے۔ انہی واقعات کی بنا پر قرآن مجید میں یہ تنبیہ نازل ہوئی:

"اور محمد (ﷺ) تو صرف (خدا کے) پیغمبر ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو کر گزرے ہیں۔ بھلا اگر یہ مرجائیں یا مارے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ۔ (یعنی مرتد ہوجاؤ) اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو خدا کا کچھ نقصان نہ کرسکے گا اور خدا شکر گزاروں کو بڑا ثواب دے گا"۔

(آل عمران ۱٤٤)

ادھر رسول اللہ ﷺ چند صحابہ کے ساتھ پہاڑی پر چڑھ کر محفوظ مقام پر جانے لگے۔ اس موقع پر آپؐ ایک گڑھے میں گر پڑے (۱۵)۔ زخموں سے خون بہنے کی وجہ سے کافی نقاہت ہوگئی تھی۔ کچھ دیر کے لئے بیہوش ہوگئے لیکن جلد ہوش میں آگئے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت علیؓ نے آپؐ کو سہارا دیا۔ جب آپؐ پہاڑی پر چڑھنے لگے تو ایک جگہ اوپر چڑھنے میں دشواری ہوئی اس وقت حضرت طلحہؓ جھک گئے کہ آپؐ ان کی پشت پر قدم رکھ کر اوپر آسکیں۔ انہی کے لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جو کسی شہید کو زمین پر چلتا پھرتا دیکھنا چاہے وہ طلحہ ابن عبیداللہؓ کو دیکھ لے"۔ (حضرت طلحہؓ کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ ان کی چاروں بیویاں رسول اللہ ﷺ کی چار ازواج کی سگی بہنیں تھیں)۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ان کے والد (حضرت ابوبکرؓ) جب جنگ احد کا ذکر کرتے تو

فرماتے کہ "جنگِ احد تمام تر طلحہؓ کا کارنامہ ہے"۔ پھر بتاتے کہ جنگ احد میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی طرف واپس آئے تو دیکھا کہ ایک شخص آپؐ کی حفاظت کی خاطر لڑ رہا ہے۔ انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ کاش یہ شخص طلحہؓ ہو۔ اتنے میں حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ بھی دوڑتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ سے مل گئے اور دونوں ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپؐ نے فرمایا "اپنے بھائی طلحہؓ کا خیال کرو اس کے جسم سے خون بہہ رہا ہے"۔ مگر یہ دونوں پہلے رسول اللہ ﷺ کے زخموں کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے خود کی کڑیاں آپؐ کے رخسار سے نکالنا چاہیں تو حضرت ابو عبیدہ مصر ہوئے کہ یہ خدمت انہیں کرنے دی جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے دانتوں سے کڑیاں نکالیں۔ اور اس کوشش میں خود ان کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ اس کے بعد ان دونوں نے حضرت طلحہؓ کو سنبھالا۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے خون جاری ہوا تو خزرج کے حضرت مالک بن سنانؓ (حضرت ابو سعید خدریؓ کے والد) نے اسے چوس کر روکنا چاہا۔ آپؐ نے فرمایا "جس نے میرا خون چوسا اسے آگ نہ چھوئے گی" (۱۶)۔

اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ آئے "وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے پیغمبر کا چہرہ خون آلودہ کیا اور وہ ان کو پروردگار کی طرف بلاتا ہے"۔ مفسرین کا کہنا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (۱۷)۔

> "(اے پیغمبر) اس کام میں تمہارا کچھ اختیار نہیں (اب دو صورتیں ہیں) یا خدا ان کے حال پر مہربانی کرے یا انہیں عذاب دے کہ یہ ظالم لوگ ہیں"۔ (آل عمران ۱۲۸)

پھر رحمتہ للعالمین ﷺ نے اپنے رب کریم سے یہ التجا بھی کی "اے خدا میری قوم کو راہ ہدایت دکھا دے۔ یہ نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہیں۔ انہیں معاف کر دے (۱۸)۔

رسول اللہ ﷺ کے قتل کی خبر سے قریشیوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے۔ مزید معرکہ آرائی ان کے لئے زیادہ کارآمد نہ تھی کیونکہ یہ جانتے تھے کہ جاں نثار مسلمانوں کو زندہ اسیر کرنا ممکن نہ تھا اور انہیں قتل کرنے کی کوشش میں بہت سے قریشوں کا

خون بہنا بھی لازمی تھا۔ چنانچہ اکثر اپنے مقتولین کو سنبھالنے' شہدا کی لاشوں کا مثلہ کرنے اور تھوڑا بہت سامان اکٹھا کرنے میں مصروف ہوگئے۔

"رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے چند ساتھی محفوظ بلند مقام پر پہنچے تو ان مسلمانوں کی نظر جو احد کی پہاڑیوں میں پناہ گزیں تھے ان حضرات پر پڑی۔ سب سے پہلے حضرت کعب بن مالکؓ نے دور سے رسول اکرم ﷺ کو پہچان لیا۔ فوراً نعرہ بلند کیا "مسلمانو مبارک ہو رسول اللہ (ﷺ) یہاں موجود ہیں"۔ یہ سنتے ہی باقی مسلمانوں میں جو آپؐ کے قتل کی خبر سے مایوس وغمزدہ تھے ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ سب اس قدر خوش تھے کہ گویا شکست یکایک فتح میں بدل گئی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت کعبؓ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ مگر ان کی طربناک آواز کفار نے بھی سنی۔ ایک کافر عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ یہ کہتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھا "یا تو میں رہونگا یا وہ" مگر اس سے قبل کہ آپؐ کے قریب پہنچے اس کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر ایک گڑھے میں گرا۔ حضرت حارث بن صمہؓ نے جاکر اسے کیفر کردار کو پہنچایا۔ ایک دوسرے مشرک عبداللہ بن جابر کے وار سے وہ خود بھی زخمی ہوگئے۔ اتنے میں حضرت ابو دجانہ نے اس دوسرے مشرک کا سر اڑادیا۔

ایک اور کافر سردار امیہ کے بھائی ابی بن خلف نے حضرت کعبؓ کی آواز سن لی۔ (وہی ابی جس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ وہ اپنے گھوڑے عود کو خوب کھلا پلا رہا ہے کہ اس پر سوار ہو کر آپؐ کو قتل کرے اور آپؐ نے یہ جواب دیا تھا کہ انشاء اللہ آپؐ ہی اسے قتل کرینگے)۔ یہ ابھی تک اس تلاش میں تھا کہ کہیں (نعوذ باللہ) آپؐ کی لاش مل جائے اور اس میں کچھ جان باقی ہو تو اپنی حسرت پوری کرے۔ اب یہ آواز سنتے ہی اس نے اپنے گھوڑے کا رخ آپؐ کی طرف موڑا۔ کچھ قریب آیا تو صحابہ نے جو آپؐ کے ساتھ تھے اس پر حملہ کرنا چاہا۔ مگر آپؐ نے انہیں روک دیا اور خود حضرت حارث بن صمہؓ کا نیزہ لے کر آگے نکل آئے۔ اس سے پہلے کہ ابی تلوار سے آپؐ پر حملہ آور ہو۔ آپؐ نے نیزہ اس کی گردن کے اس مقام پر مارا جو زرہ سے محفوظ نہ تھا۔ ابی نے بیل کی طرح ایک چیخ ماری گھوڑے سے گرتے گرتے بچا گرتا پڑتا۔ بھاگ کر مشرکین کے پڑاؤ پر پہنچا۔ اس کے بھتیجے اور دوسرے لوگوں نے دیکھا کہ کہہ تو یہ رہا ہے کہ "محمد (ﷺ) نے مجھے قتل کردیا"۔ لیکن زخم کا کوئی نشان نہیں۔ گردن پر معمولی سی خراش تھی جس سے خون بھی نہ

نکلا تھا۔ لوگوں نے اسے تسلی دینا چاہی لیکن وہ کہنے لگا "انہوں نے کہا تھا کہ وہ مجھے قتل کرینگے اور بخدا وہ اگر مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں مرجاتا"۔ اور واقعی ایسا ہی ہوا کہ یہی معمولی سا زخم اس کی موت کا سبب بنا (۱۹)۔ احد سے واپسی کے دوران سفر ہی میں مرگیا۔

مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس پر حملے کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کردی۔ حالانکہ آپؐ کے محافظوں نے بڑی جاں نثاری سے آپؐ کی حفاظت فرمائی۔ ایک موقع ایسا بھی آیا کہ آپؐ کے ساتھ صرف دو صحابہ حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے سوا کوئی نہ تھا۔ پھر بھی ایسے نازک حالات میں آپؐ کی جان کا سلامت رہنا محال سا نظر آتا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آپؐ کے آس پاس دو سفید پوش حضرات دیکھے جو آپؐ کو اپنی حفاظت میں لے کر کفار سے بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ ان کے جسم پر سفید کپڑے تھے۔ ان حضرات کو حضرت سعدؓ نے اس سے پہلے کبھی دیکھا نہ اس کے بعد۔ یہ انسانی صورت میں جبریلؑ ومیکائیلؑ تھے (۲۰)۔

اب مسلمانوں کی خاصی جماعت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پہاڑی پر جمع ہوگئی تھی۔ یہاں سے انہیں قریش کا ایک گروہ ایک دوسری پہاڑی پر نظر آیا۔ اس میں خالد بن ولید بھی تھے۔ یہ گروہ حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کے حکم پر حضرت عمرؓ اور چند مہاجرین نے ان پر یورش کی اور مار بھگایا۔

یہ کفار کی آخری کوشش تھی۔ دونوں گروہوں کے نزدیک لڑائی اختتام کو پہنچ چکی تھی۔ اکثر کفار مطمئن تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے میں کامیاب ہوچکے ہیں۔ لیکن ابوسفیان کو یقین نہ تھا میدان میں شہدا کی لاشوں میں دیکھتا پھرتا تھا۔ حضرت حمزہؓ کی لاش کے قریب پہنچا تو اپنا نیزہ ان کے چہرے پر رکھ کر بولا "تو نے مزہ چکھ لیا"۔ اس کے حلیف قبیلے بنی حرث کے ایک شخص حلیس بن زبان نے دیکھا تو پکار کر کہا "اے بنی کنانہ دیکھو یہ قریش کا سردار ابوسفیان اپنے چچا کے بیٹے حمزہؓ کے ساتھ کیا حرکت کررہا ہے"۔ ابوسفیان پشیمان ہوا اور حلیس سے کہنے لگا "تیرا برا ہو۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ میری اس بات کو ظاہر نہ کر" (۲۱)۔

اس کے بعد ابوسفیان ایک ٹیلے پر اس پہاڑی کے مقابل پہنچا جہاں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی جماعت موجود تھی اور باواز بلند پکارنے لگا "یہاں محمد (ﷺ) ہیں۔" آپؐ نے سب کو

ہدایت کی کہ کوئی جواب نہ دے۔ پھر ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے نام لے کر پکارا۔ کوئی جواب نہ ملا تو کہنے لگا "سب مارے گئے"۔ اب حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا فرمایا "اے دشمن خدا ہم سب زندہ ہیں"۔ ابوسفیان نے نعرہ لگایا "اعلیٰ ھبل" (ھبل تو اونچا رہے)۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو بتایا کہ کہیں "اللہ اعلیٰ واجل" (اللہ اونچا اور بڑا ہے) ابوسفیان بولا "لنا عزیٰ ولاعزیٰ لکم" (ہمارا عزیٰ ہے تمہارا کوئی عزیٰ نہیں) آپؐ کے بتانے پر حضرت عمرؓ نے جواب دیا "اللہ مولنا ولا مولیٰ لکم" (اللہ ہمارا مولا ہے تمہارا کوئی مولا نہیں)۔ جب ابوسفیان نے بتایا کہ "یہ بدر کا بدلا ہے" (۲۲)۔ تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا "ہمارے اور تمہارے مقتول برابر نہیں ہو سکتے۔ تمہارے مقتول دوزخی ہیں اور ہمارے جنتی"۔ حضرت عمرؓ سے یہ سن کر کہ رسول اللہ ﷺ حیات ہیں ابوسفیان کو یقین آیا اور بولا "اے عمرؓ میں تمہاری بات کو ابن قمئہ کی بات سے زیادہ معتبر سمجھتا ہوں۔ وہ کہتا تھا کہ اس نے محمد (ﷺ) کو قتل کردیا" پھر کہنے لگا کہ "تمہارے مقتولین کا مثلہ کیا گیا ہے۔ جس سے میں خوش نہیں۔ مگر ناراض بھی نہیں۔ اب ہماری تمہاری جنگ اگلے سال بدر میں ہوگی"۔ صحابہؓ نے جواب دیا "یہ ہمارے تمہارے درمیان پکا وعدہ ہے"۔ اس کے بعد ابوسفیان رخصت ہوا۔ کفار کا لشکر واپسی کے لے تیار تھا۔

اس تیاری سے پہلے اپنے دلوں کی بھڑاس نکالنے کے لئے مشرکین نے بہت سے مسلمان شہدا کی لاشوں کی بے حرمتی کی اور ان کا مثلہ کیا۔ ابوسفیان کی زوجہ ہند نے حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کیا۔ ان کا جگر نکالا اور اسے چبانے کی کوشش کی مگر نگل نہ سکی۔ پھر ان کے ناک کان کاٹے اور ہار کی طرح پروکر گلے میں ڈالا۔ اپنے اصلی سونے چاندی کے زیورات وحشی کو انعام کے طور پر عنایت کیے۔ بعض دوسری عورتوں نے بھی یہی حرکت کی۔ یہی انسانی اعضاء کے ہار ان کے لئے قیمتی مال غنیمت تھے۔

اگلے سال جنگ کا وعدہ کر کے ابوسفیان اپنے لشکر کو لے کر واپس مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

رسول اللہ ﷺ کے قتل کو جھوٹی خبر مدینہ پہنچ چکی تھی۔ وہاں سے کچھ لوگ فورا احد کی طرف روانہ ہوئے۔ ان میں حضرت عائشہؓ حضرت فاطمہؓ اور حضرت ام ایمنؓ وغیرہ بھی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا خون ابھی بند نہ ہوا تھا۔ حضرت علیؓ ایک گڑھے سے کچھ پانی اپنی

ڈھال میں بھر کر لائے اور آپؐ کو پینے کے لئے پیش کیا۔ اس میں بو تھی۔ آپؐ نے پینا پسند نہ فرمایا لیکن اپنا چہرہ اس سے دھویا۔ بعد میں حضرت محمد بن مسلمہؓ دوسرا صاف پانی لائے تو آپؐ نے نوش فرمایا اور انہیں دعا دی۔ حضرت فاطمہؓ نے ایک چٹائی جلا کر اس کی راکھ آپؐ کے چہرے پر رکھی تو خون رکا (۲۳)۔ حضرت عائشہ حضرت ام ایمنؓ حضرت ام سلیطؓ وغیرہ دوسرے زخمیوں کی تیمارداری اور انہیں پانی پلانے میں مصروف رہیں (۲۴)۔

اب جن مسلمانوں نے میدان نہ چھوڑا تھا حضور ﷺ کے پاس جمع ہو چکے تھے۔ دوپہر ڈھل چکی تھی۔ آپؐ نے ظہر کی نماز سب کو پڑھائی۔ یہ نماز آپؐ نے بیٹھ کر ادا کی اور سب نے آپؐ کی تقلید کی۔ اللہ نے مسلمانوں کو اطمینان بخشا تھا۔ لوگوں پر ایسی اونگھ طاری تھی کہ اکثر سوگئے۔ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کا بیان ہے کہ احد کے روز نیند کی وجہ سے بار بار ان کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر گر گر پڑتی تھی (۲۵)۔ قرآن مجید میں خدا کی اس نعمت کا ذکر ہے اور ساتھ ہی ان منافقین کا جواب ہے جو اتنے مسلمانوں کے شہید ہونے پر طعنہ زن تھے:

"پھر خدا نے غم ورنج کے بعد تم پر تسلی نازل فرمائی (یعنی) نیند کہ تم میں سے ایک جماعت پر طاری ہوگئی اور کچھ لوگ جن کو جان کے لالے پڑرہے تھے خدا کے بارے میں ناحق (ایام) کفر کے سے گماں کرتے تھے کہتے تھے کہ ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم یہاں قتل ہی نہ کئے جاتے۔ کہہ دو کہ تم اگر اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا وہ اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور نکل آتے اس سے غرض یہ تھی کہ خدا تمہارے سینوں کی باتوں کو آزمائے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس کو خالص اور صاف کردے۔ اور خدا دلوں کی بات سے خوب واقف ہے"۔ (آل عمران ۱۵٤)

(بعض سیرت نگاروں نے مشرکین کی ابتدائی پسپائی کو ابوسفیان کی ایک حربی چال پر محمول کیا ہے۔ کہ اس طرح مسلمانوں کو درے کی حفاظت سے غافل کردے اور خالد بن ولید کو عقب

سے حملہ کرنے کا موقع مل جائے اور مسلمان دونوں طرف سے کفار کے نرغے میں آجائیں۔ ورنہ اسلامی لشکر ایسے موزوں مقام پر اس طرح صف آرا ہوا تھا کہ کفار اپنی عددی برتری کا فائدہ نہ اٹھاسکتے تھے۔ لیکن اس خیال کی تصدیق کے لئے کوئی اشارہ نہ قرآن مجید و صحیحین میں ملتا ہے نہ قدیم سیرت نگاروں کے یہاں۔ ایک روایت ہے کہ مشرکین برکت کی خاطر ایک معزز بت بھی ساتھ لائے تھے جو علیحدہ ایک ہودج میں تشریف فرما تھا۔ پسپائی کے وقت اس کا بھی خیال نہ رہا یہ غریب گرپڑا اور دونوں لشکروں سے پامال ہوتا رہا (۲۶) اگر یہ پسپائی ایک سوچی سمجھی عسکری تدبیر کے طور پر ہوتی تو مشرکین کم از کم اس بت کو اس طرح رسوا نہ کرتے)۔

☆ ☆

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ "میرے خیال میں نہ تھا کہ اصحاب رسول (ﷺ) میں کوئی دنیا کا بھی طلبگار ہوگا۔ یہاں تک کہ غزوہ احد میں آیت نازل ہوئی"۔ (سید قطب شہید 'تفسیر فی ظلال القرآن' جلد دوم صفحہ ۹۱)۔ جنگ احد کے بعد جب نبی ﷺ مدینہ واپس تشریف لائے تو ان تیراندازوں سے نافرمانی کا سبب دریافت فرمایا۔ انہوں نے کچھ کمزور عذر پیش کئے تو آپؐ نے فرمایا "اصل بات یہ ہے کہ تم نے گمان کیا کہ ہم تمہارے ساتھ خیانت کریں گے اور تمکو حصہ نہ دیں گے"۔ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۶۱ میں اس کی طرف اشارہ ہے "اور کبھی نہیں ہوسکتا کہ پیغمبر خدا خیانت کریں"۔ (ابوالاعلیٰ مودودی 'تفہیم القرآن' جلد اول صفحہ ۲۹۹)

(۲) حسیل اور ثابت بن وقش جو کافی بوڑھے تھے حفاظت کی خاطر خواتین اور بچوں کو لے کر مدینہ کے باہر چلے گئے تھے۔ وہاں دونوں کو خیال آیا کہ بوڑھے ہوچکے ہیں۔ آج نہ مرے تو کل مریں گے۔ کیوں نہ جنگ میں شریک ہوجائیں۔ شاید شہادت نصیب ہوجائے۔ چنانچہ دونوں شہید ہوئے۔ حسیل مسلمانوں کے ہاتھوں غلطی سے اور ثابت کفار کے ہاتھوں۔

(۳) حضرت مقدادؓ اللہ کی قسم کھا کر فرماتے تھے کہ اس نازک موقع پر رسول اللہ ﷺ کے قدم ذرا بھی نہ ڈگمگائے (عبدالحمید صدیقی 'دی لائف آف محمدؐ' The life of Muhammad صفحہ ۱۹۲)

(۴) یہ صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے۔ محمد ادریس کاندھلوی نے سات مہاجروں اور سات انصار کے نام دیئے ہیں جو آپؐ کے ساتھ زیادہ تر وقت موجود رہے۔ مہاجرین میں حضرات ابوبکرؓ عمرؓ عبدالرحمٰن بن عوفؓ سعد بن ابی وقاصؓ طلحہ بن عبیداللہؓ زبیر بن عوامؓ اور ابوعبیدہؓ تھے۔ اور انصار میں

حضرات ابودجانہؓ، حباب بن منذرؓ، عاصم بن ثابتؓ، حارث بن ضمرؓ، سہیل بن حنیفؓ، سعد بن معاذؓ اور اسید بن حضیرؓ تھے (محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد اول صفحہ ۲۴۲)۔ کبھی کبھی ان حضرات کو ہٹنا بھی ہوتا تھا۔ ایک موقع ایسا بھی آیا کہ حضورؐ کے ساتھ سوائے حضرت طلحہؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے کوئی نہ تھا (صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۳۶، ۶۳۷ کتاب المغازی)

(۵) ان صحابی کا نام عمارہؓ بن یزیدبن السکن بھی بتایا گیا ہے (الفرید غیوم 'دی لائف آف محمدؐ' The Life of Muhammad صفحہ ۳۸۰)

(۶) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۴۰

(۷) حضرت وھب اور ان کے بھتیجے حارث بن عقبہ بن قابوس احد کے دن مدینہ پہنچے تھے۔ شہر کو خالی دیکھا تو سبب پوچھا۔ لوگوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ مشرکین سے قتال کرنے گئے ہیں۔ دونوں اس وقت مسلمان ہوئے۔ اور جنگ میں شریک ہونے کے لئے احد کے میدان میں پہنچے اور شہید ہوئے۔ تقریباً دس سال کے بعد بنی زہرہ کے حضرت سعدؓ فرماتے تھے کہ "رسول اللہ ﷺ کے وہ الفاظ آج بھی میرے کانوں میں گونج رہے ہیں جن میں وھبؓ کے لئے جنت کی بشارت تھی۔ حضرت عمرؓ کا فرمانا تھا کہ جیسی موت انہوں نے سب سے زیادہ چاہی وہ اسی مزینی (حضرت وھبؓ) کی موت تھی۔

(۸) حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ انہوں نے سوائے سعد بن ابی وقاصؓ کسی اور کے لئے رسول اللہ ﷺ کو "فداک ابی وامی" (تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں) کہتے نہیں سنا (صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۳۶ کتاب المغازی)

(۹) صحیح بخاری' جلد دوم صفحہ ۶۳۷ (کتاب المغازی)

(۱۰) چند دن نہ گذرے تھے کہ ایک پہاڑی بکرے نے اپنے سینگوں سے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مار ڈالا۔

(۱۱) ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ نعرہ ابن قمئہ نے اس وقت بلند کیا جب اس نے حضرت مصعبؓ کو قتل کیا۔ حضرت مصعبؓ رسول اللہ ﷺ کے کچھ مشابہ تھے۔

(۱۲) انس بن مالکؓ کا نام انہی کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یہ وہی ابن نضر تھے جن کی ہمشیرہ ربیع بنت النضرؓ کو رسول اللہ ﷺ نے یہ بشارت دی تھی کہ ان کے فرزند حارثہؓ جو بدر میں ایک تیر سے شہید ہوئے تھے بہشت کے اعلیٰ ترین مقام میں ہیں۔

(۱۳) شبیر احمد عثمانی 'القران الکریم' (تفسیر عثمانی) صفحہ ۸۸

(۱۴) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۳۲، ۶۳۳ (کتاب المغازی باب غزوۃ احد)

(۱۵) کہتے ہیں کہ ایسے کچھ گڑھے ابوعامر نے کھدوا کر انہیں شاخوں سے ڈھک دیا تھا کہ مسلمان مجروح ہوں (ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۹۳)

(۱۶) ایضاً صفحہ ۹۴

(۱۷) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۴۱ (کتاب المغازی)

(۱۸) ابوالکلام آزاد 'رسول رحمت' صفحہ ۳۰۸

(۱۹) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۴۵ (کتاب المغازی) نیز ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۷

(۲۰) ایضاً صفحہ ۶۳۵

(۲۱) ایضاً صفحہ ۶۴۶

(۲۲) اس موقع پر ابوسفیان سے یہ قول بھی منسوب ہے میں حنظلہ (ابوسفیان کا بیٹا جو بدر میں قتل ہوا) کے بدلے حنظلہؓ (ابوعامر کے فرزند) کو قتل کر چکا ہوں (محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۲۷۰) ابن کثیر نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے (ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۶۴)

(۲۳) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۴۵ (کتاب المغازی)

(۲۴) ایضاً صفحہ ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۴۲ (کتاب المغازی)

(۲۵) ایضاً صفحہ ۶۴۱ (کتاب المغازی)

(۲۶) محمد حسین ہیکل 'حیات محمدؐ' صفحہ ۳۶۵

کلمۂ شہادت بخط حسن چلبی جس میں انہوں نے اپنے استاد، حامد الآمدی کے لوحے کی نقل کی ہے۔

جنگ احد

تفصیل

(بغیر پیمانہ)

شمال

جبل احد

وادی قناۃ

وادی عقیق

اشارات

۱۔ یہاں اسلامی لشکر نے مدینے سے آکر شب کو قیام کیا

۲۔ اسلامی مستقر قیادت

۳۔ اسلامی صف آرائی

۴۔ مقام مبارزت

۵۔ قریش کی صفیں

۶۔ قریش کا معسکر ابتدائی شکست کے بعد قریش اس طرف بھاگے

۷۔ خالد بن ولید کے رسالے کے حملے کا آغاز۔ پہلا ناکام اور دوسرا کامیاب حملہ

۸۔ جبل عینین جہاں اسلامی تیر انداز دستہ متعین تھا

۹۔ جہاں مسلمان افراتفری کے بعد دوبارہ جمع ہوئے

۱۰۔ یہاں رسول اللہؐ نے آرام فرمایا اور پناہ لی

۱۱۔ یہاں حضرت عمرؓ نے کفار کو پسپا کیا

(۸۶) شہدائے احد

مشرکین کا لشکر جنوب کی سمت روانہ ہوچکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو گھوڑے پر روانہ فرمایا کہ دیکھ کر آئیں اس لشکر کا کیا ارادہ ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ رخ بدل کر مدینہ پر حملہ آور ہو۔ آپؐ نے بتایا کہ "وہ اونٹوں پر سوار ہوں اور گھوڑے بغیر سواروں کے ہوں تو سمجھو کہ واپس جارہے ہیں اور اگر گھوڑوں پر سوار ہوں تو ان کا ارادہ مدینہ پر حملے کا ہے۔ اور اگر ایسا ہوا تو میں بڑھ کر ان سے جنگ کرونگا" (۱)۔ حضرت علیؓ نے آکر بتایا کہ مشرکین اونٹوں پر سوار تھے اور رخ مکہ کی طرف تھا۔

اسی دوران مسلمانوں کی جماعت اپنے مقتولوں کی تلاش میں پہاڑی سے اتر کر میدان میں آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ کوئی جاکر سعد بن ربیعؓ کو تلاش کرے آیا زندہ ہیں کہ نہیں۔ ایک انصاری صحابی تلاش میں گئے تو انہیں زخموں سے چور جاں بلب پایا۔ جب صحابی سے سنا کہ رسول اکرم ﷺ کو ان کی تلاش تھی تو کہنے لگے کہ "حضور ﷺ کو میرا سلام عرض کریں اور کہیں خدا آپؐ کو ہماری طرف سے ایسی جزائے خیر دے جو کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے نہ دی ہو۔ پھر قوم کو بھی میرا سلام کہنا اور یہ پیغام پہنچانا کہ تم میں سے کوئی اس حالت میں زندہ رہا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات کو نقصان پہنچا تو تمہارا عذر خدا کے یہاں قبول نہ ہوگا"۔ یہ ان کے آخری الفاظ تھے۔ صحابی نے یہ ماجرا رسول اللہ ﷺ کو بتایا (۲)۔

حضرت حمزہؓ کے متعلق آپؐ کو معلوم ہی تھا کہ وحشی کے حربے سے شہید ہوچکے ہیں۔ لاش کی تلاش کے لئے حضرت حارث بن صمہؓ کو بھیجا۔ وہ لاش کو دیکھ کر مبہوت رہ گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کو لاش کے پاس لائے پیٹ چاک تھا۔ جگر نکلا باہر پڑا تھا۔ چہرے کا مثلہ ہوچکا تھا۔ آپؐ اس نظارے سے بہت مغموم ہوئے۔ ضبط نہ کرسکے اور فرمایا "آئندہ کبھی قریش پر غالب آیا تو ان کے تیس آدمیوں کا مثلہ اسی طرح کرونگا"۔ صحابہ نے آپؐ کا رنج وملال دیکھا تو وہ بھی کہنے لگے "ہمیں کبھی قریش پر فتح حاصل ہوئی تو ایسا مثلہ کرینگے کہ عرب میں کسی نے نہ کیا ہو"۔

لیکن بعد میں جب یہ آیت نازل ہوئی (۳) تو آپؐ نے صبر فرمایا اور مثلہ کی قطعی ممانعت فرمائی:

"اور اگر تم ان کو تکلیف دینی چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تکلیف تم کو ان سے پہنچی۔ اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے بہت اچھا ہے۔ اور صبر ہی کرو تمہارا صبر بھی خدا ہی کی مدد سے ہے اور ان کے بارے میں غم نہ کرو اور جو یہ بداندیشی کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہو"۔ (النحل ۱۲۶'۱۲۷)

قریب ہی حضرت عبداللہ بن حجشؓ کی مثلہ شدہ لاش تھی۔ شہدا میں حضرت حمزہؓ اور حضرت عبداللہ بن حجشؓ آپؐ کے قریب ترین اعزا میں سے تھے۔ دونوں سے گزر کر آپؐ حضرت حنظلہؓ کی لاش تک پہنچے۔ تپتی ہوئی دھوپ میں بھی ان کے بال پانی سے تر تھے۔ جیسے ابھی فرشتوں نے غسل دیا ہو (۴)۔ چہرے کا حسن اور سکون بہشت کی نشاندہی کررہا تھا۔ کچھ ہی دن پہلے حضرت خیثمہؓ نے خواب میں اپنے بدر میں شہید ہونے والے بیٹے حضرت سعدؓ کو دیکھا تھا کہ بہشت میں اپنے والد سے ملنے کی خواہش ظاہر کررہے ہیں۔ ان کی لاش بھی اس خواب کی تعبیر کی شکل میں نظر آرہی تھی۔

حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبداللہ بن عمروؓ انصاری کی لاش بھی مثلہ سے نہ بچ سکی تھی۔ حضرت جابرؓ نے لاش کے چہرے کو کپڑا ہٹا کر دیکھنا چاہا تو صحابہ نے منع کیا۔ لیکن رسول اکرم ﷺ نے اجازت دیدی۔ ان کی پھوپی فاطمہ بنت عمروؓ رونے لگیں تو آپؐ نے فرمایا "روتی کیوں ہیں ان پر فرشتے برابر سایہ کئے رہے ہیں" (۵)۔

اوس کے چند حضرات اپنے زخمیوں اور شہیدوں کو تلاش کررہے تھے۔ ایک شدید زخمی کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔ یہ جناب اصیرمؓ (عمرو بن ثابت) تھے۔ انہوں نے گذشتہ روز تک اسلام قبول نہ کیا تھا۔ جس کے باعث ان کے اہل قبیلہ انہیں ملامت کررہے تھے۔ یہ کہتے تھے "مجھے معلوم ہوجائے کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ حقیقت ہے تو میں اسلام قبول کرنے میں توقف نہ کرونگا"۔ اب لوگوں نے پوچھا "تم یہاں کیسے۔ قوم کی خاطر لڑنے آئے یا اسلام کی خاطر"۔ انہوں نے بتایا

کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر علی الصبح ایمان لا چکے تھے۔ اور ایمان لاتے ہی مسلمانوں کی طرف سے جنگ میں شریک ہونے کے لئے میدان میں آگئے اور اس وقت تک لڑتے رہے جب تک کہ اس مہلک زخم نے انہیں گرا نہ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے دم توڑدیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو ان کے اہل خاندان کو بتایا کہ وہ اہل بہشت میں سے ہیں۔ انہوں نے ایک ایسے مسلمان کی حیثیت سے شہرت پائی جو ایک بھی نماز ادا کئے بغیر داخل بہشت ہوئے۔

شہدا میں حضرت مجذر بن زیادؓ بھی تھے۔ انہیں ایک منافق حرث بن سوید نے دانستہ انتقاماً دھوکے سے قتل کیا چونکہ کبھی جنگ بعاث میں اس کا باپ سوید بن صامت انؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ یہ منافق بھاگ کر مکہ چلا گیا۔ بعد میں ایک موقع پر چھپ کر مدینہ آیا ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا۔ آپؐ کے حکم سے حضرت عثمانؓ نے اسے قتل کیا۔ ایک روایت کے مطابق یہ سزا آپؐ نے ایک سردار عویمؓ سے دلوائی (۶)۔

اس جنگ میں ایک دوسرے بوڑھے حاطب نامی شخص کی منافقت بھی ظاہر ہوئی۔ اس کے نوجوان بیٹے یزید بن حاطبؓ دوران جنگ شدید زخمی ہوگئے۔ اسی حالت میں انہیں ان کے گھر پہنچا دیا گیا۔ نزع کا عالم تھا تو عیادت کرنے والے مسلمانوں نے انہیں جنت کی بشارت دی۔ اس پر ان کا باپ حاطب حقارت آمیز طنزیہ لہجے میں بولا "کیا اسی جنت کا فریب دے رہے ہو جس میں حرمل کے درخت ہیں"۔ (حرمل ایک بدبو دار جنگلی پودا ہے یہ منافق جنت کی تحقیر کررہا تھا)

ایک اور لاش قبیلہ ثعلبہ کے ایک یہودی عالم مخیریق کی تھی۔ لوگوں نے پہچانا تو تعجب کیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ اس نے علی الصبح اپنی قوم والوں سے کہا تھا کہ میثاق مدینہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر اہل قریش کا مقابلہ کریں۔ مگر یہودیوں نے بہانہ بنایا کہ یہ یوم سبت تھا۔ تو اس نے انہیں ملامت کی کہ یوم سبت کا صحیح احترام نہیں کرتے۔ ساتھ ہی سب کو گواہ کر کے وصیت کی کہ اگر وہ جنگ میں مارا جائے تو اس کی ساری ملکیت کے وارث رسول اللہ ﷺ ہونگے۔ یہ کہا اور ہتیار لگا کر احد پہنچا جہاں مسلمانوں کی طرف سے لڑتے ہوئے جان دی۔ رسول اللہ ﷺ اسے یہودیوں کا بہترین فرد کہہ کر یاد فرماتے تھے۔ اس کے سات باغات تھے۔ اس کی وصیت کے مطابق رسول اکرم ﷺ کی تحویل میں آئے آپؐ نے اہل مدینہ کے لئے وقف فرمائے۔ بقول محمد بن کعب یہ مدینہ میں پہلا وقف تھا (۷)۔

مدینہ سے جو لوگ اپنے شہیدوں کو دیکھنے آرہے تھے ان میں ایک حضرت صفیہؓ (رسول اللہ ﷺ کی پھوپی) بھی تھیں۔ یہ حضرت حمزہؓ کی سگی ہمشیرہ تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں آتے دیکھا تو مزید صدمہ ہوا۔ ان کے بیٹے حضرت زبیرؓ سے فرمایا کہ اپنی والدہ کو سنبھالیں۔ بہتر ہے کہ یہ اپنے بھائی کی لاش کو نہ دیکھیں۔ حضرت زبیرؓ نے تعمیل کی اور ماں کو سمجھایا کہ واپس ہوں۔ لیکن حضرت صفیہؓ نے کہا انہیں سب حالات پہلے ہی معلوم ہوچکے ہیں۔ خود پر اعتماد تھا کہ صبر کریں گی۔ چنانچہ بھائی کی مثلہ شدہ لاش کو دیکھا۔ ان کے لئے دعا کی اور اناللہ وانااليہ راجعون پڑھا۔ ان کی ہمشیرہ حضرت امیمہؓ اسی طرح اپنے بیٹے عبداللہ بن حجشؓ کی لاش کے قریب آئیں اور دعائے مغفرت کی۔

حضرت عبداللہ بن حجشؓ کی ایک بہن حضرت حمنہؓ بھی آئیں۔ انہیں معلوم ہوا کہ ان کے بھائی شہید ہوئے اور ماموں حضرت حمزہؓ بھی شہید ہوئے تو صبر کیا۔ اور دونوں کے لئے دعائے مغفرت کی۔ جب یہ سنا کہ شوہر حضرت مصعبؓ بھی شہید ہوئے تو صبر نہ کرسکیں اور منہ سے آہیں نکلنے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "عورت کے دل میں شوہر کے لئے ایسی قدر ومنزلت ہوتی ہے کہ کسی اور کے لئے نہیں ہوتی" (۸)۔

لیکن ایک اور عجیب تر مثال بھی تھی۔ بنی دینار کی ایک خاتون حضرت ہندؓ (حضرت عمرو بن جموحؓ کی زوجہ) کے شوہر، بھائی اور باپ تینوں احد میں شہید ہوئے تھے۔ ہر ایک کا حال سنا اور صبر کیا۔ اور یہی دریافت کرتی رہیں کہ رسول اکرم ﷺ کیسے ہیں۔ جب معلوم ہوا کہ آپؐ خیریت ہیں تو اطمینان کے لئے آپؐ کو دیکھنا چاہا۔ کسی نے اشارے سے نشاندہی کی۔ آپؐ کو دیکھ لیا تو اطمینان کی سانس لی اور کہا "آپؐ سلامت ہیں تو پھر سب مصائب ہیچ ہیں"۔

اسی طرح کا واقعہ احد سے واپسی کے وقت پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے گھوڑے پر تھے اور حضرت سعد بن معاذؓ پیدل آپؐ کے ہمراہ تھے۔ سامنے سے ان کی والدہ آتی دکھائی دیں تو حضرت سعدؓ نے آپؐ کو بتایا کہ "میری والدہ ہیں"۔ آپؐ ان کے استقبال کے لئے ٹھہرگئے۔ جب قریب آئیں تو آپؐ نے ان کے فرزند حضرت عمروبن معاذؓ کی شہادت پر تعزیت کی اور تسلی دینا چاہی۔ انہوں نے عرض کیا "آپؐ سلامت ہیں تو مجھے کوئی غم نہیں"۔ آپؐ نے تمام شہدائے احد کے لئے بتایا کہ سب جنت میں ہیں۔ ام سعدؓ نے پس ماندگان کے لئے دعا چاہی تو آپؐ نے سب

کے لئے دعا فرمائی۔

تمام شہداء کے لئے کشادہ اور گہری قبریں کھودی گئیں۔ ایک ایک قبر میں دو دو اور تین تین حضرات کو دفن کرنے کا انتظام کیا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ اسی طرح حضرت عمرو بن جموحؓ اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ ایک ساتھ دفن ہوئے۔ یہ دونوں پکے دوست تھے۔ بعض لوگ اپنے عزیزوں کی لاشیں مدینہ کی طرف لے چلے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے منادی فرمائی کہ سب جنازے احد واپس لائے جائیں کہ سب اپنے مقتل میں دفن ہونگے۔ چنانچہ یہ جنازے واپس احد لائے گئے۔ حضرت جابرؓ کے والد کی لاش بھی ان کی بیٹیوں نے سواری بھیج کر مدینہ منگوائی تھی۔ حضرت جابرؓ اسے راستے سے واپس لائے۔

ابن اسحاق کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہؓ کے لئے نماز جنازہ ادا کی پھر ہر ایک شہید کا جنازہ ان کے برابر باری باری رکھا اور ہر ایک کے لئے نماز پڑھی۔ اس طرح تقریباً ستر نمازیں پڑھی گئیں۔ حضرت حمزہؓ کا جنازہ ہر لاش کے ساتھ شامل تھا (۹)۔ لیکن صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے شہدائے احد میں سے دو دو کو ایک ہی کفن میں لپیٹنے کا حکم دیا پھر پوچھتے کہ کس کو قرآن زیادہ یاد تھا جب معلوم ہوجاتا تو اس کو لحد میں پہلے رکھا جاتا۔ آپؐ نے فرمایا بروز قیامت میں ان پر گواہ ہونگا۔ آپؐ نے شہداء کو خون سمیت دفن کرنے کا حکم دیا۔ نہ ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور نہ غسل دیا" (۱۰)۔

ایک روایت ہے کہ چالیس پینتالیس سال بعد حضرت معاویہؓ نے وادی احد میں ایک چشمہ جاری کرنا چاہا تو شہدائے احد کے پس ماندگان کو اطلاع دی گئی۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ لاشوں کو منتقل کرتے وقت دیکھا گیا کہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عبداللہؓ (حضرت جابرؓ کے والد) کی لاشیں تروتازہ تھیں گویا طبعی حالت میں سورہے ہوں۔ حضرت عمرو بن جموح کا ہاتھ اپنے زخم پر رکھا ہوا تھا۔ ہاتھ ہٹایا تو زخم سے خون جاری ہوگیا (۱۱)۔ رسول اکرم ﷺ کا قاعدہ تھا کہ ہر سال احد کے شہیدوں کی زیارت کے لئے تشریف لاتے۔ اسی طرح حضرت فاطمہؓ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے آپؐ کی تقلید کی (۱۲)۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت مصعبؓ کے لئے کفن پورا نہ تھا۔ سر ڈھانپتے تو پیر کھلے رہ جاتے اور پیر ڈھکتے تو سر کھلا رہ جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے سر کفن سے ڈھکنے کی ہدایت فرمائی اور پاؤں

اذخر (ایک قسم کی گھاس) سے ڈھانپ دیئے گئے۔

دو لاشیں ایسی بھی تھیں جن کا کوئی وارث نہ تھا۔ یہ جناب وھب بن قابوسؓ مزنی اور ان کے بھتیجے وارث مزنی تھے۔ جو اسی صبح مدینہ آئے تھے۔ جیسا کہ بیان ہوا وہاں جنگ کی خبر سنی تو سیدھے احد پہنچے اور شہید ہوئے۔ حضور ﷺ ان کی لاشوں کے قریب تشریف لائے اور فرمایا "اللہ تم سے اسی طرح خوش ہو جس طرح کہ میں تم سے خوش ہوں" (۱۴)۔

تدفین کے بعد آپؐ مسلمانوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک مقام پر ٹھہرے سب صحابہ کو جمع کیا۔ مردوں کی دو صفیں بنائیں۔ خواتین تیسری صف میں تھیں۔ پھر مکہ کی طرف رخ کر کے آپؐ نے اللہ تعالٰی کی حمدوثنا کی اور یہ دعا مانگی۔

"یا اللہ تمام تعریف تیرے لئے ہے۔ یااللہ جس کو تو فراخ کرے اسے کوئی تنگ نہیں کر سکتا۔ اور کوئی فراخ نہیں کرسکتا جسے تو تنگ کرے۔ اور جسے تو گمراہ کرے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ جس کو تو ہدایت کرے اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا۔ جس چیز کو تو روک لے اس کو کوئی دے نہیں سکتا۔ اور جو چیز تو عطا کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ جس چیز کو تو بعید کرے اسے کوئی قریب نہیں کرسکتا اور جس چیز کو تو قریب کرے اس کو کوئی بعید نہیں کرسکتا۔ یااللہ تو اپنی برکت ورحمت اور فضل ورزق کی ہم پر کشادگی کر۔ یااللہ میں تجھ سے پائدار نعمت کا سوال کرتا ہوں جو زوال پذیر اور تبدیل نہ ہو۔ یااللہ میں تجھ سے تنگ دستی اور محتاجی کے روز نعمت کا سوال کرتا ہوں اور خوف کے روز امن کا۔ یااللہ میں تیری ذات سے تیری عطا کردہ چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور تیری محروم کردہ چیز کے شر سے۔ یااللہ توہمارے ایمان کو محبوب بنادے اور اس کو ہمارے دلوں میں استوار اور مزین کردے۔ کفر، فسق اور نافرمانی کو ہمارے لئے ناگوار بنادے۔ اور ہم کو رشد وخیر پانے والوں میں سے کردے۔ ہم کو مسلمان ہوتے ہوئے فوت کر اور اسلام پر زندہ رکھ۔ ہمیں بغیر رسوائی اور فتنہ وفساد کے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے یااللہ ان کافروں کو ہلاک کر

جو تیرے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں اور تیری راہ سے روکتے ہیں۔ اور
تو ان پر اپنا قہر اور عذاب مسلط کر۔ یااللہ تو ان کافروں کو تباہ کر جو اہل
کتاب ہیں۔ اے سچے معبود" (۱۴)۔

یہ دعا مسلمانوں کے لئے حوصلہ افزا اور تقویت بخش تھی۔ اس وقت شہدا کے پسماندگان
کے لئے وہ آیات بھی بڑی باعث تسکین تھیں جو کئی ماہ قبل (جنگ بدر کے بعد) نازل ہوئی تھیں:

"اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد لیا کرو بے شک خدا صبر کرنے والوں
کے ساتھ ہے اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے جائیں ان کی نسبت یہ
نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں۔ (وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تم
نہیں جانتے۔ اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میوں
کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے۔ تو صبر کرنے والوں کو (خدا کی
خوشنودی کی) بشارت سنادو۔ ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے
تو کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کا مال ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے
والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت
ہے اور یہی سیدھے رستے پر ہیں"۔

(البقرہ ۱۵۳ تا ۱۵۷)

ہفتے کے دن ۱۵شوال کا آفتاب ڈوب رہا تھا کہ آپؐ مدینہ پہنچے (۱۵)۔ گھر آئے تو آپؐ
نے اپنی تلوار حضرت فاطمہؓ کو دی کہ دھوکر صاف کردیں کہ اس نے خوب اپنے جوہر دکھائے
تھے۔ حضرت علیؑ نے بھی حضرت فاطمہؓ سے ایسی ہی فرمائش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اگر تو
لڑائی میں اپنی جان پر کھیل گیا تو سہیل بن حنیفؓ اور ابودجانہؓ نے بھی تیرے ہمراہ خوب جنگ
لڑی" (۱۶)۔ پھر مغرب کی نماز مسجد میں ادا کی۔

رسول اللہ ﷺ نے بنی عبدالاشہل کے محلے میں شہدا کے خاندان کی خواتین کو دیکھا کہ
نوحہ خوانی کررہی ہیں۔ خیال آیا کہ حضرت حمزہؓ کے لئے کوئی نوحہ خواں نہیں۔ آبدیدہ ہوگئے اور
اپنا خیال ظاہر کیا۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے اپنے یہاں کی خواتین کو آپؐ کے دو لتمرے پر بھیجا کہ

وہاں جاکر حضرت حمزہؓ کے لئے نوحہ خوانی کریں۔ آپؐ نے ان کے نوحے سنے تو باہر تشریف لائے اور فرمایا "اللہ تم پر رحمت کرے۔ اب تم واپس اپنے گھروں کو جاؤ تم نے ہمدردی اور ملال کا اظہار کردیا"۔ آئندہ کے لئے آپؐ نے ایسی نوحہ خوانی کو ممنوع قرار دیا کہ یہ مسلمانوں کی شان نہیں (۱۷)۔

رات کو کئی صحابہ مسجد نبوی پر پہرہ دیتے رہے مبادا ابوسفیان شبخون کا ارادہ کرے اور سارے شہر میں ہنگامی حالات کے پیش نظر حفاظت کا انتظام کیا گیا۔

ابن اسحاق نے احد میں شہید ہونے والے ۶۵ صحابہ کی فہرست دی ہے۔ ابن ہشام نے پانچ کا اضافہ کیا ہے۔ ان ستر شہدا میں چار مہاجر تھے (حضرت حمزہؓ حضرت عبداللہ بن جحشؓ حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت شماس بن عثمانؓ باقی تمام حضرت انصار تھے (۱۸)۔ مشرکین جو قتل ہوئے ان کے بائیس نام ابن ہشام نے دیئے ہیں (۱۹)۔ جن میں سے چند نام گذشتہ صفحات میں آچکے۔ لیکن بعض تذکروں میں ایسے مقتولین کے نام بھی آئے ہیں جو اس فہرست میں شامل نہیں چنانچہ بعض سیرت نگاروں نے مشرک مقتولین کی تعداد ۳۷ تک بتائی ہے (۲۰)۔

☆☆

(۱) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۰۴

(۲) حضرت سعد بن ربیعؓ رؤسائے مدینہ میں سے تھے۔ اسلام کی بڑی خدمت کی۔ رسول اللہ ﷺ ان کا بڑا خیال کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں ان کی دختر خلیفہؓ سے ملنے آئیں تو انہوں نے بڑی قدر ومنزلت کے ساتھ بٹھایا۔ حضرت عمرؓ آئے تو ان کی بابت پوچھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بتایا کہ "یہ لڑکی مجھ سے بہتر شخص کی دختر ہے جن کو عقبہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے نقیب بنایا تھا۔ جو بدر میں شریک ہوئے اور احد میں شہید ہوئے (ابوالکلام آزاد 'رسول رحمتؐ' صفحہ ۳۱۵ نیز ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۰۵)

(۳) ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے ابن کثیر کو اس میں تردد ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ آیت مکی ہے (ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۶۳) بہر حال یہ طے ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیشہ مثلہ کی ممانعت فرمائی۔

(۴) ملاحظہ ہو گذشتہ باب 'معرکہ احد۔ فتح' حاشیہ نمبر ۲۔
(۵) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۷۱ (کتاب الجہاد والسیر)
(۶) سر ولیم میور نے اس قتل کی سزا کا ذکر بڑے ڈرامائی انداز میں کیا ہے کہ بے رحم نظر آئے لیکن اس ناپاک حرکت کی سنگینی پر کچھ تبصرہ نہ فرمایا جو اس منافق سے سرزد ہوئی تھی (ولیم میور 'دی لائف آف محمدؐ' The Life of Mohammad صفحہ ۲۷۲، ۲۷۳)
(۷) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۵۹
(۸) ایضاً صفحہ ۷۱
(۹) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۰۶ ابن کثیر نے اس روایت کو غریب وضعیف قرار دیا ہے (ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۶۳، ۶۴)
(۱۰) صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۶۲۰ (کتاب الجنائز) اسی کو امام ابن حزم ظاہری نے اختیار کیا ہے (ابن حزم 'جوامع السیرۃ' صفحہ ۱۸۱) اس قدر بہرحال ثابت ہے کہ آٹھ سال بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے چند دن قبل ایک بار شہدائے احد کی نماز جنازہ ادا کی۔ پھر آپؐ ممبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا۔ "میں تمہارا پیش خیمہ ہوں اور تم لوگوں پر گواہ ہوں۔ اور ملاقات کا وعدہ حوض کوثر ہے میں اس جگہ کھڑا ہوا حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں مجھے یہ اندیشہ نہیں کہ تم شرک میں مبتلا ہوجاؤ گے مگر یہ خطرہ ہے تم دنیا میں رغبت کرو اور اس میں پھنس جاؤ (ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۶۵)
(۱۱) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۶۷
(۱۲) ایضاً صفحہ ۶۹
(۱۳) مارٹن لنگز 'محمدؐ' (Muhammad) صفحہ ۱۹۳ (بحوالہ واقدی)
(۱۴) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۶۱، ۶۲ اس روایت کو نسائی نے متعدد اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے۔
(۱۵) یہ ابن اسحاق کا قول ہے کہ غزوہ احد ۱۵ شوال ۳ ھ بروز ہفتہ واقع ہوا۔ (الفرید غیوم 'دی لائف آف محمدؐ' The Life of Muhammad صفحہ ۳۸۹) صحیح تاریخ کے بارے میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ ابن سعد ۷ شوال بتاتے ہیں۔ ہفتے کے دن پر اختلاف نہیں۔ سلمان منصور پوری نے شوال کی ۶ تاریخ اور منٹگمری ویٹ نے ۷ تاریخ بتائی ہے۔
(۱۶) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۷۲
(۱۷) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۲۶
(۱۸) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۲۵ تا ۱۲۹
(۱۹) ایضاً صفحہ ۱۳۰، ۱۳۱
(۲۰) صفی الرحمٰن 'الرحیق المختوم' صفحہ ۳۶۵

(۸۷) حمراءالاسد

رسول اللہ ﷺ کی یہ رات کس کرب میں گذری ہوگی اور آپؐ کیا کچھ سوچتے رہے ہونگے اس کا صحیح قیاس مشکل ہے۔ اتنا انداز آپؐ کو ضرور تھا کہ ابوسفیان کل کی کامیابی کو ناتمام چھوڑنے پر پچھتا رہا ہوگا اور بہت ممکن ہے کہ پلٹ کر مدینہ پر حملہ کردے۔ پھر آپؐ کو یہ خیال بھی ہوگا کہ احد کے زخم کا مرہم فراہم کرنا ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مسلمان یاسیت کا شکار ہو جائیں۔

علی الصبح فجر کی نماز کے بعد آپؐ نے حضرت بلالؓ کے ذریعے شہر میں اعلان کروادیا کہ جو مسلمان کل جنگ میں شریک ہوئے تھے مشرکین کے لشکر کا تعاقب کرنے کے لئے تیار ہوجائیں (۱)۔ ہر چند کہ کل کے مجاہد تھکن اور زخموں سے چور تھے صرف ان لوگوں کو شمولیت کی اجازت دی گئی جو اس جنگ میں شریک تھے۔ عبداللہ ابن ابی نے درخواست کی کہ اسے اور اس کے آدمیوں کو اب شرکت کا موقع دیا جائے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اجازت نہ دی۔ صرف حضرت جابر بن عبداللہؓ واحد شخص تھے جن کو اجازت مل گئی۔ ان کی گزارش تھی کہ وہ گزشتہ روز جنگ میں اس لئے شریک نہ ہوسکے تھے کہ ان کے والد نے انہیں اپنی سات بہنوں کی دیکھ بھال کے لئے ضروری سمجھا اور خود جام شہادت نوش کیا۔ ان کی یہ گزارش قبول کرلی گئی۔

اعلان سنتے ہی تمام مجاہدین نے روانگی کی تیاری شروع کردی حالانکہ تقریباً سب ہی زخم خوردہ تھے۔ اکثر کی خواتین اب تک مرہم پٹی میں مصروف تھیں۔ ان ہی اصحاب کے لے قرآن مجید میں آیا:

"جنہوں نے باوجود زخم کھانے کے خدا اور رسول (کے حکم) کو قبول کیا۔
جو لوگ ان میں نیکو کار اور پرہیزگار ہیں ان کے لئے بڑا ثواب ہے"۔

(آل عمران ۱۷۲)

ابن اسحاق نے بنی عبدالاشہل کے دو بھائیوں کا ذکر کیا ہے دونوں زخمی تھے۔ ایک اسقدر زخمی تھا کہ راستے میں کبھی کبھی اس کا بھائی اسے اپنی پشت پر اٹھاتا (۲)۔ بعض احادیث کی بنا پر شبلی نعمانی نے اس نئے لشکر میں صرف ستر اصحاب کو شامل سمجھا ہے جس میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت زبیرؓ وغیرہ بھی تھے (۳)۔ ابن کثیر نے اس روایت کو غریب بتایا ہے ان کے نزدیک غزوہ احد کے تقریباً تمام بقیۃ السیف اس لشکر میں شامل تھے (۴)۔ دو اصحاب ایسے تھے جو اس جہاد میں شریک ہونے سے قطعی معذور تھے۔ ایک حضرت شماس بن عثمانؓ تھے جو اس قدر زخمی تھے کہ بچنے کی امید نہ تھی۔ یہ احد کے دن رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی خاطر اس طرح سینہ سپر ہوگئے تھے کہ آپؐ نے انہیں زندہ سپر کے لقب سے نوازا (۵)۔ ان کا کوئی عزیز مدینہ میں نہ تھا۔ زخمی حالت میں حضرت عائشہؓ کے حجرے میں لائے گئے تھے۔ اور حضرت ام سلمہؓ جو ان کے قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں ان کی تیمارداری میں مصروف تھیں۔ دوسرے صحابی حضرت مالک بن سنان (حضرت ابوسعید خدری کے والد) تھے۔ انہیں زخموں نے بہت کمزور کردیا تھا۔ یہ وہی بزرگ تھے جنہوں نے مشورے کے وقت مدینہ سے باہر جاکر لڑنے کے لئے یہ دلیل پیش کی تھی کہ "ہمارے لئے بہرصورت دو خوبیوں میں سے ایک ہے فتح یا شہادت"۔ یہ اپنے اعزا کے یہاں مقیم تھے (حضور ﷺ جب اس مہم سے واپس تشریف لائے تو یہ دونوں اصحاب وفات پاچکے تھے۔ اور مدینہ میں دفن کردیے گئے تھے۔ آپؐ کے حکم پر ان کو بھی دوبارہ احد لے جاکر دوسرے شہدا کے ساتھ دفن کیا گیا)

صبح کو حضرت طلحہؓ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ روانگی کا وقت دریافت کریں تو آپؐ کو گھوڑے پر سوار زرہ زیب تن کئے تیار پایا۔ فوراً واپس ہوئے کہ خود بھی تیار ہوں۔ جب رسول اللہ ﷺ اس مقام پر تشریف لائے جہاں لشکر کو جمع ہونا تھا تو بنی سلمہ کے حضرات کو بڑے جوش وخروش کے ساتھ تیار پایا۔ حالانکہ ان میں چالیس حضرات ایسے تھے جو کافی زخم خوردہ تھے۔ یہ وہی بنی سلمہ تھے جو گزشتہ روز عبداللہ بن ابی کی واپسی کے وقت خود بھی جی چھوڑنے والے تھے۔ آج ان کی مستعدی دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ بنی سلمہ پر رحمت نازل فرمائے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے حضرت طلحہؓ سے دریافت فرمایا کہ قریش کا لشکر اب کہاں تک پہنچا ہوگا۔ انہوں نے ایک دن کی مسافت پر ایک مقام کا نام بتایا۔ آپؐ نے

اس خیال کی تائید فرمائی اور یہ بھی بشارت دی کہ "طلحہؓ جو زک ہمیں کل پہنچی اب ایسی زک قریش ہمیں کبھی نہ دے سکیں گے یہاں تک کہ مکہ ہمارے قبضے میں ہوگا" (۶)۔

مدینہ میں آپؐ نے حضرت ابن ام مکتومؓ کو اپنے جانشین کے طور پر چھوڑا جیسا کہ احد کے روز کیا تھا۔ مسلمانوں کا علم حضرت ابوبکرؓ کو مرحمت فرمایا اور حمراالاسد کی طرف کوچ کیا جو مدینہ سے تقریباً تیرہ چودہ کلو میٹر کے فاصلے پر تھا۔ ابوسفیان کا لشکر یہاں سے گذشتہ روز گزر چکا تھا۔ مسلمانوں نے یہیں پڑاؤ ڈالا کیونکہ اگر قریش مدینہ پر حملے کا ارادہ کرتے تو انہیں اسی طرف سے گزرنا ہوتا۔ اس سال فصل اچھی ہوئی تھی۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے کھجور سے لدے تیس اونٹ ساتھ لئے تھے۔ کچھ اونٹ ذبح کے لئے بھی تھے کہ مسلمانوں کے لئے رسد کی کمی نہ ہو۔ شام ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جابجا آگ روشن کردیں تاکہ دشمن اسلامی لشکر کی تعداد سے مرعوب ہو۔ چنانچہ تقریباً پانچ سو الاؤ روشن کردیئے گئے۔

یہاں مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلے بنی خزاعہ کے ایک صاحب معبد بن ابی معبد خزاعی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے مگر ہمدردیاں مسلمانوں کے ساتھ تھیں۔ گذشتہ روز کے حالات پر اظہار افسوس کیا اور شہدا کے لئے تعزیت کی۔ آپؐ سے گفتگو کرنے کے بعد یہ روحا کے مقام پر پہنچے جہاں اس وقت ابوسفیان کا لشکر مقیم تھا۔ سرداران قریش یہ سوچ رہے تھے کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے بہادر تو مارے جاچکے ہیں کیوں نہ اپنی فتح کو مکمل کرنے کے لئے مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کا پوری طرح استیصال کردیا جائے۔ صفوان بن امیہ اس کے خلاف تھا لیکن اکثر سردار بمع ابوسفیان مدینہ پر حملے کی موافقت میں تھے۔ اسی دوران معبد ابوسفیان سے ملے جس سے ان کی کافی پرانی واقفیت تھی۔ ابوسفیان نے مدینہ کے حالات پوچھے کہ کیا خبر ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ "محمد (ﷺ) ایک بڑے لشکر کے ساتھ تمہارے تعاقب میں روانہ ہوچکے ہیں۔ اب وہ مسلمان بھی شریک ہیں جو احد میں ساتھ نہ تھے۔ اور یہ لشکر جرار غصے سے بپھرا ہوا ہے"۔ ابوسفیان بولا "ارے تیرا برا ہو۔ یہ کیا کہہ رہا ہے"۔ معبد نے کہا "چاہو تو خود سوار ہوکر جاؤ اور دیکھ لو"۔ اس پر ابوسفیان نے بتایا کہ "ہم تو ان پر حملہ کر کے ان کا مکمل خاتمہ کرنے کی سوچ رہے ہیں"۔ معبد نے کہا "میں تمہیں یہ کرنے کی رائے ہرگز نہ دونگا۔ عجب نہیں کہ تمہاری یہاں سے روانگی سے پہلے ہی تمہیں ان کے گھوڑوں کی پیشانیاں نظر

آنے لگیں"۔ معبد نے اسلامی لشکر کے متعلق کچھ مرعوب کن اشعار بھی سنائے۔ ابوسفیان اس خبر سے گھبرا گیا۔ سوچا کہ جس قدر فتح حاصل ہو چکی ہے اسی پر قناعت کرے۔ ایسا نہ ہو کہ جو وقار حاصل ہوا ہے وہ بھی جاتا رہے۔ اور قریش ہمیشہ کے لئے اپنی عزت کھو بیٹھیں۔ رات کی روشنیوں سے کچھ مرعوب تھا۔ اب اس خطرے کی تصدیق بھی ہوگئی۔ صفوان کی رائے کے مطابق جلد مکہ واپس ہونے کا فیصلہ کیا۔

ابوسفیان کو ڈر تھا کہ مسلمان اس کا تعاقب جاری نہ رکھیں۔ چاہتا تھا کہ کسی طرح انہیں اس ارادے سے باز رکھے (ہر چند کہ مسلمانوں کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا) اس موقع پر اتفاقاً بنی عبدالقیس کے چند سواروں کا اس طرف گذر ہوا۔ ابوسفیان نے پوچھا "کہاں کا ارادہ ہے" انہوں نے بتایا کہ غلہ خریدنے مدینہ جا رہے تھے۔ ابوسفیان نے کہا کہ اس کا ایک پیغام محمد رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دیں تو ایک بار شتر کشمش عکاظ کے بازار میں انہیں بطور معاوضہ فراہم کریگا۔ وہ لوگ پیغام رسانی کے لئے راضی ہوگئے۔ پیغام یہ جھوٹی خبر تھی کہ قریش کا لشکر بڑے سازو سامان کے ساتھ مسلمانوں کے استیصال کے لئے مدینہ کی سمت آرہا ہے۔ یہ لوگ جب حمراء الاسد پہنچے تو وہاں مسلمانوں کو پایا۔ رسول اللہ ﷺ سے ملے اور ابوسفیان کا پیغام دیا۔ آپ نے سنا تو فرمایا:

"حسبنا اللہ و نعم الوکیل"

ہمارے لئے اللہ کافی ہے جو بہترین کارساز ہے (آل عمران ۱۷۳)

اس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے:

"(جب) ان سے لوگوں نے آکر بیان کیا کہ کفار نے تمہارے (مقابلے کے) لئے (لشکر کثیر) جمع کیا ہے تو ان سے ڈرو۔ تو ان کا ایمان اور زیادہ ہوگیا اور کہنے لگے ہم کو خدا کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے پھر وہ خدا کی نعمتوں اور اس کے فضل کے ساتھ (خوش وخرم) واپس آئے۔ ان کو کسی طرح کا ضرر نہ پہنچا اور وہ خدا کی خوشنودی کے تابع رہے اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے"۔ (آل عمران ۱۷۳٬ ۱۷٤)

آپؐ نے تین دن پیر منگل اور بدھ حمراء لاسد میں قیام فرمایا۔ پھر مدینہ مراجعت فرمائی۔

اہل سیر نے اس مہم کو غزوہ حمراً لاسد کا نام دیا ہے۔

اس مہم کے دوران مسلمان دو قریشوں کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ایک ابوعزہ جمحی تھا۔ وہی شاعر جو بدر میں اسیر ہوا تھا اور جسے آپؐ نے بغیر فدیہ اس شرط پر رہا کردیا تھا کہ آئندہ مسلمانوں کی مخالفت سے باز رہیگا۔ لیکن اپنے وعدہ سے پھر گیا (۷)۔ اب پھر معافی کا خواستگار ہوا۔ آپؐ نے فرمایا "واللہ بالکل نہیں۔ تو مکہ میں اپنے رخسار پر ہاتھ پھیر کر نہ کہے کہ میں نے محمد (ﷺ) کو دوبارہ دھوکا دیا"۔ پھر حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ اس کا سر قلم کردیں۔ اسی موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا "مسلمان ایک سوراخ اور مقام سے دوبار فریب میں نہیں آتا"۔ (۸)۔ دوسرا مشرک معاویہ بن مغیرہ تھا۔ (خلیفہ عبدالملک کا نانا) حضرت عثمانؓ نے رسول اکرم ﷺ سے اس کے لئے امان حاصل کرلی تھی کہ تین رات کے بعد مدینہ میں نہ ٹھہرے گا (اس سے جاسوسی کا خطرہ تھا) لیکن یہ اس امان کی مدت کے بعد بھی مدینہ میں مقیم رہا۔ آپؐ نے زید بن حارثہؓ اور عمار بن یاسرؓ کو بتایا کہ وہ اسے فلاں مقام پر پائیں گے۔ وہاں جا کر اسے قتل کردیں۔ اس طرح وہ بھی قتل ہوا (۹)۔

☆☆

(۱) سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوں گذشتہ شکست کا احساس زائل ہوجائے اور اہل قریش پر واضح ہوجائے کہ مدینہ پر ان کا حملہ پسپا کردیا جائے گا۔ 'دی لائف آف محمدؐ' (The Life of Mohammad) صفحہ ۲۶۶

(۲) الفرید غیوم 'دی لائف آف محمدؐ' (The Life of Muhammad) صفحہ ۳۹۰

(۳) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۴۶ اس حدیث کے الفاظ جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے یہ ہیں:
"وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہا' آپؐ (حضرت عائشہؓ) نے عروہؓ سے اس آیت کے متعلق فرمایا 'میرے بھانجے تمہارے والد زبیرؓ اور (نانا) ابوبکرؓ بھی انہیں میں سے تھے۔ احد کی لڑائی میں رسول اللہ ﷺ کو جو تکلیف پہنچی تھی جب وہ پہنچی اور مشرکین واپس جانے لگے تو ان سے حضورؐ کو اس کا خطرہ ہوا کہ کہیں وہ پھر لوٹ کر حملہ نہ کریں اس لئے آپؐ نے فرمایا کہ ان کا تعاقب

کرنے کون جائے۔ اسی وقت ستر صحابہ نے اپنی خدمات پیش کیں'' ۔ (ممکن ہے اس وقت فورا ستر اصحاب نے لبیک کہا ہو۔ باقی بعد کو آئے ہوں)۔

(۴) ابن کثیر' سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۷۶' ۷۷

(۵) مارٹن لنگز' محمدؐ' (Muhammad) صفحہ ۱۸۵' ۱۸۶

(۶) سر ولیم میور' دی لائف آف محمدؐ' (The Life of Mohammad) صفحہ ۲۶۶

(۷) ملاحظہ ہو گذشتہ باب ۷۵

(۸) ابن کثیر' سیرۃ النبیؐ' حصہ دوم صفحہ ۷۷

(۹) ایضاً صفحہ ۷۷

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ

علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے

ایک معروف حدیث نبوی ﷺ اور اس کا
اردو ترجمہ بہ خط یوسف دہلوی

(۸۸) احد کے بعد

قریش کا لشکر مکہ پہنچا تو خود کو فاتح ظاہر کر رہا تھا۔ اپنے مقتولوں کا بدلا قریشیوں کے لئے کافی تھا حمراالاسد میں مسلمانوں کے اجتماع نے ایسا رعب ڈال دیا تھا کہ مزید مقابلے کی جرأت نہ کر سکے۔ لیکن ابوسفیان اور ہند کی قسمیں پوری ہو چکی تھیں۔ ھبل کی نذرو نیاز کے بعد قریش اپنی جگہ مطمئن ہو گئے۔

مسلمان حمراالاسد سے کامیاب واپس آئے۔ پھر بھی انہیں احد کے ناخوشگوار نتائج کا سامنا تھا۔ اپنے شہدا کی مفارقت سے بہر حال ملول تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سکوں بخش پیام نازل ہوا:

"جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ان کو مرے ہوئے نہ سمجھنا (وہ مرے ہوئے نہیں ہیں) بلکہ خدا کے نزدیک زندہ ہیں اور ان کو رزق مل رہا ہے۔ جو کچھ خدا نے ان کو اپنے فضل سے بخش رکھا ہے وہ اس میں خوش ہیں اور جو لوگ ان کے پیچھے رہ گئے اور (شہید ہو کر) ان میں شامل نہ ہو سکے ان کی نسبت خوشیاں منارہے ہیں کہ (قیامت کے دن) ان کو بھی نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہونگے۔ اور خدا کے انعامات اور فضل سے خوش ہو رہے ہیں۔ اور اس سے کہ خدا مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا"۔ (آل عمران ۱۶۹ تا ۱۷۱)

ان آیات کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہیدوں کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں میں ہیں۔ جنت میں جہاں چاہتے ہیں پھرتے ہیں۔ پھر ان قندیلوں میں چلے آتے ہیں جو عرش سے اویزاں ہیں۔ یہاں شاداں و فرحاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ

نے ان سے فرمایا "مانگو جو چاہتے ہو"۔ انہیں ہر نعمت میسر تھی مگر بار بار اللہ کے اس سوال پر انہوں نے عرض کیا "ہماری یہ خواہش ہے کہ ہم دوبارہ زندہ ہوں اور پھر تیری راہ میں شہید ہوں"۔ ایسی ہی روایت حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے جس میں یہ اضافہ ہے کہ ان شہدا کی روحوں نے یہ خواہش ظاہر کی ان کے اس راحت وآرام کی خبر دینا میں ان کے بھائیوں کو بھی پہنچ جائے کہ وہ جہاد سے عاجز وناتواں نہ ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "تمہارا یہ پیام پہنچانے دیتا ہوں" اور پھر آیات مذکورہ نازل فرمائیں (۱)۔

احد کے سانحے سے منافقین مدینہ خوش تھے۔ مسلمانوں پر طعنہ زن تھے کہ ان کا مشورہ مانا جاتا تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ عبداللہ ابن ابی کے فرزند عبداللہؓ اپنے باپ کی مرضی کے خلاف جنگ میں شامل رہے تھے اور اس کے ساتھ واپس نہ ہوئے تھے۔ یہ زخمی ہو کر گھر آئے۔ علاج کے لئے ان کا کوئی زخم داغا جارہا تھا تو ابن ابی انہیں برا بھلا کہنے لگا۔ انہوں نے جواب دیا "خدا میں گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا جو کچھ اللہ نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ کیا وہ خوب تھا"۔ ابن ابی اس خوبی کا راز سمجھنے سے قاصر تھا۔ یہی کہتا رہا کہ "اگر یہ مقتولین ہمارے ساتھ رہتے تو نہ مارے جاتے"۔

سب سے زیادہ خوشی یہودیوں کو تھی جو مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ (اور ابھی تک ہیں) (۲) ان کا قول تھا کہ "محمد (ﷺ) اگر واقعی نبی ہوتے تو قریش انؐ پر غالب نہ آتے اور نہ وہ ان مصائب سے دو چار ہوتے۔ وہ تو صرف حکومت ومملکت کے طالب ہیں۔ جنگ میں کبھی غالب ہوتے ہیں کبھی مغلوب۔ ورنہ کسی پیغمبر نے آج تک ایسی شکست نہیں دیکھی کہ خود بھی زخمی ہوئے اور ان کے ساتھی بھی"۔ پھر مسلمانوں کو اس طنز سے بھی گمراہ کرنا چاہتے تھے کہ اگر بدر میں اللہ کی مدد سے مسلمان غالب آئے تو احد میں وہ نصرت الٰہی کیوں نہ نصیب ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے اس قسم کی باتیں یہودیوں اور منافقوں سے سنیں تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور اجازت چاہی کہ ایسی باتیں کرنے والوں کو قتل کردیں۔ لیکن آپؐ نے منع کیا اور فرمایا "اللہ اپنے دین کی حفاظت کریگا اور اپنے رسول کو قوت عطا فرمائے گا۔ یہ بشارت بھی دی کہ آئندہ کبھی قریش کو مسلمانوں پر ایسی فتح نصیب نہ ہوگی اور ایک دن آئے گا کہ مسلمان حرم میں داخل ہونگے اور سنگ اسود کو بوسہ دینگے" (۳)۔

حضرت عمرؓ نے صبر کیا لیکن عبداللہ ابن ابی کو دوسروں کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہونا پڑا ابھی تک اس کی قوم میں اس کا وقار اور بڑا مرتبہ تھا۔ اپنی منافقت چھپانے کے لئے اس نے یہ دستور بنا رکھا تھا کہ جب رسول اکرم ﷺ جمعہ کے خطبے کے لئے ممبر پر تشریف لاتے تو یہ خود کھڑے ہو کر جماعت کو مخاطب کرتا اور کہتا "لوگو! رسول اللہ ﷺ کی بدولت تمہیں اللہ تعالی نے اعزاز واکرام بخشا ہے۔ تم آپؐ کی مدد ونصرت کرو' آپؐ کی بات سنو اور آپؐ کی اطاعت کرو"۔ پھر بیٹھ جاتا۔ حمرالاسد سے مسلمانوں کی واپسی پر پہلا جمعہ آیا تو یہ حسب دستور کھڑا ہوا کہ اپنی تقریر کرے لیکن مسلمان اسے پکڑ کر بٹھانے لگے اور کہنے لگے "اسے دشمن خدا بیٹھ جا تو اس کلام کا اہل نہیں تیرے کرتوت واضح ہوچکے ہیں"۔ ابن ابی انتہائی ندامت اور غصے کے ساتھ لوگوں کی گردنیں پھاندتا باہر آگیا اور کہتا رہا کہ وہ تو رسول اللہ ﷺ کی توثیق ہی کرنا چاہتا تھا۔ چند انصار نے اسے مسجد میں واپس جانے کا مشورہ دیا کہ رسول اکرم ﷺ اس کے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ لیکن اس نے جواب دیا کہ وہ کسی دعائے مغفرت کا طالب نہیں۔

احد کے بعد سورۃ آل عمران کی ساٹھ آیات اس جنگ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ جنہیں چند مسلمانوں کی دنیا طلبی کو جس کے باعث وہ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کے مرتکب ہوئے اس سانحے کا سبب بتایا۔ لیکن ساتھ ہی رب کریم نے یہ بھی واضح کردیا کہ جن مسلمانوں سے کمزوری کا اظہار ہوا اور جو شیطان کے بہکائے میں آگئے ان کا قصور معاف کردیا گیا تھا:

> "جو لوگ تم میں سے (احد کے دن) جبکہ (مومنوں اور کافروں کی) دو جماعتیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں (جنگ سے) بھاگ گئے تو ان کے بعض افعال کے سبب شیطان نے ان کو پھسلا دیا۔ مگر خدا نے ان کا قصور معاف کردیا۔ بے شک خدا بخشنے والا (اور) بردبار ہے"۔
>
> (آل عمران ۱۵۵)

ان آیات میں تنبیہ بھی تھی اور ساتھ ہی وہ مصلحتیں بھی ظاہر کردی گئیں جنکی خاطر یہ حادثہ رونما کیا گیا جس میں مسلمانوں کی آزمائش بھی تھی اور تربیت بھی اور یہ مقصد بھی تھا کہ

مخلصین اور منافقین میں تمیز ہوسکے اور مسلمانوں کی جماعت میں جو کمزوریاں پیدا ہونے لگی تھیں ان کا تدارک کیا جائے فرمایا گیا:

"اگر تمہیں زخم (شکست) لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی ایسا زخم لگ چکا ہے اور یہ دن ہیں کہ ہم ان لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں اور اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ خدا ایمان والوں کو متمیز کردے اور تم میں سے گواہ بنائے اور خدا بے انصافوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور یہ مقصود تھا کہ خدا ایمان والوں کو خالص مومن بنادے اور کافروں کو نابود کردے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بے آزمائش) بہشت میں جا داخل ہوگے۔ (حالانکہ) ابھی خدا نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو تو اچھی طرح معلوم کیا ہی نہیں اور (یہ بھی مقصود ہے کہ) وہ ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم کرلے۔ اور تم موت (شہادت) کے آنے سے پہلے اس کی تمنا کیا کرتے تھے سو تم نے اس کو آنکھوں سے دیکھ لیا"۔ (آل عمران ۱٤۰ تا ۱٤۳)

یہ بھی بتادیا گیا:

"(لوگو) جب تک خدا ناپاک کو پاک سے الگ نہ کردے گا مومنوں کو اس حال میں جس میں تم ہو ہرگز نہیں رہنے دے گا۔ اللہ تمہیں غیب کی باتوں سے بھی مطلع نہیں کریگا۔ البتہ خدا اپنے پیغمبروں میں سی جسے چاہتا ہے انتخاب کرلیتا ہے تو تم خدا پر اور رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور اگر ایمان لاؤ گے اور پرہیز گاری کروگے تو تم کو اجر عظیم ملے گا"۔

(آل عمران ۱۷۹)

پھر ہمت افزای بھی کی گئی کہ آخر میں مسلمان ہی غالب ہونگے۔ ایک آنے والے عظیم تر سانحے کی

طرف بھی اشارہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ بہر حال ایک دن دنیا سے رخصت ہونگے تو کیا آپؐ کے بعد اسلام کا کوئی مستقبل نہیں۔

اکثر مورخین نے حادثۂ احد کو مسلمانوں کی شکست تصور نہیں کیا ہے۔ جانی نقصان ضرور ہوا۔ جو محدود حیثیت سے بدر کا بدلا تھا اور مشرکین بدر کی شکست کے بعد ایک حد تک اپنی لاج رکھنے میں کامیاب ہوگئے تھے (۴)۔ لیکن بدر میں جو مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا اور اسیران بدر کے ذریعے جو زر فدیہ حاصل ہوا اس کا بدل مشرکین قریش حاصل نہ کرسکے۔ مسلمانوں نے آخر دم تک ہتیار نہیں ڈالے نہ کسی نے خود کو اسیری کے لئے پیش کیا۔ بلکہ ایک جماعت تا آخر مقابل رہی جس سے ابو سفیان نے واپسی کے وقت گفت وشنید کی۔ پھر حمراالاسد میں مسلمان دوسرے مقابلے کے لئے آمادہ تھے لیکن مشرکین کو سامنا کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور اسے خلاف مصلحت سمجھ کر روحاسے مکہ واپس ہوگئے۔ واقدی نے اس بارے میں عمرو بن العاص (جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے اور کفار کی طرف سے شریک جنگ تھے) کا یہ بیان نقل کیا ہے۔ "جب ہم نے ان (مسلمانوں) پر دوبارہ حملہ کیا تو ایک تعداد کو قتل کیا اور وہ چاروں طرف بھاگ کر بکھر گئے لیکن بعد میں ان کی ایک جماعت بڑھ آئی۔ قریش نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا ہم فتح حاصل کرچکے ہیں اب واپسی بہتر ہے۔ کیونکہ ہم سن چکے تھے کہ ابن ابی ایک تہائی لشکر کے ساتھ لوٹ گیا ہے اور اوس وخزرج کے بھی چند لوگ جنگ میں شریک نہ ہوئے تھے۔ ہمیں یقین نہ تھا کہ وہ ہم پر حملہ آور نہ ہونگے (۵)۔ اس کے علاوہ ہم میں سے بہت سے لوگ زخمی تھے اور ہمارے تمام گھوڑے تیروں کے زخم خوردہ تھے۔ اس لئے قریش واپس روانہ ہولئے۔ ہم بمشکل روحاء پہنچے تھے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہم سے مقابلے کے لئے بڑھ رہی تھی۔ ہم نے واپسی کا سفر جاری رکھا" (۶)۔

سرسید احمد خان نے جنگ احد کو مشرکین کی ہزیمت قرار دیا ہے (۷)۔ حقیقتاً یہ واقعہ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان طویل سلسلہ جنگ کا ایک معرکہ تھا۔ یہ سلسلہ فتح مکہ پر ختم ہوا اور قرآن مجید کی یہ بشارت حق ثابت ہوئی:

"اور (دیکھو) بیدل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا اگر تم مومن

(صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے"۔

(آل عمران ۱۳۹)

☆☆

(۱) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۷۰۔ ان شہدا کے متعلق ابن کثیر نے عطاف بن خالد کی خالہ کا یہ بیان بھی دیا ہے کہ "ایک روز میں شہدا کے قبرستان میں سواری پر گئی۔ حضرت حمزہؓ کی قبر کے پاس اتری۔ دیر تک دعا کرتی رہی۔ وہاں ایک غلام کے سوا جو سواری تھامے ہوئے تھا کوئی بندہ بشر نہ تھا۔ جب میں دعا سے فارغ ہوئی تو میں نے ہاتھ اٹھا کر السلام علیکم کہا۔ میں نے سلام کا جواب سنا جو زمین کے نیچے سے آرہا تھا۔ میں نے اس سلام کی آواز کو اس طرح یقینی طور پہ جانتی ہوں جیسا کہ میں جانتی ہوں کہ اللہ نے مجھے پیدا کیا اور جیساکہ میں شب وروز میں امتیاز کرتی ہوں۔ یہ آواز سن کر میرے بدن پر کپکپی طاری ہوگئی اور میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے"۔ سچ ہے "مرشیدان راحیات اندر فناست" (عارف رومی)

(۲) سید قطب شہید مسلمانوں کے خلاف دوسرے اہل کتاب کی دشمنی کی بات کہتے ہیں "مسلمانوں سے دشمن ہر دور میں ایک ہی رہے ہیں۔ صرف دشمنی کے طریقے بدلتے ہیں"۔

(۳) مارٹن لنگز 'محمدؐ' (Muhammad) صفحہ ۱۹۷ (بحوالہ واقدی)

(۴) بدر میں ستر مشرکین مارے گئے تھے۔ احد میں تقریباً اتنے ہی مسلمان شہید ہوئے۔ جبکہ کفار کے مقتولین کی تعداد تیس پینتیس تھی۔ سید قطب شہید نے احد میں مشرکین کے مقتولوں کی تعداد بھی ستر بتائی ہے۔ (سید قطب شہید 'فی ظلال القرآن' جلد دوم صفحہ ۸۵' ۷۷) سید صاحب نے دو جگہ یہی تعداد لکھی ہے اس لئے یہ سہو یا کتابت کی غلطی نہیں۔ لیکن مولف کو کسی اور جگہ یہ تعداد نہیں ملی۔

(۵) اس طرح عبداللہ بن ابی کی منافقت بھی مسلمانوں کے کام آئی

(۶) منٹگمری واٹ 'محمدؐ ایٹ مدینہ' (Muhammad at Medina) صفحہ ۲۸ (بحوالہ واقدی)

(۷) سرسید احمد خان 'تفسیر القرآن' جلد دوم صفحہ ۱۵

(۸۹) سریہ ابو سلمہ اور واقعہ رجیع

مکہ پہنچنے کے بعد بھی قریش کے دل میں یہ چیز کھٹکتی رہی کہ انہوں نے اپنی جزوی فتح کی تکمیل کا زریں موقع کھودیا۔ لیکن ابھی ایک صورت باقی تھی۔ انہوں نے اپنے حلیف قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی جو احد میں ان کے ساتھ شریک نہ ہوئے۔ ان میں ایک قبیلہ نبی اسد بن خزیمہ کا تھا اور دوسرے کچھ لوگ قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ لحیان کے تھے۔ احد سے مسلمانوں کے وقار کو جو صدمہ پہنچا تھا اس نے ان قبائل کی مزید ہمت افزائی کی۔

نبی اسد نجد کے شمالی علاقے کا ایک طاقتور قبیلہ تھا اور دور دور تک پھیلا ہوا تھا یہ قریش کے قریبی حلیف تھے اور ان کے بھڑکانے پر اس قبیلے کے دو افراد طلیحہ بن خویلد اور اس کا بھائی سلمہ اپنی قوم کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنے مخبروں سے اس تیاری کی اطلاع ملی تو آپؐ نے اپنے پھوپی زاد بھائی (یہ آپؐ کے رضائی بھائی بھی تھے) حضرت ابو سلمہؓ کو ڈیڑھ سو مجاہدوں کے ساتھ ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ اس جمعیت میں حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جیسے صحابہ شامل تھے۔ آپؐ کی ہدایت کے مطابق مسلمانوں کا لشکر دن کو قیام کرتا اور رات کو سفر کرتا کہ اس حملے کی خبر دشمن کو نہ ملے۔ مسلمان چشمہ قطن کے قریب پہنچے تھے کہ نبی اسد کی سپاہ جسے پسران خویلد نے جمع کیا تھا ان کے اچانک حملے کی تاب نہ لاکر بھاگ کھڑی ہوئی اور ادھر ادھر منتشر ہوگئی۔ مسلمانوں کو مال غنیمت میں بہت سے اونٹ اور بکریاں حاصل ہوئیں تین غلام بھی اسیر ہوئے۔ گیارہ دن کی اس مہم کے بعد حضرت ابو سلمہؓ کامیاب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آئے۔ انہی کے نام پر یہ مہم جو محرم ۴ھ میں واقع ہوئی سریہ ابو سلمہؓ کہلائی۔ اس سے مسلمانوں کی دھاک ایک حد تک دوبارہ قائم ہوگئی۔

انہی دنوں ایک اور مہم کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ نبی لحیان کا سردار سفیان بن خالد (۱) فتنہ انگیزی میں ماہر تھا۔ اس کا قیام عرنہ میں تھا جو مکہ سے زیادہ دور نہ تھا۔ اور قریشیوں سے ہمیشہ اس

کا سازباز رہتا تھا۔ سانحہ احد کے بعد قریش کو مبارکباد دینے کے لئے یہ خود بھی مکہ گیا۔ انہیں خوش کرنے کے لئے اور یہ سوچ کر کہ مدینہ اس وقت کمزور اور زخم خوردہ ہے۔ اس نے بھی حملے کی تیاری شروع کردی۔ رسول اللہ ﷺ سمجھتے تھے کہ بنی لحیان کا یہ خطرناک منصوبہ اسی بدطینت کے دم تک ہے۔ اس کا خاتمہ ہوجائے تو یہ منصوبہ بھی ختم ہوجائے گا۔ آپؐ نے خزرج کے حضرت عبداللہ بن انیسؓ کو اس مہم کے لئے منتخب فرمایا کہ سفیان کو جاکر قتل کردیں۔ حضرت عبداللہؓ نے اس کا حلیہ پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ "اسے دیکھو گے تو شیطان یاد آئے گا"۔ محرم کے شروع ہی میں حضرت عبداللہؓ بن انیس عرنہ پہنچے اور سفیان سے ملے۔ یہاں اس امر کی تصدیق ہوگئی کہ وہ مدینہ پر حملے کی تیاری کررہا ہے۔ اور کچھ لوگ اس کے ساتھ جمع ہوگئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن انیسؓ نے اسے بتایا کہ ان کا تعلق بنی خزیمہ سے ہے اور یہ سن کر کہ وہ مدینہ پر حملے کی تیاری کررہا ہے اس کے لشکر میں شامل ہونے کے لئے آئے ہیں۔ اس سے میٹھی میٹھی باتیں کرتے رہے جو اسے پسند آئیں۔ انؓ کا بیان ہے کہ رات کو باتیں کرتے کرتے یہ اس کے ساتھ خیمے تک گئے۔ دوسرے لوگ جو اس کے ساتھ تھے اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے انہوں نے موقع پاکر اس کا سر قلم کیا۔ لاش پر اس کی بیویوں کو ماتم کناں چھوڑا اور بھاگ کر ایک غار میں پناہ لی۔ لوگوں نے انہیں بہت تلاش کیا مگر نہ پایا۔ یہ راتوں کو سفر کرتے اور دن کو محفوظ جگہ چھپ جاتے۔ اس طرح ماہ محرم کے آخری عشرے میں مدینہ پہنچے مسجد میں آئے تو رسول اللہ ﷺ نے دیکھتے ہی فرمایا "تمہارا چہرہ فلاح پائے"۔ انہوں نے بھی جواب میں یہی الفاظ دہرائے اور ساری سرگذشت سنائی آپؐ بہت خوش ہوئے اور اپنا عصا انہیں عطا کیا اور فرمایا "اسے لے کر جنت میں چلے جاؤ" (بعد میں جب حضرت عبداللہ بن انیس کی وفات ہوئی تو یہ عصا ان کی وصیت کے مطابق ان کے ساتھ دفن کیا گیا)۔ اس طرح بنی ہذیل یا بنی لحیان کی طرف سے حملے کا خطرہ ختم ہوگیا۔ ہر چند یہ مہم صرف ایک صحابی نے سر کی ارباب سیر نے اسے بھی سرایا میں شامل کیا ہے۔

اب بنی لحیان نے اپنے سردار کا انتقام لینے کے لئے ایک اور ترکیب کی۔ عضل اور قارہ کے لوگوں کو راضی کیا کہ مدینہ جاکر رسول اللہ ﷺ سے چند اصحاب اپنے قبیلے والوں کی تربیت کے لئے حاصل کریں۔ سازش یہ تھی کہ موقع پاکر ان اصحاب کو قتل یا گرفتار کرلیا جائے۔ انہیں مکہ والوں کے ہاتھ فروخت کرکے اچھی قیمت مل سکتی تھی۔ چنانچہ عضل اور قارہ کے چند لوگ

حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گذارش کی کہ ان کے یہاں اسلام کا چرچا شروع ہو گیا ہے نئے مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کے لئے چند اصحاب ان کے یہاں بھیج دیئے جائیں (۲)۔ آپؐ نے ان کی یہ استدعا قبول فرمائی اور دس اصحاب حضرت عاصم بن ثابتؓ (۳) کی سرکردگی میں ان کے ساتھ کر دیئے۔ ان میں سے سات حضرات کا نام ملتے ہیں۔

۱ حضرت عاصم بن ثابتؓ

۲ حضرت مرثدؓ بن ابی مرثد الغنویؓ

۳ حضرت خالدؓ بن بکیر

۴ حضرت خبیبؓ بن عدی

۵ حضرت زید بن الدثنہؓ

۶ حضرت عبداللہؓ بن طارق

۷ حضرت معتب بن عبیدؓ

ابن اسحاق نے اس جماعت میں صرف اول الذکر چھ اصحاب بتائے ہیں اور سربراہ حضرت مرثد کو قرار دیا ہے (۴)۔

یہ جماعت جب بنی ہذیل کے علاقے میں چشمہ رجیع پر پہنچی جو مکہ اور عسفان کے درمیاں واقع ہے تو بنی لحیان کے تقریباً دو سو سوار ان کے پیچھے لگ گئے اور انہیں بے خبری میں گھیر لیا۔ انہوں نے بھی اپنی تلواریں سونت لیں۔ بنی لحیان والوں نے یقین دلایا کہ ان کا ارادہ انہیں قتل کرنے کا نہیں ہے۔ یہ لوگ ہتیار ڈال دیں اور خود کو ان کے سپرد کر دیں مگر مسلمان اس کے لئے تیار نہ ہوئے۔ سات اصحاب لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ صرف حضرت خبیبؓ حضرت زیدؓ اور حضرت عبداللہ بن طارق نے خود کو ان کے سپرد کر دیا۔ کفار نے ان تینوں کو جکڑ لیا۔ بعد میں حضرت عبداللہ نے مزاحمت کی اور لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ ان کی قبر مرالظہران میں ہے جہاں یہ کفار سے لڑ پڑے تھے۔ یہ صفر ۴ھ کا واقعہ ہے۔

یہ لوگ باقی دو اسیروں کو لے کر مکہ پہنچے حضرت خبیبؓ کو حارث کے بیٹوں کی طرف سے حارث کے ایک عزیز حجیر بن ابی اہاب نے خرید لیا۔ حارث بدر میں حضرت خبیبؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا۔ اسی طرح صفوان بن امیہ نے حضرت زیدؓ کو خریدا تاکہ اپنے باپ کا بدلہ لے سکے

مسلمان کے خون سے لے سکے۔ مکہ والوں نے چاہا کہ حضرت عاصمؓ کی لاش حاصل کرلیں تاکہ اسے سلافہ بنت سعد (۵) کے ہاتھ فروخت کر سکیں جس نے ان کے کاسہ سر میں شراب پینے کی قسم کھائی تھی اور کاسہ سر کی قیمت سو شتر رکھی تھی۔ لیکن جب یہ لوگ ان کی لاش کے قریب پہنچے تو وہاں شہد کی مکھیوں کا ایک جم غفیر تھا اس وقت قریب نہ جا سکے۔ مکھیوں کے دفع ہونے کا انتظار کیا مگر شام کو ایسی بارش ہوئی کہ سیلاب ان کی لاش کو نہ معلوم کدھر بہالے گیا۔ اور وہ اہل مکہ کو دستیاب نہ ہو سکی۔ کہتے ہیں کہ حضرت عاصمؓ نے عہد کیا تھا کہ وہ نہ کسی مشرک کو چھوئیں گے اور نہ کوئی مشرک انہیں چھوئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عہد کا پاس رکھا بعد میں انہی کی بابت حضرت عمرؓ نے فرمایا "اللہ مومن کی حفاظت مرنے کے بعد بھی اسی طرح کرتا ہے جیسے اس کی زندگی میں" (۶)۔

چند دن حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ قید رہے۔ پھر دونوں کو تنعیم میں حدود حرم کے باہر لے جا کر قتل کیا گیا۔ صفوان نے اپنے غلام نسطاس کو حکم دیا کہ حضرت زیدؓ کو قتل کرے۔ تنعیم میں ان کے قتل کا تماشا دیکھنے کے لئے لوگ جمع تھے۔ قتل سے پہلے ابوسفیان بن حرب نے ان سے پوچھا "زید سچ سچ بتا کیا تجھے یہ پسند ہے کہ تیری بجائے ہم محمد (ﷺ) کو یہاں قتل کرتے اور تو اپنے گھر میں ہشاش بشاش رہتا"۔ حضرت زیدؓ نے جواب دیا "واللہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ آنحضرت ﷺ کے کوئی کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے اہل و عیال میں آرام سے بیٹھا رہوں"۔ یہ سن کر ابوسفیان کو کہنا پڑا "میں نے لوگوں میں سے کسی کو ایسی محبت کرتے نہیں دیکھا جیسی محمد (ﷺ) سے ان کے دوست کرتے ہیں" (۷)۔ پھر حضرت زیدؓ کو نیزے سے بار بار زخمی کرکے اذیت دی گئی کہ اسلام سے منحرف ہو جائیں۔ مگر ہر ضرب کے ساتھ ان کا ایمان قوی تر ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ جان جان آفرین کے سپرد کی۔

حضرت خبیبؓ قتل سے پہلے کچھ دن حجیر بن ابی اہاب کی کنیز ماویہ کے گھر قید میں رہے۔ ماویہ کا بیان ہے کہ ایک روز انہوں نے اس سے ایک استرا حاصل کیا۔ اس وقت ماویہ کا چھوٹا سا بیٹا ان کے پاس تھا۔ ماویہ ڈری اور پچھتائی کہ اس نے ناحق استرا انہیں دیا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ انتقاماً اس کے بیٹے کو قتل کر دیں۔ حضرت خبیبؓ اس کے اس خوف کو بھانپ گئے۔ اور اسے اطمینان دلایا کہ وہ ایسا ہرگز نہ کریں گے۔ اسی ماویہ کا قول ہے کہ اس نے حضرت خبیبؓ جیسا قیدی کوئی

دیکھا۔ اسے ایک دن حیرت ہوئی جب اس نے ان کے ہاتھ میں انگوروں کا ایک خوشہ دیکھا کیونکہ نہ یہ انگوروں کا موسم تھا اور نہ مکہ میں کہیں انگور ان دنوں دستیاب تھے۔

حضرت خبیبؓ کو بھی قتل کرنے کے لئے تنعیم لے جایا گیا۔ قتل سے پہلے انہوں نے دو رکعات نماز ادا کرنے کی مہلت چاہی جو دیدی گئی۔ نماز ادا کر کے بولے "اگر تم لوگ یہ خیال نہ کرتے کہ میں اپنے قتل میں دیر لگانے کے لئے نماز پڑھ رہا ہوں تو میں کچھ دیر اور نماز پڑھتا رہتا" (۸)۔ قتل سے پہلے انہیں ایک ٹکٹکی سے باندھ دیا گیا۔ لوگوں نے آخری بار ترغیب دی "اے خبیب اسلام ترک کردو ورنہ یقیناً ہم تمہیں قتل کردینگے"۔ انؓ کا جواب تھا "اللہ کی راہ میں مرنا مجھے بہت آسان ہے"۔ لوگوں نے ان کا رخ کعبے کی طرف سے موڑنا چاہا تو بولے کہ "اللہ کا فرمانا سچ ہے":

"اور مشرق اور مغرب سب خدا ہی کا ہے تو جدھر تم رخ کرو ادھر خدا کی ذات ہے۔ بے شک خدا صاحب وسعت اور باخبر ہے"۔

(البقرۃ ۱۱۵)

پھر اپنے رب کریم سے عرض کیا "اے اللہ ہم نے تیرے رسول کی رسالت کی تبلیغ کی تو بھی اپنے رسول کو ہماری اس حالت کی خبر پہنچادے"۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے یہ دعا بھی کی کہ اللہ تعالیٰ ان کا سلام رسول اللہ ﷺ تک پہنچادے۔ اس وقت رسول اکرم ﷺ حضرت زید بن حارثہؓ اور دوسرے صحابہ کے ساتھ مدینہ میں تھے۔ آپؐ پر وہی کیفیت طاری ہوئی جو نزول وحی کے وقت ہوتی تھی۔ اصحاب نے آپؐ کو کہتے سنا "وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ" آپؐ نے اپنے اصحاب کو بتایا کہ "جبریلؑ نے ابھی خبیبؓ کا سلام مجھے پہنچایا" (۹)۔ اس موقع پر حضرت خبیبؓ نے کفار کے لئے بددعا بھی کی۔ انہیں قتل کرنے کے لئے حارث کے بیٹے عقبہ کو ایک نیزہ دیا گیا کہ وہ اپنے باپ کا انتقام لے۔ عقبہ کا کہنا ہے کہ "میں چھوٹا تھا اس لئے بنی عبدالدار کے ایک شخص ابو میسرہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر اس نیزے سے خبیبؓ کو قتل کیا" (۱۰)۔ جب تک جسم میں جان رہی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ورد زباں رہا۔ یہ شہادت صفر ۴ھ میں واقع ہوئی۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہی اصحاب کے لئے قرآن مجید میں کہا گیا:

"اور کوئی شخص ایسا ہے کہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے۔ اور خدا بندوں پر بہت مہربان ہے"۔ (البقرۃ ۲۰۷)

تاریخ اسلام کے ابتدائی صفحات میں کردار کی یہ عظمتیں جابجا بکھری ہوئی ملتی ہیں۔

☆☆

(۱) شبلی نعمانی نے یہ نام دیا ہے ('سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۲۷) یہی نام سر ولیم میور اور منٹگمری واٹ کے یہاں ہے۔ لیکن بعض ارباب سیر کے یہاں یہ نام خالد بن سفیان ہے (محمد حسین ہیکل 'حیات محمدؐ' صفحہ ۳۷۷)

(۲) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۳۳۔ صحیح بخاری میں اور ابن کثیر کے یہاں یہ روایت اس طرح ہے کہ یہ اصحاب اہل مکہ کا جائزہ لینے یا جاسوسی کے لئے روانہ کئے گئے تھے۔

(۳) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۵۰ (کتاب المغازی' باب غزوۃ الرجیع)

(۴) الفرید غیوم دی لائف آف محمدؐ (The Life of Muhammad) صفحہ ۴۲۶ ابن سعد نے بھی اس واقعہ کو سریہ مرثد کا نام دیا ہے (ابن سعد 'طبقات' جلد اول صفحہ ۳۵۴)

(۵) سلافہ بنت سعد طلحہ کی زوجہ تھی جو مشرکین کا علمبردار تھا اس کا شوہر اور چار بیٹے احد میں مارے گئے تھے۔ ایک بیٹے نے دم توڑتے وقت اسے بتایا تھا کہ وہ عاصم بن ثابتؓ کے تیر سے مجروح ہوا تو سلافہ نے عہد کیا کہ عاصمؓ کے کاسئہ سر میں شراب پیئے گی۔

(۶) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۳۴ نیز ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۹۷' ۹۸

(۷) موسیٰ بن عتبہ کا بیان ہے کہ یہ واقعہ حضرت خبیبؓ کا ہے (ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۰۰)

(۸) مسلمانوں کے لئے قتل کی سزا سے پہلے دو رکعات ادا کرنے کا طریقہ انہی نے قائم کیا (ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۳۵) رسول اللہ ﷺ کو حضرت خبیبؓ کی اس نماز کی بات معلوم ہوا تو آپؐ نے اسے پسند فرمایا چنانچہ یہ نماز مستحب قرار دی گئی ہے۔

(۹) مارٹن لنگز 'محمدؐ' (Muhammad) صفحہ ۲۰۰ (بحوالہ واقدی)

(۱۰) طبری نے عمرو بن امیہ الضمریؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ قریش کا جائزہ لینے مکہ آئے ہوئے تھے حضرت خبیبؓ کی لاش ٹکٹکی پر لٹک رہی تھی۔ انہوں نے رات کو محافظین کی نظروں سے بچ کر ٹکٹکی پر چڑھ کر لاش کو کھولا تو زمین پر گر پڑی۔ یہ نیچے اترے تو لاش نظر نہ آئی معلوم ہوتا تھا کہ زمین کھا گئی۔ آج

تک اس کا پتہ نہ چلا (طبری "تاریخ طبری" حصہ اول صفحہ ۲۵۶) اسی باعث انہیں "بلیع الارض" کا نام دیا گیا (محمد ادریس کاندھلوی "سیرۃ المصطفیٰ" جلد اول صفحہ ۶۹۹)

يقول رسول الله صلى الله عليه وسلم

إن الإسلام نظيف فتنظفوا فإنه لا يدخل الجنة إلا نظيف

١٣٨٣

اللهم صل وسلم على نبي الرحمة وشفيع الأمة محمد وآله وصحبه

كتبه الحاج محمد عبد القادر عبد الله سنة ١٣٨٣

□ محمد عبد القادر عبد اللہ کے قلم سے خطِ ثلث، نسخ اور اجازہ پر مشتمل نمونہ

(۹۰) المیہ بئر معونہ

حضرت عبیدہ بن حارثؓ جنگ بدر کے شروع میں مبارزت کے دوران شدید زخمی ہو کر شہید ہوگئے تھے۔ ان کی بیوہ حضرت زینبؓ بنت خزیمہ جن کا تعلق ایک بدوی قبیلہ عامر سے تھا تقریباً سال بھر سے بیوگی کی زندگی گذار رہی تھیں۔ اپنی غربا پروری کی بنا پر دور جاہلیت میں بھی ام المساکین کہلاتی تھیں۔ ۳ھ کے اواخر میں بقول ابن سعد ہجرت کے اکتیسویں مہینے (۱) میں رسول اکرم ﷺ نے ان کی دلجوئی کی خاطر انہیں نکاح کا پیام دیا۔ انہوں نے اس عزت افزائی کو شوق سے قبول کیا۔ غالباً اس نئے رشتے کی وجہ سے انہی کے بدوی قبیلے کا ایک معمر سردار ابوبراً عامر بن مالک کلابی (۲) (اس کا لقب ملاعب الاسنہ یعنی نیزوں سے کھیلنے والا تھا) رسول اللہ ﷺ سے شرف ملاقات کے لئے آیا۔ کچھ ہدیئے (دو گھوڑے اور دو ناقے) ساتھ لایا۔ آپؐ نے اسے اسلام پیش کیا تو اس نے قبول نہ کیا۔ لیکن رد بھی نہ کیا۔ آپؐ نے اس کے تحائف قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اس نے عرض کی کہ چند صحابہ اس کے ساتھ کردیئے جائیں جو اس کے قبیلے اور دوسرے اہل نجد میں اسلام کی تبلیغ کریں۔ بہت ممکن ہے کہ اس کا قبیلہ اسلام قبول کرلے۔ آپؐ نے تردد ظاہر کیا چونکہ بنی عامر ہوازن ہی کی ایک شاخ تھے اور نجد میں ہوازن اور بنی سلیم قریش کے ہمنوا اور مسلمانوں کے دشمن تھے۔ خطرہ تھا کہ مبلغین اسلام کو نقصان پہنچائیں۔ ابوبراء نے یہ کہہ کر مسلمانوں کی حفاظت کا ذمہ لیا کہ وہ اپنے قبیلے کا سردار تھا اور یہ مبلغین اس کی امان وپناہ میں ہونگے۔ اس کی اس یقین دہانی پر آپؐ نے چالیس یا ستر (۳) صحابہ حضرت منذر بن عمروانصاریؓ (حضرت عمر فاروقؓ کے خسر) کی قیادت میں ابوبراء کے ساتھ روانہ کردیئے۔ اکثر حضرات انصار اور اصحاب صفہ میں سے تھے۔ چند مہاجر بھی تھے۔ آپؐ نے ایک خط بنی عامر کے دوسرے رئیس عامر بن طفیل کے نام اس جماعت کے ساتھ کردیا جو ابوبراء کا بھتیجا تھا اور خود سرداری کا دعویدار تھا۔ مسلمانوں نے مدینہ سے روانہ ہو کر بئر معونہ پر قیام کیا۔ یہ کنواں بنی عامر اور بنی سلیم کے علاقوں کے درمیاں مکہ ومدینہ کے راستے طریق شرقی پر واقع تھا۔ یہاں سے حضرت حرام بن ملحانؓ

(حضرت ام سلیمؓ کے بھائی' حضرت انس بن مالکؓ کے ماموں) رسول اللہ ﷺ کے نامہ مبارک لے کر عامر بن طفیل کے پاس گئے۔ اس بدبخت نے خط پڑھا بھی نہیں اور اپنے ملازم کو اشارہ کیا جس نے پیچھے سے حضرت حرامؓ کی پشت میں نیزہ مار کر انہیں شہید کر دیا۔ اس قاتلانہ حملے پر حضرت حرامؓ کی زبان سے نکلا "رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا" (۴)۔

اس انتہائی نازیبا اور بزدلانہ حرکت کے بعد عامر بن طفیل نے اپنے اہل قبیلہ سے چاہا کہ باقی صحابہ پر جو بئر معونہ پر مقیم تھے حملہ آور ہوں۔ لیکن قبیلے والے ابوبراء کی دی ہوئی امان کو توڑنے پر راضی نہ ہوئے۔ مجبوراً عامر بن طفیل نے بنی سلیم کے تین ذیلی قبائل عصیہ' رعل' اور ذکوان سے مدد چاہی۔ یہ پہلے ہی سے مسلمانوں سے خار کھائے بیٹھے تھے۔ عامر کی شہ پاتے ہی ان کے سواروں کا ایک دستہ بئر معونہ پہنچا اور اچانک حملہ کر کے سب مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ صرف تین حضرات بچے۔ ایک کعب بن زیدؓ تھے۔ یہ اس قدر زخمی تھے کہ دشمنوں نے مردہ سمجھ کر دوسری لاشوں کے درمیان چھوڑ دیا۔ کسی نہ کسی طرح زخمی حالت میں مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ بعد میں صحت یاب ہو کر غزوہ خندق میں شہید ہوئے۔ باقی دو حضرات عمرو بن امیہؓ ضمری اور منذر بن محمد بن عقبہؓ (د) تھے۔ یہ دونوں اس حادثے کے وقت اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے۔ دور سے چیلوں اور گدھوں کو منڈلاتے دیکھا تو حادثے کا کچھ اندازہ ہوا۔ قریب آئے تو شہیدوں کی لاشیں سامنے تھیں۔ حضرت عمروؓ کا مشورہ تھا کہ فوراً مدینہ جاکر رسول اللہ ﷺ کو خبر کریں۔ لیکن حضرت منذرؓ اس پر راضی نہ ہوئے دو تین کافروں کو قتل کر کے خود بھی شہید ہو گئے۔ حضرت عمروؓ کو ان کافروں نے گرفتار کر لیا۔ لیکن پھر ان کے سردار عامر بن طفیل نے یہ معلوم کر کے کہ ان کا تعلق قبیلہ ضمرہ سے ہے ان کے پیشانی کے بال کاٹ کر رہا کر دیا کہ اس طرح اپنی ماں کی ایک ضمری غلام کو آزاد کرنے کی نذر پوری کر سکے۔

حضرت عمروؓ رہا ہو کر قرقرہ نامی مقام پر پہنچے۔ یہاں ایک درخت کے سائے میں آرام کر رہے تھے کہ دو اور اشخاص آکر اس درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ گفتگو کے دوران حضرت عمروؓ کو معلوم ہوا کہ ان کا تعلق بنی عامر سے تھا۔ اپنا ساتھیوں کے انتقام کی غرض سے دونوں کو سوتے میں قتل کر دیا۔ یہ خبر نہ تھی کہ یہ دونون ان لوگوں میں سے تھے جو رسول اللہ ﷺ سے اپنے عہد پر قائم تھے اور جنہوں نے ابوبراء کی امان کا پاس رکھا تھا۔ جب حضرت عمروؓ نے آپؐ کی

خدمت میں آکر سارا ماجرا بیان کیا تو آپؐ کو ملال ہوا اور فرمایا کہ "ان دونوں مقتولوں کی دیت ہمیں ادا کرنا ہوگی"۔ چنانچہ بعد میں یہ دیت آپؐ نے بنی عامر کو بھجوادی۔

رجیع اور بئر معونہ کے متواتر المیئے جو صفر ۴ھ میں واقع ہوئے رسول اللہ ﷺ کے لئے بڑے اندوہناک تھے۔ حضرت انس بن مالکؓ جو ہجرت کے بعد ہمیشہ آپؐ سے بہت قریب رہے کہتے ہیں کہ انہوں نے آپؐ کو کسی بات پر اتنا ملول نہ دیکھا (۶)۔ بئر معونہ کے شہیدوں میں حضرت منذربن عمروؓ کے علاوہ حضرات حارث بن صمہؓ (جنہوں نے جنگ احد میں حضور ﷺ کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگادی تھی) حرام بن ملحانؓ عروہ بن اسماء السلمیؓ نافع بن بدیلؓ عامر بن فہیرہؓ (حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلام جو سفر ہجرت میں رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے) وغیرہ شامل تھے (۷)۔ اکثر شہدا اصحاب صفہ میں سے بڑے عبادت گذار اور عالم تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان تمام حضرات کا اس قدر ملال ہوا کہ ایک ماہ تک نماز فجر کے بعد قبائل رعل لحیان ذکوان اور عصبہ کے لئے بددعا فرمائی۔ دعائے قنوت کی ابتدا اسی طرح ہوئی (۸)۔

حسان بن ثابتؓ نے یہ غمناک مرثیہ لکھا:

"اے آنکھ! تو شہدائے معونہ پر بہت اشکبار ہو۔ رسول اللہ ﷺ کے لشکر پر جو صبح کے وقت دشمن سے برسرپیکار ہوا۔ اور قضاؤ قدر کے موافق ان کو موت لاحق ہوئی۔ ایک قوم کے عہد کے باعث وہ موت کے گھاٹ اترے۔ ان کا معاہدہ غدرو بیوفائی سے توڑدیا گیا ہائے افسوس منذربن عمرو پر جب وہ پلٹا اور موت کے منہ میں صبر کے ساتھ چلا گیا۔ سفید فام بزرگوار آل عمرو کے بہتر شخص کو تقدیر نے اس صبح آلیا" (۹)۔

رسول اللہ ﷺ نے اس المئے کا ذمہ دار ابوبراء کو قرار دیا جو باوجود اپنے عہد کے مسلم جماعت کو تحفظ فراہم نہ کرسکا۔ اسے جب اس کا علم ہوا تو بہت رنجیدہ ہوا غالباً اسی کے حکم سے یا حسان بن ثابتؓ اور کعب بن مالکؓ کے مرثیوں سے متاثر ہوکر اس کے بیٹے ربیعہ نے عامر بن طفیل کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ اس کی ران پر ایسا نیزہ مارا کہ گھوڑے سے گرپڑا اور وصیت کی کہ "اگر میں مرجاؤں تو میرا خون میرے چچا کے لئے ہے۔ اس کے پیچھے نہ لگنا۔ اور اگر زندہ رہا تو اپنی رائے کے موافق عمل کروں گا" (۱۰)۔

☆☆

(۱) ابن سعد 'طبقات' حصہ ہشتم صفحہ ۱۵۴۔ بعض سیرت نگاروں مثلاً شبلی نعمانی سرولیم میور وغیرہ نے اس نکاح کی تاریخ رمضان ۳ھ بتائی ہے جو صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ مارٹن لنگز نے ابن سعد کے قول کو صحیح مانا ہے 'محمد' (Muhammad) صفحہ ۲۰۱۔ اسی طرح نعیم صدیقی نے بھی ('محسن انسانیت' صفحہ ۶۱۲)

(۲) یہ وہی شخص تھا جسے قبل بعثت رسول اکرم ﷺ نے جنگ فجار میں نیزے سے زخمی کیا تھا (محمد حمید اللہ 'رسول اکرم کی سیاسی زندگی' صفحہ ۲۵۹)

(۳) صحیح بخاری کی تمام روایات میں تعداد ستر بتائی گئی ہے۔

(۴) ان کے قاتل کا نام جبار بن سلمی تھا۔ اسے حضرت حرامؓ کے اس قول پر حیرت تھی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ کامیابی سے ان کی مراد حصول بہشت تھی۔ تو بہت متاثر ہوا۔ یہی واقعہ اس کے اسلام لانے کا سبب ہوا (ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۰۸) بعض مورخین نے یہ الفاظ حضرت عامر بن فہیرہؓ سے منسوب کئے ہیں جو بئر معونہ میں شہید ہوئے (ابوالکلام آزاد 'رسول رحمتؐ' صفحہ ۳۲۸)

(۵) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۴۱ بعض سیر نگاروں نے حضرت منذرؓ کی بجائے حضرت حارث بن صمہؓ کا نام لیا ہے جو احد میں بڑی جاں نثاری سے لڑے تھے (مارٹن لنگز 'محمد' (Muhammad) صفحہ ۲۰۱)

(۶) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۳۵۴

(۷) ابن حزم 'جوامع السیرۃ' صفحہ ۱۸۷

(۸) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۵۵ (کتاب المغازی۔ باب غزوۃ الرجیع)

(۹) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۱۰

(۱۰) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۴۲

(۹۱) بنی نضیر

حضرت عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ سے نبی عامر کے دو افراد کا قتل ناحق بظاہر نامناسب تھا لیکن کچھ ایسے دور رس نتائج کا سبب بنا جو مسلمانوں کے لئے کئی اعتبار سے سود مند ثابت ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے عدل وانصاف کی بنا پر ان مقتولوں کا خون بہا ادا کرنا ضروری سمجھا۔ اور اس کی فراہمی کا انتظام کرنا چاہا۔ یہودی قبیلہ بنی نضیر جو مدینہ کے جنوب میں قبا سے چار پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر آباد تھا نبی عامر کے حلیفوں میں سے تھا اور اس کا جو معاہدہ مسلمانوں سے تھا اس کے بموجب بھی اسے اصولاً اس خون بہا کی ادائیگی میں اعانت کرنا تھی۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ دس صحابہ کے ساتھ بنی نضیر کے محلے میں تشریف لے گئے۔ صحابہ میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ آپؐ کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے بنی نضیر کے سرداروں حیُ بن اخطب سلام بن ابی الحقیق اور کنانہ بن ربیع وغیرہ سے اپنی آمد کے مقصد کا اظہار کیا یہ سردار بظاہر اس اعانت کے لئے راضی ہوگئے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ جب تک رقم کا انتظام ہو تشریف رکھیں۔ آپؐ اور صحابہ ایک گڑھی کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

یہودی علیحدہ ہو کر آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ سازش ان کا طریقہ تھا۔ رجیع اور بئر معونہ کی سازشوں سے بھی ان کی حوصلہ افزائی ہوئی تھی۔ سوچا کہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا یہ اچھا موقع ہے کوئی چھت پر چڑھ کر اوپر سے ایک بڑا پتھر آپؐ کے سر پر پھینک دے تو یہ مقصد پورا ہوجائے گا۔ اور لوگوں میں اسے ایک اتفاقیہ حادثے کی شکل میں پیش کرنا آسان ہوگا۔ اس ناپاک منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک یہودی عمرو بن جحاش تیار ہوگیا۔ ہر چند کہ ایک دوسرے یہودی سلام بن مشکم نے مخالفت بھی کی کہ اس ناپاک ارادے کی خبر رسول اکرم ﷺ کو ہوجائے گی اور اس کے علاوہ یوں بھی یہ حرکت شدید بدعہدی اور پیماں شکنی کا ارتکاب ہے۔ لیکن وسیسہ کار یہودیوں پر اس کے قول کا اثر نہ ہوا۔

سلام بن مشکم کا خیال صحیح تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بذریعہ وحی یہودیوں کے اس ارادے سے مطلع فرمایا۔ آپؐ یکایک اٹھ کھڑے ہوئے اور کچھ کہے سنے بغیر واپس ہوئے صحابہ نے کچھ دیر آپؐ کی واپسی کا انتظار کیا کہ شاید کسی ضرورت سے گئے ہیں۔ جب آپؐ دیر تک واپس نہ ہوئے تو یہ حضرات آپؐ کی تلاش میں نکلے۔ کسی نے بتایا کہ اس نے آپؐ کو مدینہ میں مسجد میں داخل ہوتے دیکھا تو یہ اصحاب بھی مدینہ واپس ہوئے۔ یہاں آپؐ نے یہودیوں کے مکرو فریب کا حال صحابہ کو بتایا۔ طے ہوا کہ مدینہ کو ایسے سازشی' عیار اور خطرناک دشمنوں سے پاک رکھناضروری تھا۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت محمد بن مسلمہؓ (جنہوں نے اشرف بن کعب کو ٹھکانے لگایا تھا) کو بنی نضیر کے پاس اس اعلان کے ساتھ روانہ فرمایا کہ دس روز کے اندر شہر خالی کردیں ورنہ جہاں پائے جائیں گے قتل کردیئے جائیں گے۔ یہودی ہیبت زدہ ہوئے۔ اسلام سے قبل یہ قبیلہ اوس کا حلیف تھا۔ اس بنا پر انہوں نے حضرت محمد بن مسلمہؓ سے کہا "ہم نہ سمجھتے تھے کہ اوس کے کسی فرد سے ہم ایسی خبر سنیں گے"۔ اسلام کے بعد حالات مختلف تھے۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے جواب دیا "اب دل بدل چکے ہیں"۔

بنی قینقاع کا انجام ان یہودیوں کی نظر میں تھا۔ انہیں جلاوطن ہوتے وقت اپنا سارا سامان ساتھ لے جانے کی سہولت دی گئی تھی۔ چنانچہ ترک وطن ہی میں اپنی بہتری سمجھی۔ اور روانگی کی تیاری شروع کردی۔ بنی قینقاع کے بعد یہودیوں کی یہ دوسری جلاوطنی رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے اپنے اسلام دشمن مفاد کے خلاف تھی۔ اس نے یہودیوں کو اپنے تعاون واعانت کا یقین دلایا اور یہ پیغام بھیجا کہ ہرگز اپنا علاقہ نہ چھوڑیں۔ وقت آنے پر وہ مع اپنے دو ہزار ساتھیوں کے ان کی مدد کرے گا۔ یہاں تک کہ اگر انہیں نکلنا ہی پڑا تو وہ خود اور اس کے ساتھی بھی نکل جائیں گے۔ اس یقین دہانی میں چند دوسرے منافقین ودیعہ اور مالک بن قوقل' داعس اور سوید وغیرہ بھی شریک تھے (۱)۔ یہودی ابن ابی اور ان منافقین کے کہنے میں آگئے اور اپنا ارادہ بدل بیٹھے۔ انہیں یہ بھی توقع تھی کہ مدینہ کے دوسرے یہودی بنی قریظہ اپنے ہم مشربوں کی مدد کریں گے۔ اس کے علاوہ ان کے بدوی حلیف بنی غطفان جو مسلمانوں کے دشمن تھے ان کی امداد کے لئے آجائینگے۔ حیی بن اخطب نے ان دونوں جماعتوں کی طرف اپنے قاصد دوڑا دیئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کو یہ پیغام بھجوا دیا کہ یہودی اپنی ملکیت اور اپنا علاقہ نہ چھوڑیں گے۔ مسلمانوں سے جو ہوسکے کرلیں۔

آپؐ نے یہ پیغام سنا تو نعرہ تکبیر بلند کیا۔ حاضرین نے تقلید کی اور ساری مسجد اللہ اکبر کی صداؤں سے گونج اٹھی۔ آپؐ نے صحابہ سے فرمایا "یہ یہودیوں کی طرف سے اعلان جنگ ہے"۔ جلد ہی مسلمانوں کا ایک لشکر تیار ہوگیا۔ آپؐ نے شہر کا انتظام حضرت ابن ام مکتومؓ کے سپرد کیا۔ لشکر کا علمبردار حضرت علیؓ کو مقرر فرمایا اور بنی نضیر کی بستی کے قریب ایک میدان میں جاکر ٹھہرے اور نماز ظہر ادا کی۔ اس دوران یہودیوں نے اپنی گڑھیوں میں قلعہ بند ہوکر چھتوں پر مورچے سنبھال لئے جہاں سے تیراندازی اور سنگ باری کی جاسکتی تھی۔ شام تک مسلمانوں کے لشکر میں مزید اضافہ ہوگیا اور انہوں نے ہر طرف سے بنی نضیر کا محاصرہ کرلیا۔ یہودیوں کی تیراندازی اور سنگ باری کچھ موثر نہ ثابت ہوئی۔ تین چار دن اس طرح گذر گئے تو یہودی حوصلے پست ہونا شروع ہوئے۔ بنی قریظہ اپنا میثاق توڑ کر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے تیار نہ تھے۔ کسی بدوی قبیلے نے حیی بن اخطب کے پیغامات پر توجہ نہ دی اور بنی نضیر کو جس پر سب سے زیادہ بھروسہ تھا یعنی ابن ابی کی یقین دہانی وہ بھی جھوٹ ثابت ہوئی جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"کیا تم نے ان منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کافر بھائیوں سے جو اہل کتاب ہیں کہا کرتے ہیں کہ اگر تم جلاوطن کئے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل چلیں گے اور تمہارے بارے میں کبھی کسی کا کہا نہ مانیں گے۔ اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو تمہاری مدد کریں گے۔ مگر خدا ظاہر کئے دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور اگر ان سے جنگ ہوئی تو ان کی مدد نہ کریں گے اور اگر مدد کریں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ پھر ان کو کہیں سے مدد نہ ملے گی"۔ (الحشر ۱۱'۱۲)

ادھر رسول اللہ ﷺ نے ان کھجور کے درختوں کو کاٹنے کا حکم دیا جو قریب ہی یہودیوں کو حفاظت فراہم کررہے تھے۔ یہودی اس پر طعنہ زن ہوئے کہ یہ تو خود رسول اللہ ﷺ کے نزدیک فساد کے مترادف تھا۔ لیکن حقیقتاً یہ فساد نہ تھا بلکہ جنگی حکمت عملی کے طور پر اللہ تعالیٰ کا

یہی حکم تھا:

"(مومنو) کھجور کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو خدا کے حکم سے تھا۔ اور مقصود یہ تھا کہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے"۔ (الحشر ۵)

بے شک کبھی ضرورت کے لئے دشمن کے علاقے میں ایسی تخریبی کارروائی 'فساد فی الارض' نہیں۔ ابھی چند ہی درخت کٹے تھے کہ بنی نضیر یہ نظارہ برداشت نہ کرسکے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ وہ جلا وطنی کے لئے تیار ہیں۔ (انہیں غالباً یہ امید تھی کہ کبھی واپس ہو کر اپنے باغات دوبارہ حاصل کرنے میں شاید کامیاب ہوجائیں)۔ آپؐ نے یہ عرض داشت منظور فرمائی اور ہتیاروں کے علاوہ جو کبھی مسلمانوں کے لئے مضرت رساں ہوسکتے تھے تمام سامان لے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی جو اونٹوں پر جاسکتا تھا۔ یہ محاصرہ ربیع الاول ۴ھ (اگست ۶۲۵ء) میں پندرہ روز یا ایک روایت کے مطابق صرف چھ یوم قائم رہا۔

یہودیوں نے اپنا سارا سامان اونٹوں پر لادا۔ حد یہ ہے کہ گھروں کے کواڑ اور چوکھٹیں تک ساتھ لیں۔ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کی اس تباہی کے منظر کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے:

"وہی تو ہے جس نے کفار اہل کتاب کو حشر اول کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا۔ تمہارے خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے ان کو خدا کے عذاب سے بچا لیں گے۔ مگر خدا نے ان کو وہاں سے آلیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا۔ اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں سے اجاڑنے لگے تو اے (بصیرت کی) آنکھیں رکھنے والو عبرت پکڑو" (الحشر ۲)

پھر چھ سو اونٹوں کا یہ شاندار قافلہ مدینہ کے بازار سے گزرا۔ اپنے احساس شکست کو چھپانے کے لئے تمام اونٹ بڑے باوقار طریقے سے سجے ہوئے تھے۔ جن اونٹوں پر خواتین سوار تھیں ان کے کجاووں کے پردے ہٹے ہوئے تھے کہ خواتین کے قیمتی زیوارت اور لباس کی نمائش ہوسکے۔ یہ قافلہ ڈھول اور طنبورے بجاتا شمال کی طرف روانہ ہوگیا۔ اکثر یہودی خیبر میں ٹھہر گئے جہاں ان کی جائدادیں تھیں۔ ان میں حیٔ بن اخطب' سلام بن ابی الحقیق اور کنانہ بن ربیع وغیرہ شامل تھے۔ انہیں خیبر والوں نے جلد ہی اپنا رئیس تسلیم کرلیا (۲)۔ مگر جیسا کہ آگے آئیگا یہ ریاست بھی چند روزہ تھی (۳)۔ باقی یہودی شام کی سرحد کی طرف بڑھ گئے۔

بنی نضیر مدینہ کے یہودیوں میں سب سے زیادہ رئیس تھے اور بہت سے باغات اور زمینیں چھوڑ گئے۔ اس کے علاوہ بہت سے ہتیار بھی جن میں تین سو چالیس پچاس تلواریں پچاس زرہیں اور اتنے ہی خود شامل تھے۔ ان کی چھوڑی ہوئی یہ دولت بغیر کسی جنگ کے حاصل ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مال فے قرار دیا اور اس کا تصرف رسول اکرم ﷺ کی رائے پر چھوڑ دیا:

"اور جو (مال) خدا نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے لڑائی کے بغیر دلوایا ہے اس میں تمہارا کچھ حق نہیں کیونکہ اس کے لئے تم نے نہ گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ لیکن خدا اپنے پیغمبرؐ کو جس پر چاہتا ہے مسلط کردیتا ہے۔ اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ جو مال خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو دیہات والوں سے دلوایا ہے وہ خدا کے اور پیغمبرؐ کے اور (پیغمبر کے) قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور حاجت مندوں کے اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ جو لوگ تم میں دولتمند ہیں انہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے۔ سو جو چیز تم کو پیغمبرؐ دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔ اور خدا سے ڈرتے رہو۔ بے شک خدا سخت عذاب دینے والا ہے"۔ (الحشر ۶'۷)

رسول اللہ ﷺ نے یہ تمام گھر باغات اور زمینیں مہاجروں میں تقسیم کیں جو ہجرت کے بعد بے سروسامان تھے اور انصار کی امداد کے دست نگر تھے۔ صرف دو انصاریوں کو ان کی مفلسی

کے باعث کچھ حصہ دیا گیا۔ یہ حضرت ابو دجانہ سماک بن خرشہ اور سہل بن حنیفؓ تھے۔ ایک چھوٹا سا باغ آپؐ نے اپنے کنبے کے ذاتی اخراجات اور قومی ضروریات کے لئے رکھا۔ اس تقسیم سے پہلے آپؐ نے انصار سے فرمایا "اگر تم چاہو تو مہاجرین کو اپنے مال ومتاع اور گھروں میں شریک کرلو اور اس غنیمت میں ان کے ساتھ شریک ہوجاؤ اور اگر چاہو تو تمہارے اموال اور جائدادیں تمہارے پاس رہیں اور تمہیں غنیمت میں سے کچھ نہ ملے"۔ انصار نے کہا "بلکہ ہم اپنے مال ومتاع اور گھروں میں بھی انہیں شریک بناتے ہیں۔ اور اس مال فۓ میں بھی ان کے ساتھ شریک نہیں ہوتے"۔ یہ قربانی کی ایک منفرد مثال تھی (۴)۔ جسے قرآن مجید میں بھی سراہا گیا:

"......جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور خلش) نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔ اور جو شخص حرص نفس سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں"۔ (الحشر ۹)

یہودیوں کی یہ بستی مدینہ میں مسلمانوں کے خلاف شرارت کا ایک خطرناک مرکز تھی۔ اسی نے کعب بن اشرف جیسے شریر اور فتنہ انگیز پیدا کئے تھے۔ یہ کانٹا نکل گیا تو شہر میں امن وامان کی فضا بہتر ہوئی اور منافقین کا زور کم ہوا۔ معیشت کو بھی فائدہ پہنچا۔ سارے مہاجر خود کفیل ہوگئے۔ انصار پر جو بار تھا ہلکا ہوا۔ بنی نضیر میں سے دو حضرات یامین بن عمیر اور ابوسعید بن وہب مسلمان ہوگئے۔ ان کی جائداد بدستور ان کے پاس رہی۔ یامین عمرو بن جحاش کے چچا زاد بھائی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا "دیکھا تمہارے بھائی نے کیا کیا اور میرے لئے کیا سوچا" (۵)۔ ایک روایت کے مطابق یامینؓ نے کسی کو اجرت دے کر عمرو بن جحاش کو قتل کروادیا (۶)۔

☆☆

(۱) ابن ہشام "سیرۃ النبی" جلد دوم صفحہ ۱۴۴

(۲) ابن کثیر "سیرۃ النبی" جلد دوم صفحہ ۱۱۲

(۳) ممکن ہے توریت کے ان الفاظ میں اسی کی طرف اشارہ ہو .... "وہ اپنی دولت گدھوں کی پیٹھ پر اور اپنے خزانے اونٹوں کے کوہان پر لاد کر اس قوم کے پاس جاتے ہیں جس سے ان کو کچھ فائدہ نہ ہوگا"۔ (توریت کتاب یسعیاہ ۳۰/۶)

(۴) سید قطب شہید "تفسیر فی ظلال القرآن" جلد دہم صفحہ ۳۰۸

(۵) ابن ہشام "سیرۃ النبی" جلد دوم صفحہ ۱۴۵

(۶) ایضاً
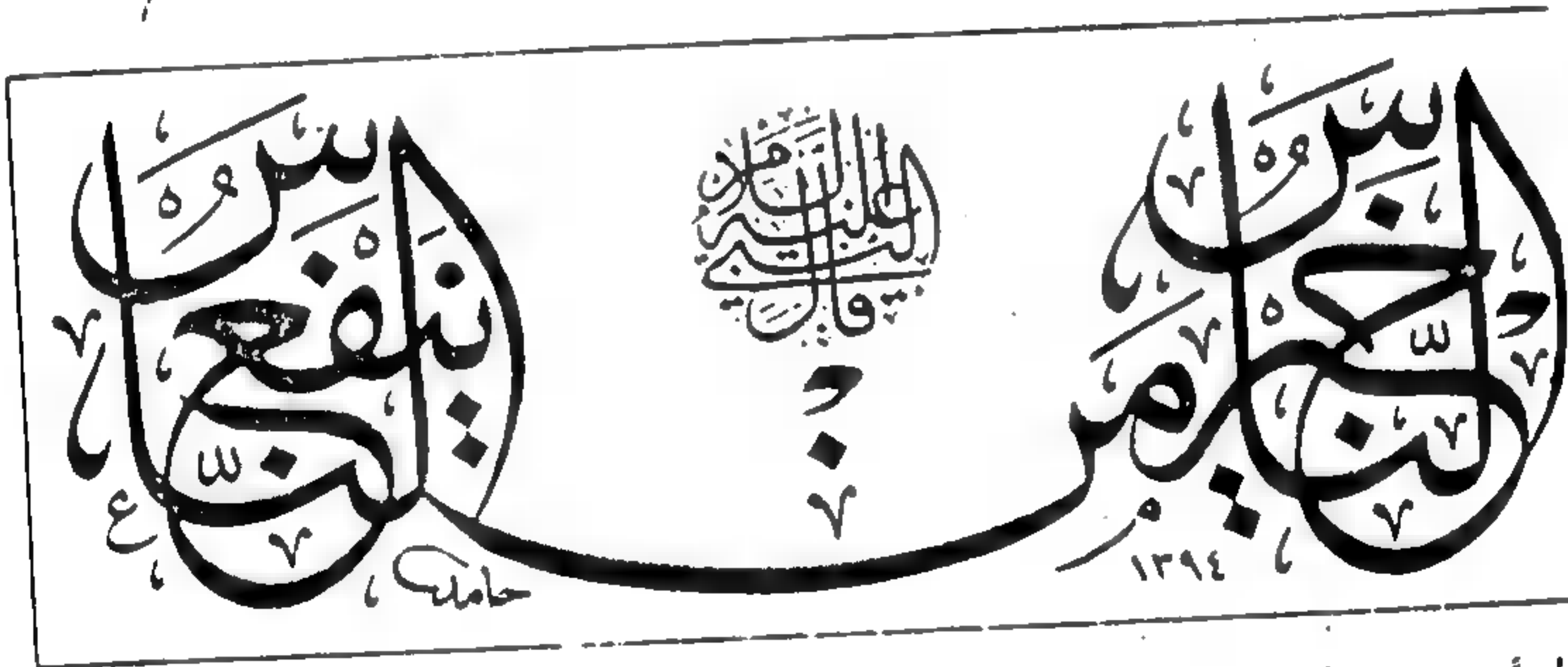
ر النّاس من ینفعُ النّاس

□ یہ خط حامد الآمدی خط ثلث جلی میں حدیث مبارک

(۹۲) داخلی حالات

ان غزوات وسرایا کے ساتھ ہی رسول اکرم ﷺ رسالت کے وہ فرائض بھی ادا کرتے رہے جن کا تعلق معاشرے کی اصلاح سے تھا۔ ایک اسلامی ریاست کی نبیاد رکھ کر مسلمانوں میں ایک نہایت خوشگوار مواخاتی فضا قائم کردی گئی تھی۔ اور ساتھ ہی اصحاب صفہ کی شکل میں ایک تعلیمی اور تربیتی ادارے نے بھی کام شروع کردیا تھا۔ ایک بڑی ضرورت عرب کے مظلوم ترین طبقے کو اس کا صحیح مقام عطا کرنا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ صرف عرب ہی میں نہیں بلکہ تمام دنیا میں عورت اپنے نبیادی حقوق سے محروم اور مظالم کا شکار تھی۔ عرب میں جو خواتین پیدا ہوتے ہی یا بچپن میں زندہ درگور اور پیوند خاک ہونے سے بچ بھی جاتی تھیں ان کے لئے زندگی کی ہر منزل دشوار تھی۔ وہ مرد کے سامنے قطعی بے بس تھیں۔ لیکن اب عورت کو مرد کے برابر ٹھہرایا گیا۔ اسے ویسے ہی حقوق دیئے گئے جو مرد کو حاصل تھے۔ یہ وہ حقوق تھے جن کے لئے یورپ کی عورت کو ابھی پانچ صدیوں تک اور انتظار کرنا تھا۔ قوام کی حیثیت سے بے شک مرد کو ایک درجہ حاصل تھا کیونکہ خاندان کی قیادت کا بار وہی اٹھا سکتا تھا۔ پہلے شوہر کی وفات کے بعد عورت خود دوسروں کے لئے میراث بن جاتی تھی اب اسے میراث کا حق عطا ہوا جو اس دور کی دنیا میں کسی ملک وقوم کی عورت کو حاصل نہ تھا۔ شادی سے قبل اسے اپنے شوہر کو پسند یا ناپسند کرنے کا اختیار ملا اور ہر قسم کے ظلم سے اس کی حفاظت فرمائی گئی۔ اس طرح خاندان کو ایک نئی یک جہتی اور نئی قدریں عطا ہوئیں۔ مردوزن میں صرف اسی حد تک امتیاز روا رکھا گیا جہاں تک کہ دونوں اصناف کے طبیعی ونفسیاتی اور وظائف ومقاصد کے اختلاف کا تقاضا تھا۔ لامحدود تعداد ازواج کو چار کی حد تک محدود کردیا گیا اس شرط کے ساتھ کہ عدل کا دامن نہ چھوٹے ورنہ مرد کو ایک ہی زوجہ پر قناعت ضروری تھی۔ ازدواجی قوانین سے زوجین کے تعلق کو استحکام بخشا گیا اور عورت کے مقام کو مزید رفعت عطا ہوئی۔ محرمات کی صاف صاف نشاں دہی کردی گئی۔ مسلمان سے مشرکہ کا نکاح ممنوع ہوا۔ بتایا گیا کہ شادی کی اصل غرض وغایت ایک پاک روحانی ملاپ' بقائے نسل اور قیام

عفت ہے نہ کہ وقتی انبساط وراحت اس طرح نکاح اور سفاح کا فرق واضح کیا گیا۔ وراثت کا ایک مفصل قانون نافذ ہوا کہ خاندان کا کوئی فرد اپنے حق سے محروم نہ رہ جائے۔ یتیموں کے حقوق پر خاص طور سے زور دیا گیا کہ کسی طرح ان کی حق تلفی نہ ہو۔ اور جس سورۃ میں یہ تمام احکام نازل ہوئے اسے سورۃ النساء کا نام ملا تاکہ معاشرے میں عورت کو وہی اہمیت حاصل ہو جس کی وہ حقدار تھی۔ مسلم خاتون کی شرافت کے امتیازی نشان حجاب کا حکم بھی جو عورت کی عزت وعفت کا ضامن ومحافظ ہے چند ہی ماہ بعد ۵ھ میں نازل ہونے والا تھا۔

ام الخبائث شراب کو قطعی حرام کیا گیا۔ یہ ایک تدریجی عمل تھا جو گذشتہ سال سے شروع ہوا۔ سب سے پہلے شراب کے نقائص بتائے گئے۔ پھر نشے کی حالت میں نماز منع ہوئی۔ اور آخر میں (غالباً بنی نضیر کے محاصرے کے دوران) قطعی حرمت نازل ہوئی۔ اسی طرح انہی دنوں ایک عظیم لعنت سود کا خاتمہ کیا گیا (یہودیوں کی اسلام دشمنی کا ایک سبب یہ بھی تھا کیونکہ ان کی معیشت بڑی حد تک اسی مکروہ سودی کاروبار پر قائم تھی)۔

غلامی جو ساری دنیا میں رائج تھی اس دور کے جنگی قوانین کے باعث ناگزیر تھی اگر دشمن کے قیدی غلام نہ بنائے جاتے تو ان مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی ہوتی جو کافر دشمنوں کے ہاتھوں اسیر ہو کر غلام بنالئے جاتے تھے۔ ان حالات میں غلامی کا انسداد یکطرفہ طور سے ممکن نہ تھا جب تک دوسری اقوام بھی اس کے لئے راضی نہ ہوں۔ پھر بھی مسلمانوں کے قبضے میں جو غلام ہوتے انہیں تمام انسانی حقوق دیئے گئے۔ آقاؤں کو حکم تھا کہ اپنے غلاموں کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کریں۔ جو خود کھائیں وہی غلاموں کو کھلائیں۔ غلاموں کو مکاتبت کا حق دیا گیا کہ خود کما کر اپنی آزادی خرید سکیں۔ مسلمانوں کے لئے غلام آزاد کرنا کار ثواب تھا۔ بہت سی خطاؤں کا ازالہ غلاموں کو آزاد کرنے سے ممکن بنادیا گیا۔ غلامی کی رسم نے معاشرے میں ایسی جڑیں قائم کرلی تھیں کہ اس کا انسداد بتدریج ہی ممکن تھا۔ چنانچہ ایسی راہیں نکال دی گئیں کہ اس منزل تک پہنچنا آسان ہوگیا۔ ہزاروں غلام مسلمانوں نے بخوشی آزاد کئے۔ یہ کہنا غلط نہیں کہ اسلام نے نوع انساں کو غلامی سے چھڑالیا۔ عزت نفس بلند کرنے کے لئے وہ غلام جنہیں عرب سرداروں سے آزادی ملی تھی باعزت مسلمانوں کے بھائی بنادیئے گئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ بن رباح کو حضرت خالد بن رویحہؓ الخثعمی کا اور اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ کو حضرت حمزہؓ اور حضرت خارجہ بن

زیدؓ کو حضرت ابوبکرؓ کا بھائی بنادیا (۱)۔ یہاں تک کہ اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بن جحش کو حضرت زید بن حارثہؓ کے حبالہ عقد میں دیدیا (۲)

یہ ایسی اصلاحات تھیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ اسلام عرب کے ظلمت کدے میں ایک روشنی کے مینار کی طرح ابھر رہا ہے۔ وہ اسلام

"جس نے ظلمت کو روشنی بخشی
خار زاروں پہ پھول برسائے
اور ذروں کو آفتاب کیا"۔

اسلامی ریاست کے قیام وترقی کے ساتھ بیرونی قوموں سے خط وکتابت کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ ابھی تک عبرانی زبان میں خط وکتابت کے لئے رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی کی خدمات حاصل کررکھی تھیں۔ اب یہودی اعتبار کے قابل نہ تھے۔ آپؐ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو ہدایت کی کہ عبرانی زبان سیکھیں انہوں نے ابتدائی تعلیم بدر کے اسیروں سے حاصل کی تھی۔ خدا نے ایسا دماغ عطا فرمایا تھا کہ پندرہ دن میں عبرانی پر اتنا عبور حاصل کرلیا کہ اس زبان میں خط وکتابت کرسکیں۔ یہ کاتب وحی بھی تھے (۳)۔

ہجرت کے چوتھے سال رسول اللہ ﷺ کی خانگی زندگی میں بھی کچھ تبدیلی ہوئی۔ آپؐ کی زوجہ حضرت زینب بنت خزیمہؓ نے جماد الثانی ۴ ھ میں وفات پائیؓ (۴)۔ آپؐ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور حضرت رقیہؓ کے قبر کے قریب جنت البقیع میں دفن کیا۔

حضرت ابوسلمہؓ جنگ احد میں زخمی ہوگئے تھے۔ پوری طرح شفایاب نہ ہوئے تھے کہ سریہ ابوسلمہ میں بحیثیت سپہ سالار شریک ہونا پڑا۔ یہاں ان کا زخم پھر ہرا ہوگیا اور شہادت کا سبب بنا۔ ان کی زوجہ حضرت ام سلمہؓ (اصلی نام ہند بنت ابوامیہ مخزومی) ۲۹ سال کی عمر میں بیوہ ہوگئیں۔ حضرت ابوسلمہؓ اور حضرت ام سلمہؓ میں بڑی محبت تھی۔ ایک بار دونوں نے سوچا کہ یہ عہد کریں کہ ایک مرجائے تو دوسرا شادی نہ کرے۔ لیکن حضرت ابوسلمہؓ نے اس تجویز کو اس طرح بدل دیا کہ اگر ان کی زوجہ نے ان سے قبل وفات پائی تو وہ آئندہ شادی نہ کریں گے لیکن اگر ان کا انتقال پہلے ہوا تو حضرت ام سلمہؓ بے شک شادی کرلیں اللہ تعالیٰ ان سے بہتر شوہر ان کی بیوی کو عطا فرمائے گا۔ جب موت کا وقت قریب آیا تو بستر مرگ پر بھی یہی دعا کی۔ حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار فرمایا تھا کہ "تم میں سے کسی پر مصیبت پہنچے تو اسے یہ

پڑھنا چاہیے "انا للہ وانا الیہ راجعون اللّٰھم عندك احتسب مصیبتی فاجرنی فیھا وابدلنی بھاما ھو خیراً منھا"۔ انہوں نے اپنے شوہر کی وفات پر یہی دعا پڑھی اور جب الفاظ "وابدلنی بھاخیرا منھا" پڑھنے کا ارادہ کیا تو سوچا کہ بھلا ابو سلمہؓ سے بہتر کون ہوسکتا ہے۔ مگر پھر بھی یہ کلمہ پڑھ لیا۔ اس کی سچائی ان پر اس وقت واضح ہوئی جب رسول اللہ ﷺ سے انہیں شادی کا پیغام ملا۔

رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ ہجرت کے وقت (جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان ہوا) حضرت ام سلمہ نے دین کی خاطر بڑی تکلیف اٹھائی تھی۔ اس سے پہلے دوبار حبشہ کو ہجرت کرچکی تھیں اور اب ان کے عزیز شوہر نے دین پر اپنی جان قربان کی۔ اس طرح وہ ایک بہتر زندگی کی حقدار تھیں۔ اس کے علاوہ بنی مخزوم شروع ہی سے بنی ہاشم کے مخالف تھے۔ آپؐ چاہتے تھے کہ اس رشتے سے ایک مخالف قبیلے سے بہتر تعلقات استوار کرسکیں۔ جیسا کہ آگے آئے گا ایسے ہی سماجی اور سیاسی مقاصد آپؐ کی کئی شادیوں کے محرک ہوئے۔ آپؐ کا پیغام ملنے پر حضرت ام سلمہؓ کچھ ہچکچائیں اور یہ عذر پیش کیا کہ وہ خود عمر رسیدہ ہیں۔ کئی بچوں کی ماں ہیں اور غیور بھی ہیں جس کے باعث حضور ﷺ کی دوسری ازواج سے رشک وحسد کا امکان تھا۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ آپؐ بھی خود عمر میں ان سے کہیں زیادہ تھے۔ یتیم بچے سب اللہ اور اس کے رسولؐ پر ہیں۔ رہی غیرت اس کے لئے آپؐ اللہ سے دعا کریں گے کہ زائل ہوجائے۔ چنانچہ شادی ہوگئی۔ یہ اپنے گھر سے منتقل ہوکر مرحومہ حضرت زینبؓ ام المساکین کے حجرے میں آگئیں۔ یہاں ایک گھڑے میں کچھ جو ایک ہانڈی میں تھوڑی جمی ہوئی چربی دیکھی۔ ایک چکی بھی موجود تھی۔ انہوں نے جو پیسے' دلیا پکایا اور چربی سے مرغن کیا۔ فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ اور ان کی دلہن کے لئے شادی کی شب یہی کھانا تھا" (٦)۔

اسی سال (۴ ھ) رسول اللہ ﷺ اپنے سب سے بڑے نواسے حضرت عبداللہؓ (حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ کے بیٹے) کی دائمی جدائی کے صدمے سے دوچار ہوئے۔ لیکن دو تین ہی ماہ میں اللہ تعالیٰ نے نعم البدل عطا فرمایا۔ حضرت فاطمہؓ کو جو حضرت ام سلمہؓ کی اچھی دوست تھیں اللہ نے ایک دوسرے فرزند سے نوازا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے پہلے فرزند کو "حسن" کا نام دیا تھا۔ جو آپؐ کو بہت پسند تھا۔ اسی کی رعایت سے اپنے اس ننھے سے نواسے کو ایک خوبصورت نام "حسین" عطا فرمایا۔ جسے ایک دن کشت اسلام کو اپنے خون سے سیراب کرنا تھا۔

"آں امام عاشقاں پور بتولؑ — سرو ازادے زبستان رسولؐ
چوں خلافت رشتہ از قراں گسیخت — حریت رازہر اندر کام ریخت
خاست اں سر جلوہ خیرالامم — چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
برزمین کربلا بارید درفت — لالہ در ویرانہ ہا کارید درفت
تاقیامت قطع استبداد کرو — موج خون اوچمن ایجاد کرد
بہر حق درخاک وخوں غلطیدہ است — پس بنائے لاالہ گردیدہ است
اے صبا اے پیک دور افتادگاں — اشک ماہر خاک پاک اوررساں

(شاعر اسلام ڈاکٹر محمد اقبال)

☆☆

(۱) سید قطب شہید 'اسلام اور جدید ذہن کے شبہات' صفحہ ۸۱

(۲) بعد کے ادوار میں غلامی کی جو مثالیں ممالک اسلامیہ کی تاریخ میں ملتی ہیں ان سے اسلام کا کوئی واسطہ نہیں۔ ان کی حیثیت اسلامی تاریخ میں وہی ہے جو اسلام کے نام پر مختلف جرائم کا ارتکاب کرنے والے موجودہ مسلم حکمرانوں کے جرائم کی ہے۔ جس طرح ان جرائم کو اسلام کی جانب منسوب کرنا صحیح نہیں اسی طرح غلامی کی ان صورتوں کا اس کی جانب انتساب بھی صحیح نہیں۔ (سید قطب شہید 'اسلام اور جدید ذہن کے شبہات' صفحہ ۹۵)

(۳) رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو حضرت زید بن ثابتؓ کی عمر گیارہ سال تھی۔ بدر کے اسیروں سے انہوں نے لکھنا پڑھنا سیکھا۔ پندرہ سال کی عمر میں عبرانی زبان پر عبور حاصل کیا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ادوار خلافت میں انہوں نے جمع قرآن کے سلسلے میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔

(۴) حضرت زینبؓ کے پہلے شوہر حضرت ابوعبیدہؓ جنگ بدر میں شدید زخمی ہو کر بدر سے واپسی کے وقت شہادت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت زینبؓ تقریباً اک سال تک بیوہ رہیں۔ ان کی شادی کہیں نہ ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں زوجیت کا شرف بخشا بقول ابن سعد یہ شادی ہجرت کے بعد اکتیسویں ماہ میں ہوئی اور حضرت زینبؓ کا انتقال انتالیسویں ماہ میں ہوا۔ اس کے بعد حضرت ام سلمہؓ سے آپؐ کی شادی ان کے شوہر کی شہادت کے بعد شوال ۴ ھ میں ہوئی۔ بعض مورخین مثلا سرولیم میور نے دونوں

شادیوں میں صرف ایک ماہ کا فرق بتایا ہے جو صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ بعض سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ حضرت عبیدہؓ کی شہادت کے بعد حضرت زینبؓ کی شادی حضرت عبداللہ ابن جحشؓ کے ساتھ ہوئی جو جنگ احد میں شہید ہوئے۔ لیکن ابن ہشام اور ابن سعد کے یہاں ان کا ذکر نہیں۔ محمد حسین ہیکل اور مارٹن لنگز (ابوبکر سراج الدین) بھی اسے تسلیم نہیں کرتے۔

(۵) ابن سعد، طبقات حصہ ہشتم صفحہ ۱۲۲

(۶) ایضاً صفحہ ۱۲۳
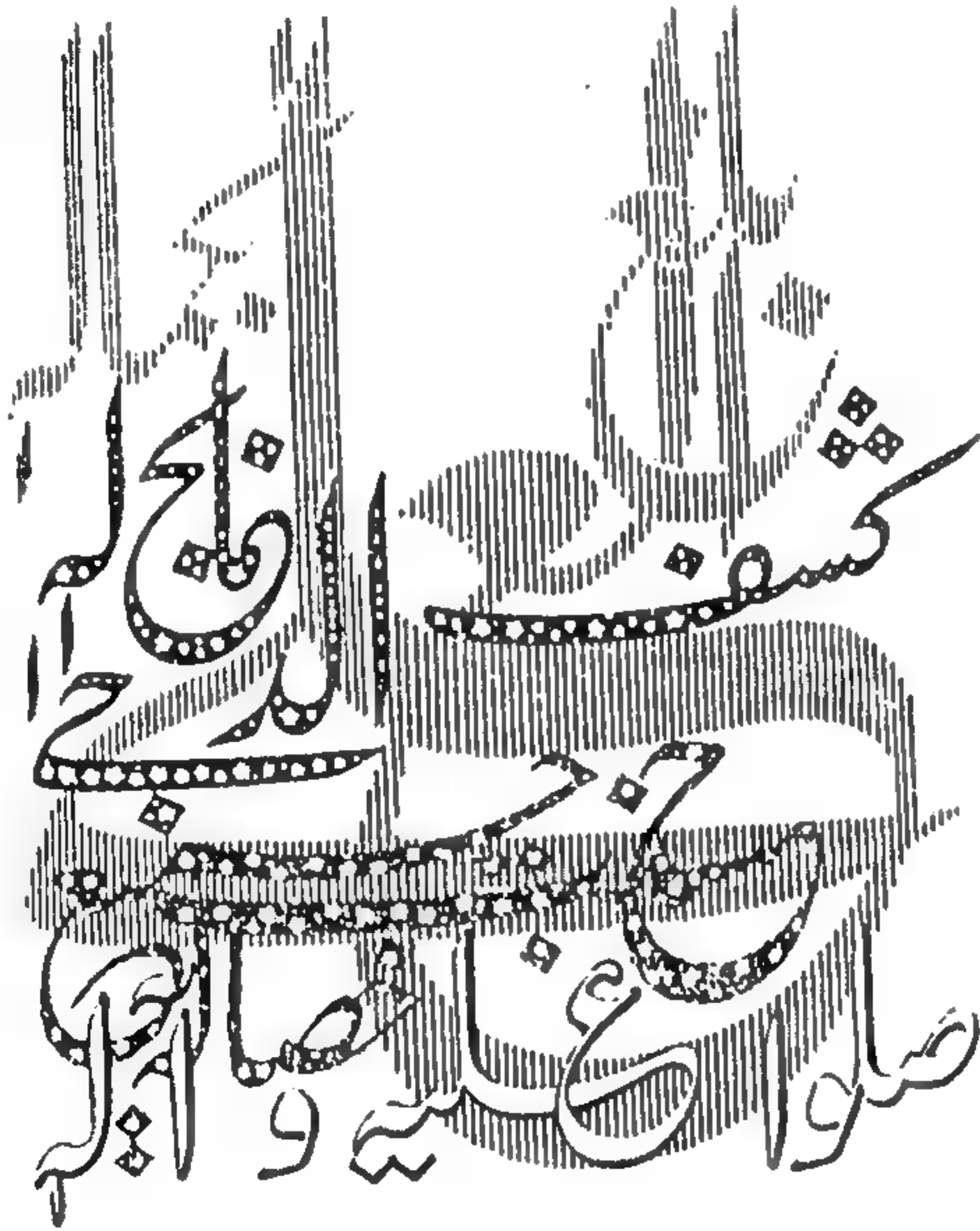
□ شیخ سعدی کی معروف نعتیہ رباعی ایک منفرد انداز سے بہ خط خلیق ٹونکی

(۹۳) بدر الموعد

جنگ احد کو تقریباً ایک برس ہونے کو آیا۔ ابوسفیان نے احد سے روانگی کے وقت آئندہ سال بدر کے مقام پر جس مقابلے کی دعوت مسلمانوں کو دی تھی اس کے دن آپہنچے۔ ابوسفیان نے تیاری شروع کی لیکن وہ کچھ مذبذب تھا۔ اتفاقاً ان دنوں سہیل بن عمرو کا ایک دوست نعیم بن مسعود الاشجعی جو غطفان کی ایک شاخ اشجع کے سرداروں میں سے تھا مکہ میں آیا ہوا تھا۔ قریشی نہ ہونے کے باعث غیر جانبدار سمجھا جاتا تھا۔ ابوسفیان نے اسے راضی کیا کہ مدینہ جاکر مسلمانوں کو اس طرح خوفزدہ کردے کہ قریش سے مقابلے کے لئے بدر آنے کی جرأت نہ کرسکیں۔ اگر ایسا کرنے میں کامیاب ہوگیا تو اسے بیس اونٹ دینے کا وعدہ کیا اور سہیل بن عمرو کو اس کا ضامن بنایا۔ نعیم واپسی میں مدینہ ٹھہرا اور مسلمانوں کے درمیان یہ نقشہ کھینچا کہ ابوسفیان ایک لشکر جرار کے ساتھ بدر کی طرف آنے والا ہے۔ اس نے یہ خبر مدینہ کے تمام طبقوں میں نشر کی اور مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا کہ مقابلے کے لئے شہر سے باہر نہ نکلیں ورنہ کوئی بھی زندہ نہ بچے گا۔ یہ خبر یہودیوں اور منافقوں کے لئے اچھی تھی کچھ مسلمان بھی متاثر ہوئے لیکن حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا مشورہ تھا کہ جو وعدہ ہوچکا ہے اس پر قائم رہنا ضروری ہے۔ اللہ اپنے دین کی حفاظت کرے گا اور اپنے رسول ﷺ کو قوت وطاقت عطا فرمائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں ضرور جاؤں گا خواہ مجھے تنہا جانا پڑے"۔ نعیم اپنی کوشش میں ناکام رہا۔ بیس اونٹوں سے تو محروم ہوا مگر اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی عظمت اس کے دل میں سرایت کرگئی۔

رسول اللہ ﷺ نے شہر کا انتظام حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے سپرد کیا اور ڈیڑھ ہزار شتر سواروں اور دس گھوڑوں کے ایک دستے کے ساتھ بدر کی سمت روانہ ہوئے۔ مسلمانوں نے کچھ سامان تجارت بھی ساتھ لے لیا کیونکہ ذیقعدہ میں ہر سال بدر کا مشہور میلہ لگتا تھا جس میں اچھے کاروبار کا امکان تھا۔ ادھر ابوسفیان دو ہزار افراد کے لشکر کے ساتھ روانہ ہوا۔ پچاس گھوڑوں کا رسالہ بھی ساتھ تھا مرالظہران کے ایک مقام مجنہ تک آیا۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ حسب

وعدہ بدر پہنچ گئے ہیں تو اس کی ہمت جواب دے گئی۔ ساتھیوں سے یہ بہانہ کیا کہ یہ خشک سالی کا زمانہ ہے جو فوجی مہم کے لئے مناسب نہیں مکہ واپس آیا تو صفوان بن امیہ نے طعنہ دیا کہ "میں نے تمہیں اسی روز اس قوم سے میعاد مقرر کرنے کے لئے منع کیا تھا۔ اب انہیں ہم پر جرأت ہوگئی۔ انہوں نے دیکھ لیا کہ ہم ان سے پیچھے رہ گئے" (۱)۔ مسلمانوں نے آٹھ دن بدر میں قیام کیا۔ وہاں میلے میں تجارت سے کافی نفع کمایا اور عزت کے ساتھ مدینہ واپس ہوئے۔ اس کے متعلق قرآن مجید میں آیا:

"پھر وہ خدا کی نعمتوں اور اس کے فضل کے ساتھ (خوش وخرم) واپس آئے۔ اور انہیں کسی قسم کا ضرر نہ پہنچا۔ اور وہ خدا کی خوشنودی کے تابع رہے۔ اور خدا بڑے فیض کا مالک ہے"۔ (آل عمران ۱۷۴)

اس غزوے نے غزوہ بدر الموعد یا غزوہ بدر الصغریٰ کا نام پایا جو ذیقعدہ ۴ھ (اپریل ۶۲۶ء) میں واقع ہوا۔ مشرکین مکہ اپنی اس فوج کشی کو جیش السویق کہنے لگے کیونکہ یہ ستو پیتے ہوئے گئے تھے۔ یہ مسلمانوں کے لئے ایک بڑی اخلاقی فتح تھی اور مشرکین مکہ کے لئے ایک شرمناک پسپائی۔

مسلمانوں کے اگلے ڈیڑھ دو ماہ اطمینان سے گزرے۔ ہجرت کا پانچواں سال شروع ہوا (۲) تو رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ غطفان کی قبائل بنو محارب اور بنو ثعلبہ مدینہ پر حملے کی تیاری کررہے ہیں۔ ایسے موقعوں پر آپؐ کا یہ طریقہ تھا کہ دشمنوں کی ناپاک کوششوں کو ان کی کارروائی سے پہلے ہی کچل دیا جائے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کو شہر میں اپنا نائب مقرر کر کے آپؐ چار سو (یا سات سو) صحابہ کی جماعت کے ساتھ نجد کی طرف روانہ ہوئے اور نخل کے مقام پر قیام فرمایا۔ دشمن کی بڑی جمعیت قریب موجود تھی مگر سامنے نہ ائی اور کوئی مقابلہ نہ ہوا۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے سوائے چند عورتوں کے کسی کو نہ پایا۔ انہیں گرفتار کرلیا گیا۔ اعراب پہاڑیوں میں روپوش ہوگئے۔ نماز کا وقت آیا تو خوف ہوا کہ وہ اچانک مسلمانوں پر حملہ نہ کردیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز خوف پڑھائی۔ اور یہ نماز خوف کا پہلا موقع تھا (۳)۔

اکثر مورخین نے اسے غزوہ ذات الرقاع کا نام دیا ہے (۴)۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جس پہاڑ کے قریب مسلمانوں نے قیام کیا اس میں سیاہ' سرخ اور سفید رنگوں کے پتھر تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ پتھریلی زمین پر چلتے چلتے صحابہ کے پاؤں زخمی ہوئے تو انہوں نے پاؤوں پر چیتھڑے لپیٹ لئے اس لئے اسے غزوہ ذات الرقاع کہا گیا۔ اس مہم میں حضرت جابر بن عبداللہؓ بھی شریک تھے ان کی کئی روایات اس سفر سے وابستہ ہیں کہتے ہیں کہ "ہم غزوہ نجد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئے تھے۔ واپسی میں ایک وادی میں ٹھہرے جہاں کثرت سے ببول کے درخت تھے۔ رسول اللہ ﷺ ایک درخت کے سائے میں لیٹ گئے اور اپنی تلوار درخت میں لٹکادی۔ باقی صحابہ بھی وادی میں جابجا پھیل گئے۔ تھوڑی دیر بعد آپؐ نے صحابہ کو آواز دی تو ہم آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ ایک اعرابی آپؐ کے پاس بیٹھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس شخص نے میری تلوار مجھ پر کھینچ لی تھی میں سویا ہوا تھا۔ آنکھ کھلی تو ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی۔ مجھ سے کہنے لگا کہ اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا۔ میں نے کہا کہ اللہ اب دیکھو یہ بیٹھا ہوا ہے'۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے اسے کوئی سزا نہ دی"۔ اس شخص کا نام غورث بن حارثؓ تھا (۵)۔ حضرت جابر کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس غزوے میں "ہم مقام نخل میں تھے تو رسول اللہ ﷺ نے نماز خوف پڑھی" -(۶)۔

اسی غزوے سے واپسی کے وقت بقول حضرت جابرؓ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص نے کسی مشرک کی عورت کو قتل کردیا۔ مشرک نے قسم کھائی کہ جب تک اصحاب رسول اکرم ﷺ میں سے کسی کا خون نہ بہالوں گا واپس نہ آؤں گا۔ چنانچہ اسلامی لشکر کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ ایک جگہ لشکر نے قیام کیا تو حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت عباد بن بشرؓ نے اپنی خدمات شب کو رسول اکرم ﷺ کی حفاظت کے لئے پیش کیں۔ دونوں نے طے کیا کہ نصف شب ایک اور باقی نصف شب دوسرا پہرہ دے گا۔ پہلے نصف میں حضرت عبادؓ نے پہرہ دینا شروع کیا اور حضرت عمار بن یاسرؓ سوگئے۔ حضرت عبادؓ عبادت میں مشغول تھے کہ وہ مشرک پہنچا اور ان کے ایک تیر مارا۔ انہوں نے یہ تیر اپنے جسم سے نکال کر پھینک دیا اور نماز جاری رکھی۔ دوسرا تیر لگا تو بھی یہی کیا۔ تیسرے تیر کے بعد رکوع وسجدہ سے فارغ ہو کر سلام پھیرا اور حضرت عبادؓ کو جگایا۔ اتنے میں مشرک بھاگ گیا۔ حضرت عمارؓ نے حضرت عبادؓ کا خون دیکھا تو ماجرا پوچھا اور کہا کہ "تم نے مجھے

پہلے کیوں نہ جگایا"۔ حضرت عبادؓ نے بتایا کہ وہ اس وقت ایک ایسی سورۃ پڑھ رہے تھے جسے موقوف کرنا انہیں پسند نہ آیا (۷)۔

حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ اس سفر میں ایک صحابی ایک پرندے کا بچہ پکڑ لائے۔ اس پرندے کے ماں باپ میں سے ایک ان کے ہاتھ پر جھپٹ پڑا تو سب کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "یہ اپنے بچے کی محبت میں تمہارے ہاتھ پر جھپٹا اور خدا تمہارا رب اس سے بھی زیادہ تم پر مہربان ہے"۔ پھر آپؐ نے ہدایت کی کہ اس بچے کو وہیں چھوڑ دیا جائے جہاں ملا تھا۔

حضرت جابرؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی آپؐ اپنے صحابہ سے بڑے دوستانہ انداز میں گفتگو فرماتے تھے۔ اسی سفر میں مدینہ واپس ہوتے ہوئے اکثر صحابہ آگے نکل گئے۔ رسول اللہ ﷺ اور چند صحابہ پیچھے آرہے تھے۔ حضرت جابرؓ کا اونٹ بوڑھا اور کمزور تھا آہستہ آہستہ چل رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان تک پہنچ گئے۔ پیچھے رہ جانے کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے بتایا کہ ان کا بوڑھا اونٹ تیز نہیں چل سکتا۔ آپؐ نے اس اونٹ کے چھڑی کی دو ایک ضربیں لگائیں تو وہی اونٹ خوب تیزی سے چلنے لگا۔ راستے میں حضور ﷺ سے مزید گفتگو اس طرح ہوئی۔

رسول اکرمؐ : اپنا اونٹ مجھے فروخت کرو گے۔

حضرت جابرؓ : یہ میری طرف سے آپؐ کی نذر ہے۔

رسول اللہ ﷺ : نہیں قیمت لے کر مجھے دو۔

حضرت جابرؓ : آپؐ کیا قیمت دیں گے۔

رسول اکرم ﷺ : ایک درہم

حضرت جابرؓ : یہ تو بہت کم ہے۔

رسول اکرم ﷺ : اچھا دو درہم۔

حضرت جابرؓ : نہیں یہ بھی کم ہے۔

اس طرح قیمت بڑھتے بڑھتے ایک اوقیہ سونے پر طے ہوگئی۔ پھر آپؐ نے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔

رسول اکرم ﷺ : جابرؓ تمہاری شادی ہوگئی ہے۔

حضرت جابرؓ : جی ہاں

رسول اکرم ﷺ : بیوہ سے یا کنواری سے۔

حضرت جابرؓ : بیوہ سے

رسول اکرم ﷺ : کنواری سے کیوں نہ کی۔ تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کھیلا کرتے۔

حضرت جابرؓ : یا رسول اللہ (ﷺ) میرے والد احد میں شہید ہوگئے۔ اپنی سات بیٹیوں کی ذمہ داری میرے سپرد کرگئے۔ میں نے سوچا کہ ایسی خاتون سے شادی کروں جو ماں کے فرائض بھی ادا کرسکے۔

رسول اکرم ﷺ : تمہارا یہ فیصلہ ٹھیک تھا۔ ہم جب صرار پہنچیں گے (مدینہ سے پانچ کلومیٹر پر ایک مقام) تو اونٹ ذبح کریں گے اور ایک دن وہیں ٹھہریں گے۔ اس دوران تمہاری بیوی تمہارے بستر اور تکیوں کی جھاڑ پونچھ کر رکھے گی۔

حضرت جابرؓ : یا رسول اللہ (ﷺ) میرے یہاں تکیئے وغیرہ کہاں۔

رسول اکرم ﷺ : ہوجائیں گے۔ تم اپنے فرائض ادا کرتے رہو۔

حضرت جابر کہتے ہیں کہ "جب ہم مدینہ پہنچ گئے (یہ محرم ۵ ھ مطابق جون ۶۲۶ء کا آخری ہفتہ تھا) تو دوسری صبح میں اپنا اونٹ لے کر رسول اکرم ﷺ کے در دولت پر آیا اور اسے وہاں بٹھا دیا۔ آپؐ باہر تشریف لائے۔ مجھ سے فرمایا کہ دو رکعت نفل ادا کروں۔ میں نے تعمیل کی۔ آپؐ نے حضرت بلالؓ کو ہدایت فرمائی کہ مجھے ایک اوقیہ سونا دیدیں۔ انہوں نے کچھ زیادہ ہی وزن کر کے دیدیا۔ میں واپس ہونے لگا تو آپؐ نے مجھے بلایا اور فرمایا۔ اپنا اونٹ بھی ساتھ لیجاؤ۔ یہ تمہارا ہی ہے اور جو قیمت ہے وہ بھی تمہاری ہے" (۸)۔

آپؐ کا اگلا ماہ صفر مدینہ میں گزرا۔ پھر خبر آئی کہ شمال میں دومتہ الجندل (۹) کے قریب لٹیروں نے سر اٹھا رکھا ہے۔ ان میں سے اکثر کا تعلق بنی کلب سے تھا جو مشرکین مکہ کے حلیف تھے۔ کئی بار مدینہ آنے والا سامان خوردونوش راستے میں لوٹ چکے تھے۔ یہ بھی ڈر تھا کہ قریش کبھی جنوب سے مدینہ پر حملہ آور ہوئے تو یہ بھی ان کی حمایت کے لئے شمال سے حملہ کرسکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں حضرت سباع بن عرفطہؓ کو عامل مقرر فرمایا اور ایک ہزار افراد کے لشکر کے ساتھ ان کے علاقے کی طرف روانہ ہوئے۔ آٹھ سو کلو میٹر کا فاصلہ طے کر کے دو

متہ الجندل پہنچے۔ دشمن تتر بتر ہوکر روپوش ہوگیا۔ لیکن اب دور دراز شمالی علاقوں میں بھی اسلام کا رعب طاری ہوگیا اور اقوام عرب کو معلوم ہوگیا کہ مدینہ کی نوخیز اسلامی جماعت دور دور تک تیزی سے پہنچ سکتی ہے اور جانتی ہے کہ حملے میں پہل کرنا مدافعت کا بہترین طریقہ ہے۔

اس سفر میں ایک مشرک گرفتار ہوا۔ اسے اسلام پیش کیا گیا تو مسلمان ہوگیا۔ واپسی میں رسول اللہ ﷺ نے عیینہ بن حصن سے معاہدہ کیا۔ اس کا اپنا علاقہ خشک تھا۔ اسے رعایت دی گئی کہ تغلین اور المراض کی چراگاہوں میں اپنے جانور چرائے۔ یہ چراگاہیں سرسبز تھیں اور مدینہ سے تقریباً پچاس ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھیں۔ اسی مہم کے دوران مدینہ میں حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ کا انتقال ہوگیا۔ حضرت سعدؓ مہم مین شریک تھے۔ مدینہ واپس آکر رسول اللہ ﷺ نے ان کی والدہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ربیع الاول ۵ ھ (اگست ستمبر ۶۲۶ء) کے تین ہفتے اس مہم میں صرف ہوئے۔

☆ ☆

(۱) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۳۶۰

(۲) یہ ابن سعد کا قول ہے جسے ابولکلام آزاد منٹگمری ویٹ اور سرولیم میور وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ ابن ہشام نے اس غزوے کی تاریخ جمادی الاول ۴ھ بتائی ہے یہی ابن کثیر نے لکھا ہے۔

(۳) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۳۶۰

(۴) چند اندرونی شہادتوں کی بنا پر اصل غزوہ ذات الرقاع کا وقوع جنگ خیبر کے بعد بتایا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ غزوہ ذات الرقاع میں شریک تھے جس میں پہلی بار نماز خوف پڑھی گئی۔ حضرت ابوہریرہؓ اسلام لاکر سب سے پہلی بار خیبر میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ ان کی شرکت اس غزوے میں تسلیم کی جائے تو یہ سمجھا جائے گا کہ بو محارب اور بو ثعلبہ کی سرکوبی کے لئے مسلمانوں کا لشکر جمادی الاول ۴ ھ یا محرم ۵ ھ میں نجد ضرور گیا تھا۔ لیکن جسے غزوہ ذات الرقاع کہتے ہیں وہ یہ غزوہ نہ تھا۔ اور وہ خیبر کے بعد ۷ ھ میں واقع ہوا۔ (ملاحظہ ہو صفی الرحمٰن' الرحیق المختوم' صفحہ ۵۱۶)

(۵) ملاحظہ ہو گذشتہ باب 'بدر کے بعد دو غزوات' حاشیہ نمبر ۳

(۶) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۷۳' ۶۷۴ (کتاب المغازی باب غزوۃ ذات الرقاع)

(۷) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۵۰

(۸) الفرید غیوم 'دی لائف آف محمدؐ' (The Life of Muhammad) صفحہ ۳۴۶

(۹) حجاز میں اسی مقام سے عراق اور شام کے راستے جدا ہوتے تھے۔

عِلْمٌ لَا يَنْفَعُ كَكَنْزٍ لَا يُنْفَقُ مِنْهُ

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ • لَا حَسَدَ إِلَّا عَلَى اثْنَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ • اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَى نَبِيِّ الرَّحْمَةِ وَشَفِيعِ الْأُمَّةِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ الطَّاهِرِينَ • سَوَّدَهُ الْحَاجُّ أَحْمَدُ كَامِلٌ غَفَرَ ذُنُوبَهُ

بہ خط احمد کامل ثلث و نسخ میں احادیث مبارکہ لکھی ہیں۔

(۹۴) خندق

اس طرح احد کی وقتی زک کے بعد مسلمانوں نے مختلف مہمات کے ذریعے کھویا ہوا وقار بڑی حد تک دوبارہ حاصل کر لیا۔ مگر اسلامی وقار کی یہ بحالی مشرکین مکہ کے لئے تازیانے سے کم نہ تھی۔ اس نے ان کی آتش انتقام کو اور بھی بھڑکا دیا۔ ادھر بنی نضیر کے یہودی جنھوں نے خیبر میں پناہ لی تھی اپنے چھوڑے ہوئے علاقوں کی بازیابی کے لئے بے تاب تھے۔ اور باوجود اس کے کہ جلاوطنی کے وقت رسول اکرم ﷺ سے عہد کر چکے تھے کہ آئندہ مسلمانوں کی مخالفت نہ کریں گے نئی سازش میں مصروف تھے کہ کسی طرح ایک بڑی جماعت فراہم کر کے مدینہ کی اسلامی حکومت کا خاتمہ کر دیں۔ وہ جانتے تھے کہ اس مقصد کے حصول کا قریب ترین راستہ یہ ہے کہ مشرکین مکہ کو ایک بار پھر مدینہ پر ایک فیصلہ کن حملے کے لئے راضی کیا جائے۔ اس غرض سے خیبر کے بیس معزز یہودیوں کا ایک وفد خفیہ طور سے مکہ پہنچا۔ اس میں حیی بن اخطب' سلام بن ابی الحقیق' کنانہ بن ربیع' ہوذہ بن قیس' ابو عمارہ وائلی وغیرہ شامل تھے۔ یہ لوگ ابوسفیان سے ملے اور بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہر کارروائی میں وہ قریش کی مدد کرنے کے لئے تیار ہیں اور دوسرے قبائل کو بھی اس مقصد کے لئے اکٹھا کر لیں گے۔ ظاہر ہے ابوسفیان کو یہ بات بہت پسند آئی۔ صفوان اور دوسرے قریشی سرداروں سے مشورہ کیا۔ یہ سب سردار اور یہودی ارکان کعبہ میں آئے اور عہد کیا کہ جب تک مسلمانوں کا استحصال نہ کر لیں گے ایک دوسرے کی مدد سے گریز نہ کریں گے۔ اسی موقع پر ابوسفیان نے یہودی احبار سے دریافت کیا کہ آیا قریش کا مذہب بہتر تھا یا اسلام تو موقع پرست یہودیوں نے جواب دیا "تمہارا دین محمد (ﷺ) کے دین سے بہتر ہے۔ اور تم لوگ مقابلتاً حق سے قریب تر ہو"۔

اس اتحاد کے بعد یہودیوں نے نجد کی بدوی قبائل سے رابطہ قائم کیا جو پہلے ہی مدینہ سے اپنا انتقام چاہتے تھے۔ بنی اسد مدینہ کے خلاف جنگ میں شرکت کے لئے فوراً راضی ہو گئے بنی غطفان نے کچھ پس و پیش کیا تو انہیں رشوت کے طور پر خیبر کی نصف پیداوار دینے کا وعدہ کر کے

اس متحدہ محاذ میں شامل کرلیا۔ اس طرح غطفان کے فزارہ مرہ اور اشجع قبائل سے دو ہزار افراد کے لشکر کی توقع ہوگئی۔ بئر معونہ میں مسلمانوں کے قتل عام کے بعد بنی سلیم کچھ اسلام کے طرف دار ہوگئے تھے مگر ان میں سے بھی کئی خاندانوں سے تعاون حاصل کرنے میں کامیابی ہوگئی۔ بنی عامر جن کا علاقہ بنی سلیم کے جنوب میں واقع تھا بے شک مسلمانوں کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے پر قائم رہے۔

ادھر قریش نے اپنے حلیفوں کو شرکت کی دعوت دی اور بنی کنانہ وغیرہ کو شمولیت کے لئے تیار کرلیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ قریش اور ان کے حلیفوں کا لشکر جنوب کی طرف سے اسی ساحلی راستے سے مدینہ پہنچے جو قریشیوں نے احد کی جنگ میں اختیار کیا تھا۔ دوسرے بدوی قبائل کے لشکر نجد سے چل کر مشرق کی سمت سے مدینہ آئیں اس طرح مدینہ پر ایک ساتھ حملہ آور ہونے کے لئے اک اتنے بڑے متحدہ لشکر کی توقع ہوگئی جس کی تعداد مسلمانوں کی کل آبادی (بچوں اور خواتین کو ملا کر) سے بھی کہیں زیادہ تھی۔ کفار کو یقین تھا کہ اس بار مکمل فتح ہوگی۔

قریش کا لشکر روانہ ہوا تو بنی خزاعہ کے چند سوار یہ خبر لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ یہ حضرت عباسؓ کے فرستادہ تھے۔ انہیں اس سفر میں بجائے دس دن کے چار روز لگے تھے۔ اس حساب سے مسلمانوں کو تیاری کے لئے صرف ایک ہفتے کا وقت تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حسب دستور مشورے کے لئے مجلس طلب فرمائی۔ اصحاب نے مختلف تجاویز پیش کیں۔ احد کا تلخ تجربہ ابھی گزر چکا تھا۔ یہی مناسب سمجھا گیا کہ شہر کے اندر رہ کر مدافعت کی جائے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے ایک انوکھا طریقہ تجویز کیا (۱)۔ عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (ﷺ) جب ہمیں سواروں کے حملے کا خطرہ ہوتا تو ہم اپنے گرد خندق کھود کر اپنی حفاظت کرتے تھے۔ اس موقع پر بھی ہم ایسا ہی کریں"۔ یہ رائے منظور ہوئی اور فوراً خندق کھودنے کا انتظام شروع ہوا۔

یہودی قبیلے بنی قریظہ سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا۔ وہ خندق کی کھدائی میں تو شریک نہ ہوئے مگر کھدائی کے اوزار عاریتاً مہیا کئے۔ مٹی ڈھونے کے لئے کھجور کی ٹوکریاں بھی دیں۔ خندق کو مسلسل ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ بعض مقامات پر ایک دوسرے سے ملے ہوے مکانات حفاظت فراہم کررہے تھے۔ شہر کے شمال مشرق میں ایسی چٹانیں تھیں جو دشمن لشکر کے لئے سد راہ تھیں۔ باقی جو رخنے تھے انہیں خندق سے پر کرنا تھا۔ جبل سلع اور اس کے سامنے کا میدان اسلامی

لشکر کے پڑاؤ کیلئے موزوں ترین جگہ تھی۔ اس حصے کو خندق کے دائرے میں رکھ کر کھدائی کا کام شروع کرنا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے چند صحابہ کے ساتھ خود گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کا چکر لگایا اور خندق کے لئے مناسب ترین جائے وقوع طے کی۔ بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ "آج بھی کوئی بڑے سے بڑا جنرل مدینہ میں اس مقام سے بہتر کسی جگہ کا انتخاب نہیں کر سکے گا" (۲)۔ اس خندق کی لمبائی چوڑائی کے مختلف اندازے قائم کئے گئے ہیں۔ ایک بہتر اندازے کے مطابق لمبائی تقریباً چھ ہزار گز تھی۔ گہرائی تقریباً دس فیٹ اور چوڑائی تیرہ چودہ فیٹ تھی۔ گہرائی اور چوڑائی کا مشورہ غالباً حضرت سلمان فارسیؓ نے دیا ہوگا۔

کھدائی کا کام رسول اللہ ﷺ نے متعدد چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے سپرد کر دیا اور ہر جماعت کے لئے خندق کی لمبائی مقرر کردی۔ (شبلی نعمانی کہتے ہیں کہ دس دس افراد کی جماعت کے سپرد دس دس گز کی لمبائی تھی"۔ حضرت سلمان فارسیؓ بڑی محنت سے کام کرتے تھے۔ نہایت مضبوط اور صحت مند تھے بنی قریظہ کی غلامی کے دوران اس قسم کے کام کا تجربہ بھی حاصل ہوا تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ "یہ اکیلے دس آدمیوں کے برابر ہیں"۔ قابل تعریف ہونے کی وجہ سے مہاجرین کہنے لگے کہ یہ ہماری طرح مہاجر ہیں جبکہ انصار ان پر اپنا حق جمانے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا "یہ ہمارا اہل بیت ہے"۔ چھوٹے بڑے سبھی اس کام میں شریک تھے۔ لڑکوں کو اس شرط پر کام کی اجازت دی گئی تھی کہ جنگ شروع ہونے پر محفوظ گھروں کو واپس ہو جائیں۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو احد کے دن میدان جنگ سے واپس کر دیئے گئے تھے اب پندرہ برس کے ہو چکے تھے۔ انہیں اور ان کے ہم عمر لڑکوں کو جنگ میں شرکت کی اجازت تھی۔ ان میں سے ایک نوجوان اوس کی شاخ حارثہ کے حضرت برا بن عازب تھے۔ بہت بعد میں جب وہ یہ وقت یاد کرتے تو بتاتے کہ رسول اکرم ﷺ بھی اس کھدائی کے کام میں شریک تھے۔ "آپؐ جسم پر سرخ لبادہ لپیٹے تھے۔ مٹی آپؐ کے سینے پر بکھری ہوئی تھی۔ آپؐ کے سیاہ بال آپؐ کے شانوں تک تھے۔ آپؐ سے زیادہ حسین شخصیت میری نظر سے نہیں گزری"۔

کھدائی کے دوران صحابہ اس طرح رجز خوانی کرتے۔

"نحن الذین بایعو محمداً

علی الاسلام مابقینا ابداً

(ہم نے ہی محمد ﷺ سے اسلام پر عہد کیا ہے جب تک ہماری جان میں
جان ہے) (۳)

تو رسول اللہ ﷺ دعا فرماتے "اے اللہ خیر تو صرف آخرت ہی کی خیر ہے۔ پس انصار اور مہاجرین کو آپ برکت عطا فرمائیے"۔ آپؐ خود کام کرتے وقت ابن رواحہ کے یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے :

"اللّٰھم لولا انت مااھتدینا
ولا تصدقنا ولا صلینا
فانزلن سکینتہ علینا
وثبت الاقدام ان لاقینا
ان الالی قدبعوا علینا
وان ارادو فتنتہ ابینا"

اور آخری کلمات کو خوب کھینچ کر پڑھتے (۴)۔

خندق کھودنے کے اس پر مشقت کام کے دوران کئی معجزات ظاہر ہوئے جس کا ذکر ارباب سیر نے قوی اسناد کے ساتھ کیا ہے۔ ایک موقع پر ایک ایسی چٹان آگئی کہ اس پر کدال کا اثر نہ ہوتا تھا۔ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا تو آپؐ خود خندق میں اترے۔ اس وقت دو تین دن کے فاقے سے تھے۔ پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے کدال کی ایک ضرب لگائی تو چٹان ریت کے ڈھیر کی طرح بکھر گئی (۵)۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک ایسی ہی سخت چٹان پر آپؐ نے تین بار کدال چلایا۔ اس میں تین بار روشن چنگاریاں نکلیں اور چٹان پاش پاش ہوگئی۔ آپؐ نے فرمایا "پہلی چنگاریوں کے ساتھ اللہ نے مجھ پر یمن کے دروازے کھول دیئے۔ دوسری روشنی سے اللہ نے مجھ پر شام اور مغرب کے دروازے کھول دیئے۔ رہی تیسری جھلک تو اس سے اللہ نے مجھ پر مشرق کا دروازہ کھول دیا" (۶)۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن خندق کی کھدائی کے دوران انہوں نے یہ محسوس کیا کہ رسول اللہ ﷺ بہت بھوکے ہیں۔ آپؐ کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ جاکر اپنی بیوی کو بتایا۔ ایک بکری کا بچہ ان کے پاس تھا اسے ذبح کیا اور کچھ جو کی روٹیاں بیوی سے

پکوائیں۔ پھر علیحدگی میں رسول اللہ ﷺ سے آکر عرض کیا کہ انہوں نے اس طرح کچھ کھانا تیار کروایا ہے چل کر نوش فرمالیں۔ دو چار اصحاب کو ساتھ لے لیں۔ حضور ﷺ نے تمام حضرات میں اعلان فرمادیا کہ حضرت جابرؓ کے یہاں سب کی دعوت ہے۔ وہاں چلیں اور کھانا کھالیں۔ حضرت جابرؓ پریشان ہوئے اپنی زوجہ کو بتایا تو انہوں نے اطمینان دلایا کہ رسول اللہ ﷺ کو سب کچھ معلوم ہی ہے آپؐ نے آخر کچھ سوچ ہی کر سب کو مدعو کیا ہوگا۔ آپؐ صحابہ کے ساتھ تشریف لائے تو سب سے فرمایا کہ گھر میں تھوڑے تھوڑے کر کے داخل ہوں کہ اژدحام نہ ہو۔ سالن کی ہانڈی اور روٹیوں کا تنور دونوں ڈھکے ہوئے تھے۔ آپؐ برابر روٹی کا چورا کرتے جاتے اور اس میں گوشت ملا کر اصحاب کو تقسیم کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سب شکم سیر ہوگئے اور کھانا بچ بھی رہا۔ آپؐ نے حضرت جابرؓ کی زوجہ سے فرمایا "اب یہ کھانا تم خود کھاؤ اور لوگوں کو ہدیہ بھیجو کیونکہ آج کل لوگ فقروفاقہ میں مبتلا ہیں" (۷)۔

اسی طرح اک خاتون عمرہ بنتؓ رواحہ نے اپنی لڑکی کو چند کھجوریں دیکر اپنے شوہر اور بھائی کے پاس بھیجا۔ وہ اپنے والد اور ماموں کو تلاش کرتی رسول اللہ ﷺ کے قریب سے گذری تو آپؐ نے پوچھا "اے لڑکی تیرے پاس کیا ہے"۔ اس نے کھجوروں کے متعلق بتایا کہ ماں نے اس کے باپ اور ماموں کے لئے بھجوائی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا "لا مجھ کو دیدے"۔ لڑکی نے وہ کھجوریں آپؐ کے دونوں ہاتھوں میں رکھ دیں۔ آپؐ نے ایک کپڑے پر ڈال دیں۔ دوسرے کپڑے سے انہیں ڈھک دیا۔ پھر تمام صحابہ کو بلوایا۔ اور سب کھا کر سیر ہوگئے (۸)۔

یہ خندق چھ دن میں تیار ہوگئی (۹)۔ اس دوران مضافات شہر کے مسلمان بھی شہر کے اندر ہی آگئے۔ خواتین اور بچے قلعہ نما مکانوں، محفوظ گھاٹیوں اور ٹیلوں پر منتقل کردیئے گئے۔ سو یا دو سو مجاہدین کا گشتی دستہ ان کی حفاظت کے لئے متعین تھا۔ شبلی نعمانی کہتے ہیں کہ بنی قریظہ کے حملے کا خطرہ تھا اس لئے حضرت مسلمہ بن اسلم دوسو آدمیوں کے ساتھ متعین کئے گئے کہ ادھر سے حملہ نہ ہو۔ مسلمانوں کا لشکر (تقریباً تین ہزار افراد) (۱۰) سلع کی پہاڑی کے سامنے ایک میدان میں جمع ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک خیمہ سطح مرتفع پر مناسب مقام پر نصب کردیا گیا۔ شہر کا انتظام حضرت ابن ام مکتومؓ کے سپرد تھا۔

☆☆

(۱) ضیا الدین کرمانی کا خیال ہے کہ یہ حضرت سلمان کی تجویز نہ تھی بلکہ رسول اللہ ﷺ کا ذاتی خیال تھا۔ انہوں نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے حوالے سے ایک خط کا ذکر کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کو لکھا۔ اس میں یہ الفاظ ملتے ہیں۔ "......تم نے خندق کے بارے میں پوچھا کہ مجھے یہ خیال کہاں سے ملا۔ تو میرے دل میں یہ بات اللہ تعالیٰ نے ڈالی" (....ضیا الدین کرمانی 'دی لاسٹ میسنجر ود اے لاسٹنگ میسج' The Last Messenger with a Lasting Message صفحہ ۱۵۳' ۱۵۴)

(۲) محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۲۷۳

(۳) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۵۹ (کتاب المغازی باب غزوۃ الخندق)

(۴) ایضاً صفحہ ۶۶۳

(۵) ایضاً صفحہ ۶۵۹

(۶) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۴۰۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب شام و فارس کے علاقے مسلمانوں نے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں فتح کیے تو حضرت ابوہریرہؓ مجاہدین سے کہتے تھے کہ "قیامت تک جس قدر ملک تم فتح کرو گے ان کی کنجیاں پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو عنایت فرمادی ہیں"۔ (ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۵۷

(۷) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۵۹' ۶۶۰ (کتاب المغازی۔ باب غزوۃ الخندق)

(۸) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۵۵

(۹) بعض روایات میں ۲۰ دن بھی آئے ہیں۔ مگر چھ یوم کی روایت زیادہ معتبر مانی گئی ہے۔

(۱۰) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیق ہے کہ مسلمان ڈیڑھ ہزار سے زیادہ نہ تھے جبکہ کفار بارہ ہزار تھے ('خطبات بہاولپور' صفحہ ۲۷۲)

(۹۵) جنگ احزاب

ادھر خندق تیار ہوئی۔ اُدھر کفار کے لشکر بھی مدینہ کے گرد آپہنچے۔ ان کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) قریش اور ان کے حلیف بنی کنانہ اور اہل تہامہ چار ہزار افراد ڈیڑھ ہزار اونٹ اور تین سو گھوڑے۔ قائد ابوسفیان بن حرب

(۲) بنی سلیم۔ سات سو افراد۔ قائد شعبان بن عبدالشمس

(۳) بنی فزارہ (غطفان)۔ بارہ سو افراد۔ قائد عیینہ بن حصن

(۴) بنی مرہ۔ چار سو افراد۔ قائد حارث بن عوف

(۵) بنی اشجع۔ چار سو افراد۔ قاعد سعد بن رخیلہ

(۶) بنی اسد۔ ایک ہزار افراد۔ قائد خویلد الاسدی

کچھ دوسرے چھوٹے چھوٹے قبائل کے لوگ بھی تھے۔ اس طرح کل تعداد دس بارہ ہزار بن گئی۔ سارے لشکر کا سپہ سالار اعظم ابوسفیان تھا۔ قریش اور ان کے حلیف بئر رومہ کے شمال میں اسی مقام پر خیمہ زن ہوئے جہاں جنگ احد کے دوران ٹھہرے تھے۔ غطفان اور ان کے حلیف جبل احد کے مغربی سمت ایک مقام 'ذنب نقمی' میں ٹھہرے۔ اس طرح دونوں فوجیں یکجا تو نہ تھیں لیکن ایک دوسرے سے اتنی دور بھی نہ تھیں کہ رابطہ ٹوٹ جائے اور آپس میں مشورہ نہ کر سکیں۔

یہ متحدہ لشکر اس عزم اور یقین کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا کہ جلد ہی مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا اور مسلمانوں کے خاتمہ میں ذرا بھی دیر نہ لگے گی۔ کافروں کے نزدیک کسی طویل جنگ کا امکان نہ تھا لہذا سامان رسد کا انتظام بھی اسی قدر تھا کہ صرف چند دنوں کے لئے کافی ہو۔ آس پاس کے کھیت کٹ چکے تھے جانوروں کے لئے چارا بھی محدود تھا۔ کافروں کے لئے ضروری تھا کہ جلد فیصلہ کن حملہ کر کے فارغ ہوجائیں۔ لیکن اپنے راستے میں خندق حائل دیکھی تو حیران رہ

گئے۔ یہ ان کے لئے بالکل نیا تجربہ تھا۔

خندق پار کر کے یکبارگی یورش ممکن نہ تھی۔ مگر روزانہ کفار کا ایک گروہ خندق پر آ کر سنگ باری اور تیراندازی کرتا۔ قریش میں ابوسفیان' خالد بن ولید' عمروبن العاص' ہبیرہ بن ابی وھب وغیرہ باری باری ایک گروہ لے کر اس قسم کی جنگ کرتے۔ کوشش یہ تھی کہ کسی جگہ خندق کم چوڑی ہو یا کسی مقام پر مسلمانوں کی طرف سے حفاظتی انتظام نہ ہو تو وہاں خندق پار کر کے حملہ آور ہوں یا کہیں خندق کو پاٹ سکیں۔ لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ ایک آدھ بار چند کافر خندق پار کرسکے تو انہیں مسلمانوں نے مار بھگایا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا شعار "حٰم لاینصرون" تھا۔ ایک مرتبہ عکرمہ بن ابوجہل نوفل بن عبداللہ' ضرار بن خطاب' ہبیرہ بن ابی وھب اور عمرو بن عبد ود نے خندق پار کرلی۔ عمرو بن عبد ود نے مبارزت طلب کی یہ شخص نہایت ہی بہادر اور توانا سمجھا جاتا تھا۔ حضرت علیؓ مقابلے کے لئے آئے تو اس نے ان کا نام پوچھا حضرت علیؓ نے بتایا "علی بن ابی طالب" ابن ود نے کہا "بھتیجے میں تجھے قتل کرنا نہیں چاہتا" حضرت علیؓ نے فرمایا "لیکن میں تجھے قتل کرنے کا خواہاں ہوں"۔ عمرو غصہ سے بیتاب ہوگیا۔ حضرت علیؓ پیدل تھے۔ اس لئے یہ بھی گھوڑے سے اتر پڑا اور اپنا وار کیا۔ حضرت علیؓ نے وار کو سپر پر روکا مگر پھر بھی ان کی پیشانی پر زخم آگیا (۱)۔ حضرت علیؓ نے وار کیا تو ذوالفقار کافر کا شانہ چیرتی ہوئی نیچے اتر آئی اور عمرو وہیں موت سے ہمکنار ہوا۔ حضرت علیؓ نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ رسول اکرم ﷺ سمجھ گئے کہ حضرت علیؓ نے فتح پائی۔ عمرو کے بعد ضرار اور ہبیرہ نے حملہ کیا لیکن پسپا ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ضرار کا تعاقب کیا تو اس نے مڑکر ان پر وار کرنا چاہا مگر خود ہی رک گیا اور بولا "عمرؓ اس احسان کو یاد رکھنا"۔ اس کے بعد بھاگنے میں کامیاب ہوگیا۔ عکرمہ بن ابوجہل اس طرح بھاگا کہ اپنا نیزہ بھی پھینک گیا۔ اسی طرح ہبیرہ بن ابی وھب اپنی زرہ چھوڑ گیا۔ دونوں چیزیں حضرت زبیر بن عوامؓ اٹھا لائے۔ نوفل خندق میں اس طرح گرا کہ پار نہ کرسکا۔ مسلمانوں نے اس پر سنگ باری کی تو کہنے لگا۔ "میں شریفانہ موت مرنا چاہتا ہوں"۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے خندق میں اتر کر اسے تلوار سے قتل کیا (۲)۔

دوسرے روز پھر قریش کا لشکر خندق کے گرد پھیل کر جمع ہوگیا کہ نوفل کی لاش حاصل کرے۔ یہ اس جنگ کا بڑا سخت دن تھا۔ دشمن برابر مسلمانوں پر تیر برساتا رہا۔ اسی دن وحشی نے

اسی قسم کا حربہ پھینکا جیسا اس نے احد کے دن حضرت حمزہؓ پر استعمال کیا تھا۔ تو اس سے حضرت طفیل بن النعمانؓ شہید ہوئے۔ یہ حملہ ایسا شدید تھا کہ مسلمانوں کی کئی نمازیں قضا ہوگئیں۔ احادیث میں ذکر ہے کہ شام کو جب دشمن کی فوج واپس ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ اپنے خیمے میں واپس آئے تو آپؐ نے فرمایا کہ ان کفار کی وجہ سے آپؐ کی نماز وسط قضا ہوگئی (۴)۔ قریش جب اس طرح نوفل کی لاش حاصل نہ کرسکے تو انہوں نے لاش کے معاوضے کے طور پر دس ہزار درہم پیش کئے۔ رسول اللہ ﷺ نے لاش واپس کروادی لیکن کوئی معاوضہ نہ قبول کیا۔

اسی دوران یہودیوں کے مشورے سے دشمنوں نے ایک اور حربہ استعمال کرنا چاہا حیّ بن اخطب نے اپنی خدمات پیش کیں کہ وہ بنی قریظہ سے مل کر انہیں راضی کرلے گا کہ مدینہ کے اندر ہی مسلمانوں پر حملہ آور ہوں۔ اس طرح مسلمان خندق کی حفاظت نہ کرسکیں گے چونکہ دو محاذوں پر لڑنا ان کے لئے محال ہوگا۔ اور کافر موقع پاکر خندق عبور کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ یہ چالاک شخص شب کی تاریکی میں بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد تک پہنچنے میں کسی طرح کامیاب ہوگیا۔ کعب اس کا مقصد سمجھ گیا اور اپنی گڑھی کا دروازہ کھولنے پر آمادہ نہ ہوا۔ حیّ نے بہت کچھ کہا مہماں نوازی میں بخل کا طعنہ دیا۔ تو کعب نے اندر آنے دیا۔ مگر حیّ کو صاف صاف بتادیا کہ "میں محمد (ﷺ) سے عہد کرچکا ہوں اور میں نے انؐ سے صداقت اور وفائے عہد کے سوا کبھی کچھ نہ دیکھا۔ میں انؐ سے اپنا عہد توڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں"۔ لیکن حیّ بن اخطب کی چرب زبانی آخر اپنا کام کرگئی۔ کہنے لگا۔ "میں زمانے کی عزت اور انسانوں کا سمندر اٹھا لایا ہوں۔ قریش اور غطفان کے تمام سردار اپنے لشکروں کے ساتھ مدینہ کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ تم لوگ ساتھ دو تو ہمیشہ کے لئے محمد (ﷺ) سے ہم سب کو نجات مل سکتی ہے"۔ حیّ نے یہ ضمانت بھی دی کہ اگر قریش اور نجد کے قبائل بغیر فتح مدینہ سے واپس ہوئے تو وہ بذات خود بنی قریظہ کے ساتھ آرہے گا اور جو ان کا حال ہوگا وہی اس کا ہوگا۔ بمشکل آخرکار کعب بن اسد تعاون کے لئے تیار ہوگیا۔ حیّ نے اس معاہدے کی دستاویز دیکھنے کو مانگی جو مسلمانوں اور بنی قریظہ کے درمیان ہوا تھا۔ اسے پڑھا اور پڑھ کر دو ٹکڑے کردیا۔ اور یہ طے ہوا کہ ایک دن مقرر کر کے دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع کس طرح مل گئی کہتے ہیں کہ سب سے پہلے یہ خبر

حضرت عمرؓ کو ملی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے۔ وہاں خیمے میں حضرت ابوبکرؓ بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے بتایا کہ یہودی معاہدے سے پھر گئے ہیں اور جنگ کے لئے آمادہ ہیں۔ آپؐ نے مزید تصدیق کے لئے حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ کو کعب بن اسد کے پاس بھیجا۔ ان کے ساتھ عبداللہ بن رواحہؓ اور خوات بن خبیر بھی تھے۔ آپؐ نے چاروں کو ہدایت کی کہ اگر حالات ناموافق دیکھیں تو صرف اشارۃً آپؐ کو آگاہ کریں۔ یہ اصحاب کعب سے جاکر ملے۔ اس کی حالت بالکل مختلف پائی۔ جب اسے یاد دلایا کہ رسول اکرم ﷺ سے اس کا معاہدہ ہے تو بولا "ہم نہیں جانتے کہ محمد (ﷺ) کون ہیں اور معاہدہ کیا چیز ہے" (۴)۔ ان اصحاب نے اسے برا بھلا کہا اور انجام سے ڈرایا۔ مگر کعب اس خیال میں مگن تھا کہ مسلمانوں کا خاتمہ قریب ہے۔ اور یہودی جلد مدینہ میں اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کرلیں گے۔ یہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آئے۔ صرف اس قدر اشارۃً عرض کیا "عضل وقارہ" مراد یہ تھی کہ بنی قریظہ عضل اور قارہ کی طرح غداری پر آمادہ ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے کچھ دیر کے لئے اپنا چہرہ کپڑے سے ڈھک لیا۔ پھر "اللہ اکبر" کہتے ہوئے اُٹھ بیٹھے اور بشارت فرمائی کہ کامیابی مسلمانوں کی قسمت ہے۔ چنانچہ بنی قریظہ کی یہ غداری انہی کے نقصان اور مسلمانوں کے فائدے کا سبب بنی۔

یہ خبر مسلمانوں میں چھپی نہ رہ سکی اور اکثر کے لئے فکرو پریشانی کا سبب بنی۔ کفار کی فوجیں ہر طرف سے مسلمانوں کو گھیرے ہوئے تھیں۔ ان کا محاصرہ سختی سے جاری تھا۔ اس کی بابت قرآن مجید میں ہے:

> "جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی طرف سے تم پر (چڑھ) آئے۔ اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل (مارے دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے۔ اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت طور سے ہلائے گئے"۔ (الاحزاب ۱۰، ۱۱)

کچھ منافقین اس قسم کی باتیں کرنے لگے کہ "ہمیں تو ایران وشام کی فتح کی خبریں دی جاتی تھیں۔ اب یہ حال ہے کہ بیت الخلاء جانا مشکل ہے"۔ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ سے اپنے

گھروں کو واپس جانے کی اجازت طلب کرنے لگے۔

"اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہنے لگے کہ خدا اور اس کے رسولؐ نے تو ہم سے محض دھوکے کا وعدہ کیا تھا۔ اور جب ان میں سے ایک جماعت کہتی تھی کہ اے اہل مدینہ (یہاں) تمہارے (ٹھہرنے کا) مقام نہیں تو لوٹ چلو۔ اور ایک گروہ ان میں سے پیغمبرؐ سے اجازت مانگنے اور کہنے لگا کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں حالانکہ وہ کھلے نہیں تھے۔ وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے"۔

(الاحزاب ۱۲، ۱۳)

لیکن سچے مسلمانوں کی شان ایمان یہ تھی کہ:

".....جب مومنوں نے (کافروں کے) لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی ہے جس کا خدا اور اس کے پیغمبرؐ نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور خدا اور اس کے پیغمبرؐ نے سچ کہا تھا۔ اور اس سے ان کا ایمان اور اطاعت اور زیادہ ہوگئی"۔ (الاحزاب ۲۲)

تین سال قبل نازل ہونے والی یہ آیت ان کے ذہنوں میں محفوظ تھی:

"کیا تم خیال کرتے ہو کہ (یونہی) بہشت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تم کو پہلے لوگوں کی سی (مشکلیں) تو پیش آئی ہی نہیں۔ ان کو (بڑی بڑی) سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ (صعوبتوں میں) ہلا ہلا دیئے گئے۔ یہاں تک کہ پیغمبر اور مومن لوگ جو ان کے ساتھ تھے سب پکار اٹھے کہ کب خدا کی مدد آئے گی۔ دیکھو خدا کی مدد عنقریب (آیا ہی) چاہتی ہے"۔

(لبقرہ ۲۱۴)

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی تکلیف اور پریشانی دیکھ کر اس موقع پر چاہا کہ غطفان کے قبائل کو مدینہ کی کھجوروں کی پیداوار کا ایک تہائی دیکر راضی کرلیا جائے کہ جنگ میں مشرکین کا ساتھ نہ دیں اور واپس چلے جائیں۔ یہ رائے حضرت سعد بن معاذؓ (رئیس اوس) اور حضرت سعد بن عبادہؓ (رئیس خزرج) کے سامنے پیش ہوئی تو انہوں نے عرض کیا "یارسول اللہ (ﷺ) اگر یہ خدا کا حکم ہے تو ہم انکار نہیں کرسکتے اگر صرف رائے ہے تو ہم یہ کہنے کی جرأت کریں گے کہ ہم نے کفر کی حالت میں بھی کسی کو خراج نہ دیا۔ اب خدا نے ہمیں اسلام سے سرفراز فرمایا ہے تو ہم یہ کیسے گوارا کریں گے"۔ آپؐ کو صحابہ کے اس استقلال پر اطمینان ہوا اور غطفان کے سرداروں عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف سے جو گفت وشنید ہورہی تھی قطع کردی۔

قریشیوں سے اتحاد کے بعد بنی قریظہ نے خفیہ طور سے ان کی مدد شروع کردی تھی۔ انہیں رسد بھی فراہم کرنے کی کوشش کی۔ ایک ایسی ہی کوشش کے دوران مسلمانوں نے ان کے بیس اونٹ بھی پکڑلئے۔ کفار کی اس لشکر کشی کے دوران یہ واقعہ مشہور ہے کہ جس قلعہ نما مکان میں بہت سی خواتین مدینہ میں پناہ گزین تھیں اس میں رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بھی تھیں۔ یہ مکان بنی قریظہ کی آبادی کے قریب تھا۔ حضرت حسان بن ثابتؓ وہاں ان خواتین کی حفاظت کے لئے موجود تھے۔ ایک دن حضرت صفیہؓ نے دیکھا کہ ایک یہودی اس مکان کے گرد چکر لگا رہا ہے کہ اس پر حملے کے لئے مناسب جگہ کا سراغ لگا سکے۔ انہوں نے حضرت حسانؓ سے کہا کہ جاکر اس کو قتل کردیں۔ حضرت حسانؓ نے معذوری ظاہر کی کہ ان میں اس کام کی طاقت نہیں۔ حضرت صفیہؓ نے خود خیمے کی ایک چوب لی اور جاکر اس یہودی کے سر پر ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور وہ بیہوش ہوکر گر پڑا۔ حضرت صفیہؓ نے حضرت حسانؓ سے کہا کہ اب جاکر اس کا سر کاٹ لائیں اور اس کے کپڑے اور ہتھیار لے آئیں۔ حضرت حسانؓ اس کے لئے بھی تیار نہ ہوئے تو یہ کام بھی حضرت صفیہؓ کو خود انجام دینا پڑا۔ اس سے یہودیوں کو یہ احساس ہوا کہ مسلمانوں کی کچھ فوج اس مکان میں بھی موجود ہے اور اس طرف حملے کی جرأت نہ کرسکے۔

ان نازک حالات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اس طرح مسلمانوں کی مدد کا سامان فراہم کیا کہ اہل نجد کے ایک معزز فرد حضرت نعیم بن مسعود اشجعیؓ اسلام سے متاثر ہوکر خفیہ طور سے مسلمان ہوگئے۔ (یہ وہی نعیم تھے جنہیں بدر کے بعد ابوسفیان نے کچھ رشوت کا وعدہ کرکے مدینہ بھیجا تھا

کہ مسلمانوں کو خوفزدہ کردیں کہ بدر میں دوبارہ مشرکین کے مقابلے کے لئے نہ آئیں۔ یہ مدینہ میں اس قیام کے دوران ہی اسلام سے کافی متاثر ہوئے تھے) (د)۔ اب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اپنے خفیہ اسلام کا اعلان کیا اور عرض کیا کہ ابھی تک کوئی اور ان کے اسلام سے واقف نہ تھا۔ اپنی حکمت عملی سے یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ کفار کی صفوں میں تفرقہ ڈالنے میں کامیاب ہوجائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ خیال پسند فرمایا اور انہیں اجازت دی کہ بنی قریظہ اور مشرکین کا اتحاد قطع کرنے کی کوشش کریں۔ حضرت نعیمؓ کے ذہن میں ایک اچھی تدبیر آئی۔ وہ پہلے بنی قریظہ کے پاس گئے جن سے کچھ دوستانہ تعلقات تھے۔ انہیں بتایا کہ مسلمانوں سے عہد توڑ کر کفار کی مدد کریں گے تو بہت ممکن ہے کہ ان کے حق میں اچھا نہ ہو۔ قریش اور غطفان باہر کے لوگ تھے انکے اپنے اہل وعیال تھے۔ جب بھی چاہیں گے اپنے علاقوں کو واپس چلے جائیں گے۔ بنی قریظہ کو مدینہ ہی میں رہنا تھا۔ ان کے لئے مناسب نہیں کہ مسلمانوں سے اپنے تعلقات بگاڑیں پھر مشورہ دیا کہ "اب ایسا کر ہی لیا ہے تو تمہیں چاہئے کہ قریش سے چند لوگ حاصل کر کے اپنے قبضے میں کر لو۔ یہ ایک قسم کی ضمانت ہوگی کہ اہل مکہ تمہیں مسلمانوں کے رحم وکرم پر بے یارو مددگار چھوڑ کر نہ چلے جائیں گے"۔ بنی قریظہ نے اس رائے کو پسند کیا۔

پھر حضرت نعیمؓ قریش کے پاس آئے۔ جو ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ یہاں یہ کہا "بنی قریظہ مسلمانوں سے کیا ہوا عہد توڑنے پر پشیمان ہیں۔ ڈر رہے ہیں کہ تم لوگ بغیر فیصلہ کن جنگ کے انہیں یونہی چھوڑ کر چلے گئے تو ان کا کیا بنے گا۔ انہوں نے اب یہ طے کیا ہے کہ وہ تم سے چند لوگ بطور ضمانت مانگ لیں۔ پھر اپنی عہد شکنی کی تلافی کے لئے تمہارے ان آدمیوں کو مسلمانوں کے حوالے کردیں۔ میری رائے ہے کہ اگر وہ اس طرح ضمانت کے طور پر تمہارے آدمی طلب کریں تو ہرگز ان کے حوالے نہ کرنا"۔ ایسی ہی باتیں حضرت نعیمؓ نے اپنے اہل قبیلہ غطفانی سرداروں سے کہیں۔

اب ہوا یہ کہ جب قریش نے بنی قریظہ کے پاس پیغام بھیجا کہ فلاں دن جیسا کہ طے ہوا ہے مسلمانوں پر دو طرفہ حملہ کیا جائے۔ تو انہوں نے ضمانت کے طور پر چند آدمی طلب کئے اور سبت کے دن (جو قریش مقرر کرنا چاہتے تھے) یوں بھی لڑنے سے انکار کیا کہ ان کے دین کے خلاف تھا۔ قریش نے یہ سنا تو انہیں حضرت نعیمؓ کی باتوں کا یقین آگیا اور ضمانت کے طور پر اپنے

افراد دینے سے صاف انکار کردیا۔ اس انکار پر بنی قریظہ ان سے منحرف ہوگئے۔ حضرت نعیمؓ اپنی حکمت عملی میں کامیاب ہوئے اور قریش کو جو امید یہودیوں کی امداد کی تھی قطع ہوگئی۔ ابوسفیان نے حیؔ بن اخطب کو برا بھلا کہا اور غداری کا طعنہ دیا۔ حیؔ نے بہت قسمیں کھائیں لیکن قریش اس سے بدظن ہی رہے۔ اور قریش کے خوف سے وہ کسی وقت بنی قریظہ کے پاس جاکر وہیں پناہ گزیں ہوگیا۔ ممکن ہے اسے اپنے کعب سے کیئے ہوئے اس عہد کا پاس ہو کہ اگر احزاب ناکام واپس ہوئے تو وہ خود بنی قریظہ کے پاس آجائے گا۔

احادیث میں ہے کہ اس دوران رسول اللہ ﷺ یہ دعا کرتے تھے۔ "اللھم منزل الکتاب سریع الحساب اھزم الاحزاب اللھم اھزمھم وزلزلھم" (٦)۔ (اے اللہ کتاب اتارنے والے جلد حساب لینے والے ان احزاب کو شکست دے۔ یااللہ ان کو شکست دے اور ان کو ہلا کر رکھ دے) صحابہ کو یہ وظیفہ بتایا "اللھم استر عورا تنا و آمن روعاتنا" (٧) (یااللہ ہماری کوتاہیوں پر پردہ ڈال دے اور خطرات سے محفوظ کردے) اللہ تعالیٰ نے یہ دعائیں قبول فرمائیں۔

محاصرہ طول پکڑ گیا تھا۔ یہودیوں کی امداد سے قطع امید کے ساتھ سامان رسد اور چارے کی کمی قریشی اور غطفانی لشکروں کے لئے گراں ثابت ہورہی تھی۔ کئی کئی گھوڑے زخموں اور بھوک سے روزانہ مر رہے تھے۔ اسی اثنا میں اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک رات نہایت خوفناک آندھی آئی۔ احزاب کے خیموں کی طنابیں ٹوٹ گئیں چولھوں سے ہانڈیاں الٹ پڑیں۔ انتہائی سرد ہوا کے جھونکوں اور خاک مٹی کے تھپیڑوں نے لشکر اعدا کے حوصلے بالکل پست کردیئے۔ ابوسفیان غالباً پہلے ہی سے مایوس ہو کر واپسی کی سوچ رہا تھا کیونکہ حج کے دن آرہے تھے۔ یہی مکہ کی تجارت اور کمائی کا خاص زمانہ تھا۔ اس نے اس موقع پر اپنے اہل لشکر کو مخاطب کیا "رسد ختم ہوچکی ہے۔ ہمارے اونٹ اور گھوڑے مر رہے ہیں۔ یہودیوں سے کوئی امید نہ رہی۔ موسم کا یہ حال ہے۔ اتنے دن کے محاصرے سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ مزید محاصرہ بیکار ہے لہذا واپس چلو"۔ یہ کہہ کر اپنے اونٹ کے پاس آیا۔ سوار ہوا اور چلنا چاہا۔ بدحواسی میں یہ خیال بھی نہ رہا کہ اونٹ کا ایک پیر رسی سے بندھا ہے۔ آخر ایک دوسرے شخص نے اونٹ کا پیر کھولا تو روانگی کے لئے تیار ہوا۔ اس پر عکرمہ بن ابوجہل نے کہا "تم لشکر کے سپہ سالار ہو۔ ہمیں چھوڑ کر اس تیزی سے کیوں رخصت ہورہے ہو"۔ ابوسفیان شرمندہ ہوا کچھ دیر کے لئے ٹھہر گیا یہاں تک کہ سارا لشکر واپسی کے لئے تیار

ہوا۔ اس طرح یہ لشکر واپس ہوا۔ گھوڑوں کے رسالے پیچھے پیچھے تھے۔

آدھی رات گذرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ اس سرد رات میں دشمنوں کی حالت کا اندازہ کریں۔ صحابہ سے فرمایا کہ کوئی ہے جو دشمن کا حال دیکھ کر آئے۔ یہ بھی فرمایا کہ یہ شخص جنت میں آپؐ کا رفیق ہوگا۔ شدید سردی اور آندھی کی وجہ سے کسی نے حامی نہ بھری تو آپؐ نے حضرت حذیفہؓ بن یمان سے فرمایا کہ وہ جائیں اور خبر لائیں۔ حضرت حذیفہؓ نے تعمیل کی۔ چھپ کر دشمن کے لشکر تک پہنچے تو دیکھا کہ خیمے اکھڑ چکے ہیں اور ابوسفیان کا لشکر واپس ہورہا ہے۔ ابوسفیان کو دیکھ کر بنی غطفان بھی رخت سفر باندھ چکے تھے۔ حضرت حذیفہؓ یہ نظارہ دیکھ کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ ایک چادر اوڑھے ہوئے نماز میں مصروف تھے۔ حضرت حذیفہؓ کو دیکھا تو نماز کا دوران ہی انہیں اپنی چادر میں جگہ دی۔ آپؐ نے سلام پھیرا تو حضرت حذیفہ نے سارا ماجرا سنایا۔ لشکر احزاب ناکام ونامراد واپس ہوچکا تھا۔ قرآن مجید میں اس غیبی امداد کا ذکر اس طرح ہے:

"مومنو خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جو (اس نے) تم پر (اس وقت) کی جب فوجیں تم پر (حملہ کرنے کو) آئیں۔ تو ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور ایسے لشکر (نازل کئے) جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اور جو کام تم کررہے ہو خدا دیکھ رہا ہے"۔ (الاحزاب ۹)

پھر فرمایا گیا۔

"اور جو کافر تھے ان کو خدا نے پھیر دیا۔ وہ اپنے غصے میں (بھرے ہوئے تھے) کچھ بھلائی حاصل نہ کرسکے۔ اور خدا مومنوں کو لڑائی کے بارے میں کافی ہوا۔ اور خدا طاقتور (اور) زبردست ہے" (الاحزاب ۲۵)

اس اعصابی جنگ میں جانی نقصان بہت کم ہوا۔ قریش کہ تین افراد مارے گئے۔

(۱) منبہ بن عثمان (ابن ہشام کے یہاں اس کا نام عثمان بن منبہ ہے) بنی عبدالدار سے۔

(۲) نوفل بن عبداللہ۔ بنی مخزوم سے۔

(۳) عمرو بن عبدود۔ بنی عامر سے۔

مسلمان شہدا میں پانچ انصار یہ تھے جو کفار کے تیروں اور حربے سے شہید ہوئے۔

(۱) حضرت انس بن اوسؓ نبی عبدالاشہل سے

(۲) حضرت عبداللہ بن سہلؓ نبی عبدالاشہل سے

(۳) حضرت طفیل بن النعمانؓ نبی سلمہ بن خزرج سے

(۴) حضرت ثعلبہ بن غنمہؓ نبی سلمہ بن خزرج سے

(۵) حضرت کعب بن زیدؓ نبی دینا بن نجار سے

چھٹے شہید اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ تھے۔ ان کے متعلق حضرت عائشہؓ جو ان کی والدہ کے ساتھ نبی حارثہ کے ایک قلعے میں مقیم تھیں فرماتی ہیں "میں قلعے کے باہر پھر رہی تھی کہ میں نے سعدؓ کو دیکھا کہ ہاتھ میں حربہ لئے یہ شعر پڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ (شعر کا مفہوم یہ ہے)

"ذرا ٹھہر جانا کہ لڑائی میں ایک اور شخص پہنچ جائے۔ وقت جب آگیا تو موت سے کیا ڈر ہے" (۸)۔

ان کی والدہ نے سنا تو پکار کر کہا بیٹا دوڑ کر جا تو نے دیر لگادی۔ سعدؓ کی زرہ چھوٹی تھی۔ انکے ہاتھ زرہ کے باہر تھے میں نے ان کی والدہ سے کہا کاش سعد کی زرہ لمبی ہوتی۔ بعد کو ایسا اتفاق ہوا کہ ایک قریشی مشرک حبان بن قیس بن العرقہ کا ایک تیر کھلے ہوئے ہاتھ پر اس طرح لگا کہ کہنی کے پاس کحل کی رگ کٹ گئی۔ یہ زخم چند دن کے بعد ان کی شہادت کا سبب ہوا۔ تیر لگنے کے بعد انہوں نے دعا کی تھی "یااللہ اگر ابھی قریش کی جنگ باقی ہے تو مجھے زندہ رکھ کہ مجھے ان سے جنگ کرنا سب سے زیادہ عزیز ہے اور اگر تو نے قریش کی جنگ ختم کردی تو مجھے اس وقت تک زندہ رکھ کہ میں نبی قریظہ کی ہلاکت دیکھ لوں"۔ اگلے باب میں ان کا ذکر پھر آئیگا۔

صحیح بخاری میں حضرت سلیمان بن صردؓ سے روایت ہے کہ جب غزوہ احزاب کے موقع پر عرب کے قبائل ناکام واپس ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا "اب ہم ان سے لڑیں گے۔ آئندہ وہ ہم پر چڑھ کر کبھی نہ آسکیں گے بلکہ ہم ان پر فوج کشی کریں گے" (۹)۔ آپؐ کی یہ پیشین گوئی پیغمبرانہ بصیرت کی زندہ مثال حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔

☆☆

(۱) حضرت علیؓ کو ذوالقرنین بھی کہا گیا ہے کیونکہ ان کی پیشانی پر دو زخم تھے ایک عمرو بن عبدود کا اور دوسرا ابن ملجم کا (شبلی نعمانی' سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۴۹)

(۲) ایک روایت یہ بھی ہے کہ اسے حضرت زبیر بن عوامؓ نے قتل کیا۔

(۳) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۶۴ (کتاب المغازی۔ باب غزوۃ الخندق)

(۴) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۴۶

(۵) ملاحظہ ہو گزشتہ باب ۹۳

(۶) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۵۶

(۷) ایضاً صفحہ ۱۵۵

(۸) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۵۱

(۹) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۶۴ (کتاب المغازی۔ باب غزوۃ الخندق)

مدینۃ النبی
اور جنگ خندق

قریش کا پڑاؤ
بنی غطفان کا پڑاؤ
جبل احد
لشکر قریش
دیار بنی حارثہ
خندق
خندق
اسلامی مستقر قیادت
اسلامی لشکر
دیار بنی عبد الاشہل
باغات
سقیفہ بنی ساعدہ
خندق
مسجد نبوی
دیار بنی ظفر
دیار بنی قینقاع
دیار بنی قریظہ
باغات
مسجد قبا
دیار بنی نضیر
ثنیۃ الوداع
قصر کعب بن اشرف
۳ ۲ ۱
کلومیٹر
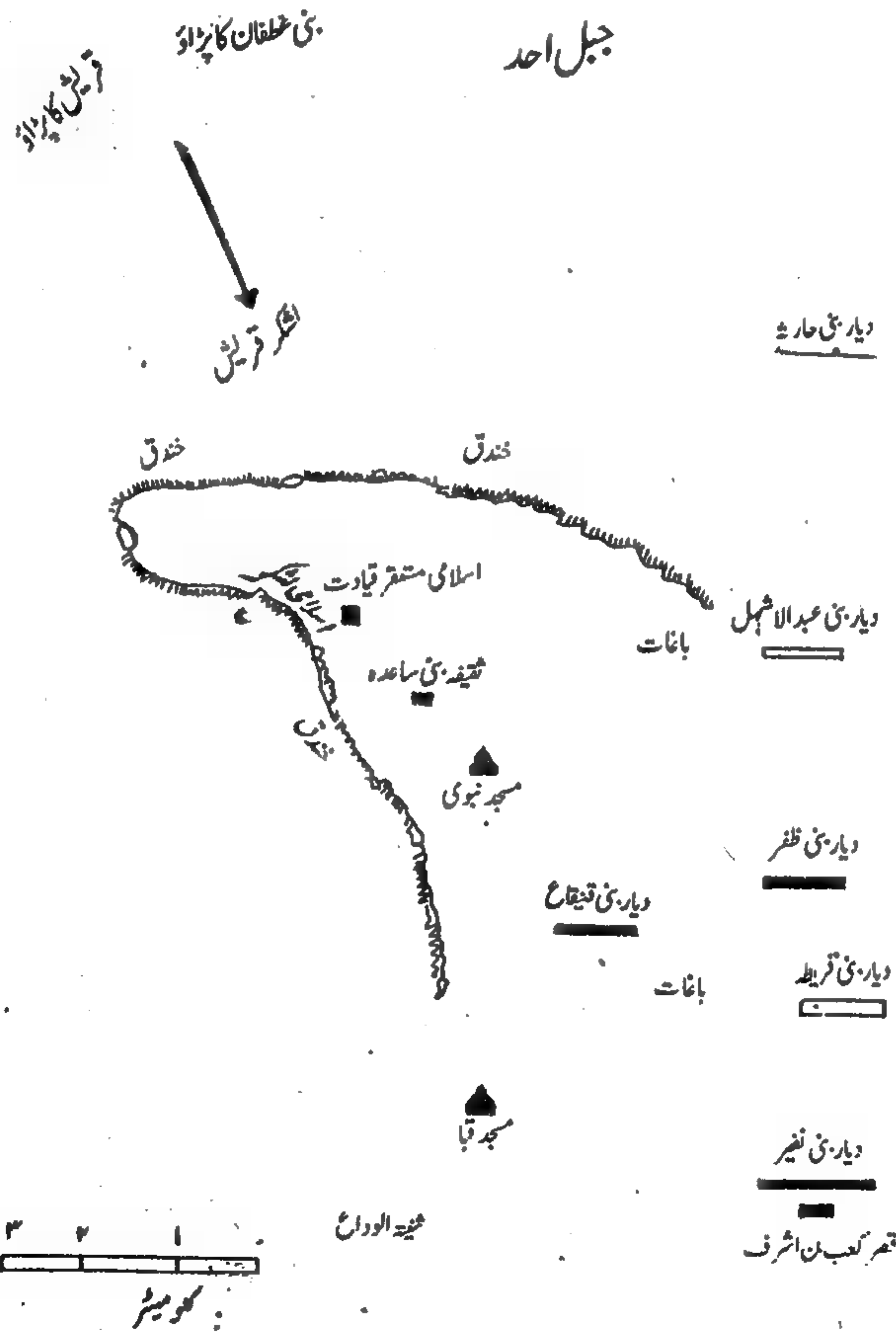
(۹۶) بنی قریظہ

۲۳ ذی القعدہ ۵ ھ (۱۵ اپریل ۶۲۷ء) کی علی الصبح حضرت بلالؓ نے فجر کی اذان دی سحر کے دھندلکے میں مسلمانوں نے خندق کے پار نظر دوڑائی تو میدان صاف تھا۔ دور دور احزاب کا پتا نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سب کو اجازت دی کہ اپنے اپنے گھر جائیں۔ بے پناہ تھکن سے چور صحابہ سکون واطمینان کا سانس لے کر گھروں کی طرف رخصت ہوئے۔

لیکن یہ آرام صرف ظہر کی نماز تک میسر ہوا۔ اس وقت جبریلؑ نے رسول اللہ ﷺ کو آکر مخاطب کیا "کیا آپؐ نے ہتھیار کھول دیئے۔ فرشتوں نے تو ایسا نہیں کیا ہے۔ آپؐ کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بنی قریظہ کے خلاف جنگ کریں" (۱)۔ آپؐ نے احکام صادر فرمائے کہ مسلمان بنی قریظہ کی طرف جہاد کے لئے روانہ ہوں اور عصر کی نماز وہاں پہنچ کر ادا کی جائے۔ بنی قریظہ کی بستی مدینہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر شمال مشرق میں واقع تھی۔ حضرت علیؓ علمبردار کی حیثیت سے ہر اول دستے کے ساتھ روانہ ہوئے اور اس بستی کا محاصرہ کرلیا یہودی اپنی گڑھیوں میں قلعہ بند ہو کر مقابلے کی تیاری میں مصروف ہوگئے۔ ان کے پاس ہتھیاروں کا بڑا ذخیرہ تھا جن میں ڈیڑھ ہزار تلواریں دو ہزار نیزے' پانچ سو ڈھالیں اور اتنی ہی زرہیں شامل تھیں۔ اسی زعم میں رسول اکرم ﷺ پر گالیوں کی بوچھار کررہے تھے۔ جب آپؐ بھی وہاں پہنچے تو حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ ان کے قریب نہ جائیں۔ مبادا وہ آپؐ کی توہین کریں۔ آپؐ نے فرمایا "وہ میرے سامنے ایسی جرأت نہ کرسکیں گے"۔ آپؐ نے یہودی قلعوں کے قریب جاکر باواز بلند فرمایا "اے بندروں کے بھائیوں کیا خدا نے تمہیں ذلیل نہیں کیا تھا اور تم پر اپنا غضب نہیں بھیجا تھا"۔ یہودیوں کا جواب تھا "یا ابوالقاسمؐ آپؐ ہماری تاریخ سے بے خبر نہیں ہیں"۔

رفتہ رفتہ دوسرے مسلمان بھی پہنچ گئے۔ بعض صحابہ نے مغرب کے بعد تک عصر کی نماز ادا نہ کی اس ڈر سے کہ رسول پاک ﷺ کی نافرمانی نہ ہوجائے۔ بعض نے یہ سوچ کر کہ آپؐ کا مقصد ایسا نہ تھا نماز عصر راستے ہی میں صحیح وقت پر ادا کردی۔ آپؐ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو

آپؐ نے کسی کو قصور وار نہ ٹھہرایا۔ عشاء تک اتنے مسلمان جمع ہوگئے کہ چاروں طرف سے نبی قریظہ کا سخت محاصرہ ہوگیا۔

یہ محاصرہ پچیس دن تک جاری رہا۔ یہودی سخت تنگی کا شکار ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ قبیلے کے سردار کعب بن اسد نے مجبور ہوکر اپنی قوم کے سامنے تین تجویزیں پیش کیں۔

(۱) اسلام قبول کرلیں کہ اس کی صداقت اشکارا ہوچکی ہے۔ یہودیوں کی اپنی کتابوں میں اس کی تصدیق موجود ہے۔ اس طرح سب کے جان ومال محفوظ رہیں گے۔

(۲) اپنے بال بچوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہوں۔ مرگئے تو پس ماندگان کی فکر نہ ہوگی۔ کامیاب ہوئے تو دوسری عورتیں اور بچے خدا دیگا۔

(۳) آج سبت کی رات ہے مسلمان بے خبر ہوں گے۔ ان پر شبخون مارو۔

یہودیوں نے کوئی تجویز قبول نہ کی۔ آخر یہ طے ہوا کہ رسول اکرم ﷺ سے درخواست کی جائے کہ حضرت ابولبابہؓ (اصلی نام بشیر بن عبدالمنذر) کو گفت وشنید کے لئے ان کے پاس بھیج دیا جائے۔ ان کا تعلق نبی عمرو بن عوف سے تھا جو پہلے نبی قریظہ کے حلیف رہ چکے تھے۔ آپؐ نے یہ درخواست قبول فرمائی حضرت ابولبابہؓ نبی قریظہ کے پاس گئے۔ مرد' عورتیں' بچے ان کے گرد جمع ہو کر رونے پیٹنے لگے۔ انہیں ترس آیا۔ یہودیوں نے ان سے مشورہ طلب کیا کہ آیا غیر مشروط طور پر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت قبول کرلیں۔ انہوں نے جواب میں "ہاں" کہا مگر ساتھ ہی گردن پر انگلی رکھی۔ مراد یہ تھی کہ یہ اطاعت ذبح ہونا ہے۔ پھر فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ ان سے خیانت سرزد ہوئی۔ چپ چاپ مدینہ واپس آئے۔ مسجد نبوی میں ایک ستون سے خود کو بندھوایا اور عہد کیا کہ جب تک اللہ ان کی توبہ قبول نہ کریگا اور رسول اللہ ﷺ اپنے دست مبارک سے انہیں نہ کھولیں گے اسی طرح بندھے رہیں گے۔ رسول اکرم ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ وہ آپؐ کے پاس آجاتے تو آپؐ ان کے لئے دعا فرماتے۔ اب انہوں نے اللہ سے عہد کرلیا تھا تو اللہ کے حکم کا انتظار کرنا ہوگا۔ کئی دن اس طرح گذر گئے۔ آخر ایک روز رسول اللہ ﷺ حضرت امّ سلمہؓ کے حجرے میں تھے کہ آپؐ پر حضرت ابولبابہؓ کی توبہ قبول ہونے کا حکم اللہ کی طرف سے نازل ہوا۔ آپ ہنسنے لگے تو حضرت ام سلمہؓ نے سبب پوچھا۔ آپؐ نے بتایا کہ ابولبابہؓ کی توبہ قبول ہوگئی۔

یہ اطلاع حضرت ابولبابہؓ کو ملی تو بولے کہ اس وقت تک آزادی قبول نہ کریں گے جب تک رسول اکرم ﷺ خود اپنے دست مبارک سے انہیں نہ کھولیں۔ آخر آپؐ خود تشریف لائے اور انہیں آزاد کیا۔

جب حضرت ابولبابہؓ بنی قریظہ کے یہاں سے واپس آگئے تو تین یہودی نوجوانوں نے کعب بن اسد کی پہلی تجویز کی حمایت شروع کردی۔ انہوں نے اپنے لڑکپن میں شام کے یہودی ابن الہیبان کو دیکھا تھا اور اس سے ایک نئے نبی کے عنقریب مبعوث ہونے کی پیشین گوئی سن چکے تھے (۲)۔ قوم نے ان کی بات نہ مانی تو یہ تینوں اسی شب قلعے سے نکل آئے۔ محاصرین کو بتایا کہ وہ اسلام سے مشرف ہونا چاہتے ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ ان کے نام ثعلبہ بن سعید' اُسَید بن سعید اور اسد بن عبید بتائے گئے ہیں (۳)۔ دو اور افراد نے ان کی پیروی کی۔ ان میں سے ایک عمرو بن سعد اقرضی تھے۔ انہوں نے اس وقت رسول اللہ ﷺ سے کیا ہوا معاہدہ توڑنے کی مخالفت کی تھی جب حیی بن اخطب کعب بن اسد سے ملا تھا۔ اور کہا تھا "میں محمد (ﷺ) سے غداری نہ کروں گا"۔ یہ قلعہ سے اترے تو حضرت محمد بن مسلمہؓ کے پاس سے گذرے انہیں اپنا نام بتایا۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کچھ نہ کہا اور جانے دیا۔ یہ مسجد نبوی کے دروازے تک آئے پھر پتا نہ چلا کہ کدھر نکل گئے (۴)۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی بابت سنا تو فرمایا۔ "یہ ایسا شخص تھا جس کو اپنا عہد پورا کرنے کے باعث اللہ نے نجات دی"۔ دوسرے صاحب رفاعہ ابن سموئل تھے۔ انہوں نے پہرہ داروں سے بچ کر سلمیٰ بنت قیسؓ کے پاس پناہ لی جو حضرت آمنہ کی سوتیلی بہن تھیں۔ انہی کے یہاں رفاعہؓ نے اسلام قبول کیا اور امان پائی۔

دوسرے دن حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں میں باآواز بلند اعلان کیا "واللہ اب یا تو میں (حضرت) حمزہؓ کی طرح شہادت کا مزہ چکھوں گا یا حملہ کر کے ان کا قلعہ فتح کرلوں گا"۔ حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ بن عوام نے زبردست پیش قدمی کا ارادہ کیا تو یہودیوں کے دلوں پر ایسا رعب طاری ہوا کہ انہوں نے قلعوں کے دروازے کھول دیئے اور خود کو مسلمانوں کے سپرد کردیا۔ قرآن مجید میں انہی کی بابت ارشاد ہے:

"اور اہل کتاب میں سے جنہوں نے ان کی مدد کی تھی ان کو ان کے قلعوں سے اتار دیا اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی۔ تو کتنوں کو تم قتل کر دیتے تھے اور کتنوں کو قید کر لیتے تھے اور ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مال کا اور اس زمین کا جس میں تم نے پاؤں بھی نہ رکھا تھا تم کو وارث بنادیا۔ اور خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے"۔ (الاحزاب ۲۶'۲۷)

غالباً ان یہودیوں کو اپنے پرانے حلیف قبیلے اوس سے امید تھی کہ جس طرح اہل خزرج نے بنی قینقاع کی جان بچالی تھی اور انہیں صرف جلاوطن ہونا پڑا۔ یا جس طرح بنی نضیر کو مع سازو سامان مدینہ سے نکل جانے کی اجازت مل گئی تھی اسی طرح بنی اوس کی سفارش سے یہی صورت ان کے ساتھ بھی ہوگی۔ ایک روایت کے مطابق اس بارے میں انہوں نے قبیلہ اوس سے گفت وشنید بھی کرلی تھی۔ اوس کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے التجا کی کہ بنی قریظہ ان کے پرانے حلیف تھے ان کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کیا جائے جیسا کہ بنی خزرج کے حلیف بنی قینقاع کے ساتھ کیا گیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا "اے اہل اوس کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تمہارے ہی قبیلے کا سردار بنی قریظہ کے متعلق فیصلہ کرے"۔ اوس اس کے لئے فوراً راضی ہوگئے۔ آپؐ نے فرمایا "پس تو سعد بن معاذؓ کو اختیار ہے وہ جو چاہیں فیصلہ کریں" (۵)۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا حضرت سعد بن معاذؓ ایک تیر سے زخمی ہوگئے تھے اور مسجد نبوی کے قریب ہی ایک خیمے میں رُفیدہ اسلمیؓ (بنی نجار کی ایک صالح خاتون) کے زیر علاج تھے۔ یہ خیمہ شفا خانے کی طرح تھا جہاں رفیدہ زخمیوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ قبیلہ اوس کے لوگ اپنے سردار حضرت سعد بن معاذؓ کے پاس پہنچے اور تفصیل سے آگاہ کیا۔ یہ بھی عرض کیا کہ اپنے پرانے حلیفوں کے لئے اچھا فیصلہ کریں۔ حضرت سعدؓ کا کہنا تھا "سعدؓ کے لئے وقت آگیا ہے کہ وہ اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ کرے"۔ یہ ایک گدھے پر سوار ہو کر اس جگہ آئے جہاں رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ موجود تھے۔ آپؐ نے انہیں آتے دیکھا تو سب سے فرمایا کہ کھڑے ہو کر اپنے سردار کی تعظیم کریں۔ حضرت سعدؓ کو بتایا گیا کہ انہیں

اس موقع پر ثالثی کا فرض ادا کرنا ہے۔ تو انہوں نے انصار کو مخاطب کر کے پوچھا "کیا تم لوگ میرا فیصلہ قبول کروگے"۔ انصار نے کہا "بے شک ہمیں تمہارا فیصلہ قبول ہوگا"۔ کہتے ہیں کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کے سبب حضرت سعدؓ کا رخ آپؐ کی طرف نہ تھا۔ پھر انہوں نے یہ فیصلہ کیا۔ "ان میں جو جنگ کے قابل ہیں انہیں قتل کردیا جائے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنایا جائے"۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا "تم نے اللہ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کیا" (۶)۔

اسی فیصلے پر عمل ہوا۔ سب یہودی ایک خاتون بنت حرث کا مکان میں قید کرلئے گئے (۷)۔ پھر کچھ گڑھے کھدوائے گئے۔ وہاں تمام مردوں کو لاکر قتل کردیا گیا۔ حیؒ بن اخطب جب قتل کے لئے لایا گیا تو رسول مقبول ﷺ کو مخاطب کر کے بولا "آپؐ کی عداوت پر میں نے اپنے نفس کو ملامت نہ کی۔ مگر خدا جسے شکست دے وہ شکست ہی کھاتا ہے"۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہوا "اے لوگوں خدا کا حکم اور اس کی تقدیر اسی طرح جاری ہوئی تھی اور اس خونریزی کو اس نے نبی اسرائیل کے لئے لکھ دیا تھا"۔ یہ اس کے آخری الفاظ تھے۔ یہودی مقتولین کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ چھ اور سات سو کے درمیان بھی بتائی گئی ہے بعض سیرت نگاروں کے نزدیک تین سو کے قریب تھی۔

اس طرح ذی الحجہ ۵ ھ (اپریل ۶۲۷ء) کے اواخر میں نبی قریظہ اپنے انجام کو پہنچے قاضی سلمان منصور پوری مرحوم نے خیال ظاہر کیا ہے کہ اگر نبی قریظہ شروع ہی میں خود کو رسول اکرم ﷺ کے حوالے کردیتے اور مقابلے کی نیت سے قلعہ بند نہ ہوتے تو غالباً ان کے ساتھ وہی سلوک ہوتا جو نبی قینقاع اور نبی نضیر کے ساتھ ہوا تھا۔ یہ بھی امکان تھا کہ بجائے حضرت سعد بن معاذؓ کے فیصلہ حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ میں دیتے تو اس انجام سے دو چار نہ ہوتے۔ حضرت سعدؓ سخت مزاج کے انسان تھے۔ جنگ بدر کے بعد بھی اسیروں کی جان بخشی ان کو ناگوار معلوم ہوئی تھی اور ان کی وہی رائے تھی جو حضرت عمرؓ کی تھی کہ سب اسیروں کو قتل کیا جائے۔

سیاسی اور فوجی اعتبار سے بھی ان کا یہ فیصلہ حق بجانب تھا۔ نبی نضیر کو اگر جلاوطنی کی بجائے قتل کی سزادی جاتی تو قریش ہرگز احزاب کا اتنا بڑا لشکر مسلمانوں کے خلاف نہ لاسکتے تھے۔ جو یہودیوں کی سعی وکوشش سے جمع ہوسکا۔ نبی نضیر کا عہد تھا کہ مسلمانوں کی مخالفت نہ کریں گے۔ پھر بھی اپنے عہد سے پھرگئے۔ ایسے تجربوں کے بعد اب نبی قریظہ پر اعتبار کر کے انکی جاں

نخشی قطعی خلاف مصلحت تھی۔ ہالینڈ کا ایک مستشرق ویسنک کہتا ہے کہ "دو سال قبل بنی النضیر کے ساتھ رعایت کر کے نرم سلوک کیا گیا تو ممنون ہونے کی جگہ انہوں نے ہولناک جنگ خندق کا انتظام کرایا۔ کوئی وجہ نہ تھی کہ مجرب چیز کا مکرر تجربہ کیا جائے" (۸)۔ بے شک آزمودہ را آزمودن خطااست۔

ایک یہودی زبیر بن باطا قرضی نے جنگ بعاث میں حضرت ثابت بن قیسؓ کو دشمن کی قید سے آزادی دلائی تھی۔ حضرت ثابتؓ نے اس احسان کا بدلہ اتارنا چاہا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جاکر زبیر کی رہائی کی درخواست کی۔ آپؐ نے منظور فرمائی۔ زبیر نے چاہا کہ اس کے بال بچے بھی آزاد کئے جائیں۔ یہ بھی ہوگیا۔ تو اموال کا مطالبہ کیا۔ حضرت ثابتؓ کی سفارش سے رسول اکرم ﷺ نے یہ خواہش بھی پوری کردی۔ لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ اس کے سردار کعب بن اسد، حیّ بن اخطب وغیرہ قتل ہوگئے تو خود زندہ رہنا قبول نہ کیا اور حضرت ثابتؓ سے درخواست کی کہ اسے بھی قتل کردیں۔ انہوں نے افسوس کے ساتھ اس کی یہ آخری تمنا بھی پوری کی۔ لیکن اس کے بیٹے عبدالرحمٰن کو اپنی حفاظت میں رکھا جو بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

مقتولوں میں صرف ایک عورت تھی۔ حکم القرضی کی زوجہ نباتہ قرضیہ یہ قصاص کی بنا پر قتل ہوئی کیونکہ اس نے قلعے سے ایک چکی کا پاٹ حضرت خلادؓ بن سوید کے سر پر گرا کر انہیں شہید کر دیا تھا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ یہ بڑے اطمینان سے سب کے ساتھ خوب ہنس بول رہی تھی۔ جب قتل کے لئے پکاری گئی تو ہنسی خوشی مقتل تک گئی۔ عطیہ قرضی کم عمری کی وجہ سے چھوڑ دیئے گئے تھے۔ بعد میں اسلام قبول کیا۔

قیدی اور اموال خمس نکال کر مسلمانوں میں تقسیم کردیئے گئے۔ اس موقع پر یہ طے ہوا کہ سوار کے تین حصے اور پیدل کا ایک حصہ ہوگا۔ آئندہ ہمیشہ اسی پر عمل ہوتا رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے خمس میں حاصل شدہ قیدیوں کو حضرت سعید بن زیدؓ کی نگرانی میں نجد بھیجا اور ان کے عوض گھوڑے اور اسلحہ خریدے (۹)۔

احزاب کی پسپائی اور بنی قریظہ کے استیصال کے بعد اسلام کے خلاف جارہانہ کارروائی کا سلسلہ تقریباً ختم ہوگیا۔ دوسرے چھوٹے یہودی قبائل قینقاع کے بقایا اور بنی عریض وغیرہ مدینہ میں رہ گئے۔ ان سے کوئی غداری سرزد نہ ہوئی تھی چنانچہ نہایت امن سے مدینہ میں مقیم رہے۔ ان

سے ہمیشہ اچھا برتاؤ رہا۔ یہودیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی عدل گستری کا یہ واقعہ مشہور ہے۔ جسے سید قطب شہید نے عدل وانصاف کا عدیم المثال نمونہ قرار دیا ہے۔ ایک انصاری قتادہ بن نعمانؓ کے چچا رفاعہ کی ایک زرہ چوری ہوگئی۔ انہیں کچھ پتا لگا تو رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ "طعمہ بن ابیرق یا بشیر بن ابیرق نے میری زرہ چوری کرلی ہے"۔ بشیر نے یہ صورت حال دیکھ کر زرہ ایک یہودی زید بن سمین کے گھر میں ڈال دی اور اپنے اہل خاندان سے کہا کہ زرہ وہاں ملے گی۔ رسول اللہ ﷺ سے عرض کریں کہ ابن ابیرق کو بری قرار دیں۔ زرہ یہودی کے یہاں ملی تو آپؐ نے ابن ابیرق کو بری قرار کردیا۔ قتادہ آپؐ سے ملے تو آپؐ نے فرمایا کہ نیک مسلمانوں پر بغیر ثبوت کے ناحق الزام لگایا۔ وہ بہت پشیمان ہوئے کہ چوری کی شکایت نہ کرتے تو بہتر تھا۔ رفاعہ نے بھتیجے کو مغموم دیکھا تو سبب پوچھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد انہیں بتایا تو وہ کہنے لگے "اللہ مدد کرنے والا ہے"۔ کچھ ہی وقت گذرا تھا کہ سورۃ النسا کی وہ آیات نازل ہوئیں (۱۰) جن سے رسول اللہ ﷺ کو صحیح حقیقت حال معلوم ہوئی۔ آپؐ نے یہودی کو بری کیا اور زرہ رفاعہ کو دلوادی بشیر بن ابیرق دراصل منافق تھا۔ جاکر مشرکین سے مل گیا (۱۱)۔

بنی قریظہ کی قیدی خواتین میں سے حضرت ریحانہؓ بنت عمرو کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے منتخب فرمایا۔ حضرت ریحانہؓ کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ابن کثیر نے محمد ابن اسحاق (۱۲) کی یہ روایت بیان کی ہے کہ شروع میں رسول اللہ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے قبول نہ کی۔ بعدازاں اسلام قبول کرلیا تو آپؐ کو مسرت ہوئی۔ یہ بھی روایت ہے کہ آپؐ نے یہ پیش کش کی کہ انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کرلیں لیکن حضرت ریحانہ نے آزادی پر غلامی کو ترجیح دی کہ یہ صورت ان کے لئے آسان اور سہل تھی چنانچہ آپؐ کی وفات تک کنیز کی حیثیت سے آپؐ کے ساتھ رہیں (۱۳)۔ واقدی کی روایت ہے کہ آپؐ نے انہیں اختیار دیا تو انہوں نے اسلام قبول کیا۔ آپؐ نے انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کرلیا۔ ابن سعد نے واقدی کا یہ بیان نقل کیا ہے۔ حافظ ابن مندہ کی تیسری روایت مختلف ہے 'طبقات الصحابہ' میں لکھتے ہیں "ریحانہ کو گرفتار کیا اور پھر آزاد کردیا تو وہ اپنے خاندان میں چلی گئیں اور وہیں پردہ نشین ہوکر رہیں"۔ شبلی نعمانی نے اس روایت کو ترجیح دی ہے (۱۴)۔ قاضی سلمان منصور پوری نے حضرت ریحانہ کو رسول اللہ ﷺ کی ازواج میں شامل نہیں کیا ہے (۱۵)۔

بنی قریظہ کے خاتمے کے چند ہی دن بعد حضرت سعد بن معاذؓ کی حالت بہت نازک ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ عیادت کے لئے گئے تو بے ہوش پایا۔ آپؐ ان کے سرہانے بیٹھ گئے۔ سر آہستہ سے اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا اور ان کے لئے دعا کی۔ حضرت سعدؓ نے آواز سنی تو آنکھیں کھول دیں اور عرض کیا "السلام علیکم یا رسول اللہ (ﷺ) میں شہادت دیتا ہوں کہ آپؐ نے رسالت کا حق ادا کردیا"۔ رسول اکرم ﷺ چلے آئے تو کچھ دیر کے بعد وفات پائی۔ اسلام کے لئے ان کی خدمات بڑی قابل قدر تھیں۔ احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ ان کی وفات پر عرش ہل گیا۔ کہتے ہیں کہ جب صحابہ ان کا جنازہ قبرستان لئے جارہے تھے تو باوجود ان کے بڑے تن وتوش کے انہیں بڑا ہلکا محسوس کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ "ان کا جنازہ ملائکہ اٹھائے ہوئے ہیں" (۱۶)۔

حیی بن اخطب تو بنی قریظہ کے ساتھ قتل ہوا۔ لیکن ایک دوسرا یہودی سردار ابو رافع سلام بن ابی الحقیق ابھی خیبر میں سلامت تھا۔ مدینہ کے خلاف احزاب کو جمع کرنے میں اس کا بھی بڑا حصہ تھا اور اس کا وجود اسلام کے لئے خطرے سے خالی نہ تھا۔ بنی اوس کعب بن اشرف کو قتل کر کے سرفراز ہوئے تھے۔ اب اہل خزرج نے چاہا کہ وہ بھی ایک دشمن اسلام کا خاتمہ کر کے ان کے برابر آجائیں۔ غزوۂ قریظہ کو چند ہی دن گذرے تھے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی کہ ابورافع کو جاکر قتل کر آئیں۔ آپؐ نے اس شرط پر اجازت دی کہ کوئی عورت یا بچہ قتل نہ ہو۔ چنانچہ قبیلہ بنی سلمہ کے پانچ اصحاب عبداللہ بن عتیکؓ (سربراہ) مسعود بن سنانؓ، عبداللہ بن انیسؓ ابو قتادہ بن حرثؓ اور خزاعی بن اسودؓ اس مہم کے لئے خیبر روانہ ہوئے۔ ایک رات ابورافع کی خواب گاہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ اوراسے قتل کر کے مدینہ واپس آگئے۔ اس طرح ایک اور اسلام دشمن یہودی اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔

☆ ☆

(۱) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۲۲ (کتاب المغازی باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب ومخرجہ الی بنی قریظہ)

(۲) ملاحظہ ہو گذشتہ باب ۵۰

(۳) الفرید غیوم 'دی لائف آف محمدؐ' (The Life of Muhammad) صفحہ ۴۶۳

(۴) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۷۲

(۵) اس بارے میں قاضی سلمان منصور پوری مرحوم لکھتے ہیں کہ قریش کی واپسی کے بعد "نبی ﷺ نے بنی قریظہ کو بلا بھیجا کہ وہ سامنے آکر اپنے اس طرز عمل کی وجہ بیان کریں۔ اب بنی قریظہ قلعہ بند ہوبیٹھے اور لڑائی کی پوری تیاری کرلی.... نبی قریظہ کا یہ غدر ان کی پہلی حرکت ہی نہ تھی بلکہ جنگ بدر میں انہوں نے قریش کو سلاحات سے مدد دی تھی۔ مگر اس وقت رحمدل نبی ﷺ نے ان کا یہ قصور معاف کردیا تھا۔ اب ان کے قلعہ بند ہوجانے سے مسلمانوں کو ان سے مجبوراً لڑنا پڑا.... محاصرے کی سختی سے بنو قریظہ تنگ آگئے۔ انہوں نے قبیلہ اوس کے مسلمانوں کو جن سے انکا پہلے سے ربط وضبط تھا بیچ میں ڈالا اور نبی ﷺ سے منوالیا کہ بنو قریظہ کے معاملے میں سعد بن معاذؓ کو (جو اوس کے سردار تھے) حکم تسلیم کیا جائے۔ جو فیصلہ سعدؓ کردے خدا کا نبی (ﷺ) اسی کو منظور کرے"۔ (سلیمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلداول صفحہ ۱۳۳)

(۶) یہ فیصلہ توریت کے احکام کے مطابق تھا بلکہ اس سے نرم تھا۔ توریت میں ہے۔ "اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو اس کا محاصرہ کرنا۔ اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کردے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا۔ لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو کھانا" (کتاب استثناء ۲۰/۱۲، ۱۳، ۱۴)۔ توریت میں دوسری جگہ پھر آیا ہے۔ "اور جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا اس کے مطابق انہوں نے مدیانیوں سے جنگ کی اور سب مردوں کو قتل کیا.... اور موسیٰؑ ان فوجی سرداروں پر جو ہزاروں اور سیکڑوں کے سردار تھے اور جنگ سے لوٹے تھے جھلایا۔ اور ان سے کہنے لگا کیا تم نے سب عورتیں جیتی بچا رکھی ہیں۔ دیکھو ان ہی نے بلعام کی صلاح سے فغور کے معاملہ میں بنی اسرائیل سے خداوند کی حکم عدولی کرائی اور یوں خداوند کی جماعت میں وبا پھیلی۔ اس لئے ان بچوں میں جتنے لڑکے ہیں سب کو مارڈالو اور جتنی عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں ان کو قتل کر ڈالو۔ لیکن ان لڑکیوں کو جو مرد سے واقف نہیں اور اچھوتی ہیں اپنے لئے زندہ رکھو"۔ (کتاب گنتی۔ ۳۱/ ۷، ۱۳ تا ۱۷)

مسٹر مارگولیوتھ کا خیال ہے کہ حضرت سعدؓ نے یہ سخت فیصلہ اس لئے دیا کہ وہ ایک یہودی کے تیر سے زخمی ہوئے تھے۔ اس مورخ کو یہ معلوم نہ تھا کہ حبان بن قیس جس کا تیر حضرت سعدؓ کے لگا تھا قریشی مشرک تھا نہ کہ بنی قریظہ کا یہودی۔

(۷) یہ مکان اتنا بڑا نہ تھا کہ اس میں سات سو یا چار سو قیدی سما سکتے۔ اس بنا پر ضیا الدین کرمانی نے بنی قریظہ کے مقتولوں کی تعداد چار سو سے سات سو تک مبالغہ آمیز بتائی ہے (ضیاء الدین کرمانی 'دی لاسٹ

میسنجر وِد اے لاسٹنگ میسج' (The Last Messenger with a Lasting Message) صفحہ ۱۴۴)

(۸) محمد حمید اللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۲۶۴

(۹) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۵۰۱

(۱۰) قرآن مجید سورۃ النساء ۱۰۵ تا ۱۱۳

(۱۱) رسول اکرم ﷺ کے عدل و انصاف، تحمل و بردباری اور حسن اخلاق کا ایک عدیم المثال نمونہ ایک یہودی عالم زید بن سعنہ کے واقعے میں ملتا ہے۔ ایک موقع پر آپؐ نے ان سے ۸۰ مثقال سونا قرض لے کر ایک قحط زدہ بدوی مسلم قبیلے کو عطا فرمایا تھا۔ اس قرض کی ادائیگی کی مقررہ میعاد میں دو ایک دن رہ گئے تو زید نے بڑے غیر مہذب اور توہین آمیز انداز سے اپنے سونے کی قیمت کا مطالبہ کیا اور کہا "میں اولادِ عبدالمطلب کو خوب جانتا ہوں کہ بڑے نادہند ہیں"۔ اس وقت کئی صحابہ آپؐ کے ساتھ تھے۔ حضرت عمرؓ نے زید کو ڈانٹ کر کہا "کیا بکتا ہے۔ حضور (ﷺ) کا ڈر نہ ہوتا تو ابھی تجھے قتل کر دیتا" رسول اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ کو سمجھایا کہ "ایسا نہ کہیں۔ چاہئے تھا کہ ایسے موقع پر مجھے ادائے حق کا مشورہ دیتے اور زید کو بہتر طرزِ طلب کا"۔ پھر آپؐ نے زید کا سارا حساب بے باق کیا اور ڈانٹ کے بدلے میں مزید بیس صاع کھجور دلوائے۔ زید پر یہ اثر ہوا کہ فوراً اسلام قبول کیا۔ کہتے ہیں کہ زید کا یہ سارا عمل حضور ﷺ کی آزمائش کے طور پر تھا۔ آپؐ آزمائش میں پورے اترے تو وہ ایمان لے آئے۔ اپنا نصف مال ملت پر صدقہ کر دیا (نعیم صدیقی 'محسن انسانیت' صفحہ ۲۶۳)۔

(۱۲) الفرید غیوم 'دی لائف آف محمدؐ' (The Life of Muhammad) صفحہ ۲۶۶

(۱۳) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۷۵

(۱۴) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۵۶

(۱۵) سلمان منصور پوری 'رحمۃ للعالمین' جلد دوم صفحہ ۱۸۲

(۱۶) ابن سعد 'طبقات' حصہ چہارم صفحہ ۲۲

(۹۷) ام المومنین حضرت زینب بنتِ جحشؓ

ہجرت کے پانچویں سال رسول اللہ ﷺ کی خانگی زندگی میں ایک اور واقعہ گذرا جو اتنا اہم تو نہ تھا لیکن یورپ کے ان مستشرقین کی توجہ کا خاص مرکز بن گیا جو ہمیشہ اس تلاش میں سرگرداں رہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے دامن پر کوئی داغ نظر آجائے۔

حضرت امیمہؓ بنت عبدالمطلب کی صاجزادی حضرت زینبؓ بنت جحش رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ آپؐ کو اسی طرح عزیز تھیں جیسے کہ آپؐ کے لے پالک بیٹے حضرت زید بن حارثؓ آپؐ نے چاہا کہ دونوں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوجائیں۔ حضرت زیدؓ (جیسا کہ بیان ہوچکا) مکہ میں بحیثیت غلام داخل ہوئے تھے۔ زیادہ معزز نہ سمجھے جاتے تھے چنانچہ یہ رشتہ حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو پسند نہ تھا جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو دونوں نے انکار کردیا۔ اس موقع پر حضرت زینبؓ سے یہ اقوال منسوب ہیں "میں ان سے نسب میں بہتر ہوں.... میں انہیں اپنے لئے پسند نہیں کرتی میں قریش کی شریف زادی ہوں"۔ لیکن رسول اکرم ﷺ اسلامی مساوات اپنے کنبے میں رائج کرنا چاہتے تھے۔ جب سورۃ احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی:

> "اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا رسولؐ کوئی امر مقرر کردیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔ اور جو کوئی خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہ ہوگیا"۔ (الاحزاب ۳۶)

تو حضور ﷺ کی تعمیل ارشاد کی خاطر حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی اس رشتے کے لئے راضی ہوگئے۔ اور شادی ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے خود نکاح پڑھایا اور حضرت زیدؓ کی طرف سے دس

دینار ۔ اٹھ درہم مہر ادا کیا۔ چند کپڑے اور کچھ سامان خوردونوش بھی عطا کیا۔

حضرت زینبؓ میں پہلے ہی سے احساس برتری تھا۔ اکثر شوہر سے ناچاقی رہتی۔ حضرت زیدؓ بار بار ان کی شکایت رسول اکرم ﷺ کے پاس لاتے۔ آپؐ کو احساس ہوگیا کہ یہ شادی زیادہ مدت نہ چل سکے گی۔ آپؐ یہ بھی سوچتے تھے کہ دونوں کی جدائی ہوئی تو حضرت زینبؓ کی دلجوئی اور عزت افزائی کے لئے مناسب ہوگا کہ اپنی زوجیت کا شرف عطا فرمائیں تاکہ ایک ناکام شادی اور طلاق کے صدمے کی تلافی ہوسکے۔ آپؐ نے اپنا یہ خیال کسی پر ظاہر نہ کیا مبادا وہ لوگ اعتراض کریں جو جاہلیت کی رسم کے مطابق اپنے متبنّیٰ کی مطلقہ خاتون سے شادی ناجائز سمجھتے تھے۔ اس احساس کے باوجود جب حضرت زیدؓ نے آپؐ سے اجازت طلب کی کہ حضرت زینب کو طلاق دے دیں تو آپؐ نے انہیں یہی مشورہ دیا کہ ایسا نہ کریں۔ لیکن حضرت زیدؓ کے اصرار پر آخر کار آپؐ کو خاموش ہونا پڑا۔ اور طلاق ہوگئی۔ اس کے متعلق قرآن مجید میں آیا:

"اور جب تم اس شخص سے جس پر خدا نے احسان کیا اور تم نے بھی احسان کیا (یہ) کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے اور خدا سے ڈر اور تم اپنے دل میں وہ بات پوشیدہ کرتے تھے (۱)۔ جس کو خدا ظاہر کرنے والا تھا اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ خدا ہی اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو۔ پھر جب زیدؓ نے اس سے (کوئی) حاجت (متعلق) نہ رکھی (یعنی اس کو طلاق دیدی) تو ہم نے تم سے اس کا نکاح کردیا تاکہ مومنوں کے لئے ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (کے ساتھ نکاح کرنے کے بارے) میں جب وہ ان سے (اپنی) حاجت (متعلق) نہ رکھیں (یعنی طلاق دیدیں) کچھ تنگی نہ رہے۔ اور خدا کا حکم واقع ہوکر رہنے والا تھا"۔ (الاحزاب ۳۷)

عدت گزرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب کے ساتھ نکاح کرلیا۔ (نکاح سے قبل حضرت زینب کا نام برہ تھا۔ نکاح کے بعد آپؐ نے انہیں یہ خوبصورت نام عطا فرمایا)

منافقین، یہودی، اور وہ جاہلیت پرست جو متبنّی اور حقیقی اولاد میں فرق نہ کرتے تھے طعنے دیتے رہے۔ لیکن اس طرح ایک غیر معقول رسم کا خاتمہ ہوگیا جس کی مثال خود آپؐ کی ذات اقدس نے قائم کی کہ اس میں کسی کراہیت کا امکان نہ رہے۔ نکاح کے متعلق روایت ہے کہ آپؐ حضرت عائشہؓ کے یہاں تھے کہ مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ آپؐ مسکراتے ہوئے اٹھے اور فرمایا کہ "کون ہے جو زینبؓ کو یہ بشارت سنائے"۔ ایک خادمہ سلمیٰ نے یہ خدمت انجام دی۔ انہوں نے جب حضرت زینبؓ کو یہ خوشخبری پہنچائی تو حضرت زینبؓ نے سلمیٰ کو تھوڑی دیر ٹھہرنے کے لئے کہا۔ دو نفل شکرانے کے ادا کئے۔ پھر جو زیوارت اس وقت زیب تن تھے سلمیٰ کو عطا کئے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت زینبؓ کے دل میں پہلے سے یہ خواہش تھی کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کا شرف حاصل ہو۔ انہوں نے منت مان رکھی تھی کہ ایسا ہوا تو چھ ماہ تک روزے رکھیں گی (۲)۔ حضرت زینبؓ کے لئے مشہور ہے کہ بہت عبادت گزار تھیں۔ اچھی دستکار تھیں۔ دستکاری سے جو کماتیں خیرات کر دیتیں۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ کی سب ازواج آپؐ کے ساتھ تھیں۔ آپؐ نے فرمایا "تم میں سے سب سے پہلے مجھ سے وہ ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا۔ سب ازواج اپنے اپنے ہاتھ اک دوسرے سے ناپنے لگیں۔ لیکن رسول اکرم ﷺ کی مراد اس ہاتھ سے تھی جو صدقہ وخیرات میں سب سے بڑھ کر ہو۔ چنانچہ آپؐ کی وفات کے بعد سب سے پہلے حضرت زینب ہی کا انتقال ہوا۔

مستشرقین نے جسے ایک واقعے کی طرح پیش کرنے کی کوشش کی ہے وہ واقدی کی تصنیف کردہ ایک لغو کہانی تھی، جو غالباً اس تک منافقین اور زنادقہ سے پہنچی ہو۔ کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن حضرت زیدؓ سے ملنے گئے۔ وہ گھر موجود نہ تھے۔ حضرت زینبؓ نے دروازہ کھولا تو وہ ایک لباس میں ملبوس تھیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے حسن سے بہت متاثر ہوئے اور یہ کہتے ہوئے واپس آگئے "سبحان اللہ العظیم سبحان اللہ مصرف القلوب" (پاک ہے خدائے برتر۔ پاک ہے وہ خدا جو دلوں کو پھیر دیتا ہے) حضرت زیدؓ گھر واپس آئے تو حضرت زینبؓ نے انہیں یہ بات بتائی۔ وہ فوراً آپؐ کی خدمت میں پہنچے اور یہ عرض کیا کہ اگر حضرت زینب آپؐ کو پسند ہوں تو وہ انہیں طلاق دیدیں۔ لیکن آپؐ نے یہی مشورہ دیا کہ طلاق نہ دو۔ پھر بھی انہوں نے طلاق دی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے شادی کرلی۔ شبلی نعمانی کہتے ہیں کہ "مورخ طبری نے یہ غلط

روایت واقدی سے نقل کی ہے جو مشہور کذاب اور دروغ گو ہے اور جس کا مقصد اس قسم کی بے ہودہ روایتوں سے یہ تھا کہ عباسیوں کی عیش پرستی کے لئے سند ہاتھ آئے" (۴)۔

یہ شادی آیت حجاب کے نازل ہونے سے قبل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کو ان کے بچپن سے دیکھتے چلے آئے تھے۔ اگر ان کے حسن سے متاثر ہوتے تو پہلے ہی ان سے نکاح کر چکے ہوتے۔ بلکہ بجائے اس کے کہ ان کا نکاح حضرت زیدؓ سے کیا خود کر لیتے۔ اب جبکہ وہ چھتیس سال کی عمر کو پہنچ گئی تھیں یکایک ان پر اس طرح فریفتہ ہو جانا آپؐ کی ذات اقدس کا تو کیا ذکر کسی معمولی انسان کے لئے بھی قرین قیاس نہیں۔ حافظ ابن حجر اور ابن کثیر نے اپنی سورۃ احزاب کی تفسیر میں اس روایت کو قطعی غلط بتایا ہے۔ صحاح ستہ میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں۔

اس شادی کے بارے میں حضرت زینبؓ رسول اللہ ﷺ سے کہا کرتی تھیں کہ "مجھے آپؐ کی باقی ازواج مطہرات سے تین باتوں پر ناز ہے۔ کوئی عورت اس میں میرا مقابلہ نہیں کر سکتی آپؐ کا دادا اور میرا نانا ایک ہے۔ اللہ نے میرا نکاح آسمان پر کیا۔ اور سفارت کا کام جبرئیلؑ نے انجام دیا"۔ اس شادی کے ولیمے میں رسول اللہ ﷺ نے سارے صحابہ کو مدعو کیا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب لوگ کھا پی کر رخصت ہوگئے تو تین حضرات پھر بھی گھر میں بیٹھے گفتگو میں مصروف رہے۔ آپؐ اٹھ کر باہر چلے گئے کہ اس طرح یہ لوگ بھی رخصت ہو جائیں لیکن یہ حضرات پھر بھی بیٹھے ہی رہے۔ آپؐ نے آکر انہیں اس حالت میں دیکھا تو پھر واپس حضرت عائشہؓ کے حجرے میں چلے گئے۔ آخر یہ لوگ رخصت ہوئے تو حضرت انسؓ نے آپؐ کو بتایا اور آپؐ حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لائے۔ اور حضرت انسؓ اور اپنے درمیان ایک پردہ ڈال لیا۔ اس موقع پر مسلم خاتون کی شرافت کے امتیازی نشان حجاب کا حکم نازل ہوا۔ یہ اسلام کا وہ تحفہ ہے جو عورت کی عزت وعفت کا ضامن وحافظ ہے:

"اے پیغمبر کی بیویو تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم پرہیزگار رہنا چاہتی ہو تو (کسی اجنبی شخص سے) نرم نرم باتیں مت کرو تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہے کوئی امید (نہ) پیدا کرے۔ اور

ان میں دستور کے مطابق بات کیا کرو۔ اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو
اور جس طرح (پہلے) جاہلیت (کے دنوں) میں اظہار تجمل کرتی تھیں اس
طرح زینت نہ دکھاؤ اور نماز پڑھتی رہو اور زکوۃ دیتی رہو اور خدا اور اس
کے رسول کی فرمانبرداری کرتی رہو۔ اے (پیغمبر کے) اہل بیت خدا چاہتا
ہے کہ تم سے ناپاکی کی (کا میل کچیل) دور کردے اور تمہیں بالکل پاک
صاف کردے" (الاحزاب ۳۲، ۳۳)

پھر بعد میں تمام مسلمانوں کے لئے مزید وضاحت کی گئی:

"مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی
شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں یہ ان کے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے۔
اور جو کام یہ کرتے ہیں خدا ان سے خبردار ہے۔ اور مومن عورتوں سے
بھی کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت
کیا کریں اور اپنی آرائش (یعنی زیور کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیا
کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو۔ اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے
رہا کریں اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور
لونڈی غلاموں کے سوا نیز ان خدام کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں یا
ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پردوں کی چیزوں سے واقف نہ ہوں
(غرض ان لوگوں) کے سوا کسی پر اپنی زینت (اور سنگار کے مقامات) کو
ظاہر نہ ہونے دیں۔ اور اپنا پاؤں ایسے طور سے زمین پر نہ ماریں کہ
(جھنکار کانوں میں پہنچے اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے۔ اور مومنو
سب خدا کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ"۔ (سورۃ النور ۳۰، ۳۱)

☆ ☆

(۱) جو بات رسول اللہ ﷺ جانتے تھے اور چھپائی اس کے متعلق امام زین العابدین اور مفسر سدی کا قول ہے کہ "حضرت زینب کا شمار ازواج مطہرات میں مقدر تھا اور یہی بات رسول اللہ ﷺ کے دل میں تھی"۔
(ابن کثیر "سیرۃ النبی" جلد دوم صفحہ ۲۰۱)

(۲) محمد حمید اللہ "محمد رسول اللہ" مطبوعہ نقوش جلد دوم صفحہ ۶۵۴

(۳) شبلی نعمانی "سیرۃ النبی" جلد اول صفحہ ۸۷۵

(۹۸) غزوات و سرایا ۶ھ

احزاب کی ناکام واپسی اور بنی قریظہ کے خاتمے کے بعد اہل مدینہ کو اطمینان نصیب ہوا۔ اور کئی ماہ سکون سے گذرے جن میں چند تادیبی غزوات اور سریئے عمل میں آئے۔ پہلا سریہ قرطا محرم ۶ ھ میں واقع ہوا۔ اس میں ایک قابل ذکر واقعہ بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کی گرفتاری ہے۔ بنو بکر بن کلابؓ کی تادیب کے لئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو تیس افراد کی جماعت کے ساتھ نجد میں القرطا کے مقام پر بھیجا۔ بنو بکر کے ایک قبیلے قریطا کی ایک جماعت کسی مقصد سے جمع ہوئی تھی۔ مسلمان پہنچے تو یہ سب فرار ہوگئے۔ کچھ مویشی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ اس مہم سے واپسی میں مسلمانوں نے نجد کے ایک سردار ثمامہ بن اثال کو گرفتار کیا۔ یہ مسیلمہ کذاب کے ساتھیوں میں تھا اور ایک روایت کے مطابق اسی کے کہنے پر رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ یہ وہی ثمامہ تھا جو ایک بار قبل ہجرت مکہ آیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اسلام پیش کیا۔ اس نے نہایت متکبرانہ انداز میں آپؐ کی دعوت کو رد کیا اور کہا "اے محمد (ﷺ) چپ رہ ورنہ میں تجھے جان سے ماردوں گا" (۱)۔ آج ایک مجرم کی حیثیت سے مسجد کے ایک ستون سے بندھا ہوا آپؐ کے سامنے پیش ہوا۔ آپؐ نے چاہا تھا کہ مسلمانوں کے عادات واطوار کا مشاہدہ کرسکے۔ دوسرے دن آپؐ اس کے قریب سے گذرے تو حال پوچھا۔ اس نے جواب دیا "اگر آپ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں تو میں خون والا ہوں (یعنی قتل کا مستحق ہوں) اگر احسان کریں گے تو یہ ایک قدر دان پر احسان ہوگا' اگر فدیہ چاہئے تو میں مالدار ہوں جس قدر مال درکار ہو دوں گا"۔ آپؐ خاموشی سے گذر گئے۔ اگلے روز آپؐ نے حال دریافت فرمایا تو جواب دیا "میں کہہ چکا ہوں اگر آپ احسان فرمائیں گے تو ایک شکر گذار پر احسان فرمائیں گے"۔ تیسرے دن آپؐ نے پھر خیریت پوچھی تو ثمامہ نے کہا "مجھے جو کہنا تھا کہہ چکا ہوں"۔ یہ سن کر آپؐ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو رہا کردیا جائے۔ رہا ہوتے ہی ثمامہ ایک باغ میں گیا' وہاں غسل کیا واپس آپؐ کی خدمت میں آیا اور کلمہ اسلام پڑھ کر مسلمان ہوا۔ آپؐ سے عرض کیا "یارسول اللہ

(ﷺ) بخدا دنیا میں آپؐ سے زیادہ قابل نفرت میرے نزدیک کوئی نہ تھا۔ مگر اب آپؐ مجھے سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ آپؐ کے شہر سے مجھے بڑی نفرت تھی، آج یہ شہر تمام مقامات سے زیادہ عزیز ہے آپؐ کے دین سے بڑھ کر مجھے کسی دین سے بغض نہ تھا آج آپؐ کے دین سے زیادہ محبوب کوئی دین نہیں" (۲)۔ یہ کہہ کر ثمامہ نے مکہ جاکر عمرہ ادا کرنے کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے دعا کے ساتھ اس کارخیر کے لئے رخصت کیا۔

ثمامہؓ مسلمان ہو کر جب عمرے کے لئے مکہ پہنچے تو کسی نے کہا "تم تو صابی ہوگئے"۔ انہوں نے کہا "نہیں میں نے اسلام قبول کرلیا ہے اور محمد رسول اللہ (ﷺ) پر ایمان لایا ہوں۔ اب تمہیں یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی نہ ملے گا جب تک آنحضرت (ﷺ) کی اجازت نہ ہوگی"۔ مکہ غیرزرعی علاقہ تھا۔ وہاں غلہ پیدا نہ ہوتا تھا۔ دارومدار درآمد پر تھا جو اکثر یمامہ سے ہوتی تھی۔ اتفاقاً یہ قحط کا سال تھا سوائے یمامہ کے کہیں اور سے درآمد بھی ممکن نہ تھی۔ اہل قریش نے رسول اکرم ﷺ سے مدد کی درخوست کی کہ اپنے ہم وطنوں پر رحم فرمائیں۔ آپؐ نے حضرت ثمامہؓ کو لکھا کہ غلے کی برآمد سے پابندی اٹھالیں۔ ساتھ ہی پانچ سو اشرفیاں (جو اس زمانے میں کافی بڑی رقم تھی) اہل مکہ کے مفلسوں کی امداد کے لئے روانہ فرمائیں۔ ابوسفیان نے بجائے شکریہ ادا کرنے کے یہ کہا کہ "محمد (ﷺ) یہ چاہتا ہے کہ ہمارے نوجواں کو ورغلائے" لیکن اشرفیاں بخوشی قبول کرلیں (۳)۔ کچھ قریشیوں پر اس کا یقیناً اچھا اثر پڑا ہوگا۔ بعض دل ہی دل میں فخر کرتے ہوں گے کہ ان کے یہاں کے ایک فرد کو یہ عالی مرتبہ حاصل ہوگیا ہے۔

ربیع الاول ۶ ھ میں رسول اللہ ﷺ نے بنی لحیان کے خلاف انتقامی کارروائی کرنا چاہی جنہوں نے چند ماہ قبل آٹھ مبلغین اسلام کو فریب دے کر قتل کیا تھا اور حضرت خبیب بن عدیؓ اور حضرت زید بن دثنہؓ کو مشرکین مکہ کے ہاتھ فروخت کردیا تھا جہاں وہ شہید کئے گئے تھے۔ حضرت ابن ام مکتومؓ کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا اور خود دو سو صحابہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ بظاہر شام کی طرف رخ کیا مگر پھر راستہ بدل کر بطن غران کے مقام پر پہنچے جہاں آٹھ صحابہ شہید ہوئے تھے۔ یہ وادی امج اور عسفان کے درمیان واقع تھی۔ بنی لحیان کو آپؐ کی آمد کی خبر ہوگئی اور بھاگ کر آس پاس کے دروں میں روپوش ہوگئے۔ یہاں سے آپؐ نے چند سریئے ان لوگوں کی تلاش میں روانہ فرمائے مگر یہ لوگ ہاتھ نہ آئے۔ اہل مکہ کو دھمکانے کی غرض سے آپؐ عسفان کی طرف

ہو لئے۔ وہاں سے چند سوار کراع الغمیم بھیجے کہ قریش کو آپؐ کی آمد کی اطلاع ہو جائے۔ اور خود مدینہ تشریف لے آئے۔ اس مہم (غزوہ بنی لحیان) میں تقریباً دو ہفتے صرف ہوئے۔

واپسی کو تین چار ہی روز گذرے تھے (۴)۔ کہ غطفان کے سردار عیینہ بن حصن فزاری (جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے اور جسے آپؐ نے مدینہ کے قریب چراگاہ استعمال کرنے کی اجازت دی تھی) چند سواروں کے ساتھ مدینہ کے قریب اس چراگاہ میں آیا جہاں رسول اللہ ﷺ کے اونٹ چرتے تھے۔ ایک مسلمان چرواہے حضرت ابوذر غفاری کے فرزند کو قتل کیا اور آپؐ کے اونٹوں کو ہانک کر اور ساتھ ہی غفاری چرواہے کی زوجہ کو گرفتار کر کے لے گیا۔ اتفاقاً حضرت سلمہ بن عمروؓ بن اکوع اسلمی علی الصبح طلحہ بن عبید اللہ کے ایک غلام کے ساتھ ثنیۃ الوداع پر تھے۔ انہوں نے عیینہ کے سواروں کو دیکھ لیا۔ وہاں سے مدد کے لئے آواز لگائی اور اپنے ساتھی کو مدینہ اطلاع کے لئے بھی بھیجا۔ خود ڈاکوؤں کا تعاقب شروع کیا اور ان پر تیروں کی بارش کر دی۔ خود پیدل تھے مگر سوار ڈاکوؤں کو کہیں پناہ نہ لینے دی۔ بعد میں مسلمان سوار بھی آ گئے۔ تین ڈاکو مارے گئے ان میں عیینہ کا بیٹا خیب بھی تھا۔ باقی دو اوبار اور اس کا بیٹا عمرو تھے۔ یہ دونوں ایک ہی اونٹ پر تھے۔ حضرت عکاشہ بن محصنؓ نے ایسا نیزہ مارا کہ دونوں کے پار ہو گیا۔ ایک صحابی حضرت محرز بن نضلہؓ ڈاکوؤں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ ڈاکو فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے مگر زیادہ تر اونٹ چھڑا لئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ بھی موقع پر پہنچ گئے تھے۔ آپؐ نے رات کو ذی قرد میں قیام فرمایا اسلئے یہ مہم غزوہ ذی قرد کہلائی غزوہ غابہ بھی اس کا نام ہے۔ حضرت سلمہؓ نے آپؐ سے اجازت چاہی کہ سو افراد کے ساتھ انہیں روانہ فرمائیں تو سب ڈاکوؤں کو گرفتار کر لائیں گے۔ مگر آپؐ نے فرمایا "یہ لیٹرے اب قبیلہ غطفان میں پہنچ کر ان کے مہمان ہونگے" غفاری چرواہے کی زوجہ جنہیں عیینہ گرفتار کر کے لے گیا تھا بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئیں اور حضور ﷺ کی ایک اونٹنی پر جسے لیٹرے چرا لے گئے تھے سوار ہو کر مدینہ آ گئیں۔ آپؐ سے عرض کیا "میں نے نذر مانی تھی کہ خدا مجھے اس اونٹنی پر نجات دے گا تو میں اس کی قربانی کرونگی"۔ آپؐ مسکرائے اور فرمایا "تم نے اونٹنی کے لئے برا بدلہ تجویز کیا۔ اس نے تمہیں نجات دی اور تم اسے قربان کرو' یہ مناسب نہیں۔ پھر تم اس اونٹنی کی مالک بھی نہیں یہ تو میری اونٹنیوں میں سے ہے اب تم خدا کی برکت کے ساتھ اپنے گھر جاؤ"۔ اس اونٹنی کا نام عضبا تھا۔

پھر ربیع الثانی کے دوران آپؐ نے کئی سریئے روانہ فرمائے تاکہ مخالف قبیلوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جائے۔ پہلا سریہ حضرت عکاش بن محصنؓ کی سربراہی میں غمر کی جانب بنی اسد کے خلاف گیا (غمر ایک چشمے کا نام تھا) اس میں چالیس صحابہ شامل تھے۔ دشمن بہت سے اونٹ چھوڑ کر فرار ہوگیا جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ اسے سریہ غمر یا سریہ عکاش کہتے ہیں۔

دوسرا سریہ ذوالقصہ تھا۔ یہ مدینہ سے چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر ایک گاؤں تھا۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ دس افراد کے ساتھ بنی ثعلبہ کے علاقے میں گشت کررہے تھے کہ رات کو سوتے میں بنی ثعلبہ کے تقریباً سو افراد نے شبخون مارا۔ تمام مسلمان شہید ہوئے۔ صرف حضرت محمد بن مسلمہؓ زخمی حالت میں بچ کر مدینہ پہنچ سکے۔ اس کے انتقام کی خاطر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبیداللہؓ کی سربراہی میں چالیس مسلمانوں کی جماعت دوبارہ ذوالقصہ روانہ کی۔ بنی ثعلبہ پہاڑیوں کی طرف بھاگ گئے اور مسلمانوں کے ہاتھ نہ آئے۔ بہت سے مویشی مسلمانوں نے قبضے میں کرلئے۔ یہ ذوالقصہ کا دوسرا سریہ تھا جو ربیع الثانی ۶ھ میں واقع ہوا۔

اسی ماہ حضرت زید بن حارثہ ایک جماعت کے ساتھ مرالظہران میں جموم (ایک چشمے کا نام) کی طرف گئے۔ مخالف قبیلے بنی سلیم کی سرکوبی مقصود تھی۔ سب قبیلے والے بھاگ گئے۔ یہاں ایک خاتون حلیمہ دستیاب ہوئی جس کا تعلق قبیلہ مزینہ سے تھا۔ اس کی مخبری سے کچھ قیدی اور مویشی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ اس خاتون کو رسول اللہ ﷺ نے آزاد کردیا۔ قیدیوں میں اس کا شوہر بھی تھا جو اسے ہبہ کردیا۔ اس طرح دونوں آزاد ہوگئے۔ یہ سریہ جموم تھا۔

اگلے ماہ جمادی الاول ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ کو ایک قریشی قافلے کے متعلق اطلاع ملی۔ آپؐ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو ایک سو ستر سواروں کے ساتھ اس کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔ عیص کے مقام پر یہ قافلہ حضرت زیدؓ کے ہاتھ آیا۔ اس کی قیادت رسول اللہ ﷺ کے داماد ابولعاص کررہے تھے۔ یہ ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ یہ خود تو بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے لیکن حضرت زیدؓ قافلے کا سارا مال مدینہ لے آئے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا ابوالعاص کی زوجہ حضرت زینبؓ (رسول اکرم ﷺ کی سب سے بڑی دختر نیک اختر) جنگ بدر کے بعد مدینہ آچکی تھیں۔ ابولعاص کو ان سے بڑی محبت تھی۔ ان سے اور اپنی ننھی سی بیٹی امامہ سے ملنے کے بہت مشتاق تھے۔ مکہ واپس ہوتے ہوئے مدینہ کے قریب سے گذرے تو اس موقع کو غنیمت جانا۔ چھپ کر

مدینہ میں داخل ہوئے اور رات کے وقت اپنی زوجہ حضرت زینبؓ کے پاس آگئے۔ انہوں نے اپنے شوہر کو پناہ دی۔ سحر ہونے کو تھی حضرت بلالؓ نے فجر کی اذان دی تو حضرت زینب نے اپنی بچی امامہؓ کو باپ کے پاس چھوڑا اور خود نماز کے لئے مسجد آکر خواتین کی صف میں شامل ہوگئیں۔ جیسے ہی رسول اللہ ﷺ نے نماز شروع کرنے کے لئے تکبیر کہی انہوں نے باواز بلند اعلان کیا "میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دی ہے"۔ اتنا کہہ کر نماز میں شامل ہوگئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرا تو نمازیوں سے دریافت فرمایا "تم لوگوں نے وہ سنا جو میں نے سنا"۔ سب نے تصدیق کی تو آپؐ نے بتایا کہ آپؐ اس پناہ سے اب تک بے خبر تھے۔ پھر آپؐ حضرت زینب کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے سارا ماجرا بتایا۔ آپؐ نے انہیں اجازت دی کہ شوہر کی تواضع کریں لیکن ازدواجی تعلق نہ رکھیں۔ حضرت زینبؓ نے سفارش کی کہ ان کے شوہر کا سامان انہیں واپس کر دیا جائے جو حقیقتاً اہل قریش کا مال ان کے پاس بطور امانت تھا۔ زیادہ تر سامان اہل سریہ کو تقسیم ہوچکا تھا۔ آپؐ نے اصحاب سے اپنی صاحبزادی کی خواہش ظاہر کی تو سب نے ایک ایک چیز واپس کردی۔ ابوالعاص بہت متاثر ہوئے۔ کسی صحابی نے انہیں مشورہ دیا کہ اسلام قبول کرلیں پھر یہ سامان انہی کا ہوگا۔ انہوں نے جواب دیا "اپنے اسلام کی ابتدا امانت میں خیانت سے کروں یہ مجھے پسند نہیں"۔ سارا سامان لے کر مکہ گئے۔ اہل قریش کو واپس کیا۔ پھر مدینہ آکر اسلام کی بیعت کی۔ اس طرح پہلے ہی نکاح کی بنیاد پر اپنی زوجہ حضرت زینبؓ سے مل گئے۔ اس وقت تک ایسا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا کہ کفار کے ساتھ مسلم خواتین کے نکاح فسخ سمجھے جائیں۔ چنانچہ تجدید نکاح کی ضرورت نہ تھی۔

اس کے بعد جمادی الثانی میں حضرت زید بن حارثؓ پھر بنی ثعلبہ کی طرف بھیجے گئے۔ ان کے ساتھ صرف پندرہ افراد تھے۔ بنی ثعلبہ اس خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے کہ بڑی فوج پیچھے آرہا ہوگا۔ حضرت زیدؓ بہت سے اونٹ اور غنیمت حاصل کرکے چار دن میں مدینہ واپس آگئے۔ یہ مہم سریہ طرف یا طرق کے نام سے مشہور ہے۔

اسی ماہ سریہ حسمی واقع ہوا۔ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی شام سے واپس آرہے تھے (۵)۔ جذام کے قریب ہنید بن عوص اور اس کے آدمیوں نے انہیں لوٹ لیا۔ انہوں نے مدینہ آکر رسول اللہ ﷺ کو بتایا تو آپؐ نے زید بن حارثؓ کو ان کی سزا دہی کے لئے روانہ فرمایا انہوں نے حملہ کر

کے ہنید اور اس کے بیٹے کو قتل کردیا۔ چند لوگ قید کئے اور سامان وغیرہ غنیمت کے طور پر حاصل کیا۔ اسی دوران نبی نصیب جو مسلمان ہوچکے تھے رفاعہ کی قوم سے تھے پہلے ہی ان کافروں سے حضرت وحیہؓ کا سامان واپس لے چکے تھے۔ اس ہنگامے میں حضرت زیدؓ نے نبی نصیب کے چند لوگوں کو بھی غلطی سے اسیر کرلیا اور ان کے مال پر قبضہ کرلیا۔ بعد میں رسول اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کے ذریعے ان کا مال واپس کروایا اور ان کے اسیر رہا کئے۔

اگلے ماہ رجب میں حضرت زید بن حارثہ بدر بن فزارہ وغیرہ کی نقل وحرکت کا جائزہ لینے بارہ حضرات کے ساتھ وادی القریٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ جو مدینہ اور شام کے درمیان واقع تھی۔ اسی لئے یہ مہم سریہ وادی القریٰ کہلائی۔ یہاں کے باشندوں نے ان پر حملہ کر کے نو صحابہ کو شہید کردیا ایک صحابی زخمی ہوئے۔ باقی تین حضرات مع حضرت زیدؓ مدینہ واپس آسکے۔

شعبان ۶ ھ میں رسول اکرم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو ایک جماعت کے ساتھ دومتہ الجندل روانہ فرمایا۔ مقصد عیسائی قبائل میں تبلیغ اسلام تھا۔ یہ ایک عیسائی قبیلے نبی کلب میں پہنچے۔ ان کی تبلیغ سے قبیلے کے سردار اصبغ بن عمر کلبی اسلام سے مشرف ہوئے۔ قبیلے کے بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اصبغ کی دختر تماضر سے شادی کی جو ابو سلمہؓ بن عبدالرحمٰنؓ کی والدہ تھیں۔ اس شادی کے لئے رسول اللہ ﷺ نے انہیں پہلے ہی سے ہدایت فرمائی تھی کہ اس عیسائی قبیلے سے بہتر اور قریبی تعلق ہوجائے۔ سرسید احمد خان نے اسے ایک سیاسی شادی سے تعبیر کیا ہے (۶)۔ جو سریہ دومتہ الجندل کے دوران ہوئی۔

اسی ماہ حضرت علیؓ ایک سو افراد کی جماعت کے ساتھ نبی اسد بن بکر کی طرف بھیجے گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی تھی کہ یہ قبیلہ خیبر کے یہودیوں کی اعانت کررہا ہے جو اسے ملا کر مدینہ پر حملے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ حضرت علیؓ رات کو سفر کرتے اور دن کو قیام۔ راستے میں ایک جاسوس پکڑا گیا جس نے اعتراف کیا وہ خیبر کے یہودیوں سے گفت وشنید کے لئے بھیجا گیا تھا۔ کہ وہاں کے کھجوروں کے بدلے اپنے قبیلے کی مدد کی پیش کش کرے۔ نبی اسد کے لوگ بھاگ گئے مسلمان بہت سے اونٹ اور بکریاں پکڑ کر لے آئے۔ یہ سریہ فدک تھا۔ فدک حجاز میں مدینہ سے دو منزل کے فاصلے پر ایک گاؤں تھا۔

☆ ☆

(۱) محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۲۷۷

(۲) حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں جب ارتداد کا فتنہ برپا ہوا تو حضرت ثمامہؓ نے نجد کے قبائل کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے نجد کے تقریباً تین ہزار افراد مسیلمہ کذاب کا ساتھ دینے کی بجائے ان کے ہموا ہوگئے۔ اور ارتداد سے گریز کیا۔

(۳) محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۲۷۸

(۴) اکثر ارباب سیر نے اس غزوے کا وقوع ربیع الثانی ۶ ھ میں بتایا ہے۔ لیکن امام بخاری نے اس غزوے کے متعلق سلمہ بن الاکوعؓ کی روایت بیان کرنے سے پہلے اپنی طرف سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اونٹوں کے لٹنے کا یہ واقعہ غزوہ خیبر سے تین دن پہلے کا ہے۔ (صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۰۳ کتاب المغازی باب غزوۃ ذات القرد)

(۵) یہ حضرت دحیہ کا وہ سفر بتایا گیا ہے جس میں وہ قیصر روم کو رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک پہنچا کر واپس آرہے تھے۔ اگر یہ وہی سفر تھا تو سریہ حسمی کا وقوع ۷ ھ میں تسلیم کرنا ہوگا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ سفر تجارت شام کو جاتے ہوئے اس سفر سے مختلف تھا جس میں حضرت دحیہؓ آپؐ کا مکتوب مبارک قیصر روم کو پہنچا کر واپس آرہے تھے۔ (رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۱۷۸)

(۶) سرسید احمد خان 'تفسیر القرآن' حصہ چہارم صفحہ ۷۶

(۹۹) غزوہ بنی المصطلق

غزوہ نبی مصطلق جسے غزوہ مریسیع بھی کہتے ہیں شعبان ۶ ھ (۱) میں واقع ہوا یہ کوئی بڑا غزوہ نہ تھا مگر اس کی اہمیت ان دو خاص واقعات کے باعث ہے جو اس میں پیش آئے۔ جب مشرکین قریش نے دیکھا کہ ان کی شام کی تجارت کا مشرقی صحرائی راستہ بھی محفوظ نہیں رہا (حضرت زید بن حارثہؓ نے دو مرتبہ اس راستے پر ان کے قافلے پکڑے تھے) تو ان کی نظریں پھر مغربی ساحلی راستے کی طرف گئیں اور انہوں نے قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ نبی مصطلق کی اعانت چاہی جو اسی شاہراہ پر آباد تھے۔ ان کے سردار حارث بن ابی ضرار سے گفت وشنید شروع کی کہ مدینہ پر حملہ کر کے اس شاہراہ کو محفوظ کرلیں۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو حضرت زید بن خصیبؓ کو مزید تحقیق کے لئے بھیجا انہوں نے اس خبر کی تصدیق کی۔ آپؐ سات سو صحابہ کی جماعت کے ساتھ ساحل کی طرف روانہ ہوئے قدید کی نواح میں چشمہ مریسیع پر پڑاؤ ڈالا۔ حارث کی جمعیت منتشر ہوگئی۔ حارث خود بھی فرار ہوگیا۔ مریسیع کے لوگوں نے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ ان کے دس آدمی قتل ہوئے۔ باقی نے ہتیار ڈال دیئے اور اسیر ہوئے۔ غنیمت میں دوہزار اونٹ اور چار پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔ مسلمانوں میں صرف ایک صحابی حضرت ہشام بن صبابہ مسلمانوں ہی کے ہاتھوں غلطی سے شہید ہوئے۔ بعد میں ان کا بھائی مقیس بن صبابہ (۲) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خود کو مسلمان ظاہر کر کے مرحوم بھائی کا خونبہا مانگا جو آپؐ نے ادا کردیا۔ لیکن یہ مرتد ثابت ہوا۔ ایک موقع پر اپنے بھائی کے انصاری قاتل کو غافل پاکر قتل کردیا اور بھاگ کر مکہ میں پناہ لی۔

اس مہم کو سہل سمجھ کر غنیمت کی لالچ میں معمول کے خلاف بہت سے منافقین بھی لشکر میں شامل ہوگئے تھے۔ جن کی وجہ سے ایک نازک صورت حال پیدا ہوگئی۔ چشمے پر قیام کے دوران اونٹوں کو پانی پلاتے وقت حضرت عمرؓ کے ایک مہاجر خادم جہجاہ بن مسعودؓ اور ایک انصاری سنان بن دبرؓ میں جھگڑا ہوگیا۔ مار پیٹ تک نوبت آگئی۔ خطا غالباً جہجاہؓ کی تھی جنہوں نے

پہلا وار کیا تھا۔ سنان نے "یا انصار" کہہ کر انصاریوں کو اپنی مدد کیلئے پکارا۔ جہجاہ نے مہاجرین کو آواز دی۔ چند مہاجرین و انصار موقع پر جمع ہوگئے۔ اس سے پہلے کہ جھگڑا بڑھے چند معقول حضرات نے مداخلت کر کے معاملہ رفع دفع کروادیا۔ لیکن رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انصار کو مہاجرین کے خلاف بھڑکانا شروع کردیا کہ نہ انصار ان مہاجرین کو پناہ دیتے نہ انہیں یہ دن دیکھنا ہوتا۔ کہنے لگا "یہ وہی مثل ہے کہ اگر تم کسی درندے کی پرورش کرو گے تو وہ تمہیں کو کھائے گا۔ اب مدینہ پہنچے تو ہمارے معززین ان ذلیلوں کو نکال دیں گے"۔ اس کی یہ گفتگو ایک نوجوان حضرت زید بن ارقمؓ نے سنی اور رسول اللہ ﷺ تک پہنچادی۔ اس وقت آپؐ کے ساتھ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ غصے سے بیتاب ہوگئے اور آپؐ سے عرض کیا کہ اس منافق کو قتل کرنے کی اجازت دیں۔ آپؐ نے فرمایا "عمرؓ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ کہتے پھریں کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے رہتے ہیں"۔ ابن ابی کو معلوم ہوا تو آپؐ کی خدمت میں آیا اور قسم کھائی کہ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ چند انصاریوں نے بھی سفارش کی کہ زیدؓ ابھی لڑکا ہے شاید اس سے سننے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہو۔ رسول اللہ ﷺ خاموش ہوگئے۔ مگر زیدؓ اپنی جگہ بہت مغموم ہوئے۔

اس خیال سے کہ لوگوں کو مزید بحث وتکرار کا موقع نہ ملے آپؐ نے اسی وقت کوچ کا حکم دیا حالانکہ عموماً آپؐ ایسے وقت کوچ نہ فرماتے تھے۔ حضرت اُسید بن حضیرؓ نے آپؐ سے دریافت بھی کیا کہ ایسے بے وقت کیوں کوچ فرمارہے ہیں۔ آپؐ نے انہیں عبداللہ بن ابی کی بات بتائی۔ اسیدؓ نے عرض کیا "خدا آپؐ چاہیں تو مدینہ پہنچتے ہی اسے نکال دیں۔ آپؐ باعزت ہیں اور وہ نہایت ذلیل"۔ پھر کچھ سوچ کر عرض کیا "اللہ نے اسے آپؐ کے قبضے میں دیدیا ہے مناسب یہی ہے کہ اس وقت آپؐ درگذر فرمائیں۔ اس کی قوم اس کے لئے گھونگوں کا تاج بنارہی تھی۔ اب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ اس کی حکومت کس طرح آپؐ کو حاصل ہوئی ہے" (۳)

تمام دن واپسی کا سفر جاری رہا۔ رات کو بھی کہیں نہ ٹھہرے۔ دوسرے دن دوپہر کو قیام کیا۔ اس وقت لوگ اس قدر تھک گئے تھے کہ گہری نیند سوگئے۔ اس قیام کے بعد مجاہدین پھر روانہ ہوئے۔ ابن ابی کو مزید فتنہ انگریزی کا موقع نہ ملا۔ دوران سفر سورۃ منافقوں کی آیات نازل ہوئیں۔ ایمں منافقوں کے بارے میں یہ بھی بتایا گیا:

"یہی ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول خدا کے پاس (رہتے) ہیں ان پر (کچھ) خرچ نہ کرو۔ یہاں تک کہ یہ (خود بخود) بھاگ جائیں۔ حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے خدا ہی کے ہیں۔ لیکن منافق نہیں سمجھتے کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے تو عزت والے ذلیل لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے۔ حالانکہ عزت خدا کی ہے اور اس کے رسولؐ کی اور مومنوں کی لیکن منافق نہیں جانتے"۔ (المنافقون ۷' ۸)

آپؐ نے پیار سے زید بن ارقمؓ کا کان پکڑا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی تصدیق کردی ہے اب زیدؓ کو اطمینان ہوا۔

ابن ابی کے بیٹے کا نام بھی عبداللہ تھا۔ یہ بہت اچھے اور سچے مسلمان تھے۔ انہیں باپ کی حرکت کا علم ہوا تو رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپؐ میرے والد کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ایسا ہے تو مجھے حکم دیجئے میں ان کا سر آپؐ کے قدموں میں لاکر ڈال دونگا۔ کوئی دوسرا انہیں قتل کرے گا تو میری غیرت اس قاتل کے وجود کو گوارا نہ کرے گی"۔ آپؐ نے یقین دلایا کہ آپؐ کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ جب مدینہ کے قریب پہنچے تو یہ اپنے باپ کا راستہ روک کر کھڑے ہوگئے اور کہا کہ اس وقت تک آگے نہ جانے دیں گے جب تک رسول اللہ ﷺ کی اجازت نہ ہو۔ پھر آپؐ کے کہنے پر باپ کا راستہ چھوڑا۔ اس سفر میں عبداللہ بن ابی اور منافقین کی بڑی ذلت ہوئی (۴)۔

اس مہم میں جو لوگ قید ہوئے تھے ان میں حارث بن ابی ضرار کی دختر حضرت جویریہؓ بھی شامل تھیں۔ جب قیدی مجاہدین میں تقسیم ہوئے تو یہ حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصے میں آئیں۔ حضرت جویریہؓ نے ان سے مکاتبت کی بات کی تو یہ راضی ہوگئے۔ حضرت جویریہؓ نے مکاتبت کی رقم جمع کرنے کی کوشش کی۔ اس مقصد سے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آئیں۔ حضرت عائشہؓ سے جو اس غزوہ میں شریک سفر تھیں روایت ہے کہ "(حضرت) جویریہؓ کی شخصیت نہایت پرکشش تھی۔ میں نے انہیں رسول اللہ (ﷺ) کے پاس جاتے دیکھا تو خیال کیا کہ آپؐ پر بھی ان کا وہی اثر ہوگا جو مجھ پر ہوا"۔ حضرت جویریہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ

وہ قوم کے سردار حارث کی صاحبزادی تھیں اور مکاتبت کے لئے آپؐ کی مدد چاہتی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا "اس سے بہتر تجویز بھی ممکن ہے۔ اگر تم قبول کرو"۔ انہوں نے پوچھا کہ "وہ کیا ہے"۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ "مکاتبت کی رقم میں ادا کردوں اور تمہیں اپنی زوجیت میں لے لوں"۔ حضرت جویریہؓ نے یہ تجویز بڑی خوشی سے منظور کی۔ اصحاب کو معلوم ہوا تو انہوں نے تمام اسیروں کو آزاد کردیا کہ ان کا تعلق ام المومنین کی قوم سے تھا۔ اس بنا پر حضرت عائشہؓ نے ایک بار فرمایا کہ حضرت جویریہؓ سے بڑھ کر کوئی خاتون اپنی قوم کے لئے باعث برکت ثابت نہ ہوئی (۵)۔

☆ ☆

(۱) اس تاریخ کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ محمد بن اسحاق اور ابن ہشام نے اس غزوے کا وقوع شعبان ٦ ھ میں بتایا ہے۔ جبکہ ابن سعد شعبان ۵ ھ غزوہ خندق سے قبل بتاتے ہیں اکثر نئے مورخین شبلی نعمانی مرحوم، قاضی سلمان منصور پوری مرحوم وغیرہ نے ابن سعد کا قول تسلیم کیا ہے۔ ان میں مغربی سیر نگار سرولیم میور اور منٹگمری ویٹ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اس قول کے ثبوت میں یہ امر پیش کیا جاتا ہے کہ واقعہ افک میں جس کا ذکر آگے آرہا ہے اور جو اسی غزوے کے دوران ہوا حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ کی تلخ کلامی کا تذکرہ ہے اور یہ طے ہے کہ حضرت سعد بن معاذؓ جنگ خندق کے بعد جلد ہی وفات پا چکے تھے۔ جو ارباب سیر ابن اسحاق کا قول صحیح مانتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ جس تلخ کلامی کا ذکر واقعہ افک سے منسلک ہے وہ حضرت سعد بن معاذؓ سے نہیں بلکہ ان کے چچا زاد بھائی حضرت اسید بن حضیرؓ سے ہوئی تھی۔ جیسا کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثانی مرحوم اور سید ابوالا علی مودودی مرحوم نے اپنی تفاسیر میں ابن اسحاق کا موقف اختیار کیا ہے۔ یہی خیال محمد حسین ہیکل کا ہے۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ ٦ ھ بتاتے ہیں مگر ساتھ ہی لکھا ہے کہ بعض لوگ شعبان ۵ ھ کہتے ہیں (عروہ بن زبیرؓ 'المغازی' صفحہ ۱۹٦)

(۲) یہ ان چار اشخاص میں سے تھا جن کو فتح مکہ کے وقت رسول اللہ ﷺ نے قتل کرنے کا حکم دیا تھا (ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۱۵)

(۳) طبری 'تاریخ طبری' حصہ اول صفحہ ۳۱۳

(۴) جلد ہی واقعہ افک کے بعد عبداللہ بن ابی اور بھی ذلیل ہوا۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ

کو ان کا وہ مشورہ یاد دلایا جو انہوں نے غزوہ مصطلق کے دوران دیا تھا کہ ابن ابی کو قتل کرنے کا حکم دیں۔ اور فرمایا کہ اگر اس دن ان کا مشورہ مان لیتے تو لوگ آپؐ سے بدظن ہوجاتے۔ لیکن اب انھی لوگوں کو اس کے قتل کا حکم دیں تو خوشی اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کردیں۔ حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا کہ آپؐ کی رائے ان کی اپنی رائے سے افضل اور بہتر تھی (ابن ہشام 'سیرۃ النبی' جلد دوم صفحہ ۱۹۷)

(۵) ایک روایت یہ ہے کہ مکاتبت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت جویریہؓ کو ایک انصاری کی حفاظت میں دیدیا۔ جب آپؐ مدینہ آگئے تو حارث بن ابی ضرار بھی مدینہ پہنچا۔ چند اونٹ دختر کا فدیہ اداکرنے کے لئے ساتھ لایا تھا۔ راستے میں اسے دو عمدہ اونٹوں پر لالچ آیا تو انھیں عقیق کے مقام پر ایک گھاٹی میں چھپادیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور فدیہ ادا کرنا چاہا۔ آپؐ نے فرمایا "وہ اونٹ کہاں ہیں جو گھاٹی میں چھپادیے"۔ آپؐ کے اس علم غیب سے متاثر ہو کر حارث مع اپنے دو بیٹوں اور چند ساتھیوں کے ایمان لایا۔ وہ دو اونٹ بھی منگوا بھیجے۔ آپؐ نے حضرت جویریہؓ کو ان کے والد کے حوالے کیا۔ پھر نکاح کا پیام دیا چار سو درھم مہر مقرر ہوا اور شادی ہوگئی۔ (ابن ہشام' سیرۃ النبی' جلد دوم صفحہ ۱۹۸' ۱۹۹)

(۱۰۰) افک مبین

غزوہ نبی مصطلق کے دوران دوسرا اہم واقعہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ پیش آیا۔ جو واقعہ افک کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے متعلق سید قطب شہید لکھتے ہیں۔ "یہ حادثہ جو افک کے نام سے مشہور ہے اس نے ساری انسانی تاریخ کے پاکیزہ ترین نفوس کو ناقابل برداشت دکھ پہنچائے تھے۔ اور اس نے ساری امت مسلمہ کو ایک نہایت مشکل اور سخت تجربہ کرایا تھا جو امت کی ساری طویل تاریخ میں ہمیں نہیں ملتا۔ اور اس واقعہ نے رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر کو آپؐ کی پیاری بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل نازک کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ کے دکھیا قلوب کو اور صفوان بن معطلؓ کے دل کو پورا ایک مہینہ شک وشبہ، قلق واضطراب اور ناقابل برداشت دکھ میں الجھائے رکھا تھا..... ۔ یہ کیسی گھٹن کی فضا تھی جو اس وقت محیط تھی کیسے ہولناک آلام تھے جن میں سے یہ بزرگ گزرے۔" (۱)

اس واقعے کی تفصیل صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ غزوہ مصطلق سے واپسی کے وقت اسلامی لشکر مدینہ کے قریب پہنچا تو ایک جگہ قیام ہوا۔ رات کا بڑا حصہ وہیں گزرا۔ حضرت عائشہؓ رفع حاجت کے لئے جائے قیام سے کچھ دور گئیں تو وہاں کہیں ان کا ہار گرگیا۔ شب کے آخری پہر لشکر روانگی کے لئے تیار ہوا تو انہیں معلوم ہوا کہ ان کا ہار غائب ہے۔ یہ ہار انہوں نے اپنی بہن سے مستعار لیا تھا۔ اس کی تلاش میں گئیں۔ اسی دوران لوگوں نے ان کے محمل کو اونٹ پر لادا۔ اس قدر ہلکی پھلکی تھیں کہ کسی کو خیال نہ ہوا کہ محمل خالی تھا۔ ہار تلاش کرنے میں کچھ دیر لگی۔ ہار لے کر واپس آئیں تو لشکر جاچکا تھا۔ یہ تنہا رہ گئی تھیں۔ پریشان ہوئیں یہ سوچ کر کہ جب لوگ اگلی قیام گاہ پر انہیں نہ پائیں گے تو لینے کے لئے واپس یہیں آئیں گے چادر اوڑھ کر لیٹ گئیں اور نیند آگئی۔ صبح ہوئی تو حضرت صفوان بن معطلؓ جو کسی سبب سے پیچھے رہ گئے تھے (غالباً ساقہ کے طور پر جو لشکر کی گری پڑی چیزوں کی خاطر پیچھے رہتا ہے) ان کی طرف سے گزرے تو انہیں دیکھا۔ آیت حجاب

نازل ہونے سے پہلے انہیں دیکھ چکے تھے۔ پہچان لیا کہ امُ المومنین ہیں اور "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا۔ حضرت عائشہ ان کی آواز سن کر جاگ گئیں۔ انہوں نے اپنا اونٹ قریب بٹھایا کہ حضرت عائشہؓ اس پر سوار ہوجائیں۔ یہ سوار ہوگئیں تو حضرت صفوانؓ نے مہار پکڑی اور خود پاپیادہ اونٹ کو لے کر لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکر نے آگے جاکر دوپہر کے وقت پڑاؤ کیا تھا۔ اس پڑاؤ کو زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ حضرت عائشہؓ وہاں پہنچ گئیں۔ یہ کوئی ایسی خاص بات نہ تھی۔ لیکن عبداللہ بن ابی کو جو دو ایک دن پہلے حضرت زید بن ارقمؓ کی شکایت پر خوار ہو چکا تھا' پھر ایک موقع ہاتھ آیا اور اس واقعے کو مکروہ انداز میں لوگوں میں پھیلانا شروع کردیا۔ مدینہ پہنچ کر اسے مزید ہوا دی۔ لیکن اس طرح کہ خود پس پردہ رہا۔

بات پھیلی تو رسول اللہ ﷺ قدرتاً پریشان ہوئے۔ ساتھ ہی حضرت ابوبکرؓ اور ان کی زوجہ حضرت ام رومانؓ۔ حضرت عائشہؓ اس سے قطعی بے خبر تھیں۔ واپس آکر وہ علیل ہوگئی تھیں۔ انہیں یہ احساس ضرور تھا کہ رسول اللہ ﷺ پہلے جس طرح ان کا خیال کرتے تھے اب وہ بات نہ تھی حالانکہ یہ علیل بھی تھیں اور آپؐ کی توجہ کی زیادہ مستحق تھیں۔ آپؐ باہر سے آتے تو کھڑے کھڑے حال دریافت فرماتے اور چلے جاتے۔ حضرت عائشہ نے آپؐ سے اجازت چاہی کہ بیماری کے دوران اپنے والدین کے یہاں رہ آئیں۔ آپؐ نے فرمایا "تمہیں اختیار ہے"۔ یہ اپنے میکے آگئیں تو ایک رات ام مسطح بنت ابی رُہم (حضرت ابوبکر کی خالہ) کے ساتھ قضائے حاجت کے لئے شہر کے باہر جارہی تھیں۔ راستے میں ام مسطح کا پیر ان کی چادر میں الجھا تو لڑکھڑا گئیں۔ منہ سے نکلا "مسطح کو خدا خراب کرے"۔ حضرت عائشہؓ نے تعجب سے پوچھا کہ ایسا کیوں کہہ رہی تھیں۔ تو انہوں نے تہمت کا سارا واقعہ حضرت عائشہ کو بتادیا۔ جس کی تشہیر میں مسطح کا بڑا ہاتھ تھا۔ انہوں نے سنا تو بدحال ہوگئیں۔ واپس والدین ہی کے پاس آئیں۔ ان سے تصدیق ہوئی تو زار وقطار رونے لگیں۔ ماں باپ نے تسکین دی کہ جو خواتین اپنے شوہروں کو عزیز ہوتی ہیں ان کے متعلق حاسد اور سوکنیں ایسی باتیں اڑاتی رہتی ہیں۔ لیکن اس سے انہیں تسکین نہ ہونا تھی نہ ہوئی۔ شب وروز گریہ وزاری میں گزرنے لگے۔

اس دوران رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ اور حضرت اسامہؓ سے اس کے متعلق دریافت فرمایا۔ حضرت اسامہؓ نے اس بہتان کو قطعی جھوٹ بتایا اور عرض کیا کہ انہوں نے اہل

بیت میں سوائے بھلائی کے کبھی کچھ نہ دیکھا۔ حضرت علیؓ نے کہا "آپؐ کے لئے عورتوں کی کمی نہیں (مطلب یہ تھا کہ آپؐ خدا نخواستہ مطمئن نہ ہوں اور لوگوں کے کہنے سننے کی پرواہ ہو تو طلاق دے سکتے ہیں) لیکن بہتر یہ ہوگا کہ اس بارے میں اپنی خادمہ سے پوچھ لیں۔ وہ سچ سچ بتادے گی"۔ آپؐ نے خادمہ بریرہؓ کو بلوایا (۲)۔ پوچھا کہ حضرت عائشہؓ میں کوئی برائی تو نہیں دیکھی۔ اس کے ذہن میں بہتان کا ذرا بھی خیال نہ تھا۔ بولی "اور تو کوی برائی نہیں۔ ہاں لڑکپن ہے سو جاتی ہیں تو بکری میرا گوندھا ہوا آٹا کھاجاتی ہے۔ انہیں خبر بھی نہیں ہوتی"۔ جب صاف صاف واضح طور سے سوال کیا تو انؓ کی قطعی برات کا اظہار کیا اور کہا "سبحان اللہ خدا میں انہیں اس طرح جانتی ہوں جیسے سنار سونے کو (یعنی مجھ سے کوئی بات چھپی نہیں") آپؐ نے حضرت زینب بنت جحشؓ سے خاص طور سے پوچھا کیوں کہ ان کی بہن حمنہؓ اس تہمت طرازی میں شریک تھیں۔ (غالباً اس وجہ سے کہ ان کی بہن کو حضرت عائشہؓ پر فوقیت حاصل ہوجائے) لیکن سوت ہونے کے باوجود انہوں نے یہی کہا "میں عائشہؓ میں سوائے بھلائی کے کچھ نہیں جانتی" (۳)۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک روز خطبے میں حاضرین کو مخاطب کیا اور فرمایا۔

"لوگوں یہ کیا ہے کہ بعض لوگ میرے اہل خانہ کے بارے میں مجھے تکلیف پہنچاتے ہیں اور حق کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ جبکہ میں اپنے گھر والوں میں بجز بھلائی کے کچھ نہیں پاتا۔ اور ایسے نیک شخص کے بارے میں باتیں بناتے ہیں جو میرے گھر میں صرف میری موجودگی ہی میں داخل ہوتا ہے"۔ آپؐ کی تقریر سن کر حضرت اسید بن حضیرؓ (۴) (اوس کے سردار) کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ اگر یہ بہتان تراش نبی اوس میں سے ہیں تو میرا ذمہ ہے کہ انہیں کیفر کردار کو پہنچاؤں گا۔ اور اگر نبی خزرج سے ہیں تو آپؐ حکم فرمائیں کہ ان کی گردنیں ماری جائیں"۔ یہ بات خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ کو ناگوار گذری۔ حضرت اسیدؓ سے کہنے لگے کہ "تم جھوٹے ہو۔ یہ بات اس لئے کہہ رہے کہ تم جانتے ہو کہ تہمت لگانے والے اہل خزرج میں سے ہیں۔ تمہاری قوم میں سے ہوتے تو ایسا ہرگز نہ کہتے"۔ حضرت اسیدؓ بھی برہم ہوئے اور حضرت سعدؓ کو منافق ہونے کا طعنہ دیا کیونکہ منافق کی حمایت کررہے تھے۔ تلخ کلامی اس قدر بڑھی کہ اوس وخزرج میں جھگڑے کا امکان ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ ممبر سے اتر آئے دونوں کو خاموش کیا اور معاملہ ٹھنڈا ہوا۔

اس کے بعد آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے یہاں تشریف لے گئے جہاں حضرت عائشہ بستر علالت پر پڑی تھیں۔ آپؐ ان کے قریب آئے اور فرمایا "عائشہؓ! تم نے جو کچھ اپنے بارے میں سنا ہے اگر سچ ہے تو خدا سے توبہ کرو۔ وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ ورنہ اللہ تمہاری پاکی کی گواہی خود دیگا"۔ حضرت عائشہؓ نے چاہا کہ ان کے والدین ان کی طرف سے جواب دیں۔ مگر وہ کچھ نہ کہہ سکے۔ اس پر حضرت عائشہ کا اپنا بیان یہ ہے کہ "میرے انسو دفعتاً خشک ہوگئے اور میں نے خود جواب دیا کہ اگر میں اقرار کرلوں' حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں' تو میں اس الزام کو اپنے ذمہ لونگی جس سے قطعاً بری ہوں اور اگر انکار کروں تو آپ لوگ یقین نہ کریں گے۔ میرا حال اس وقت حضرت یوسفؑ کے والد (اس موقع پر حضرت یعقوب کا نام ان کے ذہن میں نہ آیا) کی طرح ہے۔ میں یہی کہہ سکتی ہوں فصبر جمیل واللہ مستعان علی ماتصفون (پس صبر وشکر ہی بہتر ہے اور خدا ہی مددگار ہے۔ اس بات کے اشکارا کرنے پر جو تم بیان کرتے ہو") (۵)۔

یہیں تک گفتگو ہوئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو نزول وحی کے وقت ہوتی تھی۔ آپؐ کے سر کے نیچے تکیہ رکھ دیا گیا اور ایک چادر آپؐ کو اڑھا دی گئی۔ کچھ دیر کے بعد یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپؐ اٹھے۔ پیشانی پر پسینے کے موتی بکھرے ہوئے تھے۔ فرمایا "عائشہؓ! خوش ہوجاؤ کہ اللہ نے تمہاری بریت نازل فرمادی"۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ام رومانؓ نے جو اس وقت بہت پریشان تھے اطمینان کا سانس لیا۔ دختر سے کہا کہ "آپؐ کا شکریہ ادا کریں"۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے قدرتی نسوانی وقار کو محفوظ رکھتے ہوئے فرمایا۔ "میں صرف اللہ کی شکر گزار ہوں کسی اور کی نہیں" (۶)۔ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور جو وحی ابھی نازل ہوئی تھی تلاوت فرمائی:

"جن لوگوں نے بہتان باندھا ہے تم ہی میں سے ایک جماعت ہے۔ اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھنا۔ بلکہ وہ تمہارے لئے اچھا ہے۔ ان میں سے جس شخص نے جتنا حصہ لیا ہے اس کے لئے اتنا وبال ہے اور جس نے اس بہتان کا بڑا بوجھ اٹھایا ہے اس کو بڑا عذاب ہوگا۔ جب تم نے

وہ بات سنی تھی تو مومن مردوں اور عورتوں نے کیوں اپنے دلوں میں نیک گمان نہ کیا اور (کیوں نہ) کہا کہ یہ صریح طوفان ہے۔ یہ (افترا پرداز) اپنی بات (کی تصدیق) کے (لئے) چار گواہ کیوں نہ لائے۔ تو جب یہ گواہ نہیں لاسکے تو خدا کے نزدیک یہی جھوٹے ہیں۔ اور اگر دنیا اور آخرت میں تم پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس شغل میں تم منہمک تھے اس کی وجہ سے تم پر بڑا (سخت) عذاب نازل ہوتا۔ جب تم اپنی زبانوں سے ایک دوسرے سے ذکر کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے تھے جس کا تم کو کچھ بھی علم نہ تھا۔ اور تم اسے ایک ہلکی بات سمجھتے تھے اور خدا کے نزدیک وہ بڑی (بھاری) بات تھی۔ اور جب تم نے اسے سنا تھا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں شایاں نہیں کہ ایسی بات زبان پر لائیں۔ (پروردگار) تو پاک ہے یہ تو (بہت) بڑا بہتان ہے۔ خدا تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر مومن ہو تو پھر کبھی ایسا کام نہ کرنا۔ اور خدا تمہارے (سمجھانے کے لئے) اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے اور خدا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی (یعنی تہمت بدکاری کی خبر) پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔ اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اگر تم پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو کیا کچھ نہ ہوتا مگر وہ کریم ہے) اور خدا نہایت مہربان اور رحیم ہے" (النور ۱۱ تا ۲۰)

حضرت حسانؓ حضرت حمنہؓ اور حضرت مسطحؓ تہمت طرازی میں پیش پیش تھے۔ انہیں اپنے جرم کا اعتراف بھی تھا۔ سزائے قذف کے مستحق ٹھہرے اور انہیں کوڑوں کی سزا دی گئی۔ ابن ابی اپنی چالاکی کی وجہ سے اس سلسلے میں برابر پس پردہ رہا تھا۔ سزا سے بچ گیا۔ لیکن زید بن ارقمؓ کی شکایت کے بعد جو ذلت اٹھانا پڑی تھی اس میں مزید اضافہ ہوا۔ منافقین کا زور رفتہ رفتہ

بہت کم ہوگیا۔ چند معمر لوگوں کے سوا ابن ابی کے حامی بہت کم رہ گئے۔ یہ چیز اہم ہے کہ اس دور کے منافقین میں صرف ایک جوان آدمی کا نام ملتا ہے (۷)۔

اس سلسلے میں یہ روایت مشہور ہے کہ جب حضرت حسانؓ نے کچھ اشعار کہے جن میں حضرت صفوانؓ کی ہجو تھی تو حضرت صفوان نے ان پر تلوار کا وار کیا۔ وہ زخمی ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت آئی تو آپؐ نے تلافی کے لئے حضرت حسانؓ کو ایک مکان یا باغ اور ایک کنیز عطا فرمائی۔ حضرت مسطحؓ حضرت ابوبکرؓ کے قریبی عزیز تھے حضرت ابوبکرؓ ان کی مالی امداد بھی کرتے تھے۔ اب ان کی اس بے مروتی کے باعث وہ امداد روک لی۔ لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی:

"اور جو لوگ تم میں صاحب فضل (اور) صاحب وسعت ہیں ▪ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور وطن چھوڑنے والوں کو کچھ خرچ پات نہ دیں گے۔ ان کو چاہیئے کہ معاف کردیں اور درگذر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ خدا تم کو بخش دے اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے" (النور ۲۲)

تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "بے شک میں اللہ کی بخشش کا طالب ہوں"۔ اور رسول اللہ ﷺ کے سمجھانے پر حضرت مسطح کے پاس خود گئے۔ ان کی امداد بحال کی اور یقین دلایا کہ یہ امداد کبھی بند نہ کریں گے۔

بہت بعد میں حضرت حسانؓ نے تلافی مافات کی خاطر حضرت عائشہؓ کی منقبت میں اشعار لکھے جن کا ذکر کرتے ہوئے سر ولیم میور لکھتے ہیں "حسانؓ نے اپنا شاعرانہ انداز بدلتے ہوئے نہایت شاندار الفاظ میں ان (حضرت عائشہؓ) کی عفت' پاکیزہ زیبائی اور ذہانت کے گیت گائے اور ان کے چھریرے خوبصورت بدن (جس پر انہیں خود ناز تھا) کی تعریف کی۔ خوشامدانہ تعریف سن کر ان کا دل شاعر کی طرف سے صاف ہوگیا"۔ پھر حاشیئے میں کہتے ہیں کہ یہ اشعار سناتے وقت جب حضرت حسانؓ اس شعر پر آئے جس میں ان (حضرت عائشہؓ) کے چھریرے بدن کا ذکر تھا

تو انہوں نے بڑے شوخ انداز میں ان (حضرت حسانؓ) کے موٹاپے پر طنز کیا" (۸)۔ اس غلط بیانی پر تبصرہ کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی مرحوم نے لکھا ہے "کاش انگلینڈ کا مستشرق اعظم ہم کو بتاسکتا کہ تمام شعر میں حضرت عائشہ کے حسن، عقلمندی اور چھریرے خوبصورت بدن کی تعریف کس فقرے میں مذکور ہے۔ اور شاید ہمارے محقق کو یہ بھی نہیں معلوم کہ حضرت عائشہؓ کو جب یہ شعر سنایا گیا تھا تو ان کی عمر اس وقت چالیس برس کی ہوگی۔ ان کا جسم اس وقت چھریرا نہیں بلکہ پندرہ سولہ برس کی عمر میں بھاری ہوگیا تھا (سنن ابوداؤد)..... ہم نے اسلامی دفتر کا سارا عرصۂ کائنات چھان ڈالا لیکن حضرت عائشہؓ کے اس طرز اخلاق اور حلیہ کا پتہ نہ چلا۔ ناچار خود سرولیم کے بتائے ہوئے اشارے پر ہم نے جستجو کی تو نظر آیا کہ تصویر کا قصور نہ تھا بلکہ خود یورپ کے سب سے بڑے ماہر عربیات کے دماغی شیشہ کا قصور تھا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت حسانؓ کے شعر کا دوسرا مصرع یہ تھا "وتصبح غرثیٰ عن لحوم الغوافل" (وہ بھولی بھالی عورتوں کا گوشت نہیں کھاتیں) حضرت عائشہؓ نے یہ شعر سن کر کہا "لیکن تم ایسے نہیں ہو"۔ عربی محاورے میں کسی کا گوشت کھانا اس کی غیبت اور پیٹھ پیچھے برائی سے عبارت ہے۔ حضرت حسانؓ کا مقصود یہ ہے کہ آپؓ کسی کی غیبت اور پیٹھ پیچھے برائی نہیں کرتیں۔ حضرت عائشہؓ نے تعرضاً کہا لیکن تم ایسے نہیں ہو۔ یعنی تم غیبت کرنے اور پیٹھ پیچھے برائی کرنے کے بھی مرتکب ہوئے ہو۔ یہ واقعہ افک کی طرف اشارہ تھا۔ اس سے مقصود یہ نہ تھا کہ میں دبلی تو ہوں مگر تم موٹے ہو..... اس جاہلانہ کمال کا تماشہ یورپ کے عجائب زار کے سوا ہم کو کہاں نظر آسکتا ہے" (۹)۔

اس ہرزہ سرائی کے باوجود سرولیم میور حضرت عائشہؓ کے حق میں اتنا ضرور کہتے ہیں کہ "ان کی اس واقعہ سے قبل اور بعد کی زندگی ہمیں ان کی معصومیت کا یقین دلانے کے لئے کافی ہے" (۱۰)۔

☆ ☆

(۱) سید قطب شہید 'تفسیر فی ظلال القرآن' جلد ششم صفحہ ۴۱۵، ۴۱۹

(۲) بعض روایات میں ہے کہ حضرت علیؓ نے بریرہ کو زد و کوب بھی کیا کہ سچ بولے۔ بنی امیہ نے اپنی

خلافت کے زمانے میں حضرت علیؓ پر جو الزامات قائم کئے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا۔ لیکن امام زہریؒ نے عین وقت پر نہایت دلیری سے اس کی تردید کی (سید سلیمان ندوی 'سیرت عائشہؓ' صفحہ ۶۷، ۶۸)

(۳) مسلمانوں کی بڑی اکثریت اس تہمت کو قطعی جھوٹ سمجھتی تھی۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی زوجہ نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ کیا وہ جانتے ہیں کہ لوگ حضرت عائشہؓ کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے۔ انہوں نے کہا "ہاں میں سنتا ہوں مگر یہ سب جھوٹ ہے۔ بھلا کیا تم ایسا فعل کرسکتی ہو"۔ حضرت ام ایوبؓ بولیں "ہرگز نہیں میں ایسے فعل کی مرتکب کبھی نہیں ہوسکتی"۔ حضرت ابوایوب نے کہا "پھر حضرت عائشہؓ جو تم سے کہیں افضل وبہتر ہیں ایسا کب کرسکتی ہیں"۔

(۴) بعض روایتوں میں حضرت اسیدؓ کی بجائے حضرت سعد بن معاذؓ کا نام ہے۔ اس صورت میں غزوہ مریسیع کا وقوع شعبان ۵ ھ میں تسلیم کرنا ہوگا۔

(۵) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۰۵

(۶) مشہور ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے ارشاد فرمایا "جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو یا ناراض ہوتی ہو تو مجھے پتا لگ جاتا ہے۔ ناراض ہوتی ہو تو ابراہیمؑ کے خدا کی قسم کھاتی ہو اور خوش ہوتی ہو تو محمدؐ کے اللہ کی قسم کھاتی ہو"۔ انہوں نے عرض کیا "یارسول اللہ (ﷺ) صرف زبان سے نام چھوڑ دیتی ہوں"۔ (ڈیوڈمار گیولیوس نے اپنی 'لائف آف محمدؐ' میں اس واقعہ کو یوں لکھا ہے "جب محمد (ﷺ) ان (حضرت عائشہؓ) کو ناراض کرتے تو وہ انؐ کو پیغمبر اللہ کہنے سے انکار کردیتیں اور ان کی وحی پر سخت نکتہ چینی کرتی تھیں"۔ سید سلیمانؒ ندوی اس کے بارے میں طنزیہ لکھتے ہیں" یورپ کی عربی دانی' راست گوئی اور مذہبی بے تعصبی کی یہ کتنی اچھی مثال ہے (سید سلیمان ندوی 'سیرت عائشہؓ' صفحہ ۴۲)

(۷) منٹگمری ویٹ 'محمدؐ پرافٹ اینڈ اسٹیٹسمین' (Muhammad Prophet and Statesman) صفحہ ۱۶۶

(۸) سرولیم میور 'دی لائف آف محمدؐ' (The Life of Mohammad) صفحہ ۳۰۴

(۹) سید سلیمان ندوی 'سیرت عائشہؓ' صفحہ ۷۳

(۱۰) سرولیم میور 'دی لائف آف محمدؐ' (The Life of Mohammad) صفحہ ۳۰۴

(۱۰۱) حدیبیہ۔ بیعت رضوان

ہجرت کے چھٹے سال کا سب سے اہم واقعہ صلح حدیبیہ تھا جو ذی القعدہ ۶ ھ میں پیش آیا۔ اس سے قبل غزوہ بنی مصطلق کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دو تین ماہ مدینہ میں قیام فرمایا۔ اس دوران آپؐ نے تین سریئے رمضان اور شوال میں روانہ فرمائے۔ پہلا سریہ (سریہ اُمّ قرفہ) حضرت ابوبکرؓ (یا حضرت زید بن حارثؓ) کی قیادت میں بنی فزارہ کی طرف رمضان میں روانہ ہوا جنہوں نے ایک کافرہ سردار اُمّ قرفہ کی تحریک پر حضرت زید بن حارثہ کے ایک تاجرانہ قافلے کو لوٹ لیا تھا۔ یہ عورت اسلام کی سخت دشمن تھی اور رسول اللہ ﷺ کو قتل کرانے کی سازش کررہی تھی۔ مسلمانوں کے ہاتھوں فزارہ کے دو چار افراد قتل ہوئے۔ باقی بھاگ گئے۔ چند عورتیں گرفتار ہوئیں۔ ان میں ام قرفہ اور اس کی لڑکی بھی شامل تھیں۔ لڑکی کے متعلق روایت ہے کہ اسے آپؐ نے مکہ بھجوا دیا اور اس کے عوض چند مسلمانوں کو رہائی دلوائی جو وہاں قید تھے۔

دوسرا سریہ (سریہ عبداللہ بن رواحہؓ) بھی شوال ۶ ھ میں واقع ہوا۔ سلام بن ابی الحقیق یہودی کے قتل کے بعد خیبر کا سردار اسیر بن رازم تھا۔ مدینہ کے خلاف سازش میں مصروف ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے مصالحت کی خاطر اسے مدینہ بلانا چاہا۔ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو تیس افراد کے ساتھ خیبر روانہ کیا۔ انہوں نے گفت وشنید کے لئے اس سے امان چاہی۔ وہ گفتگو کے لئے راضی ہوا تو حضرت عبداللہؓ نے اسے بتایا کہ اگر وہ امن کے ساتھ رہنا چاہے اور مسلمانوں کے خلاف سازش سے باز رہے تو مسلمان اسے خیبر کا سردار تسلیم کر کے اس سے معاہدہ کرسکیں گے۔ وہ تیار ہوگیا اور اپنے ساتھ تیس افراد لے کر حضرت عبداللہ کے ہمراہ مدینہ کے لئے روانہ ہوا۔ راستے میں اس کی نیت بدل گئی اور حضرت عبداللہؓ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں نے یہ صورت دیکھی تو تیسوں یہودیوں کو قتل کردیا اور مدینہ خیریت واپس آگئے۔ رسول اللہ ﷺ کو بتایا تو آپؐ نے فرمایا "خدا نے تمہاری حفاظت کی"۔

اسی شوال میں عکل اور عرینہ کے چند لوگ مدینہ آکر مسلمان ہوئے۔ شہر کی آب وہوا

راس نہ آئی اور بیمار پڑگئے۔ تبدیلی آب وہوا کی خاطر رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنی چراگاہ میں ٹھہرادیا اور دوا کے طور پر اونٹ کا دودھ اور پیشاب تجویز کیا۔ جس سے یہ لوگ شفایاب ہوگئے۔ حالی صحت کے ساتھ نیت خراب ہوگئی تو آپؐ کے خادم چرواہے حضرت یسار نوبیؓ کو نہایت بیدردی سے سخت اذیت دیکر قتل کردیااور آپؐ کے اونٹ لے کر بھاگ گئے۔ آپؐ نے حضرت کرز بن جابر الفہریؓ کو ان کی گرفتاری اور اونٹوں کی بازیابی کے لئے روانہ فرمایا۔وہ سب کو پکڑ لائے یہ لوگ ارتداد، قتل اور ڈاکہ زنی کے مجرم تھے اسی اذیت کے ساتھ مارے گئے جو اذیت انہوں نے حضرت یسارؓ کو پہنچائی تھی۔ اسے سریہ کرز الفہری یا سریہ عرنیین کہتے ہیں۔

انہی دنوں رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ اور صحابہ عمرہ ادا کرنے مکہ گئے ہیں۔ خانہ کعبہ کی کلید آپؐ کو ملی ہے۔ اور عمرہ کر کے آپ اور صحابہ وہاں حلق (سر منڈانے) اور قصر کروانے میں مصروف ہیں صحابہ نے سناتو سب کے دل طواف کعبہ کے لئے بیتاب ہوگئے۔ آپؐ نے اعلان فرمایا کہ روانگی کے لے تیار ہوجائیں۔ چودہ سو مہاجر وانصار اور قرب وجوار کے مسلمان اس مبارک اور محبوب سفر کے لئے تیار ہوگئے۔ خواتین میں حضرت ام سلمہؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ ان کے علاوہ بنی خزرج کی حضرت نسیبہ بنت کعبؓ (ام عمارہ) اور ام منیع اسما بنت عمروؓ بھی تھیں۔ جنہیں عقبہ ثانیہ کی بیعت میں شریک ہونے کا شرف حاصل تھا۔ تلواروں کے سوا کسی قسم کے ہتیار ساتھ نہ تھے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ نے مشورہ دیا کہ ہتیار ساتھ لیں مبادا اہل مکہ جنگ کریں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے یہ مشورہ قبول نہ کیا۔ (ایک روایت کے مطابق بعد میں حضرت عمرؓ اور دوسرے اصحاب کے کہنے پر ہتیاروں کا ایک فوجی مخزن منگوالیا گیا تھا جو بند رہا) (۱)۔ یہ کارواں صرف عمرے کی نیت سے قربانی کے ستر اونٹ لے کر پہلی ذیقعدہ ۶ھ کو مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ مانا ہوا امن کا مقدس مہینہ تھا جس میں خون خرابہ قریش کے نزدیک بھی حرام تھا۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر مسلمانوں نے ہدی کے جانوروں کو قلاوے پہنائے اور خود احرام باندھے کہ عمرے کا مقصد سب پر عیاں ہو۔ مدینہ میں حضرت ابن ام مکتومؓ (یاحضرت نمیلہؓ) رسول اللہ ﷺ کے جانشین تھے۔

سفر کے دوران آپؐ نے بنی خزاعہ کے ایک صاحب اسیدؓ کو آگے روانہ فرمایا کہ اہل قریش کا ردعمل معلوم کریں۔ قریش کو مدینہ سے عازمین عمرہ کی روانگی کا حال معلوم ہوا تو

انہیں بڑی تشویش ہوئی۔ مشاورتی اجلاس منعقد ہوا۔ ایک طرف تو حاجیوں کو عمرے سے روکنا روایات کے خلاف تھا۔ کعبہ کے متولی کی حیثیت سے ایسا کرنا قطعی نازیبا تھا۔ لیکن دوسری طرف ان کے سب سے بڑے دشمن اہل مدینہ کا اس طرح مکہ میں داخل ہونا رسول اللہ ﷺ کی اخلاقی فتح اور ان کے اپنے وقار پر ایک کاری اور ناقابل برداشت ضرب تھی۔ آخر یہی طے ہوا کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔

حجاج کا قافلہ عسفان کے مقام پر پہنچا تو ایک شخص بشر بن سفیان رسول اللہ ﷺ سے آکر ملا اس نے بتایا کہ قریش آپؐ کی آمد کی خبر پاکر مقابلے کے لئے تیار ہوگئے ہیں اور مقام ذی طوی پر اس عہد کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں کہ آپؐ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ خالد بن ولید اپنے رسالے کے ساتھ کراع الغمیم تک پہنچ گیا ہے جو عسفان سے صرف ۱۳، ۱۴ کلومیٹر پر واقع تھا۔ آپؐ نے سن کر فرمایا "قریش پر افسوس ہے۔ انہیں جنگ وجدل نے کھالیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ مجھے باقی عربوں کے ساتھ چھوڑ دیتے۔ دوسرے عرب مجھ تک پہنچ جاتے تو یہی قریش کا مقصد ہے اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے غالب کردیتا تو وہ (قریش) زندہ و سلامت اسلام میں داخل ہوجاتے اور اگر وہ اسلام نہ لاتے تو بھی قوت کی موجودگی کے باعث لڑائی کرسکتے تھے۔ سو قریش کا کیا خیال ہے۔ واللہ میں اللہ کے بھیجے ہوئے دین پر لڑتا رہوں گا جب تک اللہ اس کو غالب نہ کردے یا پھر گردن دھڑ سے جدا ہوجائے" (۲)۔

حضرت اسیدؓ بھی مکہ سے اسی قسم کی خبر لائے کہ قریش مسلمانوں کو مکہ میں نہ آنے دیں گے اور خالد بن ولید کو دو سو سواروں کے ساتھ مسلمانوں کو روکنے کے لئے مامور کردیا ہے اور کئی قبائل کو مسلمانوں کے مقابلے کے لئے تیار کر کے جمع کرلیا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ چاہا کہ آیا یہ مناسب ہوگا کہ ان قبائل کے علاقوں پر حملہ کر کے انہیں سبق دیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ کا مشورہ تھا کہ "ہم بیت اللہ کے ارادے سے نکلے ہیں اسی پر قائم رہنا چاہئے۔ آپؐ نے فرمایا "اللہ کا نام لے کر سفر جاری رکھو" (۳)۔

آپؐ خود قریش سے صلح اور امن کے خواہاں تھے جو آپؐ کے اور مہاجرین کے رشتہ دار ہونے کے علاوہ ایسی صلاحیتیں رکھتے تھے جو دوسرے عربوں کو نصیب نہ تھیں۔ یہی سوچ کر آپؐ نے قحط کے زمانے میں ان کی مدد فرما کر بہتوں کے دل موہ لئے تھے۔ آپؐ کو احساس تھا

کہ قریش بھی معاشی دباؤ کے باعث جو ان پر تھا صلح کے خواہش مند ہوں گے۔ اور صلح کے بعد اسلام کی اپنی جاذبیت اور کشش انہیں ہدایت کے راستے پر کھینچ لائے گی جس کے بعد سارے عرب پر اسلام کا اقتدار آسان ہوگا خصوصاً اس لئے کہ ایران کی حکومت متزلزل تھی اور جو عربی صوبے یمن، عمان، بحرین وغیرہ ایران کے زیر اقتدار تھے اس بیرونی طاقت سے آزاد ہونا پسند کریں گے۔

آپؐ نے مقابلے سے بچ کر چاہا کہ ایسا راستہ اختیار کریں کہ خالد بن ولید کا سامنا نہ ہو۔ نبی اسلم کے ایک صاحب نے رہبری کی تو ایک دشوار گذار راستے سے ہوکر ایک مقام حدیبیہ پر پہنچے جو حرم مکہ کے قریب (تقریباً ۲۳ کلومیٹر پر) واقع تھا۔ اس کھلی وادی میں پہنچ کر آپؐ نے صحابہ سے فرمایا "کہو ہم اللہ سے استغفار کرتے ہیں اور اسی کی طرف رجوع ہوتے ہیں"۔ لوگوں نے یہ الفاظ دہرائے تو آپؐ نے فرمایا "یہ وہی حِطّۃ ہے جو نبی اسرائیل پر پیش کیا گیا تو انہوں نے قبول نہ کیا تھا" (۴)۔

یہاں قصوی جس پر آپؐ سوار تھے خود بخود بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا "تھک گئی ہے" آپؐ نے فرمایا "تھکی نہیں ہے۔ اسے روکنے والی وہی ہستی ہے جس نے اصحاب فیل کو روکا تھا"۔ اب آگے جانا نمناسب نہ سمجھا اور طے کیا کہ وہیں قیام کر کے قریش سے گفت وشنید کریں کہ وہ عمرے میں مزاحم نہ ہوں۔ صحابہ سے فرمایا "آج قریش صلہ رحمی کے جو حقوق چاہیں گے دوں گا"۔ اس مقام پر پانی کی کمی تھی۔ دو چار گڑھے ایسے تھے جن میں کچھ نمی کے آثار تھے۔ رسول اکرم ﷺ کو لوگوں کی تکلیف کا علم ہوا تو آپؐ نے اپنے چرواہے حضرت ناجیہ بن جندبؓ کو بلوایا۔ یہ قربانی کے اونٹوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ انہیں ایک تیر عنایت کیا کہ کسی گڑھے میں گاڑ دیں۔ حضرت ناجیہؓ نے جیسے ہی تعمیل کی گڑھے سے پانی ابلنا شروع ہوگیا۔ لوگ سیراب ہوئے اپنے مشکیزے بھی بھر لئے۔ نبی خزاعہ کے اکثر ذیلی قبائل (۵) رسول اللہ ﷺ کے طرفدار تھے (گو مسلمان نہ تھے) انہوں نے چند اونٹ اور بھیڑیں حاجیوں کی ضیافت کے لئے فراہم کیں۔

نبی خزاعہ کا ایک سردار بدیل بن ورقاء اپنے چند اہل قبیلہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سفر کا مقصد دریافت کیا تو آپؐ نے بتایا کہ آپؐ کا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے۔ قریش چاہیں تو آپؐ چند دن انتظار کرلیں گے جب تک وہ اپنی احتیاطی تدابیر کر کے

مسلمانوں کے لئے راستہ چھوڑ دیں۔ مسلمان عمرہ کر کے واپس ہوجائیں گے۔ آپؐ نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ قریش جنگ سے تھک گئے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ دونوں فریق کچھ مدت کے لئے امن سے رہنے کے لئے صلح کرلیں۔ بدیل کو یقین ہوگیا کہ آپؐ کا مقصد صرف عمرہ ادا کرنا ہے نہ کہ جنگ وجدل تو اس نے مکہ جاکر قریش کو بتایا کہ مسلمان عمرے کے نیک اور پر امن ارادے سے آئے ہیں۔ بہتر ہے کہ ان کی مزاحمت نہ کی جائے۔ بدیل نے جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا سب قریش کو پہنچا دیا۔ لیکن قریش نہ مانے۔ بدیل بن ورقاء کو برا بھلا کہا اور بولے "ہم اس کے لئے ہرگز راضی نہیں کہ محمد (ﷺ) دھوکہ دے کر مکہ پر قابض ہوجائیں اور پھر سارے عرب میں ہماری بے وقوفی کا چرچا ہو"۔ اس پر بنی ثقیف (جو قریش کے حلیف تھے) کے ایک شخص عروہ بن مسعود نے رائے دی کہ اس بارے میں جلد بازی مناسب نہیں ممکن ہے اہل مدینہ کی نیت اچھی ہو تو ان سے بات چیت کرنے میں حرج نہیں۔ چنانچہ قریش نے ایک شخص مکرز بن حفص عامری کو صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھتے ہی اس کی نیت پر شک کیا۔ جب آپؐ سے گفتگو کی تو آپؐ نے اس سے وہی سب کچھ فرمایا جو بدیل سے کہا تھا۔ اس نے آپؐ کا جواب قریش تک پہنچادیا۔ قریش نے مزید اطمینان کے لئے احابیش کے سردار حلیس بن علقمہ (اسے حلیس بن زبان بھی کہا گیا ہے) کو روانہ کیا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے جنگ احد کے دن ابوسفیان کو حضرت حمزہؓ کی لاش کی بے حرمتی کرتے دیکھا تھا تو سخت اعتراض کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو گذشتہ باب ۸۵)۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے آتے دیکھا تو فرمایا "یہ خدا کا ماننے والا ہے شعار اللہ کی قدر کریگا اسے قربانی کے اونٹ دیکھنے دو"۔ حلیس نے قربانی کی علامات سے آراستہ ستر اونٹ دیکھے تو مسلمانوں کے نیک ارادے کا یقین ہوگیا۔ اور رسول اللہ ﷺ سے ملنے کی ضرورت نہ سمجھی واپس مکہ آیا اور قریش کو آپؐ کے پرامن مقصد کا یقین دلایا۔ قریش کوئی معقول بات سننے کو تیار نہ تھے۔ حلیس کو طعنہ دینے لگے کہ وہ محض ایک صحرائی بدو تھا۔ یہ باتیں نہیں سمجھتا۔ یہ باتیں سن کر حلیس بہت برہم ہوا۔ کہنے لگا "اے اہل قریش بخدا ہم لوگ تمہارے حلیف اس لئے نہیں بنے اور نہ ہم نے ایسا کوئی عہد کیا ہے کہ کوئی عمرہ ادا کرنے آئے تو اسے روکیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یا تو تم محمد (ﷺ) کو عمرہ کرنے دو ورنہ میں احابیش کا لشکر لے کر واپس جاتا

ہوں"۔ قریش نے حلیس کو ناراض کرنا خلاف مصلحت سمجھا اور کہا "حلیس ذرا صبر کرو کہ ہم لوگ محمد (ﷺ) سے کوئی معاملہ طے کرلیں"۔

عروہ بن مسعود نے اپنی خدمات پیش کیں اور چاہا کہ قریش اسے رسول اللہ ﷺ کے گفتگو کرنے کے لئے بھیجیں۔ ممکن ہے کوئی بہتر صورت نکل آئے۔ قریش نے اسے معتبر شخص سمجھ کر آپؐ کی خدمت میں روانہ کیا۔ یہ آپؐ کے سامنے آکر بیٹھا۔ دوران گفتگو کہنے لگا "قریش آپؐ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہونگے"۔ حضرت ابوبکرؓ قریب ہی تھے۔ قریش کے بتوں کو برا بھلا کہا اور فرمایا "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم رسول اللہ (ﷺ) کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے"۔ عروہ نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں پوچھا کہ کون ہیں۔ آپؐ نے بتایا کہ ابی قحافہ کے بیٹے ہیں تو بولا "آپؐ کا لحاظ ہے ورنہ میں انہیں سخت جواب دیتا" (۶)۔ کوئی بات کہتے ہوئے عروہ آپؐ کی ریش مبارک کو چھونے لگا۔ آپؐ کے پیچھے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے چپٹی تلوار اس کے ہاتھ پر ماری اور کہا "دوبارہ ہاتھ اس طرح بڑھایا تو پھر یہ ہاتھ نہ رہے گا"۔ عروہ نے ان کے متعلق پوچھا کہ کون ہیں تو آپؐ نے فرمایا "یہ تمہارا بھتیجا مغیرہ بن شعبہؓ ہے"۔ عروہ حضرت مغیرہؓ سے مخاطب ہوا اور اپنا احسان یاد دلایا جب اس نے ان کی طرف سے بنی ثقیف کے چند مقتولوں کا خونبہا ادا کیا تھا جو حضرت مغیرہؓ کے ہاتھ سے قبل اسلام قتل ہوئے تھے۔

عروہ سے بھی رسول اللہ ﷺ نے اسی قسم کی گفتگو کی جو آپؐ قریش کے دوسرے نمائندوں سے کرچکے تھے۔ بات چیت کے بعد عروہ کافی دیر تک مسلمانوں کی خیمہ گاہ میں حالات کا جائزہ لیتا رہا اس کے آنے کا ایک مقصد جاسوسی بھی تھا۔ مکہ واپس آیا تو قریش کو بتایا "لوگو میں نے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں۔ قیصر، نجاشی اور خسرو کے درباروں میں گیا ہوں مگر کسی بادشاہ کی بھی وہ قدر منزلت نہیں دیکھی جو محمد (ﷺ) کو مسلمانوں کے درمیان حاصل ہے۔ انؐ کی زبان سے کوئی حکم نکلتا ہے تو بجا آوری کے لئے انؐ کے پیرو فوراً دوڑ پڑتے ہیں۔ وہ وضو کرتے ہیں تو لوگ وضو کا پانی زمین پر نہیں گرنے دیتے بلکہ تبرک کے طور پر جمع کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں۔ وہؐ گفتگو کرتے ہیں تو سب خاموشی سے گوش برآواز ہوجاتے ہیں۔ سب کی نظریں انؐ کے روبرو جھکی رہتی ہیں میری رائے ہے جو تجویزیں انہوںؐ

نے پیش کی ہیں قبول کرلو"۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے ایک قاصد حضرت خراش بن امیہ خزاعی کو قریش کے پاس مصالحت کی گفتگو کے لئے روانہ فرمایا۔ کفار نے ان کے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں۔ اور چاہا کہ انہیں قتل کردیں لیکن حلیس اور اس کے ساتھیوں نے مداخلت کر کے ان کی جان بچائی اور قریش کو مجبور کیا کہ انہیں واپس جانے دیں۔ انہوں نے واپس آکر سارا ماجرا رسول اکرم ﷺ کے گوش گذار کیا اور عرض کیا کہ کسی ایسے شخص کو اس کام کے لئے روانہ فرمائیں جو وہاں محفوظ رہ سکے۔ آپؐ نے چاہا کہ حضرت عمرؓ کو اس مقصد کے لئے بھیجیں۔ انہیں سفارت کا کافی تجربہ تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ قریش پہلے ہی سے ان کے سخت دشمن ہیں اور ان کی قوم بنی عدی کا کوئی بااثر شخص مکہ میں موجود نہ تھا جو ان کی حفاظت کرسکے۔ بہتر تھا کہ یہ خدمت حضرت عثمانؓ کے سپرد ہو کیونکہ بنی عبدشمس میں انؓ کے اعزا موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ مشورہ پسند فرمایا۔ اور حضرت عثمانؓ کو سرداران مکہ سے گفت وشنید کرنے کے لئے روانہ کیا۔ عبدشمس کے ابان بن سعید نے اس موقع پر حضرت عثمانؓ کو اپنے جوار میں لیا اور ان کا مناسب استقبال کیا۔ حضرت عثمانؓ نے سرداران مکہ صفوان وغیرہ سے گفتگو کی لیکن قریش مسلمانوں کو عمرے کی اجازت دینے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ اسی جاہلیت کے لئے قرآن مجید میں "حمیۃ الجاھلیۃ" (۷) کے الفاظ آئے۔ حضرت عثمانؓ کو اس قدر موقع مل گیا کہ مکہ کے چھپے ہوئے اور دوسرے مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق آپؐ کی طرف سے یہ بشارت سنادیں کہ عنقریب اسلام مکہ میں غالب ہوگا۔ مشرکین نے حضرت عثمانؓ کو عمرہ ادا کرنے کی دعوت دی مگر انہوں نے قبول نہ کی کہ جب تک رسول اکرم ﷺ طواف کعبہ نہیں کرتے وہ تنہا ایسا نہ کرسکیں گے۔

اسی دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ چالیس پچاس قریشی (بعض روایتوں کے مطابق اسی) (۸) اس غرض سے چھپ کر حدیبیہ پہنچے کہ موقع پائیں تو کچھ مسلمانوں کو قتل یا گرفتار کریں لیکن یہ سب کے سب حضرت محمد بن مسلمہؓ اور ان کے اس دستے کے ہاتھوں گرفتار ہوئے جو مسلمانوں کی خیمہ گاہ کی حفاظت کے لئے مامور تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے سب کو ازراہ کرم معاف کیا کہ صلح کے لئے بہتر فضا قائم ہو۔ اس واقعہ کی طرف قرآن مجید میں اشارہ ہے:

"اور وہی تو ہے جس نے تم کو ان (کافروں) پر فتحیاب کرنے کے بعد سرحد مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس کو دیکھ رہا ہے"۔ (الفتح ٢٤)

ابوسفیان ان دنوں چھپ چھپا کر شام چلا گیا تھا (۹)۔ قریشیوں نے چند دن کے لئے حضرت عثمانؓ کو روک لیا کہ مناسب جواب دے کر واپس کریں۔ مسلمانوں تک کچھ ایسی افواہ پہنچی کہ حضرت عثمانؓ شہید کردیئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا "میں یہاں سے نہ جاؤں گا جب تک مشرکین سے اس کا انتقام نہ لے لوں"۔ پھر ایک صحابی کو ہدایت فرمائی کہ سب میں یہ اعلان کردیں کہ بیعت کے لئے آپؐ کے پاس حاضر ہوں۔ آپؐ ایک ببول کے سائے میں تشریف فرما ہوگئے۔ صحابہ ایک ایک کر کے آنے لگے اور آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کرنے لگے۔ سب سے پہلے بیعت کرنے کا شرف حضرت ابوسفیان اسدی کو حاصل ہوا۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ بیعت کس بات پر کی جارہی ہے۔ اس لئے عرض کیا "میں اس بات پر بیعت کرتا ہوں جو آپؐ کے دل میں ہے" (۱۰) سب بیعت سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت کرنے کے لئے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر رکھا اور فرمایا "یہ عثمانؓ کی طرف سے ہے" (۱۱)۔ صرف ایک شخص جد بن قیس (منافق) اپنے اونٹ کے پیچھے چھپ گیا اور اس سعادت سے محروم رہا۔ اس بیعت کو بیعت رضوان کا نام ملا۔ بیعت کرنے والوں کے لئے قرآن مجید میں آیا:

"جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پھر جو عہد توڑے تو عہد توڑنے کا نقصان اسی کو ہے اور جو اس بات کو جس کا اس نے خدا سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اسے عنقریب اجر عظیم دے گا"۔ (الفتح ١٠)

"(اے پیغمبر) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے(۱۲)۔ تو خدا ان سے خوش ہوا۔ اور جو (صدق وخلوص) ان کے

دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کرلیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت کی"۔ (الفتح ۱۸)

☆☆

(۱) محمد حمید اللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۱۰۵

(۲) سید قطب شہید 'تفسیر فی ظلال القرآن' جلد نہم صفحہ ۳۲۷

(۳) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۹۷ (کتاب المغازی باب غزوہ حدیبیہ)

(۴) سید قطب شہید 'تفسیر فی ظلال القرآن' جلد نہم صفحہ ۳۲۸

(۵) بنی خزاعہ اور بنی بکر میں پرانی عداوت تھی۔ بنی بکر قریش کے حلیف تھے۔ اس لئے بنی خزاعہ مسلمانوں کی حمایت کے طلب گار تھے۔ ہر چند ان میں سے اکثر مسلمان نہ ہوئے تھے۔

(۶) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۱۱ (ایک روایت ہے کہ اس پر حضرت ابوبکرؓ کا کوئی احسان تھا اسی لئے کوئی تلخ جواب دینے سے گریز کیا)

(۷) سورۃ الفتح ۲۶

(۸) سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمینؐ' جلد اول صفحہ ۲۱۶

(۹) محمد حمید اللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۱۰۶

(۱۰) بعض حضرات کا بیان ہے کہ انہوں نے بیعت مرنے پر کی۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ یہ بیعت مرنے پر نہ تھی بلکہ اس بات پر تھی کہ ہم جنگ سے نہ بھاگیں گے (ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۱۴)

(۱۱) ابن ہشام نے اس روایت کو معتبر بتایا ہے ('سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۱۴) یہ منظر دیکھ کر ایک صحابی بے ساختہ بول اٹھے "عثمانؓ کے لئے نبیؐ کا ہاتھ ان سے بہتر ہے"۔ (سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمینؐ' جلد دوم ۱۰۵)

(۱۲) صحیح بخاری میں کئی صحابہ سے روایت ہے کہ دوسرے سال جب انہوں نے اس درخت کو تلاش کرنا چاہا۔ تو انہیں یاد نہ رہا اور درخت کا پتا نہ چل سکا۔ (صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۹۲، ۶۹۳ کتاب المغازی باب غزوہ حدیبیہ)

(۱۰۲) فتحاً مبینا

حضرت عثمانؓ بخیریت واپس آگئے تو مسلمانوں کو اطمینان ہوا۔ لیکن قریش مسلمانوں کی بیعت کی خبر پا کر ان کے عزم سے بہت مرعوب ہوئے۔ اپنے نمائندے سہیل بن عمرو عامری کو حدیبیہ بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس شرط پر امن کا معاہدہ کرلیں کہ آپؐ امسال تو واپس ہوجائیں تاکہ قریش کی رسوائی نہ ہو اور اگلے برس بے شک عمرے کے لئے آئیں تو قریش مزاحم نہ ہونگے۔ رسول اللہ ﷺ نے سہیل کو آتے دیکھا تو صحابہ سے فرمایا "تمہارا کام تمہارے لئے سہل ہوگیا۔ یہ شخص صلح کے لئے آیا ہے"۔ سہیل ام المومنین حضرت سودہؓ کے پہلے شوہر کا بھائی اور نہایت سنجیدہ شخص تھا۔ اس کے ساتھ اسی کے قبیلے کے دو اشخاص مکرز بن حفص اور حویطب بن عبدالعزیٰ تھے۔ گفتگو شروع ہوئی۔ جیسا کہ آپؐ پہلے فرما چکے تھے آپؐ نے قریش کی تمام شرائط اس ایک شرط کے ساتھ قبول فرمائیں کہ "لااسلال ولا اغلال" (نہ تلوار نکلے نہ دھوکہ دیا جائے) (۱)۔

صلح کے شرائط زبانی طے ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ معاہدہ تحریر کریں۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے شروع کرنے کو کہا تو سہیل نے اعتراض کیا کہ "ہم رحمٰن کو نہیں جانتے عام قاعدے کے مطابق 'بسمک اللھم' لکھوایئے۔" چند صحابہ اس پر چیں بجبیں ہوئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو ہدایت کی کہ ایسے ہی لکھیں۔ حضرت علیؓ نے تعمیل کی۔ آپؐ نے آگے تحریر کروایا "یہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ (ﷺ) اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے پایا"۔ سہیل نے پھر فوراً اعتراض کیا "ہم آپؐ کو خدا کا رسول مانتے تو کیوں لڑتے۔ رسول اللہ کی بجائے اپنا اور والد کا نام لکھوائیں"۔ آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ ایسا ہی کریں۔ لیکن حضرت علیؓ "رسول اللہ" کے الفاظ لکھ چکے تھے جنہیں مٹانے کے لئے راضی نہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود اس تحریر کو مٹایا اور لکھوایا "محمد بن عبداللہ" اس کے بعد حضرت علیؓ نے باقی شرائط جو آپؐ نے فرمائے تحریر کئے۔

اس معاہدے کا اصل متن ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے عربی ماخذ سے حاصل کیا ہے۔ اس کا ترجمہ انہیں کے الفاظ میں ہے (۲)۔

(۱) تیرے نام سے اے اللہ

(۲) یہ وہ معاہدہ ہے جو محمدؐ بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو میں طے ہوا۔

(۳) ان دونوں نے اس بات پر صلح کرلی ہے کہ دس سال تک جنگ روک دی جائے جس دوران میں لوگ امن سے رہیں اور ایک دوسرے سے رکے رہیں۔

(۴) یہ کہ محمدؐ کے ساتھیوں میں سے جو حج یا عمرے یا تجارت کے لئے مکہ آئے تو اس کی جان ومال کا امان ہوگا۔ اور قریش کا جو شخص تجارت کے لئے مصر یا شام (بروایت ابو عبیدہ عراق یا شام) جاتے ہوئے مدینے سے گذرے تو اسے جان ومال کا امان حاصل ہوگا۔

(۵) یہ کہ قریش کا جو شخص اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر محمدؐ کے پاس آئے گا تو آپؐ اسے ان کے سپرد کردیں گے۔ اور محمدؐ کے ساتھیوں میں جو شخص قریش کے پاس آجائے گا تو وہ اسے آپؐ کے سپرد نہیں کریں گے۔

(۶) یہ کہ ہم میں باہم سینے ہر طرح بند رہیں گے (جن میں باہر سے کوئی غداری داخل نہ ہوسکے گی) اور نہ تو خفیہ کسی دوسرے کو مدد دی جائیگی اور نہ اعلانیہ خود خلاف عہد دغا کریں گے۔

(۷) یہ کہ جو محمدؐ کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کرسکے گا اور جو قریش کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کرسکے گا۔ (اس پر قبائل خزاعہ (۳) نے اٹھ کر کہا کہ "ہم محمدؐ کے معاہدے اور ذمہ داری میں شریک ہوتے ہیں" اور نبی بکر نے کہا "ہم قریش کے معاہدے اور ذمہ داری میں شریک ہوتے ہیں")

(۸) یہ کہ تو اس سال ہمارے پاس سے واپس چلا جائے گا اور ہمارے یہاں مکہ نہ آئے گا۔ البتہ سال آئندہ ہم باہر چلے جائیں گے۔ اور تو اور تیرے ساتھی وہاں (مکے میں) داخل ہوکر تین راتیں ٹھہر سکیں گے۔ تیرے ساتھ سوار کا ہتیار ہوگا۔ یعنی تلوار میان میں پڑی ہوئی اس کے علاوہ اور کوئی ہتیار لے کر تو وہاں نہ آسکے گا۔

(۹) یہ کہ قربانی کے جانور وہیں رہیں گے جہاں ہم نے ان کو پایا (یعنی حدیبیہ میں) اور ان کو حلال کردیا جائے گا۔ اور ان کو ہمارے پاس (مکہ قربانی کے لئے) نہیں لایا جائے گا۔ اور صراحت کہ ہمارے تمہارے حقوق برابر ہونگے۔

تحریر کے نیچے غالباً رسول اللہ ﷺ اور سہیل بن عمرو کے مہریں ثبت کی گئیں پھر گواہوں اور کاتب نے اپنے اپنے نام لکھے۔ گواہان اسلام میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ عبداللہ بن سہیلؓ (اسی سہیل کے فرزند جو مشرکین کا نمائندہ تھا) سعد بن ابی وقاصؓ محمود بن مسلمہؓ ابو عبیدہ بن الجراحؓ کے نام تھے۔ گواہان قریش میں مکرز بن حفص اور حویطب بن عبدالعزیٰ تھے۔ حضرت علی بن ابوطالبؓ کا نام کاتب کی حیثیت سے تھا۔

ابھی یہ تحریر مکمل نہ ہوئی تھی کہ مسلمانوں کو ایک دردناک منظر دیکھنا پڑا۔ سہیل کے بیٹے حضرت ابوجندلؓ (جو مسلمان ہوچکے تھے اور اپنے باپ کے یہاں قید تھے) مکہ سے کسی طرح چھٹکارا پاکر زنجیروں سمیت یہاں آپہنچے کہ مسلمانوں میں آکر مل جائیں۔ اور باپ کی قید سے آزادی حاصل ہو۔ باپ نے دیکھا تو ان کے منہ پر طمانچہ مارا اور رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ "ہمارے درمیاں طے ہو چکا ہے کہ ہمارے یہاں کا کوئی فرد آپؐ کے پاس آئے تو آپؐ اسے واپس کریں گے۔ میں ابوجندلؓ کو آپؐ کے ساتھ نہ جانے دونگا"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بے شک تم سچ کہتے ہو"۔ سہیل نے حضرت ابوجندلؓ کو پیچھے ڈھکیلا تو وہ پکارنے لگے "یا رسول اللہ (ﷺ) اور اے مسلمانوں کیا مجھے کفار میں واپس کردیا جائے گا کہ مجھے اذیت دیں"۔ مسلمان اس وقت شدید اضطراب کی حالت میں تھے۔ حضرت ابوجندلؓ کے بڑے بھائی حضرت عبداللہ بن سہیل جو پہلے ہی سے مسلمانوں کی جماعت میں تھے اپنے بھائی کے استقبال کے لئے بیتاب تھے۔ اب بڑے ملول ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوجندلؓ کو تسکین دی اور فرمایا "چند دن اور صبر کرلو اللہ تعالیٰ تمہیں جلد کشادگی بخشے گا۔ میں جو عہد ابھی کرچکا ہوں اسے نہیں توڑ سکتا" سہیل کے ساتھیوں مکرز اور حویطب نے رسول اللہ ﷺ کو اطمینان دلایا کہ وہ حضرت ابوجندلؓ کو آپؐ کی طرف سے اپنی حفاظت میں رکھیں گے۔ (مراد یہ تھی کہ کوئی اذیت نہ پہنچنے دیں گے۔ یہ دونوں اس عہد پر قائم رہے)

کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوجندلؓ واپس ہونے لگے تو حضرت عمرؓ کچھ دور انکے ساتھ

چلے۔ انہیں صبر کی تلقین کی اور کہا کہ ”مشرکوں کا خون ایسا ہے جیسے کتوں کا“۔ پھر انہیں اندیشہ ہوا کہ حضرت ابوجندلؓ اپنے باپ کو قتل نہ کردیں اور سارا معاملہ خراب ہوجائے (۴)۔ صلح کے چند شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھے گویا مسلمان دب کر صلح کررہے ہوں۔ حضرت عمرؓ بڑے مضطرب ہوئے۔ علیحدگی میں حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ سچے پیغمبر ہیں مسلمان صحیح راستے پر ہیں اور مشرکین کا راستہ غلط ہے تو اس قسم کی کمزوری کیوں اختیار کی جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں اطمینان دلانے کی کوشش کی کہ بے شک رسول اکرم ﷺ سچے پیغمبر ہیں اور جو فیصلہ وہ کررہے ہیں یقیناً درست ہے۔ اسی کو بہتر سمجھنا چاہئے۔ لیکن حضرت عمرؓ کو اطمینان نہ ہوا اسی قسم کے سوال رسول اللہ ﷺ سے کئے۔ آپؐ نے یہی فرمایا ”میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اس کے حکم کے خلاف نہیں کرسکتا ورنہ وہ مجھ کو برباد اور ضائع کردے گا“ (۵)۔ اس جواب سے ظاہر ہے کہ آپؐ نے تمام شرائط اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر منظور کئے تھے۔

سہیل حضرت ابوجندلؓ کو پاجولاں واپس لے گیا۔ مسلمانوں میں ایک مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ عمرے سے بھی محروم رہے ہر چند کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بشارت دی تھی۔ صلح کے شرائط بھی بظاہر غیر مساوی تھے۔ رسول اللہ ﷺ صلح نامے کی تحریر وغیرہ سے فارغ ہوئے۔ تو آپؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ اپنے اپنے جانوروں کی قربانی کرلیں اور حلق یا قصر سے فارغ ہوں۔ غالباً پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کو آپؐ کے ارشاد کی تعمیل میں کچھ ترددسا ہوا۔ کوئی ہل کر نہ دیا۔ آپؐ نے دو تین بار فرمایا لیکن صحابہ ایک تذبذب کے عالم میں خاموش رہے کہ جو مناسک حدود حرم میں ادا ہونا تھے وہ ان حدود کے باہر سنت ابراہیمی کے خلاف کیسے ادا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ مایوس ہوئے اور اپنے خیمے میں تشریف لے گئے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ (یہ سفر میں ساتھ تھیں) نے یہ سب دیکھا تو آپؐ کو مشورہ دیا کہ آپؐ کسی کی فکر نہ کریں اور اپنا اونٹ قربان کریں (۶)۔ آپؐ نے بلند آواز سے ”بسم اللہ اللہ اکبر“ کہہ کر یہی کیا۔ صحابہ کا سکتہ یکایک ختم ہوگیا۔ سب اٹھ کھڑے ہوئے اپنے اپنے جانور ذبح کئے۔ پھر آپؐ نے حضرت خراشؓ کو بلواکر سر مبارک کا حلق کروایا۔ صحابہ نے دیکھا تو ایک دوسرے کا حلق یا قصر کرنے میں مصروف ہوگئے۔ آپؐ نے اپنے بال ایک ببول کے درخت پر ڈلوا دیئے۔ لوگ تبرک کے طور پر جمع کرنے لگے۔ حضرت نسیبہؓ بھی آپؐ کے بالوں کی ایک لٹ حاصل کرنے میں بمشکل کامیاب ہوگئیں۔ یہ تبرک آخر دم تک ان کے پاس

محفوظ رہا۔ سب کے بال زمین پر بکھرے ہوئے تھے کہتے ہیں کہ اس وقت ہوا کہ ایک تیز جھونکا آیا اور سارے بال حرم کی طرف اڑا لے گیا۔ لوگوں کو مسرت ہوئی۔ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نیت کی بنا پر عمرہ قبول فرمایا۔ پندرہ دن کے قیام کے بعد حجاج کا یہ قافلہ واپس مدینہ کے لئے روانہ ہوا۔

راستے میں ایک معزز صحابی کی دل میں بڑی خلش سی تھی۔ یہ حضرت عمرؓ تھے۔ نادم تھے کہ حضور ﷺ سے اس قسم کے سوال جواب کیوں کئے۔ بار بار آپؐ کے قریب سے گزرتے کہ شاید آپؐ انہیں مخاطب فرمائیں۔ آپؐ سے کچھ پوچھا بھی لیکن آپؐ متوجہ نہ ہوئے۔ افسردہ دل کچھ آگے نکل گئے تھے کہ ایک سوار ان کے پاس آیا اور بولا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں یاد فرما رہے ہیں۔ امید و بیم کی حالت تھی۔ ڈر رہے تھے کہ ان کے خلاف کوئی وحی نہ نازل ہوئی ہو۔ آپؐ کی خدمت میں آئے تو رخ مبارک پر مسرت کی جھلک دیکھی۔ اندیشے دور ہوئے۔ آپؐ نے انؓ سے فرمایا "ابھی مجھ پر ایک سورۃ نازل ہوئی ہے جو مجھے اس ساری کائنات سے عزیز تر ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے" (۷)۔ پھر آپؐ نے سورۃ الفتح تلاوت فرمائی جو ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے:

"(اے محمدؐ) ہم نے تم کو فتح دی۔ فتح بھی صریح و صاف"۔ (الفتح ۱)

اس وقت کفار سے جنگ نہ ہوئی۔ لیکن یہ اطمینان دلایا گیا:

"اور اگر کافر تم سے لڑتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے۔ پھر کسی کو دوست نہ پاتے اور نہ مددگار"۔ (الفتح ۲۲)

فوری جنگ کے نہ ہونے اور فتح مکہ کی تاخیر میں جو مصلحت تھی اس کی وضاحت کی گئی:

"یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روک دیا اور قربانیوں کو بھی کہ اپنی جگہ پہنچنے سے رکی رہیں۔ اور اگر ایسے مسلمان مرد مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کو تم جانتے نہ تھے کہ اگر تم ان کو پامال

کردیتے تو ان کی طرف سے بے خبری میں نقصان پہنچ جاتا (تو ابھی تمہارے ہاتھ سے فتح ہوجاتی مگر تاخیر اس لئے ہوئی) کہ خدا اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرلے۔ اور اگر دونوں فریق الگ الگ ہوجاتے تو جو ان میں کافر تھے ان کو ہم دکھ دینے والا عذاب دیتے" (الفتح ۲۵)

رسول اللہ ﷺ نے جو خواب مدینہ میں دیکھا تھا۔ اس کی سچائی کے متعلق اطمینان دلایا گیا:

"بے شک خدا نے اپنے پیغمبر کو سچا (اور) صحیح خواب دکھایا کہ تم خدا نے چاہا تو مسجد حرام میں اپنے سر منڈوا کر اور اپنے بال کترواکر امن وامان سے داخل ہوگے اور کسی طرح کا خوف نہ کرو گے۔ جو بات تم نہیں جانتے تھے اس کو معلوم تھی سو اس سے پہلے ہی جلد فتح کرادی"۔ (الفتح ۲۷)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت براءؓ بن عازبؓ سے قریب قریب ایک ہی معنی میں منقول ہے کہ لوگ فتح مکہ کو فتح کہتے ہیں حالانکہ ہم اصل فتح حدیبیہ کو سمجھتے ہیں (۸)۔ جب صحابہ نے یہ آیات رسول اللہ ﷺ سے سنیں تو انہیں حیرت تھی کہ یہ کیسی فتح تھی۔ آپؐ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا "قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے یقیناً یہ فتح ہے" (۹)۔ مدینہ پہنچنے پر بعض صحابہ نے یہ سوال اٹھایا۔ آپؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا "بڑی غلط کہی گئی ہے یہ بات حقیقت میں تو یہ بڑی فتح ہے۔ تم مشرکوں کے عین گھر پر پہنچ گئے اور انہوں نے آئندہ سال عمرہ کرنے کی درخواست کر کے تمہیں واپس جانے پر راضی کیا۔ انہوں نے خود تم سے جنگ بند کردینے اور صلح کرلینے کی خواہش کی حالانکہ انکے دلوں میں تمہارے لئے جیسا کچھ بغض ہے وہ معلوم ہے۔ اللہ نے تم کو ان پر غلبہ عطا کردیا ہے۔ کیا وہ دن بھول گئے جب احد میں تم بھاگے جارہے تھے اور میں تمہیں پیچھے سے پکار رہا تھا۔ کیا وہ دن بھول گئے جب جنگ احزاب میں ہر طرف سے دشمن چڑھ آئے تھے اور کلیجے منہ کو آرہے تھے"۔ (بیہقی بروایت عروہ بن

زبیرؓ) (۱۰)۔

مستقبل کسی کی نظر میں نہ تھا۔ روایات میں سوائے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کسی صحابی کا نام نہیں ملتا جو رسول اکرم ﷺ کے فیصلے سے اس وقت پوری طرح مطمئن ہو۔ اب جبکہ مستقبل ماضی بن چکا اور تاریخ کے صفحات ہمارے سامنے ہیں اگر اس صلح کے شرائط کا تجزیہ کریں اور ان کے نتائج دیکھیں تو یقیناً یہ مسلمانوں کے حق میں ایک عظیم فتح تھی۔ جس میں پہلی بار مشرکین مکہ نے مدینہ کی حکومت کو سیاسی طور پر تسلیم کیا اور جس سے آئندہ عظیم تر فتوحات کے در وا ہوئے۔ پہلی دو شرطیں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی جگہ ''بسمک اللھم'' اور ''رسول اللہ'' کی بجائے ''ابن عبداللہ'' تحریر کرنا نتیجے کے اعتبار سے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ تیسری اور چھٹی شرائط صرف مسلمانوں کے حق میں تھیں اور ان سے مسلمانوں کو بے انتہا فائدہ پہنچا۔ یہود خیبر اور مشرکین مکہ نے یہ معاہدہ کر رکھا تھا کہ اگر مسلمان جنوب کی سمت مکہ پر حملہ آور ہوں تو خیبر کے یہودی شمال کی طرف سے مدینہ پر حملہ کردیں گے۔ بصورت دیگر اگر مسلمان خیبر کا رخ کریں تو جنوب سے مشرکین مدینہ پر چڑھ آئیں گے۔ اس کے علاوہ ''وسیع تر تیاریوں سے خندق ثانی کا انتظام کررہے تھے'' (۱۱)۔ اب مسلمانوں کو اس متحدہ محاذ کا خطرہ نہ رہا۔ بہت جلد انہوں نے خیبر کے یہودی اور شمالی علاقوں کے دشمنوں کو اس طرح پسپا کردیا کہ سر نہ اٹھاسکیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کا پہلا قدم یہی تھا۔ پھر جب فتح مکہ کا وقت آیا تو شمال کی طرف سے مدینہ کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ ان دو شرائط کا ایک اہم نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اسلام کی اشاعت میں آزاد ہوگئے۔ مکہ والوں سے قریبی رابطے قائم ہوئے تو انہیں اسلام کی خوبیوں سے واقف ہونے کے مواقع ملے۔ اس وقت مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تقریباً تین ہزار کے لگ بھگ تھی اور صرف چودہ سو مسلمان عمرے کے لئے آسکے تھے۔ لیکن دو سال کے بعد جب مسلمان مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو ان کی تعداد دس ہزار تھی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں ''فوری خطرات سے نجات ملنے پر انہوں (مسلمانوں) نے آزادی کے ساتھ تین ہی سال میں پر امن ذرائع سے اپنی مملکت تقریباً دس گنا پھیلا کر پورے جزیرہ نمائے عرب کو اپنا مطیع بنالیا۔ اور وہاں سے رومی اور ایرانی اثرات بالکل خارج کر کے ایسی مستحکم حکومت قائم کردی جو پندرہ ہی سال میں تین براعظموں پر پھیل گئی۔ اور جو اس سے ٹکرایا پاش پاش ہوکر رہ گیا۔ اور جس نے سر تسلیم خم کیا وہ اسلام کی رنگ وزبان سے بالا

قومیت میں برابری کے حصے کے ساتھ شریک ہوگیا .... یہی وہ صلح حدیبیہ ہے جسے عہد نبوی کی سیاست خارجہ کا شاہکار کہنا چاہئے" (۱۲)۔

آٹھویں اور نویں شرائط کا اثر صرف وقتی تھا۔ غور کریں تو اس سال کی بجائے دوسرے سال مسلمانوں کا عمرے کے لئے آنا زیادہ مفید ثابت ہوا۔ زیادہ حضرات عمرے کے لئے آسکے اور عمرے کے دوران مشرکین مکہ کے دلوں پر اپنی دینی اور معاشرتی خوبیوں کا ایسا نقش چھوڑ گئے جو خود مکہ کے اندر اشاعت اسلام اور مسلم ہمدردی کے لئے کار گر ہوا۔

اسی طرح پانچویں شرط جو مساوی نہ ہونے کے باعث مسلمانوں کو بڑی ناگوار تھی انفرادی طور پر مکہ کے چند مسلمانوں کے لئے ضرور تکلیف دہ تھی لیکن اجتماعی حیثیت سے یہ بھی مفید ثابت ہوئی۔ حضرت ابوجندلؓ جنہیں سخت اضطراب کی حالت میں مکہ میں رہ جانا پڑا وہاں تبلیغ میں سرگرم ہوگئے۔ جو افراد ان کے زنداں کے محافظ بنے ان میں سے کئی نے ان کی تبلیغ سے اسلام قبول کرلیا اور خود اسلام کے مبلغ بن گئے۔ اور چند ہی دن میں وہ اور ان کے ساتھی مکہ کے تین سو مشرکین کو مسلمان بنانے میں کامیاب ہوگئے (۱۳)۔ پھر یہ شرط چند ہی ماہ میں خود اہل مکہ کی درخواست پر ختم کردی گئی۔ ہوا یہ کہ مکہ کے ایک نو مسلم حضرت ابو بصیرؓ (عتبہ بن اسید) مکہ سے بھاگ کر مدینہ آگئے۔ اہل مکہ نے اپنے دو شخص مدینہ بھیجے کہ صلح نامے کی پانچویں شرط کے مطابق انہیں واپس کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے عہد کی پاسداری کی اور حضرت ابوبصیرؓ کو ان دو افراد کے حوالے کردیا کہ واپس مکہ لیجائیں۔ یہ دونوں شخص انہیں لے کر چلے۔ ذوالحلیفہ میں کچھ دیر قیام کیا۔ یہاں حضرت ابوبصیرؓ نے ایک شخص کی تلوار کی تعریف کی۔ وہ اس تعریف سے خوش ہوا اور خود بھی اس کی خوبیاں بیان کرنے لگا۔ حضرت ابوبصیرؓ نے دیکھنا چاہی تو ان کے ہاتھ میں دیدی۔ انہوں نے تلوار لیتے ہی اسے اسی شخص پر آزمایا اور اس کا کام تمام کردیا (۱۴)۔ دوسرے شخص نے دیکھا تو خوفزدہ ہو کر بھاگا اور مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکایت لے کر حاضر ہوا۔ اتنے میں حضرت ابوبصیرؓ بھی پہنچ گئے اور آپؐ سے عرض کیا "یا رسول اللہ (ﷺ) آپؐ نے اپنا عہد پورا کر کے مجھے ان کے سپرد کردیا۔ اب اللہ نے مجھے ان سے نجات دیدی ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے بہر حال اس چیز کو پسند نہ فرمایا اور یہ خیال ظاہر کیا کہ اس طرح جنگ کے شعلے بھڑک اٹھنے کا امکان ہے۔ حضرت ابوبصیرؓ ڈرے کہ کہیں پھر مشرکین کے حوالے نہ کردیئے

جائیں۔ اور اس خوف سے مدینہ سے نکل کر کچھ دور بحر احمر کے ساحل پر مقام عیص میں پناہ گزیں ہوگئے۔ ادھر حضرت ابوجندلؓ بھی مکہ سے نکلنے میں کامیاب ہوگئے اور انہی کے ساتھ آکر مل گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا کہ کاش انہیں کچھ اور ساتھی مل جاتے۔ ایسا ہی ہوا۔ چند دنوں میں مسلمانوں کی اچھی خاصی جماعت ان کے ساتھ ہوگئی اور قریش کے تجارتی قافلوں کے لئے خطرہ بن گئی۔ قریش نے آپؐ کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ صلح نامے کی یہ پانچویں شرط ختم تصور کریں اور براہ مہربانی حضرت ابوبصیرؓ اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ ہی میں بلالیں۔ انہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ چنانچہ یہی ہوا آپؐ نے حضرت ابوبصیرؓ کو لکھا کہ ساتھیوں کے ساتھ مدینہ آکر رہیں۔ لیکن یہ تحریر حضرت ابوبصیرؓ کو ملی تو وہ بستر مرگ پر تھے۔ یہ مبارک تحریر پڑھ کر اپنے سینے پر رکھی تھی کہ اس عالم فانی سے رخصت ہوئے۔ ان کے ساتھی مسلمان سب مدینہ آگئے۔ ان میں خالد بن ولید کے بھائی ولید بن ولیدؓ بھی تھے۔ یہ راستے میں گھوڑے سے گر کر زخمی ہوگئے۔ اسی زخم کے باعث مدینہ میں وفات پائی لیکن مرنے سے پہلے ایک خط اپنے بھائی خالد کے نام تحریر کردیا۔ جس میں انہیں اسلام کی دعوت دی جو یقیناً موثر ثابت ہوئی۔

انہی دنوں عقبہ بن ابی معیط کی دختر حضرت اُم کلثومؓ جو مکہ میں مسلمان ہوگئی تھیں ہجرت کر کے کسی طرح مدینہ پہنچ گئیں۔ ان کے دو بھائی عمارہ اور ولید انہیں واپس لینے کے لئے مدینہ آئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے انکار کردیا چونکہ صلح حدیبیہ کی تحریر میں مسلمانوں کی واپسی کے متعلق لفظ "رجل" (مرد) استعمال ہوا تھا۔ خواتین کا کوئی ذکر نہ تھا۔ پھر قرآن مجید میں بھی یہ آیت نازل ہوئی:

> "مومنو جب تمہارے پاس مومن عورتیں وطن چھوڑ کر آئیں تو ان کی آزمائش کرلو (اور) خدا تو ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے سو اگر تم کو معلوم ہو کہ مومن ہیں تو ان کو کفار کے پاس واپس نہ بھیجو۔ کہ نہ یہ ان کو حلال ہیں اور نہ وہ ان کو جائز" (الممتحنہ ۱۰)

اس کے بعد جو مومن خواتین مکہ سے مدینہ پہنچیں محفوظ تھیں۔

☆☆

(۱) محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۲۸۳

(۲) محمد حمید اللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحات ۱۰۷' ۱۰۸

(۳) بنی خزاعہ عبدالمطلب کے زمانے ہی سے بنی ہاشم کے حلیف تھے (ملاحظہ ہو گذشتہ باب ۲) ان کا تعلق بنی نجار سے بھی تھا اور خود کو رسول اللہ ﷺ کی ننھیال کی طرف سے آپؐ کا رشتہ دار تصور کرتے تھے۔ بنی خزاعہ اور بنی بکر کی رقابت ہی بعد میں فتح مکہ کا فوری سبب بنی جس کا ذکر آگے آئے گا۔

(۴) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۱۶ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ حضرت ابوجندلؓ ان کی تلوار لے کر اپنے باپ کو قتل کردیں (اسی لئے مشرک کے خون کو کتے کا خون کہہ رہے تھے) انہیں یہی امید تھی مگر جب حضرت ابوجندلؓ نے ایسا نہ کیا تو وہ سمجھے کہ باپ کی محبت غالب آگئی۔ بعد میں حضرت ابوجندلؓ نے بتایا کہ باپ کی محبت سے نہیں رسول اللہ ﷺ کے عہد کی وجہ سے ایسا نہ کیا۔ (سید قطب شہید 'تفسیر فی ظلال القرآن' جلد نہم صفحہ ۳۳۵)

(۵) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۱۵۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے پہلے رسول اللہ ﷺ سے یہ گفتگو کی اور آپؐ سے یہ بھی عرض کیا کہ آپؐ نے تو عمرے کا وعدہ فرمایا تھا جس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا کہ وعدے میں اس سال کا ذکر نہ تھا۔ عمرہ انشاءاللہ اگلے سال ہوگا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے اور یہی سوالات کئے تو انہوں نے وہی جوابات دیئے جو رسول اللہ ﷺ نے دیئے اور مشورہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ "کی رکاب کے ساتھ لگے رہیں کیونکہ خدا کی قسم وہ حق پر ہیں"۔ حضرت عمرؓ بعد میں اپنے ان سوالات وجوابات پر بہت پشیمان تھے اور غلطی سے برات کی خاطر انہوں نے بہت عبادت کی اور صدقات دیئے۔

(۶) رسول اللہ ﷺ کے قربانی کے اونٹوں میں ابوجہل کا وہ اونٹ بھی شامل تھا جو جنگ بدر میں حاصل ہوا تھا۔ اس کی نکیل چاندی کی تھی۔

(۷) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۹۶ (کتاب المغازی باب غزوہ حدیبیہ)

(۸) سید ابوالاعلیٰ مودودی 'تفہیم القرآن' جلد پنجم صفحہ ۴۳

(۹) ایضاً۔ نیز ملاحظہ ہو حضرت براء بن عازبؓ کی روایت (صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۸۸ کتاب المغازی)

(۱۰) سید ابوالاعلیٰ مودودی 'تفہیم القرآن' جلد پنجم صفحہ ۴۳

(۱۱) محمد حمید اللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۲۶۵

(۱۲) ایضاً صفحہ ۱۰۷

(۱۳) سلیمان منصور پوری "رحمتہ للعالمین" جلد اول صفحہ ۱۱۷

(۱۴) اس شخص کا تعلق بنی عامر سے تھا۔ سہیل نے چاہا کہ اس کا خوبہا رسول اللہ ﷺ سے طلب کیا جائے۔ مگر ابوسفیان راضی نہ ہوا۔

اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله

۱۴۱۲
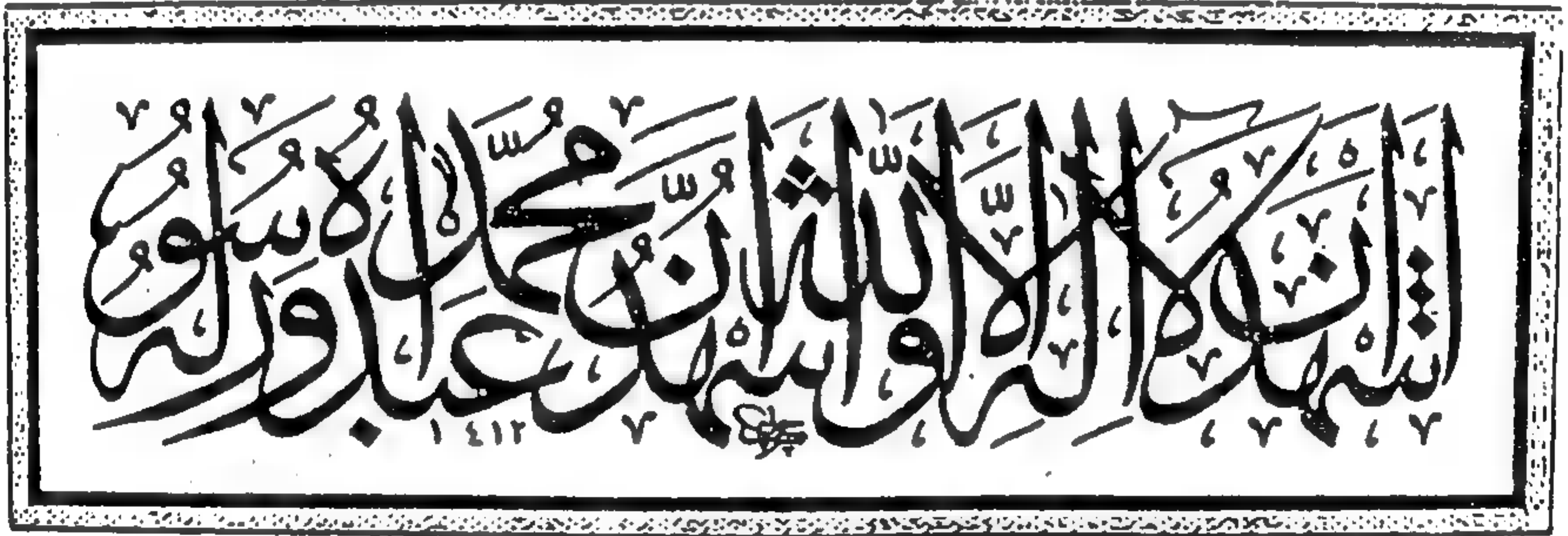
□ خط ثلث جلی میں کلمہ شہادت بہ خط حسن چلپی

(۱۰۳) للعالمین نذیرا

رسول اللہ ﷺ اللہ کے آخری پیغمبر تھے آپؐ کو حکم ملا:

"اے پیغمبر جو ارشادات خدا کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو اگر ایسا نہ کیا تو تم خدا کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے۔ (یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا) اور خدا تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔ بے شک خدا منکروں کو ہدایت نہیں کرتا۔ (المائدہ ۶۷)

اب وہ وقت آگیا تھا کہ "رب العالمین" کے دین برحق کا پیغام جو پہلے مختلف انبیاء کے ذریعے محدود علاقوں اور محدود قوموں میں بھیجا گیا تھا ایک "رحمتہ للعالمین" کے ذریعے سارے عالم کے لوگوں کو اپنی آخری شکل میں "ذکر للعالمین" کی حیثیت سے پہنچایا جائے۔ اللہ آپؐ کا محافظ تھا۔ بڑے سے بڑا بادشاہ آپؐ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو صاف صاف مخاطب فرمایا:

"اور (اے محمدؐ) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔ (سبا ۲۸)

اللہ کی ہدایت تھی کہ:

"(اے محمدؐ) کہہ دو کہ لوگو میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا ہوں جو آسمانوں اور زمینوں کا بادشاہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندگانی

بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ تو خدا پر اور اس کے رسول پیغمبر امی پر جو خدا پر اور اس کے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں ایمان لاؤ۔ اور ان کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ (الاعراف ۱۵۸)

چنانچہ آپؐ نے خود اپنے صحابہ کو اپنی اس خصوصیت سے آگاہ فرمایا تھا کہ جبکہ دوسرے نبی اپنی اپنی قوم کے لئے آئے تھے۔ آپؐ تمام عالم انسانیت کی ہدایت پر مامور تھے۔

حدیبیہ سے فراغت پاکر اور اپنے سب سے بڑے اور فعال دشمن سے صلح کر کے آپؐ جلد اپنے اس فرض کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایک دن صحابہ کو مخاطب فرمایا "لوگو۔ اللہ نے مجھے دنیا کے لئے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ دیکھو حوارین عیسیٰ کی طرح اختلاف نہ کرنا۔ میری طرف سے پیغام حق پہنچاؤ" (۱)۔ آپؐ نے یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ آپؐ بیرون عرب بادشاہوں اور دوسرے رؤسائے عرب کو اسلام کے دعوت نامے بھیجنا چاہتے ہیں تو صحابہ نے مشورہ دیا کہ ایسی مہتم بالشان تحریروں کے لئے ایک مہر نبوی ضروری ہے۔ چنانچہ ایک چاندی کی مہر بنوائی گئی جس پر "محمدؐ رسول اللہ" اس طرح لکھا ہوا تھا (۲)۔

اللہ
رسول
محمد

محرم ۷ ھ کی پہلی تاریخ کو چھ دعوت نامے ایک ساتھ تحریر ہوئے۔ جو اصحاب انہیں لے جانے کے لئے منتخب ہوئے وہ ان علاقوں کی زبان سے واقف تھے جہاں جارہے تھے تاکہ اگر ضرورت ہو تو تبلیغ کا پورا فرض ادا کرسکیں۔ ان مکتوبات گرامی کے بارے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں اور کئی اصلی خطوط کے عکس بھی اپنی مشہور تصنیف 'رسول اکرم کی سیاسی زندگی' میں شائع کئے ہیں۔ اور ان کے اصلی ہونے کے معقول دلائل دیئے ہیں۔

پہلا دعوت نامہ اصحم بن ابجر شاہ حبشہ کے نام تھا جس کا لقب نجاشی تھا۔ یہ نامہ گرامی حضرت عمرو بن امیہ الضمری لے کر گئے۔ اس کا اصلی متن جو ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے دیا ہے اس کا

ترجمہ یہ ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے حبشہ کے نجاشی عظیم کے نام۔ سلام اس پر جو ہدایت قبول کرے۔ امابعد میں حمد کرتا ہوں تم سے اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو ملک (بادشاہ حقیقی) قدوس (پاک ذات) مومن (امن دینے والا) اور مہیمن (نگہبان) ہے۔ اور گواہی دیتا ہوں عیسیٰ ابن مریم روح اللہ اور اس کا کلمہ ہیں جو اس نے کنواری' پاکیزہ اور پاک دامن مریم پر القا فرمایا اور اپنی روح پھونک کر عیسیٰ کی ذات سے حاملہ کیا۔ جس طرح اس نے اپنے ہاتھ سے آدم کو تخلیق کیا۔ میں تمہیں اللہ واحد کی طرف جس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی اطاعت میں ایک دوسرے کے تعاون کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اس طرف کہ تم میری پیروی کرو اور جو کچھ مجھ پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان لاؤ۔ میں اللہ کا رسول ہوں۔ تمہیں اور تمہارے لشکر کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے تمہیں پیغام اور نصیحت پہنچادیے۔ میری نصیحت قبول کرو۔ اس پر سلام جس نے ہدایت قبول کی"۔ (علامت مہر نبوی) (۳)۔

بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں اس مکتوب کا متن مختلف ہے جس کا ترجمہ ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط ہے محمد نبی (ﷺ) کی طرف سے نجاشی اصحم شاہ حبش کے نام اس پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اس نے نہ کوئی بیوی اختیار کی نہ لڑکا

اور میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اسکا بندہ اور رسول ہے۔ اور میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں اس کا رسول ہوں۔ لہذا اسلام لاؤ سلامت رہو گے۔ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم سے بعض بعض کو اللہ کی بجائے رب نہ بنائیں۔ پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں (۴)۔ اگر تم نے (یہ دعوت) قبول نہ کی تو تم پر اپنی قوم کے نصاریٰ کا گناہ ہے"۔(۵)

اس میں جو قرآنی آیت (آل عمران ۶۴) ہے اس کے متعلق قاضی سلمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ ان تمام خطوط میں شامل تھی جو عیسائی حکمرانوں کو لکھے گئے (۶)۔

طبری نے جو اس نامہ مبارک کا متن دیا ہے وہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے متن سے بہت قریب ہے لیکن اس میں اس قدر اضافہ ہے:

"میں نے اپنے چچا زاد بھائی جعفرؓ کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تمہارے پاس بھیجا ہے جب یہ تمہارے پاس پہنچیں تم ان کی تواضع کرنا اور نخوت حکومت کو ترک کردینا" (۷)

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جعفرؓ کے متعلق جو کچھ ہے وہ اس وقت تحریر کیا گیا ہوگا جب چودہ سال قبل مہاجرین حبشہ حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبشہ پہنچے تھے۔ ممکن ہے طبری کے یہاں دو مختلف تحریریں خلط ملط ہوگئی ہوں۔

یہ مکتوب پاکر نجاشی نے حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور رسول اللہ ﷺ کو جواب لکھوایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں نجاشی الاصحم بن ابجر کی طرف سے۔ اے نبیؐ اللہ کے آپؐ پر اللہ کی سلامتی' رحمت اور برکتیں ہوں اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے مجھے

اسلام کی ہدایت فرمائی ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ حضورؐ کا فرمان میرے پاس پہنچا عیسیٰ کے متعلق جو کچھ آپؐ نے تحریر فرمایا ہے خدائے زمین وآسمان وہ اس سے ذرہ برابر بھی بڑھ کر نہیں۔ ان کی حیثیت اتنی ہی ہے جتنی آپؐ نے تحریر فرمائی ہے۔ ہم نے آپؐ کی تعلیم سیکھ لی ہے اور آپؐ کا چچیرا بھائی اور مسلمان میرے پاس آرام سے ہیں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں سچے ہیں اور راستبازوں کی سچائی ظاہر کرنے والے ہیں۔ میں آپؐ سے بیعت کرتا ہوں۔ میں نے آپؐ کے چچیرے بھائی کے ہاتھ پر حضورؐ کی بیعت اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا اقرار کرلیا ہے اور میں حضورؐ کی خدمت میں اپنے فرزند ارھا (۸) کو روانہ کرتا ہوں۔ میں تو اپنے ہی نفس کا مالک ہوں۔ اگر حضورؐ کا منشا یہ ہوگا کہ میں حاضر خدمت ہوجاؤں تو ضرور حاضر ہوجاؤں گا کیونکہ میں یقین کرتا ہوں کہ حضورؐ جو فرماتے ہیں وہی حق ہے۔ اے خدا کے رسول آپؐ پر سلام" (۹)۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کو اس مکتوب کے علاوہ ایک دوسرا خط بھی ارسال فرمایا تھا جس میں تحریر تھا کہ حضرت ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان جو عبید اللہ بن جحش کی موت کے بعد بیوہ ہوگئی تھیں اور حبشہ میں مقیم تھیں اگر قبول کریں تو ان کا نکاح آپؐ سے کردیا جائے۔ اور پھر مہاجرین حبشہ کو مع ام المومنین کے واپس مدینہ بھیج دیا جائے۔ نجاشی نے اس ارشاد کی تعمیل کی۔ حضرت ام حبیبہؓ کو یہ پیام ایک کنیز ابرہ کے ذریعے بھجوایا۔ وہ بہت مسرور ہوئیں اور خوشی میں اپنے پاؤں کے زیورات اسے بخش دیئے۔ حضرت خالد بن سعیدؓ کو اپنا وکیل مقرر کیا جنہوں نے یہ نکاح کردیا۔ نجاشی نے رسول اکرم ﷺ کی طرف سے چار سو دینار بطور مہر ادا کئے۔ جب ابرہ یہ رقم لے کر حضرت ام حبیبہؓ کے پاس آئی تو انہوں نے کچھ رقم اسے دینا چاہی لیکن اس نے قبول نہ کی اور بتایا کہ نجاشی کا حکم تھا کہ کچھ نہ لے بلکہ جو زیورات پہلے لے چکی تھی واپس کردے۔ یہ بھی بتایا کہ "میں مسلمان ہوگئی ہوں آپ سے صرف اس قدر چاہتی ہوں کہ آپؐ

میرا سلام رسول اللہ ﷺ کو پہنچا دیں"۔ حضرت ام حبیبہؓ کو بادشاہ کی ازواج نے بہت ساعود وعنبر بھی بھجوایا جو وہ مدینہ کو ساتھ لے گئیں۔ مہاجرین کے ساتھ حضرت ام حبیبہؓ کو نجاشی نے دو کشتیوں میں روانہ کیا۔ یہ لوگ اس وقت ساحل عرب پر پہنچے جب رسول اللہ ﷺ خیبر میں تھے۔ جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو حضرت ام حبیبہؓ آپؐ کی خدمت میں باریاب ہوئیں۔ نجاشی کے حالات بتائے۔ ابرہ کا سلام پہنچایا۔ آپؐ نے جواب دیا۔ ابوسفیان کو معلوم ہوا کہ اس کی دختر ام المومنین بن گئی ہیں تو کہا "یہ وہ نر ہے کہ جس کی ناک میں نکیل نہیں ڈالی جاسکتی" (۱۰)۔ اس شادی کا یہ اثر قابل غور ہے کہ اس کے بعد ابوسفیان آپؐ کے خلاف کسی جارحانہ کارروائی میں شریک نہ ہوا۔

دوسرا نامہ گرامی ہرقل شاہ روم کے نام تھا جو حضرت دحیہ بن خلیفہؓ کلبی رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق شام کے غسانی حاکم کے پاس بصریٰ لے کر گئے کہ یہ خط ہرقل کو پہنچوا دے۔ اس طرح یہ دعوت نامہ ہرقل کو اس وقت ملا جبکہ وہ ایلیا (بیت المقدس) آیا ہوا تھا تاکہ ایرانیوں پر جو آخری فتح اسے حاصل ہوئی تھی اس کے لئے خدا کا شکر اس مقدس شہر میں ادا کرے اس نے حمص سے بیت المقدس تک یہ سفر تعظیماً پاپیادہ کیا۔ راہ میں فرش اور فرش پر پھول بچھائے جاتے تھے۔ یہ تفصیل نہیں ملتی کہ غسانی حاکم نے حضرت دحیہؓ ہی کو بیت المقدس روانہ کیا یا کسی اور شخص کے ذریعے نامہ مبارک شاہ ہرقل کو بھجوایا (۱۱)۔ ہرقل (قیصر روم) نے اس گرامی نامہ کی تعظیم کی جس میں تحریر تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے ہرقل عظیم روم کے نام۔ اس پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ تم اسلام قبول کرلو سلامت رہو گے۔ اسلام لانے پر اللہ تمہیں دہرا اجر دے گا۔ اگر انکار کیا تو تم پر تمہاری رعایا کا بھی گناہ ہوگا۔ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کی بجائے رب نہ

بنائیں۔ پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں"۔

ہرقل نے مناسب سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق اہل حجاز میں سے کسی سے معلومات حاصل کرے۔ اتفاقاً ان دنوں ابوسفیان تجارت کی غرض سے شام آیا ہوا تھا۔ قیصر کے لوگ اسے اور اس کی جماعت کو بادشاہ کے حضور ایلیا (بیت المقدس) لے آئے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ان سے ابوسفیان نے بیان کیا کہ جب وہ اور اس کی جماعت ہرقل کے سامنے دربار میں پیش ہوئے تو ہرقل نے پوچھا کہ "تم میں اس شخص کا قریب ترین رشتہ دار کون ہے جو خود کو نبی ظاہر کرتا ہے"۔ ابوسفیان نے خود کو پیش کیا تو قیصر نے اسے اپنے قریب بلا کر بٹھایا اور ساتھیوں کو اس کے پیچھے جگہ دی اور انہیں تنبیہ کی کہ وہ چند سوالات ابوسفیان سے کرے گا۔ اگر اس کا جواب جھوٹ ہو تو فوراً ٹوک دیں (ابوسفیان کا قول ہے کہ "اگر مجھے یہ غیرت نہ آتی کہ یہ لوگ مجھے جھٹلا دیں گے تو میں آپؐ کی نسبت ضرور غلط گوئی سے کام لیتا")۔ اس کے بعد ایک ترجمان کے ذریعے ابوسفیان اور ہرقل کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:

ہرقل: اس شخصؐ (مدعی نبوت) کا خاندان تم لوگوں میں کیسا ہے۔

ابوسفیان: بڑے نسب والا ہے۔

ہرقل: تم لوگوں میں سے کسی اور نے بھی ایسی بات (دعوی نبوت) کہی۔

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: اسؐ کے بڑوں (آباؤ اجداد) میں کوئی بادشاہ ہوا ہے۔

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: اسؐ کی پیروی بڑے لوگوں نے اختیار کی یا کمزور لوگوں نے۔

ابوسفیان: کمزوروں نے۔

ہرقل: اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں۔

ابوسفیان: بڑھ رہے ہیں۔

ہرقل: اس کے دین کو برا سمجھ کر اس کا کوئی ساتھی اس کے دین سے پھر بھی جاتا ہے یا نہیں۔

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: اپنے اس دعوے سے پہلے وہ کبھی جھوٹ بولا۔

ابوسفیان: نہیں۔ اب ہماری اس سے صلح کی ایک مدت ٹھہری ہے۔ معلوم نہیں وہؐ اس میں کیا کرتا ہے (ابوسفیان کا قول ہے کہ اس کے سوا مخالفت میں کوئی بات نہ کہہ سکا)

ہرقل: تمہاری اس سے جنگ بھی ہوئی ہے۔

ابوسفیان: ہاں

ہرقل: جنگ کا نتیجہ کیا رہا۔

ابوسفیان: جنگ ڈول کی طرح ہے۔ کبھی وہ فتح پاتے ہیں کبھی ہم۔

ہرقل: وہؐ تمہیں کس بات کی تعلیم دیتا ہے۔

ابوسفیان: وہؐ کہتا ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ اس کا کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اور اپنے باپ داداکی باتیں چھوڑ دو نماز پڑھنے، سچ بولنے، پرہیزگاری اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔

اس گفتگو کے بعد ہرقل نے ابوسفیان کے ایک ایک جواب پر تبصرہ کیا اور یہ نتیجہ نکالا کہ رسول اکرم ﷺ نبی برحق تھے اور آپؐ کی بابت کہا کہ اگر ابوسفیان کے جوابات سچ ہیں "تو وہؐ عنقریب اس جگہ کا مالک ہوجائے گا جہاں یہ میرے دونوں پاؤں ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ (پیغمبر) آنے والا ہے۔ مگر مجھے خیال نہ تھا کہ وہ تمہارے اندر ہوگا۔ اگر میں جانتا کہ اسؐ تک پہنچ سکوں گا تو اسؐ سے ملنے کے لئے ہر تکلیف گوارا کرتا اور اگر میں اسؐ کے پاس ہوتا تو اسؐ کے پاؤں دھوتا (۱۲)۔ اس کے بعد دربار میں رسول اکرم ﷺ کا نامہ گرامی پڑھا گیا۔ تو دربار میں شور وغوغا ہوا۔ ابوسفیان اور اس کی جماعت کو باہر کردیا گیا۔ باہر آکر ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا "ابوکبشہ (ایک شخص جو بتوں کی بجائے ستارے کی پرستش کرتا تھا۔ کفار اس طرح آپؐ کی تحقیر کرنے کی کوشش کرتے تھے) کے بیٹے کا معاملہ تو بہت بڑھ گیا ہے۔ اسؐ سے روم کا بادشاہ ڈرتا ہے"۔ ابوسفیان کا قول ہے کہ "مجھے اس وقت اس بات کا یقین ہوگیا کہ حضور ﷺ عنقریب غالب ہو کر رہیں گے۔ حتیٰ کہ اللہ نے مجھے مسلمان کردیا" (۱۳)۔

مورخین اسلام کا خیال ہے کہ ہرقل (قیصر روم) اسلام سے بہت متاثر تھا۔ بہت ممکن تھا کہ اسلام لے آتا مگر پادریوں اور رعایا کے سخت احتجاج کے باعث ڈر تھا کہ تخت شاہی سے محروم نہ ہونا پڑے۔ اس لئے کوئی قدم نہ اٹھا سکا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ بیت المقدس سے حمص

واپس آکر ہرقل نے بزرگان شہر کو اپنے محل میں طلب کیا۔ جب سب جمع ہوگئے تو محل کے دروازے بند کردیے گئے۔ پھر ہرقل اس جماعت سے یوں مخاطب ہوا۔ "کیا ہدایت اور کامیابی کچھ تمہارے لئے بھی ہے۔ اور تم اپنی سلطنت کی بقا چاہتے ہو تو پھر اس نبیؐ کی بیعت کرلو"۔ یہ سنتے ہی برانگیختہ لوگ وحشی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف دوڑے۔ مگر انہیں بند پایا۔ ہرقل نے ان کی یہ نفرت دیکھی تو انہیں واپس بلایا اور کہا "میں نے جو بات کہی اس سے تمہاری پختگی اور آزمائش مقصود تھی۔ سو وہ میں نے دیکھ لی"۔ یہ سن کر سب خوش ہوگئے اور اسے سجدہ کیا۔ (۱۴) حضرت دحیہؓ قیمتی تحائف کے ساتھ واپس ہوئے۔ بعض ارباب سیر کا کہنا ہے کہ اسی واپسی کے سفر میں حضرت دحیہ کو قبیلہ جذام کے لوگوں نے لوٹ لیا جس کے انتقام کی خاطر سریہ حسمی واقع ہوا۔ جس کا ذکر گزر چکا۔ اگر یہ صحیح ہے تو سریہ حسمیٰ کا وقوع ۷ھ میں تسلیم کرنا ہوگا۔ (ملاحظہ ہو گذشتہ باب ۹۸)

تیسرا مکتوب گرامی حضرت حاطب بن ابو بلتعہ کے ذریعے شاہ مصر کے نام اسکندریہ ارسال فرمایا۔ بادشاہ کا نام جریج بن متی اور لقب مقوقس تھا۔ یہ بادشاہ بھی عیسائی تھا۔ خط کا مضمون وہی تھا جو ہرقل کو لکھا گیا تھا۔ اس خط کا عکس بھی ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتاب 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' میں ہے۔ اس کی صحت میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ اس کا متن بالکل اس عبارت کے مطابق ہے جو ابن قیم نے زادالمعاد میں دی ہے۔ صرف دو تین غیر اہم الفاظ کا فرق ہے۔ حضرت حاطبؓ نے یہ نامہ گرامی جب دربار میں مقوقس کو پیش کیا تو اک مختصر تقریر بھی کی اور فرعون کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا "صاحب آپ سے پہلے اس ملک میں ایک شخص ہوچکا ہے جو 'انا ربکم الاعلیٰ' (میں تم لوگوں کا بڑا خدا ہوں) کہا کرتا تھا۔ اور خدا نے اسے دنیا وآخرت کی رسوائی دی۔ جب خدا کا غضب بھڑکا تو وہ ملک وغیرہ کچھ بھی نہ رہا۔ اس لئے لازم ہے کہ تم دوسروں کو دیکھو اور عبرت پکڑو۔ یہ نہ ہو کہ دوسرے تم سے عبرت لیا کریں" (۱۵)۔ مقوقس نے یہ کہہ کر معذوری ظاہر کی کہ "ہمارا اپنا ایک دین ہے جو ہم اس وقت تک ترک نہیں کریں گے جب تک دوسرا بہتر دین نہ ملے"۔ حضرت حاطبؓ نے جواب دیا "میں آپ کو دین اسلام کی طرف بلاتا ہوں جو مکمل ترین مذہب ہے۔ نبی ﷺ نے سب کو دعوت اسلام دی ہے۔ قریش نے مخالفت کی۔ اور یہود نے دشمنی۔ لیکن نصاریٰ محبت اور مودت میں قریب تر رہے۔ واللہ جس طرح موسیٰؑ نے عیسیٰؑ کے لئے

بشارت دی اسی طرح عیسیٰ نے محمد ﷺ کے لئے بشارت دی ہے۔ ہم آپ کو قرآن مجید کی دعوت اسی طرح دیتے ہیں جس طرح آپ اہل توریت کو انجیل کی دعوت دیتے ہیں۔ جو قوم جس نبی کا زمانہ پاتی ہے وہ اسی نبی کی امت ہوتی ہے آپ پر لازم ہے کہ آپ اس نبی (ﷺ) کی اطاعت کریں جس کا زمانہ آپ کو ملا ہے۔ آپ یہ سمجھیں کہ ہم آپ کو عیسیٰ کے حکم ہی کی طرف دعوت دے رہے ہیں"۔ مقوقس پوری طرح قائل نہ ہوا۔ بولا "میں جانتا ہوں کہ وہؐ کسی مرغوب شے سے نہیں روکتے۔ نہ ساحر ضرر رساں ہیں نہ کاہن کاذب۔ انؐ میں نبوت کی علامات ہیں۔ لیکن میں اس معاملے میں مزید غور کروں گا"۔ نامہ مبارک بڑی تکریم و تعظیم کے ساتھ ایک ہاتھی دانت کے صندوقچہ میں رکھواکر خزانے میں محفوظ کرلیا۔ رسول اکرم ﷺ کی خدمت مین تحائف ارسال کئے جن میں دو معزز لڑکیاں اور ایک خچر (دلدل) شامل تھے۔ جواب میں لکھا:

"محمد بن عبداللہ (ﷺ) کے نام مقوقس رئیس قبط کی طرف سے سلام علیک کے بعد میں نے آپؐ کا خط پڑھا اور اس کا مضمون اور مطلب سمجھا۔ مجھ کو اس قدر معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والے ہیں۔ لیکن میں سمجھتا تھا کہ وہ شام مں ظاہر ہونگے۔ میں نے آپؐ کے قاصد کی عزت کی اور دو لڑکیاں بھیجتا ہوں (۱۶) جن کی قبطیوں (مصر کی قوم) میں بڑی عزت کی جاتی ہے۔ اور میں آپؐ کے لئے کپڑا اور سواری کا ایک خچر بھیجتا ہوں"۔

چوتھا نامۂ مبارک شاہ ایران خسرو پرویز کے نام تھا۔ یہ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ سہمی نے حاکم بحرین کو پہنچایا۔ جس نے اپنے بادشاہ کی خدمت میں ارسال کیا۔ ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ ہی کے ذریعے آگے بھیجا ہو۔ تحریر تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے کسریٰ عظیم فارس کے نام۔ سلام اس پر جو ہدایت قبول کرے اور اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے اور شہادت دے کہ کوئی معبود نہیں سوائے خدائے

واحد کے جس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ کیونکہ میں تمام انسانوں کے لئے اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں تاکہ جو بھی زندہ ہے اسے عذاب الٰہی کا خوف دلایا جائے اور جو منکر ہیں ان پہ خدا کا قول پورا ہو۔ تم اسلام قبول کرلو سلامت رہو گے۔ ورنہ مجوس کا گناہ بھی تمہارے سر ہوگا"۔

خسرو نے نامہ مبارک دیکھا تو اسے سخت ناگوار گزرا کہ رسول اکرم ﷺ کا نام اس کے نام سے پہلے کیوں لکھا گیا۔ غصہ میں خط کو چاک کر کے پرزے پرزے کرڈالا اور بولا "میری رعایا کا ادنیٰ شخص مجھے ایسے لکھتا ہے" یہ کہہ کر یمن میں اپنے نائب سلطنت باذان کے نام فرمان جاری کیا کہ اس شخص (رسول اللہ ﷺ) کو گرفتار کر کے اس کے روبرو پیش کیا جائے کہتے ہیں کہ اس موقع پر بادشاہ کو ایک معمر مصاحب نے بتایا کہ بادشاہ کا دادا نوشیروان عادل رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی بڑی عزت کرتا تھا۔ لیکن خسرو پرویز نے غرور کے نشے میں کوئی پرواہ نہ کی (۱۷) رسول اللہ ﷺ کو جب یہ اطلاع ملی تو آپؐ نے فرمایا "خدا اس کے اقتدار سلطنت کو اسی طرح پارہ پارہ کرے"

ادھر باذان نے فرمان شاہی پاکر ایک فوجی دستہ دو افسروں خرخسرہ اور بابویہ کے ماتحت مدینہ روانہ کیا۔ بابویہ کو ہدایت کی کہ رسول اکرم ﷺ کے حالات کا پورا جائزہ لے اور آپؐ کو کسریٰ کے پاس لیجائے۔ آپؐ جانے سے انکار کریں تو واپس آجائے اور حالات سے باذان کو آگاہ کرے۔ یہ دستہ طائف ہوتا ہوا مدینہ پہنچا۔ مشرکین طائف خوش تھے کہ اب رسول اللہ ﷺ شہنشاہ کسریٰ کے عتاب سے نہ بچ سکیں گے۔ لیکن جب یہ افسران آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مقصد بتایا تو آپؐ نے فرمایا کہ دوسرے دن آکر ملیں۔ یہ دوسرے روز آئے تو آپؐ نے فرمایا "اپنے آقا باذان کو یہ خبر پہنچا دو کہ اس کے رب (خسرو پرویز) کو میرے رب (اللہ تعالیٰ) نے گذشتہ رات قتل کروا دیا"۔ اس قتل کی خبر جو ۱۰ جمادی الاول ۷ ھ کی شب کو واقع ہوا' آپؐ کو بذریعہ وحی ملی اور آپؐ نے باذان کے افسران کو پہنچائی۔ جو حیرت زدہ ہو کر کہنے لگے کہ "یہ تو

آپؐ نے پہلے سے بھی کہیں بڑا جرم کرڈالا"۔ بہرحال یہ آپؐ کا پیغام لے کر باذان کے پاس واپس آئے۔ پیغام میں یہ مشورہ بھی شامل تھا کہ باذان اسلام قبول کرلے تو اسے یمن کی حکومت عطا ہوگی۔ باذان کو بہت جلد اس خبر کی تصدیق ہوگئی کہ خسرو پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر کے تخت پر قبضہ کرلیا ہے۔ ساتھ یہ ہدایت بھی نئے بادشاہ سے پہنچی کہ جو احکام عرب کے مدعی نبوت کے لئے بھیجے گئے تھے معطل سمجھے جائیں۔ باذان رسول اکرم ﷺ کے اس معجزے سے بہت متاثر ہوا۔ اسے یہ ڈر بھی تھاکہ ایران کے زوال کے بعد یمن کی رعایا بغاوت نہ کردے۔ چنانچہ اپنی دنیا اور آخرت کی خاطر آپؐ پر ایمان لے آیا اور اس کے ساتھ یمن کے دوسرے بہت سے لوگ اسلام سے مشرف ہوئے۔ اور یمن حکومت مدینہ کے زیر اثر آگیا۔

ایک دعوت نامہ ہوذہ بن علی کو روانہ کیا گیا جو یمامہ کا حاکم تھا۔اس کا علاقہ نجد کے جنوب میں اور حجاز کے مشرق میں واقع تھا۔ ہوذہ خود تو عرب تھا لیکن ایرانیوں کے زیر اثر تھا۔ اس مختصر دعوت نامے میں یہ بشارت تھی کہ دین اسلام عرب وعجم میں ہر جگہ پہنچ کر غالب ہوگا۔ اسے قبول کرلو تو سلامت رہو گے۔ حضرت سلیط بن قیسؓ بن عمروالعامری نے جو اس نامہ مبارک کے قاصد تھے ایک پر اثر تقریر بھی کی اور کہا کہ "تم ایک بڑی قوم کے سردار ہو اور اسلام بہترین دین ہے جو اللہ کی عبادت کا حکم دیتا ہے اور شیطان کی عبادت سے روکتا ہے۔ قبول کرلو تو تمہاری ساری قوم سعادت حاصل کرے گی"۔ ہوذہ ایمان سے محروم رہا اور جواب میں لکھا "آپؐ کی دعوت کا کیا کہنا۔ عرب پر میرا بھی بڑا رعب ہے۔ اقتدار میں مجھے بھی کچھ حصہ ملے تو آپؐ کی پیروی کے لئے تیار ہوں"۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ جواب سنا تو فرمایا "وہ زمینؑ کا ایک ٹکڑا بھی طلب کرے گا تو نہ دوں گا" بعد میں ۹ ھ میں اس کی قوم کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا اور قوم اسلام سے سرفراز ہوئی۔ ہوذہ تب وفات پاچکا تھا۔

چھٹا نامہ گرامی حضرت شجاع بن وہبؓ اسدی حارث بن ابی شمر غسانی کے پاس دمشق لے کر گئے۔ یہ حکمران قیصر روم کے ماتحت تھا۔ ان دنوں ہرقل کے اس سفر کے انتظام میں مصروف تھا جو وہ پاپیادہ حمص سے بیت المقدس تک کررہا تھا۔ حضرت شجاعؓ کی تعلیم سے اس کا ایک حاجب اسلام سے مشرف ہوا۔ لیکن جب حارث نے اپنے دربار میں دعوت نامے کہ یہ الفاظ پڑھے کہ "اسلام قبول کرلو اور اللہ پر ایمان لاؤ کہ وہ یکتا ویگانہ ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ تمہارا ملک

تمہارے پاس محفوظ رہے گا"۔ تو بہت ناراض ہوا اور بولا کہ "میرا ملک مجھ سے کون چھین سکتا ہے"۔ قیصر کو ایک عریضہ لکھ کر مدینہ پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی مگر قیصر نے اجازت دینے کی بجائے اسے بیت المقدس طلب کرلیا۔ اس کے بعد حارث نے حضرت شجاع بن وھبؓ کو ایک سو مثقال سونا بطور تحفہ پیش کیا اس کے حاجب نے جو مسلمان ہوچکا تھا مزید تحائف دیئے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا یہ چھ مکتوبات گرامی ابتدائے محرم ۷ھ میں مختلف حکمرانوں کو روانہ کئے گئے۔ اس کے بعد بھی تبلیغ کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ ایک دعوت نامہ ہرمزان کے نام بذریعہ حضرت عبداللہ بن حذافہ بھیجا گیا۔ جو پہلے خسرو پرویز کو ایسا ہی خط پہنچا چکے تھے۔ ہرمزان اس علاقے کا حکمران تھا جسے خوزستان کہتے ہیں۔ یہ اس وقت اسلام نہ لایا لیکن بعد میں حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں مسلمان ہوا۔

بحرین کے حاکم منذر بن ساویٰ کو ایک نامہ گرامی حضرت علاء بن حضرمی کے ذریعہ فتح مکہ کے بعد بھیجا گیا۔ منذر اور اس کی قوم کے اکثر افراد اسلام سے مشرف ہوئے۔ منذر نے جواب میں رسول اکرم ﷺ کو لکھا کہ وہ اور اس کے علاقے کے بہت سے لوگ آپؐ پر ایمان لائے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو مسلمان نہیں ہوئے۔ بعض مجوسی اور بعض یہودی ہیں۔ ان کے بارے میں آپؐ کا کیا حکم تھا۔ اس کا جواب رسول اللہ ﷺ نے دیا جس میں منذر کے لئے نصائح' ایمان لانے والوں کے لئے معافی اور مجوسیوں اور یہودیوں سے جزیہ وصول کرنے کی ہدایات تھیں۔ (اس نامہ گرامی کا اصل عکس بھی ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے 'رسول اکرم کی سیاسی زندگی' میں شائع کیا ہے جو اس عبارت کے عین مطابق ہے جو ابن القیم نے 'زادلمعاد' میں دی ہے۔ صرف ایک جگہ اتنا سا فرق ہے کہ جہاں 'زادالمعاد' کی عبارت میں "لا الہ الاھو" ہے وہاں عکسی فوٹو میں "لا الہ غیرہ" کے الفاظ ہیں) یہ مکتوب گرامی غالباً حضرت ابوہریرہؓ کے ذریعہ ارسال ہوا۔

ذی قعدہ ۸ھ میں ایک دعوت نامہ عمان بھیجا گیا۔ یہاں کے حاکم دو بھائی جیفر بن جلندی اور عبدبن جلندی تھے۔ نامہ بر حضرت عمرو بن العاصؓ تھے (یہ اس وقت مسلمان ہوچکے تھے) اس نامہ گرامی میں دونوں بھائیوں کو مخاطب کیا گیا تھا۔ اسلام کی دعوت دی گئی تھی بتایا گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں کے لئے "نذیرٌ مُبیں" کی حیثیت سے تشریف لائے ہیں۔ اسلام قبول کیا تو دونوں کی حکومت بدستور قائم رہے گی ورنہ نہیں۔ کیونکہ آپؐ کی نبوت ان کی بادشاہت پر

غالب آئے گی۔ حضرت عمروؓ پہلے چھوٹے بھائی عبد سے ملے۔ یہ بڑے بھائی کے مقابلے میں نرم دل اور خوش خلق تھا۔ اس نے اطمینان دلایا کہ بڑے بھائی سے ملاقات کروائے گا۔ پھر دعوت اسلام کے متعلق پوچھا تو حضرت عمروؓ نے ایک طویل گفتگو کے دوران بتایا کہ وہ خود حال ہی میں دولت اسلام سے بہرہ مند ہوئے ہیں اور کس طرح شاہ حبشہ نے بھی اسلام قبول کرلیا ہے اور قیصر روم کو خراج دینا بند کردیا ہے اور جب قیصر کو یہ بات اس کے بھائی نے بتائی تو اس نے نجاشی کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی بلکہ یہ کہا کہ "پھر کیا ہوا۔ اس نے اپنے لئے ایک دین پسند کرلیا۔ اور اگر اس شہنشائی کا خیال نہ ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جو نجاشی نے کیا"۔ عبد کو ان باتوں پر حیرت ہوئی اسلام کی بابت حضرت عمروؓ سے مزید معلومات حاصل کیں اور اسلامی اصولوں سے بہت متاثر ہوا۔ بڑے بھائی کو بھی سب باتوں سے آگاہ کیا۔ جب حضرت عمرو بن العاصؓ بڑے بھائی جیفر سے ملے تو اسے نامہ مبارک دیا۔ اس نے پڑھ کر چھوٹے بھائی کو دیا کہ وہ بھی پڑھے۔ حضرت عمروؓ سے قریش کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ سب نے رسول اکرم ﷺ کی اطاعت قبول کرلی ہے۔ جب انصار مدینہ کے متعلق پوچھا تو حضرت عمروؓ نے کہا کہ سب اسلام پر برضاؤ رغبت قائم ہیں۔ پھر ملاقات دوسرے دن کے لئے ملتوی ہوگئی۔ دوسرے روز جیفر نے حضرت عمروؓ سے کہا "میں نے اس معاملے پر غور کیا۔ اگر میں اس شخص کی اطاعت کرلوں جس کا لشکر ہم تک نہیں پہنچا تو سارے عرب میں کمزور سمجھا جاؤں گا۔ حالانکہ اگر وہ فوج یہاں پہنچی تو ایسا سخت مقابلہ ہوگا کہ تمہارا سابقہ کبھی ایسے مقابلے سے نہ پڑا ہوگا"۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا "اچھا تو میں کل واپس چلا جاؤں گا"۔ اس کے بعد دونوں بھائیوں نے خلوت میں گفتگو کی اور صحیح فیصلہ کرلیا۔ دوسری صبح حضرت عمرو بن العاصؓ کو بلوایا اسلام قبول کیا اور انہیں صدقہ وغیرہ وصول کرنے کا اختیار سونپا۔

ایک مکتوب جبلہ بن ایہم غسانی کو ارسال ہوا۔ اس نے خوشی سے اسلام قبول کیا۔ لیکن بعد میں حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں حج کرنے آیا تو طواف کے دوران اس کے احرام کا ایک کونا کسی بدو کے پیر کے نیچے آگیا۔ جبلہ نے طیش میں آکر اس کے ایک طمانچہ لگایا۔ حضرت عمرؓ کے پاس شکایت پہنچی تو انہوں نے قصاص کا فیصلہ صادر فرمایا۔ غسانی حاکم کو احساس نہ تھا کہ اسلامی قانون میں شاہ وگدا برابر ہیں۔ رات کو چھپ کر مکہ سے نکل آیا اور شام پہنچ کر مرتد ہوگیا۔

ایک اور نامہ مبارک فروہ بن عمرو الجزائی کے نام گیا۔ یہ قیصر روم کی طرف سے معان (یہ علاقہ اب اردن میں شامل ہے) کے حاکم تھے۔ انہوں نے حضرت مسعود بن سعدؓ کے ہاتھ پر جو یہ مکتوب لائے تھے اسلام قبول کیا۔ نہایت اعلیٰ تحائف رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں ارسال کئے جن میں اک سفید خچر اور اچھے قسم کے پارچہ جات شامل تھے۔ بعد میں ان کے اسلام پر عیسائی پادریوں نے شور برپا کیا۔ انہیں اسلام سے منحرف کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ نہ مانے۔ پہلے قید کئے گئے۔ پھر فلسطین میں شہید کردیئے گئے۔ مرتے وقت یہ شعر زبان پر تھا (ترجمہ)

"مسلمان سرداروں تک میری یہ بات پہنچا دو کہ پروردگار کی راہ میں میرا جسم اور میری عزت نثار ہے" (۱۸)

ان نامہ ہائے گرامی کے علاوہ اور بھی بہت سے مکتوبات کا حوالہ ملتا ہے جو مختلف علاقوں میں مختلف سرداران قوم کے پاس بھیجے گئے تاکہ تبلیغ عام کا فرض ادا ہوجائے۔ ان میں مندرجہ ذیل حکمران اور سردار شامل تھے۔

(۱) ملوک وسلاطین حمیر حارث بن عبدکلال' نعیم بن عبدکلال اور نعمان سب اسلام سے مشرف ہوئے۔

(۲) ذی الکلاع یہ طائف کا بڑا رئیس تھا۔ فرعون کی طرح خدائی کا دعوی کرتا تھا۔ حضرت جریر بن عبداللہؓ نے اسے نامہ گرامی پہنچایا۔ لیکن یہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مسلمان ہوا کہتے ہیں کہ اس نے ایک دن میں اٹھارہ ہزار غلام آزاد کئے (۱۹)۔ بعد میں مدینہ منورہ آکر زاہدانہ زندگی بسر کی۔

(۳) ہلال بن امیہ رئیس بحرین

(۴) امیر بصری۔ حضرت حارث بن عمیرؓ اس کے پاس نامہ گرامی لے کر جارہے تھے کہ راستے میں موتہ کے حاکم نے انہیں شہید کرادیا۔ اسی باعث جنگ موتہ پیش آئی۔

(۵) اکیدر حاکم دومتہ الجندل

(۶) اصبغ بن عمرو سردار بنی کلب

(۷) سرداران حضرموت

(۸) سردار ازد

(۹) سردار حجر

(۱۰) امرائے بنی وائل

(۱۱) بنی حارثہ، بنی عزرہ، بنی زہیر

(۱۲) سردار سمارہ

(۱۳) ان کے علاوہ مختلف سرداران عرب جن کی تعداد پچاس تک بتائی گئی ہے (۲۰)۔

رسول اکرم ﷺ کی ان تحریروں کو دیکھیں کہ کس طرح آپؐ نے وقت کی عظیم ترین حکومتوں کو خطاب کیا اور کس طرح نذیر مبین کی حیثیت سے انہیں ان کے انجام سے خبردار کیا تو اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ آپؐ کو اپنی نبوت اور رسالت پر یقین کامل اور اپنے رب کریم کی مدد پر اعتماد کلی تھا۔ آپؐ کو غیب کی یہ خبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقیناً مل چکی تھی کہ عنقریب چار دانگ عالم میں اسلام کا کیا مقام ہوگا۔

☆☆

(۱) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبی' جلد اول، صفحہ ۲۶۸ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے لمبے سفر اختیار کرنے سے بیزاری کا اظہار کیا تھا۔

(۲) یہ مہر نبوی رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ادوار خلافت میں زیر استعمال رہی۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں ایک کنویں میں گر گئی۔ اور باوجود انتہائی کوشش کے دستیاب نہ ہوئی۔

(۳) محمد حمید اللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۱۴۱، ۱۴۲

(۴) سورۃ آل عمران ۴

(۵) صفی الرحمٰن 'الرحیق المختوم' صفحہ ۴۷۷

(۶) سلمان منصور پوری 'رحمۃ للعالمین' جلد اول صفحہ ۱۵۰ یہ متن زیادہ قرین قیاس ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا دیا ہوا متن جس کی صحت میں شک کی گنجائش نہیں بعد میں نجاشی اصحم کی وفات کے بعد

اس کے جانشین کو لکھا گیا ہو اور اسی باعث اصحم کا نام اس متن میں نہیں۔

(۷) طبری 'تاریخ طبری' حصہ اول صفحہ ۳۵۲

(۸) ابن اسحاق کہتے ہیں کہ نجاشی نے اپنے بیٹے ارحا کو ساٹھ حضرات کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا تھا لیکن یہ سفینہ راستے میں غرقاب ہوگیا اور سب حضرات ہلاک ہوگئے (الفرید غیوم 'دی لائف آف محمدؐ' The Life of Muhammad صفحہ ۶۵۸)

(۹) سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلد اول صفحہ ۱۵۱' ۱۵۲

(۱۰) طبری 'تاریخ طبری' حصہ اول صفحہ ۳۵۴

(۱۱) قاضی سلمان منصور پوری کہتے ہیں کہ حضرت دحیہ کلبی خود ہرقل سے ملے اور یہ نامہ مبارک اسے پہنچایا۔ اس نے ان کے اعزاز میں دربار منعقد کیا اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق کافی معلومات حاصل کیں ('رحمتہ للعالمین' جلد اول صفحہ ۱۵۷) روایت ہے کہ ہرقل نے حضرت دحیہؓ کو روم کے اسقف اعظم ضغاطر کے پاس اس کی رائے معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ حضرت دحیہؓ نے آپؐ کا نامہ مبارک اور ہرقل کا خط دیا تو اس نے اسلام قبول کرلیا۔ کلیسا میں جاکر پرزور تقریر کی اور آپؐ پر ایمان لانے کا اعلان کیا۔ سامعین برافروختہ ہوگئے۔ وہیں اسقف اعظم کو شہید کردیا (ابوالکلام آزاد 'رسول رحمت' صفحہ ۳۹۲)

(۱۲) صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۴۲ (کتاب الوحی)

(۱۳) ایضاً صفحہ ۴۳

(۱۴) ایضاً صفحہ ۴۴ بعض مستشرقین نے اس خط کے وجود پر شک ظاہر کیا ہے جسے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بڑے معقول دلائل سے رفع کیا ہے (رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۱۷۳ تا ۱۸۷)۔ اس کے علاوہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ ان کے عہد تک (یعنی گیارھویں صدی ہجری تک) وہ خط ہرقل کی اولاد میں تبرکاً سونے کے صندوقچے میں محفوظ تھا (صحیح بخاری جلد اول کتاب الوحی حاشیہ صفحہ ۴۵)

(۱۵) سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلد اول صفحہ ۱۵۶

(۱۶) مقوقس کے خط میں لڑکیوں کے لئے "جاریتین" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جاریہ لڑکی کو بھی کہتے ہیں اور کنیز کو بھی۔ لیکن اس قول سے کہ "قبطیوں میں ان کی عزت ہے" یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کنیزیں نہ تھیں۔ یہ دونوں بہنیں حضرت ماریہؓ اور سیرینؓ بقول طبری حضرت حاطبؓ کی تعلیم و تبلیغ سے اسلام قبول کرچکی تھیں۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت ماریہؓ سے نکاح کیا ہوگا نہ کہ وہ کسی اور حیثیت آپؐ کے حرم میں آئیں۔ (شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۷۳)

(۱۷) کونٹ بولین ولیرز 'دی لائف آف محمدؐ' (The Life of Mahomet) صفحہ ۳۲۳

(۱۸) ابوالکلام آزاد 'رسول رحمتؐ' صفحہ ۳۹۷

(۱۹) سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلد اول صفحہ ۱۶۱

(۲۰) ابوالکلام آزاد 'رسول رحمت' صفحہ ۳۹۸۔ مکتوبات نبوی کی تعداد جو اب تک دستیاب ہو چکے ہیں کم سے کم چار سو تک پہنچتی ہے۔ ان میں تبلیغی خطوط اور حلیفی کے معاہدے وغیرہ شامل ہیں (محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۷۷) ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے ۹۹ مکتوبات کی تفصیل دی ('الرسالات النبویہ' مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد دوم صفحہ ۲۰۵)
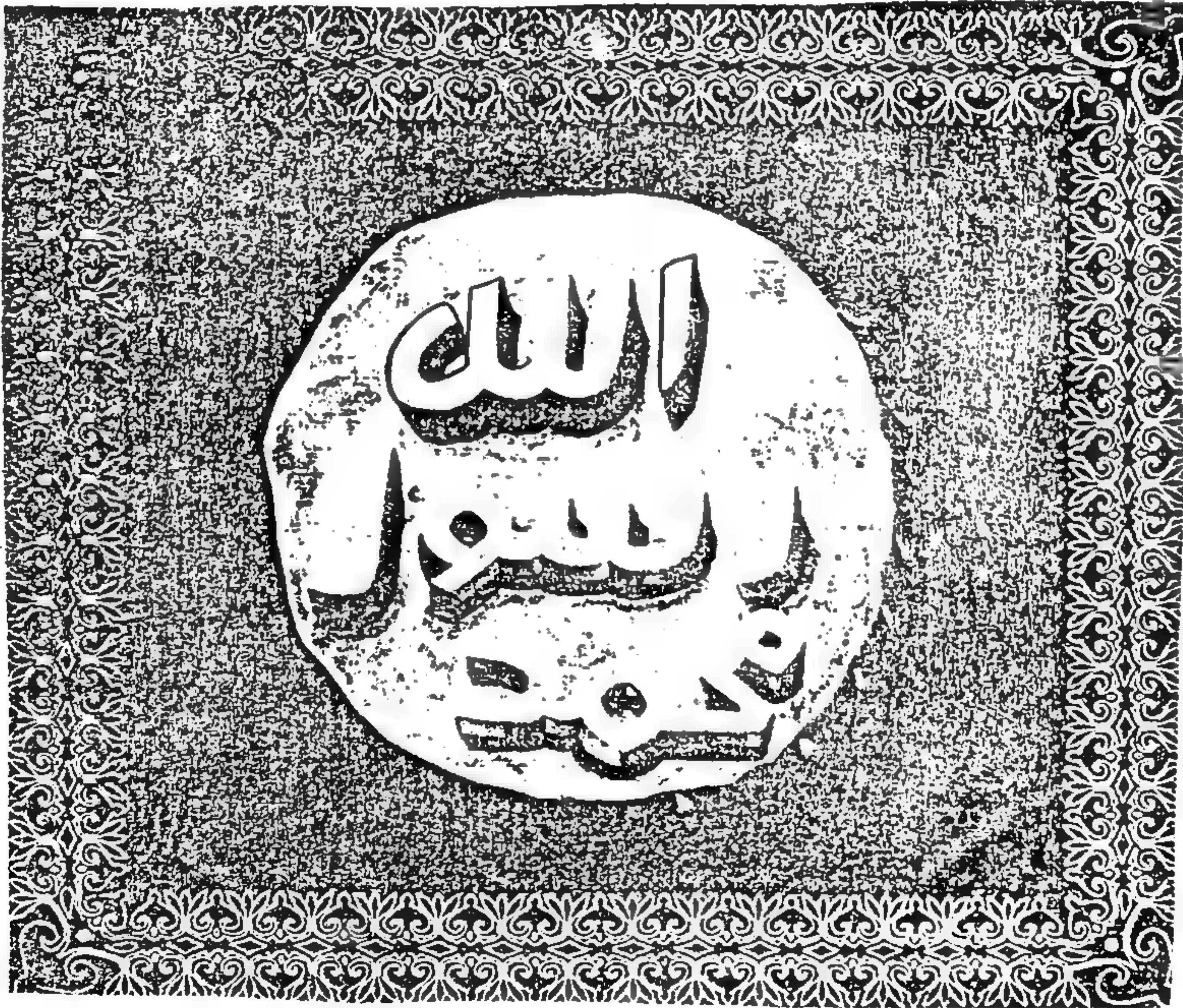
(۱۰۴) خیبر

تبلیغ کا سلسلہ جاری تھا۔ اسی دوران یہودی سازشوں کی اطلاعات رسول مقبول ﷺ کو پہنچتی رہیں۔ اب ان سازشوں کا مرکز خیبر تھا جہاں دوسرے یہودی قبائل کے علاوہ بنی قینقاع اور بنی نضیر کے جلاوطن یہودی بھی آباد ہوگئے تھے۔ جیسا کہ بیان ہوا یہ سب یہودی ایک "خندق ثانی" کے لئے منصوبہ بنا رہے تھے۔ اس کے سوا جس طرح بھی ہوسکے رسول اکرم ﷺ کی ذات کو نقصان پہنچانے کے درپے تھے۔ انہی سازشوں کی ایک کڑی تھی کہ مدینہ کے ایک یہودی لبید بن اعصم نے آپؐ پر جادو کرنے کی کوشش کی۔ اس کی دو بیٹیاں کسی طرح آپؐ کے سر کے کچھ بال حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئیں ان بالوں کو کھجور کے شگوفے میں باندھ کر جادو کیا اور ذروان کے گہرے کنویں میں ڈال دیا۔ اس جادو سے آپؐ کے حافظے پر برا اثر ہوا۔ آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے شفا کے لئے دعا کی تو بذریعہ وحی آپؐ کو معلوم ہوا کہ کس طرح آپؐ پر جادو کیا گیا ہے۔ ذروان کے کنویں کے نشان دہی بھی کی گئی جہاں آپؐ کے بال کھجور کے شگوفے میں بٹے ہوئے پوشیدہ تھے۔ اور بتایا گیا کہ معوذتین (قرآن مجید کی آخری دو سورتیں) پڑھ پڑھ کر بالوں کے گرہیں کھول جائیں۔ آپؐ چند صحابہ کے ہمراہ اس کنویں پر گئے۔ بال نکلوا کر ان کی گرہیں کھلوائیں۔ سب گرہیں کھل گئیں تو آپؐ مکمل طور پر شفایاب ہوئے (۱)۔ یہ کنواں بند کروا دیا گیا۔ لبید نے جرم کا اعتراف کیا کہ اس نے انعام واکرام کی لالچ میں ایسا کیا۔ جس کا وعدہ یہودی سرداروں نے کیا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے اسے معاف فرمادیا۔ آپؐ نے کبھی اپنی ذات کے لئے انتقام لینا گوارا نہ کیا۔

حدیبیہ کے بعد جنوب کی طرف اب مشرکین مکہ سے کوئی ڈر نہ تھا۔ دوسرا بڑا خطرہ صرف یہودیوں سے تھا جن کی سازشوں کی وجہ سے ان سے نمٹنا ضروری تھا۔ خیبر جہاں یہ آباد تھے مدینہ سے ایک سو ساٹھ کلومیٹر پر واقع تھا۔ یہاں ان کے سرسبز نخلستان اور کھیت تھے۔ اپنے مضبوط قلعوں اور بڑی تعداد کی بنا پر خود کو بہت محفوظ سمجھتے تھے۔ بنی غطفان سے بھی ان کا معاہدہ تھا۔ یہودی سردار کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق نے پہلی فرصت میں بنی غطفان سے خود جاکر یہ طے

کیا کہ مدینہ کے خلاف جنگ کی صورت میں وہ اہل خیبر کو چار ہزار کا لشکر فراہم کریں گے جس کے عوض اس سال خیبر کے کھجوروں کی نصف پیداوار انہیں ملے گی۔ یہودیوں کی اپنی افرادی قوت دس ہزار مسلح جوانوں سے کم نہ تھی۔ ایک روایت کے مطابق ان کا متحدہ لشکر بیس ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ آبادی کے باغات اور کھیتوں کے آس پاس دس مضبوط قلعے تھے جو پہاڑیوں پر ایسے مناسب مقامات پر تعمیر ہوئے تھے کہ بیرونی حملوں سے محفوظ رہیں اور خیبر کے تمام علاقے کی حفاظت (تقریباً اسی کلومیٹر کے قطر تک) موثر طریقے سے کر سکیں۔ قاضی سلمان منصور پوری نے ان قلعوں کی یہ فہرست دی ہے (۲):

الف۔ حصون نطاۃ کے چار قلعے

(۱) قلعہ ناعم

(۲) قلعہ نطاۃ

(۳) حصن صعب بن معاذ

(۴) حصن الزبیر

ب۔ حصون شق کے تین قلعے

(۵) حصن شق

(۶) حصن النزار

(۷) حصن اُبی

ج۔ حصون کتیبہ

(۸) حصن قموص

(۹) حصن وطیح

(۱۰) حصن سلام یا قلعہ سلالم (اسے حصن نبی الحقیق بھی کہتے تھے)

حدیبیہ سے واپسی کے دوران جو سورۃ الفتح نازل ہوئی تھی اس میں ایک قریبی فتح، اور غنائم کی بشارت تھی:

"(اے پیغمبر) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو

خدا ان سے خوش ہوا اور جو (صدق وخلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کرلیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت کی اور بہت سے غنیمتیں جو انہوں نے حاصل کیں اور خدا غالب حکمت والا ہے"۔ (الفتح ۱۸، ۱۹)

رسول اللہ ﷺ کو یقین تھا کہ یہ بشارت فتح خیبر ہی کی متعلق ہے۔ آپؐ نے خیبر پر حملے کی تیاری شروع کی۔ آپؐ نے ان آیات کی روشنی میں طے فرمایا کہ اس غزوے میں وہی حضرات شریک ہوں گے جو حدیبیہ میں ساتھ تھے۔ اور اعلان فرما دیا کہ وہی صحابہ چلیں جنہیں صرف جہاد سے رغبت ہو۔ غنیمت کی لالچ میں منافقین اور دوسرے بدوی قبائل نے شریک ہونا چاہا۔ لیکن یہ وہی لوگ تھے جن کی بابت قرآن مجید میں کہا گیا تھا:

"جو لوگ پیچھے رہ گئے وہ تم سے کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مال اور اہل وعیال نے روک رکھا۔ آپؐ ہمارے لئے (خدا سے) بخشش مانگیں۔ یہ لوگ اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہے کہہ دو کہ اگر خدا تم (لوگوں) کو نقصان پہنچانا چاہے۔ یا تمہیں فائدہ پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو کون ہے جو اس کے سامنے تمہارے لئے کسی بات کا کچھ اختیار رکھے (کوئی نہیں) بلکہ جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے واقف ہے۔ بات یہ ہے کہ تم لوگ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ پیغمبر اور مومن اپنے اہل وعیال میں کبھی لوٹ کر آنے ہی کے نہیں اور یہ بات تمہارے دلوں کو اچھی معلوم ہوئی اور (اسی وجہ سے) تم نے برے برے خیال کئے۔ اور (آخر کار) تم ہلاکت میں پڑ گئے" (الفتح ۱۱، ۱۲)

اور یہ بھی انہی لوگوں کے لئے پہلے ہی سے بتادیا گیا تھا:

"جب تم لوگ غنیمتیں لینے چلو گے تو جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ کہیں گے ہمیں بھی اجازت دیجئے کہ آپؐ کے ساتھ چلیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے قول کو بدل دیں۔ کہہ دو کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اسی طرح خدا نے پہلے سے فرمایا ہے۔ پھر کہیں گے (نہیں) تم تو ہم سے حسد کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہی نہیں۔ مگر بہت کم" (الفتح ١٥)

اس صورت میں مسلمانوں کو ایک چھوٹے لشکر پر اکتفا کرنا پڑا جس کی تعداد چودہ سو تھی جس میں دو سو سواروں کا رسالہ شامل تھا۔ جبکہ یہودی لشکر کم از کم دس ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ اور غطفان کے چار ہزار جوان اس پر مستزاد مگر دونوں فوجوں میں بڑا فرق تھا۔ یہودیوں کا وہ حال تھا جو قرآن مجید میں اس طرح بیان ہوا:

"یہ سب جمع ہو کر بھی تم سے (بالمواجہ) نہیں لڑ سکیں گے۔ مگر بستیوں کے قلعوں میں (پناہ لے کر) یا دیواروں کی اوٹ میں (مستور ہو کر) ان کا آپس میں بڑا رعب ہے۔ تم شاید خیال کرتے کہ یہ اکٹھے (اور ایک جان) ہیں مگر ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔ یہ اس لئے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں"۔ (الحشر ١٤)

برخلاف اس کے مسلمان وہ تھے جن کے لئے کہا گیا:

"جو لوگ خدا کی راہ میں (ایسے طور پر) پیر جما کر لڑتے ہیں کہ گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ وہ بے شک محبوب کرد گار ہیں"۔ (الصف ٤)

انہیں اللہ کے اس وعدے پر یقین تھا کہ "خدا استقلال کرنے والوں کے ساتھ ہے" (٣)۔

مسلمانوں کے لشکر میں کئی خواتین بھی تھیں۔ ان میں رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ، حضرت انسؓ کی والدہ حضرت ام سلیمؓ، حضرت نسیبہؓ وغیرہ شامل تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ وہ کس کی اجازت سے آئی تھیں تو ان خواتین نے عرض کیا کہ ان کے ساتھ مرہم پٹی کا سامان ہے وہ زخمیوں کی تیمارداری کریں گی۔ جنگ میں تیر بھی اٹھا اٹھاکر مجاہدین کو دیں گی۔ پھر آپؐ نے کوئی اعتراض نہ فرمایا۔ ان خواتین کی کل تعداد بیس تھی۔ ازواج مطہرات میں حضرت ام سلمہؓ آپؐ کے ساتھ تھیں۔

مدینہ کا انتظام آپؐ نے حضرت نمیلہؓ بن عبداللہ لیثی کے سپرد کیا۔ (ایک روایت ہے کہ یہ خدمت حضرت سباع بن عرفطہؓ غفاری کو سونپی گئی) لشکر کے لئے تین خاص جھنڈے تیار ہوئے۔ ایک حضرت حباب بن منذرؓ کو دوسرا حضرت سعد بن عبادہؓ اور تیسرا حضرت علیؓ کو ملا جو حضرت عائشہؓ کی چادر سے تیار ہوا تھا۔ اس کا نام عقاب تھا۔ مقدمہ لشکر کی کمان حضرت عکاشہ بن محصن اسدیؓ کو ملی، میمنہ کے سردار حضرت عمرؓ تھے۔ میسرہ کسی اور صحابی کے سپرد تھا۔

نبی اسلم کے ایک صحابی حضرت عامر ابن الاکوعؓ بھی لشکر میں شامل تھے۔ یہ نہایت خوش آواز تھے۔ ساتھیوں کے اصرار پر انہوں نے حدی خوانی شروع کی اور وہی نغمہ سنانے لگے جو جنگ احزاب میں خندق کھودتے وقت بہت مقبول ہوا تھا۔

"اللھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

فاغفر فداء لک مااتقینا وثبت الاقدام ان لاقینا

والقین سکینۃ علینا انا اذا صیح بنا اجینا

وبا الصیاح عولو اعلینا

(اے اللہ اگر آپ نہ ہوتے تو ہمیں سیدھا راستہ نہ ملتا۔ نہ ہم صدقہ کرتے نہ ہم نماز پڑھتے پس ہماری مغفرت کیجئے جب تک ہم زندہ رہیں ہماری جانیں آپ پر فدا ہوں۔ ہمارا مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھئے۔ ہم پر سکینت اور طمانیت نازل فرمایئے۔ ہمیں باطل کی طرف بلایا جاتا ہے تو ہم انکار کردیتے ہیں۔ آج چلا چلا کر وہ ہمارے خلاف میدان میں آئے ہیں) (۴)۔

حدی سنکر رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ حدی خواں کون تھا۔ لوگوں نے حضرت عامرؓ کا نام بتایا تو آپؐ نے فرمایا "ان پر خدا کی رحمت ہو" حضرت عمرؓ سمجھ گئے کہ اس دعا کا

مطلب یہ تھا کہ انہیں شہادت نصیب ہوگی کہنے لگے "یارسول اللہ آپؐ نے اسے ایک یقینی امر بنا دیا۔ کاش ایسا ہوتا ہم کچھ دن اور عامرؓ کی صحبت سے فیضیاب ہوتے رہتے"۔

اس قلیل لشکر کی روانگی پر مدینہ کے منافقین کو یک گونہ خوشی تھی۔ ان کا خیال تھا یہ تھوڑے سے مسلمان یہودیوں کے مضبوط قلعوں اور کثیر مسلح فوج کے سامنے یقیناً عبرتناک شکست سے دوچار ہونگے۔ عبداللہ بن ابی نے خیبر والوں کی ہمت افزائی کے لئے پیغام بھیجا کہ یہ تھوڑے سے مسلمان تمہارے طرف آرہے ہیں۔ پوری طرح مسلح بھی نہیں ہیں۔ ہمت نہ ہارنا اور بہادری سے کام لینا۔ اسلامی لشکر نے یہ سفر بڑی تیزی سے طے کرلیا۔ جبل عصر سے گذر کر وادی صہباء میں قیام کیا۔ یہاں ایک مسجد بھی بنی۔ شام کو کھانے کے لئے سوائے ستو کے کچھ نہ تھا۔ سارے لشکر کے ساتھ رسول اکرم ﷺ نے بھی ستو اور پانی پر گذارا کیا۔ یہاں سے چل کر رجیع نامی ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا جو نبی غطفان اور خیبر کے درمیان واقع تھا کہ اگر نبی غطفان خیبر والوں کی مدد کے لئے آئیں تو راستے میں روک لئے جائیں۔ اس پڑاؤ کا انتظام حضرت عثمان بن عفانؓ کے سپرد تھا۔ (اسی مرکزی مقام سے مختلف قلعوں پر فوج کشی کی گئی تھی) درحقیقت نبی غطفان یہودیوں کی مدد کے لئے حسب معاہدہ نکلے تھے۔ مگر نکلتے ہی خیال آیا کہ مسلمان رجیع سے ان کی اپنی بستیوں پر حملہ آور ہوسکتے تھے۔ اس ڈر سے واپس ہوگئے۔ بعض ارباب سیر ؒ نے لکھا ہے کہ انہیں کچھ اس قسم کا شوروغل سنائی دیا کہ گویا ان کے علاقے پر حملہ ہوگیا ہو۔ اس لئے الٹے پیروں واپس ہوئے۔

مدینہ خیبر کے جنوب میں واقع ہے۔ یہودیوں کا خیال تھا کہ مسلمانوں کا حملہ جنوب ہی کی سمت سے ہوگا۔ جنوبی قلعوں میں زیادہ تر فوج جمع تھی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ شمال کی طرف سے حملہ آور ہوں تاکہ اہل غطفان خیبر سے کٹ جائیں اور یہودیوں کو بھی ان کی طرف جانے یا شام کی طرف بھاگنے کا موقع نہ ملے۔ شام کے بعد مسلمانوں کا لشکر نہایت خاموشی سے خیبر کی بستیوں کے شمال میں پہنچ کر فروکش ہوا تو یہودیوں کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

یہاں رسول اللہ ﷺ نے حسب عادت اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

"یااللہ ساتوں آسمانوں اور جن پر وہ سایہ فگن ہیں ان کے رب اور زمینوں اور جو چیزیں وہ اٹھائے ہوئے ہیں ان کے رب اور شیاطین اور جن کو

انہوں نے گمراہ کیا ان کے رب اور ہواؤں اور جن کو انہوں نے پریشان کیا ان کے رب ہم تجھ سے اس جگہ کی بھلائی یہاں رہنے والوں کی بھلائی اور جو کچھ یہاں ہے اس کی بھلائی کے طالب ہیں۔ اور اس کے شر' یہاں کے باشندوں کے شر اور جو کچھ یہاں ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں" (۵)۔

رسول اللہ ﷺ کا قاعدہ تھا کہ شام کے وقت کہیں حملہ نہ کرتے بلکہ صبح کو حملہ آور ہوتے مسلمانوں نے پو پھٹتے ہی نماز فجر ادا کی۔ رات کا دھندلکا چھٹ چکا تھا۔ نظر اٹھائی تو "باغ حجاز" (خیبر کا علاقہ اسی نام سے مشہور تھا) سامنے تھا۔ گھنے گھنے کھجور کے باغات کا سلسلہ' سر سبز کھیتیاں اور ان کے اس پاس یہودیوں کے قلعے بکھرے ہوئے نظر آرہے تھے۔ اتنے میں یہودی کاشتکار اپنے ہل پھاوڑے وغیرہ لئے کھیتوں میں کام کرنے نکلے تو سامنے مسلمانوں کا لشکر نظر آیا۔ جو خلاف توقع اتنی جلد پہنچ گیا تھا۔ حیرت زدہ رہ گئے اور چیختے ہوئے اپنے قلعوں کی طرف لوٹے "خدا محمد (ﷺ) اپنا لشکر لے کر آگئے"۔ رسول اللہ ﷺ نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور فرمایا۔ "ضربت خیبر" (خیبر خراب ہوا) اور قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

"مگر جب وہ ان کے میدان میں آ اترے گا تو جن کو ڈر سنایا گیا تھا ان کے لئے برا دن ہوگا"۔ (الصفت ۱۷۷)

اس اچانک حملے سے یہودیوں کے ہوش اڑگئے اپنے سارے لشکر کو جو مختلف قلعوں میں مقیم تھا یکجا کرنا غالباً ممکن نہ تھا۔ یہی طے کیا کہ ہر قلعے میں قلع بند ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا جائے یہ چیز مسلمانوں کے حق میں ثابت ہوئی کیونکہ اس طرح دشمن کی فوج اپنی افرادی کثرت کا پورا فائدہ نہ اٹھاسکی۔ اتنا ضرور ہوا کہ مسلمانوں کو بجائے ایک جنگ کے کئی معرکوں کا سامنا تھا۔ سب سے پہلے مسلمانوں نے قلعہ ناعم کا رخ کیا۔ اس پر حضرت محمود بن مسلمہؓ نے لشکر کشی کی (۶)۔ لڑائی کے دوران دم لینے کے لئے قلعے کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے کہ اوپر سے کنانہ بن

الربیع نے چکی کا پاٹ ان کے سر پر گرادیا۔ جس کے صدمے سے تیسرے روز شہید ہوئے۔ ان کے زخمی ہونے پر ان کے بھائی حضرت محمد بن مسلمہؓ نے ان کی جگہ لی۔ قلعے کے پاس سخت جنگ ہوئی کئی یہودی سردار مارے گئے۔ آخرکار مسلمانوں نے قلعہ فتح کرلیا۔ ناعم کی جنگ کے دوران حضرت عامر بن اکوعؓ ایک مبارزت میں اپنی ہی تلوار سے زخمی ہو کر شہید ہوئے۔ اس طرح ان کی حدی خوانی پر رسول اکرم ﷺ نے ان کے لئے جو دعائے رحمت کی تھی قبول ہوئی کہتے ہیں کہ یہ زخم مرحب پہلوان سے مبارزت کے وقت لگا۔ پہلے مرحب نے وار کیا تو اس کی تلوار ان کی ڈھال میں پھنس گئی۔ انہوں نے وار کیا تو ان کی تلوار چھوٹی تھی مرحب تک نہ پہنچی اور ان کے اپنے گھٹنے میں ایسا زخم آیا کہ شہادت کا سبب بنا۔ یہ زخم ان کی اپنی تلوار کا تھا۔ لوگوں کو ان کے شہید ہونے پر شک تھا۔ ان کے بھتیجے حضرت سلمہ بن عمرو بن اکوع نے رسول اللہ ﷺ سے تصدیق چاہی تو آپؐ نے فرمایا "انہیں تو دوہرا اجر ملے گا۔ انہوں نے تکلیف اور مشقت بھی اٹھائی اور اللہ کے راستے میں جہاد بھی کیا۔ شاید ہی کوئی عربی ہو جس نے ان جیسی مثال قائم کی ہو" (۷)۔

شکست کھا کر ناعم کے یہودیوں نے قریب کے قلعے میں پناہ لی۔ یہ حصن صعب بن معاذ تھا۔ اس پر حضرت حباب بن منذر انصاریؓ اسلامی لشکر لے کر حملہ آور ہوئے۔ تین دن محاصرہ جاری رہا۔ اسی دوران بنی سہم کے کچھ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بھوک اور کم مایگی کی شکایت کی۔ آپؐ نے اللہ سے دعا کی "اے اللہ تو خوب جانتا ہے جو ان لوگوں کی حالت ہے اور میرے پاس کچھ نہیں جو میں انہیں دوں۔ اپنے فضل وکرم سے یہ قلعہ ان کے ہاتھوں فتح کرا جس سے یہ غنی ہوجائیں"۔ اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ اسی روز یہ قلعہ فتح ہوگیا۔ اس قلعے سے کافی سامان خوردونوش حاصل ہوا۔ سامان حرب بھی ملا جن میں منجنیقیں اور دبابے (لکڑی کے بند ڈبے جن میں محفوظ رہ کر قلعے کی فصیل تک پہنچ کر فصیل میں شگاف کرنا ممکن تھا) بھی شامل تھے۔ اس کے بعد حصن نطاۃ پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ اور یہاں کے یہودی بھی حصن الزبیر میں جمع ہوگئے۔

غالباً صعب کے قلعے کے محاصرے کے دوران ہی یہ واقعہ پیش آیا کہ مسلمان خوراک کی کمی کی وجہ سے گدھوں کا گوشت پکانے کے لئے مجبور ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو

سب ہانڈیاں الٹوا دیں اور گدھے کا گوشت ممنوع قرار دیا۔ گھوڑے کا گوشت جائز رہا۔

قلعہ الزبیر کی جائے وقوع پہاڑی پر ایسی محفوظ تھی کہ مسلمانوں کا وہاں تک پہنچنا تیروں کی بارش میں ممکن نہ تھا۔ کئی دن محاصرہ قائم رہا۔ آخر ایک دن ایک یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض گزار ہوا کہ اگر اسے اور اس کے اہل وعیال کو امان کی ضمانت ملے تو ایک ایسا راز بتانے کو تیار تھا کہ قلعے والے باہر نکلنے کے لئے مجبور ہوجائیں۔ آپؐ نے یہ ضمانت دی تو اس نے بتایا کہ محاصرے سے کچھ حاصل نہ ہوگا کیونکہ قلعے میں سامان خوردونوش مہینوں کے لئے کافی ہے۔ پینے کا پانی یہ لوگ ایک زیر زمیں ندی سے حاصل کرتے ہیں وہ بند کردی جائے تو باہر نکلنے کے لئے مجبور ہونگے۔ اس شخص سے زیر زمیں نالے کا پتہ حاصل کر کے مسلمانوں نے اسے بند کردیا۔ مجبوراً یہودیوں کو باہر نکلنا پڑا۔ بہت سے یہودی مارے گئے اور قلعے پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔

اس کے بعد قلعہ ابی کی باری آئی۔ مبارزت میں دو یہودی پہلوان قتل ہوئے۔ حضرت ابودجانہؓ سماک بن حرشہ انصاری جو بدر و احد میں اپنی جاں بازی دکھا چکے تھے ایک مبارز کو قتل کر کے قلعے میں داخل ہوگئے ان کے ساتھ ہی دوسرے مسلمانوں کو بھی داخل ہونے کا موقع مل گیا۔ یہودی شکست کھا کر قلعہ خالی کر گئے اور حصن النزار میں پناہ گزیں ہوئے۔ یہ قلعہ بھی بہت محفوظ تھا۔ مگر منجنیق کی گولہ باری سے اس کی دیوار میں شگاف پڑگئے۔ مسلمان اندر جاگھسے۔ یہودی ایسے بھاگے کہ عورتیں اور بچے پیچھے چھوڑ گئے۔ پھر شق کا قلعہ یہودیوں نے خود ہی خالی کردیا۔ اس طرح حصون نطاۃ اور حصون شق مسلمانوں کے قبضے میں آگئے۔

اب صرف حصون کتیبہ کے تین قلعے رہ گئے۔ ان میں قموص کا قلعہ سب سے زیادہ مستحکم تھا۔ اس پر کئی حملے کئے گئے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ایک روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "کل میں علم اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو چاہتا ہے اور جسے اللہ اور اس کا رسولؐ چاہتے ہیں"۔ یہ ایک ایسا اعلان تھا کہ سارے صحابہ اس سعادت کے حصول کے لئے بیتاب ہوگئے۔ صبح ہوئی تو آپؐ نے حضرت علیؓ کی بابت پوچھا کہ کہاں ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ انہیں آشوب چشم ہے اور معذور ہیں لیکن آپؐ نے انہیں بلوایا۔ اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں پر ملا۔ دعا کی اور علم عنایت فرمایا۔ حضرت علیؓ کی آنکھیں بالکل صحت یاب ہوگئیں۔ آپؐ نے ہدایت کی کہ "دشمن کو

جنگ سے پہلے اسلام پیش کرنا کیونکہ اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے اسلام نے آئے تو یہ سرخ اونٹوں سے بہتر ہے" (۸)۔

اس قلعے کا سردار مشہور پہلوان مرحب تھا (کہتے ہیں کہ اسے ایک ہزار سپاہیوں کی برابر سمجھا جاتا تھا)۔ بڑے طمراق سے سر پر سنگی خود کے ساتھ دوہری زرہ پہنے دو تلواریں لئے اس طرح رجز خوانی کرتا نکلا:

"خیبر جانتا ہے میں مرحب ہوں۔ دلیر ہوں تجربہ کار ہوں سلح پوش ہوں"۔

حضرت علیؓ مقابل آئے اور جواب میں یہ رجز پڑھا:

"میں وہ ہوں کہ میرا نام میری ماں نے حیدر (شیر) رکھا تھا میں شیر نیستاں کی طرح مہیب وبد منظر ہوں" (۹)۔

مبارزت کے درمیاں مرحب کا وار خالی گیا۔ تو حضرت علیؓ نے ایسی ضرب ماری کہ ذوالفقار سر کو کاٹتی ہوئی جبڑے تک اتر آئی۔ حضرت علیؓ نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اس کے بعد مرحب کا بھائی یاسر مقابلے کے لئے نکلا اس کا کام حضرت زبیر بن عوامؓ نے تمام کیا (۱۰)۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی جس میں حضرت علیؓ نے بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ فاتح خیبر کہلائے کہتے ہیں کہ ایک یہودی کے وار سے ان کی سپر ہاتھ سے چھوٹ کر دور جاپڑی تو انہوں نے قلعے کے سنگین در کا کوئی ٹکڑا اٹھا کر ڈھال کی طور پر استعمال کیا۔ یہ اتنا وزنی تھا کہ بعد کو آٹھ حضرات کے لئے اسے ہلانا مشکل تھا (۱۱)۔ یہ قلعہ فتح ہوا تو کتیبہ (۱۲) کے باقی دو قلعون وطیح اور سلالم کے لوگوں نے بھی ان شرائط پر ہتیار ڈال دیئے کہ یہودیوں کی جانیں بخش دی جائیں گی۔ کسی کو اسیر نہ کیا جائے گا۔ وہ علاقہ چھوڑ کر ساری زمینوں اور دولت سے دستبردار ہوجائیں گے۔ بعد میں ان کی یہ درخواست قبول کرلی گئی کہ وہ خیبر میں حکومت مدینہ کے مطیع ہو کر زمینیں بٹائی پر کاشت کرتے رہیں گے۔ پیداوار کا نصف حصہ حکومت مدینہ کو پہنچایا جائے گا۔ اس بٹائی کا نام "خیبر" کی رعایت سے "مخابرہ" کہلایا (۱۳)۔ یہ شرط بھی تھی کہ کوئی مال چھپایا نہ جائے گا۔ چھپانے والے کی سزا موت ہوگی۔

جب اس خزانے کی تلاش ہوئی جو حئی بن اخطب جلاوطن ہوتے وقت خیبر لے آیا تھا تو کہیں نہ ملا۔ یہودیوں کے موجودہ سردار کنانہ بن ربیع اور اس کے بھائی سے پوچھا گیا تو

انہوں نے بتایا کہ سب کچھ ہتیار وغیرہ کی خریداری میں صرف ہوگیا۔ لیکن ایک شخص نے مخبری کی کہ کنانہ فلاں مقام پر اکثر دیکھا جاتا تھا۔ وہاں تلاش کرنے پر پوشیدہ سامان دستیاب ہوگیا۔ دونوں بھائیوں کو سزائے موت دی گئی۔ خزانہ چھپانے کی گواہی انہی کے چچا زاد بھائی نے دی۔ کنانہ نے حضرت محمود بن مسلمہؓ کو ان کے سر پر چکی کا پاٹ گرا کر شہید کیا تھا۔ اسے حضرت محمودؓ کے بھائی حضرت محمد بن مسلمہؓ کے سپرد کر دیا گیا کہ قصاص میں قتل کر دیں۔

ان دونوں بھائیوں کے اہل خانہ اسیر کئے گئے۔ ان میں کنانہ کی دلہن حضرت صفیہؓ بنت حی بن اخطب بھی تھیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ 'شرح سیر کبیر' کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ ابھی کنانہ سے حضرت صفیہؓ کا نکاح ہوا تھا لیکن رخصتی نہ ہوئی تھی (۱۴)۔ حضرت بلالؓ انہیں اور ان کی چچا زاد بہن کو قلعے سے لا رہے تھے تو مقتولوں پر سے گزرے۔ حضرت صفیہؓ کی چچا زاد بہن مقتولین کو دیکھ کر رونے پیٹنے لگیں تو رسول اللہ ﷺ کو ناگوار ہوا اور حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ خواتین کو اس راستے سے نہیں لانا چاہئے تھا۔ آپؐ نے حضرت صفیہؓ کو اپنی چادر اڑھا دی تو صحابہ سمجھ گئے کہ آپؐ نے انہیں اپنے لئے چن لیا ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے (۱۵) کہ حضرت دحیہ کلبیؓ نے حضور ﷺ سے خیبر کے اسیروں میں سے ایک کنیز کے لئے درخواست کی۔ آپؐ نے انہیں اجازت دی کہ کسی کا انتخاب کر لیں۔ حضرت دحیہؓ نے حضرت صفیہؓ کو پسند کیا۔ تو کسی نے آپؐ سے عرض کیا حضرت صفیہؓ قریظہ اور نضیر کی رئیسہ ہیں آپؐ کے سوا کوئی ان کے لائق نہیں۔ تب آپؐ نے حضرت دحیہؓ کو دوسری کنیز عطا فرمائی اور حضرت صفیہؓ کو اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ کیونکہ وہ عالی رتبہ اور رئیس یہود کی صاحبزادی تھیں۔

آپؐ نے شروع میں حضرت صفیہؓ کو حضرت ام سلیمؓ کی حفاظت میں دیدیا۔ مسند احمد حنبل میں ہے کہ آپؐ نے حضرت صفیہؓ کو یہ اختیار دیا کہ آزاد ہو کر اپنے کنبے میں چلی جائیں یا مسلمان ہو کر آپؐ کی زوجیت قبول کر لیں۔ انہوں نے بہ رضا و رغبت دوسری صورت قبول کی۔ بعد میں جب وہ حیض سے فارغ ہوئیں تو واپسی کے دوران صہباء کے مقام پر آپؐ نے ان سے نکاح کیا دعوت ولیمہ میں صرف کھجور پنیر اور گھی کا ملیدہ تھا۔ روٹی اور گوشت وغیرہ نہ تھا۔ وہ خوشی اسلام قبول کر چکی تھیں۔ ان کی آزادی ان کا مہر قرار پائی۔ حضرت ام سلیمؓ نے انہیں دلہن بنا کر آراستہ کیا۔ انہوں نے اپنے خیمے میں رسول اکرم ﷺ کا استقبال کیا۔ آپؐ نے ان کی آنکھ کے قریب کچھ

سبز سا نشان دیکھا تو سبب دریافت فرمایا۔ حضرت صفیہؓ نے بتایا کہ انہوں نے خواب دیکھا تھا کہ چاند ان کی گود میں آگرا ہے۔ اپنے نئے شوہر کنانہ کو بتایا تو اس نے سن کر ان کے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا کہ "اس کی تعبیر اس کے سوا کچھ نہیں کہ تو حجاز کے بادشاہ محمد (ﷺ) کے پاس جانا چاہتی ہے"۔ حقیقت میں حضرت صفیہؓ بہت پہلے سے رسول اللہ ﷺ کی شخصیت سے بہت متاثر تھیں۔ انہیں سات سال پہلے (جبکہ ان کی عمر صرف دس سال کی تھی) کی وہ گفتگو یاد تھی جو ان کے باپ حیَّ بن اخطب اور ان کے چچا ابو یاسر کے درمیان ہوئی تھی۔ جب وہ دونوں قبا میں آپؐ سے مل کر گھر آئے تھے اور حیَّ بن اخطب نے آپؐ کی صداقت کا اعتراف کیا تھا (ملاحظہ ہو گزشتہ باب ۵۸)۔

غزوہ خیبر کے دوران حضرت اسود راعیؓ کا واقعہ مشہور ہے۔ یہ یہودیوں کی بکریاں چراتے تھے۔ مسلمانوں کا لشکر دیکھا تو حضور ﷺ کی خدمت میں آئے۔ ایسے متاثر ہوئے کہ اسلام قبول کیا۔ پھر آپؐ سے پوچھا کہ یہودیوں کی بکریاں ان کے ساتھ ہیں کیا کریں کہ امانت میں خیانت نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ انہیں آبادی کی طرف ہانک دیں تو خود ہی اپنے مالکوں کے پاس پہنچ جائیں گی۔ حضرت اسودؓ نے یہی کیا۔ پھر جنگ میں شریک ہو کر شہید ہوئے۔ انہیں ایک بھی نماز پڑھنے کا موقع نہ ملا اور فردوس بریں کے حقدار ہوئے۔

دوسرا واقعہ زہر آلود بکری کا ہے۔ خیبر فتح ہوچکا تو سلام بن مشکم کی بیوہ زینب بنت حارث نے ایک بکری بھون کر آپؐ کی ضیافت کی۔ اسے معلوم ہوا تھا کہ آپؐ کو بکری کا دست مرغوب ہے۔ ساری بکری میں مہلک زہر ملایا اور دست کو خاص طور سے زیادہ زہر آلود کیا۔ آپؐ صحابہ کے ساتھ اسے تناول کرنے بیٹھے۔ دست کا پہلا لقمہ لیتے ہی آپؐ نے منہ سے اگل دیا اور فرمایا کہ گوشت زہر آلود ہے اسے کوئی نہ کھائے۔ لیکن حضرت بشر بن براءؓ ایک نوالہ نگل چکے تھے۔ زہر اس قدر مہلک اور زود اثر تھا کہ اسی لقمے سے شہید ہوئے۔ زینب سے پوچھا گیا کہ اس نے یہ حرکت کیوں کی تو اس نے جواب دیا کہ "میری قوم کی جو حالت آپؐ نے کی ہے وہ آپؐ کو معلوم ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر آپؐ بادشاہ ہیں تو آپؐ کو زہر دیکر آپؐ سے نجات پاؤں گی اور اگر آپؐ نبی ہیں تو آپؐ کو اس زہر کی خبر ضرور ہوجائیگی"۔ آپؐ نے یہ جواب سن کر اسے معاف کردیا (۱۶)۔

خیبر کے قریب ہی فدک کی آبادی تھی۔ یہاں کا سردار یوشع بن نون تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت محیصہ بن مسعودؓ کو اس کے پاس اسلام کی دعوت کے ساتھ روانہ فرمایا۔ اسی دوران خیبر فتح ہوگیا۔ یوشع اور فدک کے یہودیوں نے اسلام تو قبول نہ کیا لیکن حضرت محیصہؓ کی معرفت حکومت مدینہ کی اطاعت قبول کی اور درخواست کی کہ جو معاملہ اہل خیبر کے ساتھ بٹائی کا طے ہوا ہے وہی ان کے ساتھ بھی کرلیا جائے۔ یہ پیش کش قبول فرمالی گئی۔ فدک کا علاقہ بغیر جنگ کے فے کی صورت میں حاصل ہوا لہذا رسول اکرم ﷺ کے لئے مخصوص رہا (۱۷)۔

خیبر سے واپس ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے وادی القری میں قیام فرمایا۔ یہاں کے یہودی اور ان کے کچھ عرب ساتھی مقابلے کے لئے آمادہ ہوگئے اور مسلمانوں پر تیر برسائے۔ آپؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی جو انہوں نے قبول نہ کی۔ مبارزت کے لئے ایک پہلوان نکلا تو حضرت زبیر بن عوامؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ دوسرے کو بھی انہوں نے قتل کیا۔ تیسرا شخص آیا تو حضرت علیؓ نے اس کا کام تمام کیا۔ اس طرح گیارہ یہودی یکے بعد دیگرے مارے گئے۔ دوسرے دن صبح یہودیوں نے ہتیار ڈال دیئے۔ اور اطاعت قبول کی۔ یہاں کافی مال غنیمت حاصل ہوا۔ ان لوگوں سے بھی وہی معاملہ طے پایا جو خیبر اور فدک کے یہودیوں سے ہوا تھا۔ یہی وہ مقام تھا جہاں ایک تیر رسول اللہ ﷺ کے غلام مدعم کے لگا اور مہلک ثابت ہوا۔ صحابہ نے مدعم کو شہادت کی مبارکباد دی تو آپؐ نے فرمایا "ہرگز نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اس کا شملہ آگ میں جل رہا ہے"۔ یہ شملہ اس نے خیبر کے مال غنیمت میں سے چرالیا تھا۔ یہ سن کر ایک صحابی دو تسمے لے کر آئے اور عرض کیا "یارسول اللہ (ﷺ) غنیمت میں سے میں نے جوتے کے دو تسمے لے لئے تھے"۔ آپؐ نے فرمایا "ان کے برابر تمہیں بھی دوزخ میں جلنا ہوتا اگر واپس نہ کرتے (۱۸)۔

رسول اکرم ﷺ برابر اپنے صحابہ کو خبردار کرتے رہتے تھے کہ جو مسلمان آپؐ کے ہم عصر تھے انہیں آپؐ کے صحابہ ہونے کی خوش نصیبی ضرور حاصل تھی لیکن اس عظیم خوش نصیبی کے ساتھ ایک بڑی ذمہ داری بھی عائد تھی۔ اللہ تعالیٰ کے عدل کا تقاضا تھا کہ ان صحابہ کا محاسبہ ان لوگوں کے مقابلے میں سخت تر ہو جو آئندہ ایسے زمانوں میں آنے والے تھے جب برائیوں سے بچنا دشوار ہوگا۔ آپؐ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا "بے شک تم لوگ ایک ایسے عہد میں ہو جس میں

اگر کوئی شخص شریعت کا دسواں حصہ بھی ترک کرے گا تو اس کا برا حشر ہوگا۔ لیکن ایک زمانہ آئے گا کہ اس میں کوئی شخص شریعت کے دسویں حصے پر بھی عامل ہوگا تو نجات پائے گا" (۱۹)۔

وادی القری کے بعد تیماء کے یہودی بغیر کسی مزاحمت کے اطاعت قبول کرنے اور جزیہ دینے پر راضی ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک تحریر عنایت کی جس میں ان کے لئے امن وامان کی ضمانت تھی۔ یہاں سے مدینہ کو واپس ہوتے ہوئے مسلمانوں نے رات کو کہیں پڑاؤ کیا۔ سوتے وقت رسول اکرم ﷺ نے حضرت بلالؓ کو تاکید کی کہ فجر کے وقت کا خیال رکھیں اور آپؐ کو بیدار کردیں۔ اتفاقاً حضرت بلالؓ تہجد پڑھ کر اپنے اونٹ کی کاٹھی پر ٹیک لگا کر بیٹھے تھے کہ بیٹھے ہی بیٹھے آنکھ لگ گئی اور فجر کے وقت نہ اٹھ سکے۔ آفتاب نکل آیا تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی آنکھ کھلی۔ حضرت بلالؓ سے جواب طلب فرمایا تو انہوں نے کہا "یا رسول اللہ (ﷺ) جس نے آپؐ کو سلایا اس نے مجھے بھی سلادیا"۔ آپؐ نے فرمایا "تم سچ کہتے ہو"۔ پھر کچھ دیر بعد فجر کی قضا پڑھی اور لوگوں سے فرمایا "نماز بھول جاؤ تو پھر جس وقت یاد آئے اس وقت پڑھ لو کیونکہ اللہ فرماتا ہے:

"واقم الصلوة لذکری" (طہ ۱۴)

(یاد آنے پر نماز پڑھو) (۲۰)۔

خیبر کے مال غنیمت نے جو زیادہ تر باغات اور کھیتوں پر مشتمل تھا مسلمانوں کو بڑی حد تک اسودہ کردیا۔ زمینوں اور باغات کے علاوہ وہ جو مال تھا وہ نص قرآنی کے مطابق مجاہدین میں تقسیم کردیا گیا۔ زمین اور باغ صرف اہل حدیبیہ میں تقسیم ہوئے۔ اس جنگ میں چودہ سو افراد اور دو سو گھوڑے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے کل غنمت کے چھتیس سو حصے کئے۔ اٹھارہ سو حصے عام قومی ضروریات کے لئے رکھے۔ باقی اس طرح تقسیم کئے کہ پیدل کو ایک حصہ اور سوار کو تین حصے ملے۔ تقسیم کی پوری تفصیل ابن ہشام نے دی ہے (۲۱)۔ اس تقسیم کی بابت حضرت عائشہؓ نے فرمایا "جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا اب ہمیں پیٹ بھر کر کھجور ملے گی"۔ مدینہ واپس آکر مہاجرین نے انصار کے وہ کھجور کے درخت واپس کردیئے جو انہیں انصار بھائیوں نے عطیہ کے طور پر دیئے تھے۔

خیبر کے علاقے میں رسول اکرم ﷺ نے ایک صحابی کو وہاں کا عامل بنا کر بھیج دیا۔ پہلے

سال پیداوار کی بٹائی کے لئے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو مقرر فرمایا۔ انہوں نے عدل وانصاف کی بڑی اعلیٰ مثال قائم کی۔ پیداوار کی بٹائی تخمینوں کے مطابق ہوتا تھی۔ ان کے تخمینوں پر بعض یہودی معترض ہوئے تو انہوں نے یہودی کاشتکاروں کو اختیار دیا کہ یا تو تخمینے کے مطابق بٹائی کی نصف رقم ادا کردیں یا پیداوار دیدیں اور تخمینے کی نصف رقم لے لیں۔ اس منصفانہ فیصلے سے یہودی پوری طرح مطمئن ہوگئے اور بہت متاثر ہوئے۔

جنگ خیبر کے دوران حضرت ابوہریرہؓ مدینہ آئے۔ وہاں حضرت سباع بن عرفطہؓ کے ہاتھ پراسلام قبول کیا پھر خیبر جاکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہیں مہاجرین حبشہ آپؐ کی خدمت میں پہنچے جن کی واپسی کے لئے آپؐ نے حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ کے ذریعے نجاشی (شاہ حبشہ) کو ہدایت فرمائی تھی۔ ان مہاجرین میں آپؐ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابوطالبؓ مع اپنی زوجہ حضرت اسماءؓ بنت عمیس بھی تھے۔ آپؐ ان سے بغل گیر ہوئے تو فرمایا "واللہ میں نہیں جانتا کہ مجھے فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہے یا جعفرؓ کے آنے کی" (۲۲)۔ حضرت جعفرؓ کے ساتھ حضرت ابوموسیٰؓ اشعری اور ان کی جماعت بھی تھی۔ یہ حضرات مسلمان ہو کر یمن کی طرف سے کشتی میں سوار ہو کر جدہ آنا چاہتے تھے۔ لیکن ساحل عرب کی بجائے حبشہ کے ساحل پر جالگے۔ وہاں سے حضرت جعفرؓ کے ہمراہ اب یہاں آئے۔ یہ حضرات آئے تو خیبر فتح ہو چکا تھا رسول اللہ ﷺ نے غنیمت میں ان حضرات کا بھی حصہ لگایا۔

شہدائے خیبر کی تعداد کے بارے میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ ابن ہشام نے سولہ نام دیئے ہیں۔ تین مہاجر ایک خیبر کے نومسلم (حضرت اسود) اور باقی انصار پھر دو کا اضافہ امام زہری کی طرف سے کیا ہے قاضی سلمان منصور پوری نے مدعم (جو وادی القریٰ میں تیر سے شہید ہوئے) کے علاوہ انیس دوسرے شہیدوں کے نام دیئے ہیں۔ 'جوامع السیر' میں اکیس نام ہیں (۲۳)۔ یہودی مقتولین کی تعداد ترانوے تھی جن میں سلام بن مشکم' مرحب' یاسر' کنانہ اور اس کا بھائی وغیرہ شامل تھے۔ یہ جنگ ۷ ھ محرم میں شروع ہو کر ربیع الاول میں ختم ہوئی۔

ارباب سیر نے بعض فقہی احکام کا ذکر کیا ہے جو غزوہ خیبر کے دوران نازل ہوئے۔

۱۔ پنجے سے شکار کرنے والے پرندے حرام ہوئے۔

۲۔ درندہ جانور حرام ہوئے۔

۳۔ گدھے اور خچر کا گوشت حرام ہوا۔

۴۔ کنیز سے فوراً تمتع جائز تھا۔ اب استبرا کی قید ہوگئی۔ یعنی حاملہ ہو تو دفع حمل تک ورنہ ایک ماہ تک تمتع جائز نہیں۔

۵۔ چاندی سونے کی خرید وفروخت بہ تفاضل حرام ہوئی۔

۶۔ بعض روایتوں میں ہے کہ متعہ بھی اسی غزوے میں حرام قرار پایا (۲۴)۔

جنگ خیبر سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ جنگ ختم ہوتے ہی حضرت حجاج بن علاط اسلمیؓ جو حال ہی میں مسلمان ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ "میری زوجہ ام شیبہ بنت ابی طلحہ مکہ میں ہے اور میرا بہت سا مال اس کے اور دوسرے سوداگران مکہ کے پاس ہے۔ اجازت دیجئے کہ مکہ جاکر اپنا مال لے آؤں اور وقت کی مناسبت سے جو چاہوں ان سے کہوں"۔ آپؐ نے اجازت دیدی تو یہ مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اس وقت تک سارے عرب میں خیبر پر مسلمانوں کے حملے کی خبر پھیل چکی تھی۔ کفار اور خصوصاً مشرکین مکہ مسلمانوں کی متوقع شکست کی خبر سننے کے مشتاق تھے۔ حجاجؓ ثنیۃ البیضا پہنچے تو چند قریشوں کو بیٹھا دیکھا جو مسافروں سے خبریں معلوم کرنے کے لئے جمع تھے۔ حجاجؓ سے ملتے ہی پوچھا کہ "خیبر کی کیا خبر ہے" یہ بولے "میرے پاس ایسی خبر ہے جس سے تم بہت خوش ہوگے"۔ یہ سنتے ہی سب ان کے اونٹ کے گرد جمع ہوگئے۔ انہوں نے بتایا کہ محمد (ﷺ) کو ایسی شکست ہوئی کہ تم نے کبھی نہ سنی ہوگی۔ ان کے ساتھی قتل ہوئے اور وہ خود قید کرلئے گئے ہیں۔ یہودی کہتے ہیں کہ وہ انہیں قریش کے پاس مکہ بھیجیں گے تاکہ قریش انہیں قتل کر کے اپنے مقتولوں کا انتقام لے سکیں"۔ قریش کی خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔ حجاجؓ کی بہت آؤبھگت ہوئی۔ انہوں نے مختلف بہانے بناکر اپنا سارا مال قریشی تاجروں سے واپس لے لیا۔ بیوی سے سارا مال یہ کہہ کر لے لیا کہ اس مال سے خیبر جاکر سستا مال تجارت خریدیں گے۔ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ نے یہ سنا تو متفکر ہوئے۔ خود دریافت حال کے لئے حضرت حجاجؓ سے ملے اور کہا "یہ کیا خبر لائے ہو۔" حضرت حجاج نے کہا "ابھی صبر کرو جب میں واپس جانے لگوں تو تنہائی میں ملنا"۔ واپسی کے وقت حضرت عباسؓ ان سے پھر ملے تو انہوں نے کہا "میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں مگر میرے جانے کے تین دن بعد تک کسی سے نہ کہنا۔ وہ بات یہ ہے کہ تمہارے بھتیجے کو خیبر کے بادشاہ کی دختر (حضرت) صفیہؓ سے

شادی کرتے ہوئے چھوڑ آیا ہوں۔ تمام خیبر انہوںؐ نے فتح کرلیا ہے۔ تین دن تک یہ کسی کو نہ بتانا ورنہ لوگ میرا پیچھا کر کے مجھے پکڑ لیں گے۔ اس کے بعد شوق سے کہدینا"۔ تین دن گذرنے کے بعد حضرت عباسؓ سے صحیح حالات مشرکین کو معلوم ہوئے۔ انتہائی ملال کے ساتھ ندامت بھی ہوئی کہ ناحق حجاج کی باتوں میں آکر ان کا مال واپس کردیا۔

☆ ☆

(۱) مشکوۃ شریف جلد سوم صفحہ ۱۷۷

(۲) سلمان منصورپوری 'رحمتہ للعالمین' جلد اول صفحہ ۲۲۰

(۳) قرآن مجید سورۃ البقرۃ ۲۴۹

(۴) صحیح بخاری جلد دوم (کتاب المغازی باب غزوۃ خیبر) صفحہ ۷۰۴

(۵) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۲۶

(۶) یہ ابن اسحاق اور ابن ہشام کی روایت ہے جو شبلی نعمانی اور ابوالکلام آزاد وغیرہ نے قبول کی ہے۔ قاضی سلمان منصور پوری کہتے ہیں کہ ناعم ہی سب سے مضبوط قلعہ تھا۔ یہیں حضرت علیؓ اور مرحب کی مبارزت ہوئی اور حضرت علیؓ کے ہاتھوں یہ قلعہ فتح ہوا شبلی وغیرہ نے یہ مبارزت قلعہ قاموص کے موقع پر بیان کی ہے۔

(۷) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۷۰۵ (کتاب المغازی باب غزوۃ خیبر) بعض سیرت نگاروں نے حضرت عامر بن اکوعؓ کی شہادت قلعہ صعب کے موقع پر بتائی ہے۔

(۸) ایضاً صفحہ ۷۱۱

(۹) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۸۲

(۱۰) حضرت زبیرؓ جب یاسر کے مقابلے کے لئے بڑھے تو ان کی والدہ حضرت صفیہؓ (رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی) نے رسول اللہ ﷺ سے پریشان ہو کر پوچھا "یارسول اللہ (ﷺ) کیا میرا بیٹا مارا جائے گا"۔ آپؐ نے اطمینان دلایا "انشاء اللہ تمہارا بیٹا قتل کرے گا"۔ ایسا ہی ہوا (ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۲۹)

(۱۱) شبلی نعمانی نے ابن اسحاق کی اس روایت کو غلط بتایا ہے اور علامہ سخاوی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ "سب لغو روایتیں ہیں" اسی طرح علامہ ذہبی کا قول کہ "یہ روایت منکر ہے"۔ (شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۸۲) ابن اسحاق اور طبری کا کہنا ہے کہ مرحب کو حضرت محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا (ابن ہشام

سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۲۹ طبری 'تاریخ طبری' حصہ اول صفحہ ۳۵۸)

(۱۲) واقدی کے یہاں مختلف روایت ہے کہ کتیبہ کے قلعوں میں کسی خاص جنگ کی نوبت نہ آئی۔ جب نطاۃ اور شق کے قلعے فتح ہوگئے تو کنانہ بن ربیع نے رسول اکرم ﷺ سے گفت وشنید کرنا چاہی۔ آپؐ راضی ہوگئے تو وہ آپؐ کی خدمت میں آیا اور ان شرائط پر صلح ہوگئی کہ سب یہودیوں کی جان بخشی ہوگی۔ کسی کو غلام نہ بنایا جائے گا۔ وہ علاقہ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ زمینیں اور مال ودولت چھوڑ جائیں گے۔ صرف وہ سامان لے جائیں گے جو ایک شخص اپنی پشت پر لیجاسکے۔ آپؐ نے یہ شرائط قبول کرلیں۔ بعد میں جب یہودیوں نے بٹائی پر کاشت کرنے کی درخواست کی تو وہ بھی قبول فرمائی۔ مغربی مصنفین منٹگمری ویٹ وغیرہ نے بھی یہی روایت اختیار کی ہے۔

(۱۳) اہل خیبر کے ساتھ یہ سلوک اس برتاؤ سے کہیں بہتر تھا جو عیسائیوں نے اہل یہود پر روا رکھا جب وہ فرانس سے ۱۲۵۹ء میں اور انگلستان سے ۱۲۹۰ء میں نکالے گئے (ضیاء الدین کرمانی 'دی لاسٹ میسنجر ود اے لاسٹنگ میسج' (The Last Messenger with a Lasting Message) صفحہ ۱۷۵' ۱۷۶)

(۱۴) محمد حمید اللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۲۶۸

(۱۵) صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۲۱۷' ۲۱۸ (کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ بغیر رداء)

(۱۶) ایک روایت کے مطابق بعد میں حضرت بشر بن براءؓ کی وفات کے بعد قصاص میں یہ عورت قتل کردی گئی۔

(۱۷) فدک کے اموال کے بارے میں حضرت بلالؓ سے ایک روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اخراجات کے لئے اکثر لوگوں سے قرض لیا کرتے تھے۔ ایک بار قرضہ بہت ہوگیا اور ادئیگی کے تقاضے ہونے لگے۔ یہ بہت پریشان ہوئے کیونکہ قرض خواہوں نے انہیں دھمکی دی کہ مقررہ مدت میں قرضہ ادا نہ ہوا تو وہ انہیں غلام بنالیں گے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے جاکر عرض کیا کہ وہ کسی مسلمان قبیلے میں جاکر روپوش ہوجائیں گے۔ جب قرض کی ادائیگی کی سبیل نکل آئیگی تو واپس آجائیں گے۔ علی الصبح جانے والے تھے کہ رسول اکرم ﷺ نے طلب فرمایا اور بتایا کہ چار اونٹ تحائف سے لدے باہر کھڑے ہیں جو فدک کے سرداروں نے بطور ہدیہ پیش کئے تھے۔ حضرت بلالؓ نے فجر کی اذان کے بعد اعلان کیا کہ تمام قرض خواہ اپنے قرضے آکر وصول کرلیں۔ سارا قرضہ فدک کے اس مال سے ادا ہوگیا۔ تقریبا دو دینار کی مالیت کا سامان باقی بچ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اسے بھی خرچ کردو تاکہ مجھے سکون واطمینان ہو۔ حضرت بلالؓ نے ایسا ہی کیا اور آپؐ کو اطلاع دی۔ آپؐ نے اللہ اکبر کہا حمد باری تعالیٰ بجالائے اور فرمایا "مبادا اس حال میں وفات ہوجائے کہ میرے یہاں درہم ودینار موجود ہوں"۔ (ابن جوزی الوفا باحوال المصطفیٰؐ صفحہ ۵۳۴' ۵۳۵)

(۱۸) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۳۳' ۲۳۴ نیز ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۷۹

(۱۹) مارٹن لنگز 'محمد' (Muhammad) صفحہ ۲۶۹ (بحوالہ ترمذی)

(۲۰) ابن کثیر 'سیرۃ النبی' جلد دوم صفحہ ۲۸۵

(۲۱) ابن ہشام 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۲۴۰ تا ۲۴۲

(۲۲) حضرت جعفرؓ ۲۷ سال کی عمر میں حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ اب ۴۰ سال کی عمر میں ۱۳ سال کے بعد رسول اکرم ﷺ سے ملے۔

(۲۳) ابن حزم ظاہری 'جوامع السیر' صفحہ ۲۳۱، ۲۳۲

(۲۴) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۲۸۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھم صلِّ علیٰ محمدٍ و علیٰ آلِ محمدٍ

کما صلّیتَ علیٰ ابراہیمَ و علیٰ آلِ ابراہیمَ

انّک حمیدٌ مجید

اللّٰھم بارِک علیٰ محمدٍ و علیٰ آلِ محمدٍ

کما بارکتَ علیٰ ابراہیمَ و علیٰ آلِ ابراہیمَ

انّک حمیدٌ مجید

مختلف خطوط میں درود شریف ایک منفرد انداز سے ۔ بہ قلم سید نفیس الحسینی

(۱۰۵) حریم محبت

رسول اللہ ﷺ خیبر سے ربیع الاول کے آخر یا صفر کے شروع میں مدینہ واپس آئے۔ اس واپسی کے ساتھ آپؐ کی خانگی زندگی میں کچھ تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ ام المومنین حضرت صفیہؓ آپ کے ہمراہ ہی خیبر سے تشریف لائیں۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان پہلے ہی حبشہ سے حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ پہنچ چکی تھیں۔ ان کے لئے ایک حجرے کا اضافہ بھی ہوگیا تھا۔ حضرت صفیہؓ کے لئے دعوت ولیمہ خیبر سے واپسی کے سفر کے دوران ہوچکی تھی۔ اب مدینہ میں حضرت ام حبیبہؓ کے لئے ولیمے کی دعوت ہوئی۔ یہ ان کے لئے دوسرا ولیمہ تھا۔ ایک ولیمہ شاہ حبشہ نے حبشہ ہی میں کردیا تھا۔ اب ان کی عمر چھتیس سال تھی۔ حضرت عائشہؓ کے علاوہ دوسری امہات المومنین ان سے پہلے ہی مکہ کے زمانے سے متعارف تھیں۔ حضرت زینب بنت جحشؓ ان کی قریبی عزیز بھی تھیں۔

حضرت صفیہؓ سے آپؐ کی موجودہ ازواج واقف نہ تھیں۔ صرف حضرت ام سلمہؓ جو خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھیں انہیں دیکھ چکی تھیں۔ آپؐ خیبر سے واپس تشریف لائے تو حضرت صفیہؓ کو عارضی طور پر حضرت حارثہؓ کے ایک مکان میں ٹھہرادیا۔ حضرت صفیہؓ کی عمر اس وقت سترہ سال کی تھی۔ ان کی اس نو عمری اور جمال کی خبر سب ازواج کو ملی تو حضرت عائشہؓ نے حضرت ام سلمہؓ سے ان کی بابت پوچھا۔ انہوں نے بھی ان کے حسن کی تعریف کی۔ حضرت عائشہؓ خود انہیں دیکھنے کے لئے حضرت حارثہ کے مکان پر گئیں۔ کئی خواتین کی جماعت میں چہرے پر نقاب ڈال کر شریک ہوگئیں اور قریب پہنچ کر انہیں دیکھا تو جو کچھ حضرت ام سلمہؓ نے کہا تھا اس کی تصدیق ہوئی۔ حضرت عائشہؓ یہ نہ چاہتی تھیں کہ انہیں کوئی اس وقت پہچانے لیکن اتفاقاً رسول اللہ ﷺ ادھر آنکلے اور انہیں پہچان لیا۔ جب وہ واپس ہوئیں تو ان کے پیچھے پیچھے آئے۔ پھر تنہائی میں پوچھا "اے عائشہؓ تم نے انہیں کیسا پایا"۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا "وہ دوسری یہودنوں کی طرح ایک یہودن ہیں"(۱)۔ نسلاً یہودی ہونا اور خصوصاً دشمن اسلام حیی بن اخطب کی

دختر ہونا ان کے لئے کبھی کبھی باعث پریشانی ہوتا۔ ایک مرتبہ آبدیدہ ہو کر رسول اکرم ﷺ سے شکایت کی کہ حضرت حفصہؓ نے انہیں اس قسم کا طعنہ دے کر کمتری کا احساس دلایا۔ آپؐ نے انہیں تسکین دی اور فرمایا "تم ان سے کہو میرے باپ ہارونؑ تھے اور چچا موسیٰؑ"۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت صفیہؓ تقریباً ہم عمر تھیں۔ حضرت حفصہؓ جو اب بائیس سال کی ہوچکی تھیں دوسری ازواج کے مقابلے میں عمر کے لحاظ سے ان دونوں سے قریب تر تھیں اس لئے جلد تینوں میں اچھی دوستی ہوگئی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں "ہماری دو جماعتیں تھیں۔ ایک میں میں، حفصہؓ، صفیہؓ اور سودہؓ شامل تھیں اور دوسری جماعت میں ام سلمہؓ اور دوسری ازواج حضرت صفیہؓ کا حجرہ باقی حجروں کے قریب بن گیا تھا۔ صرف حضرت ریحانہؓ اور حضرت ماریہؓ کی جائے قیام دور تھی۔

اپنی تمام ازواج کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا تعلق عدل وانصاف پر مبنی تھا ہر ایک کے ساتھ باری باری شب گزارتے۔ حضرت سودہؓ کی عمر کافی زیادہ ہوگئی تھی۔ انہوں نے اپنی خوشی سے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دیدی تھی جو انہیں اپنی سب سے دیرینہ ساتھی ہونے کے باعث نسبتاً عزیز تر تھیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی جانتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے ساتھ زیادہ قلبی لگاؤ ہے۔ حضرت عائشہؓ آپؐ کے نہایت عزیز دوست کی دختر تھیں۔ آپؐ ان کے بچپن ہی سے ان سے واقف تھے اور انہیں پیار کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ ان کی فراست اور ذہانت کے قائل تھے۔ ازواج میں رشک وحسد فطری چیز تھی۔ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ کی باری کے روز ان کے حجرے میں کچھ تاخیر سے پہنچے۔انہوں نے اس دیر کا سبب پوچھا۔ آپؐ نے بتایا کہ حضرت ام سلمہؓ کے پاس باتوں میں لگ گئے تھے۔حضرت عائشہ بولیں "آپؐ کا دل ابھی تک ام سلمہؓ سے نہیں بھرا"۔ آپؐ نے کچھ جواب نہ دیا اور مسکرا دیئے۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے کہا "یا رسول اللہ (ﷺ) مجھے ایک بات بتایئے کہ اگر آپؐ اپنے مویشیوں کے ساتھ دو چراگاہوں کے درمیان ہوں جن میں ایک چراگاہ محفوظ ہو اور دوسری کا سارا سبزہ جانور کھا چکے ہوں تو آپؐ اپنے جانور کس چراگاہ میں لے جائیں گے"۔ آپؐ نے فرمایا "اس چراگاہ میں جو محفوظ اورزیادہ سرسبز ہو"۔ حضرت عائشہؓ نے کہا "آپؐ نے بالکل درست فرمایا میں آپؐ کی دوسری ازواج کی طرح نہیں ہوں۔ میرے سوا سب کے دوسرے شوہررہ چکے ہیں"۔رسول اللہ ﷺ مسکرادیئے اور کچھ جواب نہ دے سکے(۲)۔

حضرت عمروؓ بن العاصؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا "یارسول اللہ آپؐ کو سب سے زیادہ کون پیارا ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "عائشہؓ" حضرت عمروؓ نے کہا "میں مردوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں" آپؐ نے فرمایا "ان کے والد" (۳)۔ آپؐ کے صحابہ کو احساس تھا کہ آپؐ کی عزیز ترین زوجہ حضرت عائشہؓ ہیں۔ اکثر کوئی ہدیہ آپؐ کی خدمت میں بھیجتے تو حضرت عائشہؓ کی باری کے دن بھیجتے۔ دوسری ازواج کو قدرتاً یہ بات ناگوار تھی۔ سب نے مشورہ کر کے حضرت ام سلمہؓ کو آپؐ کے پاس اس درخواست کے ساتھ بھیجا کہ آپؐ صحابہ میں اعلان فرمادیں کہ جو بھی کوئی ہدیہ دینا چاہے تو کسی خاص زوجہ کی باری کا انتظار نہ کرے۔ آپؐ یہ درخواست سن کر خاموش ہوگئے۔ صحابہ پر اس قسم کی پابندی لگانا کچھ مناسب نہ معلوم ہوا۔ جب حضرت ام سلمہؓ نے دوسری پھر تیسری بار یہ درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا "عائشہؓ کے بارے میں مجھے تنگ نہ کرو ان کے سوا کسی اور کے بستر میں مجھ پر وحی نازل نہ ہوئی" (۴)۔ حضرت ام سلمہؓ نادم ہوئیں اور عہد کیا کہ آئندہ آپؐ کو ایسی تکلیف نہ پہنچائینگی۔

آپؐ کی ازواج جانتی تھیں کہ حضرت فاطمہؓ آپؐ کو بہت عزیز ہیں۔ حضرت زینب بنت جحشؓ نے انہیں بمشکل راضی کیا کہ اس بارے میں وہ اپنے والد محترمؐ سے ان کی سفارش کریں۔ حضرت فاطمہؓ نے بہت جھجکتے ہوئے آپؐ تک یہ درخواست پہنچائی۔ آپؐ نے بڑے پیار سے فرمایا "میری پیاری کیا تم اس سے محبت نہیں کرتیں جس سے مجھے محبت ہے"۔ حضرت فاطمہؓ نے اثبات میں جواب دیا تو آپؐ نے فرمایا "تو پھر تم بھی اس سے محبت کرو"۔ حضرت فاطمہ کی ناکامی کے بعد حضرت زینبؓ خود ہمت کر کے آپؐ کے پاس گئیں۔ آپؐ نے ان سے فرمایا کہ اس بارے میں خود حضرت عائشہؓ سے بات کرلیں۔ حضرت عائشہؓ نے ان سے گفتگو کے دوران اپنے حق میں ایسے دلائل دیئے کہ حضرت زینبؓ لاجواب ہوئیں۔ ویسے حضرت زینبؓ اور حضرت ام سلمہؓ بھی آپؐ کو بہت عزیز تھیں۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے خود حضرت عائشہ نے پوچھا "خالہ جان رسول اللہ ﷺ کو اپنی کس زوجہ سے زیادہ لگاؤ تھا"۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا "میں اس کا خیال کرنے والی نہ تھی۔ آپؐ کی نگاہ میں زینبؓ اور ام سلمہؓ کا ایک مقام تھا۔ اور میرے گمان میں میرے بعد یہی دونوں آپؐ کو بہت محبوب تھیں"۔

مصاف زندگی میں اپنی فولادی سیرت کے باوجود آپؐ شبستان محبت میں ہوتے تو حریرو

پرنیاں' بن جاتے۔ ایک روز حضرت عائشہؓ نے آپؐ سے پوچھا کہ بہشت میں کون کون ازواج آپؐ کے ساتھ ہونگی۔ آپؐ نے فرمایا "تم ان میں سے ہو"۔ آپؐ کی محبت ازواج تک محدود نہ تھی۔ بلکہ کئی طرف تقسیم تھی اپنی بیٹیوں اور ان کی اولاد میں اپنے اعزا حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ میں پھر حضرت زیدؓ اور ان کے بیٹے حضرت اسامہؓ میں۔ آپؐ کو اپنے دو نواسے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بہت عزیز تھے۔ حضرت اسامہؓ کو بھی ایک حد تک آپؐ کے پوتے کی حیثیت حاصل تھی۔ کبھی کبھی آپؐ حضرت حسنؓ اور حضرت اسامہؓ کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے "یااللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر" (۵)۔ یوں بھی بچوں کے ساتھ آپؐ کی شفقت عام تھی۔ جب بھی باہر سے مدینہ واپس آتے تو شہر کے لوگ آپؐ کے استقبال کے لئے بڑھتے۔ ان میں بچے بھی ہوتے۔ آپؐ اکثر دو ایک بچوں کو اپنے اونٹ پر بڑے پیار سے اپنے ساتھ سوار کرلیتے (۶)۔

ایک روز آپؐ کسی حجرے میں تشریف فرما تھے۔ آپؐ کی سب ازواج اور کئی اہل خاندان بھی تھے۔ آپؐ کے دست مبارک میں ایک سلیمانی نگوں کا ہار تھا جو کسی سے ہدیئے کے طور پر ملا تھا۔ ہار دکھا کر آپؐ نے فرمایا "یہ میں اسے دونگا جو مجھے بہت پیارا ہے"۔ آپؐ کی ازواج ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں خیال تھا کہ یہ حضرت عائشہ کو ملے۔ سب منتظر رہیں۔ کچھ وقفے کے بعد آپؐ نے اپنی نواسی حضرت امامہؓ (حضرت زینبؓ اور حضرت ابوالعاصؓ کی دختر) کو بلایا اور ان کے گلے میں ڈال دیا۔ کئی صحابہ سے روایت ہے کہ آپؐ کبھی کبھی نماز پڑھتے وقت حضرت امامہؓ کو اپنے دوش پر بٹھالیتے۔ رکوع اور سجدے کے وقت زمیں پر بٹھادیتے قیام فرماتے تو پھر اٹھالیتے۔

لیکن ان تمام محبتوں کے باوجود قومی مفاد کا سوال ہوتا تو آپؐ ذاتی محبت کو ترجیح نہ دیتے۔ حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے چھالے پڑگئے تھے۔ ایک بار کسی سریئے کے بعد کچھ اسیر آئے۔ تو حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ ایک قیدی کو اپنی خدمت کے لئے اپنے والدؐ محترم سے مانگ لیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئیں مگر اس سوال کی ہمت نہ ہوئی۔ آپؐ نے پوچھا بھی کہ کیا کوئی کام ہے۔ تو شرم سے مدعا نہ کہہ سکیں صرف اتنا کہا کہ سلام کرنے کے لئے حاضر ہوئی تھیں۔ واپس شوہر کے پاس آئیں اور بتایا کہ سوال کرتے ہوئے شرم آئی۔ پھر دوبارہ حضرت علیؓ بھی ان کے ساتھ گئے۔ دونوں نے اپنے حالات بتا کر ایک خادم کی درخواست کی۔ آپؐ

نے فرمایا کہ اصحاب صفہ زیادہ ضرورت مند تھے ان قیدیوں کو فروخت کر کے پہلے ان اصحاب کی ضروریات پوری کرنا تھیں۔ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ واپس گھر آگئے۔ پھر رات کے وقت رسول اللہ ﷺ ان کے پاس گئے۔ دونوں کو پیار سے اپنے قریب بٹھایا اور فرمایا "تم کو غلام کے سوال سے بہتر چیز کی خبر دوں"۔ دونوں نے عرض کیا "ضرور فرمائیں"۔ آپؐ نے بتایا کہ "ہر نماز کے بعد دس دس بار سبحان اللہ' الحمدللہ اور اللہ اکبر پڑھ لیا کرو اور سونے کے لئے لیٹو تو تینتیس بار سبحان اللہ' تینتیس بار الحمدللہ اور چونتیس بار اللہ اکبر کہہ لیا کرو"۔ (۷)۔

اسی طرح قانون کی حرمت کا سوال ہوتا تو آپؐ ذاتیات کی پرواہ نہ کرتے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ کوئی قریشی خاتون چوری کے جرم میں ماخوذ ہوئی۔ لوگوں نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ سے سفارش کریں کہ اس پر حد قائم نہ ہو۔ یہ سوچ کر کہ حضرت اسامہؓ آپؐ کو بہت محبوب ہیں (اسی محبوبیت کے باعث وہ "اسامہ الحب" کہلاتے تھے) سب نے انھیں سفارش کرنے کے لئے چنا۔ جب حضرت اسامہؓ نے اس خاتون کے لئے سفارش کی تو آپؐ نے خطبے میں لوگوں کو مخاطب کیا کہ "تم سے پہلے لوگوں کو صرف اسی امر نے ہلاک کردیا کہ جب ان میں سے شریف چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے تھے۔ واللہ اگر فاطمہ بنت محمدؐ چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹا جاتا" (۸)۔

☆☆

(۱) حضرت عمرؓ کو اپنے عہد خلافت میں حضرت صفیہؓ کی کسی کنیز سے یہ شکایت پہنچی کہ حضرت صفیہؓ سبت کا احترام کرتی ہیں اور یہودیوں کا خیال کرتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس بارے میں حضرت صفیہؓ سے دریافت کروایا تو انھوں نے جواب دیا "جب سے خدا نے مجھے جمعہ عطا فرمایا سبت کو میں نے کبھی پسند نہ کیا رہے یہودی تو ان میں سے بعض سے میری قرابت ہے انہیں ضرور دیتی رہتی ہوں" (سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلد دوم صفحہ ۱۷۹)

(۲) ابن سعد 'طبقات' حصہ ہشتم صفحہ ۱۰۷' ۱۰۸

(۳) ایضاً صفحہ ۹۲

(۴) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۵۰۳ (کتاب الانبیاء باب فضل عائشہؓ)

(۵) ایضاً صفحہ ۴۹۱ (کتاب الانبیاء باب ذکر اسامہ بن زیدؓ)

(۶) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۴۳۳۔

(۷) ابن سعد 'طبقات' حصہ ہشتم صفحہ ۴۳ حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ وہ ہمیشہ یہ کلمات پڑھتے رہے حتیٰ کہ جنگ صفین کی شب کو بھی انہیں نہ چھوڑا۔

(۸) ایضاً حصہ چہارم صفحہ ۲۲۵۔ نیز صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۴۹۱ (کتاب الانبیاء باب ذکر اسامہ بن زیدؓ)

(۱۰۶) عمرۃ القضا

خیبر سے واپسی کے بعد رسول اکرم ﷺ کا قیام ذیقعدہ تک مدینہ ہی میں رہا اس دوران آپؐ نے کئی سرایا شرپسند قبائل کے انتباہ اور سرزنش کے لئے روانہ فرمائے سب سے پہلے خیبر جاتے وقت ہی حضرت ابان بن سعیدؓ کی سرکردگی میں ایک فوجی دستہ نجد کی طرف ان قبائل کو مرعوب کرنے کے لئے بھیجا جو لوٹ مار کرنے کے عادی تھے۔ ڈر تھا کہ خیبر کی طرف مسلم لشکر کی روانگی کی خبر سن کر مدینہ کا رخ کریں۔ حضرت ابانؓ اپنا فرض ادا کر کے خیبر ہی میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ انہی کے نام پر یہ مہم سریہ ابان بن سعید کہلاتی ہے۔

دوسرا سریہ کدید تھا جو بنی ملوح کے خلاف بھیجا گیا جنہوں نے حضرت بشر بن سویدؓ کے ساتھیوں کو قتل کردیا تھا۔ یہ انتقامی کارروائی حضرت غالب بن عبداللہؓ کے سپرد تھی۔ انہوں نے چھاپہ مار کر بنی ملوح کے کئی افراد کو قتل کیا اور ان کے مویشی ہانک لائے۔ جب واپس ہورہے تھے تو دشمن نے ایک کثیر جماعت کے ساتھ ان کا تعاقب کیا لیکن راستے میں طوفانی بارش سے ایک پہاڑی نالے میں سیلاب آگیا۔ اور مخالف جماعت مسلمانوں تک نہ پہنچ سکی۔ سلیمان منصور پوری نے اس سریئے کی تاریخ صفر ۷ ھ بتائی ہے۔ بعض سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ ربیع الاول میں واقع ہوا۔ لیکن ابن سعد اس کا وقوع عمرۃ القضا کے بعد ماہ صفر ۸ ھ میں بتاتے ہیں (یہی منٹگمری ویٹ کا خیال ہے)

مکہ سے دو منزل کے فاصلے پر تربہ واقع تھا۔ یہاں کے لوگ بنی غطفان کے حلیف تھے اور مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ تھے۔ حضرت عمرؓ تیس مجاہدین کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے گئے دشمن نے خبر پاتے ہی راہ فرار اختیار کی اور کوئی مقابلہ نہ ہوا۔ یہ سریہ تربہ تھا جو شعبان ۷ھ میں واقع ہوا۔

اسی طرح بنی کلاب بنی محارب وغیرہ سے مل کر مسلمانوں کے خلاف منصوبے بنارہے تھے۔ ان کی سرکوبی کے لئے اسی ماہ حضرت ابوبکرؓ کے زیر کمان ایک جماعت نجد کی طرف گئی۔

معمولی جنگ ہوئی متعدد دشمن مارے گئے۔ چند اسیر ہوئے۔ باقی بھاگ کر روپوش ہوگئے۔ یہ سریہ بنی کلاب کہلایا۔

شعبان ہی میں تیس افراد کی ایک جماعت بنی مرّہ کی تادیب کے لئے حضرت بشیر بن سعدؓ کی قیادت میں فدک کی طرف روانہ کی گئی۔ فدک کے ان یہودی کاشتکاروں کی حفاظت منظور تھی جو اب رسول اللہ ﷺ کی رعایا تھے۔ شروع میں مسلمانوں کو کچھ کامیابی ہوئی مگر بنی مرہ نے ایک جوابی حملہ کر کے بہت سے مسلمانوں کو شہید کردیا۔ ایک روایت کے مطابق سوائے حضرت بشیرؓ کے کوئی نہ بچا۔ انہوں نے زخمی ہو کر فدک کے ایک یہودی کے یہاں پناہ لی۔ بعد میں مدینہ واپس آگئے۔

اگلے ماہ رمضان میں بنی مرہ کے خلاف انتقامی کارروائی کے لئے حضرت غالب بن عبداللہؓ دو سو مجاہدین کے ساتھ گئے۔ سخت حملہ کر کے دشمنوں کو کافی جانی نقصان پہنچایا اور بہت سے مویشی اپنے قبضے میں کرلئے۔

اسی ماہ (رمضان ۷ ھ) سریہ میفعہ واقع ہوا۔ ایک سو تیس مجاہدین حضرت غالب بن عبداللہؓ کی سربراہی میں بنی ثعلبہ اور بنی عوال کے خلاف بھیجے گئے۔ یہاں بھی دشمن کو بڑا جانی نقصان پہنچا۔ اور بہت سے مویشی مجاہدین کے ہاتھ آئے۔ ابن سعد کا کہنا ہے کہ اسی سریئے میں حضرت اسامہ بن زیدؓ نے ایک ایسے شخص کو قتل کردیا جس نے قتل سے پہلے لاالہ الااللہ کہدیا تھا۔ یہ واپس مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ یہ سن کر برہم ہوئے اور پوچھا کہ ایسا کیوں کیا۔ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا کہ یہ کلمہ اس نے صرف اپنی جان بچانے کے لئے کہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا "تم نے اس کا قلب چیر کر دیکھا کہ معلوم کرلیتے کہ وہ صادق ہے یا کاذب"۔ حضرت اسامہؓ بہت نادم ہوئے۔ عہد کیا کہ "آئندہ کسی ایسے شخص سے جنگ نہ کروں گا جو لاالہ الااللہ کی شہادت دے" (۱)۔ ان سے یہ قول بھی منسوب ہے کہ "کاش میں اسی دن اسلام لایا ہوتا"۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا ان کے ذہن میں تھا کہ اسلام میں داخل ہوتے ہی آدمی کے پچھلے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ قاضی سلمان منصور پوری نے حضرت اسامہؓ کا یہ واقعہ سریہ خربہ میں بتایا ہے جو حضرت اسامہؓ کی قیادت میں رمضان ہی کے ماہ میں واقع ہوا (۲)۔

ان دنوں کی آخری مہم سریہ یمن وجبار تھی جو شوال ۷ ھ میں واقع ہوا۔ رسول اللہ

ﷺ کو اطلاع ملی کہ غطفان کی ایک جماعت الجناب میں عیینہ بن حصن کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے جمع ہورہی ہے۔ آپؐ نے حضرت بشیر بن سعدؓ انصاری کو تین سو مجاہدین کے ساتھ اس جماعت کو منتشر کرنے کے لئے روانہ فرمایا یہ مجاہدین رات کو سفر کرتے اور دن کو پوشیدہ رہتے۔ اس طرح اچانک یمن اور جبار کے علاقے میں پہنچ گئے۔ مجاہدین کو دیکھ کر یہاں کے چرواہے بھاگے اور کفار کی جماعت کو اطلاع دی۔ یہ جماعت منتشر ہو کر بھاگ کھڑی ہوئی اور پہاڑیوں میں روپوش ہوگئی۔ ان کے گھروں میں صرف دو آدمی ملے۔ حضرت بشیرؓ انہیں قید کر کے مدینہ لے آئے۔ بہت سے جانور بھی ہاتھ آئے۔ دونوں قیدیوں نے مدینہ آکر اسلام قبول کرلیا۔ رسول اکرم ﷺ نے انہیں آزاد کر کے واپس بھیج دیا۔

ابن کثیر نے ایک اور مہم سریہ ابی حدرد کا ذکر کیا ہے۔ حضرت ابی حدردؓ نے شادی کی تو انہیں مہر کی ادئیگی کے لئے دو سو درہم کی ضرورت ہوئی۔ رسول اکرم ﷺ سے مدد چاہی۔ آپؐ کے پاس اس وقت کچھ نہ تھا۔ حضرت ابی حدردؓ ابھی مدینہ میں ہی مقیم تھے کہ یہ اطلاع آئی کہ غابہ کے مقام پر نبی جشم بن معاویہ کا ایک شخص رفاعہ بن قیس (یاقیس بن رفاعہ) اپنی قوم کے ساتھ نبی قیس کے قبیلے والوں کو جمع کررہا ہے کہ مدینہ کے اطراف پر حملہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی حدردؓ کو حالات معلوم کرنے کے لئے دو افراد کے ساتھ روانہ فرمایا۔ یہ تینوں مغرب کے وقت اس آبادی کے قریب پہنچے۔ ایک طرف حضرت ابی حدردؓ خود چھپ گئے اور دوسری طرف دونوں ساتھیوں کو چھپادیا۔ اتفاقاً آدھی رات کے بعد رفاعہ بن قیس کسی چرواہے کی تلاش میں نکلا۔ حضرت ابی حدردؓ کے قریب سے گزرا تو انہوں نے ایسا تیر مارا کہ اس کے دل پر لگا۔ انہوں نے اس کا سر قلم کیا اور نعرہ تکبیر بلند کیا دونوں ساتھیوں نے بھی نعرہ لگایا۔ گاؤں والوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ یہ تینوں حضرات کافی تعداد میں اونٹ اور بکریاں لے کر مدینہ آگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی حدردؓ کو تیرہ اونٹ عطا کئے کہ مہر ادا کرسکیں (۳)۔

صلح حدیبیہ کو تقریباً ایک سال ہوگیا تھا جس کے مطابق اب مسلمان مکہ جا کر عمرہ ادا کرسکتے تھے۔ ذیقعدہ شروع ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ لوگ عمرے کے سفر کے لئے تیار ہوجائیں۔ اور جو اصحاب حدیبیہ میں شامل تھے ان میں سے کوئی رہ نہ جائے۔ تقریباً دو ہزار صحابہ تیار ہوگئے۔ ان میں خواتین اور بچے بھی تھے۔ آپؐ کے حکم کے مطابق وہ تمام حضرات شامل

تھے جو حدیبیہ میں شریک تھے سوائے ان چند کے جو اس دوران وفات پاچکے تھے۔ مدینہ کا انتظام حضرت ابورھم غفاریؓ کے سپرد ہوا اور حاجیوں کا یہ قافلہ ذی قعدہ ۷ھ کے شروع میں مکہ کے لئے روانہ ہوا۔ ذوالحلیفہ پہنچے تو سب نے احرام زیب تن کئے۔ یہاں سے چلتے وقت رسول اکرم ﷺ نے تلبیہ (اللّٰھم لبیک) پڑھی۔ تمام صحابہ نے تقلید کی۔ سب کے دل جوش عقیدت سے لبریز تھے۔ مہاجرین کو مدت سے چھوٹے ہوئے وطن کے نظارے یاد آرہے تھے کہ ایک بار پھر ان گھروں کو دیکھیں گے جہاں پلے بڑھے تھے۔ حضرت محمد بن مسلمہ سو یا دو سو گھوڑوں کے رسالے کے ساتھ پہلے مرالظہران پہنچ گئے۔ قریش نے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ انشاء اللہ اگلے روز رسول اللہ ﷺ بھی پہنچ جائیں گے۔ قریش نے اسلحہ کا ذخیرہ دیکھا تو متفکر ہوئے۔ ان کا ایک وفد مرالظہران میں رسول اللہ ﷺ سے ملا۔ آپؐ نے اطمینان دلایا کہ سوائے تلواروں کے جو نیام میں رہیں گی مسلمانوں کے پاس کچھ نہ ہوگا۔ تمام اسلحہ وادی یا جج بھجوادیا اور حضرت اوس بن خولیؓ کو سو یا دو سو افراد کی جماعت کے ساتھ اس کی حفاظت پر مامور فرمایا۔ یہ مقام مکہ سے تقریباً بارہ کلومیٹر شمال میں تھا۔

اہل مکہ شہر خالی کر کے قریب کی پہاڑیوں میں چلے گئے۔ قریش کے سردار جبل ابو قبیس پر خیمہ زن تھے۔ نیچے نظر دوڑائی تو عازمین عمرہ کی لمبی قطار سفید احرام میں ملبوس تلبیہ پڑھتی ہوئی شمالی مغربی درے سے گذرتی دکھائی دی۔ یہ ایک بڑا پر اثر منظر تھا رسول اکرم ﷺ قصوی پر سوار تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ مہار تھامے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ زبان پر یہ رجزیہ اشعار تھے۔

"خلو بنی الکفار عن سبیله — الیوم نضر بکم علی تنزیله

ضربا یزیل الھام عن مقیله — ویذھل الخلیل عن خلیله"

(کافروں کی اولاد سامنے سے ہٹ جاؤ۔ آج تم نے اترنے سے روکا تو ہم تلوار کا وار کرینگے وہ وار جو سر کو خواب گاہ سر سے الگ کردے۔ اور دوست کے دل سے دوست کی یاد بھلادے) (۴)

طواف کے دوران رسول اللہ ﷺ نے اپنی چھڑی سے سنگ اسود کو مس کیا۔ صحابہ کو حکم دیا کہ پہلے طواف میں اکڑکر اصطباغ کے ساتھ (یعنی داہنا بازو احرام سے باہر نکال کر) تیزی سے چلیں تاکہ مشرکین پر رعب پڑے اور وہ یہ نہ سمجھیں کہ مسلمانوں کو مدینہ کی آب وہوا نے

کمزور کردیا ہے (اکثر مشرکین کا یہی گمان تھا) طواف سے فارغ ہو کر سب نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کے سات چکر پورے کئے۔ مروہ کے قریب قربانی کے جانور حضرت ناجیہ بن جندبؓ کی نگرانی میں موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک اونٹ ذبح کیا۔ باقی تمام اصحاب نے قربانی کی۔ حضرت خراشؓ نے آپؐ کے سر کا حلق کیا۔ اسی طرح سب صحابہ حلق یا قصر سے فارغ ہوئے۔ اور سب نے عمرے کے تمام ارکان پورے کئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک جماعت یاجج روانہ فرمائی کہ وہاں اسلحہ کی نگرانی کرے تاکہ وہ حضرات جواب تک اس نگرانی پر مامور تھے آکر عمرہ ادا کرسکیں۔

عمرہ ادا کر کے رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ خانہ کعبہ میں داخل ہوں۔ کلید کعبہ مشرکین سے طلب کی تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ یہ شرط صلح حدیبیہ میں شامل نہ تھی اور نہ ارکان عمرہ میں ہے۔ لیکن جب ظہر کا وقت ہوا تو آپؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں۔ اذان کی پر اثر آواز ساری وادی مکہ میں پھیل گئی۔ پہاڑیوں کی چوٹیوں سے قریش کے عوام نے حضرت بلالؓ کو پہچان لیا۔ یہ اب تک ان کے نزدیک وہی سیاہ فام حبشی غلام تھے جنہیں کبھی کفار زنجیروں میں جکڑ کر مکہ کی گلیوں میں کھینچا کرتے تھے اور گرم تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیا کرتے تھے۔ آج وہی ظالم بام کعبہ پر ان کی یہ شان دیکھ کر کف افسوس مل رہے تھے کہ صلح حدیبیہ دراصل ان کی شکست اور مسلمانوں کی فتح تھی۔ کہتے ہیں کہ یہ اذان سن کر عکرمہ بن ابوجہل نے کہا "اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ابوالحکم (ابوجہل) کو یہ شرف بخشا کہ انہوں نے اس غلام کی یہ آواز نہ سنی"۔ اسی طرح صفوان بن امیہ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کا باپ امیہ یہ سننے کے لئے آج زندہ نہ تھا (۵)۔ دو سال کے بعد اس سے کہیں بڑھ کر کچھ ہونے والا تھا۔ اس سے یہ غریب قطعی بے خبر تھے۔

مکہ میں مسلمانوں کا قیام تین دن رہا۔ اس دوران جو اصحاب مکہ میں پوشیدہ طور پر مسلمان ہو چکے تھے رسول اللہ ﷺ کا نیاز حاصل کرتے رہے اور اپنے اعزا سے ملتے رہے۔ حضرت عباسؓ بھی آپؐ کے پاس برابر آتے جاتے رہے۔ اس قیام کے دوران آپؐ نے حضرت میمونہؓ بنت حارث سے (جو اب بیوہ ہوچکی تھیں) شادی کی۔ آپؐ نے حضرت جعفرؓ بن ابوطالبؓ کے ذریعے پہلے ہی نکاح کا پیغام انہیں بھجوایا۔ کہتے ہیں کہ جب یہ پیغام حضرت میمونہؓ کو ملا تو وہ ایک اونٹ پر سوار تھیں پیام سن کر فرمایا "سواری اور سوار سب کچھ رسول اللہ (ﷺ) کا ہے" (٦)۔ انہوں نے اپنی

شادی کا معاملہ اپنی ہمشیر حضرت ام فضلؓ (زوجہ حضرت عباسؓ) کے سپرد کر دیا۔ یہ اعلانیہ طور پر مسلمان تھیں۔ اپنے شوہر کو اختیار دیا کہ شادی کر دیں۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے یہ شادی کر دی۔ اس شادی سے خلاف امید دشمنوں سے ایک نیا رشتہ قائم ہوگیا۔ حضرت میمونہؓ کی (والد کی طرف سے) ایک سوتیلی بہن لبابہ صغری (عصما) مشہور مخزومی سردار ولید کی بیوہ اور خالد بن ولید کی والدہ تھیں۔ اس رشتے سے خالد بن ولید رسول اللہ ﷺ کے بھانجے ہوگئے۔

تین دن گذر گئے تو مشرکین کی طرف سے حویطب بن عبدالعزی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور تقاضا کیا شرائط صلح کے بموجب آپؐ مکہ سے واپس ہوں۔ آپؐ نے فرمایا "میں اپنی شادی کی دعوت ولیمہ کرنا چاہتا ہوں جس میں آپ سب کو مدعو کروں"۔ لیکن مشرکین اس پر راضی نہ ہوئے اور مصر ہوئے کہ مسلمان اب مکہ خالی کر دیں۔ چنانچہ آپؐ نے سب کو روانگی کی تیاری کا حکم دیا۔

واپسی کے وقت حضرت حمزہؓ کی کمسن دختر حضرت عمارہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس "چچا چچا" (۷) کہتی ہوئی آئیں۔ حضرت علیؓ نے بڑھ کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور انہیں حضرت فاطمہؓ کے سپرد کر دیا۔ حضرت علیؓ یہ نہ چاہتے تھے کہ ان کی بھتیجی مشرکین کے ساتھ رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی حضرت عمارہؓ کو اپنے ہمراہ مدینہ لے جانے پر اعتراض نہ کیا۔ اس موقع پر حضرت علیؓ حضرت جعفرؓ اور حضرت زیدؓ میں یہ نزاع کھڑا ہوا کہ حضرت عمارہؓ کس کی کفالت میں رہیں۔ تینوں نے اپنے حق جتائے۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ "میری بھتیجی ہے سب سے پہلے میں نے اسے ساتھ لیجانے کا ارادہ کیا اور سب سے پہلے اس کا ہاتھ تھاما"۔ حضرت جعفرؓ کا کہنا تھا "یہ میری بھتیجی ہے اور ساتھ ہی میرے زوجہ اسماءؓ اس کی خالہ بھی ہیں"۔ حضرت زیدؓ نے کہا کہ "حضرت حمزہؓ کے ساتھ ان کی اخوت قائم ہوئی تھی لہذا وہی ان کے وارث ہوئے"۔ رسول اللہ ﷺ نے تینوں کی تعریف کی پھر حضرت عمارہؓ کو حضرت اسماءؓ (زوجہ حضرت جعفرؓ) کے سپرد کر دیا اور فرمایا "خالہ ماں کی جگہ ہوتی ہے"۔ اس پر حضرت جعفرؓ نے بڑی خوشی کا اظہار کیا (۸)۔

حاجیوں کا قافلہ مکہ سے رخصت ہو کر سرف کے مقام پر ٹھہرا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت رافعؓ کو پیچھے چھوڑ دیا تھا کہ حضرت میمونہؓ کو لے کر سرف پہنچ جائیں۔ حضرت میمونہؓ یہیں آگئیں اور رسول اکرم ﷺ کے ساتھ مقیم ہوئیں (۹)۔ یہاں سے دوسرے دن حجاج کا قافلہ پھر

آگے روانہ ہوا اور ذوالحجہ کے شروع میں خیر وخوبی مدینہ واپس پہنچا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کا وہ خواب جو آپؐ نے گذشتہ سال دیکھا تھا حرف بحرف پورا ہوا:

"بے شک خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو سچا (اور) صحیح خواب دکھایا کہ تم خدا نے چاہا تو مسجد حرام میں اپنے سر منڈوا کر اور اپنے بال کتروا کر امن وامان سے داخل ہوگے اور کسی طرح کا خوف نہ کرو گے" (الفتح ۲۷)

عمرہ قضا (۱۰) کا ایک اور نہایت خوشگوار نتیجہ یہ ہوا کہ چند بڑے عالی ہمت قریشوں نے جلد اسلام قبول کرلیا۔ اس عمرے کے وقت خالد بن ولید اور عمروبن العاص کے دلوں نے یہ منظر دیکھنا قبول نہ کیا اور پہلے ہی شہر چھوڑ کر دور نکل گئے۔ اس منظر نے عکرمہ اور صفوان کے دلوں میں نفرت کی آگ کو اور ہوا دی لیکن خالد پر مسلمانوں کی اس کامیابی کا مختلف اثر ہوا۔ ان کے مرحوم بھائی ولید بن ولید کا خط بھی انہیں ملا تھا جس میں اسلام کی دعوت کے ساتھ یہ بھی لکھا تھا "میرے بھائی ذرا غور کر تو اپنے ہاتھوں سے کس اعلیٰ چیز کو کھورہا ہے"۔ (ملاحظہ ہو گذشتہ باب ۱۰۲)۔ حضرت میمونہؓ کے ام المومنین ہونے کے بعد اب یہ رسول اللہ ﷺ کے بھانجے بھی ہوگئے تھے۔ اور کچھ ہی عرصہ پہلے ان کی والدہ حضرت عصما بھی مسلمان ہوچکی تھیں۔ جنگ احزاب کے بعد انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ مسلمانوں کو زیر کرنا ممکن نہیں۔ عمرۃ القضا کے بعد یقین ہوگیا کہ فتح اسلام کی قسمت ہے آخر طے کرلیا کہ مدینہ جاکر رسول اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کریں۔ چاہتے تھے کہ کوئی اور ساتھی مل جائے تو اچھا ہو۔ عکرمہ اور صفوان سے اچھی دوستی تھی۔ ان سے گفتگو کی تو دونوں شدید مخالف ثابت ہوئے۔ تنہا جانے کا ارادہ کر کے گھر سے نکلے تو ایک اور عزیز دوست عثمان بن طلحہ سے ملاقات ہوئی یہ وہی بزرگ تھے جنہوں نے حضرت ام سلمہؓ کو مکہ سے قبا تک پہنچایا تھا (ملاحظہ ہو گذشتہ باب ۵۴) ان سے گفتگو ہوئی تو اپنا ہمنوا پایا۔ بہت خوش ہوئے۔ ان کی خاطر ایک دن ٹھہرگئے کہ وہ سفر کی تیاری کرلیں۔ دوسرے دن دونوں مدینہ کے لئے روانہ ہوئے۔

ادھر عمرو بن العاص اسلام سے فی الحال متنفر ضرور تھے لیکن نہایت دور اندیش انسان تھے حالات کا صحیح اندازہ ہوگیا کہ ایک نہ ایک دن اسلام مکہ میں مظفر ومنصور ہو کر آئے گا۔ اس ڈر

سے حبشہ میں جاکر بس جانے کا ارادہ کیا۔ ایک بار جب وہ مسلمان مہاجرین حبشہ کو واپس لانے کے لئے قریش کے نمائندے کی حیثیت سے نجاشی سے ملے تھے تو اس نے انہیں بہت مایوس کیا تھا۔ لیکن اپنی موقع شناسی اور دوسری صلاحیتوں کی بنا پر اس سے جلد اچھے تعلقات قائم کر لئے تھے۔ اپنی اسلام دشمنی کے باعث رسول اللہ ﷺ کے سامنے سرنگوں ہونے سے نجاشی شاہ حبشہ کی اطاعت کو بہتر سمجھا۔ چنانچہ اپنے قبیلہ سہم کے چند ہم خیال نوجوانوں کے ساتھ حبشہ چلے گئے۔ وہاں نجاشی کی خدمت میں اعلیٰ تحائف پیش کئے اور اس کا قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ ایک دن نجاشی سے گفتگو کے دوران رسول اللہ ﷺ کی شان میں کچھ گستاخانہ الفاظ کہہ بیٹھے۔ بادشاہ سخت برھم ہوا۔ یہ بڑے پریشان ہوئے اور پوچھا "اے بادشاہ کیا آپ انؐ کو مانتے ہیں"۔ انہیں بڑی حیرت ہوئی جب بادشاہ نے کہا "بے شک میں شہادت دیتا ہوں کہ وہؐ خدا کے سچے نبی ہیں۔ تمہیں چاہئے کہ انؐ کی پیروی اختیار کرو" یہ سن کر ان کی دور رس نگاہیں صحیح راستہ پاگئیں۔ بادشاہ کی رائے پر عمل کیا اور عرب کے ساحل پر پہنچے۔ یہاں سے شمال کی طرف مدینہ کا راستہ اختیار کیا۔ حسن اتفاق کہ راستے میں خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ بھی مل گئے۔ پھر یہ تینوں ایک ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں باریاب ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ ابھی عمرے سے واپس ہوئے آپؐ کو تقریباً سات ہفتے گذرے تھے۔ یہ صفر ۸ ھ کی پہلی تاریخ تھی۔

حضرت عمرو بن العاصؓ کے بھائی حضرت ہشامؓ جنگ خندق کے بعد ہی مدینہ آچکے تھے۔ ان کے بعد ان کے نو عمر بھتیجے حضرت عبداللہ بن عمرو بھی آگئے تھے۔ یہ دونوں اکثر حضرت عمرو کے لئے دعا کرتے تھے کہ اسلام سے مشرف ہوں۔ آج انہیں یہ خوشی میسر آئی۔ تینوں بہت مسرور تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کا کہنا ہے کہ "جب رسول اللہ ﷺ نے میرے سلام کا جواب دیا تو آپؐ کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا"۔ ان کے بیعت کرنے پر آپؐ نے فرمایا "الحمدللہ کہ اس نے تمہیں صحیح راستے کی ہدایت دی۔ میں شروع ہی سے تم میں ایسی ذہانت اور ذکاوت دیکھ رہا تھا جس سے امید تھی کہ تمہارا انجام سوائے بھلائی کے کچھ اور نہ ہوگا"۔ حضرت خالدؓ کو اپنی گذشتہ مخالفت اسلام پر بڑی ندامت تھی عرض کیا "اللہ سے میرے لئے دعا کیجئے کہ مجھے معاف کردے"۔ آپؐ نے فرمایا "اسلام تمام پچھلے گناہوں کے داغ دھودیتا ہے" (۱۱)۔ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ اسلام کے مشہور سپہ سالار (فاتح شام اور فاتح مصر) ثابت ہوئے۔ فلپ ہٹی

کہتا ہے "خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ کی فتوحات جو عراق شام اور مصر میں واقع ہوئیں عسکری تاریخ میں اعلیٰ ترین کارناموں میں شمار ہوتی ہیں جو مقابلتاً نپولین' اور سکندر کے کارناموں سے بڑھ کر تھیں" (۱۲)۔

انہی دنوں دو اور حضرات مشرف بہ اسلام ہوئے۔ پہلے حضرت عقیل بن ابو طالبؓ (رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی) تھے جو بدر میں مسلمانوں کے خلاف لڑنے آئے تھے اور اسیر ہوئے تھے۔ حضرت عباسؓ نے انکا فدیہ ادا کیا تھا۔ یہ جب رسول اکرم ﷺ سے ملے تو آپؐ نے فرمایا "تمہارے لئے میرے دل میں دہری محبت ہے۔ پہلی اس رشتے کے باعث جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ اور دوسری اس پیار کی بنا پر جو میرے عزیز چچا کے دل میں تمہارے لئے تھا" (۱۳)۔ دوسرے مسلمان ہونے والے حضرت جبیرؓ بن مطعم تھے۔ یہ اسی وقت سے اسلام سے متاثر تھے جب جنگ بدر کے بعد اپنے چچا اور دوسرے اعزا کا فدیہ لے کر انہیں چھڑانے کے لئے مدینہ آئے تھے اور مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق دیکھے تھے۔ (ملاحظہ ہو گذشتہ باب ۷۵)

☆☆

(۱) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۴۱۴

(۲) سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلد دوم صفحہ ۱۹۷

(۳) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۹۷' ۲۹۸

(۴) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۹۰ ایک روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے حرم کے اندر ان کی اس شعر خوانی پر اعتراض کیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے عمرؓ رہنے دو مشرکین کے لئے یہ تیر کی دھار سے تیز تر ہیں"۔ (صفی الرحمن مبارکپوری 'الرحیق المختوم' صفحہ ۵۲۳)۔دوسری روایت ہے کہ آپؐ نے حضرت عمرؓ کے اعتراض کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سے فرمایا "یوں کہو لاالہ الااللہ وحدہ نصر عبدہ اعزہ جندہ وحزم الاحزاب وحدہ (ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے اپنے بندے (رسالت مآب ﷺ) کی نصرت فرمائی۔ اس کے لشکر کو عزت بخشی اور غزوہ خندق میں عرب فوجوں کو شرمسار کر کے ناکام واپس فرمایا) (محمد حسین ہیکل 'حیات محمدؐ' صفحہ ۳۹۹)

(۵) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۳۰۸

(۶) ایضاً صفحہ ۳۰۸ یہ رسول اکرمؐ کی آخری شادی تھی۔ ازواج مطہرات کی تفصیل اگلے صفحہ پر ملاحظہ

فرمائیں۔

(۷) حقیقتاً رسول اللہ ﷺ ان کے چچا نہ تھے۔ بزرگ ہونے کی بنا پر انہوں نے "چچا چچا" کہا۔

(۸) کچھ عرصہ بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمارہؓ کی شادی اپنے سوتیلے بیٹے سلمہ سے کردی جنہوں نے اپنی والدہ حضرت ام سلمہؓ کو آپؐ کے نکاح میں دیا تھا۔ اس بناء پر حضرت عمارہؓ کی اس شادی کے موقع پر آپؐ نے فرمایا "میں نے سلمہؓ کو پورا بدلہ دیدیا کہ نہیں"۔

(۹) یہیں انؓ کی شب زفاف گزری اور عجب حسن اتفاق ہے کہ تقریباً نصف صدی کے بعد یہیں وفات پائی۔

(۱۰) عربی میں "قضا" مصالحت کو بھی کہتے ہیں۔ یہ عمرہ صلح کی بنا پر ہوا تھا اس لئے "عمرۃ القضا" کہلایا اسے عمرۂ صلح بھی کہا گیا ہے۔

(۱۱) ابن سعد 'طبقات' حصہ چہارم صفحہ ۳۸۴

(۱۲) فلپ ہٹی دی عربس (The Arabs) صفحہ ۵۷

(۱۳) ابن سعد 'طبقات' حصہ چہارم صفحہ ۲۰۰۔ حضرت عقیلؓ ابوطالب کو اپنے فرزندوں میں بہت پیارے تھے۔

ازواج مطہرات

نمبر	نام مبارک و قبیلہ	تاریخ نکاح	عمر بوقت نکاح	عمر نبیؐ بوقت نکاح	تاریخ وفات ازواجؓ	مرویات احادیث
۱)	حضرت خدیجۃ اکبریؓ۔ بنو اسد	۲۵ میلاد النبی	۴۰ سال	۲۵ سال	۱۰ نبوی	-
۲)	حضرت سودہؓ۔ بنو عامر	۱۰ نبوی	۵۰ سال	۵۰ سال	۱۹ھ	۵
۳)	حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ بنو تیم	۱۱ نبوی نکاح ۱ھ رخصتی	۱۶سال ۱۹سال	۵۱ سال ۵۴ سال	۵۷ھ	۲۲۱۰
۴)	حضرت حفصہؓ بنو عدی	۳ھ	۲۳ سال	۵۵ سال	۴۱ھ	۶۰
۵)	حضرت زینب بنت خزیمہ بنی عامر	۳ھ	۳۰ سال	۵۵ سال	۳ھ	-
۶)	حضرت ام سلمہؓ۔ بنی مخزوم	۴ھ	۲۴ سال	۵۶ سال	۶۰ھ	۳۷۸
۷)	حضرت زینب بنت جحشؓ۔ بنو اسد	۵ھ	۳۶ سال	۵۷ سال	۲۰ھ	۱۱
۸)	حضرت جویریہؓ۔ بنو المصطلق	۵ھ	۲۰ سال	۵۷ سال	۵۶ھ	۷
۹)	حضرت ام حبیبہؓ۔ بنو امیہ	۶ھ	۳۶ سال	۵۸ سال	۴۴ھ	۶۵
۱۰)	حضرت ریحانہؓ۔ بنو قریظہ	۶ھ	-	۵۸ سال	۱۰ھ	-
۱۱)	حضرت صفیہؓ بنو نضیر	۷ھ	۱۷ سال	۵۹ سال	۵۰ھ	۱۰
۱۲)	حضرت ماریہؓ قبطی	۷ھ	-	۵۹ سال	۱۶ھ	-
۱۳)	حضرت میمونہؓ بنو عامر	۷ھ	۳۶سال	۵۹ سال	۵۱ھ	۷۴

نوٹ: حضرت ریحانہؓ اور حضرت ماریہؓ کے متعلق اختلاف ہے آیا ازواج تھیں یا کنیزیں۔

(۱۰۷) سریہ موتہ اور دوسرے سرایا

ذوالحجہ ۷ ھ میں عمرے سے فارغ ہو کر کافی عرصہ رسول اللہ ﷺ کا قیام مدینہ میں رہا۔ ۸ ھ میں کئی سرایا عمل میں آئے۔ جن میں سریہ موتہ مشہور ہے۔ اس سریئے سے قبل ارباب سیر نے کئی چھوٹے سرایا کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے پہلا سریہ عمرے سے واپسی کے فوراً بعد ذوالحجہ ۷ ھ ہی میں بنو سلیم کے خلاف حضرت ابن ابی العوجاؓ کی قیادت میں واقع ہوا۔ ان کے ساتھ پچاس مجاہدین پاپیادہ تھے۔ یہ سریہ دشمن کی سرحد پر مظاہرے کی خاطر تھا جو مدینہ کے اطراف پر حملے کا قصد کررہا تھا۔ بنی سلیم کے ایک جاسوس نے انہیں پہلے ہی خبر کردی تو وہ جنگ کے لئے اچھی طرح تیار ہوگئے۔ مسلمانوں نے اسلام کی دعوت دی تو بنو سلیم نے تیر اندازی سے جواب دیا۔ سوائے حضرت ابی العوجاؓ کے سب مسلمان شہید ہوئے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ اکثر شہید ہوئے۔ باقی بمعہ حضرت ابی العوجا (جو زخمی ہوگئی تھے) صفر ۸ ھ کی پہلی تاریخ کو واپس مدینہ آگئے۔

اسی ماہ رسول اللہ ﷺ نے غالب بن عبداللہؓ کو دو سو افراد کے ساتھ فدک کی طرف روانہ فرمایا جہاں حضرت بشیر بن سعد کے ساتھی قتل ہوئے تھے۔ یہ انتقامی کارروائی کامیاب ہوئی کئی دشمن قتل ہوئے اور بہت سے اونٹ مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

اگلے ماہ (ربیع الاول ۸ ھ) میں سریہ ذات اطلاح (اسے ذات اطلح بھی کہا گیا ہے) واقع ہوا۔ صرف پندرہ مجاہدین کی جماعت حضرت کعب بن عمیرالغفاری کی قیادت میں شام کے علاقے کی طرف روانہ ہوئی کہ ذات اطلح کے کفار کو مسلمانوں کے خلاف اس کارروائی سے منع کرے جس کے منصوبے وہ بنا رہے تھے۔ مسلمانوں نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے قبول نہ کی اور جنگ پر آمادہ ہوگئے۔ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی مسلمانوں نے سخت مقابلہ کیا یہاں تک کہ سب شہید ہوگئے۔ صرف ایک صحابی بمشکل مدینہ پہنچ سکے۔ رسول اللہ ﷺ کو بڑا ملال ہوا۔ دوسری مہم بھیجنے کا ارادہ کیا مگر معلوم ہوا کہ دشمن کسی دوسرے مقام پر منتقل ہوگیا ہے لہٰذا ارادہ ترک کیا۔

بنی ہوازن اسلام دشمن جماعتوں کو مدد پہنچاتے رہتے تھے۔ ان کی یہ حریفانہ کارروائیاں

جاری تھیں۔ حضرت شجاعؓ بن وھب چوبیس مجاہدین کی جماعت کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کئے گئے۔ مقابلے کی نوبت نہیں آئی۔ لیکن بہت سے مویشی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ یہ سریہ بھی ربیع الاول ۸ ھ میں واقع ہوا۔ کل پندرہ دن صرف ہوئے۔ اس کا نام سریہ شجاعؓ بن وھب ہے۔ سریہ ذات عرق اور سریہ سی بھی اسی کو کہتے ہیں۔

اگلا سریہ دو ماہ بعد جمادی الاول ۸ ھ (اگست ستمبر ۶۲۹ء) کو واقع ہوا جو سریہ موتہ کہلاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نامہ مبارک تبلیغ اسلام کے سلسلے میں حاکم بصری کے لئے بذریعہ حضرت حارث بن عمیر ازدیؓ روانہ فرمایا۔ یہ دمشق سے کچھ آگے بلقاء کے علاقے میں موتہ نامی ایک مقام پر پہنچے تو وہاں کے غسانی حاکم شرحبیل بن عمرو غسانی نے گرفتار کرلیا۔ غسانی حکومت روم کے زیر اثر عیسائی ہوچکے تھے۔ (سرولیم میور نے انہیں نیم عیسائی بتایا ہے) شرحبیل قیصر روم کی طرف سے اس علاقے کا حاکم تھا۔ اس علم کے باوجود کہ حضرت حارثؓ رسول اللہ ﷺ کے قاصد تھے شرحبیل نے انہیں قتل کروادیا۔ قاصد یا سفیر کا قتل کرنا ہر عہد میں ایک شرمناک جرم سمجھا جاتا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے اسے حاکم بلقا کی طرف سے اعلان جنگ تصور کیا۔ اور تین ہزار مجاہدین کا لشکر تیار کر کے حضرت زید بن حارثہؓ کی زیر قیادت روانہ فرمایا۔ اس سے قبل کبھی اتنا بڑا لشکر مدینہ کے باہر نہیں گیا تھا۔

آپؐ نے اہل لشکر کو ہدایت فرمائی کہ اگر زید بن حارثہؓ شہید ہوجائیں تو لشکر کی قیادت حضرت جعفر بن ابوطالبؓ سنبھالیں گے۔ وہ بھی شہید ہوجائیں تو تیسرے قائد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ ہوں گے۔ اور اگر انہیں بھی شہادت نصیب ہو تو اہل لشکر اپنا قائد خود منتخب کرلیں۔ اس سے پہلے آپؐ نے اس قسم کی ہدایات کسی سریئے کے موقع پر نہیں دی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس مہم کے مستقبل کے متعلق آپؐ کو کچھ علم پہنچ چکا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس وقت نعمان نامی ایک یہودی موجود تھا۔ آپؐ کی یہ ہدایات سنکر کہنے لگا "جناب ابوالقاسمؐ اگر آپؐ نبی برحق ہیں تو جن امرا کے نام آپؐ نے لئے ہیں وہ سب شہید ہوجائیں گے"۔ پھر حضرت زیدؓ سے مخاطب ہوا "یاد رہے اگر محمد (ﷺ) سچے نبی ہیں تو تم زندہ واپس نہ آؤ گے"۔ حضرت زیدؓ نے جواب دیا میں گواہ ہوں کہ وہ سچے نبی ہیں اور سراپا نیک ہیں (۱)۔

سپہ سالاری کے عہدے پر ایک آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ کا تقرر لوگوں کے

لئے حیران کن تھا۔ خصوصاً جبکہ حضرت جعفرؓ (رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی) اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ جیسے معزز صحابہ ان کے ماتحت کے گئے۔ کچھ اس قسم کا چرچا بھی ہوا۔ لیکن مساوات اسلامی کی مثال قائم کرنے کے لئے حضور ﷺ نے یہی مناسب سمجھا۔ حضرت زید کو آپؐ نے سفید علم عطا فرمایا اور ہدایت کی کہ جب موتہ پہنچو (جہاں حضرت حارث قتل کئے گئے تھے) تو پہلے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا۔ قبول کرلیں تو جنگ کی ضرورت نہیں۔ بصورت دیگر اللہ سے مدد مانگنا۔

روانگی کا وقت قریب آیا تو لوگوں نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی آنکھوں میں آنسو دیکھے سبب پوچھا تو بتایا۔ "میں دنیا کی محبت میں نہیں روتا مگر مجھے وہ آیت رلا رہی ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی:

> "اور تم میں سے کوئی (شخص) نہیں مگر اسے اس پر (یعنی جہنم پر) گذرنا ہوگا۔ یہ تمہارے پروردگار پر لازم اور مقرر ہے"۔ (مریم ۷۱)

میں اس ڈر سے روتا ہوں کہ جہنم پر پہنچ کر وہاں سے چھٹکارا کیونکر ہوگا۔ صحابہ نے انہیں تسلی دی "اے عبداللہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی حفظ وحمایت میں رکھے۔ دشمن کو مغلوب کرے اور تمہیں صحیح وسالم ہم سے ملائے"۔ حضرت عبداللہ اچھے شاعر تھے کچھ اشعار پڑھے جن کا مفہوم ہے:

"مگر میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتا ہوں
اور تلوار کا ایسا وسیع گھاؤ جو خون کے جھاگ ڈال رہا ہو
یا نیزے کی ضرب سامنے سے ایسی
کہ جو انتڑیوں اور جگر کے پار ہوجائے
تاکہ جب لوگ میرے طرف سے گذریں تو کہیں
اللہ اس کو نیکی دے یہ وہی ہے جس نے جہاد کیا اور ہدایت پائی" (۲)

ثنیۃ الوداع تک رسول اکرم ﷺ لشکر کو رخصت کرنے کے لئے خود تشریف لے گئے۔ یہاں آپؐ نے لشکر کو یہ ہدایات دیں کہ عورتوں، بچوں اور نابیناؤں کو قتل نہ کیا جائے نہ کوئی

عمارت منہدم کی جائے اور نہ کوئی درخت کاٹا جائے۔ پھر آپؐ نے سب کے لئے دعا فرمائی۔ دوسرے صحابہ بھی ساتھ تھے سب نے باآواز بلند سلامتی اور کامیابی کی دعا کی۔

یہ جمعہ کا دن تھا۔ لشکر علی الصبح روانہ ہوگیا لیکن حضرت عبداللہؓ بن رواحہ ٹھہر گئے کہ جمعہ کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ادا کرسکیں۔ نماز کے بعد آپؐ نے ان سے روانگی میں تاخیر کا سبب دریافت فرمایا تو بتایا کہ آپؐ کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنا چاہتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا "تم دنیا جہاں کا سامان اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو بھی ان کے صبح کے سفر کی فضیلت کو نہیں پاسکتے" (۳)۔ پھر یہ تیزی سے جاکر لشکر میں شامل ہوگئے۔

لشکر روانہ ہوچکا تو اس کی اطلاع عیسائی جاسوسوں سے شرجیل کو ہوگئی۔ اس نے ایک زبردست لشکر جرار فراہم کرنے کا انتظام کرلیا۔ اسلامی لشکر شام کے سرحدی علاقے میں معان کے مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ ہرقل شاہ روم (یا اس کا بھائی تھیوڈور) ایک لاکھ سپاہ کے پرشکوہ رومی لشکر کے ساتھ ماب (بلقاء کا ایک مقام) میں مقیم ہے۔ اور عرب قبائل لخم' جذام' بہراء' یلقین اور بلی کی مزید ایک لاکھ کی فوج اس کے ساتھ ہے جس کی قیادت پر قبیلہ بلی کا مالک بن زافلہ نامی ایک شخص مامور ہے۔ یہ عرب قبائل عیسائیت سے متاثر تھے۔ ولیم میور نے انہیں نیم عیسائی تصور کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کہتے ہیں کہ غسانی قبائل سیلاب ارم کے بعد یمن سے آکر یہاں کے علاقوں کو فتح کر کے یہیں آباد ہوگئے تھے۔ رومی فرمانروا نے انہیں یہاں کا حاکم بنادیا تھا اور ان کی وفاداری اور اعانت کے عوض انہیں پندرہ سیر سونا سالانہ قیصر روم کی طرف سے بطور وظیفہ مقرر تھا (۴)۔

مسلمان یہ اطلاعات پاکر متردد ہوئے۔ سوچا کہ رسول اللہ ﷺ کو مزید کمک کے لئے لکھیں۔ پھر ان کے حکم کا انتظار کریں۔ اس موقع پر حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے جو نہایت فصیح البیان شاعر تھے ایک پرجوش تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ۔

"شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن ۔ نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی"

دو بھلائیوں میں سے ایک ہر مجاہد کی قسمت ہے۔ فتح یا شہادت پھر کثرت اعداد کا کیا خوف۔ ان کی یہ تقریر قول فیصل ثابت ہوئی اور لشکر آگے روانہ ہوا۔ رومی لشکر کی طرف پیش قدمی کرنے کی بجائے کچھ ہٹ کر رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق موتہ کی طرف بڑھ کر

وہیں خیمہ زن ہوئے۔ رومی اپنی کثرت تعداد پر مغرور تھے۔ خود آگے بڑھ کر حملہ آور ہونا چاہا۔
موتہ کے مقام پر دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل آئیں۔

تین ہزار مجاہدین اپنے سے ساٹھ گنا ٹڈی دل پوری طرح مسلح لشکر کے مقابل تھے۔
مقدمہ میں حضرت زیدؓ علم لئے ہوئے قیادت فرما رہے تھے۔ میمنہ کی قیادت حضرت قطبہؓ بن قتادہ
کے سپرد تھی اور میسرہ پر حضرت عبایہ بن مالکؓ مامور تھے۔ حضرت زیدؓ اسلامی علم لئے آگے آگے
تھے۔ دشمن نے سب سے پہلے انہی کو اپنا ہدف بنایا۔ یہ نہایت جانبازی سے لڑے کئی کفار کو موت
کے گھاٹ اتارا۔ آخر رومی نیزہ بازوں کے نرغے میں آکر شہید ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان
کے مطابق اب علم حضرت جعفرؓ نے لیا اور قیادت کا فرض انجام دینے لگے۔ جوش میں آکر اپنے
سنہرے رنگ کے گھوڑے شقرا سے کود پڑے اس کے پاؤں کی رگ کاٹی اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔
بہتوں کو قتل کیا۔ آخر کسی دشمن کے وار سے ان کا سیدھا ہاتھ کٹ گیا تو علم کو بائیں ہاتھ میں لیا
اور اسے بلند رکھا۔ یہ ہاتھ بھی کٹ گیا تو کٹے ہوئے دونوں بازوؤں سے علم کو سینے سے چمٹائے
رکھا۔ آخر ایک رومی کے وار سے غیر محفوظ جسم دو ٹکڑے ہوگیا۔ اس طرح ۳۳ سال کی عمر میں
یہ جان فروش مجاہد شہادت سے سرفراز ہوئے۔ کہتے ہیں کہ ان کے جسم پر نیزوں اور تلواروں کے
پچاس (ایک روایت کے مطابق نوے) زخم تھے۔ تمام زخم سامنے تھے کوئی پشت پر نہ تھا۔ (حضرت
جعفرؓ کی شہادت پر رسول اللہ ﷺ نے ان پر نماز پڑھی اور دعا فرمائی۔ آپؐ نے نمازیوں سے فرمایا
"اپنے بھائی جعفرؓ کے لئے دعا کرو۔ وہ شہید ہیں۔ جنت میں داخل ہوگئے ہیں۔ اپنے یاقوت کے دو
پروں سے اڑ کر جنت میں جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں" (د) یہ دو پر ان کے دو قطع شدہ بازوؤں کا
بدل تھے اسی باعث انہوں نے ذی الجناحین اور جعفر طیار کے لقب پائے)۔

اب حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی باری تھی۔ انہوں نے علم سنبھالا اور گھوڑے سے اتر کر
لڑنا پسند کیا۔ اترے تو ایک چچازاد بھائی نے کچھ بھنا ہوا گوشت کھانے کو پیش کیا کہ بھوک کی
نقاہت دور ہو۔ انہوں نے دو ایک لقمے کھائے پھر جوش میں آکر باقی گوشت کا ٹکڑا پھینکا اور دشمن
پر ٹوٹ پڑے۔ آخر لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کیا۔

یہ شہید ہو کر گر پڑے تو بنی عجلان کے ایک مجاہد حضرت ثابت بن اقرمؓ نے بڑھ کر
اسلامی علم اٹھالیا اور مسلمانوں کو پکارا کہ اپنے لئے ایک قائد کا انتخاب کرلیں۔ لوگوں نے کہا کہ وہ

خود ہی یہ فرض انجام دیں۔ لیکن یہ راضی نہ ہوئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید بھی اس لشکر میں شامل تھے یہ مسلمانوں کی طرف سے ان کا پہلا جہاد تھا۔ اس سے قبل وہ اسلام کے خلاف اپنی فوجی صلاحیتیں بڑی کامیابی سے استعمال کرچکے تھے۔ اب موقع ملا تھا کہ اس کا ازالہ کرسکیں۔ حضرت ثابتؓ کے انکار پر مسلمانوں نے انہی کو سپہ سالار مقرر کرلیا۔ انہوں نے یہ عہدہ سنبھالا تو جنگ نے بڑی شدت اختیار کرلی۔ یہ خود اس بہادری سے لڑے کہ ان کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹیں۔ آخر میں صرف ایک چوڑے پھل کی یمنی تلوار باقی رہ گئی (٦)۔ پھر انہوں نے لشکر کو مناسب ترتیب دے کر بڑے سلیقے سے مخالف حملوں سے بچا کر پیچھے ہٹالیا۔ واقدی کا کہنا ہے کہ شام کو اسلامی لشکر جائے قیام پر واپس ہوا تو حضرت خالدؓ بن ولید نے رات اندوہ و غم میں گزاری صبح لشکر کی ترتیب اس طرح بدلی کہ مقدمہ کو ساقہ میں اور میمنہ کو میسرہ میں تبدیل کردیا۔ دشمن یہ تبدیلی دیکھ کر سمجھا کہ اسلامی لشکر کو مزید کمک پہنچ گئی ہے۔ مرعوب ہوگیا اور شکست سے دوچار ہوا (٧)۔ یہ بیان موسیٰ بن عقبہ کے بیان کے موافق ہے جو انہوں نے اپنی مشہور تصنیف 'مغازی' میں دیا ہے۔ یہی قول حضرت عروہ بن زبیرؓ کا ہے۔ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو موقع میسر فرمایا تو ان کی قیادت میں رومی خائب وخاسر ہوئے اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی" (٨)۔ سر ایڈورڈ گبن (مشہور انگریز مورخ) نے بھی اس قول کی تائید کی ہے کہ "خالد بن ولید نے عیسائیوں کی عددی برتری کے باوجود بڑی شجاعت سے ان کا مقابلہ کیا اور انہیں پسپا کردیا" (٩)۔ قاضی سلمان منصور پوری بھی مسلمانوں کو فاتح قرار دیتے ہیں۔ شبلی نعمانی کہتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید کی بڑی کامیابی یہ تھی کہ اپنی فوج کو دشمن کی زد سے بچا کر لے آئے۔ لیکن اسلامی فوج کو شکست خوردہ تصور کیا ہے (١٠)۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے حضرت زیدؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کی خبر اس وقت صحابہ کو دیدی تھی جب ابھی ان کے متعلق کوئی اطلاع نہیں آئی تھی۔ (میدان جنگ گویا آپؐ کے سامنے تھا) آپؐ فرماتے جارہے تھے کہ اب زیدؓ علم لئے ہوئے ہیں۔ اب وہ شہید کردیئے گئے۔ اب جعفرؓ نے علم اٹھالیا۔ وہ بھی شہید کردیئے گئے۔ اب ابن رواحہؓ نے علم اٹھایا وہ بھی شہید ہوئے۔ (آنحضور ﷺ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے) آخر اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (خالد بن ولیدؓ) نے علم اپنے ہاتھ میں لے

لیا ہے۔ اور اللہ نے ان کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائی" (۱۱)۔

سید سلیمان ندوی نے اس فتح کی تشریح میں مختلف اقوال بیان کئے ہیں۔

۱۔ مسلمانوں کو پوری فتح حاصل ہوئی۔

۲۔ مسلمان اس قلت تعداد سے اور کفار اپنی کثرت کے باوجود تھک کر غیر منفصل جنگ کی صورت میں ایک دوسرے کے مقابلے سے ہٹ گئے۔

۳۔ مسلمانوں کو ایک خاص دستے کے مقابلے میں فتح حاصل ہوئی اور مال غنیمت بھی ملا۔

۴۔ مسلمانوں کا غلبہ یہ ہے کہ حضرت خالدؓ کی قیادت میں اتنے بڑے لشکر کے حملوں کو روک دیا اور بہ سلامت پیچھے ہٹ آئے (۱۲)۔

دوسرے اور چوتھے اقوال میں کوئی خاص تفادت نہیں۔ تیسرے قول کے متعلق یہ قطعی ممکن ہے کہ کسی عرب دستے پر مسلمانوں کو مکمل فتح حاصل ہوئی ہو اور مال غنیمت بھی ملا ہو جیسا کہ اس امر سے ظاہر ہے کہ عرب قبائل کا سپہ سالار مالک بن زافلہ حضرت قطبہ بن قتادہؓ کے ہاتھوں قتل ہوا (۱۳) جو اسلامی میمنہ کی قیادت کررہے تھے۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ اتنے بڑے تصادم میں صرف ۱۲ مسلمان شہید ہوئے قیاس بھی کہتا ہے کہ دوسری صبح رومی فوجیں حضرت خالد کے حربی اقدام سے مرعوب ہوکر مقابلے کی ہمت نہ کرسکیں۔ یہ خیال کر کے کہ مسلمانوں کو تازہ کمک پہنچ گئی ہے پیچھے ہٹیں۔ مسلمانوں نے بھی ان کے تعاقب پر خیریت واپسی کو ترجیح دی۔

رسول اللہ ﷺ پر جب جعفرؓ اور حضرت زیدؓ کی شہادت منکشف ہوئی تو آپؐ بہت ملول ہوئے۔ حضرت اسماء بنت عمیسؓ (حضرت جعفرؓ کی زوجہ) کہتی ہیں کہ "جس روز (حضرت) جعفرؓ اور ان کے ساتھی شہید ہوئے تو رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ میں اس وقت پکانے کا سامان کررہی تھی۔ آپؐ نے فرمایا 'جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ'۔ میں ان کو لائی۔ آپؐ نے ان کو پیار کیا۔ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ میں نے عرض کیا 'یا رسول اللہ کیا جعفرؓ کی کوئی خبر آئی ہے'۔ فرمایا 'ہاں آج ہی وہ شہید ہوئے ہیں'۔ میں کھڑی ہوکر اس صدمے سے چیخنے اور رونے لگی۔ محلّہ کی عورتیں میرے پاس جمع ہوئیں۔ اور حضور (ﷺ) میرے گھر سے نکل کر اپنے گھر تشریف لائے اور فرمایا 'جعفرؓ کی بیوی اور بچوں کے لئے کھانا تیار کراؤ کیونکہ ان کو رنج کے سبب پکانے کی فرصت نہ ہوگی" (۱۴)۔

پھر آپ حضرت ام ایمنؓ حضرت اسامہؓ اور حضرت زیدؓ کے دوسرے اعزا سے ملے۔ تعزیت کی اور تسلی دی۔ واپس ہوئے تو حضرت زیدؓ کی چھوٹی بچی روتی ہوئی باہر نکل آئی اور آپؐ کو لپٹ گئی۔ آپؐ بھی بے اختیار اشکبار ہوگئے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ اتفاقاً ادھر سے گزر رہے تھے۔ کہنے لگے یارسول اللہ (ﷺ) "یہ کیا"۔ آپؐ نے فرمایا "یہ ایک دوست کا اپنے دوست کے لئے دلی جذبات کا اظہار ہے"۔

جب اسلامی لشکر واپس مدینہ آیا تو رسول اللہ ﷺ بمعہ صحابہ استقبال کے لئے نکلے۔ آپؐ گھوڑے پر سوار تھے۔ بچے بھی دوڑتے آرہے تھے۔ آپؐ نے اصحاب سے فرمایا کہ بچوں کو اپنے ساتھ گھوڑوں پر بٹھالیں۔ خود حضرت جعفرؓ کے بیٹے حضرت عبداللہ کو اپنے ساتھ بٹھالیا۔ بعض لوگ اہل لشکر پر خاک اڑانے لگے۔ کسی نے کہا "بھگوڑو۔ تم بھاگ کر آئے ہو"۔ آپؐ نے سنا تو فرمایا "یہ بھگوڑے نہیں۔ یہ تو انشاء اللہ کرار اور دوبارہ حملہ کرنے والے ہیں" (۱۵)۔ آپؐ کے ان الفاظ میں یہ حقیقت پنہاں تھی کہ جنگ موتہ اس جہاد کا نقطہ آغاز تھی جو خلفائے راشدین کے عہد میں شام' عراق اور ایران کی فتوحات پر ختم ہوا۔

شہدائے موتہ میں ان بارہ صحابیوں کے نام بتائے گئے ہیں۔

۱۔ حضرت زید بن حارثہؓ

۲۔ حضرت جعفر بن ابو طالبؓ

۳۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ

۴۔ حضرت مسعود بن اسودؓ

۵۔ حضرت وہب بن سعدؓ

۶۔ حضرت عبادؓ بن قیس

۷۔ حضرت حرثؓ بن نعمان

۸۔ حضرت سراقہؓ بن عمرو

۹۔ حضرت ابو کلیبؓ بن عمرو بن زید

۱۰۔ حضرت جابر بن عمرو بن زیدؓ

۱۱۔ حضرت عمروؓ بن سعد

۱۲۔ حضرت عامرؓ بن سعد

مقتولین کفار کا ذکر نہیں ملتا سوائے اس کے کہ "کشتوں کے پشتے لگ گئے" (۱۶)۔ اور عرب سردار مالک بن زافلہ حضرت قطبہؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔

جنگ موتہ کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ رومی فوج کے ساتھ جو عرب رضاکارانہ طور پر شامل ہوئے تھے انہیں ایک موقع پر بڑی مایوسی ہوئی۔ ایک دن فوج میں خوراک تقسیم کرتے وقت رومیوں نے اعلان کردیا کہ "بادشاہ کا حکم ہے کہ رضاکار علیحدہ ہوجائیں۔ یہ خوراک صرف سرکاری فوج کے لئے مہیا ہوسکی ہے حتیٰ کہ بادشاہ کے کتوں کو بھی کچھ نہیں بچا ہے"۔ عرب قبائل کو یہ بہت ناگوار گذرا۔ آئندہ اکثر نے رومیوں سے تعاون ختم کردیا۔ کچھ ہی دن میں شمالی علاقے کے بنی سلیم، بنی اشجع، بنی ذبیان، بنی فزارہ وغیرہ نے اسلام قبول کرلیا۔

موتہ کے بعد ۸ ھ میں چند اور سرایا بھی واقع ہوئے۔ ایک ہی ماہ بعد جمادی الثانی میں رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنی قضاعہ مدینہ کی طرف یورش کی تیاری کررہے ہیں۔ آپؐ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو تین سو مجاہدین کی جماعت کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا تیس سواروں کا دستہ بھی ساتھ تھا۔ انہیں ہدایت دی کہ بلی، بلقین اور عذرہ کے قبائل کو اپنی طرف ملانے کی کوشش کریں۔ (حضرت عمرو بن العاص کی دادی کا تعلق قبیلہ بلی سے تھا) کیونکہ اس سے پیشتر یہ رومیوں سے ملے ہوئے تھے اور موتہ میں مسلمان کے خلاف لڑے تھے۔ لیکن اب ایک حد تک رومیوں سے مایوس ہوچکے تھے۔ حضرت عمرو بن العاص ان قبائل کی طرف سے ہو کر گزرے۔ ان سے غالباً کوئی مدد نہ مل سکی۔ جب دشمن کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ مقابل لشکر بہت بڑا ہے مزید کمک حاصل کرنے کے لے حضرت رافع بن مکیثؓ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ آپؐ نے دو سو مجاہدین حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی سرکردگی میں فورا روانہ فرمائے۔ ان میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے بزرگ بھی شامل تھے۔ جب یہ کمک حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس پہنچی تو حضرت ابوعبیدہؓ نے امامت کرنا چاہی مگر حضرت عمرو بن العاصؓ کے اعتراض پر خود دست بردار ہوگئے اور حضرت عمروؓ ہی لشکر کی سربراہی اور امامت کے فرائض ادا کرتے رہے۔

یہ متحدہ لشکر قضاعہ کے علاقے کو روندتا چلا گیا۔ آخر میں دشمن نے تھوڑا بہت مقابلہ کیا لیکن جلد منتشر ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت عمروؓ کے قاصد حضرت طوفؓ بن مالک الاشجعی نے رسول اکرم

ﷺ کو فتح کی خوشخبری پہنچائی۔ یہ مہم سریہ ذات السلاسل کہلائی کیونکہ اسلامی لشکر سلسل نامی ایک چشمے کے قریب خیمہ زن ہوا تھا جو وادی القری میں مدینہ سے دس دن کی مسافت پر واقع تھا۔

ماہ رجب میں سریہ سیف البحر واقع ہوا۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح تین سو مجاہدین کے ساتھ جہینہ کے ایک قبیلے کی طرف روانہ ہوئے جو القبیلہ کے علاقے میں ساحل سمندر کے قریب آباد تھا۔ اس لشکر میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔ پانچ دن کی مسافت کے بعد یہ لشکر اس علاقے میں پہنچ سکا۔ راستے میں سخت بھوک سے سابقہ پڑا۔ درخت کے پتے تک کھانے کی نوبت پہنچ گئی (اسی لئے اس مہم کا دوسرا نام سریہ الخبط ہے)۔ اتفاقاً ساحل پر ایک دن سمندر کی موجوں نے ایک وھیل مچھلی لاکر ڈال دی جس نے خوراک کا مسئلہ حل کردیا۔ اس مچھلی کی ہڈی اتنی بڑی تھی کہ اسے زمین پر کھڑا کردیا تو اس کے نیچے سے اونٹ تک گزر گیا۔ اس مہم کا ایک مقصد یہ تھا کہ قریش کی توجہ منتشر ہوجائے (۱۷)۔ اس سے قبل مکہ پر حملے کے اسباب پیدا ہوچکے تھے۔

اگلے ماہ شعبان میں یہ خبر مدینہ پہنچی کہ نبی غطفان جو اکثر مسلمانوں کے خلاف کمربستہ رہتے تھے نجد میں مقام خضرہ پر جمع ہو رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوقتادہ بن ربعیؓ انصاری کو صرف پندرہ مجاہدین کے ساتھ ان کی طرف روانہ فرمایا۔ اس مختصر جماعت نے ایک بڑے قبیلے کو اچانک چاروں طرف سے گھیر لیا۔ جو دشمن مقابلے پر آیا قتل ہوا۔ بہت سے مویشی جن میں تقریباً دو سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں تھیں مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ کئی مشرکین گرفتار بھی ہوئے۔ یہ مہم سریہ محارب یا سریہ خضرہ کے نام سے مشہور ہے۔

رمضان ۸ ھ میں حضرت ابوقتادہؓ ایک بار پھر آٹھ حضرات کے ساتھ ایک مہم پر بطن اضم کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ مقام مدینہ کے شمال میں تقریباً ساٹھ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع تھا۔ ان دنوں رسول اللہ ﷺ مکہ پر اچانک حملہ آور ہونے والے تھے مقصد یہ تھا کہ قریش یہ گمان کریں کہ مسلمانوں کی توجہ شمال کی طرف ہے۔ اس مہم میں محلم بن جثامہ بھی شامل تھا۔ اتفاقاً راستے میں عامر بن اضبط سے ملاقات ہوئی۔ اس سے محلم کی جاہلی دور کی عداوت چلی آرہی تھی۔ عامر نے سلام کیا لیکن محلم نے پرانی عداوت کی بنا پر اسے تیر مار کر قتل کردیا۔ اور اس کے اونٹ اور سامان پر قبضہ کرلیا۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے بڑی ناپسندیگی کا اظہار فرمایا (۱۸)۔ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

"مومنو۔ جب تم خدا کی راہ میں باہر نکلا کرو تو تحقیق سے کام لیا کرو۔ اور جو شخص تم سے سلام علیک کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔ اور اس سے تمہاری غرض یہ ہو کہ دنیا کی زندگی کا فائدہ حاصل کرو۔ سو خدا کے نزدیک بہت سی غنیمتیں ہیں۔ تم بھی پہلے ایسے ہی تھے۔ پھر خدا نے تم پر احسان کیا۔ تو (آئندہ) تحقیق کرلیا کرو۔ اور جو عمل تم کرتے ہو خدا کو سب کی خبر ہے"۔ (النساء ۹۴)

یہ جماعت بغیر کسی مقابلے کے واپس ہوئی۔ خشب کے مقام پر پہنچی تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کی طرف روانہ ہوچکے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو قتادہؓ نے اپنا رخ مکہ کی طرف کیا اور اسقیاء کے مقام پر آپؐ سے مل گئے۔

☆☆

(۱) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۳۱۹
(۲) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۵۷
(۳) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۳۲۰
(۴) محمد حمید اللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۱۹۰
(۵) ابن سعد 'طبقات' حصہ چہارم صفحہ ۱۹۵
(۶) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۷۲۸ (کتاب المغازی باب غزوۃ موتۃ من ارض شام)
(۷) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۳۲۷
(۸) ابن سعد 'طبقات' حصہ اول صفحہ ۴۲۳
(۹) ایڈورڈ گبن 'دی ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن امپائر' (The Decline and Fall of the Roman Empire) جلد سوم صفحہ ۱۱۰
(۱۰) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۹۲
(۱۱) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۷۲۷ (کتاب المغازی باب غزوہ موتہ من ارض شام)

(۱۲) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۹۲' ۲۹۳ (حاشیہ از سید سلیمان ندوی)

(۱۳) الفرید غیوم 'دی لائف آف محمدؐ' (The Life of Muhammad) صفحہ ۵۳۶

(۱۴) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۵۹

(۱۵) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۶۰

(۱۶) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۳۳۰

(۱۷) سلیمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلد دوم صفحہ ۱۹۹ اس مہم کے وقوع کی تاریخ کی بابت اختلاف ہے۔ حضرت جابرؓ سے مروی کہ وہ اس سریئے میں شامل تھے اور قریشی قافلے کی تاک میں تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مہم صلح حدیبیہ سے قبل واقع ہوئی ہوگی کیونکہ صلح کے بعد قریشی قافلے کو روکنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بہرحال حافظ بیہقی وغیرہ نے اسے جنگ موتہ کے بعد بتایا ہے۔ (ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۳۶۴' ۳۶۵)

(۱۸) بعد کو جب رئیس عامر عینیہ بن بدر نے عامر بن اضبط اشجعی کا خون بہا طلب کیا تو رسول اللہ ﷺ نے پچاس اونٹ اسی وقت اور پچاس بعد میں دلوائے۔ (ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۹۸' ۲۹۹)

(۱۰۸) لرادوک الیٰ معاد

آٹھ سال پہلے اللہ تعالیٰ کے دو برگزیدہ بندے۔ ایک رسولؐ اور دوسرا صدیقؓ اپنی مادر وطن کو الوداع کہہ رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ انہیں 'معاد' کی طرف واپس لائے گا۔ (ملاحظہ ہو گذشتہ باب ۵۷) اب وہ وقت آپہنچا کہ یہ وعدہ پورا ہو۔

صلح حدیبیہ کے وقت جب یہ طے ہوا تھا کہ جو قبیلہ چاہے قریش کا حلیف ہو کر ان کے عہد و پیمان میں شامل ہوجائے اور جو چاہے وہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھی ہو کر آپؐ کے عہد و پیمان میں آجائے۔ تو اس وقت بنو بکر نے قریش کے ساتھ ہو کر ان کی حمایت حاصل کرلی اور بنی خزاعہ نے جو پہلے ہی سے عبدالمطلب کے حلیف رہ چکے تھے رسول اللہ ﷺ کا حلیف بننا پسند کیا تھا۔ اس عہدو پیمان کا مطلب یہ تھا کہ ان قبیلوں پر جو حملہ ہوگا وہ ان کے حلفا کے خلاف جنگ کے مترادف ہوگا۔ بنی بکر اور بنی خزاعہ کے درمیان پرانی دشمنی مدتوں سے چل رہی تھی۔ صلح حدیبیہ کے بعد دلوں کی آگ کچھ دن دبی رہی۔ ایک بار بنی خزاعہ و تیرہ نامی ایک چشمے پر خیمہ زن تھے کہ نوفل بن معاویہ دیلی نے جو بنی بکر کی ایک شاخ بنی دیل کا سردار تھا یہ موقع کچھ پرانے بدلے چکانے کے لئے غنیمت جانا۔ بنی بکر کی شاخ بنو نفاثہ کے بہت سے لوگوں کو جمع کیا اور رات کے وقت بنی خزاعہ کے خیموں پر حملہ کردیا۔ اس کارروائی میں قریش نے بنی بکر اور ان کے ذیلی قبیلے بنی کعب کو نہ صرف ہتھیار فراہم کئے بلکہ چند قریشی (۱) رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر ان کی طرف سے لڑائی میں بھی شریک ہوئے۔ بنی خزاعہ اس اچانک حملے کی تاب نہ لاسکے۔ تھوڑا بہت مقابلہ کیا۔ آخر پسپا ہو کر حرم میں پناہ گزین ہوئے۔ یہ دیکھ کر بنی بکر نے نوفل سے کہا کہ اب مزید ظلم بند کرے اور اللہ سے ڈرے۔ لیکن نوفل نہ مانا۔ بولا "اس وقت کوئی اللہ نہیں۔ تم حرم میں چوریاں کرتے ہو۔ قتل کیوں نہیں کرسکتے۔ آج اپنا پورا بدلہ لے لو"۔ اس طرح بنی خزاعہ بڑے ظلم کا شکار ہوئے۔ آخر بھاگ کر بدیل بن ورقاء خزاعی اور اپنے ایک موالی رافع کے یہاں پناہ لی۔ یہ سانحہ شعبان ۸ھ میں واقع ہوا۔

نبی خزاعہ کی طرف سے عمرو بن سالم خزاعی شکایت لیکر چالیس سواروں کی جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ آپؐ اس وقت صحابہ کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف رکھتے تھے۔ عمرو نے نہایت المناک اشعار میں ظلم کی روداد بیان کی اور مدد کی درخواست کی۔ وہ دیرینہ عہد یاد دلایا جو نبی ہاشم اور نبی خزاعہ میں چلا آرہا تھا۔ قریش کی عہد شکنی کا ذکر کیا کہ حدیبیہ کی صلح توڑ کر انہوں نے نبی بکر کے ساتھ مل کر نبی خزاعہ کے افراد کو اس وقت قتل کیا جبکہ وہ حرم کے اندر رکوع و سجود میں مشغول تھے۔ (معلوم ہوتا ہے ان میں سے کچھ حضرات مسلمان ہوچکے تھے)۔ رسول اکرم ﷺ نے سنکر فرمایا "اے عمرو تیری مدد کی گئی"۔ اس وقت ایک بادل کا ٹکرا فضا میں تھا۔ آپؐ نے بتایا کہ وہ بادل نبی کعب (نبی خزاعہ کا ذیلی قبیلہ جو زیادہ متاثر تھا) کی مدد کی خبر دے رہا ہے۔ چند دن بعد نبی خزاعہ کا ایک دوسرا وفد جس میں بدیل بن ورقا وغیرہ شامل تھے حاضر خدمت ہوا اور ساری تفصیل سے آپؐ کو آگاہ کیا۔ آپؐ نے انہیں اطمینان دلا کر واپس کیا۔ پھر قریش کو یہ پیغام بھیجا کہ اپنی اس عہد شکنی کے بعد ان تین صورتوں میں سے ایک اختیار کرلیں (۲)۔

۱۔ مقتولین خزاعہ کی دیت ادا کی جائے

۲۔ نبو نفاثہ کے عہد و عقد سے علیحدہ ہوجائیں

۳۔ معاہدہ حدیبیہ کو فسخ کردیں

قریش نے جواب میں کہلا بھیجا کہ پہلی دو شرطیں منظور نہیں۔ معاہدہ حدیبیہ بے شک فسخ کرسکتے ہیں۔

یہ پیغام روانہ کرچکے تھے پھر احساس ہوا کہ عہد شکنی کرکے غلطی ہوئی۔ اور معاہدہ حدیبیہ فسخ ہوا تو کہیں کے نہ رہیں گے۔ طے کیا کہ ابوسفیان کو مدینہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کریں کہ صلح حدیبیہ کی تجدید کی درخواست کرے۔ رسول ﷺ کو پہلے ہی اندازہ ہوگیا کہ ابوسفیان اس غرض سے عنقریب مدینہ آئے گا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کو بھی آگاہ کردیا کہ ابوسفیان جلد تجدید معاہدہ کے لئے ان کے پاس آنے والا ہے۔ ایسا ہی ہوا۔ ابوسفیان مکہ سے چل کر عسفان تک پہنچا تھا کہ اس کی ملاقات بدیل بن ورقا سے ہوئی جو مع اپنے ساتھیوں کے مدینہ سے واپس آرہا تھا۔ ابوسفیان سمجھ گیا کہ یہ لوگ رسول ﷺ سے ملکر واپس آرہے ہیں اور آپ ﷺ تک

قریش کے خلاف شکایت پہنچادی ہے۔ بدیل سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ مدینہ نہیں بلکہ ساحل کے قریب کسی علاقے میں گیا تھا اور وہیں سے واپس آرہا تھا۔ ابوسفیان کو یقین نہ آیا اس مقام پر پہنچا جہاں بدیل اور اس کے ساتھیوں کے اونٹ کھڑے تھے۔ اونٹ کی مینگنیاں توڑ کر دیکھا تو مدینہ کے کھجوروں کی گٹھلیاں نظر آئیں۔ سمجھ گیا کہ اس کا اپنا خیال درست تھا اور بدیل نے اپنے سفر کا مقصد چھپانے کی کوشش کی تھی۔

ابوسفیان کو بڑی فکر ہوئی کہ نہ جانے رسول ﷺ پر بنی خزاعہ کے وفد کی ملاقات کا کیا اثر ہوا ہو۔ جلد مدینہ پہنچا۔ اس کی اپنی دختر نیک اختر ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ مدینہ میں تھیں۔ امید تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش بھی کرسکیں گی۔ پندرہ سال کے بعد اپنی دختر سے ملاقات ہوئی تھی۔ ان سے ملا تو حجرے میں ایک ہی بستر تھا اس پر بیٹھنے والا تھا کہ ام المومنینؓ نے بستر لپیٹ لیا۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ "کیا بات ہے۔ یہ بستر میرے قابل نہیں یا میں اس بستر کے لائق نہیں" انہوں نے جواب دیا "یہ بستر رسول اقدس (ﷺ) کا ہے۔ اور تم مشرک اور ناپاک ہو"۔ ابوسفیان سوائے اس کے کچھ نہ کہہ سکا "اے صاحبزادی۔ تو میرے بعد شر میں مبتلا ہوگئی"۔ ام المومنین نے کہا "ایسا نہیں ہے۔ مجھے تو اسلام کا سچا دین نصیب ہوا۔ افسوس تم پر ہے کہ مکہ کے سردار ہو کر ان پتھر کے بتوں کو پوجتے ہو جو نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں"۔

یہاں مایوس ہو کر ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ اپنا مقصد بیان کیا کہ صلح کی تجدید کے لئے حاضر ہوا ہے۔ آپؐ نے اس کی درخواست کا کوئی جواب نہ دیا تو حضرت ابوبکرؓ سے ملا۔ انہوں نے بھی سفارش کرنے سے انکار کردیا۔ حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ ان کا جواب تلخ تر تھا "کیا میں تیری سفارش کروں۔ واللہ میرے پاس ذرا سی لکڑی کی ٹہنی ہو تو اسی سے تم لوگوں کے خلاف جنگ کرتا رہونگا"۔ یہاں ناکام ہو کر حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے یہاں گیا۔ انہوں نے بھی سفارش کرنے سے معذرت ظاہر کی۔ پرانے تعلقات کا واسطہ دے کر حضرت علیؓ سے کہا کہ کوئی مشورہ دیں کہ ان حالات میں کیا کرے۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ ان کی نظر میں سوائے اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ مکہ کے سردار کی حیثیت سے وہ خود ہی یکطرفہ طور سے امان کا اعلان کردے۔ وہ یہ نہ کہہ سکے کہ اس طرح کوئی مفید نتیجہ نکلے گا یا نہیں۔ ابوسفیان نے اسی مشورے پر عمل کیا۔ مسجد نبوی کے قریب پکار کر اعلان کیا "میں سب کے درمیان امان قائم

کرنے کا اعلان کرتا ہوں"۔ پھر اپنے اونٹ پر سوار ہوا۔ اور مکہ کی راہ لی۔ وہاں جاکر قریش کو ساری روئداد سنائی۔ انہوں نے پوچھا اس کے اعلان کو رسول اللہ ﷺ نے قبول بھی کیا کہ نہیں۔ ابوسفیان نے بتایا "نہیں"۔ تو سب کہنے لگے "(حضرت) علیؓ نے تمہارے ساتھ مذاق کیا اور بس"۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے وہ اہم قدم اٹھانے کا ارادہ کرلیا جس کے نتیجے میں آپؐ کی زندگی ہی میں سارا عرب اسلام کا مطیع ہوگیا۔ یہ مکہ پر حملے کا ارادہ تھا جس کے لئے نہایت معقول جواز اللہ تعالیٰ کی طرف سے قریش کی عہد شکنی کی صورت میں حاصل ہوگیا تھا۔ شروع میں آپؐ نے اپنا یہ ارادہ راز میں رکھا اور اسی لئے حضرت ابو قتادہؓ کو شمال میں بطن اضم کی طرف روانہ فرمایا کہ لوگ سمجھیں کہ آپؐ شمال کی طرف پیش قدمی کرنے والے ہیں۔ (ملاحظہ ہو باب ۱۰۷) مسلمانوں کو ایک بڑے جہاد کے لئے تیار ہوجانے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی اللہ سے دعا کی "یااللہ مخبروں اور خبروں کو اہل مکہ سے روک دے۔ انہیں ہمارے پہنچنے کی خبر نہ ہو اور ہم ان پر اچانک جا پڑیں" (۳)۔

اسی دوران ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہوا کہ آپؐ کے ایک صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے ایک خط خفیہ طور سے قریش کو خبردار کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ آپؐ نے حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کو حکم دیا کہ تینوں مکہ کی طرف روانہ ہوں۔ راستے میں روضہ خاخ نامی مقام پر ایک عورت اونٹ پر سوار ملے گی اس کے پاس حضرت حاطبؓ کا خط ہے۔ وہ اس سے حاصل کرکے لے آئیں۔ یہ حضرات روانہ ہوئے۔ جس مقام پر آپؐ نے فرمایا تھا وہیں وہ عورت ملی (اس کا نام سارہ بتایا گیا ہے جو بنی عبدالمطلب میں سے کسی کی آزاد کردہ کنیز تھی)۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ آیا اس کے پاس کوئی خط تھا۔ اس نے انکار کیا۔ انہوں نے اس کے کجاوے کی تلاشی لی۔ کچھ نہ ملا تو حضرت علیؓ نے عورت سے کہا "واللہ نہ تو رسول اللہ (ﷺ) کی خبر غلط ہوسکتی ہے اور نہ ہم تجھ سے جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ خط ہمیں دیدے ورنہ ہم تجھے برہنہ کرکے تلاشی لیں گے"۔ عورت نے کوئی چارہ نہ دیکھا تو خط اپنے بالوں کے جوڑے سے نکال کر انہیں دے دیا۔ یہ خط لیکر واپس آئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ خط میں اہل قریش کو اطلاع دی گئی تھی کہ مسلمان عنقریب ان پر حملہ کرنے والے ہیں۔ ابن کثیر نے 'البدایہ والنہایہ' میں سہیلی کے حوالے سے خط کا یہ متن دیا ہے:

"رسول اللہ ﷺ ایک لشکر جرار لے کر سیل رواں کی طرح رواں دواں ہیں اور میں حلفاً کہتا ہوں کہ اگر وہ تنہا بھی تمہاری طرف چلے آئیں تو اللہ ان کو تم پر غالب کردے گا۔ اللہ ان سے اپنا وعدہ پورا کرنے والا ہے" (۴)۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطبؓ کو طلب فرمایا اور ان کی اس حرکت کا سبب پوچھا۔ حضرت حاطبؓ نے اپنے مخلص ہونے کا یقین دلایا اور عرض کیا کہ ان کے کچھ قریبی اعزا مدینہ میں بے یارو مددگار تھے۔ سوچا تھا کہ اس طرح اہل مکہ ان کے احسان مند ہو کر ان کے عزیزوں کا خیال رکھیں گے۔ انہیں یہ بھی یقین تھا کہ اس خط سے مسلمانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ عذر معقول نہ تھا۔ حضرت حاطبؓ کو منافق سمجھ کر رسول اللہ ﷺ کی اجازت چاہی کہ انہیں قتل کردیں۔ مگر رحمتہ للعالمینؐ نے فرمایا "عمرؓ۔ تم نہیں جانتے کہ حاطب اہل بدر سے ہیں جن کے لئے خدا نے فرمایا کہ وہ جو چاہیں کریں انہیں بخش دیا گیا" (۵)۔ حضرت عمرؓ نے سنا تو ان کی آنکھوں میں ندامت کے آنسو جھلک آئے۔ مفسرین نے حضرت حاطبؓ کی اس غلطی کو ان آیات کا سبب نزول بتایا ہے جو اس آیت سے شروع ہوتی ہیں:

> "مومنو! اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی طلب کرنے کے لئے نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم تو ان کو دوستی کا پیغام بھیجتے ہو اور وہ (دین) حق سے جو تمہارے پاس آیا ہے منکر ہیں اور اس باعث سے کہ تم اپنے پروردگار خدائے تعالیٰ پر ایمان لائے ہو پیغمبر کو اور تم کو جلاوطن کرتے ہیں تم ان کو پوشیدہ پوشیدہ دوستی کے پیغام بھیجتے ہو اور جو کچھ تم مخفی طور پر اور جو علی الاعلان کرتے ہو وہ مجھے معلوم ہے۔ اور جو کوئی تم میں سے ایسا کریگا وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا"۔ (الممتحنہ ۱)

حضرت حاطبؓ کے واقعے میں تمام مسلمانوں کے لئے تنبیہ تھی۔ مکہ کی طرف پیش قدمی کی خبر مدینہ کے باہر نہ پہنچ سکی۔ بہت جلد ایک بڑا لشکر جس میں سارے مہاجرین و انصار شامل تھے روانگی کے لئے تیار ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابورھم کلثومؓ بن حصین غفاری کو مدینہ

میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اور رمضان المبارک ۸ھ کی ۱۰ تاریخ کو اس بڑے لشکر کے ساتھ مکہ کا رخ کیا۔ ازواج میں حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ ساتھ تھیں۔ راستے میں دوسرے قبائل کے مسلمان لشکر میں شامل ہوتے گئے یہاں تک کہ کل تعداد دس ہزار ہوگئی۔ ان میں سے نبی سلیم میں سے سات سو یا ایک ہزار افراد تھے نبی مزینہ کے ایک ہزار اور نبی غفار اور نبی اسلم کے چار چار سو مجاہد شامل تھے۔ باقی مہاجرین و انصار اور چند دوسرے حلیف قبائل مثلاً نبی تمیم' نبی قیس' نبی اسد وغیرہ کے لوگ تھے۔

لشکر جحفہ میں پہنچا تھا (مکہ سے تقریباً ایک سو چالیس کلومیٹر) تو ایک خوشگوار واقعہ پیش آیا۔ حضرت عباسؓ جو مع اہل و عیال ہجرت (۶) کرکے مکہ سے مدینہ آرہے تھے اس مقام پر رسول اللہ ﷺ سے ملے۔ خود اسلامی لشکر میں شامل ہوگئے۔ اہل و عیال نے مدینہ کا سفر جاری رکھا۔ آگے چل کر یہ لشکر ابوا کے قریب آیا تو نیق العقاب کے مقام پر آپؐ کے دو اور قریبی اعزا اسلام سے مشرف ہوئے۔ یہ آپؐ کے چچا زاد بھائی حضرت ابوسفیان بن حارث (انہوں نے مائی حلیمہ کا دودھ پیا تھا۔ اور آپؐ کے رضائی بھائی بھی ہوتے تھے) اور آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہؓ بن ابی امیہ تھے۔ یہ آپؐ کی پھوپھی حضرت عاتکہؓ کے وہی بیٹے تھے جنہوں نے ایک بار آپؐ سے کہا تھا کہ اگر آپ سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے لکھی ہوئی کتاب لائیں اور چار فرشتے بھی ہوں تب بھی یہ سب دیکھنے کے باوجود آپؐ پر ایمان نہ لائیں گے (ملاحظہ ہو گزشتہ باب ۴۰)۔ ان دونوں سے مکہ کے دوران قیام آپؐ کو بڑی اذیت پہنچی تھی۔ ابوسفیان اچھے شاعر تھے۔ اپنا فن آپؐ کی ہجو میں صرف کرتے تھے۔ دونوں نے جب آپؐ سے ملنا چاہا تو آپؐ نے ملاقات سے انکار کردیا۔ عبداللہ حضرت ام سلمہؓ کے بھائی تھے۔ ام المومنین نے دونوں اصحاب کے لئے آپؐ سے بڑی سفارش کی۔ حضرت ابوسفیان حارث نے یہ بھی اعلان کردیا کہ اگر حضور ﷺ نے شرف ملاقات نہ بخشا تو وہ مع اپنے معصوم فرزند کے (جو اس وقت ان کے ساتھ تھا) صحرا میں نکل جائیں گے اور وہاں جان دے دیں گے۔ آپؐ نے دونوں حضرات کو بہت نادم دیکھا تو دونوں پر نظر عنایت فرمائی۔ حضرت ابوسفیانؓ بن حارث نے اس وقت چند اشعار پیش کئے۔ ایک شعر کا مطلب تھا۔ "میری ذات کی بجائے کسی اور نے میری رہنمائی کی اور مجھے اللہ تک اس نے پہنچایا جسے میں پوری طاقت سے دھکے دیا کرتا تھا"۔ جب ابو سفیان نے یہ شعر پڑھا تو آپؐ نے ان

کے سینے پر ہاتھ مار کر کہا "تم مجھے ہر موقع پر دھکے دیتے تھے" (۷)۔ اس کے بعد ابوسفیان ہمیشہ آپؐ کے نہایت وفادار اور قریبی ساتھیوں میں رہے کہ پچھلے صدمات کی تلافی کر سکیں۔ دور رسالت سے قبل یہ آپؐ کے بہت عزیز دوستوں میں تھے۔ پھر اسلام کی مخالفت کا پردہ دونوں کے درمیان حائل ہوگیا۔ آج وہ پردہ اٹھ گیا تو پچھلی محبت اور رفاقت پھر عود کر آئی اور تادم آخر قائم رہی۔

اتنے بڑے لشکر کا سفر جاری تھا پھر بھی خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ قریش کو اس کی خبر نہ پہنچ سکی (۸)۔ حضرت عمرؓ نے جو اس سفر کے منتظم اعلیٰ تھے اس بات کا لحاظ رکھا کہ جہاں تک ہو سکے لشکر کی پیش قدمی عام نظروں سے چھپی رہے۔ راستے میں جب لشکر عسفان اور قدید کے درمیان کدید کے چشمے پر پہنچا تو گرم موسم کی شدت سے روزہ دار بڑی تکلیف محسوس کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ حالت دیکھی تو خود روزہ توڑ دیا تاکہ دوسروں کو افطار میں کراہیت نہ ہو۔ سب نے آپؐ کی تقلید کی۔ اس کے بعد آپؐ نے اور اہل لشکر نے رمضان کے آخر تک کوئی روزہ نہ رکھا (۹)۔

اسی سفر کا ایک واقعہ ہے جس سے آپؐ کی ہمہ گیر رحمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپؐ نے راستے میں ایک کتیا کو دیکھا کہ اپنے نوزائیدہ بچوں کو دودھ پلا رہی ہے۔ ایک صحابی حضرت عمروؓ (پہلے ان کا نام جعیل تھا۔ جنگ احزاب میں خندق کی کھدائی کے وقت رسول اکرم ﷺ نے نام بدل کر عمرو رکھ دیا تھا) کو حکم دیا کہ اس کے قریب رہیں اور نگرانی کرتے رہیں کہ لشکر سے ان جانوروں کو تکلیف نہ پہنچے۔

مغرب کا وقت تھا کہ اسلامی لشکر مرالظہران پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ یہاں سے مکہ کا سفر دو تین دن کا رہ جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس مقام تک اکثر صحابہ کو یقینی علم نہ تھا کہ ان کا ہدف کیا ہے۔ اہل طائف کو اندیشہ تھا کہ ان پر حملہ نہ ہو چنانچہ انہوں نے مدافعت کی تیاری بھی کی تھی۔ ادھر قریش کو اس بڑے لشکر کی کچھ نہ کچھ خبر پہنچ گئی تھی۔ یقین نہ تھا کہ رخ طائف کی طرف ہے یا مکہ کی طرف مگر خوف ضرور تھا۔ چنانچہ حقیقت معلوم کرنے کے لئے ابوسفیان بن حرب اور حکیم بن حزام مرالظہران کی طرف چل پڑے تھے۔ انہیں راستے میں بدیل بن ورقاء بھی مل گئے جو ان کے ساتھ ہو لئے۔

رسول اللہ ﷺ کی حکمت عملی یہ تھی کہ قریش مکہ کی اطاعت بغیر کسی خون خرابے کے

حاصل ہوجائے۔ اسی لئے آپؐ کوشش کر کے اچانک ان کے سر پر پہنچ گئے کہ انہیں کسی قسم کی تیاری کا موقع نہ مل سکے۔ مرالظہران پہنچ کر قریش کو مرعوب کرنے کے لئے آپؐ نے اہل لشکر کو ہدایت کی کہ جہاں تک ہوسکے سب لوگ علیحدہ علیحدہ آگ جلائیں۔ اس طرح ہزاروں الاؤ روشن ہوگئے۔ حضرت عباس رسول اللہ ﷺ کے خچر پر سوار ہو کر اس خیال سے باہر نکلے کہ کوئی مکہ والا مل جائے تو اس کے ذریعے سرداران قریش کو اتنے بڑے اسلامی لشکر کی آمد کی خبر دیں اور مشورہ دیں کہ اس سے پہلے کہ ان پر حملہ ہو جلد حضور ﷺ کی خدمت میں آکر امان حاصل کرلیں۔ کچھ دور چلے تھے کہ دور سے اندھیرے میں دو آدمیوں کی آواز سنی جو اس طرح گفتگو کررہے تھے۔

پہلا شخص۔ سامنے یہ بے شمار روشنیاں تو کسی بڑے لشکر کی معلوم ہوتی ہیں۔

دوسرا شخص۔ یقیناً یہ بنی خزاعہ ہیں جو قریش پر حملہ کرنا چاہتے ہیں

پہلا شخص۔ خزاعہ کے پاس اتنی بڑی جماعت کہاں۔

حضرت عباسؓ نے پہچان لیا کہ آواز ابوسفیان بن حرب کی ہے۔ حسن اتفاق سے ابوسفیان اور اس کے ساتھی اس وقت اس مقام پر پہنچ گئے تھے۔ حضرت عباسؓ نے "ابوحنظلہ" (ابوسفیان کی کنیت) کہہ کر اسے پکارا۔ ابوسفیان نے بھی حضرت عباسؓ کی آواز پہچان لی۔ انہیں پکارا اور اس طرح گفتگو ہوئی۔

ابوسفیان : ابوالفضل (حضرت عباس کی کنیت)

حضرت عباسؓ : ہاں۔

ابوسفیان : میرے ماں باپ تم پر قربان۔ یہاں اس وقت کیسے۔

حضرت عباسؓ : یہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کا لشکر ہے۔ افسوس کہ قریش کی تباہی آ پہنچی۔

ابوسفیان : میرے ماں باپ تم پر قربان۔ ہمیں نجات کا راستہ بتاؤ۔

حضرت عباس : میں کیا بتاؤں۔ تم مسلمانوں کے ہاتھ آگئے تو تمہیں قتل کردیں گے۔ میرے ساتھ میرے خچر پر آجاؤ۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لئے چلتا ہوں۔ وہاں امان کی درخواست کرتے ہیں۔

ابوسفیان کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا۔ بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام کو

واپس کیا۔ اور خود حضرت عباسؓ کے ساتھ انہی کے خچر پر سوار ہو کر لشکر کی طرف چلا۔ دونوں لشکر سے گزرے تو رسول اللہ ﷺ کے خچر پر حضرت عباسؓ کو دیکھ کر کسی نے کوئی شک نہ کیا اور ابوسفیان پر توجہ نہ دی۔ اتفاقاً حضرت عمرؓ نے جو لشکر کی نگہداشت پر مامور تھے ابوسفیان کو اپنے الاؤ کی روشنی میں پہچان لیا۔ حیرت سے کہا "کون! ابوسفیان۔ اللہ کا دشمن۔ خدا کا شکر کہ بغیر کسی عہدو پیمان کے ہمارے قابو آگیا"۔ حضرت عباسؓ نے کہا "میں نے اسے پناہ دی ہے"۔ اس پر حضرت عمرؓ تیزی سے رسول اللہ ﷺ کے خیمے کی طرف بڑھے کہ ابوسفیان کو قتل کرنے کی اجازت حاصل کریں۔ لیکن حضرت عباسؓ نے اپنا خچر دوڑایا اور حضرت عمرؓ سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اتنے میں حضرت عمرؓ بھی آگئے اور آپؐ سے ابوسفیان کے قتل کی اجازت چاہی۔ حضرت عباسؓ نے عرض کیا "میں نے اسے پناہ دی ہے"۔ حضرت عمرؓ نے جب زیادہ اصرار کیا تو حضرت عباسؓ بولے "اے عمرؓ۔ اگر یہ شخص بنی عدی بن کعب (حضرت عمرؓ کا قبیلہ) سے ہوتا تو میں اس کی سفارش نہ کرتا۔ یہ بنی عبدمناف سے ہے اس لئے اس کی سفارش کررہا ہوں"۔ ان الفاظ میں ایک طنز پنہاں تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنا رویہ بدل دیا کہنے لگے "اے عباسؓ۔ سنو۔ تمہارے اسلام لانے پر میں اس قدر خوش ہوا کہ اگر میرے باپ خطابؔ بھی اسلام قبول کرتے تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ جس قدر تمہارے اسلام سے خوش ہوئے ہیں میرے باپ کے اسلام سے خوش نہ ہوتے"۔ رسول اللہ ﷺ نے دونوں کا قطع کلام کیا اور حضرت عباسؓ سے فرمایا "اس وقت اسے (ابو سفیان کو) لے جاکر اپنے ساتھ رکھو۔ صبح کو میرے پاس لانا"۔

علی الصبح ابوسفیان بن حرب نے فجر کی اذان سنی۔ تو اسلام کی عظمت نے دل پر دستک دی۔ مسلمانوں کو نماز باجماعت میں دیکھا تو اسلام کی شوکت سے متاثر ہوا۔ پھر یہ اور حضرت عباسؓ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے اس طرح گفتگو کا آغاز کیا:

رسول اللہ ﷺ: ابوسفیان۔ تم پر افسوس ہے کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم یہ مان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

ابوسفیان: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ آپؐ کس قدر حلیم وکریم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ بے شک مجھے یقین ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور الہ ہوتا تو

ضرور میرے کام آتا۔

رسول اللہ ﷺ: تم پر افسوس ہے۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم مان لو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

ابوسفیان: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ آپؐ کس قدر حلیم وکریم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ اس بارے میں میرے دل میں کھٹک باقی ہے۔

اس پر حضرت عباسؓ نے سخت لہجے میں سمجھایا کہ اسلام قبول کرکے اپنے اور قریش کے لئے امان حاصل کرلے۔ بات ابوسفیان کی سمجھ میں آگئی۔ کلمہ شہادت پڑھا اور اسلام قبول کیا۔

حضرت عباسؓ کو اطمینان ہوا تو رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا "یا رسول اللہ (ﷺ) ابوسفیان کو فخر ومرتبہ بہت محبوب ہیں۔ انہیں کوئی ایسا اعزاز عطا فرمائیں کہ جس پر فخر کرسکیں"۔ آپؐ نے فرمایا۔ "اس شخص کو امان ہے جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے۔ یا مسجد حرام میں داخل ہوجائے۔ یا پھر اپنے گھر کا دروازہ اندر سے بند کرلے"۔ رخصت کرتے وقت آپؐ نے حضرت عباسؓ کو ہدایت فرمائی کہ ابوسفیان کو راستے میں فلاں ٹیلے پر روکے رکھنا کہ جب اسلامی لشکر ادھر سے گزرے تو اس کا نظارہ کرسکیں۔

☆☆

(۱) ان میں صفوان بن امیہ، شیبہ بن عثمان اور سہیل بن عمرو جیسے معززین قریش کے نام بتائے گئے ہیں۔ (ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۳۷۱)

(۲) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۲۹۵۔ نیز محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد دوم صفحہ ۱۰۰

(۳) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۶۵

(۴) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۳۷۴

(۵) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۷۳۰۔ ۷۳۱ (کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح)

(۶) حضرت عباسؓ پہلے ہی مسلمان ہوچکے تھے۔ اس سے قبل بھی ہجرت کا ارادہ کیا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے مصلحتاً یہی مشورہ دیا کہ ابھی مکہ ہی میں مقیم رہیں۔ (محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد دوم صفحہ ۱۰۹)

(۷) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۳۷۸۔۳۷۹

(۸) ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ "حبس الطرق" یعنی راستوں کی بندش کے باعث قریش کو اس وقت تک خبر نہ مل سکی جب تک کہ مکے کے پہاڑوں کے عین نیچے پڑاؤ نہ لگ گیا" (رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۱۱۵)

(۹) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۷۳۱ (کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح فی رمضان)

(۱۰۹) نصر اللہ والفتح

رمضان المبارک ۸ھ کی ۱۴ تاریخ تھی۔ علی الصبح اسلامی لشکر مرۃ الظہران سے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ مختلف قبائل کے دستے بڑے جوش وخروش سے گامزن تھے۔ جب یہ سیل رواں اس مقام سے گزرا جہاں ایک ٹیلے پر حضرت عباسؓ اور ابوسفیان اس کے منتظر تھے تو ابوسفیان اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ایک ایک دستے کے بارے میں حضرت عباسؓ سے پوچھتے کہ یہ کون ہیں۔ حضرت عباسؓ ہر قبیلے کی بابت بتاتے جاتے تھے۔ دور سے مہاجرین وانصار کے دستوں کو آتے دیکھا۔ زرہ بکتر سے ڈھکے ہوئے مجاہدین کی قطاریں نہایت شاندار نظارہ پیش کررہی تھیں۔ ان کے درمیان رسول اللہ ﷺ اپنے اونٹ پر سیاہ عمامہ سر پر باندھے سوار تھے۔ لشکر کی شان و شوکت نے ابوسفیان کو بہت متاثر کیا۔ حیرت سے کہنے لگے "ابو الفضل۔ تمہارے بھتیجے کی بادشاہت واللہ بڑی زبردست ہوگئی"۔ حضرت عباسؓ نے جواب دیا۔ "یہ بادشاہت نہیں نبوت ہے"۔ ابوسفیان نے تسلیم کیا "بے شک یہ نبوت ہی ہے"۔

حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو مشورہ دیا کہ اب جلد مکہ جاکر لوگوں کو لشکر کی آمد سے مطلع کریں اور بتادیں کہ اس کا مقابلہ ممکن نہیں۔ اطاعت کے سوا چارہ نہ تھا۔ ابوسفیان نے یہی کیا۔ جلد مکہ پہنچے قریش کو اسلامی لشکر کی آمد کی بابت بتایا اور اعلان کیا کہ اس لشکر سے امان وہی لوگ پائینگے جو ان کے گھر میں پناہ گزیں ہوں یا حرم کعبہ میں۔ یا پھر اپنے گھروں کو اندر سے بند کرکے وہیں رہیں۔ ابوسفیان کی زوجہ ہند کو اپنے شوہر کی بزدلی پسند نہ آئی ان کی مونچھ پکڑ کر لوگوں سے کہنے لگی "ایسے محافظ قوم کا برا ہو۔ اس موٹے کو قتل کرو۔ بزدل ذرا سے لشکر سے سہم گیا ہے"۔ ابوسفیان نے چلاکر سب کو مخاطب کیا "اس عورت کی باتوں میں نہ آؤ۔ جو میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔ مسلمانوں کے لشکر سے بچنے کی کوئی اور صورت نہیں"۔ لوگ اپنے سردار کا اعلان سن کر مرعوب ہوگئے اور سب نے جلد اعلان کے مطابق اپنی اپنی پناہ تلاش کی۔

ادھر مسلمانوں کا لشکر مقام ذی طوی پر پہنچا۔ یہ وہی مقام تھا جہاں دو سال قبل حضرت

خالد بن ولیدؓ دو سو قریش سواروں کو لیکر آگئے تھے کہ مسلمانوں کو عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ میں نہ داخل ہونے دیں۔ آج خود اس راستے پر مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ یہاں رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی تقسیم چار حصوں میں کی:

۱۔ میسرہ حضرت زبیر بنؓ عوام کے سپرد کیا کہ شمالی سطح مرتفع کی سمت سے کدا ہوتے ہوئے مکہ میں داخل ہوں۔

۲۔ میمنہ پر حضرت خالد بن ولیدؓ تھے۔ انہیں نچلی سمت سے کدئی ہوتے ہوئے داخل ہونا تھا۔ ان کے ساتھ نبی سلیم' نبی غفار' نبی مزینہ وغیرہ قبائل کے لوگ شامل تھے۔

۳۔ مغرب کی طرف سے حضرت سعد بن عبادہؓ کو جانا تھا۔

۴۔ چوتھے حصے میں اکثر مہاجرین وانصار تھے جو حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کے زیر کمان تھا۔ رسول اللہ ﷺ بھی ان کے ساتھ تھے۔ انہیں اذاخر کی طرف سے بلندی پر پہنچ کر حضرت زبیرؓ سے جا ملنا تھا جو رسول اللہ ﷺ کا سفید علم لئے ہوئے تھے۔ انہیں حکم تھا کہ حجون پہنچ کر آپؐ کا علم نصب کردیں اور وہیں آپؐ کا انتظار کریں۔

حضرت سعد بن عبادہؓ نے جب اپنی جماعت کا علم سنبھالا تو جوش میں ان کے منہ سے ایک ایسا کلمہ نکل گیا جو اسوقت زیبا نہ تھا۔ کہنے لگے "آج خوزیزی کا دن ہے آج حرمت حلال کی جائیگی"۔ حضرت عمرؓ نے یہ بات رسول اکرم ﷺ تک پہنچائی اور عرض کیا کہ کہیں حضرت سعدؓ قریش پر زیادتی نہ کر بیٹھیں۔ آپؐ نے فرمایا "سعدؓ نے غلط کہا۔ آج کعبہ کی تعظیم کا دن ہے۔ اس کی عزت دوبالا ہوگی اسے غلاف پہنایا جائیگا اور اللہ قریش کو عزت بخشے گا"۔ پھر آپؐ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ حضرت سعدؓ سے علم لے کر ان ہی کے فرزند حضرت قیس بن سعدؓ کے سپرد کردیں۔ حضرت سعدؓ نے بغیر کوئی سبکی محسوس کئے ہوئے آپؐ کے حکم کی تعمیل کی اور اپنے کہے پر پشیمان ہوئے۔

اس تقسیم کے وقت لشکر کا منظر ابوقبیس کی پہاڑی سے نظر آسکتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہ ضعیف ونابینا تھے۔ پھر بھی لشکر کی آمد کی خبر سنی تو اپنی سب سے چھوٹی لڑکی کو لیکر ابو قبیس کی ایک چوٹی پر پہنچے۔ لڑکی نے بتایا کہ "ایک سیاہ ہجوم سا نظر آتا ہے"۔ ابوقحافہ نے کہا کہ "یہی مسلمانوں کا لشکر ہے"۔ پھر لڑکی نے بتایا کہ ہجوم منتشر ہورہا ہے۔ یہ بولے کہ "اب لشکر مکہ

کی طرف آرہا ہے"۔ جلد گھر کی طرف واپس ہوئے۔ ان کے گھر پہنچنے سے پہلے لشکر شہر میں داخل ہونا شروع ہوگیا تھا۔ راستے میں ایک مسلمان سوار نے ہاتھ بڑھاکر لڑکی کے گلے سے ایک چاندی کا ہار کھینچ لیا۔ یہ دونوں بہر حال خیریت سے گھر پہنچ گئے (۱)۔

ذی طوی سے چلتے وقت رسول اللہ ﷺ سراپا انکسار کی تصویر تھے۔ کسی شاہانہ رعب وجلال کا ذرہ بھر شائبہ نہ تھا (۲)۔ شکر کے جذبات سے لبریز دل کے ساتھ سر مبارک اللہ تعالیٰ کے حضور جھکا ہوا تھا کہ ریش مبارک اونٹ کے کجاوے کو مس کررہی تھی۔ زبان پر سورۃالفتح کی آیات اس طرح جاری تھیں کہ ایک ایک آیت کو دو دو بار تلاوت فرمارہے تھے۔ آپؐ کے ساتھ حضرت اسامہ بن زیدؓ آپؐ کے ردیف تھے۔ اسی حال میں آپؐ اس مقام پر پہنچے جہاں آپؐ کی ہدایت کے مطابق آپؐ کا خیمہ نصب کرکے آپؐ کا علم گاڑ دیا تھا۔

لشکر کو راستے میں کسی مزاحمت کا سامنا نہ ہوا۔ صرف چند لوگ صفوان بن امیہ' عکرمہ بن ابوجہل وغیرہ کی سرکردگی میں خندمہ کے مقام پر جمع ہوگئے تھے۔ انہوں نے حضرت خالدؓ کو روکنا چاہا اور ان کی جماعت پر تیر چلائے۔ مقابلے میں بارہ کافر مارے گئے۔ باقی جلد بھاگ کھڑے ہوئے (۳)۔ مسلمانوں میں دو حضرات کرز بن جابر فہریؓ اور خنیس بن خالد بن ربیعہؓ اپنی جماعت سے کچھ علیحدہ ہوگئے تھے۔ دونوں کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس خونریزی کا حال معلوم ہوا تو افسوس کرنے لگے اور فرمایا کہ خوں ریزی تو منع کردی گئی تھی۔ لوگوں نے بتایا کہ ابتدا کفار نے کی تھی اور حضرت خالدؓ کی جماعت کو روکنا چاہا تھا تو آپؐ کی تشویش دور ہوئی۔ پھر جلد حضرت خالدؓ آپؐ کی خدمت میں پہنچ گئے اور آپؐ کو تفصیل سے آگاہ کیا۔

مکہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ پہلے حضرت ام ہانیؓ کے مکان پر گئے۔ وہاں غسل فرمایا اور آٹھ رکعات نماز ادا کی۔ یہ چاشت کا وقت تھا (۴)۔ پھر اپنے خیمے میں آگئے۔ اب حالات معمول پر تھے۔ سب صحابہ مطمئن ومسرور تھے۔ آپؐ خیمے سے نکلے اور صحابہ کے ساتھ حرم میں طواف کعبہ کے لئے داخل ہوئے۔ طواف کے وقت آپؐ اپنے ناقے پر سوار تھے اور حالت احرام میں نہ تھے۔ کعبہ کے ارد گرد تین سو ساٹھ بت جابجا نصب تھے۔ آپؐ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ اس سے جس بت پر ضرب لگاتے گر پڑتا آپؐ فرماتے جاتے:

"جا الحق وزھق الباطل۔ ان الباطل کان زھوقا" (بنی اسرائیل ۸۱)

(حق آگیا اور باطل نابود ہوگیا۔ بے شک باطل نابود ہونے والا ہے)

"جاء الحق وما يبدئ الباطل وما يعيد" (سبا ۴۹)

(حق آچکا اور (معبود) باطل نہ تو پہلی بار پیدا کرسکتا ہے اور نہ دوبارہ پیدا کریگا)

اس طرح اللہ کا وہ گھر جسے آپؐ کے جدامجد حضرت ابراہیمؑ نے خدائے واحد کی پرستش کے لئے تعمیر کیا تھا آج آپؐ کے ہاتھوں ہمیشہ کے لئے بتوں سے پاک ہوگیا۔ پندرہ سو سال ہوگئے کہ کوئی بت وہاں نہ پہنچا۔ نہ آئندہ امکان ہے۔ یہ رمضان المبارک ۸ھ کی مبارک ۲۰ تاریخ تھی۔

کہتے ہیں کہ طواف کے دوران ایک شخص فضالہ بن عمیر رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے آپؐ کے قریب آیا۔ آپؐ نے فرمایا "کیا فضالہ ہو"۔ اس نے عرض کیا "ہاں۔ یا رسول اللہ (ﷺ)"۔ آپؐ نے پوچھا "دل میں کیا کہہ رہے تھے"۔ فضالہ بولا "کچھ نہیں۔ اللہ کا ذکر کررہا تھا"۔ آپؐ مسکرائے تو فضالہ نے عرض کیا "میں اللہ سے مغفرت کا طالب ہوں"۔ آپؐ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ جب ہاتھ اٹھایا تو فضالہ کا کہنا ہے کہ "آپ مجھے جملہ کائنات سے عزیز تر تھے"۔

طواف مکمل کرکے آپؐ نے کعبہ کے کلید بردار حضرت عثمان بن طلحہ کو طلب فرمایا (یہ وہی عثمان بن طلحہ تھے کہ قبل ہجرت آپؐ نے ان سے ایک بار کعبہ کا دروازہ کھلوانا چاہا تو انہوں نے انکار کردیا تھا۔ اس وقت آپؐ نے فرمایا تھا۔ "تم دیکھو گے کہ ایک دن یہ کلید میرے پاس ہوگی اور میں جسے چاہوں گا اسے دونگا"۔ عثمٰن نے جواب دیا تھا۔ "کیا اس روز قریش کے سب ہی مرد ذلیل وتباہ ہوجائینگے"۔ آپؐ نے فرمایا تھا "وہ اور بھی زیادہ عزت واقبال سے ہونگے") (د)۔ حضرت عثمان بن طلحہ آئے۔ در کعبہ واکیا اور آپؐ کی ساتھ اندر داخل ہوئے۔ حضرت بلالؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ بھی ساتھ تھے۔ اندر ایک لکڑی کا کبوتر دیکھا تو اسے دست مبارک سے توڑ کر پھینکا۔ آپؐ کے حکم سے اندر کے تمام بت باہر نکال دیئے گئے۔ دیوار پر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی تصویریں تھیں ان کے ہاتھ میں ازلام (فال نکالنے کے تیر) دکھائے گئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا "مشرکین ہلاک ہوں۔ واللہ ان پیغمبروں نے تیروں سے کبھی فال نہ نکالی تھی"۔ ان

تصاویر کو مٹوایا۔ حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی تصویریں بھی تھیں۔

کعبہ کے اندر اس وقت چھ ستون تھے۔ یہاں آپؐ نے اس طرح دو رکعت نماز ادا کی کہ شرقی تین ستون آپؐ کے پیچھے تھے اور غربی دو ستون دائیں طرف اور ایک بائیں طرف تھا(۶)۔ چاروں طرف تکبیر کہی۔ پھر دروازہ کھول کر باہر تشریف لائے۔ دیکھا کہ قریش اور مسلمان قطاروں میں آپؐ کے منتظر ہیں۔ آپؐ نے اس طرح خطاب فرمایا:

"اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا کوئی معبود نہیں اس نے اپنا وعدہ سچا کردکھایا۔ اپنے بندےؐ کی مدد فرمائی اور تمام کافر لشکروں کو شکست دی۔ اے لوگو تمام قدیم اعزاز ومفاخر اور پرانے قتل ومال کے دعوے میرے ان دو قدموں کے نیچے ہیں (یعنی ختم کئے جاتے ہیں) صرف حجابت (بیت اللہ کی تولیت وکلید برادری) اور سقایہ (حجاج کو پانی فراہم کرنے کا انتظام) کے حقوق باقی ہیں۔ کوڑوں اور لاٹھیوں سے قتل خطا واقع ہو تو اس کا خوں بہا سو اونٹ ہیں جن میں چالیس اونٹیاں حاملہ ہوں۔ اے اہل قریش اللہ نے جاہلیت کے وہ فخر وغرور ختم کردیئے جو آباؤ اجداد کی بنا پر ہوتے تھے"۔

پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

"لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کرو (اور) خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے" (الحجرات ۱۳)

بعد ازاں آپؐ نے فرمایا "اے قریش! تمہیں خبر ہے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں"۔ قریش میں سے ایک صاحب (غالباً سہیل بن عمرو) (۷) نے عرض کیا "ہمیں آپؐ سے

اچھے سلوک کی امید ہے۔ آپؐ ہمارے شریف وکریم بھائی ہیں۔ ہمارے شریف کریم بھائی کے بیٹے ہیں"۔ یہ ان لوگوں کا جواب تھا جو اب تک آپؐ کے خون کے پیاسے تھے۔ آپؐ کو طرح طرح کی اذیتیں دے چکے تھے۔ ان میں سے بہت سے آپؐ کے قریبی اعزا بھی تھے۔ انہیں آج آپؐ نے وہی جواب دیا جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو دیا تھا:

لاتثریب علیکم الیوم" (یوسف ۹۲)

فرمایا "جاؤ۔ آج تم پر کوئی الزام نہیں۔ تم سب آزاد ہو" (۸)

پھر جب آپؐ مسجد میں تشریف فرماتھے تو حضرت علیؑ نے عرض کیا سقایہ کے منصب کے ساتھ ہمیں حجابت (کلید برداری کعبہ) کا منصب بھی عطا فرمائیں۔ (اس وقت کلید کعبہ حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھی)۔ لیکن رسول اکرم ﷺ نے حضرت عثمان بن طلحہؓ کو بلوایا۔ کلید ان کے ہاتھ میں دی اور فرمایا۔ "یہ کلید لو۔ آج نیکی اور وفاداری کا دن ہے۔ یہ ہمیشہ تمہارے لئے ہے۔ جو چھینے گا وہ ظالم ہوگا"۔ یقیناً حضرت عثمان بن طلحہؓ کے ذہن میں اس وقت وہ منظر ہوگا جب ان کے کعبہ کھولنے کے انکار پر آج سے تقریباً دس سال پہلے آپؐ نے فرمایا تھا کہ "ایک دن یہ کلید میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہونگا دونگا"۔

نماز کا وقت ہوا تو حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دیں۔ انہوں نے تعمیل کی۔ اذان کا ہر ہر کلمہ آج کی اس عظیم فتح کا آئینہ دار تھا۔ پندرہ سو سال گزر گئے کہ یہی اذان کعبہ میں ہر نماز کے وقت دہرائی جاتی ہے اور صحن کعبہ عبادت گذاروں سے معمور رہتا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت بلالؓ یہ اذان دے رہے تھے تو ابوسفیان بن حرب' عتاب بن اسید ' اور حارث بن ہشام بیت اللہ کے صحن میں بیٹھے تھے۔ عتاب نے کہا کہ اللہ نے اس کے باپ اسید کو بزرگی دی کہ ان تکلیف دہ الفاظ کو سننے کے لئے زندہ نہ رکھا۔ حارث نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہا کہ اگر اسے معلوم ہوجائے کہ آپؐ بر حق ہیں تو آپؐ کا پیرو ہوجائے۔ ابوسفیان نے کہا "میں کچھ نہ کہونگا۔ جانتاہوں کہ ایک حرف بھی کہا تو یہ کنکریاں میری بات انؐ تک پہنچادینگی"۔ رسول اللہ ﷺ کچھ دیر کے بعد ان حضرات کے پاس تشریف لائے۔ جو باتیں انہوں نے کہی تھیں دہرائیں۔ عتاب اور حارث نے عرض کیا "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ ہماری گفتگو کے دوران کوئی شخص ہمارے قریب نہ تھا جسے ہم کہہ سکیں کہ اس نے ہماری باتیں آپؐ سے

کہی ہو نگی" (۹)۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت بلالؓ اذان دے رہے تھے تو چند قریش نوجوان ازراہ تمسخر انکی نقل کرنے لگے۔ ان میں ایک نوجون ابو محذورہ جمحی بھی تھے۔ نہایت خوش الحان تھے۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو طلب فرمایا۔ اور پوچھا کس کی آواز تھی جو آپؐ تک پہنچی تھی۔ لوگوں نے ابو محذورہ کی طرف اشارہ کیا۔ ابو محذورہ ڈرے کے کہ اب ان کی خیر نہیں۔ آپؐ نے ان سے اذان کے کلمات دہرانے کو کہا۔ انہوں نے ڈرتے ہوئے اذان کہی۔ آپؐ نے چند درہم کی ایک تھیلی عنایت فرمائی۔ ان کے شکم پر ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی۔ ابو محذورہ کی کدورت محبت سے بدل گئی۔ بعد میں ان کی استدعا پر آپؐ نے انہیں مکہ میں بیت اللہ کا موذن مقرر فرمایا۔ انہیں یہ شرف سولہ سال کی عمر میں حاصل ہوا اور تاحیات موذن حرم رہے(۱۰)۔

اسی دن حضرت ابوبکرؓ اپنے والد ابو قحافہ کو رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں لائے۔ آپؐ نے دیکھا تو فرمایا "انہیں ناحق یہاں تک آنے کی زحمت دی۔ میں خود ہی ان کے یہاں جاکر ان سے ملتا"۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا "آپؐ کے تشریف لانے سے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونا بہتر ہے"۔ آپؐ نے ابوقحافہ کو سامنے بٹھایا۔ ان کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ اسلام قبول کریں۔ انہوں نے کلمہ شہادت پڑھا۔ اور مسلمان ہوئے۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو مبارکباد دی۔

رات کو رسول ﷺ نے اپنے خیمے میں قیام فرمایا۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے دریافت کیا کہ "کل آپؐ کہاں قیام فرمائینگے۔ تو فرمایا "عقیل نے ہمارے لئے کوئی مکان چھوڑا ہی نہیں"۔ چنانچہ آپؐ کا قیام اس خیمے میں رہا۔ دوسرے دن آپؐ پھر خطبے کے لئے کھڑے ہوئے۔ آپؐ کو اطلاع ملی تھی کہ بنی خزاعہ کے ایک شخص نے کسی مشرک کو قتل کردیا۔ اس مقتول کا تعلق بنی لیث سے تھا جن کے ہاتھوں دور جاہلیت میں خزاعہ کا کوئی شخص قتل ہوا تھا۔ آپؐ نے خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا:

"اے لوگو جس دن سے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے مکہ حرم ہے اور قیامت تک حرم رہے گا۔ کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ اس میں خون بہائے یا اس میں درخت کاٹے۔ مجھ سے پہلے یہ کسی کے لئے حلال

نہیں کیا گیا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا۔ صرف میرے لئے ایک ساعت کے لئے حلال ہوا تھا۔ اب پھر اس کی حرمت ویسی ہی ہوگئی جیسی کہ تھی۔ جو لوگ تم میں سے موجود ہیں انہیں لازم ہے کہ جو لوگ غائب ہیں انہیں یہ حکم پہنچادیں اور اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے اسمیں قتل وقتال کیا ہے تو اس سے کہدو کہ رسول خدا (ﷺ) نے صرف ایک ساعت کے لئے یہاں کے لوگوں کی سرکشی کے سبب سے اجازت دی تھی۔ اور اے خزاعہ تمہارے لئے خدا نے اسے حلال نہیں کیا ہے۔ تم قتل سے اپنے ہاتھ اٹھالو۔ بہت قتل و قتال ہوچکا ہے۔ تم نے ایسے شخص کو قتل کیا ہے جس کا خوں بہا مجھ کو دینا پڑیگا۔ اور اب سے جو شخص قتل ہوگا تو اس کے وارثوں کو اختیار ہے کہ چاہے قصاص لیں اور چاہے خونبہا پر راضی ہوجائیں" (۱۱)۔

آپؐ خطبے سے فارغ ہوئے تو بعض مہاجرین نے خواہش ظاہر کی کہ ان کے وہ مکانات واپس دلائے جائیں جن پر مشرک قابض ہوگئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا "تمہارا جو مال اللہ کی راہ میں جاچکا میں اس کی واپسی پسند نہیں کرتا" یہ سن کر مہاجر خاموش ہوگئے۔ شکایت کا کوئی حرف زباں پر نہ آیا۔ حضرت خدیجہؓ اور آپؐ کے مکان پر کوئی اور قابض تھا۔ آپؐ نے اس کا ذکر تک نہ کیا۔

ایک وقت آپؐ کوہ صفا پر دعاؤ مناجات میں مشغول تھے تو چند انصار فکر مند ہوکر آپس میں کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کا شہر فتح کروا دیا تھا اب شاید آپؐ یہیں رہنا پسند فرمائیں۔ دعا سے فارغ ہوکر آپؐ نے ان سے پوچھا کہ کیا باتیں کررہے تھے۔ آپؐ کے اصرار پر انہوں نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا۔ آپؐ نے فرمایا "ہرگز نہیں۔ زندگی بھی تمہارے ساتھ ہے اور موت بھی"۔

اب قریش اپنے بتوں سے مایوس ہوچکے تھے۔ اسلام کی کامیابی پر انہیں پورا یقین ہوگیا تھا۔ جانتے تھے کہ اب ان کی فلاح وبہبود اسلام قبول کرلینے ہی میں ہے۔ چنانچہ سب رسول ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کے لئے جمع ہوگئے۔ آپؐ کوہ صفاپر تشریف فرما ہوئے۔ حضرت عمرؓ ذرا نیچے آپؐ کے قریب بیٹھے۔ آپؐ نے سب حضرات سے بیعت لی کہ وہ آپؐ کی بات سنیں گے اور

مانیئے۔ مردوں کے بعد عورتوں کی بیعت شروع ہوئی۔ مردوں کی طرح انہیں رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک چھونے کی اجازت نہ تھی۔ بیعت کے شرائط حضرت عمرؓ دہراتے تو وہ انہیں قبول کرتیں۔ اس بیعت کے دوران ابوسفیان کی زوجہ ہند (جس نے جنگ احد میں حضرت حمزہؓ کا جگر چبایا تھا) چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے آئی۔ بیعت لی گئی کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروگی۔ چوری نہ کروگی۔ اس پر ہند نے کہا "میرا شوہر بخیل شخص ہے۔ میں اس کے مال سے کچھ لے لوں تو کچھ حرج نہ ہوگا"۔ ابوسفیان وہیں موجود تھے۔ بولے "تم نے اب تک جو کچھ لے لیا۔ تمہارے لئے جائز ہے"۔ رسول اللہ ﷺ مسکرائے۔ ہند کو پہچان لیا۔ پوچھا "تم ہند ہو"۔ ہند نے جواب دیا "ہاں۔ یارسول اللہ جو کچھ مجھ سے ہوا معاف فرمایئے۔ اللہ آپؐ کو معاف کریگا"۔ بیعت کے لئے مزید فرمایا "زنا نہ کرو گی"۔ تو ہند بولی "کہیں آزاد عورت بھی زنا کرتی ہے"۔ فرمایا "اپنی اولاد کو قتل نہ کروگی"۔ ہند نے بے ساختہ کہا "ہم نے تو انہیں بچپن سے پال پوس کر بڑا کیا آپ ہی لوگوں نے انہیں بدر میں قتل کرڈالا" (بدر میں اس کا بیٹا حنظلہ قتل ہوا تھا)۔ اس حاضر جوابی پر حضرت عمرؓ ہنسی سے بے تاب ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی تبسم فرمایا۔ پھر بہتان نہ باندھنے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت پر بیعت لی گئی۔ ہند گھر واپس آئی تو گھر میں جو اسکا بت تھا اسے مخاطب کیا "تو نے ہمیں دھوکے میں رکھا" پھر توڑ کر پاش پاش کردیا۔ راتوں رات تقریباً سارے شہر کا اس طرح اسلام قبول کرلینا ایسا عجیب واقعہ ہے کہ تاریخ میں اس کی نظیر نہیں۔ کچھ لوگ بے شک ایسے تھے جنہوں نے ابھی اسلام قبول نہ کیا(۱۲)۔ ان سے کوئی تعارض نہ کیا گیا۔ نہ ان پر کسی قسم کا تشدد ہوا۔ لیکن بہت جلد چند ہی دنوں میں رفتہ رفتہ سب حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔

مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ نے حکم دیدیا تھا کہ کسی کا خون نہ بہایا جائے۔ سوائے ان چند مجرموں کے جو شدید جرائم کے مرتکب تھے۔ بیہقی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ صرف چار شخص تھے جن کے متعلق آپؐ نے فرمایا تھا کہ غلاف کعبہ کے ساتھ بھی پائے جائیں تو قتل کردیئے جائیں۔ پہلا شخص عبداللہ بن خطل تھا۔ پہلے اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ مسلمان ہوا تو نام عبداللہ رکھا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک بار مدینہ سے کسی انصاری صحابی کے ساتھ زکوۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ اس کے ساتھ ایک مسلمان غلام بھی تھا۔ کسی معمولی بات پر غلام سے اتنا ناراض ہوا کہ اسے قتل کر ڈالا۔ اس قتل عمد کی سزا سے بچنے کے

لئے بھاگ کر مکہ چلا آیا اور مرتد ہوگیا۔ اس طرح قتل اور ارتداد کے دہرے جرم میں ماخوذ تھا۔ اس کے علاوہ اس کی لونڈیاں بھی تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی ہجو گایا کرتی تھیں۔ یہ اپنی جان بچانے کے لئے غلاف کعبہ میں چھپ گیا۔ وہیں حضرت ابوبرزہؓ اسلمی اور حضرت سعیدؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

دوسرا مرتد مقیس بن صُبابہ تھا۔ اس نے مکہ سے مدینہ آکر مسلمان ہونے کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ اور اپنے ایک مقتول مسلمان بھائی کا خون بہا وصول کیا جو ایک صحابی کے ہاتھوں غلطی سے قتل ہوگئے تھے۔ خون بہا وصول کرنے کے باوجود ان صحابی کو بھی انتقاماً قتل کرکے واپس مکہ بھاگ آیا۔ اس جرم کی پاداش میں اسے اس کی قوم کے ایک صاحب حضرت نمیلہؓ بن عبداللہ نے قتل کیا۔

تیسرے مرتد عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تھے۔ یہ مدینہ میں کاتب وحی تھے۔ پھر مرتد ہو کر مکہ بھاگ آئے تھے۔ ارتداد کے جرم میں قتل کے مستحق تھے۔ لیکن فتح مکہ کے موقع پر انہوں نے حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس جاکر پناہ لی۔ حضرت عثمانؓ انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور سفارش کی کہ اب دوبارہ مسلمان ہوگئے ہیں اور بیعت کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ آپؐ نے کچھ دیر توقف فرمایا۔ پھر دست مبارک بڑھا کر بیعت قبول فرمائی۔ (آئندہ یہ اچھے مسلمان ثابت ہوئے اور خلفائے راشدین کے دور میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے)۔ حضرت عثمانؓ اور ان کے جانے کے بعد آپؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ "میں اتنی دیر خاموش رہا تو تم میں سے کسی نے اسے قتل کیوں نہ کردیا"۔ صحابہ میں سے کسی نے عرض کیا کہ آپؐ کی دل کی بات کا انہیں علم نہ تھا۔ آپؐ آنکھ سے اشارہ کردیتے تو وہ بے شک انہیں قتل کردیتے۔ آپؐ نے فرمایا "نبی کو لائق نہیں کہ آنکھوں سے خیانت کرے"۔

چوتھی ایک خاتون ام سارہ تھیں۔ یہ عکرمہ بن ابوجہل کی کنیز تھیں۔ مکہ سے مدینہ آکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اپنی مفلسی اور ناداری کا اظہار کیا اور مالی امداد چاہی۔ آپؐ نے مدد فرمائی۔ پھر یہی خاتون حضرت حاطبؓ کا خط لے جاتی ہوئی پائی گئی تھیں۔ اب انہوں نے امن مانگا تو آپؐ نے معاف کردیا۔ اس طرح بقول حضرت انسؓ صرف دو مجرم فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قتل کئے گئے باقی رہا ہوئے۔

بعض سیرت نگاروں نے چند اور نام بھی دیئے ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے گردن زدنی

قرار دیا تھا۔ ان میں عکرمہ بن ابو جہل' حویرث بن نقید' ہبار بن اسود اور ابن خطل کی دو باندیاں شامل تھیں۔ عکرمہ مخالفین اسلام میں سب سے آگے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر بھی حضرت خالدؓ کے خلاف نبرد آزما ہوئے تھے۔ پھر یمن کی طرف بھاگ گئے۔ ان کی زوجہ حضرت ام حکیمؓ (یہ حضرت خالد بن ولید کی ہمشیرہ تھیں) مسلمان ہوگئیں اور رسول اللہ ﷺ سے اپنے شوہر کے لئے امان چاہی جو منظور ہوئی۔ یہ اپنے شوہر کو تلاش کر کے یمن سے واپس لائیں۔ عکرمہ نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور عہد کیا کہ جو کچھ اسلام کی مخالفت میں صرف کیا تھا اس سے سوا اسلام کی معاونت میں خرچ کریں گے (۱۳)۔ ان کے مکہ پہنچنے سے پہلے ہی رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کو ہدایت کی تھی کہ ان کے سامنے ابو جہل کی مذمت نہ کریں کیونکہ مردے کی مذمت کرنے سے کسی زندہ کا دل تو ٹوٹ سکتا ہے مگر مردے کا کچھ نہیں بگڑتا۔

حویرث بن نقید کے متعلق کہا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے قتل کیا۔ یہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کو بڑی اذیت دیتا تھا اور جب آپؐ کی صاجزادیاں حضرت فاطمہؓ اور حضرت ام کلثومؓ ہجرت کر کے مدینہ جا رہی تھیں تو اس نے ان کے اونٹ کو مار کر ایسا بھڑکایا کہ دونوں خواتین گر پڑیں۔ ہبار بن اسود وہ شخص تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کی صاجزادی حضرت زینبؓ کو ہجرت کرتے وقت اونٹ سے گرا دیا تھا جس سے اسقاط حمل واقع ہوا۔ اس صدمے سے وہ کافی بیمار رہیں اور صحت خراب ہوگئی۔ فتح مکہ سے ایک ماہ قبل انؓ کا انتقال ہوا تھا۔ ابھی ان کا غم تازہ تھا پھر بھی ہبار اسلام قبول کر کے معافی کے خواستگار ہوئے تو آپؐ نے معاف فرمایا۔ ابن خطل کی باندیوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ایک ماری گئی۔ ایک نے اسلام قبول کیا اور معافی مانگ لی۔

بھاگ جانے والوں میں حضرت عکرمہؓ کی طرح صفوان بن امیہ بھی تھے۔ یہ جدہ پہنچے کہ وہاں سے کشتی میں سوار ہو کر یمن چلے جائیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کے قتل کا کوئی حکم نہیں دیا تھا اور یہ عام معافی کے اعلان میں شامل تھے۔ مگر سخت مخالف سردار ہونے کی بنا پر ڈرتے تھے کہ پکڑے گئے تو قتل سے نہ بچ سکیں گے۔ ان کے ایک چچا زاد بھائی حضرت عمیر بن وہبؓ جمحی نے ان کے لئے رسول اللہ ﷺ سے امن کی درخواست کی۔ آپؐ نے منظور فرمائی۔ حضرت عمیرؓ انہیں واپس لانے کے لئے روانہ ہونے لگے تو آپؐ سے کچھ نشانی چاہی کہ صفوان کو امان کا یقین دلا سکیں۔ آپؐ نے وہ عمامہ عطا فرمایا جو مکہ میں داخل ہوتے وقت باندھے ہوئے تھے۔ حضرت

عمیرؓ صفوان کے پاس پہنچے۔ انہیں معافی کا یقین دلایا اور مکہ واپس لائے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دو ماہ کی مہلت چاہی کہ اسلام کے متعلق سوچ سکیں۔ آپؐ نے چار ماہ کی مہلت عنایت کی۔ مگر یہ اس سے قبل ہی جنگ حنین کے بعد مسلمان ہوگئے۔ ان کی زوجہ حضرت فاختہؓ بنت ولید پہلے ہی مسلمان ہوچکی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے پہلے ہی نکاح کو قائم رکھا۔ اس طرح حضرت ام حکیمؓ اور حضرت عکرمہؓ کے نکاح کو بھی۔

رسول اللہ ﷺ کو اپنے قریبی اعزا کا اسقدر خیال تھا کہ ذرا اطمینان ہوا تو آپؐ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ تمہارے دونوں بھتیجے عتبہ اور معتب کہاں ہیں۔ یہ دونوں آپؐ کے بدترین دشمن ابولہب کے بیٹے تھے۔ حضرت عباسؓ نے بتایا کہ چند قریش بھاگ کر روپوش ہوگئے تھے انہی کے ساتھ یہ دونوں بھی چلے گئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ انہیں تلاش کرکے آپؐ کے پاس لے آئیں۔ حضرت عباسؓ مقام عرنہ تک گئے اور وہاں سے دونوں کو لے آئے۔ دونوں نے اسلام قبول کیا۔ آپؐ نے دونوں کے لئے دعا کی اور بہت مسرور ہوئے۔ حضرت عباسؓ نے آپؐ کی مسرت دیکھی تو کہنے لگے "خدا آپؐ کو ہمیشہ اسی طرح مسرور رکھے"۔ آپؐ نے فرمایا "میں نے اپنے رب سے درخواست کی تھی کہ مجھے یہ دونوں بھتیجے عطا کردیئے جائیں میرے رب نے مجھ پر عنایت فرمائی"۔

مکہ میں آپؐ کا قیام پندرہ بیس دن رہا۔ اس دوران شہر کے اندر لوگوں کے گھروں میں جو بت تھے آپؐ کے حکم سے توڑ دیئے گئے۔ حرم کے اندر جو ہبل وغیرہ کے بت تھے پہلے ہی توڑ کر جلائے جاچکے تھے۔ اب آپؐ نے ان بتوں اور ان کے صنم خانوں کی تباہی کے لئے کئی سرایا روانہ فرمائے جو مکہ کے گردو نواح میں تھے۔ نخلہ کے قریب عزیٰ کا مشہور بت تھا جسے قریش، بنی کنانہ، بنی مضر وغیرہ سب ہی پوجتے تھے۔ اس کے انہدام کے لئے آپؐ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو تیس سواروں کے ساتھ روانہ فرمایا۔ اس بت کے مجاوروں نے اس کے گلے میں ایک تلوار لٹکادی اور کہا "اے عزیٰ۔ اس تلوار سے خالد اور اس کے لشکر کو قتل کیجو"۔ اور خود بھاگ کر پہاڑیوں میں پناہ لی۔ حضرت خالدؓ نے صنم کدہ منہدم کردیا اور واپس آگئے کوئی مدافعت نہیں ہوئی۔

مکہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر پر رہاط میں سواع نامی ایک بت تھا۔ اس کے انہدام کے لئے حضرت عمروؓ بن عاص گئے۔ یہاں کے لوگوں کو یقین تھا کہ کوئی ان کے بت کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ مسلمانوں نے اسے فوراً توڑ ڈالا تو حیرت زدہ رہ گئے اور اسلام قبول کیا۔

تیسرا بت مناۃ کا تھا۔ یہ قدید کے قریب مشلل کے مقام پر نصب تھا۔ اسے حضرت سعدؓ بن زید اشہلیؓ نے جاکر منہدم کیا۔ اس طرح بہت جلد سرزمین حجاز سے بتوں کا خاتمہ ہوا اور خدائے واحد کا بول بالا ہوا۔

اسی دوران ایک سانحہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ملال کا باعث ہوا۔ آپؐ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ساڑھے تین سو حضرات کے ساتھ جن میں مہاجرین و انصار کے علاوہ بنی سلیم بھی شامل تھے بنی جذیمہ کی طرف روانہ فرمایا کہ انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ یہ لوگ یلملم کے قریب آباد تھے کوئی جنگ مقصود نہ تھی۔ جب حضرت خالدؓ وہاں پہنچے تو بنی جذیمہ نے یہ سمجھ کر کہ وہ حملہ کرنے والے ہیں اپنے ہتھیار سنبھالے۔ حضرت خالدؓ نے بتایا کہ سب نے اسلام قبول کرلیا ہے لہذا وہ بھی اسلام سے مشرف ہوجائیں۔ اور ہتھیار ڈال دیں۔ بنی جذیمہ نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ ہتھیار بھی رکھ دیئے۔ مگر بجائے "اسلما" (ہم مسلمان ہوئے) کہنے کے "صبانا صبانا" (ہم نے اپنا دین ترک کیا) کا نعرہ لگایا۔ حضرت خالدؓ کو غلط فہمی ہوئی سب کو گرفتار کرکے قتل کرنا شروع کردیا۔ حضرت ابن عمرؓ اور انصار و مہاجر ساتھیوں نے یہ حکم ماننے سے انکار کردیا۔ لیکن بنی سلیم نے بہت سے آدمی قتل کر ڈالے۔ جب یہ اصحاب واپس آئے اور رسول اللہ ﷺ کو حالات سے آگاہ کیا تو آپؐ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے اس طرح اپنی برات کا اظہار کیا "یااللہ جو کچھ خالدؓ نے کیا میں اس سے بری ہوں"۔

بنی جذیمہ پر جو گذری آپؐ کو اس کا بڑا افسوس تھا۔ حضرت علیؓ کو بہت سا سامان لیکر بھیجا کہ مقتولین کا خون بہا اور نقصانات کا معاوضہ ادا کردیں۔ حضرت علیؓ نے وہاں جاکر تمام مقتولین کا خون بہا وارثوں کو ادا کیا اور جو کچھ مال و متاع ان سے چھن گیا تھا یا تباہ ہوگیا تھا اس کا معاوضہ ادا کیا۔ جب بنی جذیمہ کے سب لوگ مطمئن ہوگئے۔ تب بھی کچھ مال حضرت علیؓ کے پاس باقی رہ گیا۔ انہوں نے وہ مال بھی وہیں چھوڑا اور کہا "یہ باقی مال بھی رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے تمہارے سپرد کرتا ہوں تاکہ اس نقصان کی تلافی بھی ہوسکے جس کا اس وقت تمہیں علم نہیں ہے اور بعد کو معلوم ہو"۔ حضرت علیؓ نے واپس آکر رسول اللہ ﷺ کو تمام کارروائی سے آگاہ کیا۔ آپؐ کو اطمینان ہوا۔

مکہ کی فتح صرف ایک علاقے کی فتح نہ تھی بلکہ ایک بڑی قوم کے دلوں کی فتح تھی۔ اتنی

بڑی آبادی نے اپنے پشت ہا پشت کے قدیم عقائد ترک کرکے صدق دل سے اسلام قبول کرلیا۔ بغیر کسی خون ریزی کے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے یہ دہری فتح حاصل کی ‏، وہ آپؐ کے حسن تدبیر کا ایسا کمال ہے جو معجزے سے کم نہیں۔ تاریخ عالم میں اس کی دوسری مثال نہیں۔ یہ فتح قافلہ اسلام کی راہ کا وہ سنگ میل تھی جس کے آگے تمام راہیں ہموار تھیں۔ عرب کے تمام قبائل اسلام کی صداقت اور عظمت کے قائل ہوگئے۔ بہت جلد جہالت کی ساری ظلمت چھٹ گئی اور سارا عرب اسلام کی شعاعوں سے منور ہوگیا۔

اس عظیم الشان فتح کی پیشین گوئی توریت کے ان الفاظ میں کی جاچکی تھی:

"اور اس (موسیٰ) نے کہا۔ خداوند سینا سے آیا۔ اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا۔ وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔ اور دس ہزار قدسیوں میں سے آیا۔ (۱۲)۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ان کے لئے آتشیں شریعت تھی۔ وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے۔ اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اور وہ تیرے قدموں میں بیٹھے۔ ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگا۔ (کتاب استثناء ۳۳/۲'۳)

مکہ میں آپؐ کی ناگہاں اور بلامقابلہ کامیابی کے بارے میں توریت کی آخری کتاب ملاکی کہتی ہے:

"دیکھو میں اپنا رسول بھیجونگا اور وہ میرے آگے راہ درست کرے گا۔ اور خداوند جس کے تم طالب ہو ناگہاں اپنی ہیکل میں آموجود ہوگا۔ ہاں عہد کا رسول جس کے تم آرزومند ہو آئیگا۔ رب الافواج فرماتا ہے۔ پر اس کے آنے کے دن کی کس میں تاب ہے۔ اور جب اس کا ظہور ہوگا تو کون کھڑا رہ سکے گا"۔ (کتاب ملاکی ۳/۱'۲)

کوہ فاران (مکہ کے پہاڑ) پر دس ہزار قدسیوں (مدینہ کا لشکر) کے ساتھ اپنے ہیکل

(کعبہ) میں کون ناگہاں آموجود ہوا جس کے مقابلے کی تاب کوئی نہ لاسکا۔ تاریخ عالم کے صفحات میں صرف ایک ایسا نام ملتا ہے جس پر یہ الفاظ صادق آسکتے ہیں۔ اسی کو حضرت سلیمان نے "محمدیم" کا نام لیکر پکارا۔ اور اسی کی حضرت عیسیٰؑ نے 'فارقلیط' (احمدؐ) کہہ کر نشاندہی کی۔ حیرت ہے ان پر جو توریت و انجیل کو مانتے ہیں اور پیغمبر اسلام ﷺ کو نہیں۔

☆ ☆

(۱) یہ ابن اسحاق کی روایت ہے (الفرید غیوم 'دی لائف آف محمدؐ' (The Life of Muhammad) صفحہ ۵۴۸'۵۴۹

(۲) اس انکسار کے باوصف آپؐ کی شان اور ہیبت کا یہ عالم تھا کہ فتح مکہ کے روز ایک شخص آپؐ سے کچھ کہنے کے لئے آیا تو اس پر کپکپی طاری ہوگئی۔ آپؐ نے فرمایا "اطمینان رکھو۔ میں بھی تو محض ایک قریشی خاتون کا بچہ ہوں جو خشک گوشت کھاتی تھی"۔ (ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۳۸۶)

(۳) ان بھاگنے والوں میں ایک شخص حماس بن قیس تھا جو اپنی بیوی سے بڑے ڈینگ مار کر لڑنے آیا تھا۔ بھاگ کر گھر میں داخل ہوا تو بیوی سے کہا کہ دروازہ جلد بند کرلے۔ بیوی نے پوچھا تمہاری وہ بہادری کیا ہوئی۔ بولا "صفوان اور عکرمہ تک بھاگ گئے۔ تم اس جنگ کو دیکھتیں تو مجھے ملامت نہ کرتیں"۔

(۴) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۱۷ (کتاب المغازی۔ باب منزل النبی ﷺ یوم فتح) ابن اسحاق کی روایت ذرا مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ام ہانیؓ آپؐ کے خیمے میں گئیں۔ آپؐ وہاں غسل فرمارہے تھے۔ غسل کے بعد نماز پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو انہیں خوش آمدید کہا۔ انہوں نے عرض کیا کہ انہوں نے اپنے دو سسرالی عزیزوں کو اپنے گھر میں پناہ دی ہے مگر حضرت علیؓ انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا "جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے پناہ دی۔ علیؓ ایسا نہ کریں گے"۔ یہ روایت صحیح بخاری کی مذکورہ روایت کی روشنی میں صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ درایتاً بھی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت علیؓ اپنی ہمشیرہ کے دو عزیزوں کے قتل کے درپے ہوں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے خون ریزی منع فرمادی تھی۔

(۵) سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلد اول صفحہ ۱۱۹

(۶) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۳۹۸۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہوئے۔ حضرت بلالؓ اندر ہی تھے۔ حضرت عبداللہ نے ان سے پوچھا کہ حضور ﷺ نے کس مقام پر نماز پڑھی تھی۔ انہوں نے ستونوں کے درمیان وہ مقام بتایا۔

(۷) محمد حسین ہیکل 'حیات محمدؐ' صفحہ ۵۲۷

(۸) ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے اسے "تاریخ عالم کا لاثانی و لافانی" جواب قرار دیا ہے۔ ('خطبات بہاولپور' صفحہ ۲۸۸) یاد رہے کہ اس وقت تک تمام قریش مسلمان نہیں ہوئے تھے اور بہت سے کفر پر قائم تھے۔ آپؐ کی یہ معافی بھی ایک طریقہ تبلیغ تھی۔

(۹) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۷۹۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے رخصت ہوتے وقت حضرت عتابؓ کو مکہ کا امیر مقرر فرمایا۔ ایک درہم یومیہ ان کا روزینہ تھا۔ ان کا یہ عہدہ حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت تک رہا۔ ان کا انتقال اسی دن ہوا جس دن حضرت ابوبکرؓ نے وفات پائی۔ (محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد دوم صفحہ ۱۲۶' بحوالہ 'الاستیعاب')

(۱۰) محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد دوم صفحہ ۱۲۷ بحوالہ 'روض الانف۔'

(۱۱) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۸۰

(۱۲) اب مسلمانوں سے کوئی دشمنی نہ تھی۔ چند ہی دن بعد جب مسلمان جنگ حنین کے لئے روانہ ہوئے تو بہت سے غیر مسلم قریش بھی مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے۔ اس جنگ کے دوران اسلامی لشکر میں جو افراتفری پیدا ہوئی اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ پہلے یہی لوگ دشمن کی اچانک تیراندازی سے گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

(۱۳) پھر حضرت عکرمہؓ کی تمام عمر جہاد میں گذری۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد خلافت میں مرتدوں کے خلاف ایک لشکر کے سردار بن کر گئے تھے۔ انہی کے دور خلافت میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے۔

(۱۴) ان دس ہزار کا ذکر حضرت سلیمانؑ نے بھی کیا ہے "وہ دس ہزار میں ممتاز ہے" (توریت کتاب غزل الغزلات۔ ۱/۵)

(۱۱۰) یوم حنین

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا آخری دور شروع ہوتا ہے۔ یہ جس قدر بار آور تھا اسی قدر مختصر۔

ابھی آپؐ مکہ میں مقیم تھے کہ یہ اطلاع ملی کہ بنی ہوازن اپنے چند حلیف اور ذیلی قبائل کے ساتھ مل کر مکہ پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں کہ بت شکن مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیں۔ انہیں خود اپنے بت "لات" کی فکر تھی۔ ہوازن کے ساتھ ثقیف، نصر، جشم وغیرہ قبائل نے چار ہزار افراد (۱) کا لشکر تیار کرلیا۔ جو مکہ کے جنوب مشرق میں اوطاس کے مقام پر جمع ہوگیا۔ ہوازن کے صرف دو قبیلوں بنی کعب اور بنی کلاب نے شامل ہونے سے انکار کردیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمیؓ کو جاسوس کی حیثیت سے روانہ فرمایا کہ اس لشکر کے حالات معلوم کریں۔ انہوں نے یہ فرض خوش اسلوبی سے ادا کیا اور دشمن لشکر کی تفصیلات سے آپؐ کو آگاہ کیا۔

آپؐ نے مناسب سمجھا کہ دشمن کے مکہ پہنچنے سے پہلے ہی اس سے نمٹ لیا جائے تاکہ سرزمین حرم خون خرابہ سے محفوظ رہے۔ آپؐ کے دس ہزار صحابہ کے ساتھ اب مکہ کے مزید دو ہزار نومسلم اور غیر مسلم مل گئے تھے۔ ان میں چند مشرک سردار سہیل بن عمرو اور صفوان بن امیہ وغیرہ بھی شامل تھے۔ ہتیاروں کی کچھ کمی محسوس ہوئی تو آپؐ نے صفوان بن امیہ سے جن کے پاس اسلحہ کا بڑا ذخیرہ تھا کچھ اسلحہ عاریتاً طلب فرمایا۔ یہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ ڈرے کہ یہ سامان غصب نہ ہوجائے۔ آپؐ نے یقین دلایا کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ معاملہ محض عاریتاً تھا جس کے آپؐ خود ضامن ہوئے کہ سارا سامان واپس کردیا جائے گا (۲)۔ صفوان کو اطمینان ہوا اور مطلوبہ سامان جس میں سو زرہیں اور لوازمات بھی شامل تھیں آپؐ کو پہنچا دیا۔ اس کے علاوہ لشکر کے دوسرے اخراجات کے لئے آپؐ نے عبداللہ بن ربیعہ سے تیس ہزار درہم بھی قرض لئے (۳) اتنے بڑے شہر اور اس کے مضافات کے فاتح ہونے کے باوجود آپؐ نے یہ سب کچھ عاریتاً اور قرض کے طور

پر حاصل کیا۔ ایسی مثال دنیا کے کسی عظیم فاتح کی زندگی میں نہیں ملتی۔

آپؐ کا یہ لشکر ۵ یا ۶ شوال کو روانہ ہوا۔ عربوں کا اتنا بڑا لشکر اس سے پہلے کبھی جمع نہ ہوا تھا۔ ایک صحابی کی زبان سے نکل گیا "لاتغلب الیوم من قلتہ" (آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہونگے) دشمن فوج کا سردار ہوازن کے قبیلہ نصر کا تیس سالہ جوان مالک بن عوف نصری تھا۔ اپنے حوصلے اور شجاعت کے لئے مشہور تھا۔ اسی باعث اس کم عمری میں اس اعلیٰ منصب پر پہنچ گیا تھا۔ اس نے اپنے اہل لشکر کو حکم دیا کہ سب اپنے اہل وعیال اور مویشی وغیرہ کو ساتھ لے آئیں تاکہ ان کی خاطر جنگ میں دل وجان کی بازی لگانے میں تامل نہ کریں۔ قبیلہ جشم کا ایک تجربہ کار ضعیف العمر درید بن صمہ نامی بزرگ بھی اس لشکر میں شامل تھا کہ اس کے تجربے سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ درید کو جب معلوم ہوا کہ لشکر کے عقب میں عورتیں بچے اور مویشی وغیرہ بھی ہیں تو تعجب کرنے لگا کہ یہ سب کیا ہے اور کیوں ہے۔ مالک نے بتایا کہ اس نے یہ سب اس لئے کیا ہے کہ لشکر کا کوئی سپاہی راہ فرار نہ اختیار کرے۔ درید نے اس خیال سے اتفاق نہ کیا اور یہ مشورہ دیا کہ خواتین اور بچے وغیرہ کسی محفوظ مقام پر بھیج دیئے جائیں۔ مالک نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور اہل لشکر نے بھی اپنے اسی بہادر سردار کی تائید کی۔

مالک کو اسلامی لشکر کی روانگی کی خبر مل گئی۔ ابن ہشام اور دوسرے سیرت نگاروں کے یہاں روایت ہے کہ اس نے چند جاسوس اس لشکر کی بابت معلومات حاصل کرنے کے لئے بھیجے۔ یہ واپس آئے تو بڑے خستہ حال اور حواس باختہ تھے۔ پوچھنے پر بتایا کہ انہوں نے ابلق گھوڑوں پر ایسے سفید پوش سوار دیکھے کہ ان کے ہوش وحواس گم ہوگئے۔ ان کے نزدیک وہ کوئی آسمانی مخلوق تھے جن سے مقابلہ کرنا ممکن نہ ہوگا۔ مالک نے ان کے کہنے کی کوئی پرواہ نہ کی بلکہ ان کو علیحدہ قید میں رکھا کہ اپنی باتوں سے اہل لشکر میں بددلی نہ پھیلادیں۔ لشکر کو وادی حنین کی طرف لے کر چلا جس وادی سے مسلمانوں کے لشکر کو بہر حال گزرنا تھا۔ تنگ وادی کے آس پاس گھاٹیوں میں جابجا اپنے لشکر کے دستے متعین کردیئے کہ جب مسلمان ادھر سے گزریں تو ان پر اچانک حملہ کیا جاسکے۔ کچھ فوج وادی کے سرے پر چھوڑی۔

اسلامی فوج اسی وادی کی طرف آرہی تھی۔ راستے میں ایک بڑا سرسبز بیری کا تناور درخت نظر آیا۔ نو مسلم حضرات جو لشکر میں شامل تھے ذات انواط نامی ایک درخت سے واقف تھے جہاں

اہل عرب سالانہ زیارت کے لئے آتے اور قربانی وغیرہ کرتے تھے۔ انہوں نے چاہا کہ ان کے لئے بھی کوئی ایسا ہی درخت نامزد کردیا جائے اور رسول اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ ذات انواط کی طرح ایک خوبصورت درخت ان کے لئے مقرر کردیا جائے (۴)۔ آپؐ نے یہ بات سخت ناپسند فرمائی اور یاد دلایا کہ اس طرح قوم موسیٰ نے یہ چاہا تھا کہ ان کے لئے ایک بت بنادیا جائے جسے وہ پوجیں اور یہ نہایت نازیبا خواہش تھی۔ ایسی باتیں کھلا ہوا شرک تھیں جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

راستے میں آپؐ کو کسی نے خبردی کہ اس نے ایک پہاڑی سے ہوازن کے لشکر کا نظارہ کیا تو بڑی تعداد میں عورتیں' بچے اور مویشی ان کے ساتھ دیکھے۔ آپؐ نے سن کر فرمایا "انشاء اللہ کل وہ سب ہمارے قبضے میں ہونگے"۔ مسلمان وادی حنین کے قریب پہنچے تو شام ہوچکی تھی۔ شب کو وادی سے کچھ ہی فاصلے پر خیمے زن ہوئے یہ شوال کی ۱۰ تاریخ تھی۔

صبح صادق کے وقت آپؐ نے لشکر کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ جہاد کی فضیلت بیان فرمائی اور سب کو بشارت دی کہ ثابت قدم رہے تو انشاء اللہ فتح ہوگی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ مقدمتہ الجیش کی کمان کر رہے تھے ان کے ساتھ بنی سلیم کے سارے لوگ شامل تھے۔ ان کے پیچھے مکہ کے نو۔مسلم حضرات تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ مہاجرین وانصار کے ساتھ تھے۔ مہاجرین کے علم حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اٹھائے ہوئے تھے۔ انصار میں خزرج کے جھنڈے حضرت حباب بن المنذرؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں تھے۔ اوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیرؓ کے پاس تھا۔ سب سے آخر میں مکہ کے وہ لوگ تھے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر لشکر میں شامل ہوگئے تھے۔

بلندی سے نشیبی وادی میں لشکر اترا تو بالکل بے خبر تھا کہ دشمن کے دستے گھاٹیوں میں اور پہاڑی کی چوٹیوں پر گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ جیسے ہی لشکر وادی میں داخل ہوا مالک بن عوف نے اپنے چھپے ہوئے دستوں کو اچانک حملے کا اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی ان دستوں نے تیروں کی بارش شروع کردی اور گھاٹیوں سے دشمن کی سپاہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے دستوں پر ٹوٹ پڑی۔ بنی سلیم گھبرا کر پیچھے کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کے ساتھ مکہ کے نومسلم حضرات بھی۔ اس بھگدڑ کی وجہ سے سارے لشکر میں افراتفری پھیل گئی (۵)۔ پیچھے بھاگنے والوں کا یہ عالم تھا کہ

ابوسفیان بن حرب کہنے لگے "یہ تو اب سمندر ہی پر جاکر ٹھہرینگے"۔ صفوان بن امیہ کا ایک اخیافی بھائی جبلہ یاکلدہ بن حنبل (جو صفوان کی طرح ابھی کافر ہی تھا) پکار پکار کر کہنے لگا "آج سحر باطل ہوگیا" مگر صفوان نے اسے یہ کہہ کر خاموش کردیا کہ اسے کسی قریشی کا محکوم ہونا قبول ہے بجائے اس کے کہ دوسرے قبیلے والے اس کے حاکم بن جائیں۔

اسلامی فوج کی اس ابتری کے دوران رسول اللہ ﷺ نہایت استقلال کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم رہے۔ حضرت عباسؓ اور حضرت ابوسفیان بن حارثؓ آپؐ کے خچر دلدل کی لگام اور رکاب مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے۔ دوسرے صحابہ جو آپؐ کے ساتھ ہی ثابت قدم رہے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت اسامہؓ بن زید' حضرت عبداللہؓ بن جحش' حضرت عباسؓ کے فرزند حضرت فضلؓ اور حضرت قثمؓ حضرت ابوسفیانؓ بن حارث کے فرزند حضرت جعفرؓ اور ابولہب کے دو بیٹے عتبہؓ اور معتبؓ تھے۔ آپؐ نے لوگوں کو پکار کر کہا "کدھر جاتے ہو۔ میں یہاں ہوں"۔ پھر کفار کو للکارا۔

"انا النبی لا کذب   انا ابن عبدالمطلب" (۶)

(میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں   میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں)

آپؐ کی آواز اتنی بلند نہ تھی جنگ کے شور وشر میں صحابہ تک نہ پہنچ سکی تو آپؐ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ لوگوں کو آواز دیں کہ "اے انصار کہاں جاتے ہو۔ اے تحت الشجر بیعت کرنے والو ادھر آؤ"۔ حضرت عباسؓ کی آواز گونجی تو صحابہ کی طرف سے "لبیک لبیک" کی صدائیں آنے لگیں۔ اور صحابہ آپؐ کے قریب جمع ہونے لگے۔ بھاگنے والے مسلمان ٹھہر گئے اور واپس ہوئے۔ جن اونٹوں کہ مڑنے میں دقت ہورہی تھی۔ ان کے سوار اتر کر پیدل دشمن کی صفوں میں گھس پڑے۔

اس دوران حضرت علیؓ بڑی شجاعت سے لڑتے رہے۔ ہوازن کا ایک سردار جو ایک سرخ اونٹ پر سوار تھا اپنے قبیلے کے آگے بڑی بہادری سے لڑرہا تھا۔ جو سامنے آتا اسے اپنے نیزے سے زخمی کردیتا۔ حضرت علیؓ نے دیکھا تو بڑھ کر پیچھے سے اس کے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں۔ وہ نیچے کو سرکا تو ایک صحابی نے اس کے ضرب لگائی کہ جانبر نہ ہوسکا۔ استقلال کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں حضرت ام سلیم بنت ملحانؓ بھی تھیں جو اپنے شوہر حضرت ابی طلحہؓ کے ساتھ

تھیں اور ہاتھ میں خنجر تھا۔ بھاگنے والوں سے اس قدر برہم تھیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگیں "ان لوگوں کو بھی قتل کریں جو بھاگے ہیں جیسے آپؐ دشمنوں کو قتل کرتے ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا "ام سلیمؓ کیا اللہ کافی نہیں ہے" (۷)۔

اب سخت مقابلہ ہونے لگا تھا۔ رسول اکرم ﷺ اپنے خچر کی رکابوں پر کھڑے تھے کہ صحابہ آپؐ کو دیکھ سکیں اور آپؐ بھی جنگ کا رخ ملاحظہ فرماسکیں۔ آپؐ نے حضرت ابوسفیان بن حارثؓ سے فرمایا کہ آپؐ کو کچھ کنکریاں زمین سے اٹھا کردیں۔ یہ کنکریاں لے کر آپؐ نے کفار کی طرف پھینکیں اور فرمایا "شاہت الوجوہ" (۸) (بگڑ جائیں یہ چہرے)۔ جنگ کا رخ بالکل بدل گیا اور بہت جلد مسلمان کافروں پر حاوی ہوگئے۔ مالک بن عوف بڑی بہادری سے لڑا۔ مگر آخر مقابلے کی تاب نہ لاسکا۔ اس کی فوج بھاگنا شروع ہوئی۔ خود اس نے بنی ثقیف کے ساتھیوں کے ہمراہ طائف کا رخ کیا اور وہاں شہر میں پناہ لی۔ ہوازن کے باقی لوگ اوطاس اور نخلہ کی طرف بھاگ گئے۔

اسی کے متعلق بعد میں یہ آیات نازل ہوئیں:

> "خدا نے بہت سے موقعوں پر تم کو مدد دی ہے اور (جنگ) حنین کے دن جب کہ تم کو اپنی (جماعت کی) کثرت پر غرہ تھا تو وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور زمین باوجود (اتنی بڑی) فراخی کے تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ پھیر کر پھرگئے۔ پھر خدا نے اپنے پیغمبرؐ پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی (اور تمہاری مدد کو فرشتوں کے) لشکر جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے (آسمان سے) اتارے اور کافروں کو عذاب دیا۔ کفر کرنے والوں کی یہی سزا ہے۔ پھر خدا جس پر چاہے مہربانی سے توجہ فرمائے اور خدا بخشنے والا مہربان ہے"۔(التوبہ ۲۵ تا ۲۷)

تقریباً ستر کافر مارے گئے جن میں دو سردار ذوالخمار اور اس کا بھائی عثمان شامل تھے۔ یہ دونوں عبداللہ بن ربیعہ بن الحارث کے بیٹے تھے۔ ہوازن میں سے ایک علم بردار قارب بن اسود تھا۔ یہ اپنی قوم کو لیکر جلد بھاگ گیا۔ اس کے صرف دو افراد وھب اور جلاح قتل ہوئے۔ مسلمان شہدا

کی صحیح تعداد مورخین نے نہیں دی ہے۔ کہا گیا ہے کہ دو قبیلے تقریباً بالکل ختم ہوگئے۔ جن میں صرف چند لوگ بچے (۹) جن شہدا کے نام ملتے ہیں ان میں حضرت ایمنؓ بن عبید (حضرت ام ایمن کے صاحبزادے) بھی تھے۔ دوسرے صحابی حضرت یزیدؓ بن زمعہ تھے۔ یہ اپنے جناح نامی گھوڑے سے گر کر شہید ہوئے۔ تیسرے شہید حضرت سراقہ بن حارثؓ انصاری تھے۔

اس معرکے میں حضرت ابو قتادہؓ کا واقعہ مشہور ہے۔ انہوں نے دیکھا ایک مشرک ایک صحابی سے لڑ رہا ہے۔ ایک دوسرا مشرک اپنے مشرک ساتھی کی مدد کے لئے بڑھتا تو یہ اس کے مقابل آگئے۔ اور اسے قتل کردیا۔ اس کے بعد پھر جنگ میں مصروف ہوگئے۔ اس کے سامان پر قبضہ کرنے کی طرف توجہ نہ دی۔ جنگ کے اختتام پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس مسلمان نے جس کافر کو قتل کیا وہی مسلمان اس کافر کے سامان کا حقدار ہے۔ یہ سن کر حضرت ابو قتادہؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ (ﷺ) میں نے ایک کافر کو قتل کیا۔ پھر جنگ میں مشغول ہوگیا معلوم نہیں اس کا سامان کس نے لے لیا"۔ اس پر ایک صاحب کھڑے ہوئے اور بتایا کہ "ابو قتادہؓ سچ کہتے ہیں وہ سامان میرے پاس ہے۔ انہیں راضی کیجئے کہ یہ سامان میرے ہی پاس رہنے دیں"۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا "ہرگز نہیں۔ وہ تم سے راضی نہ ہوں گے۔ اللہ کے شیر تو اللہ کے لئے لڑیں اور تم ان کا مال لیتے پھرو۔ سارا سامان انہیں واپس کرو"۔ رسول اکرم ﷺ نے بھی تائید فرمائی اور سامان حضرت ابو قتادہؓ کو واپس دلوایا۔ انہوں نے اس کی قیمت سے بعد میں ایک باغ خریدا (۱۰)۔

جب دشمن فرار ہوگیا تو کافروں کے وہ تمام اہل وعیال اور مویشی وغیرہ جو مالک بن عوف کے حکم کے مطابق ساتھ آئے تھے مسلمانوں کے قبضے میں آگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سارا مال غنیمت اور قیدی حضرت مسعودؓ بن عمرو غفاری کی نگرانی میں جعرانہ کے مقام پر بھجوادیئے جو مکہ سے پندرہ سولہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا۔

اسیروں میں ایک معمر خاتون تھیں۔ تقریباً ستر سال کا سن ہوگا۔ راستے میں ان مجاہدین سے کچھ تکلیف پہنچی جو انہیں قید کر کے لا رہے تھے۔ خاتون نے ان کے برتاؤ پر ناگواری کا اظہار کیا اور کہا "بخدا میں تمہارے سردار کی رضاعی بہن ہوں۔ لوگوں نے یقین تو نہ کیا مگر پھر بھی انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ خاتون نے آپؐ کو دیکھا تو کہا "محمد (ﷺ) میں

تمہاری بہن ہوں شیما" آپؐ نے شک کی نظروں سے دیکھا اور ثبوت چاہا تو انہوں نے اپنی پشت پر ایک نشان دکھایا اور عرض کیا کہ بچپن میں جب وہ آپ کو چرواہوں کے درمیان گود میں لئے ہوئے تھیں تو آپؐ نے اس جگہ کاٹ لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ واقعہ یاد آگیا۔ اپنی ردا ان کے لئے بچھائی اور فرمایا کہ اس پر بیٹھیں۔ پرانی یاد نے آپؐ کی آنکھوں کو پرنم کردیا۔ شیما سے ان کے حالات وغیرہ پوچھتے رہے۔ پھر فرمایا کہ وہ چاہیں تو آپؐ کے ساتھ قیام کریں اور چاہیں تو اپنے اہل قبیلہ کے پاس واپس جائیں۔ انہوں نے اسلام قبول کرلیا لیکن اپنے قبیلے کے پاس واپس جانا پسند کیا۔ آپؐ نے بہت سے تحائف سے نوازا۔ مکحول نامی ایک غلام دیا اور ایک کنیز بھی عطا فرمائی (۱۱)۔

اس مہم کے دوران رسول اکرم ﷺ نے کسی جگہ ایک عورت کی لاش دیکھی معلوم ہوا کہ اسے حضرت خالد بن ولیدؓ نے قتل کیا ہے۔ آپؐ نے کسی کو حضرت خالدؓ کے پاس اس تاکید کے ساتھ بھیجا کہ آپؐ انہیں عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے قتل سے منع فرماتے ہیں۔

اکثر بنی ھوازن اوطاس کی طرف بھاگے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے چند دستے حضرت ابو عامر اشعریؓ کی سربراہی میں ان کے تعاقب میں روانہ فرمائے۔ یہاں کچھ معرکہ آرائی ہوئی کہتے ہیں حضرت ابو عامرؓ نے دشمن کے نو بھائیوں کو یکے بعد دیگرے قتل کیا۔ ہر ایک کو پہلے اسلام پیش کرتے تھے۔ جب وہ انکار کرتا تو حملہ آور ہوتے۔ دسواں بھائی مقابل آیا تو اسے بھی اسلام کی دعوت دی اور خدا کو گواہ ٹھہرایا۔ اس پر وہ شخص بول اٹھا "اے خدا مجھ پر گواہ نہ رہنا" حضرت ابوعامرؓ نے اپنا ہاتھ روک لیا اور یہ شخص بھاگ گیا (۱۲)۔ اس لڑائی میں حضرت ابوعامرؓ دو تیر کھا کر شہید ہوئے۔ ان کے بھتیجے حضرت ابوموسیٰؓ اشعری نے مسلمانوں کی قیادت سنبھالی اور دشمنوں کو مار بھگایا۔ درید بھی اوطاس کی طرف بھاگ آیا تھا۔ اور اپنے اونٹ پر ایک ہودج پر سوار تھا ربیعہ بن رفیعؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے طائف کا رخ کیا جہاں مالک بن عوف اور اہل ثقیف قلعہ بند ہوگئے تھے۔ نخلہ یمانیہ، قرن اور ملیح ہوتے آپؐ بحیرۃ الرغاء پہنچے۔ یہاں مسلمانوں نے ایک مسجد بنائی جہاں آپؐ نے نماز ادا کی۔ یہاں مالک بن عوف کا ایک قلعہ تھا جسے آپؐ نے مسمار کروادیا۔ یہاں سے آگے بڑھ کر مسلمانوں نے طائف کا محاصرہ کرلیا۔ فصیل شہر کے قریب آئے تو اہل ثقیف کی شدید تیر اندازی سے کئی مسلمان شہید و مجروح ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا

کہ مسلمان اپنا پڑاؤ فصیل سے دور رکھیں تاکہ دشمن کے تیروں کی زد سے محفوظ رہیں۔ اور محاصرہ بھی جاری رہے۔ یہاں حضرت ام سلمہؓ اور حضرت زینب بنت جحشؓ کے خیمے نصب کردیئے گئے۔ دونوں خیموں کے درمیان آپؐ مجاہدین کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے (بعد میں یہیں مسجد طائف تعمیر ہوئی)۔

یہ محاصرہ دو تین ہفتے جاری رہا مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ طائف کے لئے روانہ ہونے سے قبل رسول اللہ ﷺ نے حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ کو ذوالکفین کا بت جلانے کو انہی کے علاقے میں (مکہ کے جنوب میں دو دن کی مسافت پر) روانہ فرمایا۔ نبی دوس منجنیق (۱۳) اور دبابہ وغیرہ بنانے میں ماہر تھے۔ حضرت طفیل بت کو جلا کر واپس ہوئے تو ایک منجنیق اور ایک دبابہ بھی ساتھ لیتے آئے۔ رسول اللہ ﷺ کو طائف پہنچے چار روز ہوئے تھے کہ حضرت طفیل بھی مع اس سامان اور اپنے چند قبیلے والوں کے طائف پہنچ گئے۔ منجنیق اور دبابہ اہل طائف کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کی گئی۔ مسلمان فصیل میں ایک سوراخ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ چند مسلمان دبابہ کی حفاظت میں اندر داخل بھی ہوگئے۔ اور سوراخ کو چوڑا کرنا چاہا۔ لیکن اہل طائف نے گرم لوہے کے ٹکڑے ان پر اس طرح برسانا شروع کئے کہ انہیں واپس ہونا پڑا۔ اس موقع پر پھر کئی مسلمان شہید ہوئے۔

شہر کے باہر اہل ثقیف کے پر بہار انگور کے قیمتی باغات تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی غارتگری کا حکم دیا کہ شاید اس طرح اہل ثقیف باہر آئیں۔ یہ لوگ باہر تو نہ آئے مگر قاصد کے ذریعہ یہ استدعا کی کہ ان پر یہ سختی نہ کریں۔ آپؐ نے ان کی یہ التجا قبول فرمائی لیکن ساتھ ہی اہل ثقیف تک اپنا یہ اعلان پہنچایا کہ شہر والوں میں سے جو بھی باہر نکل کر آپؐ کے پاس آجائے گا اور اسلام قبول کرے گا اس کے لئے امان ہے۔ اس اعلان کے بعد شہر کے تیئیس غلام کسی طرح باہر نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ آپ کی خدمت میں آکر مشرف بہ اسلام ہوئے اور آزادی حاصل کی (۱۴)۔ ان میں حضرت ابوبکرہؓ بھی شامل تھے۔ یہ قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر ایک چرخی کی مدد سے نیچے آئے تھے۔ اسی لئے ان کی کنیت ابوبکرہ پڑگئی (بکرہ کنویں سے پانی کھینچنے والی چرخی کو کہتے ہیں)

شہر کے اندر کھانے پینے کا کافی سامان موجود تھا۔ محاصرے میں زیادہ وقت صرف کرنا رسول اللہ ﷺ نے مناسب نہ سمجھا۔ بارہ مسلمان (سات قریش' چار انصار اور ایک صاحب نبی لیث

کے) شہید ہوچکے تھے۔ ان میں آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن ابی امیہ بھی شامل تھے جو ابھی چند ہفتے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ کے بھی تیر کا مہلک زخم آیا تھا جو بعد میں ان کی شہادت کا سبب ہوا۔ آپؐ نے ایک بدوی نوفل بن معاویہ سے مشورہ لیا تو انہوں نے عرض کیا "لومڑی اپنے بھٹ میں گھس گئی ہے۔ انتظار کریں گے تو اس کا شکار کرلیں گے۔ نہ انتظار کریں تو بھی کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گی"۔ آپؐ نے ایک خواب بھی دیکھا۔ آپؐ کے پاس کہیں سے ایک مکھن کا پیالہ بطور ہدیہ آیا تو ایک مرغ نے اسے چونچ مار کر گرادیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو یہ خواب سنایا تو انہوں نے عرض کیا "میرا خیال ہے کہ ابھی ثقیف سے وہ حاصل نہ ہوگا جو آپؐ چاہتے ہیں"۔ آپؐ نے اس خیال کی تائید فرمائی اور دوسرے دن لشکر کی واپسی کا اعلان کیا۔ اکثر صحابہ کو شاق گذرا کہ ناکام واپس ہوں۔ اور محاصرہ جاری رکھنا چاہا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اچھا پھر صبح کو میدان جنگ میں آجائیں۔ دوسری صبح چند اصحاب دشمن کی تیراندازی سے زخمی ہوگئے۔ آپؐ نے پھر اعلان فرمایا کہ کل واپسی ہوگی۔ اس بار سب نے خوشی آپؐ کی رائے قبول کی۔ آپؐ یہ دیکھ کر مسکرائے (۱۵)۔

طائف سے رخصت ہوتے وقت کسی صحابی نے عرض کیا کہ آپؐ ثقیف کے لئے بددعا فرمائیں رحمتہ للعالمینؐ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کہا "یااللہ ثقیف کو ہدایت دے اور میرے پاس بھیج"۔ یہ دعا اگلے برس رمضان المبارک میں قبول ہوئی جب اہل طائف کا ایک وفد آپؐ کی خدمت میں آیا اور انہوں نے اسلام قبول کیا۔

☆ ☆

(۱) سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمینؐ' جلد اول صفحہ ۱۲۶ بعض سیرت نگاروں نے ہوازن کے لشکر کی تعداد بیس ہزار بتائی ہے جو درست نہیں معلوم ہوتی۔

(۲) جنگ کے بعد یہ سامان صفوان کو واپس کردیا گیا۔ کچھ زرہیں کم ہوگئی تھیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کی قیمت ادا کرنا چاہی تو صفوان نے قبول نہ کی۔ جنگ حنین کے بعد وہ جلد اسلام لے آئے تھے۔

(۳) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۳۰۶۔ شبلی نے یہ روایت مسند احمد حنبل سے لی ہے۔ امام بخاری

نے اصابہ میں اس کا ذکر کیا ہے لیکن رقم بجائے تیس ہزار کے دس ہزار بتاتی ہے۔ بہر حال ایک بڑی رقم قرض کے طور پر لی اور یہ قرض ادا کیا گیا۔

(۴) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۹۰' ۲۹۱

(۵) شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ سے (جو مسلمانوں کے لشکر میں شامل تھا) روایت ہے کہ اس افراتفری میں "میرے دل میں خیال آیا کہ آج موقع ہے محمد (ﷺ) کو قتل کر کے اپنے باپ کا انتقام لوں جو جنگ احد میں مارا گیا تھا۔ اس ارادے سے آپؐ کے قریب آیا اور تاک میں آپؐ کے گرد پھرنے لگا۔ پھر یکایک میرے دل میں ایسا خوف طاری ہوا کہ میں کچھ نہ کرسکا اور میں نے جان لیا کہ میں یہ کام ہرگز نہیں کرسکتا"۔ (ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۹۲) بعد میں شیبہؓ اسلام سے مشرف ہوئے۔

(۶) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۴۷ (کتاب المغازی باب قول اللہ تعالیٰ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم)

(۷) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۹۳ حضرت ام سلیمؓ کے شوہر حضرت ابوطلحہؓ نے اس دن بیس کافروں کو قتل کیا۔

(۸) کنکریاں پھینکنے کی یہ روایت کئی صحابہ نے منقول کی جو موقع پر موجود تھے۔ ان میں حضرت سلمہ بن اکوعؓ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب' حضرت ابو عبدالرحمٰن فہری' حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ شامل ہیں۔

(۹) محمد حسین ہیکل 'حیات محمدؐ' صفحہ ۵۴۲

(۱۰) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۴۸' ۶۴۹ (کتاب المغازی باب قول اللہ تعالیٰ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم)

(۱۱) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۹۹

(۱۲) بعد میں یہ صاحب مسلمان ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ انہیں دیکھتے تو فرماتے "یہ ابو عامرؓ کا بھگایا ہوا ہے"۔ (ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۲۹۸)

(۱۳) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منجنیق کا استعمال عرب میں کچھ عام ہوچکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی دو حضرات عروہ بن مسعود ثقفی اور غیلان بن سلمہؓ کو منجنیق' دبابہ وغیرہ کی صنعت اور استعمال کی تربیت کے لئے جرش (یمن میں) روانہ فرمایا تھا۔ یہ دونوں صحابی حنین وطائف کے غزوات میں شریک نہ ہو سکے کیونکہ اسی تربیت میں مصروف تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو حصول علم کے ساتھ تکنیکی تربیت کا بھی بڑا خیال تھا (ابن کثیر' سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۴۵۴)

(۱۴) بعد میں اگلے برس جب اہل طائف مسلمان ہوگئے تو انہوں نے ان غلاموں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "وہ لوگ خدا کی راہ میں آزاد ہوچکے ہیں"۔

(۱۵) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۵۱ (کتاب المغازی۔ باب غزوۃ الطائف فی شوال سنۃ ثمان)

(۱۱۱) والمؤلفۃ قلوبھم

طائف سے رسول اللہ ﷺ جعرانہ تشریف لائے جہاں ہوازن کے وہ سب قیدی چھ ہزار عورتیں اور بچے جو حنین میں گرفتار ہوئے تھے اور بے شمار مویشی (تقریباً ۲۴ ہزار اونٹ اور ۴۰ ہزار بکریاں) جمع تھے۔ ان کے علاوہ چار ہزار اوقیہ چاندی بھی تھی (ایک اوقیہ تقریباً دس تولہ کے برابر تھا) اکثر مجاہدین ان غنائم کے تقسیم کے لئے بیتاب تھے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے چند دن توقف فرمایا۔ آپؐ کا خیال تھا کہ اہل ہوازن اسلام قبول کر کے آجائیں تو ان کا یہ مال ومتاع انہیں واپس ہوجائے۔ جب یہ لوگ نہ آئے اور تقسیم غنائم کے لئے لوگوں کا اصرار بڑھا۔ یہاں تک کہ ان اصرار کرنے والوں کی بھیڑ میں ایک بار آپؐ کی چادر گر کر ایک درخت میں الجھ گئی (۱)۔ آپؐ نے فرمایا "لوگو میری چادر تو مجھے دو۔ اگر تہامہ کے درختوں کے پتوں کے برابر بھی مال ہوتا تو میں تم ہی میں تقسیم کرتا۔ تم مجھے بخیل نہ پاتے میرے لئے سوائے خمس کے کچھ نہیں۔ اور وہ خمس بھی تم ہی کو واپس ہوجاتا ہے"۔

سب سے پہلے آپؐ اپنے خمس ہی کی طرف متوجہ ہوئے اور اس میں سے بعض اہل قریش کی تالیف قلوب کے لئے بڑے بڑے عطیات مقرر فرمائے (۲)۔ کئی قریشی سرداروں کو ایک ایک سو اونٹ عنایت فرمائے۔ ان میں ابوسفیان بن حرب' ان کے بیٹے یزیدؓ اور معاویہؓ حکیم بن حزامؓ حویطب بن عبدالعزیٰ' عیینہ بن حصن' علابن جاوید ثقفی' اقرع بن حابس' صفوان بن امیہ سہیل بن عمرو وغیرہ شامل تھے۔ صفوان اور سہیل جو اب تک مسلمان نہ ہوئے تھے آپؐ کے اس فضل وکرم سے متاثر ہوکر ایمان لے آئے۔ صفوان کا کہنا تھا کہ سوائے نبی کے کوئی اتنی سخاوت نہیں کرسکتا۔ مکہ کے دوسرے حضرات کو بھی کافی تعداد میں اونٹ تقسیم کئے گئے۔ کہتے ہیں کہ عباس بن مرداس کو کچھ کم اونٹ ملے۔ یہ شاعر تھے اپنے چند اشعار میں اس کمی کا ذکر کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو صحابہ سے فرمایا کہ "میری طرف سے جاکر اس کی زبان کاٹ دو" چنانچہ بعض صحابہ نے عباس بن مرداس کو مزید مال دیا کہ وہ خوش ہوگئے۔ بعد میں یہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا "کیا تم نے یہ شعر کہا تھا":

"فاصبح نہبی نہب العبید
بین الاقرع و العیینہ

(کیا آپؐ میری اور میر عبید گھوڑے کی لوٹ اقرع اور عیینہ میں تقسیم کردیں گے)

حضرت ابوبکرؓ بھی موجود تھے انہوں نے تصحیح کی "یارسول اللہ (ﷺ) بین الاقرع والعیینۃ نہیں۔ بلکہ 'بین العیینۃ والاقرع' ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "ایک ہی بات ہے خواہ ایسے کہو خواہ ویسے"۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا "اللہ نے آپؐ کی شان میں سچ فرمایا ہے کہ ماعلمناہ شعر ومایبنغی لہ (نہ ہم نے انہیں شعر کہنا سکھایا اور نہ یہ ان کی شان کے لائق ہے) (۳)

یہ خاص عطیات آپؐ نے اپنے خمس میں سے عطا فرمائے تھے۔ باقی تمام مجاہدین کو حسب قاعدہ انصاف کے ساتھ مال غنیمت تقسیم کیا گیا۔ واقدی کا بیان ہے کہ ہر مجاہد کو چار اونٹ اور چالیس بکریاں ملیں (۴)۔ جو سوار تھے انہیں بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں دی گئیں۔ انصار کے ایک شخص نے (جو منافق تھا) تقسیم غنائم پر غیر منصفانہ ہونے کا اعتراض کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بتائی تو آپؐ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ لیکن صرف اس قدر فرمایا "اللہ تعالی موسیٰ پر رحم فرمائے۔ انہیں اس سے بھی زیادہ ایذا دی گئی مگر انہوں نے صبر کیا" (۵)۔ خمس میں سے جو کچھ بچ رہا وہ آپؐ نے مرالظہران کے قریب مجنہ بھجوادیا۔ غالباً اس خیال سے کہ مکہ اور مدینہ کے درمیاں رہنے والے اعراب کی تالیف قلوب کی جاسکے (۶)۔

بعض انصار نے قریش پر آپؐ کی نظر عنایت کا یہ عالم دیکھا تو ان کے دلوں میں طرح طرح کے خیال آنا شروع ہوئے۔ اس قسم کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ آپؐ نے اپنے اقربا کا اس قدر خیال فرمایا اور انصار کو نظر انداز کردیا۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے انصار کے یہ جذبات آپؐ تک پہنچائے کہ انصار ایسا ایسا کہہ رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا "کیا تم بھی ان کے ساتھ ہو۔ حضرت سعدؓ نے عرض کیا "میں ان میں شریک نہیں مگر میری قوم کا ایسا خیال ہے"۔ آپؐ نے حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ سارے انصار کو ایک جگہ جمع کرلیں تاکہ آپؐ ان سے گفتگو کرسکیں۔ سب انصار ایک احاطے میں جمع ہوگئے (چند مہاجر بھی شامل ہوگئے تھے) تو آپؐ تشریف لائے اور فرمایا "یہ کیا باتیں ہیں کہ جو میں سن رہا ہوں" لوگوں نے عرض کیا "چند نوجوانوں نے بے شک ایسا کہا مگر ہمارے بزرگوں میں سے کسی کا ایسا خیال نہیں"۔ پھر آپؐ نے سب کو اس طرح خطاب فرمایا:

"لوگو کیا یہ سچ نہیں کہ پہلے تم گمراہ تھے۔ اللہ نے میرے ذریعہ سے تمہیں ہدایت بخشی، تم منتشر اور ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے میرے ذریعہ سے تم میں اتحاد پیدا کیا۔ تم مفلس ومحتاج تھے، اللہ نے میرے ذریعہ سے تمہیں دولتمند وغنی کردیا"۔

آپؐ کے ہر ہر فقرے پر انصار کہتے جاتے "بے شک اللہ اور رسول کا ہم پر احسان ہے"۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا:

"تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے تم کہہ سکتے ہو اور تمہارا یہ کہنا برحق ہوگا کہ اے محمد (ﷺ) تجھ کو تیری قوم نے جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی تجھے سب نے بے یارو مددگار چھوڑ دیا تو ہم نے تیری مدد کی۔ اوروں نے تجھے دھتکار دیا تو ہم نے تجھے پناہ دی۔ تم یہ کہو گے تو میں کہونگا یہ سچ ہے۔ لیکن اے انصار کیا تم اس عارضی دولت دنیا کی خاطر مجھ سے شاکی ہو جو میں نے اوروں پر ان کے تالیف قلوب کے لئے صرف کی اور تمہیں تمہارے اسلام کے سپرد کردیا۔ کیا تم یہ پسند نہ کرو گے کہ دوسرے اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمد (ﷺ) کو لیکر اپنے گھر آؤ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے اگر ہجرت مقدر نہ ہوچکی ہوتی تو میں بھی انصار میں سے ہوتا۔ اگر لوگ ایک راستے پر جائیں اور انصار دوسری راہ اختیار کریں تو میں انصار کے ساتھ رہونگا۔ یااللہ انصار پر رحم فرما ان کے بیٹوں پر رحم فرما اور ان کے بیٹوں کے بیٹوں پر رحم فرما"۔

آپؐ کے یہ پر اثر الفاظ سن کر انصار زاروقطار رونے لگے۔ اکثر کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں۔ کہنے لگے "ہم اللہ کے رب ہونے پر اور رسول اللہ (ﷺ) کے نصیب ہونے پر راضی

ہیں"۔

آپؐ کو جعرانہ میں دس دن گذر گئے تو ہوازن کا ایک وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اہل ہوازن نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ اب ان کی استدعا تھی کہ ان کے قیدی اور مال مویشی انہیں واپس کردیئے جائیں۔ ان میں آپؐ کی رضائی والدہ حلیمہ سعدیہ کے قبیلے بنوسعد کے لوگ بھی تھے۔ وفد کے خطیب زہیر بن صرد نے پر اثر اشعار میں اپنی التجا پیش کی اور آپؐ کو احساس دلایا کہ اسیروں میں خود آپؐ کی رضائی پھوپھیاں اور خالائیں شامل تھیں۔ رسول اللہ ﷺ بہت مائل بہ کرم تھے لیکن آپؐ یہ بھی نہ چاہتے تھے کہ مجاہدین مال غنیمت سے قطعی محروم رہ جائیں۔ آپؐ نے اہل وفد کو بتایا کہ آپؐ نے ان کا کافی انتظار کیا مگر ان لوگوں نے آنے میں دیر کی۔ بہر حال اب وہ دو میں سے ایک بات اپنے لئے پسند کرلیں یا تو اسیروں کو واپس لیں یا مال مویشی۔ انہوں نے اپنے بال بچوں کی واپسی پسند کی۔ آپؐ نے فرمایا "جو اسیر میرے اور بنی عبدالمطلب کے حصے میں آئے ہیں وہ میں نے تمہیں واپس کیے"۔ باقی قیدیوں کے لئے آپؐ نے ان حضرات کو یہ مشورہ دیا کہ ظہر کی نماز کے بعد سب مجاہدین کے سامنے اپنی درخواست پیش کریں۔

ان حضرات نے ظہر کی نماز سب مسلمانوں کے ساتھ ادا کی پھر رسول اکرم ﷺ کے مشورے کے مطابق اپنی التجا سب کے روبرو پیش کی کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا ہے اب ان کے اسیر انہیں واپس کردیئے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اور بنی عبدالمطلب کے حصے کے قیدیوں کی رہائی کا اعلان فرمایا۔ یہ سن کر انصار اور مہاجرین نے بھی ایثار سے کام لیا (۷)۔ بعض حضرات جن کا تعلق بنی سلیم بنی فزارہ سے تھا فورا راضی نہ ہوئے۔ انہیں آپؐ نے یقین دلایا کہ آئندہ غنائم میں سے انہیں اس کا بدل عطا ہوگا اور ہر قیدی کے بجائے چھ شتر دیئے جائیں گے (۸)۔ اس طرح سبھی راضی ہوگئے اور سب نے برضاورغبت اپنے اپنے قیدی اہل ہوازن کو واپس کردیئے۔ رسول اکرم ﷺ نے ان اسیروں کے لئے نئے ملبوسات کا انتظام فرمایا۔ ان کی قیمت اس چاندی میں سے ادا کی گئی جو غنیمت میں حاصل ہوئی تھی۔

صرف مالک بن عوف کے اہل وعیال روک لئے گئے اور ان کے متعلق آپؐ نے اہل ہوازن کے وفد سے فرمایا کہ اگر مالک اسلام قبول کر کے آپؐ کی خدمت میں آئے گا تو یہ اسے واپس کردیئے جائیں گے اور ان کے علاوہ مزید سو شتر۔ مالک تک جب یہ بات پہنچی تو ایک رات

چھپ کر طائف کے شہر سے نکلا اور اس مقام پر پہنچا جہاں اس نے پہلے ہی سے اپنا ایک تیز رفتار گھوڑا بھجوادیا تھا۔ اس پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ اس وقت جعرانہ یا مکہ میں تھے۔ حسب وعدہ اس کے بال بچے اور سو اونٹ عطا کئے۔ مالک بن عوف نہایت اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ آپؐ نے انہیں طائف کے نواحی قبائل ثمانہ' سلمہ اور فہم کے ان لوگوں پر عامل مقرر فرمایا جو اسلام سے سرفراز ہوچکے تھے۔ ان قبائل کی مدد سے مالک نے اہل ثقیف کی زندگی دوبھر کردی۔ ان کے جو مویشی باہر چراگاہوں میں نکلتے۔ مالکؓ کے لوگ ان کی غارتگری کرتے۔ یہاں تک کہ اگلے سال ماہ رمضان میں اہل ثقیف کا وفد مدینہ آیا۔ اور اسلام قبول کیا۔

جعرانہ سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ مع صحابہ کے مکہ تشریف لائے۔ یہاں سب نے عمرہ ادا کیا۔ یہ عمرہ جعرانہ کہلاتا ہے جو ذیقعدہ میں ادا کیا گیا۔ جب آپؐ کی واپس روانگی کا وقت قریب آیا تو بعض اہل مکہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا خیال ظاہر کیا۔ آپؐ نے فرمایا "فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ اب ہجرت کا ثواب جہاد میں شریک ہو کر حاصل کریں"۔ آپؐ نے حضرت عتاب بن اسیدؓ کو مکہ کا حاکم مقرر فرمایا اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو مکہ کے نئے مسلمانوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لئے چھوڑا۔ پھر مع انصار کے مدینہ کو مراجعت فرمائی۔ ذی قعدہ کے آخر یا ذی الحجہ کے شروع میں مدینہ تشریف آوری ہوئی۔ اس سال حج حضرت عتاب بن اسید کی قیادت میں ہوا جس میں مسلم ومشرک سب شریک ہوئے۔

☆☆

(۱) اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے سر جان گلب (جس کا کافی وقت اردن کی افواج کی تربیت میں گزرا) لکھتا ہے "۱۹۲۹ء میں مجھے دو بار عرب کے بدوی قبائل میں ضبط شدہ مویشی کو تقسیم کرنے کا اتفاق ہوا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ ابن اسحاق نے اپنے الفاظ میں اس موقع کی جو تصویر پیش کی ہے وہ کس قدر حقیقت پر مبنی ہے.... غنائم کی تقسیم کے لئے ان بدوی عربوں کی چیخ پکار اپنے محبوب سربراہ کے لئے آزادانہ بے تکلفی اور انتہائی عزت و محبت کا امتزاج اس معاشرے کی جیتی جاگتی تصویر تھی جو تیرہ سو سال قبل گزرا تھا"۔ (سرجان گلب 'دی لائف اینڈ ٹائمز آف محمدؐ' The Life and Times of Muhammad صفحہ ۳۲۷)

(۲) تالیف قلوب پر خرچ کرنے کے بارے میں احکام موجود تھے:

"صدقات تو مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنان صدقات کا حق ہے۔ اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے اور غلاموں کو آزاد کرانے اور قرضداروں اور خدا کی راہ میں اور مسافروں کی مدد میں یہ مال خرچ کرنا چاہئے۔ یہ حقوق خدا کی طرف سے مقرر کردیئے گئے ہیں اور خدا جاننے والا اور حکمت والا ہے"۔ (التوبہ ۶۰)

حضرت عمرو بن ثلعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چند لوگوں کو مال غنیمت دیا اور بعض کو نہ دیا۔ جن کو نہ ملا تھا انہوں نے شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا "میں ان لوگوں کو دیتا ہوں جن سے جزع فزع اور بے صبری کا مجھے اندیشہ ہو اور بعض لوگوں کو میں ان کی دلوں کی غنا اور خوبی کے حوالے کردیتا ہوں۔ ان میں سے عمرو بن ثلعبؓ بھی ہیں"۔ حضرت عمرو بن ثلعب نے سنا تو عرض کیا "اس کارخیر کے عوض مجھے سرخ اونٹ بھی پسند نہیں"۔ (ابن کثیر' سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۴۷۶) ایسی ہی ایک اور روایت ہے کہ قبیلہ زہرہ کے ایک صاحب نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ "قبیلہ غطفان کے عیینہ بن حصن اور قبیلہ تمیم کے اقرع بن حابس کو سو سو اونٹ دیئے گئے اور قبیلہ ضمرہ کے ایک بیچے مسلمان حضرت جعیلؓ کو کچھ نہ ملا جبکہ وہ تنگ حال بھی ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جعیلؓ تنہا عیینہ اور اقرع کی پوری آبادی سے بڑھ کر قدر قیمت رکھتے ہیں لیکن میں نے جو کچھ عیینہ اور اقرع کو دیا ان کی تالیف قلوب کے لئے ہے کہ اچھے مسلمان ہوجائیں جبکہ جعیلؓ کو اس کے اسلام کے سپرد کردیا ہے (ابن کثیر' سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۴۷۵)

(۳) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۳۱۰

(۴) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۴۶۷

(۵) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۷۵۶ (کتاب المغازی باب غزوۃ الطائف)

(۶) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۴۸۴

(۷) ان حضرات کے نام اقرع بن حابس' عیینہ بن حصن اور عباس بن مرداس تھے۔ عباس بن مرداس نے انکار کرتے وقت کہا "جو کچھ میرا اور بنی سلیم کا ہے وہ آپؐ کے لئے نہیں ہے"۔ اس پر بنی سلیم کے لوگ بول اٹھے "جی نہیں۔ جو کچھ ہمارا ہے وہ بے شک رسول اللہ (ﷺ) کے لئے ہے"۔ عباس نے اس وقت بڑی سبکی اور توہین محسوس کی۔ بہر حال آخر یہ تینوں بھی خوشدلی سے راضی ہوئے۔

(۸) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۴۶۶

(۱۱۲) طائف کے بعد

ابھی رسول اللہ ﷺ مدینہ کے راستے ہی میں تھے کہ عروہ بن مسعود ثقفی اسلام قبول کر کے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ طائف کے وہی رئیس تھے جن کی بابت اہل مکہ نے کہا تھا کہ اللہ کا کلام نازل ہوتا تو ان پر ہوتا (۱)۔ یہ صلح حدیبیہ کے وقت آپؐ کی عظمت کا اندازہ کر چکے تھے (۲)۔ اور اس صلح کی تکمیل میں ایک حد تک کار آمد بھی ثابت ہوئے تھے۔ محاصرہ طائف کے وقت یمن گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے اجازت چاہی کہ طائف جاکر اپنے ہم وطنوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ آپؐ نے انہیں روکنا چاہا اور بتایا کہ اس میں ان کی جان کا خطرہ ہے۔ لیکن انہیں اپنی قوم میں اپنی ہر دلعزیزی پر اعتماد تھا۔ عرض کیا "میں اپنی قوم کو بہت محبوب ہوں ان میں میرا بڑا رتبہ اور مقام ہے۔ میرے ساتھ وہاں ایسا سلوک نہ ہوگا"۔ ان کے اصرار پر آپؐ خاموش ہوگئے۔ حضرت عروہؓ طائف گئے لوگوں کو دعوت اسلام دی۔ اہل ثقیف حنین اور محاصرہ طائف کے وقت ہی سے اسلام سے خار کھائے بیٹھے تھے۔ حضرت عروہؓ کو ایک صبح اپنے گھر کی چھت پر اذان دیتے دیکھا تو تیروں کا نشانہ بنادیا۔ نزع کے وقت انہوں نے وصیت کی کہ انہیں اسی جگہ دفن کیا جائے جہاں دوسرے شہدائے طائف مدفون تھے۔ پس ماندگان نے اس وصیت پر عمل کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے افسوس کے ساتھ فرمایا "عروہؓ اس مومن کی طرح ہے جس کا ذکر سورۂ یٰس میں ہوا تھا کہ اس نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی تو قوم نے اسے قتل کردیا"۔ حضرت عروہؓ کی شہادت کے بعد ان کے بیٹے اور بھتیجے نے طائف کو خیرآباد کہا، مدینہ آگئے اور اسلام قبول کیا۔

ایک دوسرا واقعہ جو آپؐ کی مدینہ واپسی کے بعد جلد ہی پیش آیا وہ عرب کے مشہور شاعر کعب بن زہیر کا قبول اسلام تھا۔ فتح مکہ سے قبل یہ اپنا زور کلام کبھی کبھی رسول اکرم ﷺ کی شان میں ہجوگوئی پر صرف کرتے تھے۔ فتح مکہ کے وقت انہیں اپنی جان کا خوف ہوا۔ مکہ سے بھاگ کر روپوش ہوگئے۔ ان کے ایک بھائی حضرت بجیر بن زہیرؓ صلح حدیبیہ کے بعد ہی اسلام

لا چکے تھے۔ انہیں اسلام کی دعوت دیتے رہتے تھے۔ مگر یہ اپنی اسلام دشمنی پر قائم تھے۔ اب حضرت بجیرؓ نے انہیں ایک خط لکھا اور یقین دلایا کہ پناہ لات وعزیٰ کے یہاں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہے۔ اسلام قبول کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوگے تو رحمتہ للعالمینؐ کو سراپا کرم پاؤ گے۔ کعب نے بھائی کا مشورہ قبول کیا۔ مدینہ پہنچ کر ایک دوست کے یہاں مقیم ہوئے۔ اور اپنے اسلام کا اقرار کیا دوسری صبح فجر کی نماز میں شامل ہوئے۔ نماز کے بعد رسول اکرم ﷺ کے حضور آئے۔ آپؐ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیکر عرض کیا "یا رسول اللہ (ﷺ) اگر کعب بن زہیر مسلمان ہو کر ندامت کے ساتھ حاضر خدمت ہو تو کیا آپؐ اسے معاف فرمائیں گے"۔ آپؐ نے فرمایا "ہاں" کعب نے کہا "یا رسول اللہ (ﷺ) میں ہی زہیر کا بیٹا ہوں اور معافی کا خواستگار ہوں"۔ آپؐ اور دوسرے مدینہ والے انہیں پہچانتے نہ تھے۔ ایک انصاری فوراً انہیں قتل کرنے کے ارادے سے کھڑے ہوگئے۔ اور اس کے لئے حضور اکرم ﷺ کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے فرمایا "نہیں یہ نادم ہیں اور اب وہ نہیں رہے جو پہلے تھے"۔ اس موقع پر حضرت کعب بن زہیر نے ایک قصیدہ حضور ﷺ کی شان میں پیش کیا جو قصیدہ بانت سعاد کے نام سے مشہور ہے جب حضرت کعب اس شعر پر پہنچے۔

"ان الرسول لنور یستضاء بہ　　مہند من سیوف اللہ مسلول"

"(بے شک رسول اللہ ﷺ مینار نور ہیں جن سے راہ حق
کی طرف رہنمائی حاصل کی جاتی ہے وہ اللہ کی تلواروں میں
ایک بے نیام اللہ کی تلوار ہیں")

تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا "سنو" پھر اپنی دھاری دار یمنی روائے مبارک شاعر کو عطا فرمائی (۳)۔

مدینہ واپس ہوتے ہی آپؐ کو ایک اور خوشی نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ایک فرزند عطا فرمایا۔ حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت ماریہؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپؐ کے فرزند کی ماں بنیں۔ دائی کے فرائض حضرت سلمیٰؓ نے ادا کئے جو پچیس سال پہلے یہی خدمت حضرت فاطمہؓ کی ولادت کے وقت انجام دے چکی تھیں۔ سن رسیدہ ہونے کے باوجود وہ خود اس خدمت کے لئے مصر ہوئیں۔ اپنے شوہر حضرت ابورافعؓ کے ذریعہ ولادت کی خبر رسول اللہ ﷺ تک پہنچائی۔ صبح

نماز فجر کے بعد آپؐ نے صحابہ کو بتایا کہ اپنے باپ ابراہیمؑ کے نام پر آپؐ نے اپنے فرزند کا نام ابراہیمؓ رکھا ہے۔ اس خبر سے سارے شہر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ آپؐ اپنے بچے کو دیکھنے کے لئے اکثر دوپہر کے وقت حضرت ماریہؓ کے گھر تشریف لے جاتے جو مدینہ کے بالائی حصہ میں شہر سے علیحدہ واقع تھا اور مشربہ ام ابراہیم کہلاتا تھا۔ آپؐ کی دوسری ازواج کو قدرتاً کچھ رشک ہوا ایک دن آپؐ نومولود کو گود میں لیکر حضرت عائشہؓ کے یہاں گئے۔ اور فرمایا "دیکھو یہ مجھ سے کس قدر مشابہ ہے"۔ حضرت عائشہؓ نے کہا "مجھے تو کوئی مشابہت نظر نہیں آتی"۔ پھر آپؐ نے بچے کے جسم اور جلد کی تعریف کی تو کہنے لگیں "جس بچے کو بھیڑ کا دودھ پلایا جائے وہ ایسا ہی ہوجاتا ہے"۔ (ایک گلہ بان کو ہدایت تھی کہ روزانہ بھیڑ کا دودھ نومولود کی رضائی والدہ کو پہنچا دیا کرے)

رسول اللہ ﷺ کی ازواج میں رقابت ایک فطری چیز تھی۔ جو آپؐ پر بار گزرتی تھی۔ اس کے علاوہ ازواج یہ بھی دیکھ رہی تھیں کہ سرمایہ غنیمت سے تمام مسلمان بہرہ اندوز ہورہے ہیں مگر رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کا وہی حال ہے جو تھا۔ دوسرے سامان راحت کا تو ذکر کیا۔ یہاں دو وقت سیر ہو کر کھانا بھی نصیب نہ تھا۔ (حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انھیں یاد نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی دونوں وقت سیر ہو کر کھانا کھایا ہو) (۴)۔ رسول اللہ ﷺ سے اس امر کی شکایت بھی کرتیں اور توسیع نفقہ کے لئے اپنے مطالبات بار بار دہراتی تھیں۔ یہ تمام باتیں آپؐ کے سکون پر اثر انداز ہورہی تھیں کہ ایک اور ناگوار واقعہ پیش آیا۔

حضرت زینب بنت جحشؓ کو کہیں سے کچھ شہد میسر آگیا۔ اور انہوں نے اس شہد سے رسول اللہ ﷺ کی تواضع کی۔ آپؐ کو شہد بہت مرغوب تھا۔ آپؐ کا طریقہ تھا کہ روزانہ عصر کے بعد کچھ وقت ہر زوجہ کے حجرے میں صرف کرتے۔ دو ایک بار ایسا ہوا کہ حضرت زینبؓ کے یہاں شہد کا شربت نوش فرمانے کی خاطر معمول سے زیادہ وقت گذرا۔ حضرت عائشہؓ کو ناگوار ہوا تو حضرت حفصہؓ سے مشورہ کر کے طے کیا کہ دونوں آپؐ سے کہیں کہ آپؐ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے (مغافیر کے پھولوں کی مہک ناخوشگوار ہوتی ہے جو شہد کی مکھیاں ان پھولوں سے رس حاصل کرتی ہیں ان کا شہد بھی اس بو سے متاثر ہوسکتا ہے)۔ اس طرح آپؐ شہد سے متنفر ہوجائیں گے۔ حضرت زینبؓ کی تواضع قبول نہ کریں گے اور نہ اتنا وقت ان کے ساتھ گزاریں گے۔ (بعض روایات میں ہے کہ حضرت سودہؓ اور حضرت صفیہؓ بھی اس منصوبے میں شریک تھیں) دونوں نے

اس منصوبے پر عمل کیا اور کامیاب ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ نہایت لطیف المزاج تھے۔ منہ سے بو آنا گوارا نہ کرسکتے تھے۔ حضرت حفصہؓ سے یہ سنا تو قسم کھائی کہ آئندہ شہد استعمال نہ فرمائیں گے۔ ساتھ ہی حضرت حفصہؓ کو تاکید کی کسی سے اس کا ذکر نہ کریں۔ اس خیال سے کہ حضرت زینبؓ کی دل شکنی نہ ہو کہ سوتنوں کے کہنے سے ان کا شہد ترک کردیا۔ لیکن حضرت حفصہؓ سے نہ رہا گیا۔ یہ بات اپنی راز دار اور شریک کار حضرت عائشہؓ کو بتادی۔ اس واقعہ کو مفسرین نے سورۃ تحریم کی ان آیات کا سبب نزول بتایا ہے (۵)۔

"اے پیغمبرؐ جو چیز خدا نے تمہارے لئے جائز کی ہے تم اس سے کنارہ کشی کیوں کرتے ہو۔ (کیا اس سے) اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو۔ اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ خدا نے تم لوگوں کے لئے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کردیا ہے۔ اور خدا ہی تمہارا کارساز ہے اور (وہ) دانا (اور) حکمت والا ہے۔ اور (یاد کرو) جب پیغمبر نے اپنی ایک بی بی سے ایک بھید (۶) کی بات کہی تو (اس نے دوسری کو بتادی) جب اس نے اس کو افشا کیا اور خدا نے اس (حال) سے پیغمبرؐ کو آگاہ کردیا تو پیغمبرؐ نے (ان بی بی کو) وہ بات کچھ تو جتائی اور کچھ نہ بتائی تو جب وہ ان کو جتائی تو پوچھنے لگیں کہ آپؐ کو یہ کس نے بتایا۔ انہوں نے کہا مجھے اس نے بتایا جو جاننے والا خبر دار ہے۔ اگر تم دونوں خدا کے آگے توبہ کرو (تو بہتر ہے کیونکہ) تمہارے دل کج ہوگئے ہیں۔ اور اگر پیغمبر (کی ایذا) پر باہم اعانت کروگی تو خدا اور جبریل اور نیک کردار مسلمان ان کے حامی (اور دوستدار) ہیں۔ اور ان کے علاوہ (اور) فرشتے بھی مددگار ہیں"۔ (التحریم ۱ تا ٤)

ازواج کی شکایتوں اور مطالبات کے ساتھ یہ واقعات بھی رونما ہوئے تو رسول اللہ ﷺ کافی پریشان ہوئے اور سکون خاطر کے لئے یہ طے کیا کہ مہینہ بھر تک ازواج میں سے کسی سے نہ ملیں گے اور ایک حجرے کے بالا خانے پر تنہا رہنے لگے (۷)۔ اس بنا پر یہ ایسی خبر مشہور ہوگئی

کہ آپؐ نے تمام ازواج کو طلاق دیدی۔ ازواج کے ساتھ صحابہ بھی فکر مند ہوئے۔ خصوصاً حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جن کی بیٹیاں ازواج میں شامل تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک بار ڈرتے ڈرتے حضرت عمرؓ سے (ان کے دور خلافت میں) پوچھا کہ وہ کونسی دو خواتین تھیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے لئے منصوبہ بنایا تھا (۸)۔ تو حضرت عمرؓ نے بتایا کہ وہ حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ تھیں۔ پھر مزید تفصیل بیان کی کہ جب یہ حضرات مکہ میں رہتے تھے تو وہاں خواتین اپنے شوہروں سے دبی رہتی تھیں۔ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو حال مختلف تھا۔ یہاں خواتین اپنے شوہروں پر حاوی تھیں اس کا اثر مہاجر خواتین پر بھی ہوا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت عمرؓ نے کسی بات پر اپنی زوجہ کو تنبیہ کی تو انہوں نے بھی کچھ سخت کلامی کی۔ حضرت عمرؓ نے ان کی اس حرکت پر تعجب کا اظہار کیا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج بھی آپؐ کو برابر کا جواب دیتی ہیں اور کبھی دن دن بھر آپؐ سے روٹھی رہتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جاکر اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ سے پوچھا تو انہوں نے اس امر کی تصدیق کی۔ حضرت عمرؓ نے ان کو سمجھایا کہ "یہ بڑی نازیبا بات ہے۔ میری دختر سمجھ کر رسول اکرم ﷺ تمہاری رعایت کرتے ہیں ورنہ کہیں طلاق نہ دیدیں"۔ پھر حضرت ام سلمہؓ کے پاس گئے اور انہیں سمجھانا چاہا تو انہوں نے سخت جواب دیا کہ "تم ہر معاملے میں دخل دیتے ہو۔ یہاں تک کہ رسول اللہ (ﷺ) اور آپؐ کی ازواج کے معاملات میں بھی"۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ خاموش ہوگئے اور اپنے گھر چلے آئے۔

رات گئے ان کے ایک انصاری پڑوسی نے بہت زور سے ان کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ یہ گھبرا کر اٹھے۔ دروازہ کھولا۔ پوچھا "خیر تو ہے کیا غسانی مدینہ پر چڑھ آئے"۔ (ان دنوں رومیوں کی تحریک پر قبیلہ غسان کے لوگ مدینہ پر حملہ کی تیاری کررہے تھے) انصاری نے کہا "نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوا ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے اپنی تمام ازواج کو طلاق دیدی"۔ حضرت عمرؓ پریشان ہوئے۔ فجر کی نماز کے بعد حضرت حفصہؓ کے پاس گئے۔ دیکھا کہ رو رہی ہیں۔ پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے طلاق دیدی"۔ حضرت حفصہؓ نے جواب دیا کہ انہیں کچھ معلوم نہیں۔ حضرت عمرؓ نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ سے ملیں۔ آپؐ کے خادم خاص حضرت رباحؓ سے کہا کہ باریابی کی اجازت لیں۔ حضرت رباحؓ نے بالا خانے پر جاکر آپؐ کو حضرت عمرؓ کے متعلق اطلاع دی۔ مگر آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت عمرؓ مسجد میں آکر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد پھر اجازت طلب

کی مگر کوئی جواب نہ ملا۔ تیسری بار پھر ایسا ہوا تو پکار کر کہا "رباحؓ میرے لئے اذن مانگ شاید رسول اللہ (ﷺ) کو یہ خیال ہو کہ میں حفصہؓ کی سفارش کے لئے آیا ہوں۔ واللہ ایسا نہیں رسول اللہ (ﷺ) فرمائیں تو حفصہؓ کی گردن اڑادوں"۔ آخر آپؐ نے اجازت دی تو یہ بالا خانے کے اندر گئے۔ دیکھا کہ آپؐ چٹائی سے بنی ہوئی ایک کھری چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ جسم اطہر پر چٹائی کے نشان پڑے ہوئے ہیں۔ ایک طرف کچھ جو رکھے ہیں۔ کونے میں ایک کھال کھونٹی پر لٹکی ہوئی ہے۔ بالا خانہ کیا تھا عسرت و تنگدستی کی تصویر تھی (۹)۔ حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آپؐ نے سبب پوچھا تو عرض کیا "یا رسول اللہ (ﷺ) کیا یہ رونے کا مقام نہیں کہ قیصروکسری شان سے عیش وعشرت کی زندگی بسر کررہے ہیں اور آپؐ پیغمبر ہو کر اس حال میں ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا "کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ قیصر وکسری دنیا حاصل کریں اور ہم آخرت"۔ پھر حضرت عمرؓ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ کیا آپؐ نے ازواج کو طلاق دیدی تھی۔ آپؐ نے فرمایا "نہیں" حضرت عمرؓ کو اطمینان ہوا اور خوشی سے نعرہ تکبیر بلند کیا پھر نیچے مسجد میں جاکر مغموم ومتفکر صحابہ کو اطلاع دی۔

ایلا (علیحدگی) کی مدت پوری ہوئی تو سب سے پہلے آپؐ حضرت عائشہ کے پاس تشریف لائے۔ حضرت عائشہؓ کو مسرت ہوئی۔ عرض کیا "آپؐ نے تو ایک ماہ تک ایلا کا عہد کیا تھا میں گن رہی تھی ابھی تو انتیس ہی دن گذرے ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا "یہ مہینہ انتیس ہی دن کا تھا"۔ اسی دوران آیات تخییر نازل ہوچکی تھیں:

> "اے پیغمبرؐ اپنی بیویوں سے کہدو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت وآرائش کی خواستگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح رخصت کردوں۔ اور اگر تم خدا اور اس کے پیغمبر اور عاقبت کے گھر (یعنی بہشت) کی طلبگار ہو تو تم میں جو نیکو کاری کرنے والی ہیں ان کے لئے خدا نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے"۔ (الاحزاب ۲۸، ۲۹)

آپؐ نے حضرت عائشہؓ کو یہ آیات سنائیں اور فرمایا کہ انہیں اختیار ہے خواہ آپؐ کو اور

آخرت کو قبول کریں خواہ دنیا کی زینت آرائش اور چاہیں تو جواب دینے سے پہلے اپنے والدین سے مشورہ کرلیں۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ اس میں انہیں کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں ساری دنیا ان کی نظروں میں ہیچ تھی انہوں نے سب کچھ چھوڑ کر آپؐ ہی کو اختیار کرنا پسند کیا۔ حضرت عائشہؓ جانتی تھیں کہ آپؐ دوسری ازواج سے بھی یہ سوال کرنے والے ہیں عرض کیا کہ ان کا جواب دوسروں کو نہ بتائیں۔ لیکن آپؐ نے فرمایا "مجھے اللہ تعالیٰ نے سنگ دل بنا کر نہیں بھیجا بلکہ معلم بنا کر بھیجا ہے جو مجھ سے پوچھے گی اس کو بتادونگا" (۱۰)۔

رسول اللہ ﷺ نے تمام ازواج کے سامنے یہ چیز پیش کی۔ سب کا ایک ہی جواب تھا۔ آپؐ کے مقابلے میں آرائش دنیا کسی کو قبول نہ تھی۔ ایلا کا خاتمہ تمام ازواج مطہرات کے لئے انتہائی مسرت کا مقام تھا۔ انہیں اس سے کافی ہدایت بھی ہوئی۔ پھر کسی نے ایسے مطالبات نہ دہرائے جو آپؐ پر گراں گزرتے (۱۱)۔

☆☆

(۱) سورۃ زخرف میں ہے "اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کو اترنا تھا تو ان دو شہروں (مکہ وطائف) میں سے کسی رئیس اعظم پر اترنا تھا" یعنی ولید بن ربیعہ یا عروہ بن مسعود ثقفی پر (شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول صفحہ ۱۲۲)

(۲) ملاحظہ ہو گذشتہ باب ۱۱۱

(۳) بعد میں یہ روائے مبارک حضرت معاویہؓ نے حضرت کعبؓ کے وارثوں سے بیس ہزار درہم میں خرید لی۔ ایک مدت تک خلفائے اسلام کے پاس رہی جو اسے عیدین اور خاص مواقع پر استعمال کرتے تھے فتنہ تاتار میں گم ہوگئی (محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد دوم صفحہ ۱۷۸' بحوالہ زرقانی 'شرح مواہب')

(۴) ابوالکلام آزاد 'رسول رحمت' صفحہ ۴۷۸

(۵) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۱۰۷۳ (کتاب التفسیر باب سورۃ التحریم)۔ صحیحین (بخاری ومسلم) میں سورۃ تحریم کا سبب نزول یہی بتایا گیا ہے بعض مورخین نے ایک دوسری روایت بھی اس بارے میں دی ہے کہ ایک بار حضرت حفصہؓ نے رسول اکرم ﷺ کو اپنے (حضرت حفصہؓ کے) حجرے میں حضرت ماریہؓ کے ساتھ دیکھا تو برہم ہوئیں اور اعتراض کیا۔ آپؐ نے انہیں خوش کرنے کے لئے قسم کھالی کہ آئندہ حضرت ماریہؓ سے تعلق نہ رکھیں گے۔ ساتھ ہی یہ تاکید کی کہ اس قسم کا راز کسی پر افشا نہ کریں۔ ظاہر ہے

کہ یہ روایت مغرب کے مستشرقین کو پسند آئی اور انہوں نے سارا زور اس پر رنگ روغن چڑھا کر اس کی اشاعت پر صرف کردیا۔ محققین کا خیال ہے کہ یہ روایت موضوع ہے اور جس طریق سے آئی ہے وہ منقطع ہے (یعنی روایت کا سلسلہ کسی صحابی تک نہیں پہنچتا) صحاح ستہ میں اس کا ذکر سوائے نسائی کے کہیں نہیں جو ایک جگہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ یہ قصہ کسی عمدہ طریقہ سے نقل نہیں ہوا۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور علامہ شبلی نعمانی نے قوی دلائل کے ساتھ اس روایت کو غلط ثابت کیا ہے (ملاحظہ ہو ابوالکلام آزاد 'رسول رحمت' صفحہ ۴۸۹ تا ۴۹۸۔ شبلی نعمانی 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۳۲۱' ۳۲۲)

(۶) راز کی بات یہی تھی کہ حضرت حفصہؓ کسی پر ظاہر نہ کریں کہ ان کے کہنے پر شہد ترک کردیا تاکہ حضرت زینبؓ کی دل شکنی نہ ہو (مفتی محمد شفیع 'معارف القرآن' جلد ہشتم صفحہ ۵۰۰)

(۷) اس بالا خانے کے لئے احادیث میں مشربہ کا لفظ آیا ہے۔ مشربہ کے نام سے زیادہ تر مشربہ ام ابراہیمؓ (ماریہ) مشہور ہے۔ اسی لئے بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ یہ وہی بالا خانہ تھا۔ لیکن یہ قطعی غلط ہے۔ مشربہ ام ابراہیم شہر سے باہر واقع تھا۔ جبکہ یہ مشربہ جس میں رسول اللہ ﷺ مقیم رہے حضرت عائشہ کے حجرے کا بالا خانہ تھا (شبلی نعمانی 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۳۱۷)

(۸) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۱۰۷۳ (کتاب التفسیر باب تبتغی مرضاۃ ازواجک)

(۹) امام ابن جوزی کہتے ہیں کہ سرور عالم ﷺ کا متاع خلیفہ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے یہاں ایک کمرے میں رکھا ہوا تھا۔ جس کی وہ روزانہ زیارت کرتے تھے اور کبھی کبھی اپنے مہمانان قریش کو دکھا کر فرماتے "یہ میراث ہے اس ہستی مقدس کی جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے تمہیں کرامت وعزت سے مشرف فرمایا ہے"۔ اس سامان کی تفصیل یہ ہے (۱) ایک چارپائی جو کھجور کی چھال سے بنی ہوئی تھی۔ (۲) ایک چمڑے کا تکیہ جس کے اندر کھجوری چھال تھی۔ (۳) ایک پیالہ۔ (۴) ایک کپڑا۔ (۵) ایک چکی۔ (۶) ایک ترکش جس میں چند تیر تھے۔ اور (۷) ایک کمبل جو سر اقدس کے پسینے سے ایسا معطر تھا کہ مشک کو بھی شرمندہ کرتا تھا (ابن جوزی 'الوفا' صفحہ ۶۰۱' ۶۰۲)

(۱۰) سید قطب شہید 'فی ظلال القرآن' جلد ہفتم صفحہ ۵۵۹

(۱۱) بعض مفسرین وارباب سیر کا کہنا ہے کہ آیات تخییر جنگ احزاب کے بعد ۵ ھ میں نازل ہوئیں اور انہی دنوں ازواج مطہرات کو یہ اختیار دیا گیا کہ یا تو اپنے لئے رسول کریم ﷺ کو پسند کرلیں یا عشرت کی زندگی اور ایلا (علیحدگی) کا واقعہ کافی بعد کا ہے۔ شبلی نعمانی نے ثابت کیا ہے کہ ایلا اور تخییر کے دونوں واقعات متصل تھے اور ۹ ھ میں واقع ہوئے۔ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے پڑوسی انصاری کی گھبراہٹ سے سمجھے کہ شاید غسانیوں نے شہر پر حملہ کردیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۹ھ کا واقعہ ہے کیونکہ یہ حملہ اسی سال متوقع تھا (شبلی نعمانی 'سیرۃ النبی' جلد اول صفحہ ۳۱۵) یہی خیال مولانا ابوالکلام آزاد نے ظاہر کیا ہے ('رسول رحمت' صفحہ ۴۸۹)

(۱۱۳) تبوک

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ہجرت کا نواں سال شروع ہوا۔ اب اسلام سرزمین عرب کی سب سے بڑی طاقت بن چکا تھا۔ مدینہ کی اطاعت قبول کرنے کے لئے مختلف قبائل کے وفود دور دور سے آپؐ کی خدمت میں آنا شروع ہوگئے (تفصیلات اگلے باب میں آئیں گی) وہ بدامنی اور لوٹ مار جو مدت سے تمدن عرب کا حصہ تھی بڑی حد تک کم ہوگئی تھی۔ جہاں کہیں اس قسم کے آثار نظر آتے مدینہ کی حکومت تادیبی کارروائی سے گریز نہ کرتی۔ ۹ھ کا سب سے اہم واقعہ غزوہ تبوک تھا جو ماہ رجب میں واقع ہوا۔ لیکن اس سے قبل رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین اسلام کو کئی سرایا پر روانہ فرمایا جو تادیبی کارروائی کے ضمن میں آتے ہیں۔

محرم ۹ھ میں سریہ عیینہ بن حصن فزاری واقع ہوا۔ بنی تمیم نے چند قبائل کو بھڑکایا کہ اسلامی حکومت کو جزیہ ادا نہ کریں اور انہیں عملاً جزیہ ادا کرنے سے روکنے کی کوشش کی۔ ان کے خلاف تادیبی کارروائی ضروری سمجھی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیینہ بن حصن کو پچاس نو مسلم سواروں کے ساتھ العرج کی طرف بنی تمیم کی سرزنش کے لئے روانہ فرمایا۔ یہ لوگ مسلمانوں کے اچانک حملے کی تاب نہ لاسکے اور بھاگ گئے۔ مسلمان گیارہ مردوں اور اکیس عورتوں کو گرفتار کر کے مدینہ لائے۔ ان کے ساتھ تین بچے بھی تھے۔ ان تمام اسیروں کو رملہ بنت حارثؓ کے مکان میں ٹھہرایا گیا۔ خیال یہ تھا کہ ان کی رہائی کے لئے بنی تمیم کے سردار خود مدینہ آئیں گے۔ ایسا ہی ہوا۔ چند ہی دن میں ان کے اسی نوے معززین رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے چند آپؐ کے حجرے کے قریب جا کر آپؐ کا نام لیکر پکارنے لگے "اے محمد (ﷺ) باہر آؤ" اسی پر یہ آیات نازل ہوئیں:

"جو لوگ تم کو حجروں کے باہر سے آواز دیتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم خود نکل کر ان کے پاس آتے

تو ان کے لئے بہتر تھا۔ اور خدا بخشنے والا مہربان ہے" (الحجرات ٤، ٥)

بہرحال نماز ظہر کے بعد آپؐ نے ان لوگوں سے ملاقات کی۔ جیسا کہ دور جاہلیت کا رواج تھا۔ ان لوگوں نے چاہا کہ مسلمانوں سے فخر و مباہات میں مقابلہ کریں۔ یہ سوچ کر کہ یہ لوگ اسی طرح اسلام سے متاثر ہو سکیں آپؐ نے اعتراض نہ کیا۔ پہلے ان کے خطیب عطارد بن حاجب نے تقریر کی اور اپنے قبیلے کے اعلیٰ اوصاف کا ذکر کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس کو اشارہ کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر خدا و رسول کی حمد و ثنا سے شروع کی اسلام کی خوبیاں نہایت عمدہ انداز میں ظاہر کیں۔ شاعری کے مقابلے میں نبی تمیم کے شاعر زبرقان بن بدر نے اپنا فخریہ قصیدہ پڑھا۔ اس کا جواب فی البدیہ حضرت حسان بن ثابتؓ نے دیا جو نہایت معرکہ ارا تھا۔ نبی تمیم نے دونوں مقابلوں میں اپنی شکست تسلیم کی اور اعتراف کیا کہ مسلمان خطیب و شاعر ان سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ اسی بنا پر اسلام قبول کیا۔ رسول اکرم ﷺ نے تمام اسیر واپس کر دیئے اور کچھ تحائف بھی عطا فرمائے۔

اگلے ماہ صفر میں اطلاع ملی کہ قبیلہ خثعم تبالہ کے علاقے میں مسلمانوں کے خلاف سازش میں مصروف ہے۔ تادیب کے لئے حضرت قطبہ بن عامرؓ بیس حضرات کے ساتھ تربہ کی طرف روانہ ہوئے سواری کے لئے دس اونٹ تھے جن پر بیس حضرات باری باری سوار ہوتے۔ حضرت قطبہؓ نے شبخون مارا دونوں طرف کے لوگ کافی زخمی ہوئے۔ اک روایت کے مطابق حضرت قطبہ شہید ہوگئے (۱)۔ لیکن مسلمان کئی اسیر پکڑ لائے اور بہت سی بھیڑ بکریاں غنیمت میں حاصل ہوئیں۔

ربیع الاول میں قبیلہ نبی کلاب میں تبلیغ اسلام کے لئے حضرت ضحاک بن سفیانؓ کلابی کو ایقرطا کی طرف بھیجا گیا۔ بجائے اس کے کہ حضرت ضحاکؓ کی بات سنتے نبی کلاب نے ہتیار اٹھالئے۔ معمولی مقابلے میں مسلمانوں نے دشمن کو شکست دی ان کا ایک آدمی مارا بھی گیا۔ مسلمانوں کے ساتھ حضرت امیہ بن سلمہؓ بھی تھے۔ انہوں نے وہاں اپنے والد کو اسلام کی دعوت دی مگر اس نے انہیں اور اسلام کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ انہوں نے اس کے گھوڑے کو زخمی کر دیا۔ لیکن وہ خود کسی اور مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا۔

انہی دنوں ولید بن عتبہ کو نبی المصطلق کی طرف صدقات کی وصولیابی کے لئے روانہ کیا گیا۔ یہ لوگ مسلمان تھے۔ ان کے علاقے میں مساجد بھی تعمیر ہو چکی تھیں۔ انہیں حضرت ولید

کے قریب آنے کی اطلاع ملی تو بیس آدمی ان کے خیر مقدم کے لئے نکلے۔ یہ سمجھے کہ لڑنے کے لئے آرہے ہیں۔ چنانچہ فوراً واپس ہوئے اور رسول اکرم ﷺ سے شکایت کی۔ آپؐ انکے خلاف تادیبی کارروائی کرنے کا ارادہ کررہے تھے کہ ان کا ایک وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور صحیح صورت حال سے آگاہ کیا۔ آپؐ نے ان کے ہمراہ حضرت عباد بن بشرؓ کو بھیجا کہ صدقات وصول کر لائیں اور ان لوگوں کو شرائع اسلام سے آگاہ کریں۔

اتنے میں رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ ساحل جدہ کے قریب حبشہ کے بحری ڈاکو قرب وجوار میں ڈاکہ زنی کے لئے جمع ہورہے ہیں۔ آپؐ نے حضرت علقمہ بن مجزز مدلجی کو تین سو سواروں کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ حضرت علقمہؓ کو ان ڈاکوؤں کو بھگانے کے لئے سمندر میں ایک جزیرے تک جانا پڑا۔ حبشی ڈاکوؤں کو ان کی آمد کی خبر ہوئی تو منتشر ہو کر بھاگ گئے۔ یہ سریہ علقمہ بن مجززالمدلجی کہلاتا ہے جو ربیع الاخر ۹ ھ میں واقع ہوا۔

اسی ماہ سریہ علی بن ابوطالبؓ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بنی طے کی طرف روانہ فرمایا کہ وہاں کے ایک بت الفلس کو منہدم کردیں۔ حضرت علیؓ کے ساتھ ڈیڑھ سو انصار (سو اونٹوں پر اور پچاس گھوڑوں پر) تھے۔ یہ لوگ علی الصبح منزل پر پہنچے الفلس کو تباہ کیا۔ بنی طے کا سردار مشہور حاتم طائی کا بیٹا عدی اپنے اہل خانہ کے ساتھ شام کی طرف فرار ہوگیا۔ اور ایسی تیزی اختیار کی کہ اپنی ہمشیرہ کو ساتھ نہ لے جاسکا۔ حضرت علیؓ نے بہت سے مویشیوں پر قبضہ کیا۔ چند قیدی بھی ساتھ لئے جن میں عدی کی ہمشیرہ (حاتم طائی کی دختر) بھی شامل تھیں۔ الفلس کے خزانے سے تین اعلیٰ تلواریں اور تین زرہیں بھی حاصل ہوئیں۔ پھر کامیاب وکامران مدینہ واپس آئے۔ یہاں حاتم طائی کی دختر کو رسول اکرم ﷺ سے ملنے کا موقع ملا تو انہوں نے آپؐ سے اپنی بے بسی کا ذکر کیا اور بتایا کہ اس حاتم طائی کی صاحبزادی ہیں جوجودو سخاوت میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ آپؐ نے ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کیا۔ سواری مہیا کی اور عزت کے ساتھ انہی کے علاقے کے چند معتبر لوگوں کے ساتھ واپس کردیا۔ آپؐ کی اس کرم فرمائی کا حاصل کسی اگلے باب میں آئے گا۔

اسی دوران سریہ عکاشہ بن محصن الاسدی واقع ہوا۔ حضرت عکاشہؓ الجباب کی طرف قبیلہ عذرہ کی سرکوبی کے لئے گئے۔ ابن سعد نے اس کا ذکر کیا ہے۔ تفصیل نہیں دی۔

اسلام کا روز افزوں وقار اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت رومیوں کے لئے باعث تشویش ہورہی تھی۔ موتہ میں گذشتہ سال مسلمانوں کی عسکری قابلیت کا بھی اندازہ ہوگیا تھا۔ رومیوں کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ شمالی عرب کے جو قبائل ان کے زیر اثر تھے وہ اسلام کے مطیع ہوجائیں۔ چنانچہ اپنے حلیف غسانیوں کے ساتھ مل کر انہوں نے ایک بڑی فوج تیار کرنا شروع کی تاکہ مدینہ پر فیصلہ کن حملہ کر کے ابھرتے ہوئے اسلام کو پامال کردیں۔ کہتے ہیں کہ اس منصوبے کے ماتحت ہرقل نے اپنی سپاہ کو ایک سال کی تنخواہ پیشگی تقسیم کردی اور لشکر کے گھوڑوں کی نعل بندی شروع کرادی۔ اس تیاری کی خبریں مدینہ تک پہنچنے لگیں۔ گذشتہ اوراق میں آچکا ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے پڑوسی نے ایک شب انکا دروازہ زور سے پیٹنا شروع کیا تو کس طرح انہوں نے گھبرا کر پوچھا کہ "کیا غسانیوں نے شہر پر حملہ کردیا"۔ (ملاحظہ ہو گذشتہ باب ۱۱۲) اسی دوران شام کے چند روغن زیتون فروخت کرنے والے نبطی سوداگر مدینہ آئے تو ان سے معلوم ہوا کہ قیصر روم نے چالیس ہزار افراد کا زبردست لشکر تیار کرلیا ہے جس میں عرب کے عیسائی قبائل لخم، جذام، عاملہ وغیرہ کے لوگ شامل ہیں اور یہ لشکر بلقاء (موجودہ اردن کا ایک ضلع عیرہ لوطؑ سے متصل) کے مقام پر جمع ہورہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مناسب نہ سمجھا کہ رومیوں کے اتنے بڑے لشکر کو عرب کی اس سرزمین میں پیش قدمی کرنے دیا جائے جو اب مدینہ کے زیر اثر تھی۔ ضروری تھا کہ رومیوں اور ان کے حامی عیسائی عرب قبائل سے شام کی سرحد ہی پر نمٹ لیا جائے ہر چند کہ موسم اجازت نہ دیتا تھا کہ ایسی سخت گرمی میں جبکہ کھجور کی فصل پکنے کے قریب تھی اتنا طویل اور صبر آزما سفر اختیار کیا جائے۔ آپؐ نے عظیم تر قومی مفاد کی خاطر جلد از جلد ایک بڑے لشکر کے ساتھ شمال کی طرف کوچ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اور تیاری کے احکام جاری فرمادیئے۔ مدینہ اور مکہ کے مسلمانوں کے علاوہ آس پاس کے قبائل کو بھی اسلامی لشکر میں شامل ہونے کی ہدایات پہنچا دی گئیں۔ عموماً آپؐ اپنے ہدف سے لوگوں کو پہلے سے آگاہ نہ کرتے تھے۔ لیکن اس بار خلاف معمول آپؐ نے یہ بھی اعلان فرمادیا کہ رومیوں سے مقابلہ ہے اور شام کی طرف جانا ہے تاکہ مجاہدین موقع کی مناسبت سے مکمل تیاری کرلیں۔ یہ ایک تنخواہ دار باقاعدہ فوج نہ تھی بلکہ ہر مجاہد کی خدمات رضا کارانہ تھیں۔ تمام مسلمانوں نے جواب بڑی حد تک ایک منظم امت بن چکے تھے۔ آپؐ کے حکم پر لبیک

کہا۔ چاروں طرف سے مجاہدین کے جتھے شہر کے باہر ایک چھاؤنی میں آکر جمع ہونے لگے۔ چھاؤنی کا انتظام حضرت ابوبکرؓ کے سپرد تھا۔ وہی یہاں نماز میں امامت فرماتے۔

اس سلسلے میں البکائین کا واقعہ مشہور ہے۔ ایک جگہ سے چند غریب اصحاب جہاد کے شوق میں آئے۔ بے مائیگی کی وجہ سے خود سواریوں کا انتظام کرنے سے قاصر تھے۔ اس کے لئے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی۔ آپؐ اس وقت یہ انتظام نہ کرسکے اور معذرت ظاہر کی۔ یہ لوگ صدمے سے اس قدر اشکبار ہوئے کہ البکائین کہلائے (۲)۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کا تذکرہ کر کے انہیں مشرف کیا:

> "اور نہ ان بے سروسامان لوگوں پر الزام ہے کہ تمہارے پاس آئے کہ ان کو سواری دو اور تم نے کہا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس پر تم کو سوار کروں تو وہ لوٹ گئے اور غم سے کہ ان کے پاس خرچ موجود نہ تھا ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے"۔ (التوبہ ۹۲)

ان میں سے دو حضرات ابولیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب اور عبداللہ بن مغفل المزنی کو حضرت بن یامین بن عمیرؓ نے روتے ہوئے دیکھا تو سبب پوچھا۔ انہوں نے بتایا۔ حضرت بن یامینؓ نے انہیں ایک اونٹ اور کچھ زاد سفر عنایت کیا۔ دونوں شریک جہاد ہوئے۔

اتنے بڑے لشکر کے لئے جو سازو سامان فراہم کرنا تھا اس کے لئے مالی وسائل کی ضرورت تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے جنگی اخراجات کے لئے صدقہ وخیرات کی رغبت دلائی تو مسلمانوں نے دل کھول عطیات پیش کئے۔ حضرت عثمان بن عفانؓ نے اس موقع پر سب سے زیادہ امداد فرمائی نوسو اونٹ اور ایک سو گھوڑے مع سازو سامان فراہم کئے اس کے علاوہ ایک ہزار دینار اور دو سو اوقیہ چاندی عطا کی۔ انہی کے لئے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "اس عمل صالح کے بعد کوئی عمل عثمانؓ کو ضرر نہ پہنچاسکے گا۔ اے اللہ میں عثمانؓ سے راضی ہوں تو بھی ان سے راضی ہو" (۳)۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بھی اسی قدر چاندی پیش کی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے سارے مال کا نصف حاضر کردیا۔ دوسرے اصحاب حضرت عباسؓ حضرت سعد بن عبادؓ حضرت طلحہ بن

عبیداللہؓ حضرت محمد بن مسلمہؓ حضرت عاصم بن عدیؓ وغیرہ نے بھی کافی امداد دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنا سارا مال ومتاع حضور ﷺ کے قدموں میں لاکر ڈال دیا۔ آپؐ نے پوچھا "اہل خانہ کے لئے کیا چھوڑا۔" تو وہ مشہور جواب دیا جو تاریخ اسلام کی کتابوں میں محفوظ ہے:

"پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسول بس" (۴)۔

بہت سی خواتین نے اپنے زیورات عطا کئے۔ جو لوگ عسرت کی زندگی بسر کررہے تھے انہوں نے بھی حتی الوسع کچھ نہ کچھ پیش کیا۔ حضرت ابو عقیل انصاریؓ نے رات بھر پانی نکال کر ایک کھیت سیراب کیا۔ اجرت میں چار سیر کھجوریں ملیں۔ ان میں سے دو سیر بارگاہ نبوت میں پیش کیں۔ آپؐ نے یہ کھجوریں سارے مال پر بکھروادیں (۵)۔ منافقین ان حضرات پر طعنہ زن تھے۔ زیادہ دینے والوں کو ریاکار کہتے اور کم دینے والوں پر ہنستے۔ انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

"جو (ذی استطاعت) مسلمان دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور جو (بیچارے غریب) صرف اتنا ہی کماسکتے ہیں جتنی مزدوری کرتے ہیں (اور تھوڑی سی کمائی میں سے بھی خرچ کرتے ہیں) ان پر جو (منافق) طعن کرتے اور ہنستے ہیں خدا ان پر ہنستا ہے اور ان کے لئے تکلیف دینے والا عذاب (تیار) ہے" (التوبہ ۷۹)

تقریباً تیس ہزار مجاہدین کا لشکر تیار ہوگیا۔ اس سے قبل اتنا بڑا اسلامی لشکر کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔ منافقین کو چھوڑ کر تقریباً سارے مسلمان شریک تھے۔ ۸۰ منافقین ایسے تھے جنہوں نے مختلف بہانے بناکر رسول اللہ ﷺ سے عدم شرکت کی اجازت حاصل کرلی۔ ایک منافق جد بن قیس نے یہ عذر پیش کیا کہ اسے ڈر تھا کہ شام کی حسین عورتیں اسے فتنے میں نہ ڈال دیں۔ آپؐ نے اس کی طرف سے اپنا رخ پھیرلیا۔ اسی کے لئے یہ آیت نازل ہوئی:

"اور ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ مجھے تو اجازت ہی دیجئے اور آفت میں نہ ڈالیئے۔ دیکھو یہ آفت میں پڑگئے ہیں اور دوزخ سب کافروں کو

گھیرے ہوئے ہے"۔ (التوبہ ۴۹)

ایسے ہی دوسرے منافقین کے لئے کہا گیا:

"اگر مال غنیمت سہل الحصول اور سفر بھی ہلکا ہوتا تو تمہارے ساتھ (شوق سے) چل دیتے۔ لیکن مسافت ان کو دور دراز نظر آئی (تو عذر کریں گے) اور خدا کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو آپؐ کے ساتھ ضرور نکل پڑتے۔ یہ (ایسے عذروں سے) اپنے تئیں ہلاک کررہے ہیں۔ اور خدا جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں"۔ (التوبہ ۴۲)

اگلی آیت میں بھی رسول پاک ﷺ کو بھی پیار کے الفاظ میں سمجھایا گیا:

"خدا تمہیں معاف کرے تم نے پیشتر اس کے کہ تم پر وہ لوگ بھی ظاہر ہوجاتے جو سچے ہیں اور وہ بھی تمہیں معلوم ہوجاتے جو جھوٹے ہیں انکو اجازت کیوں دی" (التوبہ ۴۳)

شروع میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں کو لے کر لشکر اسلامی میں شامل ہوا اس نے اپنا پڑاؤ باقی لشکر سے ذرا ہٹ کر ڈالا تھا۔ روانگی کا وقت قریب آیا تو رسول اکرم ﷺ سے اذن حاصل کرلیا کہ مدینہ ہی میں رہ جائے۔ اس کے دو خاص ساتھی تھے عبداللہ بن نبیل اور رفاعہ بن زید۔

حقیقتاً یہ منافق اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ مسلمان رومیوں کے ہاتھوں بری شکست کھائینگے سفینہ اسلام ڈوب کررہے گا اور رسول اللہ ﷺ نعوذ باللہ اب مدینہ واپس نہ آئینگے عبداللہ بن ابی نے اپنے رفقاء کو یہی یقین دلایا تھا۔ منافقین سویلم نامی ایک یہودی کے یہاں جمع ہوتے تھے اور لوگوں کو جہاد کے خلاف اکسانے کی کوشش کرتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا:

".....اور کہنے لگے کہ گرمی میں مت نکلنا۔ (ان سے) کہہ دو کہ دوزخ کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے کاش یہ (اس بات کو) سمجھتے"

(التوبہ ۸۱)

ایک دن سویلم کے یہاں چند منافق اسی قسم کی سازش کررہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کو چند حضرات کے ساتھ روانہ فرمایا کہ اس کے گھر کو نذر آتش کردیں۔ حضرت طلحہؓ نے یہی کیا اس کے بعد ایسی سازشوں کا خاتمہ ہوگیا۔

لشکر میں شریک نہ ہونے والے مخلص مسلمانوں میں چند تو وہ تھے جنہیں ضرورتاً چھوڑا گیا بعض مجبور و معذور تھے جیسے حضرت ابن ام مکتومؓ تین حضرات ایسے تھے جو مخلص ہونے کے باوجود تساہلی کی وجہ سے سوچتے رہ گئے کہ اب روانہ ہوں اور تب روانہ ہوں یہاں تک کہ وقت نکل گیا یہ حضرت کعب بن مالکؓ حضرت مرارہ بن ربیعؓ اور حضرت ہلال بن امیہؓ تھے۔ ان کا ذکر آگے آئے گا چوتھے حضرت ابو خیثمہؓ تھے یہ لشکر کے ساتھ روانہ نہ ہوسکے تھے ایک دوپہر کو اپنے باغ میں گئے تو ان کی دو بیویوں نے اپنے اپنے جھونپڑوں کے سامنے ان کی استراحت اور ضیافت کا سامان کررکھا تھا یہ سب کچھ دیکھا تو خیال آیا کہ رسول اکرم ﷺ اس سخت دوپہر میں گرم سفر ہیں اور یہ خود یہاں محو استراحت رہیں یہ خیال آتے ہی سب کچھ چھوڑ کر سامان سفر کیا اور اونٹ پر روانہ ہوگئے راستے میں حضرت عمیر بن وہبؓ بھی مل گئے جو انہی کی طرح پیچھے رہ گئے تھے تبوک میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ آپؐ نے دور سے ایک شتر سوار کو آتے دیکھا تو فرمایا "کاش ابو خیثمہ ہوں" قریب آئے تو وہی تھے ساری کیفیت بیان کی تو آپؐ بہت مسرور ہوئے۔

لشکر کی روانگی کی صحیح تاریخ کا تعین نہیں صرف اتنا یقین ہے کہ جمعرات کا دن تھا اور رجب ۹ ہجری کا مہینہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور حضرت علیؓ کو اہل بیت کی دیکھ بھال کے لئے چھوڑا خود لشکر کے سپہ سالار کی حیثیت سے روانہ ہوئے یہ روانگی تبوک کی طرف تھی یہ مقام شام اور حجاز کی سرحد پر مدینہ سے تقریباً گیارہ سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا۔ لشکر نے مشکل سے چند میل طے کئے ہوں گے کہ حضرت علیؓ

پوری طرح ہتھیاروں سے لیس ہوکر لشکر میں شامل ہونے کے لئے آپہنچے چند منافقین سے اپنے خلاف طنز امیز کلمات سنے تو ان سے نہ رہا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا "آپؐ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جارہے ہیں"۔ رسول اکرم ﷺ نے اس طویل سفر پر جاتے ہوئے ایک معتبر قریبی عزیز کو گھر والوں کی نگرانی کے لئے چھوڑنا ضروری سمجھا تھا فرمایا "کیا تم اس پر راضی نہیں کہ مجھ سے تمہیں وہی نسبت ہو جو موسیٰؑ کو ہارونؑ سے تھی البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔ حضرت علیؓ اس عزت افزا جواب سے مطمئن ہوگئے اور آپؐ کے حکم کے بموجب واپس مدینہ آگئے۔ خرچ کرنے والوں کی فراخدلی کے باوجود اتنے بڑے لشکر کے لئے سواریوں اور سامان رسد کی بڑی کمی تھی کئی کئی حضرات کے لئے ایک اونٹ میسر تھا۔ سامان خورد ونوش کی کمی کی وجہ سے کبھی کبھی فاقوں پر نوبت آجاتی۔ دو ایک بار سواری کے اونٹ ذبح کرنے پڑے کہ ان کے گوشت کے علاوہ ان کے پیٹ کا جمع شدہ پانی بھی استعمال ہوسکے۔ اس بے سروسامانی کی بنا پر اس لشکر کو "جیش عسرت" کہا گیا ہے بڑا تکلیف دہ سفر تھا رسول اللہ ﷺ نے قصر کی نمازیں اکثر ظہر و عصر اور مغرب و عشا ملا کر پڑھیں کبھی جمع تقدیم کرتے کبھی جمع تاخیر (یعنی کبھی دونوں نمازیں اول وقت پڑھتے' کبھی آخر وقت) سفر کے دوران ایک صبح ایسا ہوا کہ فجر کے وقت آپؐ کو وضو کرنے میں کچھ دیر ہوگئی لوگ نماز کے لئے صف بستہ ہوچکے تھے آپؐ اپنے خیمے سے برآمد نہ ہوئے تو صحابہ کو اندیشہ ہوا کہ وقت نکل نہ جائے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی امامت میں نماز شروع کردی۔ پہلی رکعت ختم ہوئی تھی کہ آپؐ تشریف لے آئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے امامت کی جگہ خالی کرنا چاہی لیکن آپؐ نے انہیں روک دیا اور ان کے پیچھے نماز پڑھی' نماز کے اختتام پر آپؐ نے اپنی دوسری رکعت پوری کی اور اصحاب سے فرمایا"تم نے اچھا کیا کہ میرے بغیر نماز شروع کردی حقیقت یہ ہے کہ کوئی نبی اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اپنی امت کے کسی پاکباز شخص کی امامت میں نماز نہ ادا کرلے"۔

جب لشکر حجر کے علاقے میں پہنچا تو ایک شب قیام کے لئے ٹھہرنا پڑا۔ یہاں قوم ثمود کے چٹانوں میں تراشے ہوئے مکانات موجود تھے رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو تاکید کی کہ ان کے مکانات میں داخل نہ ہوں یہاں صحابہ نے وہ کنواں بھی دیکھا جہاں حضرت صالحؑ کی اونٹنی پانی پیتی تھی (یہ بیر ناقہ کے نام سے مشہور ہے) آپؐ نے سوائے اس کنویں کے باقی تمام کنووں سے پانی

لینے کی ممانعت کردی۔ جن اصحاب نے ایسا پانی لیا تھا یا اس سے آٹا وغیرہ گوندھا تھا ان سے فرمایا کہ پانی ضائع کردیں اور ایسا آٹا اونٹوں کو کھلادیں۔ یہ بھی فرمایا کہ کوئی شخص شب کو تنہا قیام گاہ سے باہر نہ جائے۔ اتفاق سے دو حضرات یہ غلطی کر بیٹھے ان میں سے ایک کو خناق کا مرض لاحق ہوگیا دوسرے صاحب شدید آندھی کی زد میں آگئے اور طے کے پہاڑوں میں جاگرے پہلے صاحب کے لئے آپؐ نے دعا فرمائی تو صحت یاب ہوئے دوسرے صاحب بعد میں نبی طے کے وفد کے ساتھ مدینہ پہنچے۔ یہاں سے روانگی کے وقت آپؐ نے اصحاب کو تیزی سے گزر جانے کا حکم دیا اور خود بھی اپنا سر مبارک چادر سے ڈھک کر تیزی سے وادی کو عبور کیا (۶)۔

آپؐ کے حکم کے مطابق صحابہ اس علاقے سے پانی نہ لے سکے تھے۔ پانی کی سخت کمی محسوس ہوئی۔ آپؐ تک شکایت پہنچی تو آپؐ نے اللہ سے دعا کی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بارش سے سیراب کردیا۔ یہ آپؐ کا معجزہ تھا آس پاس کہیں اور بارش نہ ہوئی تھی۔ کسی صحابی نے ایک منافق سے کہا۔ "کیا اب بھی تجھے رسول اللہ (ﷺ) کی رسالت میں کوئی شک ہے"۔ تو اس نے جواب دیا "اس سے کیا ہوتا ہے' ایک بادل آیا اور برس گیا"۔

تقریباً دو ہفتے کی مسافت کے بعد لشکر تبوک کے قریب پہنچا۔ یہاں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "انشا اللہ ہم کل تبوک کے چشمے پر پہنچ جائینگے"۔ ساتھ ہی یہ ہدایت فرمائی کہ آپؐ کے پہنچنے سے پہلے کوئی شخص اس چشمے کا پانی استعمال نہ کرے۔ دوسرے دن چاشت کے بعد جب آپؐ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ دو اشخاص پہلے ہی پہنچ کر چشمے کا پانی استعمال کرچکے تھے اور چشمے سے پانی برائے نام ٹپک رہا تھا۔ آپؐ نے اپنے احکام کی اس نافرمانی کو بہت ناپسند کیا اور جن سے یہ غلطی ہوئی تھی انہیں برا بھلا کہا۔ آپؐ نے دو ایک حضرات سے فرمایا کہ چلوؤں سے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر ایک برتن میں جمع کریں۔ جب کچھ پانی جمع ہوگیا تو آپؐ نے ہاتھ منہ دھوکر پانی واپس چشمے کی چٹان پر ڈال دیا۔ چٹان پر دست مبارک پھیرا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی فوراً چشمے سے پانی خوب ابلنے لگا۔ تمام صحابی سیراب ہوئے۔ آپؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے فرمایا معاذؓ تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم ایک دن یہ مقام باغات سے ہرا بھرا دیکھو گے (۷)۔ اسلامی لشکر یہیں خیمہ زن ہوا۔

☆ ☆

(۱) قاضی سلمان منصور پوری کہتے ہیں کہ کوئی مسلمان شہید نہیں ہوا حضرت قطبہ اسیروں کو لئے مدینہ واپس آئے (رحمتہ للعالمین' جلد دوم صفحہ ۲۰۱)

(۲) ابن ہشام نے ان سات حضرات کے نام دیئے ہیں (سیرۃ النبی' جلد دوم صفحہ ۲۱۸)

(۳) محمد ادریس کاندھلوی سیرۃ المصطفیٰ' جلد دوم صفحہ ۱۷۹' ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے حضرت عثمانؓ' حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے عطیات کی مالیت بالترتیب چالیس ہزار اشرفیاں' دس ہزار درہم' اور پانچ سو درہم بتائی ہے (محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۲۴۷)

(۴) شاعر اسلام محمد اقبال

(۵) ابوالکلام آزاد 'رسول رحمت' صفحہ ۴۰۵

(۶) رسول اکرم ﷺ کا دستور تھا کہ قہرزدہ مقامات سے اسی طرح گزرتے مکہ معظمہ اور عرفات کے درمیان وادی محسر سے جلد گزرنے کا دستور اب تک قائم ہے۔

(۷) ابوالکلام آزاد نے تقریباً پچاس سال قبل اس علاقے کا سفر کیا تھا لکھتے ہیں کہ پہلے جس جگہ لشکر اسلام ٹھہرا تھا وہاں ایک لکڑی کی مسجد بنی تھی۔ ۱۸۳۰ء میں ایک ترکی افسر نے اپنے خرچ پر ایک پتھر کی مسجد بنوادی۔ تبوک کا پانی خیبر اور مدینہ منورہ سے زیادہ ہے۔ پہلے آبادی دو تین ہزار تھی اب پچاس ساٹھ ہزار ہے ہر طرف جدید طرز کی عمارتیں بن رہی ہیں اور باغات لگائے جارہے ہیں۔ یوں حضور ﷺ کی وہ پیشین گوئی پوری ہورہی ہے جو آپؐ نے یہاں پہنچنے پر فرمائی تھی (رسول رحمت' صفحہ ۵۱۰)۔

(۱۱۴) ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ

مسلمانوں کے اس عظیم الشان لشکر کی خبر پاکر رومی اور ان کے غسانی حلیف مرعوب ہوگئے۔ بلتاسے پیش قدمی کرنے کی بجائے منتشر ہوکر اپنے اپنے علاقوں کو واپس ہوئے۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ رومیوں اور غسانیوں کی تیاری کی جو خبریں مدینہ پہنچ رہی تھیں وہ صحیح نہ تھیں بلکہ سرحد کے عیسائی قبیلوں نے یہ افواہ یونہی اڑا دی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ تبوک پہنچے تو دشمنوں کی کوئی جماعت دور دور نہ تھی۔ لیکن یہ قرین قیاس نہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اتنی بڑی مہم کا اہتمام ایسے ناساز موسم میں غلط افواہوں کی تصدیق کئے بغیر کرلیا ہو۔ ہوا یہ کہ عیسائیوں نے اتنے بڑے پر ہیبت لشکر سے مقابلہ کرنا خلاف مصلحت سمجھا اور خاموشی سے اپنا منصوبہ ترک کردیا۔ سوچا کہ مدینہ پر حملہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کیا جائے تو بہتر ہے(۱)۔

(ان کا یہ منصوبہ بھی اس افواہ پر مبنی تھا کہ نعوذ باللہ آپؐ کی وفات ہوگئی ہے)

کسی کو مقابل نہ پاکر رسول اللہ ﷺ نے چند دن تبوک میں قیام کرنے کا ارادہ فرمایا تاکہ قرب وجوار کے قبائل کو مدینہ کا ہموا بنا سکیں۔ یہیں ایک روز نماز کے بعد اس قدر بلیغ واعلیٰ خطبہ دیا کہ اس کے جوامع الکلم اب تک تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ حافظ ابن قیم نے "زادالمعاد" میں یہ خطبہ جسے اسلامی اخلاقیات کا نچوڑ کہنا چاہئے اس طرح نقل کیا ہے (۲)۔ اللہ تعالیٰ کی حمد کے بعد آپؐ نے فرمایا (ترجمہ)

(۱) صدق میں ہر کلام سے بڑھ کر اللہ کی کتاب ہے

(۲) سب سے زیادہ بھروسے کے قابل کلمہ تقوی ہے

(۳) سب سے بہتر ملت ملت ابراہیمؑ ہے

(۴) سب سے بہتر سنت (طریقہ) سنت محمد ﷺ ہے

(۵) اشرف ترین بات اللہ کا ذکر ہے

(۶) سب قصوں (بیانات) سے بہتر یہ قرآن ہے

(۷) بہترین کام عزیمت کے کام (فرائض وواجبات) ہیں۔

(۸) بد ترین کام بدعات ہیں

(۹) سب سے اچھی ہدایت انبیاء کی ہدایت ہے

(۱۰) اشرف ترین موت شہید کی موت ہے

(۱۱) سب سے بڑی کور چشمی وہ گم راہی ہے جو ہدایت کے بعد اختیار کی جائے

(۱۲) اعمال میں بہترین وہ ہے جو نفع بخش ہو (دینی اعتبار سے)

(۱۳) بہترین ہدایت وہ ہے جو قابل عمل ہو

(۱۴) بدترین بے بصری دل کی بے بصری ہے

(۱۵) اونچا ہاتھ (دینے والا) پست ہاتھ (لینے والا) سے بہتر ہے

(۱۶) کم بقدر کفایت مال اس کثیر مال سے بہتر جو غافل بنادے

(۱۷) بدترین معذرت (توبہ) وہ ہے جو مرتے وقت کی جائے

(۱۸) بدترین پشیمانی وہ ہے جو قیامت کے دن ہو

(۱۹) بعض لوگ جمعہ کے لئے آتے ہیں مگر ان کے دل پیچھے لگے ہوتے ہیں

(۲۰) بعض لوگ اللہ کو صرف کبھی کبھی یاد کرتے ہیں

(۲۱) سب سے بڑی خطا جھوٹی زبان ہے

(۲۲) بہترین تونگری دل کی تونگری ہے

(۲۳) بہترین توشہ تقویٰ ہے

(۲۴) دانائی کی اصل اللہ عزوجل کا خوف ہے

(۲۵) دلوں میں بہترین شے یقین محکم ہے

(۲۶) شک وشبہ کفر کی شاخ ہے

(۲۷) میت پر بین کرنا (چلا کر رونا پیٹنا) جاہلیت کا کام ہے

(۲۸) خیانت دوزخ کی آگ ہے

(۲۹) نشہ آگ میں پڑنا ہے

(۳۰) (برا) شعر ابلیس کا القا ہے

(۳۱) شراب گناہوں کا مجموعہ ہے

(۳۲) بدترین روزی یتیم کا مال کھانا ہے

(۳۳) سعادتمند وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے

(۳۴) اصل بدبخت وہ ہے جو شکم مادر ہی میں بدبخت ہو

(۳۵) سرمایہ عمل عمل کا انجام ہے

(۳۶) بدترین راوی وہ ہے جو جھوٹی روایت بیان کرے

(۳۷) ہر ہونے والی چیز قریب ہے

(۳۸) مسلمان کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے

(۳۹) اس کا گوشت کھانا (غیبت کرنا) اللہ کی معصیت ہے

(۴۰) مسلمان کا مال (ناجائز طریقے سے لینا) ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ اس کا خون

(۴۱) جو خدا سے استغنا کرتا ہے خدا اسے جھٹلاتا ہے

(۴۲) جو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے۔ اللہ اس کے عیب چھپاتا ہے

(۴۳) جو معافی دیتا ہے اسے معافی دی جاتی ہے

(۴۴) جو غصہ پی جائے اسے اللہ اجر دیگا

(۴۵) جو نقصان پر صبر کرے اسے اللہ بدلہ دیگا

(۴۶) جو چغلی کرتا پھرے اسے اللہ رسوا کرتا ہے

(۴۷) جو صبر کریگا اللہ اسے کئی گنا اجر دیگا

(۴۸) جو اللہ کی نافرمانی کرے اللہ اسے عذاب دیگا

پھر تین بار اپنے اور اپنی امت کے لئے استغفار پڑھ کر خطبہ ختم کیا۔

تبوک میں قیام کے دوران مسلمانوں کو بڑے سیاسی فوائد حاصل ہوئے۔ اب ان کے مقابل کوئی رہ سکتا تھا تو وہ رومی عیسائی تھے جنہوں نے ایرانیوں کو پسپا کرکے بڑی طاقت حاصل کرلی تھی۔ تبوک کی مہم نے مسلمانوں کی دھاک رومی سرحدوں تک اس طرح بٹھا دی کہ شمالی عرب کے قبائل نے رومیوں کے دست نگر ہونے کے بجائے اسلام کی اطاعت کو زیادہ قابل قبول سمجھا اور شمالی عرب میں رومی اثر کا خاتمہ ہوگیا۔ مستقبل کی فتوحات کا جو در موتہ کی مہم سے وا ہوا

تھا اسے مزید کشادگی ملی۔ یہاں سے رسول اللہ ﷺ نے ایلہ (یہ آج کل عقبہ کے قریب اسرائیل کا بندرگاہ ایلات ہے) کے نصرانی حاکم یحنہ بن روبہ کے نام ایک نامہ تحریر کیا۔ جس میں اسے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا۔ (۱) اسلام' (۲) جزیہ' یا (۳) جنگ۔ یحنہ آپؐ کی خدمت میں خود حاضر ہوا۔ سادہ مسلمانوں نے اس کے اعلیٰ لباس اور گلے میں لٹکی ہوئی سونے کی صلیب دیکھی تو حیرت زدہ ہوئے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو ایک عمدہ نسل کا سفید خچر تحفہ میں پیش کیا۔ اور جزیہ ادا کرنا قبول کیا۔ آپؐ نے حضرت بلالؓ کو ہدایت فرمائی کہ عزت واحترام سے اس کی تواضع کریں۔ اپنی ایک دھاری دار چادر عنایت فرمائی اور یہ امن کا پروانہ عطا کیا:

"یہ اللہ کی طرف سے اور محمد النبی (ﷺ) کی طرف سے جو اللہ کے رسول ہیں یحنہ بن روبہ اور اہل ایلہ کے لئے امان نامہ ہے۔ سمندر میں ان کی کشتیوں اور جہازوں' نیز خشکی کے راستوں میں ان کے قافلوں اور مسافروں کے لئے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا ذمہ ہے۔ اس ذمہ داری میں اہل شام' اہل یمن یا سمندر میں کشتی رانی کرنے والے وہ لوگ بھی شامل ہیں جو ان کے پاس رہتے ہیں۔ ان میں کوئی معاہدے کی خلاف ورزی کریگا تو اس کا مال' جان کے بغیر' پکڑنے والے کے لئے طاہر وطیب ہوگا۔ اور اہل ایلہ کو جائز نہیں کہ وہ آنے جانے والوں کو پانی سے منع کریں۔ نیز بری اور بحری راستوں سے روکنا بھی جائز نہیں"( )۔

مقناء' جربا اور اذرح کے یہودی قبائل بھی خلیج عقبہ کے مشرق میں آباد تھے انہوں نے بھی اسی قسم کے پروانے حاصل کئے اور جزیہ دینا منظور کیا۔ جربا اور اذرح کے لئے جزیہ ایک سو دینار سالانہ ہر ماہ رجب میں واجب الادا قرار پایا۔ اس کے علاوہ مسلمان مسافروں اور تاجروں کو ضروری سہولتوں کی فراہمی بھی ان کے ذمہ ٹھہری (۴)۔ قبیلہ مقنا کا جزیہ ان کے کاتے ہوئے سوت اور کپڑے اور پھلوں کا چوتھائی حصہ تھا۔

تبوک کے شمال مشرق میں دومتہ الجندل کا حاکم اکیدر بن عبدالملک تھا: یہ بنی کندہ کا عرب تھا مگر رومی اثر سے عیسائی ہوگیا تھا۔ مسلمان تاجر اس کے ظلم سے تنگ تھے۔ غزوہ خندق

سے قبل رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف جانے کا قصد کیا تھا۔ مگر احزاب کے حملے کی خبر سنکر واپس مدینہ تشریف لے آئے تھے (۵)۔ اب آپؐ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو چار سو بیس سواروں کے ساتھ اس کی سرزنش کے لئے روانہ فرمایا۔ یہ نہایت تیزی سے اچانک اس کے علاقے میں پہنچ گئے اور اسے اس وقت جالیا جبکہ وہ نیل گائے کے شکار میں مصروف تھا۔ برائے نام مقابلے میں اس کا بھائی مارا گیا اور اکیدر خود گرفتار ہوا۔ اس کی جاں بخشی اس شرط پر ہوئی کہ وہ دو ہزار اونٹ، آٹھ سو بھیڑ بکریاں، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے بطور مال غنیمت اسلامی لشکر کے حوالے کرے۔ حضرت خالدؓ نے رسول اکرم ﷺ کے لئے خمس نکال کر باقی سامان مجاہدین میں تقسیم کردیا۔ اسی دوران رسول اللہ ﷺ مدینہ کے لئے روانہ ہوچکے تھے۔ آپؐ کے مدینہ پہنچنے کے چند دن بعد حضرت خالدؓ اکیدر اور اس کے ایک بھائی مصاء کو لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اکیدر نے اسلام قبول کیا۔ مسلمانوں کا حلیف ہوکر اپنے علاقے میں واپس آیا (۶)۔

تبوک میں رسول اللہ ﷺ کا قیام ابن اسحاق کے مطابق دس راتیں رہا۔ (بعض روایات میں بیس دن بھی بتائے گئے ہیں) یہاں جیسا کہ بیان ہوا ایسی کامیابیاں حاصل ہوئیں جو شاید جنگ سے بھی نہ ہوتیں۔ اس قیام کے دوران آپؐ کے ایک عزیز صحابی ذوالبجادین کا انتقال ہوا۔

حضرت بلال بن حارثؓ ان کے دفن کی کیفیت بتاتے ہیں کہ رات کا وقت تھا۔ حضرت بلالؓ کے ہاتھ میں چراغ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ لاش کو لحد میں رکھ رہے تھے۔ نبی ﷺ قبر میں اترے تھے اور حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ سے فرمارہے تھے "ادنیا الی اخاکما" (اپنے بھائی کا ادب ملحوظ رکھنا)۔ آپؐ نے قبر پر اینٹیں بھی اپنے دست مبارک سے رکھیں۔ پھر دعافرمائی "یا اللہ میں آج کی رات تک اس سے خوش رہا ہوں تو بھی اس سے راضی ہوجا" (۷)۔

تبوک سے واپسی کے وقت چند منافقین نے آپؐ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ انکا منصوبہ تھا کہ جب آپؐ ایک گھاٹی سے گزر رہے ہوں تو یکایک ہجوم کرکے آپؐ کو گھاٹی سے نیچے گرادیں (یہ سازش عبداللہ بن ابی کے مشورے پر ہوئی تھی) (۸)۔ آپؐ جب اس گھاٹی سے گزر رہے تھے تو حضرت عمارؓ اور حضرت حذیفہؓ آپؐ کے ساتھ تھے باقی مسلمان نشیبی وادی میں تھے۔ آپؐ نے ان منافقوں کو چہروں پر ڈھاٹا باندھے ہوئے دیکھا تو حضرت حذیفہؓ کو اشارہ کیا کہ انہیں روکیں۔ انہوں نے اپنی ڈھال ان کی سواریوں کے منہ پر ماری۔ یہ آگے بڑھنے کی جرات نہ کرسکے۔ بھاگ کر باقی

لشکر میں جاملے۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان منافقین کے نام معلوم ہوگئے جو آپؐ نے حضرت حذیفہؓ کو بتائے (۹)۔ حضرت حذیفہؓ نے عرض کیا کہ انہیں قتل کا حکم دیجئے لیکن آپؐ راضی نہ ہوئے۔ اس واقعے کی طرف قرآن مجید میں اشارہ ہے:

"اور ایسی بات کا قصد کرچکے ہیں جس پر قدرت نہ پاسکے"۔ (التوبہ ۷۴)

مدینہ کے قریب پہنچے تو رسول اکرم ﷺ نے اصحاب سے فرمایا کہ "مدینہ میں بعض لوگ ایسے موجود ہیں کہ تم نے جو سفر کیا اور جو میدان طے کیا وہ اس میں تمہارے ساتھ تھے"۔ (صحابہ نے عرض کیا "مدینہ میں قیام کے باوجود وہ اس اجر کے مستحق ہیں؟"۔ آپؐ نے فرمایا "ہاں۔ وہ عذر کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے" (۱۰)۔ جب جبل احد اور مدینہ کا شہر نظر آیا تو فرمایا "یہ طابہ ہے۔ اور یہ احد ہے۔ وہ پہاڑ جو ہم سے محبت کرتا ہے اور جس سے ہم محبت کرتے ہیں"۔ شہر میں لشکر کے داخلے کے وقت چھوٹے بڑے سب استقبال کے لئے نکل آئے۔ خواتین اور بچے نغمہ خاخواں تھے۔

طلع البدر علینا　　　من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا　　　ما دعالله دٰاع

(وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چاند طلوع ہوا۔ جب تک خدا کو پکارنے والا (کوئی دنیا میں) باقی ہے ہم پر خدا کا شکر فرض ہے) (۱۱)۔

لیکن گھر پر ایک جانکا صدمہ آپؐ کا منتظر تھا۔ آپؐ کی غیر موجودگی میں آپؐ کی پیاری دختر نیک اختر حضرت ام کلثومؓ وفات پاچکی تھیں۔ ان کے شوہر حضرت عثمانؓ بھی ان کی وفات کے وقت تبوک میں تھے۔ اپنی لخت جگر کی دائمی جدائی نے آپؐ کو ابدیدہ کردیا۔ حضرت عثمانؓ سے اظہار تاسف کیا اور فرمایا کہ اگر آپؐ کے کوئی اور صاحبزادی ہوتیں تو مرحومہ دو بیٹیوں کی طرح انہیں بھی ان کی زوجیت میں دے دیتے۔ یہ واپسی رمضان ۹ھ کے شروع میں ہوئی۔

☆ ☆

(۱) سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلد اول صفحہ ۱۳۷

(۲) ایضاً صفحہ ۱۴۰ نیز ابوالکلام آزاد 'رسول رحمت' صفحہ ۵۲۵

(۳) ابن کثیر 'سیرۃالنبیؐ' جلد دوم صفحہ ۵۱۲

(۴) ان تحریروں کے بارے میں مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو محمد حمید اللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۱۹۸ تا ۲۰۴

(۵) محمد حمید اللہ 'رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' صفحہ ۱۹۶

(۶) ابن ہشام کا کہنا ہے کہ اکیدر تبوک ہی میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ('سیرۃالنبیؐ' جلد دوم صفحہ ۳۲۶)

(۷) حضرت ذوالبجادین کا اصلی نام حضرت عبداللہ تھا۔ بچپن میں یتیم ہوگئے۔ چچا نے پرورش کی۔ جوان ہوئے تو اسلام قبول کیا۔ چچا نے ننگا کرکے گھر سے نکال دیا۔ والدہ نے ایک کمبل دیا۔ اس کے دو ٹکڑے کئے ایک کو تہہ بند کیا دوسرے کو چادر۔ اس حال میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اصحاب صفہ میں شامل ہوگئے۔ (کمبل کے دو ٹکڑوں کی بنا پر لقب ذوالبجادین ہوگیا) تبوک کے وقت رسول اکرم ﷺ سے شہادت کی دعا چاہی۔ آپؐ نے فرمایا "جہاد کی نیت سے نکلو پھر تپ آجائے اور مرجاؤ تو بھی شہید ہی ہوگے" تبوک میں ایسا ہی ہوا۔

(۸) محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۲۳۵

(۹) حضرت حذیفہؓ نے یہ نام کسی پر افشا نہ کئے۔ روایت ہے کہ بعد میں ایک بار حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ ان کا نام تو ان منافقوں میں نہ تھا۔ حضرت حذیفہؓ نے کہا نہیں۔ مگر سنئے اب کے بعد میں کسی کے نام کو نفاق سے بری نہ کرونگا۔ (یعنی رسول اللہ ﷺ کا راز افشانہ کرونگا)"۔ (ابن کثیر 'سیرۃالنبیؐ' جلد دوم صفحہ ۵۱۶)

(۱۰) ایضاً صفحہ ۵۲۰

(۱۱) شبلی نعمانی 'سیرۃالنبیؐ' جلد اول صفحہ ۳۲۵

(۱۱۵) منافقین و مخلفین

تبوک سے رسول اللہ ﷺ کی کامیاب واپسی منافقین پر شاق گزری اس زمانے میں مدینہ کے منافقین کی تعداد تقریباً چار سو تھی۔ ان میں سے بہتوں کے نام امام ابن حزم نے دیئے ہیں(۱)۔ اکثر منافقین جنگ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ یہ ایک ایسی مہم تھی جس نے سچے مسلمانوں اور منافقوں کو ایک دوسرے سے متمیز کردیا تھا۔ بہت سے منافقین کے چہرے بے نقاب ہوگئے اور ان کی فضیحت ہوئی اسی لئے غزوۂ تبوک کو غزوۂ فاضحۃ بھی کہا گیا ہے اور سورۃ توبہ کو سورۃ فاضحہ۔ واپسی کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مسجد میں نماز سے فارغ ہوکر بیٹھے تو ان سے پیچھے رہ جانے والے "مخلفین" نے اپنی اپنی عدم شرکت کے جواز میں عذر پیش کئے۔ آپؐ نے ان کے ظاہر کو قبول فرمایا اور انکے دلوں کی حالت اللہ کے سپرد کی۔ لیکن اللہ کی طرف سے یہ آیات نازل ہوئیں:

> "جب تم ان کے پاس لوٹ کر جاؤ گے تو تمہارے روبرو خدا کی قسمیں کھائینگے تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔ سو ان کی طرف التفات نہ کرنا۔ یہ ناپاک ہیں اور جو کام یہ کرتے رہے ہیں ان کے بدلے ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ یہ تمہارے آگے قسمیں کھائینگے تاکہ تم ان سے خوش ہوجاؤ۔ لیکن اگر تم ان سے خوش ہوجاؤ گے تو خدا تو نافرمان لوگوں سے خوش نہیں ہوتا" (التوبہ ۹۵،۹۶)

لیکن تین ایسے سچے مسلمان بھی تھے جنہوں نے کوئی جھوٹا عذر پیش نہ کیا اور اپنی کاہلی کا اقرار کرلیا۔ یہ حضرت کعب بن مالکؓ مرارہ بن ربیعؓ اور ہلال بن امیہؓ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو انکی عدم شرکت کا بڑا ملال تھا۔ ان تینوں کی طرف سے منہ پھیرلیا۔ اور تمام مسلمانوں کو تاکید کی کہ

ان حضرات سے بالکل قطع تعلق کرلیں۔ یہ قطع تعلق پچاس دن تک قائم رہا۔ اس دوران جو ان حضرات کی حالت ہوئی اسے حضرت کعبؓ نے با تفصیل بیان کیا ہے۔ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان کے لئے تنگ ہو کر رہ گئی تھی۔ حضرت ابو قتادہؓ (ان کے چچازاد بھائی) نے جو ان کو بہت عزیز تھے ان سے گفتگو کرنے سے انکار کردیا۔ انہوں نے حضرت ابو قتادہؓ کو بار بار یقین دلانا چاہا کہ ان کا دل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے معمور ہے۔ جواب میں حضرت ابو قتادہؓ نے صرف اس قدر کہا "اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں"۔ ایک دن شام کا ایک نبطی تاجر ان سے ملا اور انہیں ایک غسانی حاکم کا ایک خط دیا جس میں یہ مضمون تحریر تھا کہ "تمہارے آقا نے تمہارے ساتھ سختی کی ہے۔ تم ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہاری قدر و منزلت کرینگے"۔ اس سے انہیں بہت دکھ ہوا کہ ایسی آزمائش میں ڈالے گئے اور خط کو نذر آتش کیا۔ جب چالیس دن اس طرح گزر گئے تو حکم ملا کہ تینوں حضرات اپنی اپنی بیویوں سے بھی جدا ہو جائیں۔ حضرت کعبؓ نے قاصد سے پوچھا کہ آیا یہ طلاق کا حکم تھا۔ تو معلوم ہوا کہ نہیں، صرف علیحدگی کے لئے کہا گیا ہے۔ انہوں نے اپنی زوجہ کو میکے بھجوادیا۔ باقی دو حضرات کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ صرف حضرت ہلالؓ کی بیوی نے اپنے بوڑھے شوہر کی خدمت کرنے کی اجازت حاصل کرلی۔ پچاس دن گزر گئے تو حضرت کعب اپنے گھر کی چھت پر صبح کی نماز پڑھ کر بیٹھے ہوئے تھے کہ دور سے ایک آواز سنی کہ "کعبؓ۔ مبارک ہو تمہاری توبہ قبول ہوئی"(۲)۔ یہ حضرت ابو بکرؓ کی آواز تھی۔ پھر ہر طرف سے مبارکباد ملنا شروع ہوگئی۔ وہی جو کل تک بات نہ کرتے تھے آج بڑی محبت سے گلے مل رہے تھے۔ یہ جلد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ چند صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے۔ چہرہ مبارک چاند کی طرح چمک رہا تھا اور حسب معمول آپؐ کی خوشی اور مسرت کا عکاس تھا۔ حضرت کعبؓ کو دیکھا تو فرمایا "تمہیں آج اس دن کی بشارت دیتا ہوں جو تمہاری زندگی کا بہترین دن ہے"۔ حضرت کعبؓ نے عرض کیا "یہ آپؐ کی طرف سے ہے یا اللہ کی جانب سے"۔ آپؐ نے فرمایا "اللہ کی طرف سے" (۳)۔ حضور ﷺ پر یہ وحی نازل ہوچکی تھی:

"اور ان تینوں پر بھی (اللہ مہربان ہے) جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا۔
یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی

جانیں بھی ان پر دوبھر ہو گئیں اور انہوں نے جان لیا کہ خدا (کے ہاتھ)
سے خود اس کے سوا کوئی پناہ نہیں۔ پھر خدا نے ان پر مہربانی کی تاکہ
توبہ کریں۔ بے شک خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے"۔ (التوبہ ۱۱۸)

تبوک کے واقعات پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ عالم میں کوئی شخصیت ایسی نہیں گزری جس نے مختلف قبائل اور مختلف علاقوں کے لوگوں کی اتنی بڑی جماعت کو اپنا اس قدر گرویدہ بنالیا ہو جس قدر رسول اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کو اپنا جاں نثار بنالیا تھا (۴)۔

غزوۂ تبوک آخری جہاد تھا جس میں رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس شریک ہوئے۔ آپؐ کے غزوات سے جہاد کا وہ مقصد ظاہر ہوتا ہے جو بہت بعد میں ربعی بن عامرؓ نے شاہ ایران یزد گرد کے دربار میں بیان کیا تھا کہ "ہمیں اللہ نے اس لئے اٹھایا ہے کہ لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ واحد کی بندگی میں داخل کریں۔ دنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی وسعت میں داخل کریں اور دوسرے دینوں کے ظلم سے نکال کر اسلام کے عدل میں داخل کریں (۵)۔

مسجد ضرار کا واقعہ غزوۂ تبوک سے متصل ہے۔ گزشتہ اوراق میں ابو عامر راہب کا ذکر گزر چکا ہے کہ کس طرح رسول اکرم ﷺ کی مدینہ تشریف آوریؐ کے بعد مدینہ سے مکہ چلا گیا تھا۔ وہاں قریش کو برابر آپؐ کے خلاف ابھارتا رہا۔ پھر جنگ احزاب کی ناکامی کے بعد قیصر روم کے پاس پناہ گزیں ہوا اور کوشش کی کہ اسے مسلمانوں کے مقابل لائے۔ اس کا رابطہ مدینہ کے منافقین سے برابر قائم رہا۔ اسی کے مشورے سے منافقین نے مسجد قبا کے مشرق کی طرف ایک محلے میں ایک مسجد تعمیر کی جسے اپنی سازشوں کا مرکز بناسکیں۔ اسی لئے حافظ ابن کثیر نے اسے "بظاہر مسجد" اور "بباطن دار حرب" قرار دیا ہے۔ یہ مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کی ایک کوشش تھی۔ اس کے علاوہ منافقین کو خوش فہمی تھی کہ مسلمان تبوک میں یقیناً تباہ ہونگے۔ جو زخم خوردہ واپس آئینگے انہیں ختم کرنے کے لئے یہ مسجد نما عمارت مخالفین اسلام کے مرکز کا کام دیگی۔ ابن حزم نے اس کے بارہ منافق بانیوں کے نام دیئے ہیں (۶)۔ خزام بن خالد نامی منافق نے اپنے گھر سے متصل اپنی زمین اس تعمیر کے لئے دی تھی۔ مجمع بن جاریہ اچھا قاری تھا۔ اسے امام بنایا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب تبوک کے سفر کی تیاری میں مصروف تھے تو ان بارہ منافقین نے آپؐ سے عرض کیا کہ

انھوں نے بیماروں اور ضعیفوں کی ضرورت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ایک مسجد شہر کے جنوب میں تعمیر کی ہے جو لوگ ضعف یا خرابی موسم کے باعث قبا تک جانے میں زحمت محسوس کریں وہ یہاں نماز ادا کرلیں۔ آپؐ سے درخواست تھی کہ ایک بار تشریف لاکر مسجد کا افتتاح فرمادیں تاکہ خدا اسے برکت دے۔ آپؐ نے معذوری ظاہر فرمائی کہ اس وقت آپؐ کو بڑا سفر درپیش تھا۔ خدا نے چاہا تو واپسی پر ایسا کرسکیں گے۔

سفر تبوک سے واپس آرہے تھے تو یہ آیات نازل ہوئیں:

"اور ان میں ایسے بھی ہیں جنھوں نے اس غرض سے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کریں اور مومنوں میں تفرقہ ڈالیں اور جو لوگ خدا اور اس کے رسولؐ سے پہلے جنگ کرچکے ہیں ان کے لئے گھات کی جگہ بنائیں اور قسمیں کھائینگے کہ ہمارا مقصد تو صرف بھلائی تھی مگر خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ تم اس (مسجد) میں کبھی (جاکر) کھڑے بھی نہ ہونا۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے اس قابل ہے کہ اس میں جایا اور نماز پڑھایا کرو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور خدا پاک رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے۔ بھلا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی رضا مندی پر رکھی وہ اچھا ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گر جانے والی کھائی کے کنارے پر رکھی کہ وہ اس کو دوزخ کی آگ میں لے گرے اور خدا ظالم کو ہدایت نہیں دیتا۔

(التوبہ ۱۰۷ تا ۱۰۹)

تبوک سے واپسی میں آپؐ ذی اوان کے مقام پر پہنچے جو مدینہ سے زیادہ دور نہ تھا تو حضرت مالک بن الدخشمؓ اور حضرت معن بن عدیؓ کو آگے روانہ فرمایا کہ اس مسجد کو منہدم کرکے جلادیں۔ حضرت مالک نے یہی کیا۔ پچاس ساٹھ سال پہلے تک اس کے کھنڈر کچھ نمایاں تھے لیکن

اب ان کا نام ونشان نہیں۔

اس واقعے کو دو ماہ گزرے تھے کہ منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کی موت واقع ہوئی۔ اس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہؓ سچے مسلمان تھے۔ ان کی استدعا پر رسول اللہ ﷺ نے اس کے کفن کے لئے اپنی قمیص عطا فرمائی (۷)۔ اور اسکی نماز جنازہ بھی پڑھی۔ ہر چند کہ حضرت عمرؓ نے آپؐ کو روکنا بھی چاہا۔ بعد میں حضرت عمرؓ کی تائید میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے منافقین کے جنازوں پر نماز کی ممانعت آگئی:

"اور (اے پیغمبرؐ) ان میں سے کوئی مرجائے تو کبھی اس (کے جنازے) پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر (جاکر) کھڑے ہونا۔ یہ خدا اور اسکے رسولؐ کے ساتھ کفر کرتے رہے اور مرے بھی تو نافرمان (ہی مرے)

(التوبہ ۸۴)

ابن ابی کی موت کے بعد رفتہ رفتہ منافقوں کا زور بالکل ختم ہوگیا۔ اکثر منافقین صدق دل سے توبہ کر کے مخلص مومنین میں شامل ہوگئے۔

۹ھ میں نجاشی شاہ حبشہ کا بھی انتقال ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپؐ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔

اسی سال کا ایک واقعہ ہے کہ ایک مسلم خاتون آپؐ کی خدمت میں آئیں۔ اپنی بدکاری کا اقرار کیا اور مصر ہوئیں کہ ان پر حد جاری کی جائے تاکہ عاقبت کی سزا سے بچ سکیں۔ چونکہ حاملہ تھیں آپؐ نے فرمایا کہ بچے کی پیدائش کے بعد آئیں۔ یہ بچہ پیدا ہونے کے بعد حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے پھر توقف فرمایا کہ ابھی بچہ دودھ پیتا ہے۔ دودھ چھٹے تب آئیں۔ جب دودھ چھٹ گیا تو پھر اپنی التجا پیش کی اور اجراء حد کا تقاضا کیا۔ آپؐ نے آخر رجم کا حکم فرمایا۔ یہ واقعہ حرمت حدود کے ساتھ ساتھ آپؐ کے جذبہ ترحم کی عکاسی بھی کرتا ہے۔ اور اس عقیدۂ آخرت و سزا و جزا کی بھی جو اس دور کے مسلمانوں کے دلوں میں مرتسم تھا۔

سود کی قطعی حرمت اور جزیہ کے احکام بھی اسی سال نازل ہوئے اور زکوٰۃ کی فرضیت کا

تعین بھی ہوا (۸) جس کی وصولی کے لئے عمال روانہ فرمائے گئے (جس کی تفصیل آئندہ باب میں آئیگی)

ہجرت کا نواں سال ختم ہورہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر الحج بناکر مکہ روانہ فرمایا۔ تین سو حاجی مع قربانی کے اونٹوں کے ان کی ساتھ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ روانہ ہوچکے تو سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ انکا اعلان حج کے موقع پر ضروری تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کو اس کام کے لئے مامور فرمایا۔ یہ عرج کے مقام یا اس کے قریب حضرت ابوبکرؓ سے ملے۔ اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا کہ امیر کی حیثیت سے آئے ہیں یا مامور ہوکر۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا "میں صرف مامور ہوں" حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو حج کرایا' حج کا خطبہ دیا۔ اس کے بعد ذوالحجہ کی دس تاریخ کو حضرت علیؓ نے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیات نازل ہوئی ہیں:

> "(اے اہل اسلام) خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف سے مشرکوں سے جن سے تم نے عہد کررکھا تھا بیزاری ہے۔ تو (مشرکو تم) زمین میں چار مہینے چل پھر لو اور جان رکھو کہ تم خدا کو عاجز نہ کرسکو گے۔ اور یہ بھی کہ خدا کافروں کو رسوا کرنے والا ہے"۔ (التوبہ ۱،۲)

یہ مشرکوں سے کئے ہوئے معاہدوں سے برات کا اعلان تھا۔ صرف چار ماہ کی مدت دی گئی تھی۔ وہ مشرکین بے شک بری تھے جنہوں نے اسلام کی مخالفت نہ کی تھی اور اپنے عہد پر قائم رہے تھے۔ ان کے معاہدے طے شدہ مدت تک کے لئے قائم تھے۔ مقصد یہ تھا کہ عرب کی سرزمین مشرکین سے پاک ہوجائے۔ ساتھ ہی یہ بھی اعلان کردیا گیا کہ آئندہ کبھی کوئی مشرک حج یا عمرہ ادا نہ کرسکے گا اور نہ کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف کعبہ کرے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے مختلف صحابہ کے ذریعے سے ان اعلانات کی مزید تشہیر بھی کروادی۔ اس طرح حرم کی تطہیر مکمل ہوئی۔ جس کی پیشین گوئی توریت کے ان الفاظ میں موجود تھی:

"اور وہاں ایک شاہراہ اور گزرگاہ ہوگی جو مقدس راہ کہلائے گی جس سے
کوئی ناپاک گزر نہ کرے گا"۔ (پرانا عہدنامہ کتاب یسعیاہ ۸/۳۵ (۹)۔

☆☆

(۱) ابن حزم 'جوامع السیرہ' صفحہ ۱۲۱ تا ۱۲۴
(۲) ابوالکلام آزاد 'رسول رحمت' صفحہ ۵۲۳
(۳) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۹۸ (کتاب المغازی باب حدیث کعب بن مالک)
(۴) غالباً آج بھی ہم گنہگاروں کے دلوں میں جو محبت اپنے بانی مذہب رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے دوسری ملتوں کے لوگ اس سے محروم ہیں۔
(۵) سید قطب شہید 'تفسیر فی ظلال القرآن' جلد دھم صفحہ ۶۴۶
(۶) ابن حزم 'جوامع السیرہ' صفحہ ۲۷۷، ۲۷۸
(۷) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۹۱۱ (کتاب التفسیر۔ باب سورۃ البراۃ)
(۸) محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۲۴۴
(۹) کتاب یسعیاہ کی کے اسی باب ۳۵ میں فتح مکہ کا مژدہ نظر آتا ہے۔ یہ باب اس طرح شروع ہوتا ہے:
"بیابان اور ویرانہ شادمان ہونگے اور دشت خوشی کرے گا اور نرگس کی مانند شگفتہ ہوگا۔
اس میں کثرت سے کلیاں نکلیں گی۔ وہ شادمانی سے گا کر خوشی کرے گا۔ لبنان کی
شوکت اور کرمل اور شارون کی زینت اسے دی جائے گی۔ وہ خداوند کا جلال اور
ہمارے خدا کی حشمت دیکھیں گے"۔

(۱۱۶) فی دین اللہ افواجا

ہجرت کے نویں اور دسویں سال رسول اکرم ﷺ کی عمر بھر کی کوشش کے بار اور سال تھے۔ عرب کے اکثر قبائل اس معرکہ آرائی کے انجام کے منتظر تھے جو قریش اور اسلام کے درمیان جاری تھی۔ فتح مکہ سے ثابت ہوگیا کہ اسلام عرب کی ناقابل شکست طاقت ہے اور عرب کا مستقبل اب اسی سے وابستہ ہے۔ چنانچہ دور دور سے مختلف قبائل کے "وفود" رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں مدینہ آنا شروع ہوگئے۔ چند کا ذکر جو فتح مکہ سے قبل ہی حاضر ہوئے مثلاً بنی دوس اور اشعرین (پچاس حضرات جو حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کے ہمراہ خیبر میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے) گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ وفود کی کثرت کے بارے میں سورۃالنصر نازل ہوئی:

"جب خدا کی مدد آپہنچی اور فتح حاصل ہوگئی۔ اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے غول خدا کے دین میں داخل ہورہے ہیں۔ تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو۔ بے شک وہ معاف کرنے والا ہے"۔ (سورۃالنصر)

وفود کی آمد ۵ھ ہی سے شروع ہوگئی تھی۔ جبکہ سب سے پہلے قبیلہ مزینہ کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ یہ قبیلہ وادی القریٰ اور مدینہ کے درمیان آباد تھا۔ پہلے دس حضرات کے ساتھ حضرت خزاعی بن نہم آئے۔ پھر سارا قبیلہ مسلمان ہوا تو ہجرت کی غرض سے چار سو حضرات مدینہ پہنچ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ ہجرت اسلام میں ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ان کے وطن واپس روانہ کیا اور فرمایا "تم لوگ جہاں رہو مہاجر ہو۔ اپنے مال و متاع کی طرف لوٹ جاؤ"۔

اسی سال بنی سعد بن بکر کے نمائندے کی حیثیت سے حضرت ضِمام بن ثعلبہؓ آپؐ کی بارگاہ

میں آئے۔ اللہ کی قسم دے کر آپؐ سے یہ سوالات پوچھے۔

۱۔ کیا اللہ نے آپؐ کو تمام عالم کے لئے بھیجا ہے۔

۲۔ کیا آپؐ دن رات میں پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔

۳۔ کیا آپؐ ہمارے مالداروں سے صدقہ وصول کر کے ہماری محتاجوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

۴۔ کیا آپؐ ہر سال ماہ رمضان میں روزوں کا حکم دیتے ہیں۔

آپؐ نے تمام سوالات کے جواب میں فرمایا "ہاں۔ اللہ گواہ ہے"۔ یہ سنکر حضرت ضمامؓ نے عرض کیا کہ وہ بنی سعد بن بکر کے قاصد ہیں۔ آپؐ پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ آپؐ نے فرمایا اس سے ایک ذرہ نہ زیادہ کریں گے نہ ایک ذرہ کم۔ رخصت ہو چکے تو آپؐ نے فرمایا "اگر یہ سچ کہتا ہے تو اس نے فلاح پائی"۔ حضرت ضمامؓ کی تبلیغ سے ان کا سارا قبیلہ اسلام سے مشرف ہوا۔

بنی سلیم فتح مکہ سے قبل اسلام قبول کر چکے تھے۔ ان کا علاقہ نجد میں تھا۔ مشہور ہے کہ ان کا ایک شخص غاوی بن عبدالعزیٰ ان کے ایک بت کا نگراں تھا۔ ایک دن دیکھا کہ بت پر دو لومڑیاں پیشاب کر رہی ہیں۔ بت پرستی سے متنفر ہو کر اسے پاش پاش کیا۔ اور حضور ﷺ کی خدمت میں آکر اسلام قبول کیا۔ بنی سلیم کے ایک دوسرے بزرگ قیسؓ بن نسیبہؓ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے اور سارے قبیلے کو مسلمان کیا۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر بنی سلیم کے ایک ہزار مجاہدین قدید کے مقام پر اسلامی لشکر میں شامل ہوئے۔

ایک اور وفد جو فتح مکہ کے سال حاضر خدمت اقدس ہوا وہ وفد عبدالقیس تھا۔ یہ قبیلہ ربیعہ کا ذیلی قبیلہ تھا جو بحرین کی طرف آباد تھا۔ یہ بیس حضرات عبداللہؓ بن عوف کی سربراہی میں آئے۔ ابن سعد کا کہنا ہے کہ جارود بن علاء اور منقذ بن حیان بھی اس میں شامل تھے (۱)۔ ارکان وفد نے رسول اکرم ﷺ سے اسلامی تعلیمات حاصل کیں۔ آپؐ نے توحید و رسالت پر ایمان کے ساتھ نماز، روزہ اور زکوۃ کی تاکید کی۔ نشہ آور مشروبات سے خاص طور سے منع کرتے ہوئے فرمایا "ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی (نشے کی حالت میں) اپنے چچا زاد بھائی کو قتل کر ڈالے"۔ عجیب اتفاق ہے کہ اس وفد میں ایک ایسے صاحب موجود تھے جو نشے میں اپنے چچا زاد بھائی کو قتل

کر چکے تھے (۲)۔ جارود عیسائی تھے۔ انہوں نے عرض کیا "میں ایک مذہب پر قائم ہوں۔ اسے چھوڑ کر آپؐ کا دین قبول کروں تو کیا آپؐ میرے ضامن ہوں گے"۔ آپؐ نے فرمایا "ہاں۔ میں ضامن ہوں۔ میں جس مذہب کی دعوت دیتا ہوں وہ تمہارے مذہب سے بہتر ہے"۔ جارودؓ اور ان کے عیسائی ساتھی سب مسلمان ہوئے (۳)۔

تبوک سے پہلے مورخین نے وفد صدا کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ فتح مکہ کے بعد مدینہ آیا زیاد بن حارثؓ اس کے سربراہ تھے۔ وفد کے پندرہ حضرات نے اسلام قبول کیا۔ واپس ہو کر اپنے علاقے میں اسلام کی تبلیغ کی۔ ۱۰ھ میں حجتہ الوداع کے موقع پر ان کے ایک سو آدمی شریک حج تھے۔ اس وفد کی آمد کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ ان کی طرف روانہ کیا تھا۔ مسلمان ابھی ان تک پہنچے نہ تھے کہ حضرت زیادؓ کو اس کی خبر ہوگئی۔ وہ فوراً حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ اسلام قبول کیا اور اپنے قبیلے کے لئے پناہ چاہی۔ آپؐ نے سریہ واپس بلالیا۔ پھر حضرت زیاد اپنا وفد لیکر مدینہ آئے۔

۹ھ کے اوائل میں بنی اسد کا ایک وفد بھی مدینہ پہنچا۔ یہ ایک بڑا عدنانی قبیلہ تھا جو نجد میں بنی طے کے قریب آباد تھا۔ یہ دس حضرات تھے جن میں حضرمی بن عامر ضرار بن الازور اور طلحہ بن خویلد شامل تھے (۴)۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ "ہم لوگ اتنا طویل سفر طے کرکے اس خشک سالی میں آئے ہیں حالانکہ آپؐ نے ہمارے خلاف کوئی لشکر بھی نہیں بھیجا"۔ یہ ایک طرح کا احسان جتانا تھا۔ اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

> "یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہوگئے ہیں کہہ دو کہ اپنی مسلمان ہونے کا مجھ پر احسان نہ رکھو۔ بلکہ خدا تم پر احسان رکھتاہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا رستہ دکھایا بشرطیکہ تم سچے (مسلمان) ہو"۔
>
> (الحجرات ۱۷)

تبوک سے قبل ۹ھ ماہ صفر میں وفد عذرہ اور ماہ ربیع الاول میں وفد بلی حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ بنی عذرہ کے سربراہوں میں حضرت حمزہ بن نعمانؓ تھے۔ ان کے ساتھ بارہ حضرات

تھے جو اسلام لائے۔ وفد بلی کے سربراہ حضرت ابوالضبیبؓ تھے۔ انہیں رسول اکرم ﷺ نے بتایا کہ ہر اچھا سلوک صدقہ ہے۔ انہوں نے آپؐ سے کسی کی ایسی گمشدہ بکری کے متعلق پوچھا جو انہیں راہ میں کہیں مل جائے۔ آپؐ نے فرمایا "وہ تمہارے لئے یا تمہارے بھائی کے لئے ہے۔ یا پھر بھیڑیئے کے لئے"۔ ایسے اونٹ کے لئے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا "اس سے تمہیں کیا واسطہ۔ اسے چھوڑ دو یہاں تک کہ اس کا مالک اسے تلاش کرلے"۔

تبوک کی مہم کے بعد جو وفود آئے ان میں سب سے پہلا طائف کا وفد تھا۔ جو رمضان ۹ھ میں مدینہ پہنچا۔ گذشتہ سال جب صحابہ نے محاصرہ طائف سے واپسی کے وقت رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا تھا کہ اہل طائف (بنی ثقیف) کے لئے بددعا فرمائیں تو آپؐ نے دعا کی تھی کہ اللہ انہیں ہدایت دے۔ ایسی ہی دعا اس وقت فرمائی تھی جب ہجرت سے قبل انتہائی پریشان حالی میں آپؐ اپنی تبلیغی کوشش کے بعد طائف سے ناکام واپس آرہے تھی۔ آج وہی عبدیالیل جس نے بارہ سال پہلے طنز و تمسخر کے ساتھ آپؐ کی دعوت کو ٹھکرا دیا تھا (ملاحظہ ہو گذشتہ باب ۴۶) اس وفد کے چھ سربراہوں میں شامل تھا۔ وفد میں بنی ثقیف کے تقریباً بیس حضرات اور تھے۔ مدینہ میں داخل ہوتے ہی یہ سب سے پہلے حضرت عروہؓ بن مسعود (جنہیں انہوں نے طائف میں شہید کیا تھا) کے بھتیجے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے ملے۔ حضرت مغیرہؓ ان کی آمد کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو دینے کے لئے مسجد نبوی کی طرف چلے تو راستے میں حضرت ابوبکرؓ مل گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا کہ یہ خوشخبری حضور ﷺ تک پہنچانے کا شرف انہیں حاصل کرنے دیں۔ حضرت مغیرہؓ راضی ہوگئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ اطلاع رسول اللہ ﷺ کو دی کہ اہل ثقیف کا وفد اسلام قبول کرنے کی سعادت چاہتا ہے۔ آپؐ نے اہل وفد کو مسجد کے قریب ایک خیمے میں ٹھہرایا کہ مسلمانوں کی عبادت اور طرز عمل کو اچھی طرح دیکھ سکیں۔ آپؐ نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے رضامندی ظاہر کی مگر چند شرائط پیش کیں جن میں زنا' شراب' سود کی اجازت چاہی۔ نماز سے بھی معافی طلب کی اور اپنے بت 'لات' کو برقرار رکھنا چاہا۔ آپؐ نے کوئی بات منظور نہ کی۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ کوئی صورت نظر نہ آئی تو آخر کار اسلام پر رضامند ہوئے۔ رسول اکرمؐ نے صرف اس حد تک عنایت کی کہ 'لات' کو اپنے ہاتھوں سے منہدم نہ کریں۔ ان کی یہ درخواست بھی منظور فرمائی کہ طائف کے قریب وج کی شکارگاہ ان کے لئے محفوظ کردی

جائے۔ آپؐ نے حضرت عثمانؓ بن ابی العاص ثقفی کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ یہ وفد کے ارکان میں سب سے کم عمر تھے۔ مگر فہم اسلام میں سب سے بڑھ کر تھے۔ مدینہ میں قیام کے دوران انہوں نے اسلام کا علم حاصل کرنے میں سب سے زیادہ دلچسپی لی تھی۔ لات کو منہدم کرنے کے لئے آپؐ نے حضرت خالد بن ولید کی سربراہی میں چند اصحاب کو روانہ فرمایا۔ ان میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بھی تھے۔ انہوں نے یہ مذاق کیا کہ ایک گرز بت پر مارا تو خود جان کر گر پڑے اور ایڑیاں رگڑنے لگے۔ اہل طائف سمجھے کہ 'لات' نے ان کا کام تمام کردیا۔ لیکن یہ ہنستے ہوئے کھڑے ہوگئے۔ کہا "تمہارا ناس ہو یہ تو پتھر اور مٹی کے سوا کچھ بھی نہیں" پھر کئی ضربیں مار کر بت کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اہل ثقیف دیکھتے رہ گئے۔ انہیں یقین آگیا کہ اب تک وہ جسے پوج رہے تھے وہ بے شک پتھر کا ایک بے جان ٹکڑا تھا۔

نبی طے کی ایک خاتون (حاتم طائی کی دختر) کا ذکر گذشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔ اسیر ہو کر مدینہ آئی تھیں لیکن حضور اکرم ﷺ نے انہیں عزت کے ساتھ ان کے علاقے میں واپس بھجوا دیا تھا۔ ان کے بھائی عدی بن حاتم انہیں چھوڑ کر شام کی طرف بھاگ گئے تھے۔ یہ بھائی کے پاس پہنچیں۔ ان کی بے وفائی کی شکایت کی۔ عدی بہت نادم ہوئے۔ بہن نے ان سے رسول اکرم ﷺ کی عظمت اور اسلام کی خوبیوں کا ذکر کیا۔ اور مشورہ دیا کہ عدی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ "اگر وہ بادشاہ ہیں تو تمہاری عزت میں فرق نہ آئے گا اور اگر نبی ہیں تو تمہیں فضیلت ہی عطا ہوگی"۔ عدی نے یہ مشورہ قبول کیا۔ مدینہ آکر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور خود کو متعارف کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے عزت افزائی فرمائی اور انہیں اپنے ساتھ اپنے حجرے کی طرف لیکر چلے۔ راستے میں ایک ضعیف خاتون آپؐ سے کچھ عرض کرنے لگی۔ آپؐ دیر تک اس کی خاطر کھڑے رہے اور اس کی باتیں سنتے رہے۔ عدی نے سمجھ لیا کہ آپؐ بادشاہ نہیں بادشاہوں میں یہ بردباری و اخلاق کہاں۔ آپؐ نے اپنے حجرے میں عدی کو ایک گدے پر بٹھایا اور خود فرش پر تشریف فرما ہوئے۔ عدی آپؐ کے کریمانہ اخلاق سے بہت متاثر ہوئے۔ آپ ﷺ نے اسلام پیش کیا اور فرمایا "شاید تمہیں اسلام قبول کرنے میں اس لئے تامل ہو کہ مسلمان غریب ہیں تو ایک دن ایسا آئے گا کہ یہی مسلمان اس قدر مالدار ہوں گے کہ کوئی صدقہ قبول کرنے والا ڈھونڈے نہ ملے گا۔ اور اگر تم اس لئے گریز کررہے ہو کہ مسلمان تھوڑے ہیں اور ان کے دشمن بہت تو عنقریب تم دیکھو گے

کہ ایک مسلم خاتون قادسیہ سے تنہا سفر کر کے مکہ کی زیارت کو آئے گی اور راہ میں خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ اور اگر تمہارا خیال ہے کہ مسلمانوں کے پاس ملک و حکومت نہیں تو چند ہی دن، میں سن لو گے کہ مسلمانوں نے بابل کے سفید محل فتح کر لئے"۔ عدی آپؐ کے حسن اخلاق اور خلوص گفتگو سے ایسے متاثر ہوئے کہ عیسائیت ترک کر کے اسلام قبول کیا۔ آپؐ نے انہی کو ان کی قوم کے صدقات و محاصل پر عامل مقرر فرمایا۔ بعد میں عدی کا اپنا قول تھا کہ آپؐ کے فرمانے کے مطابق وہ دو باتیں دیکھ چکے یعنی قادسیہ سے تنہا خاتون کا مکہ تک بے خوف و خطر سفر اور بابل کے محلات پر مسلمانوں کا قبضہ۔ صرف مسلمانوں میں مال کی کثرت کا انتظار ہے (۵)۔

ابن سعد نے طے کے ایک وفد کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ پندرہ اصحاب پر مشتمل تھا۔ سربراہ زید الخیلؓ تھے۔ سب نے اسلام قبول کیا۔ زیدؓ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مجھ سے عرب کے کسی شخص کا تذکرہ نہیں کیا گیا جس کو میں نے اس سے کم نہ پایا ہو جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ بجز زیدؓ کے کہ ان کی جتنی خوبیاں بیان کی گئیں اس سے زیادہ ہی پائیں (۶)۔ آپؐ نے ان کا نام بدل کر زید الخیر کر دیا۔ یہ بڑے اعلیٰ شاعر اور خطیب تھے۔

رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس آئے تو آپؐ کی خدمت میں شاہان حمیر کا ایک قاصد مالک بن مرہ الرھاوی حاضر ہوا۔ یہ حارث بن عبدکلال، نعیم بن عبدکلال اور نعمان بن قیل کے خطوط لایا۔ ان تینوں سرداران قوم نے بت پرستی ترک کر کے اسلام قبول کرنے کی اطلاع آپؐ کو دی۔ آپ ﷺ نے انہیں ایک جوابی تحریر سے نوازا جس میں ارکان اسلام نماز و زکوۃ کی ہدایت فرمائی۔ ہر عیسائی بالغ مرد و زن سے ایک دینار سالانہ جزیہ وصول کرنے کے احکام جاری فرمائے۔ یہ بھی تاکید کی کہ آپ ﷺ کے نمائندے حضرت معاذ بن جبلؓ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آئیں۔ اس نامہ مبارک کے ساتھ آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ فرمایا اور نصیحت فرمائی کہ نرمی اختیار کریں۔ توحید کی تعلیم کے ساتھ لوگوں کو بشارت دیں انہیں متنفر نہ کریں۔ یہ اس علاقے میں قاضی کی حیثیت سے جا رہے تھے۔ رخصت ہونے لگے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ "تم کس اساس پر حکم دیا کرو گے"۔ انہوں نے جواب دیا "اللہ کی کتاب کے مطابق"۔ آپؐ نے فرمایا "اس میں حکم نہ ملا تو" انہوں نے عرض کیا "سنت رسولؐ کے مطابق"۔ آپؐ نے پھر دریافت فرمایا "اگر سنت میں بھی نہ ملا تو کیا کرو گے۔" حضرت معاذؓ نے کہا

"اپنی رائے سے کوشش کرونگا اور اس میں کوتاہی نہ کرونگا" رسول اللہ ﷺ اس جواب سے بہت مسرور ہوئے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہنے لگے "یا اللہ تو نے اپنے رسول کے رسول کو جس چیز کی توفیق دی ہے اس پر تیرا رسولؐ خوش ہے"(۔ا۔

تبوک کے بعد ایک اور اہم وفد ہمدان کا تھا۔ اس میں سرداران قوم مالک بن نمط اور مالک بن ایفع وغیرہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک تحریر عنایت فرمائی کہ مالک بن نمط کی قوم میں جو مسلمان ہیں انہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اس وقت تک امان حاصل ہے جب تک وہ نماز اور زکوۃ پر قائم ہیں۔ وہ اپنے علاقے کی پیداوار کھائیں اور اپنے مویشی وہاں چرائیں۔ آپؐ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ان کے ساتھ کیا کہ ان کے علاقے میں اسلام کی تبلیغ کریں۔ حضرت خالدؓ کو کامیابی نہ ہوئی تو آپ ﷺ نے انہیں واپس بلالیا اور ان کی جگہ حضرت علیؓ کو روانہ فرمایا۔ وہ سارے قبیلے کو مسلمان کرنے میں کامیاب ہوئے۔ آپؐ کو اطلاع ملی تو سجدہ شکر ادا کیا اور فرمایا "السلام علی ھمدان"

ابن سعد نے عمان کے قبیلہ ازد کے دو وفود کا ذکر کیا ہے ایک اسد بن یبرحؒ اور دوسرا سلمہ بن عیاذ ازدی کی سربراہی میں آیا۔ عمان میں اسلام ۸ھ میں پہنچا تھا۔ یہاں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علاء بن الحضرمی کو معلم اسلام بنا کر بھیجا تھا۔ ان کا جو وفد ۹ھ میں آیا سات حضرات پر مشتمل تھا۔ یہ اسلامی عقائد سے بخوبی واقف تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا"تم لوگ کون ہو۔" انہوں نے عرض کیا "ہم مومن ہیں" آپؐ نے مومن کی حقیقت دریافت فرمائی تو بتایا "پانچ باتوں پر ہمارا ایمان ہے۔ اللہ' اس کے فرشتوں' اسکی کتابوں' اس کے رسولوں' اور بعث بعد الموت پر۔ اور پانچ پر ہم عامل ہیں۔ کلمہ توحید' نماز' زکوۃ' صوم رمضان اور حج بیت اللہ بشرط استطاعت"۔ انہوں نے یہ بھی عرض کیا کہ پانچ باتوں پر قبل اسلام بھی عامل تھے۔ راحت میں شکر' مصیبت میں صبر' قضائے الہی پر رضا' جنگ میں استقلال اور دشمن کے مصائب پر خوش نہ ہونا۔ رسول اکرم ﷺ ان کی گفتگو سے بہت مسرور ہوئے۔ اور مزید پانچ باتوں کی تلقین فرمائی۔ جو چیزیں کھانا نہ ہوں انہیں جمع نہ کرو۔ جس میں رہنا نہ ہو وہ مکان نہ بناؤ۔ جس چیز کی کل ضرورت نہ ہو اس کی رغبت نہ کرو۔ خدا سے ڈرو جس کی طرف لوٹنا ہے اور جس کے سامنے پیش ہونا ہے۔ اس حیات ابدی میں رغبت کرو جس کی طرف تم جارہے ہو اور جہاں زندہ جاوید رہو گے۔ ان ہدایات کے ساتھ یہ وفد

رخصت ہوا (۸)۔

وفد بن عامر بن صعصعہ بھی قابل ذکر ہے۔ یہ وفد عامر بن طفیل کی سربراہی میں آیا جس نے چند سال قبل بئر معونہ پر ستر صحابہ کو شہید کروادیا تھا (ملا حظہ ہو گذشتہ باب ۱۰۰) اس کے ساتھ اربد بن قیس اور جبار بن اسلم بھی تھے۔ یہ لوگ کسی نیک ارادے سے نہیں آئے تھے۔ عامر بن طفیل نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا "میں اسلام قبول کر لوں تو میرے کیا حقوق ہونگے۔" آپؐ نے فرمایا "تمہارے وہی حقوق ہونگے جو اور مسلمانوں کے ہیں اور تم پر وہی فرائض لازم ہونگے جو اور مسلمانوں پر لازم ہیں"۔ عامر نے پوچھا "کیا آپؐ کے بعد خلافت مجھے ملے گی۔" آپؐ نے فرمایا "خلافت نہ تمہیں ملے گی نہ تمہاری قوم کو"۔ عامر بولا "تو پھر ایسا کریں کہ شہر آپؐ کے لئے ہوں اور دیہات میرے لئے"۔ آپؐ نے نفی میں جواب دیا تو عامر نے کہا "خدا میں سواروں اور پیادوں سے آپؐ کے مقابلے میں زمین کو بھر دونگا" (۹)۔ آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی "یا اللہ تو میری طرف سے عامر بن طفیل کو کافی ہو"۔ عامر اپنے ساتھیوں کو لیکر واپس ہوا۔ راستے میں اس کی گردن میں ایک گلٹی نکلی اور طاعون سے بنی سکول کی ایک عورت کے گھر میں مرگیا۔ مرتے وقت اس کے حسرت بھرے الفاظ تھے "میری گردن میں اونٹ کی گردن جیسی گلٹی اور موت بھی تو بنی سکول کی ایک عورت کے گھر"۔ چند ہی دن گزرے تھے کہ اربد پر بھی بجلی گری اور ہلاک ہوا۔ ابن ہشام کے یہاں روایت ہے کہ عامر بن طفیل نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے وقت آپؐ کو باتوں میں لگائے گا تو اس دوران اس کا ساتھی اربد آپؐ پر تلوار کا وار کردیگا لیکن اربد ایسا نہ کرسکا۔ دونوں آپؐ سے مل کر باہر آئے تو عامر اربد پر خفا ہوا۔ اور پوچھا کہ منصوبے کے مطابق اس نے آپؐ پر تلوار کیوں نہ چلائی۔ اربد نے بتایا کہ اسے عامر کے بجز کوئی نظر ہی نہ آرہا تھا۔

بنی حنیفہ کا وفد بھی ۹ھ میں مدینہ آیا۔ یہ اس لئے اہم ہے کہ اس میں مسیلمہ کذاب بھی شامل تھا۔ بنی حنیفہ کے لوگ حضرت ثمامہ بن اثالؓ کی تبلیغ سے اسلام لائے تھے۔ بعض اس وفد کے ساتھ آکر اسلام سے مشرف ہوئے۔ یہ ۱۹ حضرات تھے جو سلمٰی بن حنظلہ کی سربراہی میں آئے۔ انہیں حضرت رملہ بنت حارثؓ کے مکان میں ٹھرایا گیا جو اکثر اس مقصد کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ یہ لوگ رخصت ہونے لگے تو رسول اکرم ﷺ نے حسب دستور سب کو تحائف عطا

کئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ان کا ایک ساتھی مسیلمہ بن حبیب جائے قیام پر اسباب کے ساتھ رہ گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا وہ بھی تم سے کم مرتبہ نہیں اور مسیلمہ کے لئے بھی اس کا حصہ انہیں عطا فرمایا۔ اس طرح یہ حضرات رخصت ہوئے (۱۰)۔ بعد میں مسیلمہ نے آپؐ کے اس قول کا کہ "وہ تم سے کم مرتبہ نہیں" ناجائز فائدہ اٹھاکر اپنی قوم کے لوگوں کو گمراہ کیا کہ نبوت میں اس کا بھی حصہ ہے۔ اس کے ایک خط کا بھی ذکر ملتا ہے جو اس نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح تحریر کیا۔

> "خدا کے رسولؐ مسیلمہ کی طرف سے خدا کے رسول محمد (ﷺ) کے نام
> واضح ہو کہ نصف زمین ہماری اور نصف قریش کی ہے۔ مگر قریش انصاف نہیں کرتے آپؐ پر سلام ہو"۔

رسول اللہ ﷺ نے اسے یہ جواب لکھوایا:

> "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خدا کے نبی محمد (ﷺ) کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ واضح ہو کہ زمین خدا کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے وارث بناتا ہے۔ اور عاقبت تو خدا ترس لوگوں کے لئے ہے۔ سلام ہو اس پر جو سیدھی راہ چلتا ہے"۔

آپؐ کا خط حضرت حبیب بن زید لے کر گئے تھے۔ مسیلمہ کذاب نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوادیئے(۱۱)۔ یہ خط وکتابت ۱۰ھ میں ہوئی۔ بعد میں حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت میں فتنہ ارتداد کے دوران مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور بغاوت پر آمادہ ہوا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے ربیع الاول ۱۲ھ میں اسے شکست دی اور یہ خود وحشی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ (وحشی نے رسول اللہ ﷺ کے محبوب چچا حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔ اب اس طرح آپؐ کے دشمن کو قتل کرکے گذشتہ فعل کی تلافی کی)

اہم ترین وفدوں میں نجران کے عیسائیوں کا وفد تھا۔ نجران کا علاقہ یمن میں ۷۳ بستیوں میں پھیلا ہوا تھا۔ ایک لاکھ جنگجو مردوں کی آبادی تھی۔ قاضی سلمان منصور پوری کا کہنا ہے کہ نجران سے دو وفد مدینہ آئے۔ پہلا وفد اس وقت آیا جب رسول اللہ ﷺ نے نجران کے اسقف اعظم کو ایک نامہ مبارک کے ذریعے اسلام کی دعوت دی۔ اسقف اس خط کو پڑھکر کانپ اٹھا (وہ جانتا تھا کہ عرب میں نبی اسماعیلؑ میں سے ایک نبی کی آمد قریب ہے) تمام ارکان حکومت سے پھر

اہل قوم سے مشورہ کرکے شرحبیلؓ عبداللہؓ اور جبار نامی تین نمائندے آپؐ کی خدمت میں مدینہ روانہ کئے۔ یہ کئی روز مدینہ میں مقیم رہے اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ اسلام کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کی بابت اسلامی عقیدہ دریافت کیا تو رسول اللہ ﷺ نے یہ آیات سنائیں:

"عیسیٰؑ کا حال خدا کے نزدیک آدمؑ کا سا ہے کہ اس نے (پہلے) مٹی سے ان کا قالب بنایا پھر فرمایا کہ (انسان) ہوجا تو وہ (انسان) ہوگئے۔ (یہ بات) تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔ پھر اگر یہ لوگ عیسیٰؑ کے بارے میں تم سے جھگڑا اور تم کو حقیقت حال تو معلوم ہو ہی چکی ہے تو ان سے کہنا کہ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ۔ اور ہم خود بھی آئیں اور"تم خود بھی آؤ۔ پھر دونوں فریق (خدا سے) التجا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت بھیجیں"۔ (آل عمران ۵۹ تا ۶۱)

آپؐ اہل بیت حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ کو لیکر آئے۔ آپؐ کے پیچھے حضرت فاطمہؓ بھی تھیں (ایک روایت کے مطابق حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے) اور آپؐ نے نصرانی وفد کو مباہلے (۱۲) کی دعوت دی۔ اہل وفد نے آپس میں مشورہ کیا مباہلے کی بجائے اطاعت مناسب سمجھی اور عرض کیا "مباہلے سے بہتر یہ ہے کہ آپؐ جو بہتر سمجھیں ہمارے لئے مقرر فرمادیں"۔ آپؐ نے جزیہ مقرر کرکے ایک تحریری فرمان عطا فرمایا جس میں ان کے مذہبی اور مالکانہ حقوق بحال رکھے۔ یہ بھی تحریر کیا کہ پچھلے امور پر کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ نہ بیگاری جائیگی اور نہ ان کے علاقے سے فوج گزریگی۔ تینوں نمائندے یہ فرمان لیکر واپس نجران پہنچے۔ اسقف اعظم نے آگے بڑھکر راستے میں استقبال کیا اونٹنی پر سوار چلتے ہوئے یہ تحریر پڑھ رہا تھا۔ اس کا بھائی بشر جو اس کے برابر اونٹنی پر سوار تھا بے خیالی میں اونٹنی سے گر پڑا۔ گرتے ہی بولا "اس شخص کی خرابی ہو جس نے ہمیں اس تکلیف میں ڈالا"۔ اس کا اشارہ رسول اللہ ﷺ کی طرف تھا۔ اسقف نے کہا "دیکھ تو کیا کہہ رہا ہے۔ خدا وہ تو نبی مرسل ہیں"۔ یہ سنکر بشر نے اپنے ناقے کا رخ مدینہ کی طرف کیا۔ اسے یقین

تھا کہ اسقف اعظم نے غلط نہ کہا تھا۔ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوا۔

کچھ عرصے بعد اسقف اعظم (ابوالحارث بن علقمہ) خود ساٹھ نصرانیوں کا وفد لیکر مدینہ گیا۔ وفد میں عبدالمسیح (عاقب جس کے ہاتھ میں انتظام حکومت تھا) اور ایہم (سید' ثقافتی امور کا نگراں اور منصف) بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے کئی دن قیام کیا۔ رسول اکرم ﷺ کی اجازت سے اپنی نماز مسجد نبوی میں مشرق کی طرف رخ کر کے پڑھی۔ دوران قیام ان کا بحث و مباحثہ یہودیوں سے بھی ہوا۔ جس کے متعلق قرآن مجید میں آیا:

"اے اہل کتاب تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد اتری ہیں (اور وہ پہلے ہو چکے) تو کیا تم عقل نہیں رکھتے۔ ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک خدا کے ہو رہے تھے اور اس کے فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں نہ تھے"۔ (آل عمران ٦٥-٦٧)

ایک بار ان عیسائیوں کی موجودگی میں یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ "کیا آپؐ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپؐ کی عبادت کریں جیسے نصرانی عیسیٰؑ کی عبادت کرتے ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا "اللہ کی پناہ کہ میں سوائے اللہ کے کسی کی عبادت کروں یا کسی اور کو غیر اللہ کی عبادت کا حکم دوں"۔ اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

"کسی آدمی کو شایاں نہیں کہ خدا اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ اس کو یہ کہنا سزا وار ہے کہ اے اہل کتاب تم (علمائے) ربانی ہو جاؤ کیونکہ تم کتاب (خدا) پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو" (آل عمران ۷۹)

مفسرین کا کہنا ہے کہ سورۃ آل عمران کی ابتدائی ۸۰ آیات کا نزول اس وفد کی مدینہ میں موجودگی کے دوران ہوا۔ عیسائیوں نے اسلام تو قبول نہ کیا لیکن اطاعت قبول کر کے ایک فرمان حضور ﷺ سے حاصل کیا جس کا متن ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ تحریر محمد نبی (ﷺ) کی جانب سے ہے اسقف ابوالحارث کے لئے۔ نجران کے دیگر اسقفوں کاہنوں، راہبوں، ان کے معتقدوں، غلاموں، اس مذہب والوں، پولیس والوں کے متعلق۔ اور ان کم یا زیادہ چیزوں کے متعلق جو ان کے ہاتھ میں ہیں۔ سب کو خدا اور رسولؐ کی حفاظت حاصل ہوگی۔ گرجا کے چھوٹے بڑے عہدہ داروں میں سے کسی کو بدلا نہ جائیگا۔ کسی کے حق میں یا اختیارات میں مداخلت نہ کی جائیگی۔ ان کی موجودہ حالت میں تغیر نہ ہوگا۔ بشر طیکہ رعایا کے خیر خواہ اور خیر اندیش رہیں۔ نہ ظالم کا ساتھ دیں اور نہ خود ظلم کریں"۔ (تحریر کنندہ مغیرہ بن شعبہ) (۱۳)۔

رخصت ہوتے وقت انہوں نے آپؐ سے درخواست کی کہ کوئی امانت دار شخص جزیہ وصول کرنے اور مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے (بطور قاضی) انکے ساتھ کردیا جائے (۱۴)۔ آپؐ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کو ان کے ہمراہ کیا اور فرمایا "یہ میری امت کا امین ہے"۔ اہل نجران میں حضرت ابو عبیدہؓ کی موجودگی اشاعت اسلام میں بڑی مدد ثابت ہوئی (۱۵)۔

حضر موت سے بھی بنی کندہ کی ایک شاخ تجیب کے تیرہ حضرات کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا۔ یہ لوگ کچھ صدقات بھی ساتھ لائے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ مال واپس لیجاکر اپنے یہاں کے محتاجوں میں تقسیم کریں۔ انہوں نے عرض کیا کہ قوم کے فقرا کی ضرورت یہ پہلے ہی صدقات سے پوری کر چکے ہیں۔ یہ باقی شدہ مال ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ جواب سن کر اس وفد کی تعریف کی کہ عرب کی کسی قوم کا ایسا وفد نہیں آیا۔ ان اصحاب نے اسلام کے بارے میں کئی سوالات کئے۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کے جوابات لکھوادیئے۔ انہیں زادراہ اور عطیات سے نوازا تو انہوں نے بتایا کہ ایک نوجوان سامان کی نگرانی کے لئے پیچھے رہ گیا ہے۔ آپؐ نے اس نوجوان کو بلوایا تو اس نے عرض کیا "یا رسول اللہ آپؐ نے میرے ساتھیوں کی

ضرورت پوری کی۔ میری ضرورت بھی پوری فرمائیں"۔ آپؐ نے پوچھا تمہاری کیاضرورت ہے۔ تو عرض کیا "میرے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ خدا مجھ پر رحم کرے اور میرے دل کو غنی کردے"۔ آپؐ نے ایسی ہی دعا فرمائی۔ حجتہ الوداع کے موقع پر اس قوم کے لوگ آپؐ سے ملے تو آپؐ نے اس نوجوان کے بارے میں پوچھا۔ لوگوں نے بتایا کہ "ایسا قناعت پسند نہ دیکھا نہ سنا۔ اس کے سامنے دنیا تقسیم ہو تو وہ اس کی طرف نظر اٹھاکر نہ دیکھے"۔

شعبان ۱۰ھ میں بنی خولان کا وفد حاضر ہوا۔ یہ قحطانیوں کی ایک شاخ تھے اور خولان بن عمرو ان کا جد اعلیٰ تھا۔ یہ دس حضرات اسلام قبول کرکے اپنی قوم کے نمائندوں کی حیثیت سے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس حاضری سے قبل ہی یہ اپنے بت "عم انس" کو ترک کرچکے تھے جس پر سینکڑوں جانور قربان کئے جاتے تھے اور ان کا گوشت درندوں کے لئے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ آپؐ نے ان سے اس بت کے بارے میں پوچھا تو عرض کیا کہ "صرف چند بوڑھی عورتیں اس کی پجاری رہ گئی ہیں۔ واپس ہوتے ہی ہم اسے منہدم کردینگے"۔ آپؐ نے انہیں اسلام کے فرائض سکھائے۔ ایفائے عہد ادائے امانت اور ہمسایوں سے اچھے سلوک کی تعلیم دی اور ظلم وتشدد سے منع فرمایا۔ پھر عطیات دیکر رخصت کیا۔ انہوں نے واپس پہنچتے ہی اپنا اسباب کھولنے سے پہلے حسب وعدہ "عم انس" کو منہدم کردیا۔

قبیلہ محارب کا وفد بھی اس سال خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ وفد کے ایک رکن کی شکل آپؐ کو جانی پہچانی سی معلوم ہوئی تو فرمایا "میں نے تمہیں کہیں دیکھا ہے"۔ انہوں نے عرض کیا "آپؐ بجا فرماتے ہیں آپؐ نے مجھے عکاظ کے میلے میں برسوں پہلے اسلام کی دعوت دی تھی۔ میں نے بڑے برے اور گستاخانہ انداز میں اسے رد کردیا تھا۔ میرے اس وقت کے ساتھی سب مرچکے ہیں۔ صرف میں باقی ہوں اور آپؐ سے دعائے مغفرت کا طالب ہوں کہ جو برتاؤ میں نے اس وقت آپؐ سے روا رکھا اللہ اسے معاف فرمائے"۔ آپؐ نے انہیں تسلی دی "اسلام ان تمام پچھلے گناہوں کو مٹادیتا ہے جو کفر کی حالت میں کئے گئے ہوں"۔

۱۰ھ میں حضرموت (یمن) سے ایک اور وفد آیا جو وفد کندہ کہلاتا ہے۔ اس علاقے کے دو حاکم اشعث بن قیس (جو اندرونی علاقے کا سردار تھا) اور وائل (جو ساحلی علاقے کا حاکم تھا) اس وفد کے سربراہ تھے۔ ان کے ہم رکاب ۸۰ شتر سوار تھے۔ جو زرق برق ریشمی لباس میں ملبوس

تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ "تم لوگ مسلمان ہو؟"۔ انہوں نے عرض کیا کہ اسلام قبول کرچکے ہیں تو آپؐ نے فرمایا "پھر یہ ریشمی لباس کیوں"۔ ان حضرات نے اپنی ریشمی چادریں اور جبے پھاڑ کر ڈال دیئے۔ آپؐ نے انہیں حضرت معاویہؓ کے سپرد کیا کہ عزت سے ٹھہرائیں۔ اشعث نے حضرت ابوبکرؓ کی ھمشیرہ حضرت ام فردہؓ سے نکاح کیا کہ اسلام سے نبی کندہ کا رشتہ مضبوط ہوجائے اور شاندار دعوت ولیمہ دی۔ لیکن روانگی کے وقت حضرت ام فردہؓ کے والدین انہیں اتنے دور دراز علاقے کو رخصت کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ (رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد اشعث فتنہ ارتداد میں مبتلا ہوئے۔ لیکن جلد خلیفہ وقت حضرت ابوبکرؓ کی اطاعت قبول کرکے حلقہ اسلام میں شامل ہوگئے۔ اس وقت ان کے ساتھ حضرت ام فردہؓ کی رخصتی ہوئی)۔

آخری وفد ۱۱ھ میں آیا۔ یہ وفد نخع تھا۔ ان دو سو حضرات پر مشتمل تھا جو یمن کے علاقے میں حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کی تبلیغ سے اسلام لائے تھے۔ ابن سعد نے وفد کے دو حضرات کا ذکر کیا ہے ایک ارطاۃ بن شرحبیلؓ اور دوسرے ارقم جنکا تعلق نبی بکر بن عوف سے تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے ارطاۃؓ کو امیر قوم بناکر ایک علم عطا فرمایا (۱۶)۔

مندرجہ بالا سطور میں صرف چند اہم وفود کا ذکر ہوا۔ وفود کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔ ابن سعد نے ستر وفود کی تفصیل 'طبقات' میں دی ہے (۱۷)۔ تقریباً اتنے ہی وفود کا حال ابن کثیر نے 'البدایہ والنہایہ' میں دیا ہے۔ سیرت شامی میں ایک سوچار وفود کا تذکرہ ہے جو عرب کے تمام اطراف سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ وفود کی ان طویل فہرستوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کی کشش ان دور دراز علاقوں سے بھی لوگوں کو کھینچ لائی جہاں غزوات وسرایا نہیں ہوئے تھے۔ سارا عرب اسلام کا مطیع تھا۔ یہودی اور نصرانی جو مسلمان نہ ہوئے انہوں نے بھی جزیہ ادا کرکے مسلمانوں کے ساتھ امن کی زندگی اختیار کی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ صرف دس سال کی مدت میں مدینہ ایک شہری ریاست سے بڑھ کر ایک وسیع مملکت کا دارالسلطنت ہوگیا جس کا رقبہ تیس لاکھ مربع کلو میٹر پر مشتمل تھا۔ دوسرے الفاظ میں دس سال کے دوران اوسطاً روزانہ کوئی ۲ھ سو پینتالیس (۸۴۵) مربع کلو میٹر کا اضافہ مملکت کے رقبے میں ہوتا رہا۔

اس وسیع علاقے کے نظم ونسق کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جابجا حکام وعمال مقرر

فرمائے۔ جن کے فرائض میں تبلیغ وتعلیم کے ساتھ زکوۃ، صدقات، جزیہ وغیرہ کی وصولیابی شامل تھی۔ بعض عمال قاضی کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ یہ تقرر وقتاً فوقتاً ہوتے رہے۔ ان کی فہرست شبلی نعمانی نے اس طرح پیش کی ہے (۱۸)۔

حاکم و والی (گورنر)

(۱) باذان بنؓ ساسان: صنعاء میں یمن کے والی (فارس کی حکومت سے آزاد ہوکر)

(۲) شہر بنؓ باذان: صنعاء میں (باذان کی وفات کے بعد)

(۳) خالد بنؓ سعید بن العاص: صنعاء میں (شہر بن باذان کی وفات کے بعد)

(۴) مہاجر بن امیہؓ المخزومی: کندہ اور صدف (یمن میں)

(۵) زیاد بن لبیدؓ الانصاری: حضرموت

(۶) ابو موسیٰؓ اشعری: زبید، عدن، زمعہ وغیرہ (یمن میں)

(۷) معاذ بنؓ جبل: یمن میں

(۸) عمرو بنؓ حزم: نجران

(۹) یزید بنؓ ابوسفیان: تیما

(۱۰) عتاب بنؓ اسید: مکہ معظمہ

(۱۱) علی ابن ابوؓ طالب: اخماس (یمن میں)

(۱۲) عمرو بنؓ العاص: عمان

(۱۳) علاء بن حضرمیؓ: بحرین

زکوۃ و خراج وغیرہ کی وصولیابی

نام	مقام تقرر	نام	مقام تقرر
عدی بنؓ حاتم	طے و بنی اسد	ابوجہم بن حذیفہؓ	بنولیث
صفوان بنؓ صفوان	بنی عمرو	ایک ہذیمی	بنو ہذیم
مالک بنؓ نویرہ	بنو حنظلہ	عمر فاروق بن خطابؓ	مدینہ منورہ (شہر)

بریدہ بنؓ حصیب	عقار	ابو عبیدہ بن جراحؓ	نجران
عباد بنؓ بشر	سلیم ومزنیہ	عبداللہ بن رواحہؓ	خیبر
رافع بنؓ مکیث	جہینہ	زیاد بن لبیدؓ	حضرموت
زبرقانؓ بن بدر	نبی سعد	ابو موسیٰ اشعریؓ	صوبہ یمن
قیس بن عاصم	نبی سعد	ابان بنؓ سعید	بحرین
ضحاک بنؓ سفیان	بنو کلاب	محمہ بنؓ جزء الاسدی	تحصیل خمس
بشر بنؓ سفیان	نبی کعب	عمرو بنؓ سعید	تیما
عبداللہ بنؓ اللیتہ	نبی ذبیان	عیینہ بن حصین فزاریؓ	بنو تمیم
عمرو بن عاصؓ	بنو فزارہ	خالد بن ولیدؓ	صوبہ یمن

عبدالحی الکتانی کی کتاب 'نظام الحکومتہ النبویہ' میں عہد نبوی کے حکام منتظمین اور قاضیوں کی مفصل فہرست ہے۔ اس میں مندرج بالا حضرات کے علاوہ ۳۶ مزید نام ملتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ 'عہد نبوی میں عدلیہ اور انتظامیہ' مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد ۱۱ صفحہ ۷۱۱ تا ۷۱۳)۔ ان کے باوجود یہ فہرستیں مکمل تصور نہیں کی جاسکتیں بعض نام ایسے ملتے ہیں جو ابن حزم اور ابن سعد نے بتائے ہیں مگر ان فہرستوں میں نہیں۔ لیکن ان فہرستوں سے یہ پتا ضرور چلتا ہے کہ سارے جزیرۃ العرب میں ایک نظام حکومت قائم ہوگیا تھا اور وہ شہری ریاست جو مدینہ کے محدود علاقے سے شروع ہوئی تھی دس سال کی مدت میں بڑھ کر سارے عرب پر پھیل گئی۔

☆ ☆

(۱) ابن سعد 'طبقات' حصہ دوم صفحہ ۸۸ ایک روایت کے مطابق جارود بنؓ علاء ایک دوسرے چالیس حضرات کے وفد کے ساتھ ۹ھ میں آئے تھے۔

(۲) سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلد اول صفحہ ۱۸۰

(۳) رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب فتنہ ارتداد اٹھا تو قبیلہ عبدالقیس اسلام پر قائم رہا اور جارود بنؓ علاء تو حید و رسالت کی گواہی دیتے رہے۔

(۴) طلحہ بن خویلد وہی شخص تھا جو بعد میں مرتد ہوکر نبوت کا دعویدار ہوا۔

(۵) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۳۷۲۔

(۶) ابن سعد 'طبقات' حصہ دوم صفحہ ۹۷۔

(۷) محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۳۳۷۔۳۳۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یہ روایت اجتہاد کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ اجتہاد رسول اللہ ﷺ کے عہد میں بھی موجود تھا۔

(۸) ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۶۱۲

(۹) ابن ہشام 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۳۶۴

(۱۰) ابن سعد کے یہاں یہی روایت ہے۔ ابن اسحاق اور طبری نے یہ روایت دی مگر ساتھ ہی ایک اور روایت کا ذکر کیا ہے کہ مسیلمہ ارکان وفد کے ساتھ چادر میں چہرہ چھپاکر حاضر ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ سے کچھ مطالبہ کیا۔ اس وقت آپؐ کے دست مبارک میں ایک کھجور کی ٹہنی تھی۔ آپؐ نے فرمایا "تو یہ ٹہنی بھی مانگے گا تو نہ دونگا"۔ (الفرید غیوم 'دی لائف آف محمدؐ' The Life of Muhammad صفحہ ۶۳۶)

(۱۱) سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمینؐ' جلد دوم صفحہ ۱۷۱

(۱۲) سرولیم میور نے مباحلے کو کسی مسئلے کے تصفیہ کے لئے ایک عجیب طریقہ قرار دیا ہے۔ لیکن یہ تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی رسالت پر یقین محکم اور اس روحانی نور پر جو انہیں عطا ہوا تھا اعتماد کامل تھا۔ (سر ولیم میور 'دی لائف آف محمدؐ' The Life of Mohammad صفحہ ۴۶۱)

(۱۳) سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمینؐ' جلد اول صفحہ ۱۸۹)

(۱۴) محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۲۴۹

(۱۵) (حضرت عمرؓ کے عہد خلافت تک نجران کے نصرانی بہ عافیت رہے۔ جب ان میں سو و خواری عام ہوئی تو حضرت عمرؓ نے انہیں عراق کی طرف منتقل ہونے کا حکم دیا۔ وہاں انہیں زمین عطا کی گئی (ابن سعد 'طبقات' حصہ دوم صفحہ ۱۳۵)

(۱۶) جنگ قادسیہ میں یہ علم ان کے ہاتھ میں تھا کہ شہید ہوئے۔ ان سے ان کے بھائی حضرت درید نے لیا۔ وہ بھی شہید ہوئے۔ پھر اسے بنی خزیمہ کے سیف بن الحارث نے لے لیا اور اسے کوفہ لے گئے (ابن سعد 'طبقات' حصہ دوم صفحہ ۱۲۳)

(۱۷) ابن سعد 'طبقات' حصہ دوم صفحہ ۶۴ تا ۱۳۵

(۱۸) شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ 'جلد دوم' صفحہ ۴۸
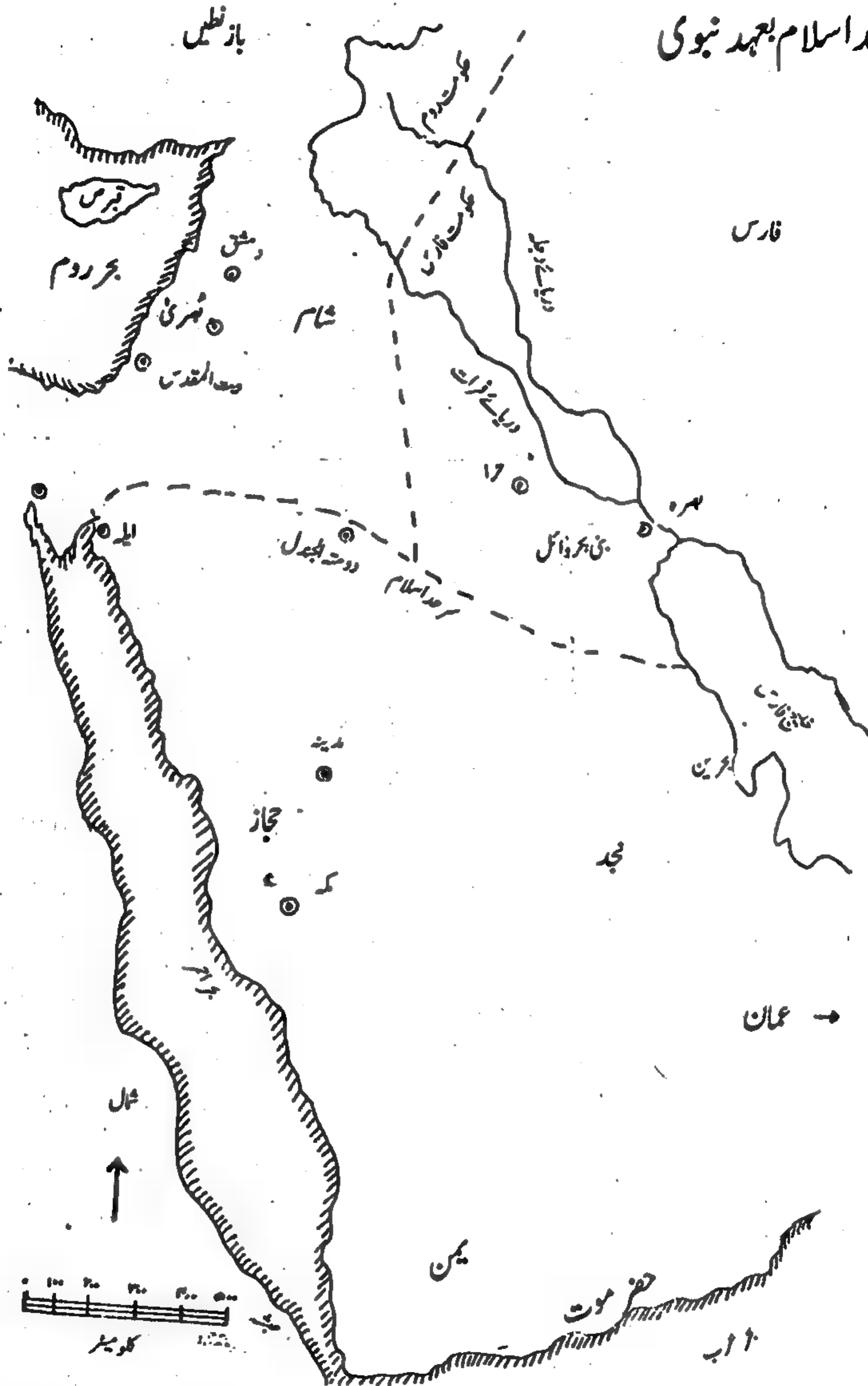
(۱۱۷) ایک اور صدمہ

ہجرت کے دسویں سال ذیقعدہ کے ماہ تک رسول اللہ ﷺ کا قیام مدینہ میں رہا۔ جیسا کہ بیان ہوا یہ وفود کا سال تھا۔ جن سے آپؐ ملاقات کرتے رہے۔ غزوات وسرایا کا دور تقریباً ختم ہوگیا تھا۔ کہتے ہیں کہ بعض حضرات نے یہ سمجھ کر کہ اب مزید سرایا کا امکان نہیں اپنے اپنے ہتھیار فروخت کرنا شروع کردیئے۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو منع فرمایا کیونکہ جہاد تو تا ابد قائم رہنا تھا۔

۱۰ھ میں صرف دو سرایا کا ذکر ملتا ہے۔ دونوں یمن کی طرف بھیجے گئے تھے۔ پہلا سریہ حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں نجران کے بت پرست قبیلے بنی الحارث کی طرف گیا۔ اس میں چار سو مجاہدین شریک تھے۔ حضرت خالدؓ نے یہاں پہنچ کر مختلف اطراف میں تبلیغی دستے روانہ کئے اور اسلام کی دعوت دی۔ اسلام قبول کرنے میں ان کے تحفظ کی ضمانت تھی۔ انہوں نے خوشی اسلام قبول کیا اور ان کا ایک وفد حضرت خالدؓ کے ساتھ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باریاب ہوا۔

دوسرے سریئے میں تین سو مجاہدین حضرت علیؓ کی قیادت میں بنی مذحج کے خلاف روانہ ہوئے۔ مخالفین نے کچھ مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ حضرت علیؓ نے ان کا تعاقب نہ کیا بلکہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کی۔ انہوں نے حضرت معاذ بن جبلؓ (جو یمن میں مقیم تھے) سے تربیت پائی اور اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ انہی کے دو سو حضرات کا آخری وفد تھا جو ۱۱ھ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ (اس کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا)

اب رسول اللہ ﷺ کے خانگی ماحول میں تھوڑی تبدیلی ہوئی تھی۔ آپؐ کے فرزند حضرت ابراہیم کی عمر سال بھر سے زیادہ ہوچکی تھی اور چلنے لگے تھے۔ حضرت فاطمہؓ کے ایک دختر پیدا ہوچکی تھیں۔ ان کا نام اپنی مرحومہ خالہ کا نام پر زینبؓ تھا۔ کنبے میں حضرت جعفرؓ (شہید موتہ) کے تین فرزند بھی شامل تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کی والدہ حضرت اسما بنت عمیسؓ سے

شادی کرلی تھی چنانچہ یہ تینوں ان کے سوتیلے بیٹے تھے۔ حضرت ام فضلؓ (حضرت عباسؓ کی زوجہ) کے بڑے فرزند حضرت فضلؓ نوجوانی کی عمر کو پہنچ گئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو بہت عزیز تھے۔

سال کے ابتدائی مہینے اچھے گزر رہے تھے کہ حضرت ابراہیمؓ بیمار پڑگئے۔ ان کی عیادت کے لئے رسول اللہ ﷺ برابر حضرت ماریہؓ کے یہاں جاتے رہتے تھے۔ ایک دن اطلاع ملی کہ ان کی حالت نازک ہے۔ آپؐ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ آپؐ کے آغوش میں نو عمر فرزند نے آخری ہچکی لی۔ فرط غم سے آپؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے عرض کیا "یارسول اللہؐ یہ تو وہ بات ہے جس کے لئے آپؐ منع فرماتے ہیں"۔ آپؐ نے جواب دیا "یہ تو رحم کا تقاضا ہے۔ اس کی ممانعت نہیں"۔ پھر اپنے فرزند کو اس طرح مخاطب کیا "اے ابراہیمؓ دوبارہ ملنے کا وعدہ نہ ہوتا تو ہم تمہاری موت پر اس سے زیادہ غمگین ہوتے۔ تمہارے لئے دل غمگین ہے اور انکھیں اشکبار ہیں لیکن ہم لب پر کوئی ایسی بات نہیں لاتے جو رب کریم کو ناپسند ہو"۔

آپؐ حضرت ماریہؓ اور ان کی ہمشیرہ حضرت سیرینؓ کو تسلی دیکر واپس مسجد نبوی آگئے۔ کچھ دیر بعد حضرت عباسؓ اور ان کے فرزند حضرت فضلؓ کے ساتھ پھر حضرت ماریہؓ کے یہاں تشریف لائے۔ نوجوان حضرت فضلؓ نے میت کو غسل دیا۔ پھر قبرستان میں حضرت اسامہؓ اور حضرت فضلؓ نے دفن کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے قبر پر پانی چھڑکا۔ ساتھ ہی فرمایا "اس سے میت کو فائدہ نہیں پہنچتا لیکن پسماندگان کو تسکین ہوتی ہے"۔

ابن جوزی نے اپنی تصنیف "الوفا" کے باب 'آہ وبکا' میں کئی موقعوں پر آپؐ کی اشکباری کا ذکر کیا ہے۔ احباب واعزا کی موت پر آپؐ کئی بار روئے۔ فتح مکہ سے واپسی کے دوران ابوا کے مقام پر اپنی والدہ کی قبر پر آپؐ کی اشکباری کا ذکر ملتا ہے۔ کبھی کبھی آپؐ نماز اور دعا میں اشکبار ہوجاتے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے تلاوت قرآن کی فرمائش کی۔ حضرت ابن مسعود نے سورۃ النساء تلاوت کی جب اس آیت پر پہنچے:

"بھلا اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے احوال بتانے والے کو بلائینگے۔ اور تم کو ان لوگوں کا (حال بتانے کو) گواہ طلب کرینگے۔

(النساء ۴۱)

تو دیکھا کہ آپؐ بے اختیار رو رہے ہیں۔ ایک دفعہ ایک شخص آپؐ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور اپنے دور جاہلیت کا ایک واقعہ سنایا کہ کس طرح اس نے اپنی بچی کو زندہ درگور کردیا اور وہ "میرے ابا میرے ابا" پکارتی رہ گئی۔ آپؐ یہ واقعہ سن کر اسقدر روئے کہ ریش مبارک تر ہوگئی۔ اپنی امت کے لئے آپؐ کی شفقت ورافت کا ذکر کرتے ہوئے ابن جوزی کہتے ہیں آپؐ نے اپنی امت کے حق میں اللہ تعالیٰ سے التجا کی اور روئے تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی طرف وحی نازل فرمائی کہ "میں ضرور تمہیں امت کے معاملے میں راضی کرونگا"(۱)۔

حضرت ابراہیمؑ کی وفات کے دن وہ دفن ہوچکے تو سورج گرھن واقع ہوا۔ لوگوں نے اسے ان کی وفات پر محمول کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا "آفتاب اور ماہتاب اللہ کی نشانیاں ہیں۔ کسی کی موت سے انکی روشنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بے شک جب انہیں گرھن لگے تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور نماز پڑھو" (۲)۔

اسی سال (۱۰ھ) رمضان المبارک میں آپؐ بیس یوم اعتکاف میں رہے۔ عموماً ہر رمضان میں آپؐ کا اعتکاف دس دن کا ہوتا تھا۔ اور ہر رمضان میں جبریلؑ آپؐ سے ایک بار قرآن مجید سنا کرتے تھے۔ اس بار جبریلؑ نے قرآن مجید کی تلاوت بھی آپؐ سے دو بار سنی۔ آپؐ نے اس سے نتیجہ اخذ کیا کہ اگلا رمضان آپؐ نہ پاسکیں گے۔

آپؐ کا قاعدہ تھا کہ جب قرآن مجید کی کوئی آیت نازل ہوتی تو کاتب کو بلواکر لکھوادیتے اور یہ بتادیتے کہ قرآن مجید میں اس کا مقام کہاں ہے۔ مردوں اور عورتوں کو علیحدہ علیحدہ پڑھکر سناتے پھر لوگوں کو اسے حفظ کرنے اور اپنی نمازوں میں شامل کرنے کی ہدایت فرماتے۔ کئی صحابہ نے اپنے اپنے صحیفے آپؐ کی ہدایت کے مطابق تیار کرلئے تھے (گذشتہ صفحات میں ذکر آچکا ہے کہ کس طرح عقبہ ثانیہ کے موقع پر جھلی پر تحریر شدہ ایک مجموعہ بنی زریق کے ایک انصاری کو دیا گیا تھا) اس سال آپؐ نے صحابہ کے سامنے خود دو مرتبہ قرآن مجید کی تلاوت فرمائی (جو تقریباً مکمل ہوچکا تھا)۔ اور بتایا کہ قرآن حکیم کی بابت جبریلؑ کا کہنا ہے کہ "میں دو مرتبہ پڑھ کر سناؤں کہ اگر کسی سے غلطیاں ہوئی ہوں تو وہ باقی نہ رہیں (۳)۔ اس طرح قرآن مجید کی تدوین آپؐ کی نگرانی میں مکمل ہوئی (۴)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور تا ابد اپنی اس کتاب کا تحفظ یقینی فرمایا جو واحد آسمانی کتاب ہے کہ اس طرح (اسی زبان اور انہی الفاظ میں) آج بھی موجود ہے جس

طرح پندرہ سو سال قبل نازل ہوئی تھی۔

قرآن مجید رسول اللہ ﷺ کا ایک دائمی معجزہ ہے۔ اس کے اعجاز کے متعلق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی ایک ذاتی تحقیق کا ذکر یہاں بیجا نہ ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ جرمنی کے عیسائی پادریوں نے چاہا کہ انجیل کے قدیم نسخوں کا مقابلہ کرکے دیکھیں آیا ان میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کے زمانے کی ارامی زبان کی انجیل تو ناپید ہوچکی تھی۔ قدیم ترین یونانی ترجموں کو جمع کیا گیا۔ ایک ایک لفظ کا مقابلہ کیا۔ اس کی رپورٹ شائع ہوئی جس کے الفاظ ہیں "کوئی دو لاکھ اختلافی روایات ملتی ہیں جن کا آٹھواں حصہ اہم بھی ہے"۔ یہ تھا موجودہ انجیل کا قصہ۔ اس رپورٹ کی اشاعت کے بعد کچھ لوگوں کو قرآن مجید کے متعلق حسد پیدا ہوا۔ ایک ادارہ قائم کیا جس کا نام تھا قرآن مجید کی تحقیقات کا ادارہ۔ مقصد یہ تھا کہ قرآن کریم کے قدیم نسخے یا ان کے فوٹو حاصل کرکے ان کا بھی تقابل کیا جائے۔ یہ سلسلہ تین نسلوں تک جاری رہا۔ ۱۹۳۲ء میں اس ادارے کا تیسرا ڈائریکٹر مسٹر پریٹزل (Pretzl) پیرس کی پبلک لائبریری سے قرآن پاک کے نسخے حاصل کرنے کے لئے آیا تو ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے ملاقات ہوئی (جو ان دنوں پیرس یونیورسٹی میں تھے)۔ اس نے ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ قرآن مجید کے بیالیس ہزار نسخوں کے فوٹو فراہم کئے جاچکے ہیں۔ اور تقابل کا کام جاری ہے۔ دوسری جنگ عظیم شروع ہونے سے قبل اس ادارے نے ایک عارضی رپورٹ شائع کی۔ اس کے الفاظ ہیں۔ "قرآن مجید کے نسخوں میں تقابل کا جو کام ہم نے شروع کیا تھا وہ مکمل تو نہیں ہوا۔ لیکن اب تک جو نتیجہ نکلا ہے وہ یہ ہے کہ ان نسخوں میں کہیں کہیں کتابت کی غلطی تو ملتی ہے لیکن اختلاف روایت ایک بھی نہیں"۔ مطلب یہ ہی کہ کتابت کی کوئی غلطی کسی ایک نسخے میں ملی تو وہ کسی دوسرے نسخے میں نہ پائی گئی جس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ محض کتابت کی غلطی تھی۔ مثلاً کسی نسخے میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لکھتے وقت "اللہ" کا لفظ اس طرح دوبار آگیا "بسم اللہ اللہ الرحمٰن الرحیم" تو کسی اور نسخے میں یہ غلطی نہ ملی۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران اس ادارے کی عمارت پر ایک امریکی بم گرا۔ عمارت اس کا کتب خانہ اور عملہ سب کچھ ضائع ہوگیا (۵)۔ ساتھ ہی یہ بدنیت ادارہ بھی ختم ہوا۔

قرآن مجید کا دائمی تحفظ ایک یقینی امر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون"

(بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہم نے اتاری ہی اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں (الحجر ۹)

☆☆

(۱) ابن جوزی 'الوفا با حوال المصطفیٰ' صفحہ ۵۸۶

(۲) بعض مغربی مصنفین نے تسلیم کیا ہے کہ آپؐ چاہتے تو لوگوں کی غلط فہمی سے فائدہ اٹھاکر اسے اپنے معجزہ قرار دے سکتے تھے۔ لیکن آپؐ نے ایسا نہ کیا بلکہ لوگوں کی غلط فہمی کا دور کیا جو آپؐ کے اخلاص وصداقت کی دلیل ہے۔

(۳) محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۱۶

(۴) یہی مکمل قرآن مجید ہے جس کی ابتدائی نشرواشاعت کی سعادت اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کو بخشی۔ شیعی عالم ومجتہد شریف مرتضیٰ (شریف راضی مولف 'نہج البلاغہ' کے برادر محترم) کا بھی یہی کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں قرآن مجید ایسی ہی مجموعی صورت میں موجود تھا جیسا کہ آج ہے (ملاحظہ ہو ضیاء الدین کرمانی' دی لاسٹ میسنجر ود اے لاسٹنگ میسج The Last Messenger with a Lasting Message صفحہ ۴۴۰' ۴۴۱)

(۵) محمد حمید اللہ 'خطبات بہاولپور' صفحہ ۱۹،۲۰

(۱۱۸) حجتہ الوداع۔۱۰ھ

ایک دن حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں چند معزز صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اپنی کم عمری کے باوجود اس مجلس میں شریک تھے۔ حضرت عمرؓ نے سورۃ النصر کی بابت گفتگو چھیڑ دی۔ صحابہ نے اپنے اپنے خیالات ظاہر کئے۔ حضرت ابن عباسؓ خاموش تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ وہ اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔ تو جواب دیا کہ اس سورۃ میں رسول اکرم ﷺ سے استغفار کے لئے کہا گیا ہے۔ یہ آپؐ کے وصال کے قریب ہونے کے خبر تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس خیال کی تائید فرمائی۔ ظاہر ہے کہ یہ احساس رسول اللہ ﷺ کو بھی تھا۔ کہ اب رفیق اعلیٰ سے آپؐ کا وصال قریب ہے۔

اس چیز کے پیش نظر آپؐ نے ضروری سمجھا کہ تمام عرب میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کو ایک بار جمع کرکے مخاطب کریں۔ گذشتہ سال حج کے موقع پر یہ ہدایات دے دی گئی تھیں کہ آئندہ مشرکین حج نہ کرسکیں گے۔ اور بیت الحرام میں کسی ناشائستگی کی اجازت نہ ہوگی۔ ہجرت کے بعد آپؐ نے اب تک کوئی حج نہ کیا تھا۔ اسلام کے اس رکن عظیم کی تعلیم بھی امت کے لئے ضروری تھی اس لئے اس سال آپؐ نے خود حج کرنے کا ارادہ فرمایا اور شروع ذیقعدہ میں اپنے اس ارادے کا اعلان فرمایا۔

کون مسلمان ایسا ہوگا جس کے دل میں یہ خواہش نہ ہو کہ حضور ﷺ کی قیادت میں یہ فرض ادا کرے جو دین کا پانچواں رکن قرار دیا جاچکا تھا۔ چنانچہ ہر طرف ہزاروں افراد اس سفر میں شرکت کے لئے تیار ہوگئے۔ ذیقعدہ کی پچیس یا چھبیس تاریخ کو بروز ہفتہ ظہر کی نماز کی بعد آپؐ اس سفر پر روانہ ہوئے۔ مدینہ میں اپنا قائم مقام حضرت ابود جانہ ساعدیؓ کو مقرر فرمایا۔ آپؐ کی تمام ازواج اپنے اپنے ہودج میں شریک سفر تھیں۔ قربانی کے لئے سو اونٹ بھی ساتھ تھے۔ مدینہ سے نکل کر ذوالحلیفہ میں قیام فرمایا۔ یہاں ہزاروں مسلمان قافلہ حجاج میں شامل ہوگئے۔

دوسرے دن آپؐ نے غسل فرمایا حضرت عائشہؓ نے آپؐ کے سر مبارک پر خوشبو لگائی۔

ظہر کی نماز پڑھکر آپؐ نے احرام باندھا۔ عمرہ اور حج کی ایک ساتھ نیت کی اور باواز بلند تلبیہ پڑھی۔ اپنی اونٹنی پر سوار ہوکر میدان میں تشریف لائے۔ ایک جم غفیر آپؐ کا منتظر تھا۔ آپؐ نے پھر صدائے لبیک بلند کی۔ سارے مجمع نے تقلید کی اور تمام وادی اس صدا سے گونج اٹھی "لبیک الھم لبیک" پھر یہ قافلہ آپؐ کی قیادت میں مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں جابجا مختلف قبائل کی جماعتیں شامل ہوتی گئیں۔ فتح مکہ کے مبارک سفر کے دوران راستے میں جن مقامات پر آپؐ نے نمازیں ادا کی تھیں وہاں لوگوں نے مساجد تعمیر کرلی تھیں۔ وہاں سے گزرے تو انہیں دوبارہ اپنے سجدوں سے مشرف کیا۔ آٹھ روز کے سفر کے بعد سرشام ذی طوی کے مقام پر پہنچے۔ یہیں شب کو قیام فرمایا دوسری صبح نماز فجر کے بعد غسل فرمایا۔ قصوی پر سوار ہوکر وادی میں اترے کچھ ہی دور بڑھے تھے کہ کعبہ نظر آیا۔ دونوں ہاتھ اٹھاکر دعا فرمائی۔ "یا اللہ اس گھر کی برکت وعظمت کو دوبالا فرما"۔

حرم میں داخل ہوکر سات طواف کئے۔ پھر مقام ابراہیمؑ پر دو نوافل ادا کیں اور دعا کی۔ اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ اس دوران آپ ﷺ جو دعائیں کرتے صحابہ کرام انہیں دہراتے اور یاد رکھنے کی کوشش کرتے (یہی سبب ہے کہ وہ دعائیں آج بھی محفوظ ہیں) سعی کے بعد آپ ﷺ نے کعبہ کے کلید بردار حضرت عثمانؓ بن طلحہ سے در کعبہ کھلوایا اور حضرت بلالؓ اور حضرت اسامہؓ کے ساتھ کچھ دیر کے لئے اندر تشریف لے گئے۔ بعد میں آپؐ نے اس پر اظہار افسوس کیا اور فرمایا "ہوسکتا ہے کہ میری امت کا کوئی شخص اس میں داخل نہ ہو پائے تو بے اطمینانی محسوس کرے۔ مگر ایسا نہ چاہئے کیونکہ اس کے طواف کا حکم ہے۔ اس میں داخل ہونے کا نہیں"۔

عمرے کے مناسک اس طرح پورے ہوئے لیکن آپ ﷺ نے احرام نہیں اتارا۔ ان صحابہ کرام کو جو قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے تھے ہدایت فرمائی کہ احرام اتار کر حلال ہوجائیں۔ صحابہ کو اس میں تردد ہوا تو آپ ﷺ نے اطمینان دلایا کہ اس میں کوئی حرج نہ تھا اور اگر آپ ﷺ کے ساتھ ہدی کے جانور نہ ہوتے تو آپ ﷺ بھی حلال ہوجاتے۔ پھر صحابہ نے آپؐ کے ارشاد کی تعمیل کی۔ حضرت علیؓ جو یمن ایک سریئے پر گئے ہوئے تھے یمن کے چند حاجیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے آملے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے قربانی کے اونٹوں میں ان کا

حصہ لگا لیا اور انہیں احرام اتارنے کی ضرورت نہ ہوئی۔

۸ ذی الحجہ کو آپؐ مکہ سے منیٰ تشریف لائے۔ شب یہیں گزاری۔ حجاج کا سارا قافلہ آپؐ کے ہمراہ تھا۔ دوسری صبح عرفات کے لئے روانہ ہوئے۔ اب تک مکہ کے قریشیوں کا قاعدہ تھا کہ خود کو حرم کا متولی سمجھ کر حج کے موقع پر مزدلفہ سے آگے جانا اپنے لئے کسر شان سمجھتے تھے جبکہ باقی حجاج کو عرفات تک جانا ضروری تھا۔ اس موقع پر رسول اکرم ﷺ نے مساوات اسلامی کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کا یہ امتیاز ختم کیا اور عرفات تک تشریف لے گئے۔ اور اس کو حج کا ضروری رکن قرار دیا۔ نمرہ کے مقام پر ایک کمبل کے خیمے میں قیام فرمایا۔ دوپہر بعد قصویٰ پر سوار ہو کر نکلے اور اس بلند مقام پر آئے جسے اب 'جبل رحمت' کہتے ہیں۔ نیچے میدان میں ایک لاکھ سے زیادہ اصحاب کا ایک بیکراں سمندر موجزن تھا۔ کہا گیا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ چوالیس ہزار حضرات جمع تھے۔ اس اجتماع کی پیشین گوئی توریت میں اس طرح آچکی تھی۔ اللہ تعالیٰ سرزمین بیت اللہ سے فرماتا ہے:

"اٹھ منور ہو کیونکہ تیرا نور آگیا اور خداوند کا جلال تجھ پر ظاہر ہوا۔ کیونکہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائیگی اور تیرگی امتوں پر لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا اور اس کا جلال تجھ پر نمایاں ہوگا۔ اور قومیں تیری روشنی کی طرف آئینگی اور سلاطیں تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے۔ اپنی آنکھیں اٹھا کر چاروں طرف دیکھ۔ وہ سب اکٹھے ہوتے ہیں اور تیرے پاس آتے ہیں۔ تیرے بیٹے دور سے آئیں گے اور تیری بیٹیوں کو گود میں اٹھا کر لائیں گے۔ تب تو دیکھے گی اور منور ہوگی ہاں تیرا دل اچھلیگا اور کشادہ ہوگا کیونکہ سمندر کی فراوانی تیری طرف پھریگی اور قوموں کی دولت تیرے پاس فراہم ہوگی۔ اونٹوں کی قطاریں اور مدیان (۱) اور عیفہ کی سانڈنیاں آکر تیرے گرد بے شمار ہوں گی۔ وہ سب سبا سے آئیں گے اور سونا اور لبان لائیں گے اور خداوند کی حمد کا اعلان کریں گے۔ قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔ نبایوت کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے۔ وہ میرے مذبح پر مقبول ہوں گے۔ اور میں اپنی

شوکت کے گھر کو جلال بخشونگا" (پرانا عہد نامہ کتاب یسعیاہ ۶۰/۱ تا ۸)

انجیل میں بھی 'یوحنا کے مکاشفات' یہ نظارہ پیش کرتے ہیں:

"پھر میں نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ برہ (۲) صیون (یہون) (۳) کے پہاڑ پر کھڑا ہے اور اس کے ساتھ ایک لاکھ چوالیس ہزار شخص ہیں جن کے ماتھے پر اس کا اور اس کے باپ کا نام لکھا ہوا ہے(۴)۔ اور مجھے آسمان پر سے ایک ایسی آواز سنائی دی جو زور کے پانی اور بڑی گرج کی سی آواز تھی۔ اور جو آواز میں نے سنی وہ ایسی تھی جیسے بربط نواز بربط بجاتے ہوں۔ وہ تخت کے سامنے اور چاروں جانداروں اور بزرگوں کے آگے گویا ایک نیا گیت گا رہے تھے۔ اور ایک لاکھ چوالیس ہزار شخصوں کے سوا جو دنیا میں سے خرید لئے گئے تھے (۵) کوئی اس گیت کو نہ سیکھ سکا۔ یہ وہ ہیں جو عورتوں کے ساتھ آلودہ نہیں ہوئے (۶)۔ بلکہ کنوارے ہیں۔ یہ وہ ہیں جو برہ کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں (۷)۔ جہاں کہیں وہ جاتا ہے۔ یہ خدا اور برہ کے لئے پہلے پھل ہونے کے واسطے آدمیوں میں سے خرید لئے گئے ہیں۔ اور ان کے منہ سے کبھی جھوٹ نہ نکلا تھا۔ وہ بے عیب ہیں۔ پھر میں نے ایک اور فرشتے کو آسمان کے بیچ میں اڑتے ہوئے دیکھا جس کے پاس زمین کے رہنے والوں کی ہر قوم اور قبیلہ اور اہل زبان اور امت کے سنانے کے لئے ابدی خوشخبری (انجیل) تھی (۸)۔ (نیا عہد نامہ 'مکاشفات یوحنا' ۱۴/ ۱ تا ۶)

نہ جانے اس عظیم اجتماع کو دیکھ کر جو سارے جزیرۃ العرب میں پہلی بار اس کثیر تعداد میں یکجا ہوا تھا کیسے کیسے جذبات رسول اکرم ﷺ کے دل میں امڈ آئے ہوں گے۔ یقیناً آپؐ کا قلب احساس تشکر سے لبریز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا تھا اور دین کا وہ پودا جسے آپؐ نے اپنے خون اور پسینے سے بائیس سال تک سینچا تھا آج ایک تناور درخت کی شکل میں آپ ﷺ کے سامنے تھا۔ یہاں آپؐ نے تمام مجمع حجاج کو مخاطب فرمایا۔ اس پر اثر خطبے میں آپؐ جو کچھ فرماتے اسے حضرت ربیعہ بن امیہؓ اپنی بلند آواز میں دہراتے جاتے۔ آپ ﷺ نے چند اہم اسلامی

تعلیمات صحابہ تک پہنچائیں اور جاہلیت کے تمام غلط کام موقوف کرنے کا اعلان فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ کو گواہ کیا کہ پیام حق امت تک پہنچادیا۔ (خطبے کا متن اگلے باب میں ملاحظہ ہو)

خطبہ ختم ہوا تو اللہ کی طرف سے یہ پیام آیا:

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی

ورضیت لکم الاسلام دینا (المائدہ ۳)

حضرت عمرؓ نے یہ آیت سنی تو اشکبار ہوئے۔ رسول اکرم ﷺ نے سبب دریافت فرمایا تو عرض کیا "اس میں ارشاد ہے کہ آپؐ کا قیام اب دنیا میں کم ہے"۔ آپؐ نے اس کی تائید فرمائی(۹)۔ (اس کے بعد آپؐ صرف اکیاسی دن حیات رہے)

اس کے بعد حضرت بلالؓ نے اذان دی۔ آپؐ نے اس ایک ہی اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں ادا فرمائیں۔ درمیان نوافل نہیں پڑھے۔ نماز سے فارغ ہو کر جائے وقوف پر تشریف لائے اور قبلہ رو ہو کر دعا میں مصروف ہوگئے۔ آفتاب ڈوبنے کے قریب ہوا تو واپسی کا ارادہ فرمایا۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو قصویٰ پر اپنے ساتھ بٹھایا اور مزدلفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک جم غفیر ساتھ تھا۔ آپؐ بلند آواز سے مجمع کو سمجھاتے جاتے "السکینتہ یا ایھاالناس" (لوگو۔ سکون سے)۔ مزدلفہ پہنچ کر مغرب و عشاء کی نمازیں ایک ساتھ (ایک اذان اور دو اقامتوں سے) ادا کیں۔ شب کو یہیں آرام فرمایا۔ اور خلاف دستور تہجد کے لئے بیدار نہ ہوئے۔

علی الصبح فجر کی نماز کے بعد آفتاب نکلنے سے قبل ہی مزدلفہ سے مشعر حرام تشریف لائے یہاں بھی کچھ دیر تکبیر و تحلیل اور دعا میں مصروف رہے۔ پھر طلوع آفتاب سے پہلے ہی منیٰ کی طرف روانہ ہوئے (عموماً قریش طلوع آفتاب کے بعد یہاں سے کوچ کرتے تھے۔ آپؐ نے اس رسم کو توڑنا پسند فرمایا) اب حضرت فضل بن عباسؓ آپؐ کے ساتھ قصوی پر سوار تھے۔ راستے میں آپؐ لوگوں کو مناسک حج کی مزید تعلیم اور ان کے سوالات کا جواب دیتے رہے۔ جب وادی محسر (جہاں اصحاب فیل کا لشکر تباہ ہوا تھا) آئے تو قصوی کو تیز کیا اور سب کو ہدایت فرمائی کہ اس وادی سے جہاں کبھی اللہ کا قہر نازل ہوا تھا جلد گزر جائیں۔ جمرۂ اولیٰ پر پہنچ کر تکبیر کہتے ہوئے اس پر سات کنکریاں ماریں۔

منیٰ پہنچ کر قربان گاہ میں آپؐ نے ۶۳ اونٹ دست مبارک سے ذبح کئے باقی ۳۷ حضرت علیؓ کے سپرد کئے کہ وہ ذبح کریں۔ گوشت وغیرہ خیرات فرمایا۔ کچھ پکوا کر خود بھی تناول کیا۔ قربانی کے بعد حضرت معمر بن عبداللہؓ سے سر کے بال منڈوائے کچھ بال خود حضرت ابوطلحہ انصاریؓ اور ان کی زوجہ حضرت ام سلیمؓ کو عطا فرمائے۔ کچھ دوسرے حضرات کو۔ حضرت ابو طلحہؓ نے بہت سے افراد کو ایک ایک دو دو موئے مبارک تقسیم کئے۔ اس کے بعد آپؐ مکہ تشریف لائے۔طواف افاضہ کیا۔ پھر چاہ زم زم پر آئے۔ یہاں منصب سقایہ کے حقدار حجاج کو پانی پلانے کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا "یا نبی مطلب اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ میری تقلید میں تمہارے ہاتھ سے ڈول چھین کر خود پانی کھینچنے لگیں گے تو آج میں اپنے لئے خود پانی کھینچتا"۔ اس موقع پر حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ کو ڈول میں آب زم زم پیش کیا۔ آپؐ نے قبلہ رو ہو کر پیا۔ نماز ظہر کے بعد آپؐ پھر منیٰ واپس تشریف لائے۔

یہ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ تھی یعنی یوم النحر۔ اس دن بھی آپؐ نے ایک بلیغ خطبہ دیا۔ کچھ پچھلے خطبے کی باتیں دہرائیں۔ چند نئے احکام دیئے۔ آپؐ خچر پر سوار تھے اور حضرت علیؓ آپؐ کے ارشادات بلند آواز سے دہراتے جارہے تھے۔ ایام تشریق ذی الحجہ کی گیارہویں' بارہویں اور تیرہویں تاریخیں آپؐ نے منیٰ میں گزاریں۔ ان دنوں بعد زوال جمرات پر رمی فرمائی۔ پھر تیرہویں تاریخ سہ شنبہ کے روز منیٰ سے روانہ ہو کر وادی ابطح (خیف نبی کنانہ) واپس تشریف لائے۔ رات کو قیام کیا۔ پچھلے پہر اٹھ کر حرم تشریف لے گئے اور طواف وداع کیا۔ اس طرح حج کے تمام مناسک مکمل ہوئے۔ فجر کی نماز کے بعد حجاج نے اپنے اپنے گھروں کی طرف کوچ کی تیاری کی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی انصار و مہاجرین کے ساتھ مدینہ کیطرف مراجعت فرمائی۔

راستے میں صرف ایک خاص واقعے کا ذکر مورخین نے کیا ہے۔ ہوا یہ کہ یمن کے سریئے میں جو سامان غنیمت وصول ہوا تھا۔ اس کے بارے میں حضرت بریدہؓ اسلمی نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت علیؓ کی شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا "علیؓ کو اس سے زیادہ کا حق تھا"۔ پھر جب آپؐ حج سے واپسی میں مقام خم پر پہنچے جہاں ایک تالاب (عربی میں غدیر) بھی تھا تو آپؐ نے ایک مختصر سا خطبہ دیا۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"اے لوگو۔ میں بھی بشر ہوں ممکن ہے خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت) میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب جس میں ہدایت اور روشنی ہے خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں (۱۰)۔

امام احمد اور ترمذی کے یہاں روایت ہے کہ آپؐ نے اس موقع پر حضرت علیؓ کی نسبت یہ بھی فرمایا:

"من کنت مولاہ۔ فعلی مولاہ"

(جس کا میں دوست ہوں تو اس کا علیؓ بھی دوست ہے) (۱۱)

اس خطبے کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو مبارکباد دی۔ حضرت بریدہؓ اسلمی کے دل میں بھی کوئی کدورت نہ رہی اور ہمیشہ حضرت علیؓ کا ساتھ دیا یہاں تک کہ جنگ جمل میں شہید ہوئے۔

مدینہ کے قریب پہنچ کر قافلہ حجاج نے ذوالحلیفہ میں قیام کیا۔ صبح کو شہر میں داخل ہوئے۔ زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے (۱۲):

"اللہ اکبر۔ لاالہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ۔ لہ الملك ولہ الحمد

وھو علی کل شئی قدیر۔ آئبون' تائبون' عابدون و ساجدون لربنا حامدون۔

صدق اللہ وعدہ و نصر عبدہ و ھزم الاحزاب وحدہ"

(خدا بزرگ و برتر ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں کوئی اس کا شریک نہیں۔ بس اس کی سلطنت ہے۔ اسی کے لئے مدح و ستائش ہے۔ وہ ہر بات پر قادر ہے۔ لوٹے آرہے ہیں' توبہ کرتے ہوئے فرمانبردارانہ' سجدہ کرتے ہوئے اپنے رب کی تعریف میں مصروف۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کیا' اپنے بندے کی نصرت فرمائی اور تمام قبائل کو تنہا شکست دی)

یہ ذوالحجہ ۱۰ھ کے آخری ایام تھے۔ اگلا سال حیات مبارکہ کا آخری سال تھا۔

☆ ☆

(۱) مدیان حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے کا نام تھا۔ عیفہ ان کے فرزند تھے اور سبا اور یقسان بھی حضرت ابراہیمؑ کے ایک پوتے تھے۔ (انہی کے نام پر یمن کے ایک مقام کا نام سبا تھا اور یمن ہی سے حضرت علیؓ وہاں کے حاجیوں اور زر محصول کے ساتھ مکہ معظمہ پہنچے تھے) یہ سب عرب میں آباد ہوئے اور اس حج میں وہ قبائل شامل تھے جن کے یہ مورث اعلیٰ تھے اس طرح توریت کی پیشین گوئی پوری ہوئی (سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلد اول صفحہ ۲۲۹)

(۲) بَرَہ سے اصطلاح مکاشفات میں وہ گراں مایہ وجود مراد ہے جو خدا کے بعد سب سے برتر ہو۔ یہاں رسول اللہ ﷺ مراد ہیں (سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلد اول صفحہ ۲۳۰)

(۳) سون کا مطلب مقدس پہاڑ ہے۔ یہاں مراد عرفات کی پہاڑی ہے (سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلد اول صفحہ ۲۳۰)

(۴) جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: "سیما ھم فی وجوھھم من اثر السجود"

(۵) قرآن مجید میں ہے۔ "ان اللّٰہ اشتریٰ من المومنین انفسھم

(۶) مومنین کی صفت قرآن مجید میں ہے۔ "والذین ھم لفروجھم حافظون"

(۷) صحابہ کے لئے قرآن مجید میں آیا۔ "یتبعون النبی الامی"

(۸) انگریزی بائبل میں 'خوشخبری' کی جگہ 'Gospel' (انجیل) کا لفظ ہے۔ ایک محقق و عالم پادری مسٹر ڈبلیو ہو پر نے ایک عیسائی فرقے کا ذکر کیا ہے۔ جو ایک 'ابدی انجیل' کا منتظر تھا جو موجودہ انجیل کو منسوخ کرے گی۔ حقیقتاً وہ 'ابدی خوشخبری' قرآن مجید ہی ہے جس کے لئے یوم عرفہ فرشتے نے یہ پیغام پہنچایا "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا" (سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلد اول صفحہ ۲۳۵)

(۹) مفتی محمد شفیع 'معارف القرآن' جلد سوم صفحہ ۳۸۔ اس آیت کا نزول رسول اللہ ﷺ کے ختم المرسلین ہونے کی بھی دلیل ہے۔ یہ چیز قابل غور ہے کہ آپؐ سے پہلے تمام نبی تکمیل دین کے لئے اپنے بعد آنے والے نبی کی پیشین گوئی کرتے رہے۔ صرف آپؐ ہی وہ آخری نبی تھے جس نے کسی اور آنے والے نبی کی خبر نہ دی بلکہ صاف صاف فرمادیا کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ بے شک آپؐ کے ساتھ ہی خدا کا سچا دین مکمل ہوگیا۔

(۱۰) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبی' جلد دوم صفحہ ۱۰۲، ۱۰۳

(۱۱) مشکوٰۃ جلد سوم صفحہ ۲۴۵ (باب مناقب علیؓ ابن ابی طالب)

(۱۲) شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۰۳۔

(۱۱۹) اکملت لکم دینکم

مختلف احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حجتہ الوداع کے دوران رسول اکرم ﷺ نے کم از کم تین خطبات دیئے۔ ایک یوم عرفہ (۹ تاریخ) کو' دوسرا یوم النحر (۱۰ تاریخ) کو اور تیسرا ایام تشریق (۱۱'۱۲'۱۳ تاریخوں) میں سے کسی دن۔ ان خطبوں میں اہم باتیں دہرائی گئیں تاکہ اتنے بڑے مجمع میں تمام سامعین تک پہنچ سکیں۔ اکثر ارباب سیر نے ان خطبات کو ایک مسلسل خطبے کی صورت میں اس طرح پیش کیا ہے:

"سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔ ہم اسی کی ثنا کرتے ہیں۔ اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ اسی سے بخشش اور عفو کے طالب ہیں۔ اپنے نفس کی خرابیوں اور اپنے برے اعمال کے خلاف اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا۔ اور جسے وہ ضلالت میں مبتلا کرے اسے کوئی راہ راست نہیں دکھاسکتا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ واحد و لا شریک ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ اے اللہ کے بندو میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو اور صرف اللہ کی عبادت کرو۔ اور میں بھلائی کے ساتھ شروع کرتا ہوں۔

اما بعد۔ لوگو میری بات غور سے سنو کیونکہ میں نہیں جانتا۔ شاید آئندہ سال میں تم لوگوں سے دوبارہ اس جگہ نہ مل سکوں۔

لوگو تمہارے خون' تمہارے مال' تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسی ہی

حرام ہیں، اس وقت تک جب تک تم اپنے خدا سے نہیں ملتے، جیسے کہ تمہارے لئے آج کے دن اس شہر اور اس مہینہ کی حرمت ہے (۱)۔ کیا میں نے تمہیں اللہ کا حکم پہنچادیا ہے (۲)۔ اے اللہ گواہ رہنا۔

جس کے پاس کوئی امانت ہے وہ اسے اس کے مالک کے پاس لوٹادے۔ جاہلیت کے زمانے کا سود ختم کردیا گیا۔ تمہیں اپنے سرمائے پر حق حاصل ہے تم نہ ظلم کرو گے نہ ظلم برداشت کروگے۔ اللہ کا حکم ہے کہ سود ختم ہو۔ پہلا سود اپنے خاندان کا میں مٹاتا ہوں جو میرے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب کا ہے۔

دور جاہلیت کے قتل کے تمام جھگڑے میں مٹائے دیتا ہوں۔ پہلا خون جو میں معاف کرتا ہوں وہ میرے بھتیجے عامر ابن ربیعہ ابن الحارث ابن المطلب کا ہے۔

جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں، تمام جاہلیت کے رسوم ختم کرتا ہوں سوائے تولیت کعبہ اور منصب سقایہ کے۔

قتل عمد کا قصاص لیا جائیگا۔ قتل غیر عمد وہ ہے جس میں کوئی لاٹھی یا پتھر لگنے سے ہلاک ہوجائے۔ اس کی دیت ایک سو اونٹ مقرر ہے۔ جو زیادہ طلب کرے وہ ایام جاہلیت کے لوگوں میں شمار ہوگا۔ سنتے ہو۔ کیا میں نے تم تک اللہ کا حکم پہنچادیا۔ یااللہ گواہ رہنا۔

اما بعد۔ لوگو! شیطان اس چیز سے مایوس ہوگیا ہے کہ تمہاری سرزمین پر اس کی پرستش ہو۔ مگر وہ اس پر مطمئن ہوگا کہ یہاں کے سوا اسے پوجا

جائے۔ اور ان امور میں اس کی تابعداری کی جائے جن سے تمہیں نفرت ہے۔ چنانچہ اپنے دین کے معاملات میں شیطان سے ہوشیار رہو۔

لوگو کبیسہ (لوند کا مہینہ بڑھانا) کفر کی طرح ہے۔ اور جو کفر کا ارتکاب کرتے ہیں گمراہ کردیئے جاتے ہیں۔ وہ ایک سال تو کوئی مہینہ غیر متبرک قرار دیتے ہیں مگر ایک سال اسی کو متبرک کرلیتے ہیں تاکہ حرام مہینوں کی تعداد پوری کرسکیں۔ آج زمانہ گردش کرکے اسی صورت پر آگیا ہے جو اس وقت تھی جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ چار ماہ مقدس ہیں۔ تین ماہ ایک ساتھ اور چوتھا الگ' ذیقعدہ' ذوالحجہ اور محرم' اور رجب جو قبیلہ مضر کا ہے اور جمادی الاخر اور شعبان کے درمیان پڑتا ہے۔ کیا میں نے تم تک اللہ کا پیام پہنچادیا۔ اے اللہ گواہ رہنا۔

اما بعد۔ لوگو! تمہاری بیویوں کا تم پر حق ہے اور ان پر تمہارا حق ہے۔ بیویوں پر تمہارا حق اتنا ہے کہ وہ تمہارے بستر کو غیر مرد سے آلودہ نہ کریں۔ ایسے لوگوں کو تمہارے گھروں میں نہ داخل ہونے دیں جو تمہیں پسند نہیں۔ وہ کوئی معیوب کام نہ کریں۔ اگر کریں تو خدا نے تمہیں اختیار دیا کہ انہیں سرزنش کرو۔ ان سے بستر میں علیحدگی اختیار کرو۔ پھر بھی باز نہ آئیں تو انہیں ایسی مار مارو جو نمودار نہ ہو۔ اگر باز آجائیں تو تم پر واجب ہے کہ انہیں تنگ نہ کرو۔ اچھا کھلاؤ پہناؤ۔ عورتوں کے معاملے میں فراخدلی سے کام لو۔ وہ تمہاری قید میں ہیں اور تم نے انہیں خدا کی امانت کے طور پر قبول کیا ہے۔ اور تم اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے انکے وجود سے حظ اٹھاتے ہو۔ بس خواتین کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور ان سے نیک سلوک کرو۔ لوگو۔ کیا میں نے اللہ کا حکم تم تک پہنچا دیا۔ اے خدا گواہ رہنا۔

لوگو! میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ میں تم میں وہ چیز چھوڑے جارہا ہوں جس پر عمل کرو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ وہ ہے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔ لوگو! کیا میں نے اللہ کا حکم پہنچادیا۔ اے خدا گواہ رہنا۔

لوگو! تمہارا خدا ایک ہے اور تمہارا جد بھی ایک ہے۔ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو اللہ سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر کسی عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے (۳)۔ اے لوگو کیا میں نے اللہ کا حکم تمہیں پہنچادیا۔ اے خدا گواہ رہنا۔

لوگو! اگر تمہارا حاکم کسی پھٹی ہوئی ناک والے حبشی کو بھی مقرر کیا جائے۔ تو اس کی بات سنو اور عمل کرو جب تک کہ اس کے احکام اللہ کی کتاب کے مطابق ہوں۔

تمہارے غلام، تمہارے غلام، انہیں وہی کھانے کو دو جو خود کھاتے ہو۔ وہی لباس پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔ ان سے غلطی ہو اور معاف نہ کرنا چاہو تو انہیں فروخت کردو۔ مگر تشدد نہ کرو (۴)۔

جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ تمام باتیں ان لوگوں تک پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں۔ ممکن ہے وہ ان باتوں کو زیادہ یاد رکھنے والے اور ان کی زیادہ حفاظت کرنے والے ہوں۔

اے لوگو! خدا نے ہر حقدار کو اس کا حق دیدیا۔ اب کسی کو وراثت کے حق میں وصیت جائز نہیں۔ لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو۔ (یعنی شوہر کا)۔ زانی کی سزا سنگساری ہے۔ جو بھی اپنے باپ کے سوا کسی اور سے اپنا نسب ظاہر کرے اور جو غلام اپنے مولا کے سوا کسی اور طرف اپنی نسبت کرے اس پر خدا کی لعنت ہے۔

لوگو! تم سے خدا کے یہاں میرے متعلق پوچھا جائے گا تو کیا جواب دو گے"۔

اس پر صحابہؓ نے عرض کیا "ہم کہیں گے کہ آپؐ نے خدا کا پیغام پہنچادیا۔ اور اپنا فرض ادا کردیا"۔ رسول اللہ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین مرتبہ فرمایا "اے خدا تو گواہ رہنا"۔ پھر مجمع کے لئے سلامتی کی دعا کی "السلام علیکم" (۵)۔

☆ ☆

(۱) حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ یوم النحر خطبے کے دوران رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے دریافت فرمایا "یہ کونسا مہینہ ہے؟"۔ لوگوں نے عرض کیا "اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں"۔ آپؐ خاموش ہوگئے۔ لوگ سمجھے شاید آپؐ کوئی اور نام لینگے۔ آپؐ نے فرمایا "یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟" لوگوں نے عرض کیا "کیوں نہیں"۔ آپؐ نے فرمایا "یہ کونسا شہر ہے؟"۔ لوگوں نے کہا "اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں"۔ آپؐ نے کچھ دیر سکوت فرمایا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ آپؐ اس کے نام کے علاوہ کوئی اور نام لینگے۔ آپؐ نے فرمایا "کیا یہ بلدیہ (مکہ) نہیں ہے؟"۔ لوگوں نے کہا "کیوں نہیں"۔ آپؐ نے فرمایا "یہ کونسا دن ہے"۔ لوگوں نے پھر عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ تب آپؐ نے فرمایا "یہ نحر کا دن نہیں ہے؟"۔ لوگوں نے عرض کیا "کیوں نہیں"۔ تب آپؐ نے فرمایا "تمہارے خون تمہارے مال تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں جس طرح اس مہینے کی حرمت اس شہر کی حرمت اور اس دن کی حرمت ہے"۔ (مشکوۃ جلد اول صفحہ ۵۸۹ باب خطبۃ یوم النحر)

(۲) رسول اللہ ﷺ نے خطبے میں بار بار صحابہ سے یہ سوال کیا۔ صحابہ کا جواب تھا کہ بے شک آپؐ نے اللہ کا پیام ان تک پہنچادیا۔ تب آپؐ خدا کو اس امر کا گواہ بناتے۔

(۳) ایک دفعہ حضرت ابوذر جیسے قدیم الاسلام صحابی نے کسی عجمی ازاد شدہ غلام کو برا بھلا کہا۔ اس نے رسول اکرم ﷺ سے شکایت کی تو آپؐ نے حضرت ابوذر کو زجر فرمایا کہ "تم میں اب تک جہالت باقی ہے۔ یہ غلام تمہارے بھائی ہیں"۔ (شبلی نعمانی "سیرۃ النبیؐ" جلد دوم صفحہ ۲۳۲ بحوالہ بخاری شریف)

(۴) ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا "یا رسول اللہ میں غلاموں کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں۔ آپؐ خاموش رہے۔ اس نے پھر عرض کی۔ آپؐ نے کچھ توقف فرمایا۔ اس نے تیسری بار سوال دہرایا تو آپؐ نے فرمایا "ہر روز ستر بار معاف کیا کرو"۔

(۵) ابن جریر کے یہاں روایت ہے کہ آپؐ نے خطبے میں یہ بھی ارشاد فرمایا "لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی اور پیغمبر ہے اور نہ کوئی نئی امت پیدا ہونے والی ہے۔ خوب سن لو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور پنج گانہ نماز ادا کرو۔ سال بھر میں ایک مہینہ رمضان کے روزے رکھو۔ مالوں کی زکوۃ نہایت خوش دلی سے دیا کرو۔ خانہ خدا کا حج بجا لاؤ۔ اور اپنے اولیائے امور وحکام کی اطاعت کرو۔ جس کی جزا یہ ہے کہ تم پروردگار کے فردوس بریں میں داخل ہوگے"۔ (سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمینؐ' جلد اول صفحہ ۲۳۳)

(۱۲۰) انک میت وانھم میتون

ہجرت کا گیارھواں سال شروع ہوا تو سارا عرب اسلام کی روشنی سے منور ہوچکا تھا اب محسوس ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے تمام فرائض سے عہدہ برا ہو چکے ہیں۔ انہی دنوں وہ واقعہ پیش آیا جو مشہور حدیث عمرؓ میں بیان ہوا جس میں حضور اکرم ﷺ نے اسلام ایمان اور احسان کی مختصر مگر جامع تعریف اپنی امت تک پہنچادی۔ حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ آپؐ مسجد نبوی میں صحابہ کے ساتھ تشریف فرماتھے کہ ایک اجنبی مسجد میں داخل ہوا۔ کپڑے نہایت سفید تھے اور بال سیاہ۔ اسپر سفر کا آثار ذرا بھی نظر نہ آتے تھے۔ صحابہ میں سے کوئی اسنے نہ جانتا تھا۔ اس طرح آکر بیٹھ گیا کہ اپنے دونو زانو آپؐ کے زانوؤں سے لگادیئے اور آپؐ سے کہا "مجھے اسلام کی خبر دیجئے"۔ آپؐ نے فرمایا "اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اور تو نماز پڑھے اور زکوٰۃ دے اور رمضان کے روزے رکھے۔ بیت اللہ شریف کا حج کرے جبکہ تو اس کی طرف راہ کی طاقت رکھے"۔ اس نے کہا "آپؐ نے سچ فرمایا"۔ صحابہ نے تعجب کیا کہ آپؐ سے پوچھتا ہے اور تصدیق بھی کرتا ہے۔ پھر کہا "مجھے ایمان کے متعلق خبر دیں"۔ آپؐ نے فرمایا "تو اللہ پر فرشتوں پر اسکی کتابوں اور اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر ایمان لائے اور تقدیر، اس کی بھلائی اور برائی پر بھی تیرا ایمان ہو"۔

اس نے کہا "آپؐ نے سچ فرمایا" اس نے پھر کہا "احسان کے متعلق مجھے خبردیں"۔ آپؐ نے فرمایا "تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح بندگی کرے کہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ (تصور) نہ ہوسکے تو پھر (یہ سمجھ کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے"۔ اس نے کہا "قیامت کے متعلق خبردیں"۔ آپؐ نے فرمایا "جس سے تو پوچھ رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا" اس نے قیامت کی علامات پوچھیں تو آپؐ نے فرمایا "جب لونڈی اپنے اقا کو جنے اور چرواہے مکانات کی تعمیر میں ایک دوسرے سے بازی لے جائیں"۔ پھر آپؐ نے قران مجید کے یہ الفاظ تلاوت فرمائے۔

"ان اللہ عندہ علم الساعتہ"۔

اس کے بعد وہ شخص جانے لگا۔ آپؐ نے صحابہ سے فرمایا اسے واپس لاؤ۔ لیکن صحابہ نے اسے نہ پایا۔ تب آپؐ نے فرمایا "بے شک یہ جبریلؑ تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے (۱)۔

ملک کے اندرونی حالات کی طرف سے اب یک گونہ اطمینان تھا۔ دو تین نبوت کے دعویداران کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے بغاوت کی آگ بھڑکانا چاہی۔ مسیلمہ کذاب کا ذکر پہلے آچکا جس نے یمامہ میں فتنہ برپا کیا۔ نبوت کا ایک دوسرا دعویدار اسود عنسی تھا اس نے یمن کی طرف اپنے کافی حمایتی پیدا کرلئے تھے۔ لیکن ان مدعین نبوت سے نمٹنے کے لئے مقامی مسلمان کافی ثابت ہوئے۔ مسیلمہ کذاب کا خاتمے کے لئے بے شک بعد میں حضرت ابوبکرؓ صدیق کو اپنے دور خلافت میں اپنا لشکر بھیجنا پڑا۔ لیکن اسود کا خاتمہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے دو تین دن قبل ہی ہوگیا (۲)۔ یہ فیروز کے ہاتھوں قتل ہوا۔ قتل میں خود اس کی زوجہ معاون تھی۔

شمالی سرحد کے پار رومی حکومت کی اسلام دشمنی جاری تھی اور سرحد کے عرب قبائل اسلام کے مطیع ہونے کے باعث ان سے قدرے خائف تھے۔ رومیوں کے ہاتھوں معان کے حاکم حضرت فروہ بن عمروؓ کے قتل کی مثال ان کے سامنے تھی (ملاحظہ ہو گذشتہ باب نمبر ۱۱۳) اس کے علاوہ شہدائے موتہ کا انتقام بھی مسلمانوں کے پیش نظر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک بڑا لشکر حضرت زیدؓ بن حارثہ (شہید موتہ) کے فرزند حضرت اسامہؓ کی زیر قیادت تیار کیا کہ بلقاء اور فلسطین کے رومی علاقوں کے خلاف سخت فوجی کارروائی کرکے رومیوں کو مرعوب کیا جائے تاکہ عرب قبائل ان سے بے خوف ہوجائیں۔ اور اسلام کی آئندہ فتوحات کا در کھل جائے۔

چند صحابہ کو یہ ناگوار ہوا کہ اتنے کم عمر سپہ سالار کی قیادت میں شریک جہاد ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو ایک خطبے میں ارشاد فرمایا "اگر آج تم اس کی امارت پر اعتراض کرتے ہو تو کوئی نئی بات نہیں۔ تم اس سے پہلے اس کے والد کی امارت پر اسی طرح اعتراض کرچکے ہو۔ اور خدا گواہ ہے کہ اس کے والد (حضرت زید بن حارثؓ) امارت کے اہل اور مستحق تھے اور مجھے سب سے زیادہ عزیز تھے۔ اور یہ (حضرت اسامہ بن زیدؓ) ان کے بعد مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے" (۳)۔ اس تقریر کے بعد صحابہ خوشی حضرت اسامہؓ کے لشکر میں شامل ہونا شروع ہوگئے۔ مدینہ سے پانچ کلو میٹر دور جرف کے مقام پر خیمہ گاہ قائم ہوگئی۔ لشکر روانہ ہونے والا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی علالت کی خبر سنکر صحابہ پریشان ہوگئے اور روانگی ملتوی کردی۔

رسول اللہ ﷺ کو پورا احساس ہوگیا تھا کہ آپؐ کے کام کی تکمیل کے ساتھ اس دارِ فانی میں آپؐ کا قیام بھی قریب التکمیل ہے۔ سورۃ النصر کے نزول کے بعد جس میں ہدایت تھی کہ "فسبح بحمد ربك واستغفره" آپؐ بیشتر وقت تسبیح واستغفار میں گزارتے۔ حجتہ الوداع کے خطبے میں آپؐ اس کی طرف اشارہ فرماچکے تھے۔ خم غدیر پر بھی آپؐ نے فرمایا تھا کہ ممکن ہے خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور آپؐ کو موت قبول کرنا ہو۔ بعض اور باتوں سے بھی ظاہر تھا کہ اب سفر آخرت کی تیاری ہے۔ صفر ۱۱ھ کے اوائل میں آپؐ ایک روز احد تشریف لے گئے۔ وہاں شہدائے احد کے لئے نماز ادا فرمائی۔ گویا یہ ان کی نماز جنازہ تھی کیونکہ ایک روایت کے مطابق آٹھ سال قبل ان شہداء کی تدفین بغیر نماز جنازہ کے ہوئی تھی۔ آپؐ نے ان کے حق میں دعا فرمائی اور آخر میں یہ بھی فرمایا "ہم تم سے ملنے والے ہیں"۔ ممبر پر آپؐ نے ایک خطبہ بھی دیا۔ ارشاد فرمایا:

> "میں تم سے پہلے چلا جاؤنگا اور تم پر گواہ رہونگا۔ اور خدا میں اس وقت اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین کے خزانے کی کنجیاں دی گئیں ہیں۔ خدا مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کروگے بلکہ یہ ڈر ہے کہ تم لوگ دنیا حاصل کرنے میں منافست کروگے" (۴)۔

ایک شب آپؐ اپنے آزاد کردہ غلام حضرت ابو مویہبہ کو ساتھ لے کر بقیع کے قبرستان تشریف لے گئے۔ حضرت ابومویہبہ کا بیان ہے کہ آپؐ نے اہل بقیع کو اس طرح مخاطب فرمایا۔

> "السلام علیک یا اہل القبور۔ لوگ جس حال میں ہیں اس کے مقابلے میں تمہارا حال تمہیں مبارک ہو۔ تاریک فتنے یکے بعد دیگرے بڑھتے چلے آرہے ہیں۔ اور ہر فتنہ گذشتہ فتنے سے تاریک تر ہے"۔

آپؐ نے دیر تک اہل بقیع کے لئے دعا کی اور فرمایا کہ آپؐ بھی جلد ان سے ملنے والے تھے۔ پھر ابو مویہبہ سے فرمایا "اے ابومویہبہ مجھے ایک طرف دنیا بھر کے خزانے' بقائے دوام اور اس کے بعد جنت پیش کی گئی اور دوسری طرف اپنے رب کی ملاقات اور جنت۔ اور اختیار دیا گیا کہ دونوں میں سے جو چاہوں چن لوں۔ میں نے اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو قبول کرلیا ہے (۵)۔

سیرت نگاروں نے آپؐ کے ایک خطبے کا ذکر کیا ہے جو صحت کی حالت میں آپؐ کا آخری خطبہ بتایا گیا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"مسلمانوں۔ مرحبا۔ اللہ تمہیں رحمت کے سائے میں رکھے۔ تمہاری شکستہ دلی دور فرمائے۔ تمہارا معاون ودستگیر ہو تمہیں رزق اور برکت عطا فرمائے۔ عزت ورفعت سے سرفراز رکھے۔ امن وعافیت سے شاد کام فرمائے۔ میں تمہیں خوف خدا اور پرہیز گاری کی وصیت کرتا ہوں اللہ کو تمہارا وارث بناتا ہوں۔ اسی سے ڈراتا ہوں کیونکہ میں نذیر مبین ہوں (۶)۔ دیکھو اللہ کی بستیوں اور اس کے بندوں میں تکبر اور برتری اختیار نہ کرنا۔ اللہ نے تمہیں اور مجھے حکم دیا ہے:

'وہ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لئے (تیار) کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم وفساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور انجام (نیک) تو پرہیز گاروں ہی کا ہے' (القصص ۸۳)"

پھر فرمایا:

"کیا غرور کرنے والوں کا ٹھکانا دوزخ نہیں ہے"۔(الزمر ۶)

آخر میں ارشاد ہوا "تم سب پر سلام اور ان سب پر سلام جو اسلام کے ذریعے میری بیعت میں داخل ہوئے" (۷)۔

ماہ صفر نصف سے زیادہ گذر چکا تھا کہ آپؐ ایک جنازے کے ساتھ بقیع تشریف لے گئے واپسی میں شدید درد سر کی شکایت ہوئی اور تیز بخار آ گیا۔ یہ اس مرض کی ابتدا تھی جو تیرہ دن تک رہا اور جس کے بعد کوئی اور مرض لاحق نہ ہونا تھا۔ اس رات حضرت میمونہؓ کے یہاں قیام کی باری تھی۔ کچھ دیر کے لئے حضرت عائشہؓ کو دیکھنے تشریف لے گئے۔ ان کی طبیعت ناساز تھی۔ کراہ رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں "ہائے میرا سر' ہائے میرا سر" آپؐ نے فرمایا کہ آپؐ کے اپنے سر میں بھی شدید درد تھا۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے درد کی شکایت جاری رکھی تو از راہ مزاح کچھ اس طرح فرمایا کہ "اگر تم نے وفات پائی تو میں تمہاری تجہیز وتکفین کے لئے موجود ہونگا اور اچھی

طرح انجام دونگا"۔ ام المومنینؓ نے مزاحیہ انداز میں جواب دیا"۔ آپؐ تو یہی چاہیں گے کہ میں نہ رہوں اور میری جگہ یہاں کسی اور دلہن کو بیاہ لائیں" (۸)۔ آپؐ نے تبسم فرمایا۔ کچھ دیر بعد حضرت میمونہ کے حجرے میں تشریف لے آئے۔

آپؐ کی تکلیف برابر بڑھ رہی تھی پھر بھی آپؐ معمول کے مطابق نماز کی امامت فرماتے رہے اور باری باری ازواج کے یہاں قیام کرتے رہے۔ دو تین دن آپؐ نے برابر یہ دریافت فرمایا کہ اگلے دن آپؐ کا قیام کہاں ہوگا۔ ازواج کو احساس ہوا کہ آپؐ ایک ہی جگہ قیام فرمانا چاہتے ہیں اور خوشی آپؐ کو حضرت عائشہؓ کے یہاں قیام فرمانے کو کہا (۹)۔ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ (۱۰) نے سہارا دیکر آپؐ کو حضرت عائشہؓ کے حجرے تک پہنچایا اس حال میں کہ قدم مبارک زمین سے بمشکل اٹھ رہے تھے۔ زندگی کے آخری چند دن آپؐ نے یہیں گذارے دوران علالت آپؐ فرماتے تھے "خیبر میں زہر الود لقمہ کھانے کا اثر مجھے ہمیشہ ظاہر ہوتا رہا ہے مگر اب اثر اتنا شدید ہے گویا میری شہ رگ کٹی جارہی ہے" (۱۱)۔

ایک روز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آپؐ کی خدمت میں آئے۔ آپؐ کو چھوا تو عرض کیا "یا رسول اللہ (ﷺ) آپؐ کو بہت تیز بخار ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "ہاں۔ مجھے اتنا بخار ہوتا ہے جتنا تمہارے دو آدمیوں کو"۔ انہوں نے عرض کیا "آپؐ کے اجر بھی دو ہونگے"۔ فرمایا "ہاں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں جسے مرض یا کسی اور بات سے تکلیف پہنچے تو اس کے سبب اس کے گناہ اس طرح کم نہ ہوجائیں جس طرح درخت (خزاں میں) اپنے پتے کم کرتا ہے" (۱۲)۔ مرض کی شدت میں حضرت عائشہؓ آپؐ کے جسم اطہر پر شفایابی کے لئے معوذات اور وہ دعائیں پڑھ کر دم کرتی تھیں جو آپؐ خود کبھی علالت کے دوران پڑھا کرتے تھے۔ لیکن آپؐ کبھی کبھی صرف یہی فرماتے۔ "اللھم اغفرلی وارحمنی والحقنی فی الرفیق الاعلی" (اے خدا میری مغفرت فرما مجھ پر رحم کر اور مجھے رفیق اعلیٰ سے ملادے)۔

چہار شنبہ کا دن تھا۔ مرض کی شدت میں کچھ کمی محسوس ہوئی۔ آپؐ کے فرمانے پر ازواج نے آپؐ کو سات مشکوں سے غسل دیا۔ اس سے آپؐ کو سکون پہنچا۔ مسجد میں تشریف لائے۔ صحابہ آپؐ کے گرد جمع ہوگئے آپؐ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ ظہر کی نماز پڑھائی۔ پھر ممبر پر تشریف فرما ہوئے اور صحابہ کو خطاب کیا۔ نماز سے قبل اور بعد جو کچھ آپؐ نے فرمایا وہ آپؐ کا آخری خطبہ

تھا۔ ایک روایت کے مطابق آپؐ نے اپنا خطاب اس طرح شروع فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ دنیا کی نعمتیں لے لے یا جو کچھ خدا کے پاس ہے اسے قبول کرے۔ اس بندے نے وہی قبول کیا جو خدا کے پاس ہے"۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سنا تو بے ساختہ زبان سے نکلا "ہمارے ماں باپ آپ پر قربان"۔ اور آنکھوں سے اشک جاری ہوگئے۔ حضرت ابو سعید الخدریؓ کہتے ہیں کہ "ہم حیران ہوئے کہ ان کے رونے کی کیا وجہ ہے۔ رسول اللہ (ﷺ) تو کسی بندے کا واقعہ بیان فرمارہے ہیں۔ لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ ہم سب سے زیادہ صاحب علم او راز دار نبوت تھے" (۱۳)۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو رونے سے منع کرتے ہوئے فرمایا "ابوبکرؓ اپنے آپ پر رحم کرو"۔ پھر صحابہ کو مخاطب کیا:

"میں تمام لوگوں سے زیادہ (حضرت) ابوبکرؓ کے مال اور رفاقت کا ممنون ہوں۔ اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو (حضرت) ابوبکرؓ کو بناتا۔ لیکن اسلامی اخوت ومحبت کا رشتہ کافی ہے۔ دیکھو مسجد کی طرف کوئی در یا دریچہ نہ چھوڑا جائے (سب بند کردیئے جائیں) سوائے (حضرت) ابوبکرؓ کے دروازے کے (۱۴)۔

آپؐ نے اس بات پر بڑا زور دیا کے آپؐ کی قبر کو عبادت گاہ نہ بنایا جائے۔ فرمایا:

"خدا ان یہودیوں اور نصرانیوں پر لعنت کرے جنہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ میرے بعد میری قبر کو ایسا مت بنالینا کہ اس کی پرستش ہو۔ تم سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو

عبادتگاہ بنالیا۔ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں"۔

انصار کے متعلق آپؐ نے خاص طور سے وصیت فرمائی:

"میں تم کو انصار کے حق میں وصیت کرتا ہوں۔ ان پر جو کچھ واجب تھا انہوں نے پورا کردیا۔ تمہارے ذمے جو کچھ تھا وہ باقی ہے لوگ بڑھتے جائینگے لیکن انصار کم ہوتے جائینگے۔ ان کے محسن کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور ان کے برے سے درگزر کرو"۔

پھر انصار کو مخاطب فرمایا:

"اے گروہ انصار میرے بعد تم تکلیف سے دوچار ہوگے:

کسی نے عرض کیا کہ اس صورت میں ان کے لئے کیا حکم تھا۔ تو فرمایا:

"میں حکم دیتا ہوں کہ صبر سے کام لینا۔ یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسول سے آملو"۔

ان خطبوں کے درمیان آپؐ نے یہ اعلان فرمایا کہ کسی کا حق آپؐ پر واجب ہو تو اپنا حق یا بدلا طلب کرے اور اس میں قطعی تساہل نہ کرے۔ تاکہ آپؐ تمام حقوق سے بری الذمہ ہوکر اپنے رب سے ملیں۔ اس پر ایک صحابی نے عرض کیا "یا رسول اللہ (ﷺ) آپؐ کے پاس ایک سائل آیا تھا تو آپؐ کی حکم پر میں نے اسے تین درھم دیئے تھے"۔ آپؐ نے حضرت فضل بن عباسؓ سے صحابی کو تین درھم دلوادیے۔ پھر حضرت عائشہ کے حجرے میں واپس تشریف لائے۔

اگلے روز جمعرات کا ذکر ہے کہ آپؐ نے کچھ لکھوانا چاہا اور فرمایا کہ "ایک تحریر لکھوادوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے"۔ بعض حضرات نے اس موقع پر آپؐ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس وقت آپؐ کرب کی حالت میں تھے۔ امت کے لئے قران مجید کافی تھا۔ چند حضرات تعمیل ارشاد پر مصر ہوئے۔ آپؐ کو اس بحث وتکرار سے تکلیف ہوئی اور صحابہ سے فرمایا کہ اُٹھ جائیں۔ (اس واقعہ قرطاس کے متعلق کچھ بحث کا سلسلہ بعد

کو جاری ہوا۔ لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ شاید آپؐ اپنے بعد خلافت کا فیصلہ کرنے والے تھے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ لیکن اگر ایسا ہوتا تو اس واقعہ کے بعد آپؐ کئی دن حیات رہے اور بعض نصائح بھی فرمائے۔ خلافت کے سلسلے میں کچھ فرمانا چاہتے تو بعد میں فرماسکتے تھے) (۱۵)۔

اسی روز آپؐ نے تین وصیتیں فرمائیں (۱۶)۔

(۱) مشرکین عرب سے باہر کردیئے جائیں۔

(۲) یہود کی پذیرائی اس طرح کی جائے جیسا کہ معمول نبوی تھا۔

تیسری وصیت کے متعلق شک ہے۔ غالباً قران مجید کے متعلق تھی۔

اب تک رسول اللہ ﷺ برابر مسجد میں نماز پڑھاتے رہے۔ دو تین دن بیٹھ کر نماز پڑھائی تھی اور صحابہ سے فرمادیا تھا کہ امام کی تقلید میں وہ بیٹھ کر نماز ادا کریں۔ اس دن (جمعرات کو) مغرب کی نماز مسجد میں آپؐ کی آخری نماز تھی۔ جس میں آپؐ نے سورۃ مرسلات تلاوت فرمائی جس میں بار بار مکذبین (جھٹلا والوں) کی خرابی کا ذکر ہے "ویل یومئذ للمکذبین"۔

عشاء کا وقت ہوا تو آپؐ نے نماز کے متعلق دریافت فرمایا کہ ہوچکی۔ عرض کیا گیا کہ آپؐ کا انتظار ہے۔ اٹھنا چاہا تو غش آ گیا۔ افاقہ ہوا تو پھر یہی پوچھا لیکن اٹھ نہ سکے۔ فرمایا کہ "(حضرت) ابوبکرؓ سے کہو کہ نماز پڑھائیں"۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے والد محترم کی طرف سے معذرت کرنا چاہی کہ بہت رقیق القلب تھے۔ آپؐ کی جگہ کھڑے ہوئے تو گریہ وزاری روک نہ سکیں گے۔ رسول اللہ ﷺ مصر ہوئے کہ وہی نماز پڑھائیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی اور یہ سلسلہ رسول اکرم ﷺ کی حیات کے دوران سترہ نمازوں تک برابر جاری رہا۔

سنیچر یا اتوار کے دن ظہر کے وقت آپؐ کی طبیعت کچھ سنبھلی تو حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کا سہارا لیکر مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ امامت فرمارہے تھے۔ آپؐ کی آہٹ پاکر ہٹنا چاہا۔ مگر آپؐ نے روک دیا اور خود ان کے برابر بیٹھ کر نماز ادا کی یہ مسجد کے اندر آپؐ کا آخری نزول تھا۔ اتوار کے دن حضرت اسامہؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ گفتگو نہ کرسکے۔ انہوں نے پیشانی مبارک پر بوسہ دیا تو آپؐ نے ہاتھ اوپر اٹھائے کہ گویا ان کے لئے دعا فرمارہے ہوں۔

اتوار کے روز آپؐ نے اپنے تمام غلاموں کو آزاد فرمایا۔ معلوم ہوا کہ سات دینار ابھی تک

گھر میں موجود ہیں۔ وہ سب خیرات کئے۔ کچھ ہتھیار تھے وہ مسلمانوں کو ہبہ کئے۔ آپؐ کی ایک زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔ اس شب گھر میں چراغ کے لئے روغن نہ تھا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کسی پڑوسن سے عاریتاً حاصل کیا۔

دو شنبہ ۱۲ ربیع الاول (مطابق ۸ جون ۶۳۲ء) کی صبح ہوئی (۱۷) تو آپؐ کی حالت کچھ بہتر تھی۔ اُٹھ کر حضرت عائشہؓ کے حجرے کے دروازے کا پردہ ہٹایا تو مسجد میں فجر کی نماز ہورہی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ امامت فرمارہے تھے۔ آپؐ نمازیوں کو محو عبادت دیکھ کر مسرور ہوئے۔ رخ انور چمک اٹھا اور لبوں پر مسکراہٹ آئی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے ایسی بشاشت آپؐ کے چہرے پر کم دیکھی۔ چہرہ ایسا تھا جیسے ورق قرآن۔ صحابہ نے دیکھا تو سب میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سمجھے کہ آپؐ نماز کے لئے تشریف لارہے ہیں۔ پیچھے ہٹنا چاہا لیکن آپؐ نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ پردہ ڈال دیا اور اپنی جگہ تشریف لے آئے۔

صحابہ کو خیال ہوا کہ آپؐ روبصحت ہیں۔ حضرت ابوبکر نے اجازت لی کہ ایک روز کے لئے اپنی دوسری زوجہ کے یہاں ہو آئیں۔ حضرت علیؓ آپؐ سے مل کر حجرے کے باہر آئے تو لوگوں کو بتایا کہ الحمدللہ آپؐ کی طبیعت بہتر تھی۔ روایت ہے کہ حضرت عباسؓ نے اس موقع پر یا اس سے کچھ پہلے حضرت علیؓ سے کہا تھا کہ آپؐ کی وفات قریب ہے کیونکہ وہ عبدالمطلب کی اولاد کا چہرہ دیکھ کر پہچان لیتے تھے کہ ان کا وقت آگیا۔

جیسے جیسے دن چڑھا آپؐ کی تکلیف بڑھتی رہی۔ حضرت فاطمہؓ ملنے آئیں تو قریب بٹھایا کان میں کچھ فرمایا تو وہ رونے لگیں۔ پھر کوئی بات کہی تو لبوں پر مسکراہٹ آئی۔ حضرت عائشہؓ دیکھ رہی تھیں انہوں نے حضرت فاطمہؓ سے پوچھا کہ کیا بات تھی۔ حضرت فاطمہ نے اس وقت کچھ نہ بتایا۔ لیکن آپؐ کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ نے دوبارہ دریافت کیا تو بتایا کہ پہلے آپؐ نے فرمایا تھا کہ دنیا سے آپؐ کی رحلت کا وقت قریب ہے۔ اس پر وہ رونے لگی تھیں۔ پھر آپؐ نے تسلی دی کہ اہل بیت میں وہی سب سے پہلے آپؐ سے آملیں گی تو وہ خوش ہوئیں۔ اسی دن آپؐ نے حضرت فاطمہ کو بشارت دی کہ وہ جنت میں سیدۃ النساء ہوں گی۔ آپؐ کی تکلیف برابر بڑھ رہی تھی۔ والد محترم کے کرب کو دیکھ کر حضرت فاطمہؓ کہنے لگیں "ہائے کیسا کرب ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "آج کے بعد تیرے باپ کو کوئی کرب نہ ہوگا"۔ انہیں اشکبار دیکھا تو فرمایا "رو نہیں۔ میں رخصت ہوجاؤں

تو 'انا للہ و انا الیہ راجعون' کہنا۔ یہی ہر کسی کے لئے باعث تسکین ہے"۔ پھر اپنے نواسوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو بلوایا اور پیار کیا۔ ازواج مطہراتؓ کو کچھ نصیحت فرمائی۔ جو لوگ موجود تھے انکے لئے آخری وصیت یہ تھی "الصلوٰۃ والصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم" (نماز۔ نماز۔ اور تمہارے غلام)

پانی سے بھرا ہوا ایک پیالہ آپؐ کے قریب رکھا ہوا تھا۔ کبھی کبھی ہاتھ بھگو کر چہرہ اقدس تر کر لیتے تھے اور فرماتے "لاالہ الااللہ ان للموت سکرات" (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بے شک موت کی بڑی سختیاں ہیں) کبھی فرماتے "اللھم اعنی علی سکرات الموت" (یااللہ سکرات الموت میں میری مدد فرما) اس موقع پر سر اقدس حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا۔ ان کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ حاضر ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ رسول اکرم ﷺ مسواک کی طرف دیکھنے لگے۔ حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں کہ آپؐ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے مسواک لی' اسے چبا کر ملائم کیا اور شوہر عزیز ﷺ کو پیش کی۔ آپؐ نے اچھی طرح مسواک کی۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی آپؐ نے دست مبارک اٹھایا۔ زبان مبارک پر یہ آخری الفاظ آئے "اللھم الرفیق الاعلیٰ" اور جان جان آفریں کے سپرد کی۔ دنیا میں عظیم ترین اور اعلیٰ ترین انقلاب برپا کرنے والی ہستی آج ابدی نیند سوچکی تھی (۱۸)۔ وہ ہستی جس نے ایک عظیم الشان مذہب' ایک عظیم الشان حکومت اور ایک عظیم الشان تمدن کی بنیاد ڈالی۔

سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراؓ کی زبان سے یہ غمناک الفاظ نکلے "یاابتاہ اجاب ربادعاہ۔ یا ابتاہ الی جنت الفردوس ماواہ۔ یا ابتاہ الی جبریل ننعاہ"۔

(ہائے پیارے ابا۔ انہوں نے اپنے رب کی دعوت قبول فرمائی۔ ہائے پیارے ابا۔ ان کی جگہ جنت الفردوس میں ہے۔ ہائے پیارے ابا ہم جبریلؑ کو آپؐ کی وفات کی خبر دیتے ہیں (۱۹)۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ جنہوں نے بعد میں ایک بار رسول اللہ ﷺ کے اخلاق حمیدہ کو قرآن کریم سے تعبیر کیا۔ اس وقت اس طرح اظہار غم فرمانے لگیں۔

"آہ وہ نبی جس نے فقر کو غنا اور مسکینی کو تونگری پر ترجیح دی۔ حیف وہ
دین پرور جو امت عاصی کی فکر میں کبھی پوری رات چین سے نہ سویا۔
جس نے بڑی استقامت اور استقلال سے ہمیشہ نفس کے ساتھ محاربہ کیا
جس نے منہیات کو ذرہ بھر بھی نگاہ التفات سے نہ دیکھا۔ جس نے برد

احسان کے دروازے ارباب فقر و احتیاج پر کبھی بند نہ کئے جس کے ضمیر منیر کے دامن پر دشمنوں کی ایذا و اضرار کا ذرا بھی غبار نہ بیٹھا جس کے موتی جیسے دانت پتھر سے توڑے گئے۔ جس کی نورانی پیشانی کو زخمی کیا گیا آج دنیا سے رخصت ہوا (۲۰)۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

☆☆

(۱) مشکوۃ جلد اول صفحہ ۱۵ (کتاب الایمان متفق علیہ)

(۲) اسود عنسی کے قتل کی خبر آپؐ کو بذریعہ وحی ملی۔ وفات سے ایک دن قبل آپؐ نے صحابہ کو بتادیا کہ اسود قتل ہوا (محمد ادریس کاندھلوی 'سیرۃ المصطفیٰ' جلد دوم صفحہ ۲۴۹، ۲۵۰ حوالہ ابن اثیر 'الکامل فی التاریخ')

(۳) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۸۱۴۔ (کتاب المغازی باب بعث النبی ﷺ اسامہ بن زید فی مرضہ الذی توفی فیہ)

(۴) صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۶۱۹ (کتاب الجنائز باب الصلوۃ علی الشہید)

(۵) ابن سعد 'طبقات' حصہ دوم صفحہ ۲۵۶

(۶) قرآن مجید میں آپؐ کے لئے 'نذیر مبین' کا پورا لقب نو بار' صرف 'نذیر' کا لقب ۱۹ بار' اس کے علاوہ آپؐ کے فرائض میں 'انذار' کا ذکر کم از کم ۳۲ مرتبہ آیا ہے۔ آپؐ کو مختلف القاب سے یاد فرمایا گیا لیکن کوئی اور لقب سوائے 'رسول' کے اتنی کثرت سے استعمال نہیں ہوا۔

(۷) ابوالکلام آزاد 'رسول رحمت' صفحہ ۳۰۳

(۸) مشکوۃ جلد سوم صفحہ ۲۱۲ (باب وفات النبی ﷺ)

(۹) ابن سعد کے یہاں ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے تمام ازواج سے یہ اجازت حاصل کی۔ (طبقات حصہ دوم صفحہ ۲۸۰)

(۱۰) حضرت عائشہؓ جب اس واقعہ کو بیان کرتی تھیں تو کہتی تھیں کہ آپؐ حضرت عباسؓ اور ایک آدمی کے سہارے آئے۔ بعض بدگمانوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت عائشہ نے ملال خاطر کے سبب حضرت علیؓ کا نام نہ لیا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ایک طرف حضرت عباسؓ برابر سہارا دیئے ہوئے لائے

اور دوسری طرف کبھی حضرت علیؓ سہارا دیتے اور کبھی حضرت اسامہؓ بن زید۔ اس بنا پر حضرت عباسؓ کا نام انہوں نے لیا اور دوسرے کی نسبت عدم تعین کے سبب یا اختصار کی خاطر یہ کہہ دیا کہ "ایک اور آدمی" (سید سلیمان ندوی 'سیرت عائشہؓ' صفحہ ۱۱۷' ۱۱۸)

(۱۱) اس بنا پر آپؐ شرف شہادت پر فائز ہوئے۔

(۱۲) ابن سعد 'طبقات' حصہ دوم صفحہ ۲۵۹

(۱۳) مشکوٰۃ جلد سوم صفحہ ۲۰۶

(۱۴) صحیح بخاری جلددوم صفحہ ۴۵۰ (کتاب الانبیاء' باب قول النبی ﷺ سدواالابواب الاباب ابی بکرؓ)

(۱۵) ابن جوزی کے یہاں یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمنؓ بن ابوبکرؓ سے فرمایا "میرے پاس بکری کے شانے والی ہڈی لاؤ یا کوئی تختی تاکہ میں ابوبکر صدیقؓ کے لئے عہد خلافت تحریر کردوں اور ان کے متعلق اختلاف کا سدباب کردوں"۔ جب حضرت عبدالرحمن تعمیل ارشاد کے لئے اٹھنے لگے تو فرمایا "اے ابوبکرؓ اللہ تعالیٰ اور مومن تمہاری امر خلافت میں اختلاف پیدا نہ ہونے دیں گے (ابن جوزی' 'الوفا باحوال المصطفیٰ' صفحہ ۸۰۰)

(۱۶) مشکوٰۃ جلد دوم صفحہ ۵۷۵ (باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب)۔ نیز سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلد اول ۲۴۸۔

(۱۷) تاریخ وفات کے متعلق کچھ اختلاف ہے دو شنبہ کے دن اور ماہ ربیع الاول پر سب متفق ہیں۔ تاریخ ۱۲ ربیع الاول مشہور رہی لیکن پہلی' دوسری اور تیرہویں بھی بتائی گئی ہے۔ شبلی نعمانی نے بڑے احسن طریقے سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تاریخ پہلی ربیع الاول تھی۔ صحیحین کی روایتوں سے یہ امر یقینی ہے کہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ کو یوم عرفہ جمعہ کے دن تھا۔ حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ اس کے ۸۱ دن بعد آپؐ کی وفات ہوئی۔ یہ ۸۱ دن یکم ربیع الاول کو پورے ہوتے ہیں۔ شبلی نعمانی نے اپنے مفروضے کی صحت ثابت کرنے کے لئے مندرجہ ذیل نقشہ بھی دیا ہے۔

نمبر شمار	صورت مفروضہ	دو شنبہ	دو شنبہ	دو شنبہ
۱	ذیحجہ محرم اور صفر سب ۳۰ دن کے ہوں	۶	۱۳	
۲	ذیحجہ محرم اور صفر سب ۲۹ دن کے ہوں	۲	۹	۱۶
۳	ذیحجہ ۲۹' محرم ۲۹ اور صفر ۳۰ دن کا ہو	۱	۸	۱۵
۴	ذیحجہ ۳۰' محرم ۲۹ اور صفر ۲۹ دن کا ہو	۱	۸	۱۵
۵	ذیحجہ ۲۹ محرم ۳۰ اور صفر ۲۹ دن کا ہو	۱	۸	۱۵
۶	ذیحجہ ۳۰ محرم ۲۹' اور صفر ۳۰ دن کا ہو	۷	۱۴	
۷	ذیحجہ ۳۰ محرم ۳۰' اور صفر ۲۹ دن کا ہو	۷	۱۴	

۸۔ ذی الحجہ ۲۹ محرم اور صفر ۳۰ دن کے ہوں ۷ ۱۴

ان مفروضہ تاریخوں میں ۶، ۷، ۸، ۱۳، ۱۹، ۱۴، ۱۵ خارج از بحث ہیں کیونکہ علاوہ اور وجوہ کے ان کی تائید میں کوئی روایت نہیں۔ رہ گئیں یکم اور دوم تو دوسری تاریخ صرف ایک صورت میں پڑ سکتی ہے اور یہ صورت خلاف معمول ہے کہ برابر تینوں مہینے ۲۹، ۲۹ دن کے ہوں۔ لہذا یکم ربیع الاول صحیح تاریخ ہے (شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۰۶، ۱۰۷) ابوالقاسم سہیلی نے بھی "الروض الانف" میں ۱۲ ربیع الاول کا یوم وفات ہونا ناممکن بتایا ہے۔ ابن کثیر کے نزدیک اس کا وقوع اسی صورت میں ممکن ہے کہ "مکہ اور مدینہ کے مطلع کا فرق ہو۔ کہ مکی لوگوں نے ذوالحج کا چاند خمیس کو دیکھا ہو اور مدینہ والوں نے جمعہ کی رات کو دیکھا ہو" (ابن کثیر 'سیرۃ النبیؐ' جلد سوم صفحہ ۱۷۱) حضرت عائشہؓ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ سے مختلف راویوں نے ۱۲ ربیع الاول ہی روایت کیا ہے۔

۱۸۔ مائیکل ہارٹ نے دنیا کے سو سب سے بڑے مشاہیر میں رسول اللہ ﷺ کو سب سے پہلا مقام دیا ہے۔ ملاحظہ ہو مائیکل ہارٹ 'دی ۱۰۰ (The 100) صفحہ ۳۳

۱۹۔ مشکوۃ جلد سوم صفحہ ۲۰۷، ۲۰۸ (باب وفات النبی ﷺ)

۲۰۔ سلمان منصور پوری 'رحمتہ للعالمین' جلد اول صفحہ ۲۵۱ بحوالہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی 'مدارج النبوۃ'

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر

گر تو می بینی حسابم ناگزیر
از نگاہِ مصطفےٰؐ پنہاں بگیر

(علامہ اقبال مرحوم)

(۱۲۱) تجہیز و تدفین

صحابہ پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ یقین نہ آتا تھا کہ حضور ﷺ انتقال فرما گئے۔ حضرت عمرؓ کھڑے ہو کر اعلان کرنے لگے کہ منافقوں کا کہنا ہے کہ آپؐ نے وفات پائی۔ آپؐ اسی طرح خدا کے پاس گئے ہیں اور واپس آجائیں گے جس طرح حضرت موسیٰ چالیس دن کے لئے گئے تھے اور واپس آگئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو یہ جانکاہ خبر ملی تو فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر سخ سے واپس آئے۔ سیدھے حضرت عائشہؓ کے حجرے میں گئے۔ رسول اللہ ﷺ کا جسد مبارک ایک یمنی چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے چہرہ مبارک کھولا۔ پیشانی چومی اور کہا "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ اللہ تعالیٰ نے جو موت آپؐ کے لئے لکھی تھی آپؐ نے دیکھ لی۔ اس کے بعد آپؐ کے لئے کوئی موت نہیں"۔ ساتھ ہی کہا "آپؐ کی زندگی بھی کتنی پاکیزہ تھی اور موت بھی کتنی پاکیزہ ہے"۔ باہر آکر حضرت عمرؓ کو خاموش کرنا چاہا لیکن وہ چپ نہ ہوئے۔ مجبوراً حضرت ابوبکرؓ نے اپنی تقریر شروع کردی۔ لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے اللہ کی حمد و ثنا کرکے لوگوں کو اس طرح مخاطب کیا "لوگو۔ جو لوگ محمد (ﷺ) کی عبادت کرتے تھے وہ سن لیں کہ محمد (ﷺ) انتقال فرما چکے اور جو لوگ اللہ کی عبادت کرتے تھے انہیں معلوم ہو کہ اللہ بے شک زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہیں"۔ پھر یہ آیت شریفہ تلاوت کی :

"وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل

افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم

و من ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیا

و سیجزی الله الشکرین

"اور محمد (ﷺ) تو (صرف) خدا کے پیغمبر ہیں۔ ان سے

پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں۔ بھلا یہ مر جائیں یا

مارے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ۔ (یعنی مرتد ہو جاؤ) اور جو الٹے پاؤں پھر جائیگا تو خدا کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا اور خدا شکر گزار بندوں کو بڑا ثواب دے گا"۔ (آل عمران۔ ١٤٤)

لوگوں نے آیت سنی تو ایسا محسوس ہوا گویا پہلے سنی ہی نہ تھی (۱)۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے یہ آیت سنی تو ایسا معلوم ہوا کہ ان کے پیر کٹ گئے۔ اور وہ زمین پر گر پڑے۔ سمجھ لیا کہ آنحضرت ﷺ کا انتقال ہو گیا۔

سارے شہر پر ایک غم کی گھٹا چھا گئی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جس روز رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تھے ایسا روشن و طربناک دن کبھی نہ آیا۔ اور جس دن آپؐ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی ایسا تاریک و المناک دن کبھی نہ دیکھا۔ انصار اس موقع پر سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے کہ آپؐ کی جانشینی کے متعلق کچھ طے ہو جائے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ انصار کی جماعت وہاں مشورے میں مشغول ہے تو دونوں حضرات وہاں پہنچے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ بھی ساتھ تھے۔ یہاں تھوڑی بہت بحث ہوئی پھر حضرت ابوبکرؓ کی پر اثر اور مدلل تقریر کے بعد حضرت عمرؓ کی تحریک پر ان ہی (حضرت ابوبکر صدیقؓ) کو خلیفہ منتخب کر لیا گیا۔ اب شام ہو گئی تھی۔ اس دن رسول اکرم ﷺ کا جسد مبارک چادر سے ڈھکا ہوا حضرت عائشہؓ کے حجرے میں رہا۔ اہل خانہ نے دروازہ بند کر لیا تھا۔

سہ شنبہ کی صبح لوگ آپؐ کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے۔ رسول اللہؐ کی وصیت تھی کہ حضرت علیؓ آپؐ کو غسل دیں (۲)۔ حضرت علیؓ کی مدد کرنے والوں میں حضرت عباسؓ ان کے دونوں فرزند حضرت قثمؓ اور حضرت فضلؓ، حضرت اسامہؓ اور حضرت شقران (آپؐ کے آزاد کردہ غلام) شامل تھے۔ ایک انصاری حضرت اوس بن خولیؓ حضرت علیؓ کی اجازت سے پانی فراہم کرنے کے لئے شامل ہو گئے تھے۔ حضرت علیؓ آپؐ کے جسم کو سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ باقی حضرات آپؐ کو کروٹ دلانے اور پانی ڈالنے میں مدد دے رہے تھے۔ آپؐ جو کرتا پہنے ہوئے تھے حضرت علیؓ نے اس کے اوپر ہی سے غسل دیا۔ فرماتے جاتے تھے "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔

آپؐ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں کتنے پاکیزہ و حبیب ہیں" (۳)۔ غسل کے بعد آپؐ کو سحول (یمن کا ایک شہر) کے بنے ہوئے تین سفید سوتی کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ جس میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ (۴)۔

قبر کے لئے مختلف رائیں تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے بتایا کہ انہوں نے خود حضور ﷺ سے سنا تھا کہ نبی وہیں دفن ہوتے ہیں جہاں ان کا انتقال ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں جہاں آپؐ کا بچھونا تھا وہیں قبر تجویز ہوئی۔ نماز جنازہ کے لئے لوگ حجرے میں آنا شروع ہوگئے۔ پہلے آپؐ کے اہل خاندان نے نماز پڑھی پھر مہاجرین و انصار نے۔ تھوڑے تھوڑے لوگ اندر آتے اور نماز پڑھ کر دوسروں کے لئے جگہ خالی کردیتے۔ کوئی امام نہ تھا۔ مردوں کے بعد خواتین نے اور بچوں نے نماز پڑھی۔

قبر کھودنے میں دو حضرات ماہر تھے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ جو اہل مکہ کی طرح صندوق نما قبر بناتے تھے اور حضرت ابی طلحہ زید بن سہلؓ جو مدینہ والوں کی طرح بغلی قبر بناتے تھے۔ حضرت عباسؓ نے دونوں کو بلانے کے لئے دو اشخاص روانہ کئے کہ جو پہلے آجائے وہی قبر کنی کا شرف حاصل کرے گا۔ اتفاقاً حضرت ابی طلحہؓ جلد دستیاب ہوگئے اور پہلے آگئے۔ انہی نے مدنی طریقے سے قبر تیار کی۔ زمین نم تھی تو حضرت شقرانؓ نے رسول اکرم ﷺ کی ایک چادر زمین پر بچھادی۔ حضرت علیؓ حضرت فضلؓ بن عباس حضرت قثم بن عباسؓ اور حضرت شقرانؓ آپؐ کو دفن کرنے کے لئے قبر میں اترے (۵)۔ سہ شنبہ اور چار شنبہ کی درمیانی شب کو ان حضرات نے دفن سے فراغت پائی۔ اس طرح تاریخ کی عظیم ترین شخصیت سپرد خاک ہوئی۔

اللھم صلی علی محمد و علی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی ال ابراھیم انک حمید مجید

اللھم بارک علی محمد و علی ال محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی ال ابراھیم انک حمید مجید

☆ ☆

(۱) صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۶۷۵ (کتاب الجنائز باب الدخول علی المیت بعد الموت)

(۲) ابن سعد 'طبقات' حصہ دوم صفحہ ۳۲۳

(۳) ایضاً صفحہ ۳۲۲

(۴) صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۵۸۴ (کتاب الجنائز باب الثیاب البیض للکفن)

(۵) ابوداؤد 'کتاب الجنائز' میں حضرت قثم بن عباسؓ اور حضرت شقرانؓ کی بجائے حضرت اسامہؓ بن زید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے نام ہیں۔ (ملاحظہ ہو شبلی نعمانی 'سیرۃ النبیؐ' جلد دوم صفحہ ۱۱۵)

(۱۲۲) رسول اللہ و خاتم النبین ﷺ

حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے تو ایک روز حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ حضرت ام ایمنؓ کے یہاں تشریف لے گئے جیسے کہ رسول اکرم ﷺ خود بھی ان سے برابر ملتے رہتے تھے۔ حضرت ام ایمنؓ دونوں حضرات سے ملیں تو رونے لگیں۔ یہ سمجھے کہ ابھی حضور ﷺ کی وفات کا غم تازہ ہے اس لئے اشکبار ہیں۔ کہا کہ "آپ کیوں روتی ہیں جو خدا کے پاس ہے وہ خدا کے رسول (ﷺ) کے لئے بہتر ہے"۔ حضرت ام ایمن بولیں "میں اس لئے نہیں روتی کہ میں یہ نہیں جانتی کہ جو خدا کے پاس ہے وہی خدا کے رسول (ﷺ) کے لئے بہتر ہے۔ میں تو اس لئے روتی ہوں کہ آپؐ کے ذریعے ہمارا جو رابطہ براہ راست آسمان سے تھا وہ ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گیا۔ اب اللہ کی طرف سے وحی کبھی نہ آئیگی"۔ یہ سنا تو یہ دونوں حضراتؓ بھی آبدیدہ ہو گئے۔ (مشکوۃ جلد سوم صفحہ ۲۱۰' باب وفات النبی ﷺ رواۃ مسلم)

اے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اے خدا کے رسولؐ پیارے رسولؐ
سیرت اور دین کی کتابوں میں
آپؐ کا ذکر جب بھی پڑھتا ہوں
تو مجھے یہ خیال آتا ہے
کس قدر خوش نصیب تھے وہ لوگ
آپؐ کے عہد میں جو گزرے تھے
جن کی آنکھوں نے آپؐ کو دیکھا
آپؐ کی گفتگو جنھوں نے سنی
اور جو آپؐ کے قریب رہے
جو زمانے گزر گئے افسوس
وہ پلٹ کر کبھی نہ آئیں گے
اور اس دور کا غریب انسان
اس نگاہ کرم کو ترسے گا
جس نے ظلمت کو روشنی بخشی
خار زاروں پہ پھول برسائے
اور ذروں کو آفتاب کیا
سوچتا ہوں کہ میرے پیارے رسولؐ
کاش ہوتے ہمارے ایسے نصیب
دیکھا کرتے ہم آپؐ کی صورت
اور سنا کرتے آپؐ کی باتیں
جس زمانے میں آپؐ تھے اے کاش
ہم بھی ہوتے اسی زمانے میں

شاہد حسین (مولف)

کتابیات

نام کتاب	مصنف	مطبوعہ
تفاسیر قرآن مجید		
القران الکریم (تفسیر عثمانی)	شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی	شاہ فہد قرآن شریف پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ ۱۹۹۳ء
ترجمان القرآن	ابوالکلام احمد آزاد	اسلامی اکادمی لاہور ۱۹۷۶ء
تفسیر القرآن	سر سید احمد خان	دوست ایسوسی ایٹس لاہور ۱۹۹۵ء
تفسیر فی ظلال القرآن	سید قطب شہید (اردو ترجمہ میاں منظور احمد)	اسلامی اکادمی لاہور ۱۹۸۹ء
تفہیم القرآن	مولانا ابوالاعلیٰ مودودی	ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۸۴ء
معارف القرآن	مولانا مفتی محمد شفیع	ادارۃ المعارف کراچی ۱۹۷۹ء
کتب احادیث		
صحیح بخاری	ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری (اردو ترجمہ مولانا ظہور الباری اعظمی)	دارالاشاعت کراچی ۱۹۸۵ء
مشکوۃ شریف	ولی الدین محمد بن عبدالخطیب العمری	مکتبہ رحمانیہ لاہور

(اردو ترجمہ مولانا عبدالعلیم علوی)

نام کتاب	مصنف	مطبوعہ
کتب سیر و تاریخ		
اسلام اور جدید ذہن کے شبہات	سید قطب شہید (اردو ترجمہ محمد سلیم کیانی)	البدر پبلیکیشنز لاہور ۱۹۸۱ء
الرحیق المختوم	مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری	المکتبہ السلفیہ ـ لاہور ۱۹۹۵ء
النبی الخاتم محمدؐ	مولانا مناظر احسن گیلانی	الفیصل ناشران و تاجران کتب ـ لاہور ۱۹۹۵ء
الوفا باحوال المصطفیٰؐ	عبدالرحمٰن ابن جوزی (اردو ترجمہ محمد اشرف سیالوی)	زید بک اسٹال لاہور
پیغمبر اعظم و آخرؐ	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر	فیروز سنز لمیٹڈ ـ لاہور راولپنڈی، کراچی
تاریخ ارض القرآن	سید سلیمان ندوی	مجلس نشریات اسلام کراچی
تاریخ طبری (تاریخ الامم والملوک)	ابی جعفر محمد بن جریر طبری (اردو ترجمہ سید محمد ابراہیم ندوی)	نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۷ء
تجلیات سیرت	ڈاکٹر حافظ محمد ثانی	فضلی سنز لمیٹڈ ـ کراچی ۱۹۹۸ء
جوامع السیرۃ	حافظ ابن حزم، ظاہری اندلسی (اردو ترجمہ محمد اسرار احمد)	مکتبہ علمیہ ـ کراچی ۱۹۸۳ء
حجتہ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (اردو ترجمہ مولانا خلیل احمد)	مکتبہ رحمانیہ ـ لاہور

نام کتاب	مصنف	مطبوعہ
حیاتِ محمدؐ	محمد حسین ہیکل (اردو ترجمہ ابو یحییٰ امام خان)	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۷ء
خطبات بہاولپور	ڈاکٹر محمد حمید اللہ	ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۸۸ء
خطبات سیرۃ النبیؐ	سر سید احمد خان	دوست ایسوی ایٹس لاہور ۱۹۹۷ء
رحمۃ للعالمین	قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری	شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ۔ لاہور' حیدر آباد' کراچی
رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی	ڈاکٹر محمد حمید اللہ	دارالاشاعت ۔ کراچی ۱۹۸۷ء /
رسول رحمتؐ	مولانا ابوالکلام آزاد	شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ۔ لاہور' حیدر آباد' کراچی
سیرۃ المصطفیٰؐ	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	مکتبہ عثمانیہ ۔لاہور ۱۹۹۲ء
سیرۃ النبیؐ (البدایہ و النہایہ کا حصہ جو سیرت سے متعلق ہے)	حافظ ابوالفدا عماد الدین ابن کثیر (اردو ترجمہ مولانا ہدایت اللہ ندوی)	مکتبہ قدوسیہ ۔لاہور ۱۹۹۶ء
سیرۃ النبیؐ (ابن ہشام)	ابو محمد عبدالملک بن ہشام (اردو ترجمہ سید یٰسین علی حسنی نظامی دہلوی)	ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۹ء
سیرۃ النبیؐ	شبلی نعمانی ۔سید سلیمان ندوی	دارالاشاعت کراچی۔ ۱۹۸۵ء

نام کتاب	مصنف	مطبوعہ
سیرت سرور عالمؐ	سید ابوالاعلیٰ مودودی	ادارۂ ترجمان القرآن لاہور ۔۱۹۷۸ء
سیرت عائشہؓ	سید سلیمان ندوی	اسلامی اکادمی ۔لاہور ۱۹۹۶ء
طبقات ابن سعد (اخبار النبیؐ)	ابو عبداللہ محمد بن سعد البصریؒ (اردو ترجمہ عبداللہ العمادی)	نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۷ء
محسن انسانیت	نعیم صدیقی	اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۸۸ء
مغازی رسول اللہؐ	حضرت عروہ بن زبیرؒ رحمتہ اللہ علیہ (اردو ترجمہ محمد سعید الرحمان علوی	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۷ء
نقوش (مجلہ) رسولؐ نمبر	(مختلف حضرات کے مضامین)	ادارہ فروغ اردو ۔لاہور ۱۹۸۲ تا ۱۹۸۵ء
عکس سیرت (مجلہ سیارہ ڈائجسٹ عکس سیرت نمبر)	کونسٹن ویرژیل جورجیو (اردو ترجمہ خلیل الرحمان)	مجلہ سیارہ ڈائجسٹ فروری ۱۹۹۳ء

نوٹ ۔آیات قرآنی کے اردو ترجے کیلئے مولانا فتح محمد جالندھری کا ترجمہ استعمال ہوا ہے۔ بائبل (توریت اور انجیل) کا ترجمہ بائبل سوسائٹی لاہور کی مطبوعہ کتاب مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ' سے لیا ہے۔

انگریزی کتب حوالہ:

ALI, SYED AMEER: "THE SPIRIT OF ISLAM". METHUEN & CO. LTD., LONDON, 1967.

BOULAINVILLIERS, COUNT OF: "THE LIFE OF MAHOMET". DARF PUBLISHERS LTD., LONDON 1983. (ORIGINALLY PUBLISHED IN 1731 UNDER THE ROYAL EXCHANGE)

"ENCYCLOPEDIA JUDAICA". KETER PUBLISHING HOUSE, JERUSALEM LTD., JERUSALEM 1978.

"ENCYCLOPEDIA OF ISLAM", E.J. BRILL, LEIDEN (NETHERLANDS), 1986.

GIBBON, EDWARD: "THE DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE" RANDOM HOUSE, INC., NEW YORK.

GLUBB, SIR JOHN: "THE LIFE & TIMES OF MUHAMMAD." SCARBOROUGH HOUSE/PUBLISHERS, CHELSEA, 1970.

GUILLAUME, ALFRED: "THE LIFE OF MUHAMMAD, (A TRANSLATION OF ISHAQ'S SIRAT RASUL ALLAH)." OXFORD UNIVERSITY PRESS, KARACHI, 1990.

HART, MICHAEL: "THE 100-A RANKING OF THE MOST INFLUENCIAL PERSONS IN HISTORY". HART PUBLISHING CO. INC., NEW YORK 1978.

HITTI, PHILIP K.: "THE ARABS". HENRY REGNERY COMPANY, CHICAGO, 1970.

KIRMANI, ZIAUDDIN: "THE LAST MESSENGER WITH A LASTING MESSAGE" HIJRAH CENTENARY PUBLICATION.

LINGS, MARTIN: "MUHAMMAD". INNER TRADITIONS INTERNATIONAL LTD., ROCHESTER 1983.

MUIR, SIR WILLIAM: "THE LIFE OF MOHAMMAD" AMS PRESS INC., NEW YORK 1975.

SIDDIQI, ABDUL HAMEED: "THE LIFE OF MUHAMMAD (PBUH)" LIBRARY OF ISLAM, DESPLANES, 1991.

SMITH, BOSWORTH: "MOHAMMED AND MOHAMMEDANISM." DARF PUBLISHERS LTD., LONDON, 1986.

WATT, W. MONTGOMERY: "MUHAMMAD AT MEDINA". OXFORD UNIVERSITY PRESS, KARACHI, 1994.

WATT, W. MONTGOMERY: MUHAMMAD PROPHET & STATESMAN'. OXFORD UNIVERSITY PRESS, NEW YORK, 1974.

وَاِنَّمَا اَنَا نَذِيرٌ مُّبِيْنٌ (القرآن)

نذیر مُبین

حمد بیحد مر رسولِ پاک را   آنکہ ایماں داد مشتِ خاک را

سیّد شاہد حسین